انوار البیان
عام فہم اردو تفسیر
محقق العصر حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
دار الاشاعت
اردو بازار ○ کراچی
فون: 021-2213768

انوارُ البیان
فی کشف اسرار القرآن

عام فہم اردو تفسیر

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

سلیس اور عام فہم اردو میں پہلی جامع اور مفصل تفسیر جس میں تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے، دلنشیں انداز میں احکام و مسائل اور مواعظ و نصائح کی تشریحات، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر، حدیث و فقہ کے حوالوں کے ساتھ

محقق العصر حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : نومبر ۲۰۰۶ء علمی گرافکس
ضخامت : 668 صفحات

مصححین: مولانا محمد شفیق کشمیری صاحب (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
مولانا سرفراز احمد صاحب (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
مولانا عرفان صاحب (فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ لاہور)

تصدیق نامہ

میں نے تفسیر ''انوار البیان فی کشف اسرار القرآن'' کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کردی گئی۔ اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ انشاء اللہ

23/08/06

محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ نمبر مجاریہ R.ROAUQ 2002/338

﴿......... ملنے کے پتے ....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
London
Tel : 020 8911 9797, Fax : 020 8911 8999

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

فہرست تفسیر انوار البیان

(جلد دوئم از پارہ ۶ ...... تا ...... ۱۱)

☆☆☆............☆☆☆

(پارہ نمبر ۶)

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾

اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا سوائے اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے،

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

اگر تم خیر کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا برائی کو معاف کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ بُری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا

بُری بات کا بیان کرنا پھیلانا اور تجھ مجھ سے کہتے ہوئے پھرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے ہاں اگر کسی پر ظلم ہوا ہو تو وہ اپنی مظلومیت ظاہر کرنے کے لئے ظالم کا ظلم اور زیادتی بتائے تو یہ جائز ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی مدد بھی ہو جائے گی اور خود ظالم کو بھی اپنی زیادتی اور بدنامی کا احساس ہوگا جس کی وجہ سے وہ ظلم سے باز آ جائے گا۔ مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے تکلیف دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا تو اپنا سامان نکال کر راستے میں رکھ دے چنانچہ اس شخص نے ایسا کیا اب ہر وہ شخص جو وہاں سے گزرتا تھا پوچھتا تھا کہ کیا بات ہے (تم نے سامان یہاں کیوں ڈالا) وہ کہتا تھا میرا پڑوسی مجھے تکلیف دیتا ہے اس پر گزرنے والے اس کے پڑوسی پر لعنت بھیجتے تھے اور اس کی رسوائی کیلئے بددعا کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا پڑوسی آیا اور کہنے لگا تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ اللہ عزوجل کی قسم میں تمہیں کبھی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔

آیت کے عموم میں یہ سب باتیں شامل ہیں۔ کہ کسی کی غیبت کی جائے، کسی پر بہتان باندھا جائے، کسی کے عیب اور گناہ کو تجھ مجھ سے بیان کیا جائے۔ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اگر کسی کا کوئی عیب اور گناہ معلوم ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرے نا یہ کہ اسے اڑائے اور ادھر اُدھر پہنچائے بہت سے لوگوں کو غیبت کرنے اور دوسروں کی پردہ دری کرنے اور گناہوں کو مشہور کرنے اور اِدھر اُدھر لئے پھرنے کا ذوق ہوتا ہے ایسے لوگ اپنی بربادی کرتے ہیں اور آخرت میں اپنے لئے عذاب تیار کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص سے کوئی زیادتی ہو جائے، اوّل تو بہتر یہ ہے کہ اسے معاف کر دے اور اگر معاف کرنے کی ہمت نہیں ہے تو بدلہ لے سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مظلومیت کا بدلہ بقدر مظلومیت ہی لیا جا سکتا ہے۔ اگر بدلہ لینے والے نے زیادتی کر دی تو اب وہ ظالم ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ کہیں ان سب کا گناہ اس پر ہے جس نے گالی گلوچ شروع کی تھی جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔ (رواہ مسلم ص ۳۲۱ ج ۲) جب مظلوم نے زیادتی کر دی تو وہ بھی گناہگار ہوگا کیونکہ جتنے بدلے کی اجازت تھی وہ اس سے آگے بڑھ گیا۔

پہلی آیت کے ختم پر فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا (اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) جو بھی کوئی شخص بری بات کو پھیلائے گا

اچھے برے کلمات کہے گا اس کی باتیں اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور جو بھی کوئی شخص کسی پر ابتداءً یا جواباً ظلم و زیادتی کر دے اللہ تعالیٰ شانہٗ کو اس کا علم ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ سب کے درمیان فیصلے فرما دے گا اگر مظلوم نے معاف نہ کیا۔

دوسری آیت میں فرمایا اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ○ (اگر تم خیر کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا برائی کو معاف کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا قدرت رکھنے والا ہے) اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ جو بھی خیر کا کام کرو گے ظاہراً ہو یا پوشیدہ (عبادت بدنی ہو یا مالی ہو) یا کسی ظلم و زیادتی کو معاف کر دو گے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے، قدرت والا ہے تمہارے اعمال کا بدلہ دینے پر قادر ہے اور وہ معاف کرنے والا بھی ہے، معاف کرنا بھی بہت بڑا نیک عمل ہے۔

سورۃ النور میں فرمایا وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (اور چاہئے کہ معاف کرے اور درگذر کرے کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور اللہ غفور رحیم ہے) جو شخص معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ کے یہاں اس کا بڑا مرتبہ ہے۔ یہ دنیا و آخرت میں اس کی عزت بڑھنے کا سبب بن جاتا ہے، حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جنہیں میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں وہ تین یہ ہیں کہ صدقہ کی وجہ سے کسی بندہ کا مال کم نہیں ہوگا اور جس کسی بندہ پر کوئی ظلم کیا گیا جس پر اس نے صبر کر لیا تو اللہ عز و جل اس کی عزت بڑھا دے گا۔ اور جس کسی نے (مخلوق سے) سوال کرنے کا دروازہ کھول دیا اللہ تعالیٰ اس پر تنگدستی کا دروازہ کھول دے گا (یعنی وہ ہمیشہ فقیر ہی رہے گا جس قدر بھی مال جمع کرے اس کا فقر ختم نہیں ہوگا) (رواہ الترمذی وقال حدیث صحیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے رب! تیرے نزدیک بندوں میں سب سے بڑا عزت والا کون ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مَنْ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ یعنی جو شخص قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے وہ اللہ عز و جل کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی زبان کو محفوظ رکھے اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ چیزوں کی پردہ پوشی فرمائے گا اور جو شخص اپنے غصے کو روک لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روک لے گا اور جو شخص اللہ عز و جل کی بارگاہ میں عذر پیش کرے اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول فرمالیتا ہے۔ (ذکر الروایتین صاحب المشکوٰۃ ص ۴۳۴ عن شعب الایمان)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ

بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں

نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِکَ ھُمُ

کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راہ تجویز کرلیں یہ وہ لوگ

الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ

ہیں جو یقیناً کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر اور

يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

ان میں کسی کے درمیان میں فرق نہیں کرتے یہ وہ لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اجور عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ اوراس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے!

صاحب معالم التنزیل ص ۴۹۴ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور توریت پر ایمان لائے اور حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور حضرت سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے ان کے ساتھ کفر کیا اور انجیل اور قرآن کے بھی منکر ہوئے۔ ان لوگوں نے ایسا راستہ نکالا کہ اللہ عز وجل پر تو ایمان لائیں اور اس کے رسولوں میں سے بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں۔

جو شخص صرف اللہ پر ایمان لائے اور کسی رسول پر ایمان نہ لائے یہ بھی کفر ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا ہے اور بعض رسولوں پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کرے یہ بھی تفریق ہے۔ کیونکہ کسی ایک رسول کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ صاحب روح المعانی (ص ۴ ج ۶) نے حضرت قتادہؓ سے نقل کیا ہے کہ آیت شریفہ میں یہود و نصاریٰ دونوں کا ذکر ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا انکار کیا اور یہود و نصاریٰ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے منکر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا جو دین ہے اسے دونوں جماعتیں چھوڑ بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہر نبی پر ایمان لانا فرض ہے جن لوگوں نے کسی بھی نبی کا انکار کیا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پکے کافر ہیں ان کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ اور فرمایا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا کہ ہم نے کافروں کیلئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے اہل کفر کا کفر ذکر فرمانے کے بعد اہل ایمان کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اور کسی بھی رسول کا انکار کر کے تفریق کرنے والے نہ بنے (یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی) یہ لوگ بڑے بڑے ثوابوں کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ثواب عطا فرمادے گا۔

مسلمانوں کے بارے میں سورۂ بقرہ کے ختم کے قریب ارشاد فرمایا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (ایمان لائے رسول اس پر جو ان کی طرف نازل کیا گیا ان کے رب کی طرف سے اور مؤمنین بھی ایمان لائے، سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر (انہوں نے کہا) کہ ہم تفریق نہیں کرتے اللہ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان بھی)

درحقیقت ایمان جبھی متحقق ہوتا ہے اور اللہ کے نزدیک معتبر ہوتا ہے جبکہ تمام ایمانیات پر ایمان لایا جائے۔ کوئی شخص فرشتوں کا منکر ہو، یوم آخرت کا منکر ہو۔ قرآن کی کسی آیت کا منکر ہو کسی شعائر اسلامی کا منکر ہو۔ کسی بھی رسول کی رسالت اور کسی بھی نبی کی نبوت کا منکر ہو تو وہ اللہ کے نزدیک کافر ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو مانتا ہو۔ اللہ پر ایمان لانے میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جن پر ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ حکم فرمایا۔

یہ اہل اسلام ہی کی امتیازی شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام کی توقیر کرتے ہیں جس طرح انہیں یہ گوارہ نہیں کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کوئی نازیبا کلمہ کہا جائے

اسی طرح انہیں یہ بھی گوارہ نہیں کہ سیدنا موسیٰ یا سیدنا عیسیٰ علیہما السلام یا کسی بھی رسول یا نبی کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہی جائے نصاریٰ کے پاس جو موجودہ انجیلیں ہیں ان میں جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یا ان سے پہلے کسی بھی نبی کے بارے میں کوئی نازیبا بات آ گئی ہے اس پر مسلمانوں ہی نے انہیں متنبہ کیا اور انہیں بتایا کہ یہ رسول اور نبی کی شان کے خلاف ہے اور دنیا میں جب کبھی بھی کسی فرد یا جماعت کی طرف سے کوئی ایسی بات اٹھتی ہے جس سے کسی بھی نبی کی شان میں کوئی حرف آتا ہو تو الحمد للہ مسلمان ہی خدائی فوجدار بن کر اس کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ

اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دیں۔سو وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بات کا سوال

ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ

کر چکے ہیں انہوں نے یوں کہا کہ تو ہمیں آمنے سامنے اللہ تعالیٰ کو دکھا دے، سوان کو ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی نے پکڑ لیا، پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا

اس کے بعد کہ ان کے پاس دلائل آچکے تھے، پھر ہم نے اس کو معاف کر دیا، اور ہم نے موسیٰ کو صریح غلبہ دے دیا اور ہم نے

فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي

لوگوں پر طور کو اٹھا لیا ان سے مضبوط عہد لینے کی وجہ سے، اور ہم نے ان سے کہا کہ دروازہ میں داخل ہو جاؤ جھکے ہوئے، اور ہم نے ان سے کہا کہ زیادتی نہ کرو

السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

سنیچر کے دن میں اور ہم نے ان سے لے لیا تھا بہت مضبوط عہد۔

یہود کے بیجا سوالات اور بری حرکتوں کا تذکرہ اور ان سے میثاق لینا

یہودیوں کی شرارتوں اور ان کی ضد اور عناد کا تذکرہ قرآن مجید میں بہت سی جگہ بیان فرمایا ہے۔ان کو ایمان تو نہ لانا تھا لیکن ضد اور عناد کی وجہ سے طرح طرح کی باتیں کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی باتوں سے تکلیف ہوتی تھی۔اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہاں بھی یہودیوں کے ایک مطالبہ کا ذکر فرمایا ہے۔اور وہ یہ کہ انہوں نے یہ سوال کیا کہ آپ آسمان سے ایک کتاب اتار دیں وہ کتاب ہم اترتی ہوئی دیکھ لیں ہمارے ہاتھوں میں آجائے ہم اسے پڑھ لیں تو ہمیں اطمینان ہو جائے گا کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔کتاب اترنے پر ہم ایمان لا سکتے ہیں۔اسی قسم کی بات مشرکین مکہ نے بھی کہی تھی۔ان کا قول سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے، انہوں نے کہا تھا وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ (اور ہم نہیں مانیں گے تیرے آسمان پر چڑھنے کو یہاں تک کہ تو اتار دے ہمارے اوپر ایک کتاب جسے ہم خود پڑھ لیں) نہ مشرکین مکہ کو ایمان لانا تھا اور نہ یہودیوں کو، خوامخواہ کی آڑ پکڑتے تھے اور ایمان لانے کیلئے بہانے ڈھونڈتے تھے۔سورۂ انعام میں فرمایا وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (اور اگر ہم اتار دیں آپ پر کتاب کاغذ میں پھر وہ اسے چھو لیں اپنے ہاتھوں سے تو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ضرور یوں کہیں

گے کہ یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے) منکرین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ معجزات کا مطالبہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بات ہو جائے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بہت سے معجزات ظاہر فرمائے جو ایک عقلمند منصف طالب حق آدمی کیلئے کافی تھے پھر بھی کہتے تھے کہ فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو مطالبے کے مطابق معجزہ بھیج دے لیکن پھر بھی بعض معجزات ان لوگوں کے کہنے کے مطابق ظاہر ہوئے جن میں معجزہ شق القمر بھی ہے لیکن چونکہ ماننا مقصود نہیں تھا اس لئے معجزات کو جادو بتا دیتے تھے۔ ان لوگوں کے عناد اور ضد اور مطالبات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچتی تھی اور آپ فکرمند ہوتے تھے کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں۔ آپ کی تسلی کیلئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ آپ ان کی پرواہ نہ کریں اور انہوں نے جو سوال کیا ہے کہ آسمان سے کتاب اتار دو اس سے بڑا سوال پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے ہیں، اور وہ سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے آمنے سامنے دکھا دو۔

سورۂ بقرہ میں ان کی یہ بات اس طرح ذکر فرمائی ہے وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً (اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم تمہاری بات نہ مانیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو آمنے سامنے نہ دیکھ لیں)۔ یہ دنیا اس قابل نہیں ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت ہی میں ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں دیدار الٰہی کا سوال کیا تھا جب رب تعالیٰ شانہٗ کی پہاڑ پر تجلی ہوئی تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ایک مقرب نبی کا یہ حال ہے تو عوام کو دیدار الٰہی عزوجل کی کہاں تاب ہو سکتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لینے کے لئے طور پر تشریف لے گئے تھے وہاں انکو چالیس دن لگ گئے۔ یہاں پیچھے ان کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ جب آپ تشریف لائے تو ان لوگوں کی سرزنش کی اور سمجھایا اور ستر آدمیوں کو ساتھ لیا تا کہ بارگاہ خداوندی میں معذرت پیش کریں اور توبہ قبول کرنے کی درخواست کریں، جب طور پر پہنچے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کا کلام سن لیا جس میں موسیٰ علیہ السلام کو خطاب تھا اور ان لوگوں کو بھی خطاب فرمایا کہ تم میری عبادت کرو۔ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو اس پر کہنے لگے کہ ہم تو جب مانیں گے جب اللہ کو آمنے سامنے دیکھ لیں اس پر ان کو بجلی نے پکڑ لیا جس سے وہ سب مر گئے۔ بجلی کے پکڑنے کا تذکرہ سورۂ بقرہ میں بھی ہے اور آیت بالا میں بھی ذکر فرمایا ہے فَاَخَذَتْھُمُ الصّٰعِقَۃُ بِظُلْمِھِمْ کہ ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی نے پکڑ لیا انہوں نے جو بے جا بات کا سوال کیا اور ایسی بات کا مطالبہ کیا جو اس دنیا میں ہونے والی نہیں ہے اس کو ظلم سے تعبیر فرمایا۔ (من معالم التنزیل)

یہ جو فرمایا ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ بنیاد سے مراد وہ معجزات ہیں جو اللہ جل شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ لسلام کو عطا فرمائے تھے جن کا ظہور فرعون کے سامنے ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصٰی اور ید بیضا اور سمندر کا پھٹ جانا جس میں آل فرعون غرق ہوئے اور بنی اسرائیل کو نجات ہوئی بنی اسرائیل نے یہ سب چیزیں دیکھیں پھر بھی بچھڑے کو خدا بنا بیٹھے، پھر صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ بینات سے وہ واضح دلائل بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اللہ کے معبود ہونے اور واحد لاشریک لہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور یہ چیزیں ہر عقلمند کے سامنے ہیں اس کے باوجود ان لوگوں نے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی اور فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِکَ جو فرمایا (کہ ہم نے ان کے اس جرم کو معاف کر دیا) اس کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جانوں کو قتل کرو یہ تمہاری توبہ ہے (چنانچہ انہوں نے اس پر اس طرح عمل کیا) جن لوگوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی انہوں نے بچھڑا پوجنے والوں کو قتل کیا۔ ہزاروں آدمی قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سب کی توبہ قبول فرمائی فَتَابَ عَلَیْکُمْ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ.

پھر فرمایا وَاٰتَیْنَا مُوْسٰی سُلْطَانًا مُّبِیْنًا (اور ہم نے موسیٰ کو سلطان مبین عطا کیا) سلطان مبین کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر ہم نے بیان کیا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ای تسلطًا ظاهرا علیهم حین امرهم ان یقتلوا انفسهم توبة عن اتخاذهم یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر ایسا غلبہ عطا کیا جب انہوں نے ان کو توبہ کرنے کے لئے اپنی جانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو ان لوگوں نے اس پر عمل کرلیا اور دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے ان کو کھلے کھلے معجزات عطا کئے جو ان کی نبوت و رسالت پر واضح دلائل تھے۔ صاحب معالم التنزیل نے اسی معنیٰ کو لیا ہے۔

پھر فرمایا وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ اس کا ذکر بھی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اور سورۂ اعراف میں بھی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر توریت شریف پیش کی اور فرمایا کہ اس کو قبول کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو تو یہ لوگ انکاری ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ دیا جو ان کے سروں پر آ کر ٹھہر گیا اور ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اس کو قبول کرو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو۔ اس وقت کہنے لگے کہ ہم مانتے ہیں اور عہد کرلیا کہ ہم اس پر عمل کریں گے۔ لیکن پھر اپنے عہد سے پھر گئے، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ ، بَعْدِ ذٰلِكَ یہاں اس واقعہ کا اختصار کے ساتھ تذکرہ فرمایا۔

پھر فرمایا وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (اور ہم نے کہا داخل ہو جاؤ دروازہ میں جھکے ہوئے) اس کا ذکر بھی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے اور سورۂ اعراف میں بھی ہے۔ جب میدان تیہ سے نکلے تو ان کو ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم ہوا یہ بستی کون سی تھی اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ان کو حکم ہوا تھا کہ اس بستی میں جھکے ہوئے تواضع کے ساتھ داخل ہوں۔ لیکن ان لوگوں نے اس کی نافرمانی کی اور بجائے جھکے ہوئے داخل ہونے کے بیٹھ کر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تفصیل کیلئے سورۂ بقرہ رکوع ۶ کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ اور ہم نے ان سے کہا کہ سنیچر کے دن میں زیادتی نہ کرو۔ اس کا ذکر بھی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے اور سورۂ اعراف میں بھی ہے۔ یہودیوں کو حکم تھا کہ سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار نہ کریں۔ اور ان کی آزمائش کے لئے سنیچر کے دن مچھلیاں سمندر کے کنارے پر خوب ابھر ابھر کر آتی تھیں۔ اور دوسرے دنوں میں مچھلیاں غائب ہو جاتی تھیں، چونکہ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنا ممنوع تھا اس لئے ان لوگوں نے یہ حرکت کی کہ دریا کے کنارے حوض بنا دیئے اور ان حوضوں کو بڑی بڑی نالیوں کے ذریعے سمندر سے ملا دیا۔ جمعہ کے دن بند توڑ دیتے تھے تاکہ سنیچر کے دن پانی کے بہاؤ کے ساتھ مچھلیاں ان حوضوں میں داخل ہو جائیں جب مچھلیاں ان حوضوں میں آ جاتیں تو بند لگا دیتے تھے تاکہ سمندر میں واپس نہ جائیں پھر اتوار کے دن پکڑ لیتے تھے اس حیلے کو انہوں نے استعمال کیا اور اس طرح سے سنیچر کے دن میں زیادتی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

پھر فرمایا وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا یعنی ان سے ہم نے بہت مضبوط عہد لیا تھا کہ اللہ کے اوامر پر چلیں گے اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچیں گے لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا جس کا ذکر ابھی اگلی آیت میں آتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا

سو ہم نے اس وجہ سے (ان پر لعنت کی) کہ انہوں نے عہد شکنی کی اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا، اور نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ اور انہوں نے یوں کہا کہ ہمارے دلوں پر

غُلْفٌ ، بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ

غلاف ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ سو وہ ایمان نہ لائیں گے مگر تھوڑے سے لوگ۔ اور (اس وجہ سے بھی ان پر لعنت کی) کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور انہوں

عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ

نے مریم پر بہت بڑا بہتان لگایا۔ اور انہوں نے یوں کہا کہ بلاشبہ ہم نے مسیح ابن مریم کو قتل کردیا جو اللہ تعالیٰ کے رسول

اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ

ہیں حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا، اور بلاشبہ جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ ضرور ان کے بارے

شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ

میں شک میں ہیں، اٹکل پر چلنے کے سواء ان کو ان کے بارے میں کوئی علم نہیں اور یقیناً انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے

اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ

ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ان پر مرنے سے پہلے ایمان نہ لائے

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

اور قیامت کے دن وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

یہودیوں کے کفر اور شرارتوں کا مزید تذکرہ

ان آیات میں بہت سے مضامین مذکور ہیں۔ یہودیوں کا عہد توڑنا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا منکر ہونا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ناحق قتل کرنا اور ان کا یہ کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں (جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم اپنے دین پر بہت مضبوط ہیں ہم پر کسی کی بات اثر انداز نہیں ہوسکتی) اور حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگانا، ان کی یہ باتیں یہاں مذکور ہیں، ان میں سے بعض چیزوں کا تذکرہ سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ اپنے معطوفات کے ساتھ مل کر فعل محذوف سے متعلق ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ **فعلنا بهم ما فعلنا بنقضهم** یعنی ہم نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اور ان کو جو سزائیں دی وہ ان کے ان اعمال کی وجہ سے ہیں جن میں عہد کا توڑنا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرنا بھی اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل کرنا اور یہ کہنا بھی ہے کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور مریم علیہا السلام پر بہتان باندھنا............ اور ان کا یہ قول کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کردیا ان سب کی وجہ سے انہیں سزائیں دی گئی۔

مفسر ابوحیان نے فرمایا ہے کہ ان سب کے اخیر میں لفظ لَعَنّٰهُمْ مقدر ہے کیونکہ قرآن مجید میں ایک جگہ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وارد ہوا ہے (یہ آیت سورہ مائدہ ع ۳ میں ہے) مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا۔ سورۂ بقرہ میں یہودیوں کا قول کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں ذکر فرما کر ارشاد فرمایا بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ ان پر لعنت کردی ہے اور یہاں یوں فرمایا بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ یعنی یہ بات نہیں ہے کہ ان کے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر ماردی ہے جس کی وجہ سے وہ دولت ایمان کی وجہ سے محروم کردیئے گئے۔ وہ اس کو کمال سمجھ رہے ہیں کہ اسلام قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے ہمارے

دل محفوظ ہیں، ہم ان کو قبول نہیں کریں گے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ایمان سے محروم کر دیئے گئے ہیں انہوں نے جو قصداً وارادۃً اور عناداً کفر اختیار کیا اور اسی پر جمے رہے تو ان کا یہ عمل چھاپ لگنے کا سبب بن گیا۔ پھر فرمایا فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا (سو ان میں سے تھوڑے ہی سے افراد مسلمان ہوں گے) جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

اس کے بعد ان کے مزید کفر کا تذکرہ فرمایا اور وہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنا ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ کفر کیا ان کی ماں پر بھی بری بات کی تہمت باندھی باوجودیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں ہی اپنی ماں کی برأت ظاہر کر دی جب حضرت مریم کی گود میں بچہ دیکھ کر بنی اسرائیل نے بری بات کی تہمت لگا دی تو حضرت مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا بچے نے کہا اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا (الآیۃ) اور قرآن نے بھی حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی بیان فرمادی۔

نیز سورۂ تحریم میں فرمایا وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (الآیۃ) لیکن یہودی اسی پر اڑے رہے کہ حضرت مریم علیہا السلام سے برائی کا صدور ہوا۔ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبوّت سے سرفراز ہوئے تو یہودیوں نے ان کی دشمنی میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔ حتیٰ کے اپنے خیال میں ان کو قتل ہی کر دیا۔ اسی کو وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ میں بیان فرمایا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ وہ ان کو رسول اللہ تو مانتے نہ تھے پھر بھی ان کو رسول اللہ کہا ان کا یہ کہنا بطور مذاق بنانے کے تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اس کی جگہ کوئی اور لفظ کہا ہو اللہ جل شانہٗ نے ان کی شان رفیع ظاہر فرمانے کے لئے لفظ رسول اللہ بڑھا کر ان کی صفت بیان فرمادی۔

اس کے بعد فرمایا وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا۔ یہ اشتباہ کس طرح سے ہوا؟ اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو ایک جگہ قید کر دیا تھا آپ نے ان کیلئے بددعا کی لہٰذا وہ بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے جب یہ بات یہودیوں کے سردار کو پہنچی جس کا نام یہودا تھا اس نے یہودیوں کو جمع کیا اور سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ قتل کرنے کے لئے چلے تو اللہ جل شانہٗ نے جبریل علیہ السلام کو بھیج دیا جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اُٹھایا۔ یہودیوں میں کا ایک شخص قتل کرنے کے لئے اندر داخل ہوا جس کا نام طیطانوس تھا وہاں ان کو موجود نہ پایا اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کے مشابہ بنا دی جب وہ باہر نکلا تو یہودیوں نے اسے قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔

اور وہب بن منبہ سے یوں منقول ہے کہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ستّر حواری تھے جو ایک گھر میں جمع تھے۔ قتل کرنے والے جب آئے اور گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ہر شخص عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر ہے یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا تم میں عیسیٰ کون ہے وہ سامنے آجائے ورنہ ہم تم سب کو قتل کر دیں گے یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میں ایسا کون شخص ہے جو آج اپنی جان کو جنت کے بدلے میں بیچ دے ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ لہٰذا وہ شخص باہر نکلا اور اس نے حاضرین سے کہا کہ میں عیسیٰ ہوں لہٰذا انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اوپر اٹھالیا۔ قتادہؒ اور مجاہدؒ وغیرھما کا بھی یہی قول ہے۔

ایک قول یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں ایک شخص منافق تھا جب یہودیوں نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس منافق نے کہا کہ میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں اور اس نے تیس درہم اس کی اجرت بھی لے لی، جب حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا تو آپ آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے، منافق کی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جیسی صورت بنا دی گئی۔ لہٰذا ان لوگوں نے اندر داخل ہو کر اسی کو قتل کر دیا۔ اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۰ ج ۶)

علامہ بغویؒ معالم التنزیل ص ۴۹۶ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک گھر میں بند کر دیا تھا اور ان پر ایک نگران مقرر کر دیا تھا جب قتل کرنے کے لئے آئے تو اللہ تعالیٰ نے اس نگران کی صورت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت بنا دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھا لیا۔

دور حاضر میں یورپ کے ریسرچ کرنے والوں نے ایک اور بات کا کھوج لگایا ہے اور وہ یہ کہ جب بنی اسرائیل نے طے کر ہی لیا کہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کر ہی دینا ہے تو حکومت وقت کے پاس شکایت لے کر گئے۔

اس زمانے میں دمشق اور آس پاس علاقوں میں رومیوں کی حکومت تھی یہودی رومی حاکم کے پاس گئے اور کہا کہ یہاں ایسا ایسا ایک شخص ہے جو ہمارے دین سے نکل گیا اور ہمارے جوانوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس نے ہماری جماعت میں تفریق کر دی اس کے ساتھی بڑھ رہے ہیں وہ تمہاری حکومت کے لیے خطرہ ہے کسی نظام اور قانون کا پابند نہیں اگر اس کے شر کو نہ روکا گیا تو ممکن ہے اس کی طاقت بڑھتے بڑھتے تمہارے لئے اور ہمارے لئے ایک بڑا فتنہ بن جائے اور تمہاری حکومت ہی ختم ہو جائے۔ چونکہ حکومت یہودیوں کے دین میں دخل نہیں دیتی تھی اس لئے دینی اعتبار سے حکومت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ابھارنا اور چڑھانا مشکل تھا لہٰذا انہوں نے سیاسی امور کو سامنے رکھ کر بھڑکایا اور سمجھایا کہ اس شخص کی وجہ سے تمہاری حکومت کو شدید خطرہ ہے۔ جب یہودیوں نے بار بار شکایتیں پہنچائیں اور حکومت کے ذمہ داروں کے سامنے معاملہ کے سنگین ہونے کا اظہار کرتے رہے تو حکومت کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو طلب کیا گیا۔ یہ جمعہ کا دن اور عصر کا وقت تھا اور تھوڑی دیر میں سنیچر کی رات شروع ہونے والی تھی۔ یہودی چاہتے تھے کہ سنیچر کی رات ہونے سے پہلے قصہ تمام ہو جائے۔ حاکم کے پاس بھاری تعداد میں جمع ہو گئے کہ کیا حکم دیتا ہے؟ آفتاب غروب ہونے کو تھا کہ حاکم نے فیصلہ دے دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور صلیب پر چڑھا دیا جائے۔ مجرم کو پھانسی کا پھندا خود لے کر جانا پڑتا تھا۔ اور پھانسی گھر شہر سے دور تھا۔ یہودی قتل کے فیصلے سے بہت خوش ہوئے اور جو پولیس والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساتھ لے کر جا رہے تھے ان کے ساتھ کثیر تعداد میں یہودی بھی ساتھ ہو گئے جن میں بہت سے بے وقوف نوجوان بھی تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سخت دشمنی رکھنے والے بھی تھے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بُرا کہتے ہوئے اور تکلیف دیتے ہوئے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضعیف الجثہ تھے، اسفار کرتے ہوئے لاغر ہو چکے تھے کچہرے میں کھڑے کھڑے زیادہ وقت گزر گیا تھا اور صلیب بھاری تھی ان سے اٹھ نہ رہی تھی جو پولیس والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساتھ لے جا رہا تھا اس نے ایک یہودی نوجوان سے کہا کہ صلیب کی اس لکڑی کو اٹھا کر لے چل۔ وہ شخص بہت زیادہ دشمنی میں آگے تھا اس نے صلیب کو اٹھا لیا اور جلدی جلدی صلیب کو لے کر آگے چلنے لگا تا کہ معاملہ نبٹ جائے اور سورج چھپنے سے پہلے قتل کا قصہ تمام ہو جائے۔ اسی طرح چلتے چلتے جب پھانسی گھر پہنچے تو پھانسی گھر کے پولیس والوں نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور وہ پولیس والے فارغ ہوئے جو ہمراہ آ رہے تھے۔ پھانسی گھر کے پولیس والوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان صلیب کو اٹھائے ہوئے ہے، قانون کے مطابق انہوں نے اس نوجوان کو پکڑ لیا اور اسے پھانسی دینے لگے وہ چیختا چلاتا رہا اور اپنی برأت ظاہر کرتا رہا۔ اور پکار پکار کر کہتا رہا کہ مجرم دوسرا شخص ہے میں نے تو دل لگی کہ طور پر صلیب کو اٹھا لیا تھا اور پولیس والوں نے جلدی کرنے کی وجہ سے مجھے اٹھانے

کا حکم دیا تھا یہ اپنی زبان میں چیختا رہا، رومیوں کی پولیس کے سامنے اوّل تو قانون کے مطابق یہی شخص مستحق سزا تھا، دوسرے وہ اس کی زبان نہیں سمجھتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ جس مجرم کو پھانسی دی جاتی ہے وہ چیخ پکار تو کرتا ہی ہے۔ لہٰذا انھوں نے اپنے خیال میں حاکم کے حکم کے مطابق اسی نوجوان کو پھانسی دے دی کیونکہ وہ اسی کو مجرم سمجھتے تھے، یہودی دور کھڑے ہوئے خوش ہو رہے تھے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کروا دیا۔ قتل تو ہوا ان میں کا ایک نوجوان اور سمجھ رہے تھے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کروایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اُٹھا لیا اور کافروں کے ارادوں اور شرارتوں سے انہیں بچا لیا۔ بہر حال جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ ان کے قتل میں نا کام ہو گئے اور ان کو اشتباہ ہو گیا۔ ان کا اپنا آدمی قتل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور ان کی مکاری دھری رہی۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔

پھر فرمایا وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ (اور جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ ان کی جانب سے شک میں ہیں ان کو ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے سوائے اٹکل پر چلنے کے) مطلب یہ کہ جو لوگ قتل کے دعویدار ہیں انہیں قتل کا یقین نہیں کیونکہ انہیں یہ تردد تھا کہ اگر ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو ختم کر دیا تو ہمارا آدمی کہاں ہے اور ہمارا آدمی مقتول ہوا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔

پھر فرمایا وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (اور یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اُٹھا لیا) عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ انہیں ابھی تک طبعی موت آئی۔ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انہوں نے آسمان دوم میں ملاقات کی پھر وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے۔ دجال کو قتل کریں گے، اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ قرآن و حدیث کے موافق مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے، اس بارے میں سورۂ آل عمران کی آیت اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ کی تفسیر بھی دیکھ لی جائے۔ وہاں ضروری معلومات سپرد قلم کر آئے ہیں۔

پھر فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (اور اللہ تعالیٰ غلبہ والا حکمت والا ہے) وہ کسی کی صورت دوسرے کی طرح بنا دے۔ اس پر پوری طرح قادر ہے اس کے فیصلوں سے کوئی اسے روکنے والا نہیں وہ جسے چاہے زمین پر رکھے جسے چاہے آسمان پر بلا لے۔ سب کچھ اسے اختیار ہے اور اس کا ہر فعل حکمت کے مطابق ہے۔

آخر میں فرمایا وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ان پر اپنے مرنے سے پہلے ایمان نہ لائے) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع کی جائے۔

پہلی صورت اختیار کی جائے تو مطلب یہ ہے کہ یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور نبوت کے منکر ہی ہیں اور نصرانی اپنے خیال میں ان کو مانتے تو ہیں لیکن ان کے بارے میں غلط عقیدہ رکھتے ہیں ان کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اور یہ ماننا بھی کفر ہے۔ یہودی بھی کافر ہیں اور نصرانی بھی، ان میں سے جو شخص مرنے لگتا ہے۔ جان نکلنے سے پہلے جب اسے برزخ کے احوال نظر آنے لگتے ہیں، یہ ایمان لے آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں لیکن یہ ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر نہیں۔ اس لئے کہ یہ ایمان برزخ کے حالات سامنے آنے کے بعد ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۷ ج ۶ فرماتے ہیں: فمفاد الآية ان كل يهودى و نصرانى يؤمن بعيسى عليه السلام قبل ان تزهق روحه بانه عبد الله تعالىٰ ورسوله ولا ينفعه ايمانه حينئذ لأن ذالك الوقت لكونه ملحقا بالبرزخ لما انه ينكشف عنده لكل الحق ينقطع فيه التكليف.

(آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر یہودی و نصرانی اپنی روح نکلنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں لیکن اس وقت کا ایمان کوئی فائدہ نہیں دیتا کیونکہ اس وقت وہ اس کا تعلق برزخ سے ہو چکا ہوتا ہے کہ اس وقت سب حقیقت ظاہر ہو چکی ہوتی ہے تب آدمی ایمان کا مکلّف نہیں رہتا۔)

صاحب معالم التنزیل نے موتہ کے ضمیر کے مرجع کے بارے .... میں دونوں قول لکھے ہیں عکرمہؒ مجاہد اور ضحاک اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی قول بتایا ہے کہ موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اور لکھا ہے ومعناه وما من اهل الكتاب احدا الاليؤمنن بعيسى عليه السلام قبل موته اذا وقع فى اليأس حين لا ينفعه ايمانه سواء احترق او غرق او تردى فى بئر او سقط عليه جدار او اكله سبع او مات فجأة (ص ۴۹۷ ج ۱) (جو بھی اہل کتاب ہے وہ موت سے پہلے جبکہ وہ ناامیدی کے گھڑے میں جا پڑے گا ضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا چاہے موت کسی طریقے سے آئے خواہ وہ آگ میں جل جائے یا پانی میں غرق ہو جائے یا کنویں میں گر جائے یا اس پر دیوار گر پڑے یا اسے کوئی درندہ کھا لے یا اچانک موت آ جائے بہر صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان ضرور لائے گا۔)

موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہو تو آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ کوئی بھی اہل کتاب ایسا نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تمہارے اندر ابن مریم نازل ہوں گے جو فیصلے کرنے والے ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے جسے نصرانی پوجتے ہیں (اور یہ توڑنا نصرانی دین سے بے زاری ظاہر کرنے اور اس کے باطل ہونے کا اعلان ہوگا) اور خنزیر کو قتل کریں گے (اس کا مقصد بھی نصرانیوں سے بیزاری ظاہر کرنا ہوگا۔ کیونکہ نصاریٰ کو خنزیر کا گوشت بہت محبوب ہے) اور جزیہ ختم کر دیں گے (یعنی کافروں سے جزیہ قبول نہ فرمائیں گے اور اسلام کے سوا کوئی بات قبول نہ کریں گے) اور مال کو بہا دیں گے (اور اس قدر بخشش کریں گے) کہ کوئی شخص قبول کرنے والا بھی نہ ہوگا۔ اس وقت ایک سجدہ ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ان سب سے بہتر ہوگا۔ یہ بیان کر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم چاہو تو وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ کو پڑھ لو۔ (رواہ البخاری ص ۴۹۰ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد نبوی بیان کرنے کے بعد جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے، مذکورہ آیت پڑھنے کے لئے جو فرمایا اس سے انکا مقصد یہی ہے کہ اس زمانہ کے جو اہل کتاب یہودی اور نصرانی ہوں گے سب ان پر ایمان لے آئیں گے، معالم التنزیل میں اس کی تصریح ہے کہ قَبْلَ مَوْتِهٖ تک پڑھ کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قَبْلَ مَوْتِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ کہا اور اسے تین مرتبہ دہرایا۔ اس طرح سے انہوں نے مَوْتِهٖ کی ضمیر کا مرجع واضح طور پر بیان فرما دیا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ مَوْتِهٖ کی ضمیر کے بارے میں یہ دوسرا قول بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور حسنؒ اور قتادہؒ سے بھی منقول ہے۔ پھر لکھا ہے والمعنى انه لايبقى احدٌ من اهل الكتاب الموجودين عند نزول عيسىٰ عليه السلام الّا ليؤمنن به قبل ان يموت وتكون الاديان كلها ديناً واحدًا یعنی مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اس وقت جتنے بھی اہل کتاب موجود ہوں گے سب ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے اور اس وقت سب دین ختم ہو جائیں گے صرف ایک ہی دین باقی رہے گا یعنی دین اسلام۔

آخر میں فرمایا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام اہل کتاب پر گواہ ہوں گے)

یہودیوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا اور نصاریٰ کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتایا۔ (روح المعانی)

اور گواہ ہونے کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ وہ فرمائیں گے کہ میں نے ان کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے تھے اور میں نے بتا دیا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور یہ کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے میری تبلیغ کے باوجود ان لوگوں نے شرک کیا۔ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کی۔ (معالم التنزیل بشرح)

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ

سو جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ہم نے ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کیلئے حلال کی گئیں تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ کے راستہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ

سے روکنے میں زیادہ مشغول رہے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ سود لیتے رہے حالانکہ اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقے

بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

پر کھاتے رہے اور ہم نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

حرام خوری اور سود لینے کی وجہ سے یہودی پاکیزہ چیزوں سے محروم کر دیئے گئے

ان آیات میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہودیوں پر وہ حلال اور طیب چیزیں حرام کر دی گئیں جو ان کے لئے پہلے حلال تھیں۔ اور یہ اس وجہ سے حرام کی گئیں کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا جس میں نقض عہد اور حضرات انبیاء علیہم السلام کا قتل بھی شامل ہے، نیز وہ کثرت کے ساتھ یہ کام بھی کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو روکا۔ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو جھٹلایا اور اپنے نفسوں کو اور دوسروں کو ان کے اتباع سے روکا، اور اس وجہ سے بھی پاکیزہ چیزیں ان پر حرام کی گئیں کہ وہ سود لیتے رہے حالانکہ توریت شریف میں ان کو اس کی ممانعت کر دی گئی تھی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقہ کے ساتھ کھاتے تھے، ان کے حکام اور علماء احبار رشوت لیتے تھے اور حرام طریقوں سے عوام کا مال کھا جاتے تھے۔ صاحب معالم التنزیل ص ۴۹۸ ج ۱ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں **اعقبنا هم با ن حرمنا عليهم طيبا ت و كانوا كلما ارتكبوا كبيرة حرم عليهم شئی من الطيبا ت التی كانت حلالا لهم** مطلب یہ ہے کہ ہم نے انکے بُرے کرتوتوں کی وجہ سے یہ سزا دی کہ ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں۔ جب کبھی بھی کوئی کبیرہ گناہ کرتے تھے، ان چیزوں میں سے کوئی نہ کوئی چیز حرام کر دی جاتی تھی جو ان کے لئے حلال تھی، سورۂ انعام میں بعض ان چیزوں کا ذکر ہے جو ان پر حرام کر دی گئیں تھی، وہاں ان کے بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ (کہ ہم نے ان کو یہ بدلہ دیا ان کی بغاوت کی وجہ سے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جو چیزیں ان پر حرام کر دی گئی تھیں بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ان میں سے بعض چیزیں حلال کر دی گئیں۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں فرمایا وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۔

تحریم طیبات کے اسباب میں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور سود کھانا اور باطل طریقوں سے لوگوں کا مال کھانا بھی مذکور ہے جب کسی نبی

کی بعثت ہوتی تھی تو یہ لوگ دین حق کو نہ قبول کرتے تھے نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ جو لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام کو قتل کر دیتے ہوں ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی راہ پر نہ خود چلیں گے نہ اللہ کی راہ کسی کو اختیار کرنے دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی ان کے پیچھے پڑ گئے۔ ان کو بہت تکلیف دی ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ سود کھانا یہودیوں کی بہت پرانی عادت ہے۔ توریت شریف میں ان کو اس سے منع کر دیا تھا لیکن پھر بھی برابر سود لیتے رہے دنیا میں مہاجن اور سیٹھ بننے کا جو طریقہ رائج ہے ان میں سب سے بڑا کامیاب طریقہ سودخوری ہی کا ہے۔ سودخور حاجت مندوں کو قرض دیتا ہے اصل پر بھی سود لیتا ہے اور سود پر بھی سود لیتا ہے۔ حتی کہ اصل سرمایا کم رہ جاتا ہے اور سود کا مال زیادہ ہو جاتا ہے اس میں حاجت مندوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک ہے۔ اور ان کی حاجت مندی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ایک صورت ہے جو خون چوسنے کے برابر ہے اس بیدردی اور بے رحمی والے عمل سے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بنی اسرائیل کو بھی منع فرمایا تھا اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو بھی منع فرمایا ہے۔ یہودیوں نے اس عمل کو نہیں چھوڑا اور بہت سے مسلمان ہونے کے دعویدار آج کل بھی اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بنکاری کا سارا کام سود پر ہی ہے، جو لوگ یہودی ہیں ان کے بڑے بڑے ذاتی بنک ہیں اور بنکوں میں ان کے شیئرز ہیں اور جو لوگ دنیا پر دل دیئے ہوئے ہیں مال کی کثرت کے متوالے ہیں اسلام کے مدعی ہوتے ہوئے اس ملعونیت کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ممانعت کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے بلکہ الٹا اسے جائز کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہیں اس کا نام پیسے کی تجارت رکھتے ہیں کچھ لوگ مولویوں کو نشانہ بناتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دوسری قومیں (یہودی، نصرانی، ہندو) سود لے کر بام عروج پر پہنچ گئی ہیں اور مولویوں نے سود حرام کر کے قوم کو گہرے غار میں ڈال دیا ہے۔ بھلا مولوی کی کیا طاقت ہے کہ کسی چیز کو حرام کرے وہ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال ہے اسے حلال بتاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام ہے اسے حرام بتاتا ہے۔ علماء کو برا کہنے سے، لعنت سے نہیں بچیں گے اور حرام حلال نہیں ہو جائے گا، افسوس ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے حُبّ مال میں یہودی صفت بنے ہوئے ہیں، یہودیوں سے اپنا بغض بھی ظاہر کرتے ہے اور صفات ان کی اختیار کرتے ہیں۔ مال آتا ہوا دیکھتے ہیں تجوری بھری ہوئی دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں آخرت کے عذاب کا کوئی احساس نہیں۔ اگر سچ پوچھیں تو جس طرح یہودیوں پر تشریعی طور پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دی گئی تھیں، اسی طرح اب تکوینی طور پر پاکیزہ چیزوں پر بنی آدم محروم ہو رہے ہیں۔ پچاس سال پہلے جو چیزوں پر لذت تھی وہ اب نہیں رہی اور جانوروں کا گوشت یورپ امریکہ وغیرہ میں ایشیاء کے بہت سے علاقوں میں **بسم اللہ** کے بغیر ذبح کئے ہوئے کھایا جا رہا ہے۔ حلال چیز کو حرام کر کے کھا رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں، حلال ذبیحے کا مزا اور کیف تھا اس سے یکسر محروم ہیں اور حرام کھانے کا جو گناہ ہے وہ اپنی جگہ ہے۔

سود کے بارے میں جو قرآن و حدیث میں وعیدیں وارد ہیں ان کے لئے سورۂ بقرہ کا رکوع ۳۸ اور اس کی تفسیر کی مراجعت کر لی جائے یہودیوں کے اعمال شنیعہ اور اقوال قبیحہ بتاتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ باطل کے ساتھ لوگوں کے مال کھاتے رہے ہیں۔ حرام مال کھانا یہودیوں کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی اور اب بھی اسی پر چل رہے ہیں۔ ان کے حکاّم رشوتیں لیتے تھے اور علماء بھی، علماء کا یہ طریقہ تھا کے لوگوں کی مرضی کے مطابق توریت شریف کا حکم بدل دیتے تھے اور اس پر پیسے لیتے تھے، سورۂ بقرہ کی آیت (۶۹ رکوع ۹) فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ میں ان کی اس حرکت کو بیان فرمایا ہے۔

آخر میں فرمایا وَاَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ دنیا کی سزا تحریم طیبات بیان فرمانے کے بعد ان کی آخرت کی سزا بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ان میں سے جو لوگ کفر پر برقرار رہیں گے اور اسی حالت میں مر جائیں گے تو دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے جو ان کے لئے تیار فرمایا ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ

لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور جو ایمان لانے والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ پر اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے

مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور جو لوگ قائم کرنے والے ہیں نماز کو اور دینے والے ہیں زکوۃ کو اور جو ایمان لانے والے ہیں اللہ تعالیٰ پر

الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

اور آخرت کے دن پر ایسے لوگوں کو ہم عنقریب بڑا ثواب عطا کریں گے۔

ع ۲۲

اہلِ کتاب میں جو راسخ فی العلم ہیں وہ ایمان لے آئے ہیں

اس آیت میں یہ بتایا کہ سارے اہل کتاب ان صفات سے متصف نہیں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو علم میں پختہ ہیں، اصحاب بصیرت ہیں وہ سابقہ کتب الٰہیہ اور موجودہ کتاب الٰہی یعنی قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں، نمازیں قائم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ ان لوگوں کو ہم اجر عظیم عطا کریں گے جو ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے مقرر اور موعود ہے گو ایسے لوگ یہودیوں میں کم ہیں چند ہی افراد ایمان لائے مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم۔ جس طرح کفر پر جمے رہنے والوں کے لئے عذاب الیم تیار فرمایا ہے اسی طرح ایمان قبول کرنے والوں اور اعمال صالحہ اختیار کرنے والوں سے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ وحی بھیجی نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو ان کے بعد آئے اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم اور اسماعیل

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا

اور اسحاق اور یعقوب کی طرف اور یعقوب کی اولاد کی طرف اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی، اور ہم نے

دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ ۚ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ

بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا ہم نے آپ سے اس سے پہلے حال بیان کیا اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا،

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ ۚ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام کیا، ہم نے رسول بھیجے جو خوش خبری سنانے والے تھے اور ڈرانے والے تھے تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں

اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ

کے لئے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس چیز کی جو آپ کی طرف اتاری، اس کو اپنے

اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾

علم کے ساتھ اتاری ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شہادت ہی کافی ہے۔

ارسالِ رُسل کی حکمت اور متعدّد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ

ان آیات میں اوّل تو سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے یہ فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ نوح علیہم السلام اور ان کے بعد دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی تھی، اس سے ان لوگوں کا استعجاب دور فرمایا جو آپ کی نبوت کو نئی چیز سمجھتے تھے، یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ دعویٰ نبوت کرکے نئی بات فرما رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کی بھی تردید ہوئی جو لوگ کہتے تھے کہ انسان نبی بن کر کیوں آیا۔ جو لوگ سلسلہ نبوت سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے ہیں وہ بھی انسان ہی تھے۔ لہٰذا تکذیب کے لئے یہ شوشہ چھوڑنا کہ ہمیں تو معلوم نہیں کہ پہلے نبی آئے ہوں اور یہ اعتراض اٹھانا کہ نبی آیا تو بشر کیوں آیا بالکل غلط ہے۔ اگر کسی کو نبیوں کی تشریف آوری کا بالفرض علم نہ تھا تو اب جان لے اور اب مان لے کہ پہلے بھی نبی آئے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبی ہیں۔ مخلوق کو راہ ہدایت بتانے کے لئے نبیوں کی تشریف آوری ضروری ہے کیونکہ محض اپنی عقل سے پوری طرح ایمانیات تک رسائی نہیں ہوسکتی۔

اس کے بعد چند حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے گرامی کا خصوصی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ ہیں، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت عیسیٰ، حضرت ایوب، حضرت یونس، حضرت ہارون، حضرت سلیمان، حضرت داؤد علیہم السلام۔ ان سب حضرات کی نبوت اور رسالت یہود میں معروف و مشہور تھی اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو تو قریش مکہ بھی جانتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ ہم ان کی اولاد میں سے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان دونوں حضرات نے کعبہ شریف بنایا تھا زمانۂ شرک میں جو حج کرتے تھے اس کے بارے میں جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتایا ہوا طریقہ ہے اور ان کے دین کی بہت سی باتیں اہل مکہ میں رواج پذیر تھیں لیکن شرک ان کے دلوں میں اس قدر جاگزیں ہو گیا تھا کہ توحید کی بات بری لگتی تھی۔ سورۂ انعام (رکوع ۹) میں بھی متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔

یہاں جن حضرات کا ذکر ہے ان کے علاوہ سورۂ انعام میں حضرت یوسف، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت لوط علیہم السلام کا تذکرہ ہے، سورۂ مریم اور سورۂ انبیاء میں حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہے۔ سورۂ انبیاء اور سورۂ ص میں حضرت ذوالکفل کا بھی تذکرہ ہے۔ سورۂ اعراف اور سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام کا بھی ذکر ہے، سورۂ بقرہ میں اور یہاں سورۂ نساء میں لفظ الاسباط بھی وارد ہوا ہے اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے، جتنے انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل میں تشریف لائے وہ سب یعقوب علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء کرام تشریف لائے۔ ان کے اسمائے گرامی بجز زکریا، یحییٰ علیہما السلام کے قرآن مجید اور احادیث شریف میں مذکور نہیں ہیں بعض حضرات کے اسماء گرامی یہود سے سنے گئے ہیں اور انہیں سن کر یہ نام تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں آگئے ہیں، جیسے حضرت شمعون، حضرت شمویل، حضرت حزقیل علیہم السلام۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زبور عطا فرمائی جو مشہور چار کتابوں میں سے ہے۔ زبور عطا فرمانے کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۶ میں بھی مذکور ہے۔

قرآن مجید میں چوبیس حضرات کا نام لے کر ان کے نبی ہونے کی تصریح فرمائی ہے تئیس ۲۳ نام تو اوپر مذکور ہوئے اور چوبیسویں سیّدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ ابوالبشر سیّدنا آدم علیہ السلام بھی اللہ کے نبی تھے حدیث شریف میں بھی اس کی تصریح وارد ہوئی سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ومامن نبی یومئذ آدم فمن سواہ الاتحت لوائی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۳) (کہ قیامت کے دن کوئی بھی نبی ایسا نہ ہوگا جو میرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو آدم ہو یا کوئی نبی ہو) ان پچیس حضرات کو تو تعیین کے ساتھ نام لے کر نبی جاننا اور ان کی نبوت کا عقیدہ رکھنا فرض ہے ان کے علاوہ دوسرے حضرات کے بارے میں یوں اجمالی عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں کو مانتا ہوں۔ اور ان سب کے بارے میں بغیر کسی تفریق کے میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ سب حضرات اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ بعض روایات میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہے۔ جن میں تین سو پندرہ کو رسول بتایا ہے۔ یہ روایت مسند احمد سے صاحب مشکوٰۃ نے ص ۵۱۱ پر نقل کی ہے لیکن چونکہ حدیث خبر واحد ہے اور عقائد کا مدار آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ پر ہے اس لئے حضرات اکابر اہل سنت نے فرمایا ہے کہ تعداد مقرر کر کے ایمان نہ لائے بلکہ یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسل پر ایمان لاتا ہوں تاکہ تعداد ذکر کرنے سے کوئی نبی اور رسول رہ نہ جائے اور جو نبی اور رسول نہ ہو وہ ان میں داخل نہ ہو جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ کہ ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ سے بیان کر دیا اور بہت سے رسول ہم نے ایسے بھیجے ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

سورۂ مؤمن میں بھی اس عمل کی تصریح ہے چنانچہ ارشاد ہے: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ.

شرح عقائد میں اس بات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے: وقد روی بیان عددهم فی بعض الاحادیث علی ماروی ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم سئل عن عدد الا نبیاء فقال مائة الف واربعة وعشرون الفا وفی روایةمائتاألف واربعة وعشرون الفًا والاولی ان لا یقتصر علی عدد فی التسمیةفقد قال اللّٰه تعالیٰ منهم من قصصنا علیک و منهم من لم نقصص علیک ولا یؤ من فی ذکر العدد ان یدخل فیهم من لیس منهم ان ذکر عدد اکثرمن عددهم او یخرج منهم من هو فیهم ان ذکر اقل من عددهم یعنی أن خبر الواحد علی تقدیر اشتماله علی جمیع الشرائط المذکورة فی اصول الفقه لا یفیدالاالظن ولا عبرةبالظن فی باب الاعتقادیات خصوصا اذااشتمل علی اختلاف روایة وکان القول بموجبه ممایفضی الی مخالفة ظاهرالکتاب وهو أن بعض الانبیاء لم یذکر للنبی علیه السلام ویحتمل مخالفة الواقع وهو عدالنبی من غیر الانبیاء او غیر النبی من الا نبیاء بناء علی ان اسم العدد اسم خاص فی مدلوله لا یحتمل الزیادة والنقصان. اھ (بعض احادیث میں انبیاء علیہم السلام کی تعداد بیان کی گئی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انبیاء علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جوابًا فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک روایت میں ہے دو لاکھ چوبیس ہزار ہیں (لیکن بہتر یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد کو کسی خاص عدد میں منحصر نہ سمجھا جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے'' ان میں

سے بعض کے احوال ہم نے آپ کو سنائے اور بعض کے نہیں سنائے کیونکہ خاص عدد بیان کرنے کی صورت میں دو باتوں کا اندیشہ ہے۔ایک یہ کہ اگر وہ عدد انبیاء کی تعداد سے زیادہ ہے تو اس صورت میں غیر نبی انبیاء میں شامل ہو جائیں گے یا وہ عدد انبیاء کی تعداد سے کم ہے تو اس صورت میں بعض نبی انبیاء میں سے خارج ہو جائیں گے۔مقصد یہ ہے کہ جن احادیث میں انبیاء کی تعداد مروی ہے وہ سب اخبار آحاد ہیں اور خبر واحد اگر چہ ان تمام شرائط پر مشتمل ہو جو اصول فقہ میں مذکور ہیں تب بھی وہ ظن سے زیادہ کا فائدہ نہیں دیتی اور اعتقادیات کے باب میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں خصوصاً جب کہ وہ خبر واحد اختلاف روایت پر مشتمل ہو (پھر تو وہ بدرجہ اولیٰ در بارۂ اعتقادیات معتبر نہ ہوگی) اور اس کے مقتضی پر عمل کرنے سے کتاب اللہ کی مخالفت لازم آئیگی کیونکہ کتاب اللہ بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بعض انبیاء کا تذکرہ نہیں کیا گیا نیز اس سے واقعہ کی مخالفت کا بھی احتمال ہے اور وہ نبی کو غیر نبی یا غیر نبی کو نبی شمار کرنا ہے کیونکہ اسم عدد اپنے معنی کے ساتھ خاص ہے کمی یا زیادتی کا احتمال نہیں رکھتا)

اجمالی طور پر تمام انبیاء اور رُسل پر ایمان لانے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے بارے میں جو اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا عبد صالح تھے (راجع معالم التنزیل ص ۵۶۲ ج ۳) اس اختلاف سے صرف نظر کرتے ہوئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کا اقرار ہو جائے گا اور اجمالاً سب پر ایمان ہو جائے گا۔

آیت بالا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک خاص فضیلت بیان فرمائی اور فرمایا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے خاص طور پر کلام کیا) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ میں صفت کلام بھی ہے اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اس کی کیفیت سمجھنے سے بندے عاجز ہیں کیفیت کا ذکر کتاب وسنت میں نہیں ہے اس لئے یہ ایمان لانا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا صحیح ہے حق ہے گو ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے۔اللہ تعالیٰ محل حوادث نہیں ہے۔اس نے اس طرح کلام فرمایا جو اس کی شان کے لائق ہے۔

پھر فرمایا رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (ہم نے رسول بھیجے خوشخبری دینے والے ڈرانے والے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پر حجت باقی نہ رہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا ان کے واسطہ سے اپنے بندوں کو توحید کا اور عبادت کا حکم دیا۔رسولوں نے اہل ایمان کو اور اعمال صالحہ اختیار کرنے والوں کو اجر وثواب اور آخرت کی نعمتوں کی بشارت دی اور منکرین کو دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور بتایا کہ ایمان قبول نہ کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔اس سے بندوں پر حجت قائم ہوگئی تاکہ وہ یوں نہ کہیں۔لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى (کیوں نہیں بھیجا آپ نے کوئی رسول ہماری طرف سو ہم آپ کی آیات کا اتباع کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوتے اور رسوا ہوتے) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنے رسول بھیج دیئے کتابیں بھیج دیں بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت قائم نہیں رہی بلکہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہے۔

پھر فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا اور اللہ زبردست ہے (وہ جسے چاہے عذاب دے سکتا ہے) اور وہ حکمت والا بھی ہے (اس نے اپنی حکمت کے مطابق رسول بھیجے تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور جسے ہلاک ہونا ہو وہ اپنے عقیدوں اور عمل کی وجہ سے ہلاک ہو)

آخر میں فرمایا لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (لیکن اللہ تعالیٰ اس چیز کی گواہی دیتا ہے جو اس نے آپ کی طرف اپنے علمی کمال کے ساتھ اتاری اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور اللہ کی شہادت کافی ہے)۔

معالم التنزیل ص ۵۰۱ ج ۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رؤساء مکہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کے بارے میں یہودیوں سے دریافت کیا کہ تمہاری کتابوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفات بیان کی گئی ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کو نہیں جانتے تھوڑی دیر میں یہودیوں کی ایک جماعت آ گئی ان سے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تم جانتے ہو میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم تو نہیں جانتے۔ اس پر اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں یہ بتایا کہ آپ کی نبوت اور رسالت کی حقانیت ان کے ماننے پر موقوف نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو کتاب اپنے علمی کمال کے ساتھ نازل فرمائی ہے (جو ایک عظیم معجزہ ہے) وہ اس کتاب کے ذریعہ آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتا ہے اور فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں اگر بیوقوفوں نے اور معاندوں نے نہ مانا تو اس سے حقیقت واقعیہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا ہی کافی ہے کسی اور کی تصدیق اور تسلیم کی آپ کو حاجت نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا بے شک وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے بے شک جن لوگوں نے

كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ

کفر کیا اور ظلم کیا اللہ ان کو نہیں بخشے گا اور نہ جہنم کی راہ کے علاوہ انہیں کوئی راہ بتلائے گا

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

کافروں اور راہِ حق سے روکنے والوں کے لئے صرف دوزخ کا راستہ ہے

ان آیتوں میں ان لوگوں کے لئے وعید شدید ہے جنہوں نے خود بھی کفر کیا اور دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا۔ یہ لوگ نہ خود اسلام قبول کرتے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے اس کی وجہ سے بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے، چونکہ جو شخص خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر کمر باندھ لے اس سے واپس آنے کی امید نہیں رہی۔ کفر اختیار کرنے والوں کو ظالم بھی بتایا کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور دوسرے انسانوں پر بھی ظلم کیا کیونکہ انہیں حق قبول کرنے سے روکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی مغفرت نہیں ہوگی اور جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو ان کو صرف دوزخ ہی کا راستہ بتایا جائے گا تاکہ اس میں داخل ہو جائیں اور اس میں انہیں داخل ہونا پڑے گا فرشتے ان کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ طریق جنت کی طرف دنیا میں راہ یاب نہ ہوئے تو آخرت میں بھی وہ جنت کے راستے پر چلنے سے محروم رہیں گے دوزخ میں ان کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا پڑے گا۔

وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا. (اور کافروں کی مغفرت نہ فرمانا اور ان کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دینا اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے) اسے کوئی چیز روکنے والی نہیں۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے رسول آ گیا سوتم ایمان لاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم کفر کرو سو بلاشبہ

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۞ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ وَلَا

اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اللہ جاننے والا ہے اور حکیم ہے ۔اے اہل کتاب غلو نہ کرو اپنے دین میں اور

تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ

مت کہو اللہ کی شان میں مگر حق بات، مسیح جو عیسیٰ ابن مریم ہیں وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی

وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ

طرف سے ایک روح ہے سو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ تین خدا ہیں اس سے باز آ جاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ معبود صرف اللہ ہی ہے جو اکیلا ہے

سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۞

وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو ۔اسی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ کارساز ہونے کے لئے کافی ہے۔

ع ۲۳ ۹ رکوع لازم

نصاریٰ کی گمراہی کا بیان اور ان کے عقیدۂ تثلیث کی تردید

اوّل تو تمام عالم کے انسانوں کو خطاب فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول حق لے کر پہنچا ہے ان کا تشریف لانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ان پر ایمان لاؤ۔ ایمان لاؤ گے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا (کیونکہ حق قبول کرنا مستقل خیر ہے اور پھر اس کے سبب سے دائمی عذاب سے بچنا اور ہمیشہ کے لئے جنت اور جنت کی نعمتوں کا مل جانا یہ سب خیر ہی خیر ہے)۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اسے تمہارے مؤمن ہونے کی کوئی حاجت نہیں ہے تم کفر اختیار نہ کرو کیونکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے تم بھی اسی کے ہو وہ خالق بھی ہے اور مالک بھی ہے اسے اختیار ہے اپنی مخلوق میں جو چاہے تصرف کرے۔ کفر کی پاداش میں اسے عذاب دینے کی بھی پوری طرح قدرت حاصل ہے۔ قال صاحب الروح وان تكفروا فهو سبحانه وتعالىٰ قادر على تعذيبكم بكفركم لان له جل شانه، ما فى السمٰوٰت والارض اوفهو غنى عنكم لا يتضرر بكفركم كما لا ينتفع بايمانكم ،اه، (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اگر تم کافر ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے کفر کے سبب تمہیں عذاب دینے پر قادر ہے کیونکہ آسمان و زمین میں بس اسی ذات پاک ہی کی حکومت ہے یا یہ کہ وہ ذات تم سے بے پرواہ ہے تمہارے کفر سے اسے کوئی نقصان نہیں ہے جیسا کہ تمہارے ایمان سے اسے کوئی نفع نہیں ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اور اللہ تعالیٰ علیم ہے اسے سب کے احوال معلوم ہیں اس پر کسی کا کفر اور ایمان پوشیدہ نہیں، وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے موافق جزا سزا عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد اہل کتاب کو خصوصی خطاب فرمایا اور فرمایا يٰۤاَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ کہ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو وہ باتیں نہ کہو جو تمہارے دین میں نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف وہی کہو جو حق ہے ناحق باتیں کر کے اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرنے والے نہ بنو۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا تجویز کر دیا تھا۔ تین خدا مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں۔ اور

یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتایا نیز انہوں نے اوّل تو حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت دھری اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہوئے۔ اور ان کے قتل کے درپے ہوئے حتّٰی کہ اپنے خیال باطل میں ان کو قتل کر ہی دیا اور آج تک ان کو اس پر اصرار ہے قرآن مجید نے ان کی تردید فرمائی۔ نصاریٰ نے عقیدہ تکفیر بھی اپنی طرف سے گھڑ لیا اور یہ کہنے اور ماننے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل کروا کر ہمارے گناہوں کا کفارہ کر دیا (العیاذ باللہ) دونوں فریق کو تنبیہ فرمانے کے بعد (کہ اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَ کَلِمَتُہٗ ج اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ (مسیح جو عیسیٰ بن مریم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام تک پہنچایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روح ہے) اس میں حرف اِنَّمَا سے مضمون کو شروع فرمایا اِنَّمَا عربی زبان میں حصر کے لئے آتا ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مسیح جو عیسیٰ ابن مریم ہیں ان کے بارے میں جو عقیدے تم نے اپنی طرف سے تجویز کر لئے ہیں وہ سب غلط ہیں وہ نہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں نہ معبود ہیں ان کو جو سب سے بڑی فضیلت حاصل ہے وہ یہی ہے کہ دوسرے رسولوں کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا کلمہ بتایا ہے اس کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام نے بہت سے اقوال لکھے ہیں۔ جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ کلمہ سے لفظ کُن مراد ہے۔ سورۂ یٰسین میں فرمایا اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (کہ اللہ تعالیٰ کا امر یہی ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو کن فرما دیتا ہے سو وہ چیز ہو جاتی ہے) سورۂ آل عمران میں ہے کہ جب فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو خوشخبری دی کہ تمہارا بیٹا پیدا ہوگا تو انہوں نے کہا میرے اولاد کہاں سے ہوگی۔ مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک نہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کَذٰلِكِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (ایسے ہی ہوگا اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہے جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس اس کو کن فرما دیتا ہے لہٰذا وہ ہو جاتا ہے) اولاد کے پیدا ہونے کا جو ظاہری سبب ہوتا ہے۔ چونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں موجود نہیں ہوا اس لئے ان کو کلمۃ اللّٰہ فرمایا کہ وہ صرف لفظ کن سے پیدا ہو گئے۔ کن عربی زبان میں کان یکون سے امر کا صیغہ ہے جس کے معنیٰ ہیں ہو جا۔ یہاں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہر چیز کن سے پیدا ہوتی ہے تو ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کا کلمہ کہنا چاہئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے؟ صاحب روح المعانی نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا جواب نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے دو سبب ہوتے ہیں ایک سبب قریب جسے سب جانتے ہیں (یعنی نطفہ کا رحم مادہ میں داخل ہونا پھر نطفہ سے بچہ کا پیدا ہونا) اور دوسرا سبب بعید ہوتا ہے اور وہ لفظ کن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خطاب فرمانا ہے، چونکہ سبب قریب وہاں معدوم تھا اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی اضافت سبب و بعید یعنی کلمہ کن کی طرف فرما دی۔

اگر کلمہ کا یہی مطلب لیا جائے تو اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ حضرت مریم علیہا السلام کو پہنچایا جس کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوگئی۔ صاحب معالم التنزیل ص ۵۰۲ ج ا میں اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اعلمھا واخبرھا بھا کما یقال القیت الیک کلمۃ حسنۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو پہلے سے بتا دیا اور خبر دے دی تھی۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی سے کہتے ہیں کہ میں نے تیری طرف ایک اچھی بات ڈال دی۔

وَرُوْحٌ مِّنْهُ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی جانب سے ایک روح ہیں) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح ہیں جیسی دوسری ارواح ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف تشریفاً منسوب فرمایا جیسا کہ مسجد کو بیت اللہ کہا جاتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ روح سے مراد وہ نفخ (پھونکنا) ہے جو جبرائیل علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے کرتے میں پھونک دیا تھا۔ جس کی وجہ سے بحکم خداوندی حمل قرار پا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اس کی نسبت اس لئے فرمائی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر (خصوصی) سے تھا۔ بعض حضرات نے روح کے معنی رحمت کے لئے ہیں، چونکہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے متبعین کے لئے رحمت ہیں اور یہ رحمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (روح بمعنی رحمت آیت شریفہ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وارد ہوا ہے) اس لئے ان کو روح فرمایا۔

بعض حضرات نے روح بمعنی وحی بھی لیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو بشارت دی تھی، اور بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ روح سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ مریم تک جبریل نے بامر خداوندی پہنچایا۔

پھر فرمایا فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو کہ تین خدا ہیں۔ نصاریٰ کے کئی فرقے تھے اور اب بھی ان میں بہت سے فرقے ہیں ان میں ایک فرقہ تو یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی مسیح بن مریم ہیں اور یہ لوگ حلول کے قائل تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح بن مریم میں حلول کر لیا العیاذ باللہ، اور ایک فرقہ کہتا تھا کہ اللہ اور عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ یہ تینوں معبود ہیں۔ سورۂ مائدہ میں نصاریٰ کے یہ اقوال نقل فرمائے ہیں۔ (آیت نمبر ۱۷ اور آیت نمبر ۷۲، ۷۳) یہاں پر بھی ان کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ تین خدا مت مانو۔ معبود ایک ہی ہے تم اپنے شرکیہ عقیدہ اور قول سے باز آ جاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بھی مانتے تھے اور اللہ کا بیٹا بھی مانتے تھے ان کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کہ معبود صرف اللہ ہے جو ایک ہے اور فرمایا سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے کوئی اولاد ہو، مطلب یہ ہے کہ صرف یہی نہیں کہ اس کی اولاد نہیں بلکہ اس کی اولاد ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اولاد ہونا اس کے لئے عیب ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے اور اس عیب سے بھی پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے معبود ماننا بھی شرک اور کفر ہے اور اس کے لئے اولاد تجویز کرنا بھی شرک اور کفر ہے۔ پھر فرمایا لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہے۔ پھر کوئی کیسے اس کا شریک اور اس کا بیٹا ہو سکتا ہے، وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا (اور اللہ کافی ہے کارساز ہونے کے لئے) جس نے سب کو پیدا فرمایا وہی سب کا کارساز ہے۔ اسے اپنی مخلوق کے نام بنانے اور ان کی حاجتیں پوری کرنے کے لئے کسی شریک یا اولاد کی ضرورت نہیں۔ تم اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانو اور اس کے بھیجے ہوئے دین پر چلو اور اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو۔

دین میں غلو کرنے کی ممانعت ...... جیسا کہ اہل کتاب کو دین میں غلو کرنے سے منع فرمایا۔ ایسے ہی امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو بھی دین میں غلو کرنے سے ممانعت فرمائی ہے امت محمدیہ بھی طرح طرح کے غلو میں مبتلا ہے۔ نصاریٰ نے اپنے دین میں غلو کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور معبود بتا دیا۔ اسی طرح بہت سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کلی تجویز کرتے ہیں اور اللہ کے برابر آپ کا علم بتاتے ہیں اور آپ کو خدائی اختیارات سونپتے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے اس کی بندش فرما دی اور فرمایا تھا **لا تطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم فانما انا عبده فقولوا عبد اللّٰه ورسوله** (رواہ البخاری

ومسلم كما في المشكوة ص ۴۱۷)
کہ تم میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو جیسا کہ نصاری نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا۔ بس میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں تم میرے بارے میں یوں کہو کہ اللہ کے بندے ہیں اور رسول ہیں۔

ملا علی قاری (الموضوعات الکبیر ص ۹۹ طبع مجتبائی) فرماتے ہیں ومن اعتقد تسوية علم الله ورسوله يكفر اجماعا كما لا يخفى (کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کا علم برابر ہے اس کو کافر کہا جائے گا) پھر چند سطرے بعد لکھتے ہیں ولا ريب ان لهؤلاء على هذا الغلو اعتقادا هو انه يكفر عنهم سيئاتهم ويدخلهم الجنه وكلما غلو اكانوا اقرب اليه واخص به فهم اعصى الناس لا مره واشدهم مخالفة لسنته وهؤلاء فيهم شبه ظاهر من النصارىٰ غلوا على المسيح اعظم الغلو وخالفوا شرعه ودينه اعظم المخالفة اه (اور اس میں شک نہیں کہ ان کا اس غلو پر اعتقاد ہے کہ ولی ان کے گناہ مٹا دیتا ہے اور انہیں جنت میں داخل کرتا ہے جب یہ غلو کرتے ہیں تو ولی ان کے قریب ہوتا ہے اور انہیں سے مخصوص ہوتا ہے پس یہ لوگ دین کے سب سے زیادہ نافرمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے سب سے زیادہ مخالف ہیں اور یہ لوگ عیسائیوں کے مشابہ ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا اور ان کی شریعت و دین کی شدید مخالفت کی)

پھر یہ غلو اولیاء تک چلا گیا کہ اولیاء کو بھی مخلوق میں تصرف کرنے والا اور غیب کا جاننے والا مان لیا۔ اولیاء اللہ سے حاجتیں مانگتے ہیں ان کے نام کی نذریں مانتے ہیں۔ اور ان کی قبروں کا طواف کرتے ہیں اور ان کو سجدے کرتے ہیں، حالانکہ طواف صرف بیت اللہ یعنی کعبہ شریف کے ساتھ خاص ہے اور نظریں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہر قسم کا سجدہ بھی اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حدود سے آگے بڑھنے سے منع فرمایا۔

سورۂ مائدہ میں فرمایا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (کہ اے ایمان والو اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو بلاشبہ اللہ تعالیٰ حد سے آگے نکلنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) حدود سے آگے بڑھنے کی بہت سی صورتیں ہیں جو اعتقاداً و عملاً اس امت میں رواج پذیر ہیں مثلاً ذیقعدہ کے مہینے میں اور محرم اور صفر میں شادی کرنا شریعت میں خوب حلال ہے اور درست ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اس حد سے بہت سے لوگ آگے نکلے ہوئے ہیں اور ان مہینوں میں شادی کرنے سے بچتے ہیں بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور اسے حرام کے قریب بنا رکھا ہے یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے جس طرح حلال کو حرام کر لینا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا بھی منع ہے حلال و حرام مقرر فرمانے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

اسی ممانعت میں اللہ تعالیٰ کی رخصتوں سے بچنا بھی داخل ہے مثلاً سفر شرعی میں قصر نماز کی اجازت ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے یہاں تقرب اور نزدیکی کی نہ ہو اسے تقرب کا باعث سمجھ لیں مثلاً بولنے کا روزہ رکھ لینا یا دھوپ میں کھڑا رہنا وغیرہ وغیرہ۔

اور ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ شرعاً جو چیز مستحب ہو اسے واجب کا درجہ دے دیا جائے یا مستحب عمومی کو کسی خاص وقت کیساتھ مخصوص کر لیا جائے جیسے نماز فجر اور نماز عصر کے بعد مصافحہ کرنا اور عید الفطر اور عید الضحیٰ کے دن دوگانہ پڑھ کر گلے ملنا مصافحہ کرنا، مصافحہ اور معانقہ ملاقات کی سنت ہے عید کی سنت نہیں ہے ایک تو اسکی جگہ بدل دی اور دوسرے اسکو واجب قرار دے دیا اس میں دو طرح سے غلو ہے۔

حد سے آگے بڑھ جانے کی ایک یہ شکل ہے کہ کسی عمل کی وہ فضیلت تجویز کر لی جائے جو قرآن و حدیث میں نہیں، یا کسی گناہ پر خاص عذاب اپنی طرف سے تجویز کر کے بتادیا جائے واعظ لوگ ایسا بہت کرتے ہیں۔ اور ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ کسی عمل کی کوئی خاص ترکیب وترتیب تجویز کر لی جائے مثلاً مختلف رکعت میں مختلف سورتیں پڑھنا تجویز کر لیا جائے (جو حدیث سے ثابت نہ ہو) اور اس پر مزید یہ کہ اپنی تجویز اور ترتیب کا فرض واجب کی طرح اہتمام کیا جائے۔

بعض کتابوں میں مہینوں اور دنوں کی نمازیں اور ان کی خاص خاص فضیلتیں اور مخصوص ترکیبیں غیر ذمہ دار مصنفین نے لکھی ہیں یہ سب لوگوں کی اپنی تجویز کردہ ہیں۔ ملا علی قاری الموضوعات الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں ومنها احادیث صلوة الایام واللیالی کصلوٰۃ یوم الاحد ولیلة الاحد و یوم الاثنین الی آخر الاسبوع کل احادیثها کذب (اور انہیں میں راتوں اور دنوں کی مخصوص نمازوں کی احادیث ہیں اتوار کے دن کی نماز اور اتوار کی رات کی نماز اور پیر کے دن کی نماز اور پیر کی رات کی نماز اسی طرح آخر ہفتہ تک کی نمازیں یہ سب احادیث جھوٹ ہیں (ص ۱۰۱) دین اسلام کامل اور مکمل ہے اس میں غلو کرنا، کسی بدعت کا جاری کرنا یعنی اپنی طرف سے کسی ایسے کام کو دین میں داخل کرنا جو دین میں نہیں ہے سراسر گمراہی ہے

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا من اتی بدعة ظن ان محمدا اخطا الرسالة (جس نے بدعت کا کام کیا گویا اس نے یہ سمجھا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے احکام پہنچانے میں غلطی کی ہے اور پورا دین نہیں پہنچایا) العیاذ باللہ بدعت جاری کرنے والا گویا اپنے عمل سے دین کی تکمیل کرتا ہے اور خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے دین میں کمی سمجھتا ہے اور اسے اپنے خیال میں ناقص جانتا ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ

مسیح ہرگز اس کو عار نہیں سمجھے گا کہ اللہ کا بندہ بنے اور نہ مقرب فرشتے، اور جو کوئی شخص عار کرے

عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اللہ کی عبادت سے اور تکبر کرے تو ان کو عنقریب اپنے پاس جمع فرمائے گا۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کو پورے پورے

فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

بدلے عطا فرمائے گا اور فضل سے اور زیادہ دے گا اور جن لوگوں نے عار کی اور تکبر کیا سو ان کو دردناک عذاب

اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ

دے گا اور یہ لوگ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی یار اور مددگار نہ پائیں گے۔ اے لوگو! بے شک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ

رب کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف واضح نور سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے پکڑا تو عنقریب ان کو

فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

اپنی رحمت اور فضل میں داخل فرمائے گا اور ان کو اپنی طرف سے سیدھے راستہ پر پہنچادے گا۔

اہل ایمان کی جزاء اور اہل کفر کی سزا کا ذکر

اسباب النزول ص ۱۸۰ میں لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا جو وفد آیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے صاحب کو عیب لگاتے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا صاحب کون ہے؟ انہوں نے کہا وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں آپ نے فرمایا وہ کون سی بات ہے جو میں ان کے بارے میں کہتا ہوں جسے تم ان کے بارے میں عیب سمجھتے ہو انہوں نے کہا آپ کا کہنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ عار نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بنیں وہ کہنے لگے (ہمارے خیال میں تو) یہ ان کے لئے عار ہے اس پر آیت شریفہ لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ نازل ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا اور سب کا رب بتایا اور اپنے کو اللہ کا بندہ بتایا سورۂ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد نقل فرمایا ہے جو انہوں نے بنی اسرائیل سے خطاب کر کے فرمایا تھا اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ط ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) سورۂ مریم میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (جب کہ وہ نومولود ہی تھے) حاضرین سے فرمایا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ (میں اللہ کا بندہ ہوں) پہلا کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہی تھا میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔

اور سورۂ مائدہ میں ہے وَقَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰہُ النَّارُ (اور مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے بلاشبہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اللہ نے اس پر جنت حرام فرما دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے) جس کسی بھی بندے کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو وہ اللہ کی ربوبیت اور اپنی عبدیت کا اعتراف کرتا ہے، اور جیسے جیسے معرفت بڑھتی جاتی ہے، عبدیت کا اقرار بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اور ہر عارف کو اس بات پر فخر ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں تمام انبیاء کرام اور تمام فرشتے ساری مخلوق سے بڑھ کر معارفت الٰہیہ کی نعمت سے مشرف ہیں اور ان سب کو اس بات کا اعتراف ہے اور اس بات پر فخر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں سید المخلوقات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ اپنا بندہ بتایا اور اپنی طرف نسبت فرما کر آپ کو مشرف فرمایا ارشاد ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ اور ارشاد ہے تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ اور فرمایا فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی درحقیقت کسی مخلوق کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں کہ اسے بندگی کی نعمت حاصل ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بن جائے ۔ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی اللہ جل شانہٗ نے وصف عبدیت کے ساتھ یاد فرمایا سورۂ ص میں ہے۔

وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ اِنَّہٗٓ اَوَّابٌ اور فرمایا وَاذْکُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ اور فرمایا وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ جبکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا سب سے زیادہ فخر اور شرف کی بات ہے کوئی نبی اور فرشتہ اس کو اپنے لئے کیسے عار سمجھ سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے کا اقرار کرے، کوئی شخص اللہ کا بندہ بن جائے اور اللہ اسے اپنا بندہ فرما کر خطاب فرمائے اس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں وما احسن قول القائل

وممازادنی عجبا وتیها   وکدت باخمصی اطاالثریا

جس چیز نے میرے فخر اور خوشی کو اتنا حیرت زدہ کیا۔ قریب تھا کہ میں اپنی لاغری کے باوجود ثریا ستارے کو روند ڈالتا (یعنی خوشی کے مارے وہاں پہنچ جاتا)

دخولی تحت قولک یا عبادی وان صیرت احمد لی نبیا

وہ یہ ہے کہ آپ کے فرمان یا عبادی میں میں بھی داخل ہوں اور یہ کہ آپ نے میرا نبی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا ہے۔

مخلوق اور مملوک ہونے کے اعتبار سے تو سبھی اللہ کے بندے ہیں لیکن اپنے علم ومعرفت اور اقرار واعتراف کے ساتھ جو اپنے بندہ ہونے کا اقرار کرے اس کو فخر جانے اور اپنے علم سے عبدیت کا مظاہرہ کریں یہ سب سے بڑا اشرف ہے اور کسی مخلوق کی ذلت اس سے بڑھ کر نہیں کہ وہ غیر اللہ کی بندگی کرے اور اپنے علم سے عبدیت کا مظاہرہ کرے یہ سب سے بڑا اشرف ہے اور کسی مخلوق کی ذلت اس سے بڑھ کر نہیں کہ وہ غیر اللہ کی بندگی کرے اور اللہ کے سوا کسی کا بندہ بنے جو لوگ اللہ کا بندہ نہیں بنتے وہ مخلوق کے سامنے سر جھکاتے ہیں وہ تراشیدہ بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

نصاریٰ کی یہ جہالت کی بات تھی انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے کو عار سمجھا، اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ مسیح اور تمام فرشتے ان کو ہرگز اس بات سے عار نہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، انہیں اللہ کا بندہ ہونے کا اقرار ہے اور فرمایا وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا (الآیات) جو شخص اللہ کی بندگی سے استنکاف کرے یعنی اسے اپنے لئے عار سمجھے اور تکبر کرے تو وہ ان سب کو اپنی طرف جمع فرمائے گا بندگی کا اقرار کرنے والوں اور خالق و مالک کی عبادت میں مشغول ہونے والوں کو پورے پورے اجر دے گا۔ اور مزید اپنے فضل سے بہت زیادہ عطا فرمائے گا اور جن لوگوں نے اللہ کا بندہ بننے کو اپنے لئے عار سمجھا اور تکبر کیا ان کو دردناک عذاب دے گا۔ اور وہاں کوئی حمایتی ومددگار نہ ملے گا۔

نصاریٰ کی تردید فرمانے کے بعد پھر تمام انسانوں کو خطاب فرمایا کہ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (اے لوگو! بے شک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف واضح نور) برہان دلیل کو کہتے ہیں یہاں دلیل سے اور نور مبین سے کیا مراد ہے؟ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ دلیل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے قرآن مراد ہے۔

مفسر ابن کثیر نے ابن جریج کا اور صاحب درمنثور نے قتادہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ نور مبین سے قرآن مجید مراد ہے۔ درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ قرآن حجت بھی ہے اور نور مبین بھی اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بھی حجت ہے اور نور مبین بھی ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزات کثیرہ کے ساتھ مبعوث فرمایا آپ کی ذات گرامی ساری مخلوق کے لئے ہے اللہ کی طرف سے ایک حجت ہے اور آپ کے اوصاف اور کمالات اخلاق اور صفات اور نعوت اور آپ کی دعوت توحید اور دلائل توحید اس قدر واضح ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے جو اپنی عقل کو ذرا بھی استعمال کرے ان سے منحرف ہونے اور کفر اختیار کرنے کا کوئی بھی جواز نہیں ہے آپ کی ذات گرامی حجت ہے اور نور مبین ہے کہ آپ نے کھول کر ہدایت کے راستے بتائے اور خیر وشر کا امتیاز واضح فرمایا پھر جس طرح آپ کی ذات گرامی لوگوں پر حجت ہے اور نور مبین ہے اسی طرح قرآن عظیم بھی عظیم معجزہ ہونے کے اعتبار سے لوگوں پر حجت ہے۔ جس نے واضح طور پر توحید کے دلائل بیان کئے اور کافروں اور مشرکوں کی گمراہی بیان کی، اور صالحین اور طالحین کا انجام بتایا اور حجت ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نور مبین بھی ہے۔ جس نے خالق و مالک کو راضی کرنے کے طریقے سکھائے احکام شرعیہ واضح فرمائے اور صلاح وفلاح کے راستے بتائے۔

پھر ایمان قبول کرنے والوں اور اس پر مضبوطی سے جمنے والوں کی جزا بتائی اور فرمایا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے پکڑا تو وہ

عنقریب ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل فرمائے گا اور ان کو اپنی طرف سیدھے راستہ پر پہنچا دے گا) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سیدھے راستے پر پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو فرمانبرداری اور ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا اور آخرت میں جنت میں پہنچا دے گا۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ

لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ فرما دیجئے اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی شخص مرجائے اس کے کوئی اولاد نہیں اور اس کی

اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ

ایک بہن ہے تو اس کے لئے اس مال میں کا آدھا ہے جو مرنے والے نے چھوڑا اور بہن کے پورے مال کا وارث ہوگا اگر اس بہن کے کوئی اولاد نہ ہو پس اگر دو بہنیں ہیں تو ان کیلئے

فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

اس مال میں سے دو تہائی ہے جو مرنے والے نے چھوڑا۔ اور اگر یہ لوگ بہن بھائی ہوں تو ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے،

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؑ

اللہ تمہارے لئے بیان فرماتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہو، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

ع ۲۴

حقیقی اور علاتی بہن بھائی کی میراث کے مسائل

اس آیت پر سورۂ نساء ختم ہوگئی سورۂ نساء کے پہلے رکوع میں یتیموں کے حقوق اور اموال کی نگہداشت کا حکم فرمایا تھا اور اجمالی طور پر مرنے والوں کی میراث جاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور دوسرے رکوع میں اولاد اور ماں باپ اور شوہر بیوی کے حصے بیان فرمائے جو انہیں میراث میں پہنچتے ہیں، پھر وہیں کلالہ کی میراث کا ذکر فرمایا۔ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ اصول ہوں اور نہ فروع ہوں یعنی نہ ماں ہو نہ باپ ہو، نہ دادا اور نہ اولاد ہو اور نہ بیٹے کی اولاد ہو۔ ایسا شخص اگر مرجائے اور اس نے بہن بھائی چھوڑے ہوں تو ان کو جو میراث ملے گی اس کا کچھ بیان سورۂ نساء کے رکوع ۶ میں بیان فرمایا اور کچھ یہاں سورۂ نساء کے آخر میں بیان فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ بہن بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں عینی (یعنی سگے بہن بھائی) علاتی (یعنی وہ بہن بھائی جو باپ شریک ہوں) اخیافی یعنی وہ بہن بھائی جو صرف ماں شریک ہوں۔ ان میں سے آخر الذکر یعنی اخیافی بہن بھائی کا حصہ سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں بتا دیا اور وہ یہ کہ جب کسی کلالہ مرد یا عورت کی وفات ہو جائے اور اس نے ماں شریک ایک بھائی یا ایک بہن چھوڑی ہو تو ہر ایک کو مرنے والے کے مال سے چھٹا چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو مثلاً دو بہنیں ہوں یا اس سے زیادہ ہوں یا دو بھائی ہوں یا اس سے زیادہ ہوں یا ایک بھائی ہو اور بہنیں ایک سے زیادہ ہوں اور یا ایک بہن ہو اور بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو یہ سب لوگ مرنے والے کے تہائی مال میں برابر کے شریک ہوں گے اور ان میں مرد عورت کا حصہ برابر ہوگا لڑکے کو لڑکی سے دگنا نہ ملے گا۔ اور باقی مال دوسرے وارثوں کو پہنچ جائے گا۔ اور یہاں سورۂ نساء کے آخر میں عینی اور علاتی یعنی سگے بہن بھائی اور باپ شریک بہن بھائی کا حصہ بتایا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جو کلالہ ہو اور اس نے ایک بہن چھوڑی ہو جو عینی ہو یا علاتی ہو تو اس بہن کو (بعد اداء ما ھو مقدم علی المیراث و نفاذ وصیت در تہائی مال)

کل مال کا آدھا ملے گا۔اور اگر کسی ایسی عورت کی وفات ہوگئی جو کلالہ تھی اور اس نے ایک بھائی عینی یا علاتی چھوڑا تو وہ (بعد ادا حقوق متقدمہ علی المیراث وانفاذ وصیۃ در تہائی مال) اپنی مذکورہ بہن کے کل مال کا وارث ہوگا۔اگر کسی مرد کلالہ نے دو عینی یا علاتی بہنیں چھوڑیں تو ان کو مرنے والے کے مال سے دو تہائی ملے گا۔

اور اگر عینی یا علاتی متعدد بہن بھائی چھوڑے تو مرنے والے کا مال ان بہن بھائیوں پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک مرد کو عورتوں کے برابر حصہ دے دیا جائے گا البتہ عینی بھائی کی وجہ سے علاتی بہن بھائی سب ساقط ہو جاتے ہیں۔اور عینی بہن کی وجہ سے علاتی بہن بھائی کا حصہ کبھی ساقط ہو جاتا ہے اور کبھی گھٹ جاتا ہے جس کی تفصیل کتب فرائض میں مذکور ہیں۔

آخر میں فرمایا یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا (کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے،اسے اپنی مخلوق کا سب حال معلوم ہے سب کے لئے احکام بیان فرماتا ہے۔اور ان سب احکام میں حکمت ہے اور مخلوق کی رعایت ہے وہ احکام و مسائل بیان فرما کر تمہیں گمراہی سے بچاتا ہے ایسے مہربان علیم وخبیر کے احکام پر دل و جان سے عمل کرنا چاہئے۔

وقدتم تفسير سورة النساء لعاشر صفر الخير ۱۴۱۱ھ من شهور السنة الحادية عشر بعد الفٍ واربع مائة من هجرة سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم ،والحمد لله اولا واٰخرا والصلوٰة والسلام على من ارسل طيبًا و طاهرًا۔

☆☆☆..................☆☆☆

مدنی	سورۂ مائدہ	۱۲۰ آیتیں ۱۶ رکوع

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

سورۂ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو بیس آیات اور سولہ رکوع ہیں۔

(۵) سُوۡرَۃُ الۡمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۱۲) اٰیَاتُہَا ۱۲۰ رُکُوۡعَاتُہَا ۱۶

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَہِیۡمَۃُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ

اے ایمان والو! اپنے عہد کو پورا کرو حلال کئے گئے تمہارے لئے چوپائے انعام سے، مگر وہ جن کے بارے میں تمہیں بتادیا جائے گا اس حال میں

غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ ﴿۱﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا

کہ جس وقت تم احرام میں ہو شکار کو حلال کرنے والے نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ اے ایمان والو! مت

تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَ لَا الشَّہۡرَ الۡحَرَامَ وَ لَا الۡہَدۡیَ وَ لَا الۡقَلَآئِدَ وَ لَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ

حلال کرو اللہ کے شعائر کو، اور نہ شہر حرام کو اور نہ ھدی کو اور نہ پٹے ڈالے ہوئے جانوروں کو اور نہ ان لوگوں کو جو بیت

الۡحَرَامَ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رِضۡوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ وَ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ

حرام کا قصد کر کے جا رہے ہوں! وہ اپنے رب کا فضل اور رضا مندی تلاش کرتے ہیں اور جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کرلو اور ہرگز کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے

قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡکُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوۡا

تمہیں مسجد حرام سے روکا ہے اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو اور آپس میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی پر

عَلَی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲﴾

آپس میں مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ایفائے عہود کا حکم اور چوپائیوں اور شکاری جانوروں سے متعلقہ بعض احکام

سورۂ مائدہ کی ابتداء ایفائے عہد یعنی عہدوں کو پورا کرنے کے حکم سے ہے۔ ارشاد فرمایا یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ اے ایمان والو! اپنے عہد کو پورا کرو۔ عہدوں کو پورا کرنا ایمانی تقاضا ہے اور بدعہدی ایمان کے خلاف ہے اس میں وہ عہد بھی داخل ہے جو بندوں نے

المنزل الثانی ۲

وقف لازم

الربع

اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، جب کسی نے اسلام قبول کر لیا تو اس نے یہ عہد کر لیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر کو مانوں گا اور جو بھی احکام ہوں گے ان سب پر عمل کروں گا اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سب سے بچتا رہوں گا۔ خواہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں اوامر و نواہی ہوں اور خواہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بھیجے ہوں۔

درمنثور ص ۲۵۳ ج ۲ بحوالہ بیہقی وغیرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ای بالعھود ماأحل اللّٰہ وما حرم وما فرض وما حد فی القراٰن کلہ لاتغدروا ولا تنکثوا (یعنی عہد پورے کرو اللہ تعالیٰ نے جو حلال قرار دیا ہے اور جو حرام قرار دیا ہے اور جن چیزوں کو فرض کیا اور جو قرآن میں حدود بیان کیں ان سب احکام پر عمل کرو۔ ان کی ادائیگی میں کوئی غدر نہ کرو اور عہد شکنی نہ کرو)

سورۂ نحل میں فرمایا وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ٥ (اور تم اللہ کا عہد پورا کرو جب تم عہد کرو، اور مت توڑو قسموں کو ان کو پکا کرنے کے بعد حالانکہ تم نے اپنے اوپر اللہ کو ضامن بنا لیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو) سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (اور تم عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا)۔ سورۂ رعد میں فرمایا اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ٥ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ٥ (وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں جو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کو اور عہد کو نہیں توڑتے)

سورۂ نحل میں وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ فرمایا اور سورۂ مائدہ میں اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ فرمایا عقود، عقد کی جمع ہے عقد عربی زبان میں باندھنے کو کہتے ہیں آپس میں جو معاملات طے کئے جاتے ہیں ان کو عقد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے عہد ہوا ہے وہ بھی عقد ہے۔ جس میں نذر بھی داخل ہے اور جو بندوں سے معاملات طے کئے جائیں وہ بھی عقد ہے۔

عقود کی قسمیں ...... حضرت زید بن اسلم تابعی نے سورۂ مائدہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا عقود پانچ ہیں (۱) عقد نکاح، (۲) عقد شرکت، (۳) عقد یمین (یعنی قسم)، (۴) عقد حلف (حلف سے یہ مراد ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا حلیف ہو جائے اور آپس میں یہ طے کرے کہ فلاں فلاں امور میں ہم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے)، (۵) عقد عہد، وہ وعدہ یعنی جو آپس میں کر لیا جائے۔ اگرچہ دونوں جانب سے نہ ہو۔ جماعتوں یا حکومتوں کے جو باہمی معاہدات ہیں یا دو انسانوں کے آپس میں جو معاملات ہیں نکاح اور شرکت اور مضاربت اجارہ وغیرہ ان سب معاہدات میں ان سب شرطوں کی پابندی لازم ہے جو آپس میں طے ہو جائیں بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہوں اگر کوئی نذر مان لے تو اسکا پورا کرنا واجب ہے لیکن گناہ کی نذر ماننا جائز نہیں اگر کوئی شخص گناہ کی نذر مان لے تو اس پر عمل نہ کرے اور خلاف ورزی کا کفارہ دے دے اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم توڑنے کا کفارہ ہے و فی الحدیث و من نذر نذرًا فی معصیت فکفارتہ کفارۃ یمین، و فی حدیث اٰخر انہ لا وفاء لنذر فی معصیۃ اللّٰہ و لا فیما لا یملکہ ابن اٰدم رواھما ابو دائود. (حدیث میں ہے جس نے گناہ کی نذر مانی تو وہ اسے پورا نہ کرے بلکہ اسکا کفارہ دے دے اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر کو پورا کرنا جائز ہے جس کا وہ مالک نہ ہو) عقود کو پورا کرنے کا حکم دینے کے بعد بعض احکام ذکر فرمائے۔

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ حلال کر دیئے گئے:

پہلا حکم بیان فرمایا کہ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّامَايُتْلٰى عَلَيْكُمْ (کہ تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے جوانعام کے مشابہ ہیں) بَهِيمَة ہراس جانور کو کہتے ہیں جس کے چار پاؤں ہوں اور اَنعام عموماً اونٹ، گائے، بکری کے لئے بولا جاتا ہے۔ انعام کا حلال ہونا پہلے سے مخاطبین کو معلوم تھا۔ جن جانوروں پر انعام کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن وہ شکل وصورت میں انعام کی طرح سے ہیں جیسے ہرن، نیل گائے، شتر مرغ ان کا حلال ہونا مشروع فرمادیا۔ لفظ بَهِيمَة کی اضافت جو لفظ اَنْعَام کی طرف ہے، اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے بعض حضرات کا قول لکھا ہے کہ یہ اضافت بیانیہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مشابہت بیان فرمانے کے لیے اضافت کو اختیار فرمایا اور مطلب یہ ہے کہ وہ بہائم جو انعام کے مشابہ ہیں وہ تمہارے لئے حلال کئے گئے اور مشابہت اس بات میں ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کو چیر پھاڑ کر نہیں کھاتے۔

پھر جب بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ کی حلّت ذکر فرمادی (اور اس میں وحشی جانور بھی داخل ہو گئے جن کا شکار کیا جاتا ہے) تو اس سے شکار کی اجازت بھی معلوم ہو گئی لیکن چونکہ حالت احرام میں شکار کرنا ممنوع ہے (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) اس لئے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط کہ تمہارے لئے یہ جانور حلال کئے گئے اس حال میں کہ حالت احرام میں تم ان کا شکار کرنے کو عملاً و اعتقاداً احلال نہ سمجھو۔

بہیمۃ الانعام کی حلت بیان فرماتے ہوئے بطور استثناء اِلَّامَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فرمایا مطلب یہ ہے کہ جو جانور تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں ان میں سے وہ جانور مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر ایک آیت کے بعد حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (الآیة) میں فرمایا ہے سورۂ بقرہ اور سورۂ انعام اور سورۂ نحل میں بھی ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر ہے پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَايُرِيْدُ ٥ (بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے) اس کی مشیت حکمتوں کے مطابق ہے۔ قال صاحب الروح من الا حكام حسب ماتقتضيه مشية المبنية على الحكم البا لغة التى تقف دونها الافكار فيد خل فيها ماذكره من التحليل والتحريم دخولا اوليا. (یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حسب مشیت حکم دیتے ہیں اور انکی مشیت ایسی عظیم حکمتوں پر مبنی ہے جو انسانی افکار کی پہنچ سے ماوراء ہیں لہٰذا مذکورہ بالا تحلیل وتحریم بھی احکام الٰہی میں دخول اولی کے طور پر داخل ہیں)

لَاتُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ کا سبب نزول:...... اس کے بعد فرمایا يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (الآیة) اس آیت کے نزول کے بارے میں مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے شریح بن ضبیعہ کندی یمامہ سے مدینہ منورہ آیا (یمامہ ایک علاقہ کا نام ہے) اس نے اپنے ساتھیوں کو جو گھوڑوں پر سوار تھے مدینہ منورہ کے باہر چھوڑ دیا اور تنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دیتا ہوں، کہنے لگا کہ یہ تو اچھی بات ہے مگر میرے چند امراء ہیں میں ان کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا امید ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اور ان کو بھی ساتھ لے آؤں گا اسکے آنے سے پہلے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمادیا تھا کہ ایک آدمی آرہا ہے جو شیطان کی زبان سے بات کرے گا جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کافر کا چہرہ لے کر داخل ہوا اور دھوکہ باز کے پاؤں کے ذریعہ باہر چلا گیا اور یہ شخص مسلم نہیں ہے جب یہ شخص مدینے سے باہر نکلا تو وہاں جو جانور (اونٹ) چر رہے تھے انہیں لے کر چلا گیا حضرات صحابہ نے اس کا پیچھا کیا لیکن اسے پکڑ نہ سکے اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع پر تشریف لے جارہے تھے تو یمامہ کے حجاج کے تلبیہ کی آواز سنی آپ نے فرمایا یہ حُطم ہے اور اس کے ساتھی ہیں (حطم شریح بن ضبیعہ کا لقب

ہے)ان لوگوں نے ان جانوروں کے گلے میں قلادے یعنی پٹے ڈال رکھے تھے جو مدینے کے باہر چرنے والے جانوروں میں سے لوٹ کر لے گئے تھے اور ان جانوروں کو بطور ھدی کعبہ شریف کی طرف لے جارہے تھے اور ان کے ساتھ بہت سا تجارت کا سامان بھی تھا مسلمانوں نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یہ حطم جارہا ہے حج کے لئے نکلا ہے آپ اجازت دیجئے ہم اس کو لوٹ لیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے ھدی کے جانوروں کو قلادہ ڈال رکھا ہے (لہٰذا ان کا لوٹنا صحیح نہیں) مسلمانوں نے کہا (یہ تو کوئی رکاوٹ کی چیز معلوم نہیں ہوتی) یہ کام تو ہم جاہلیت میں کیا کرتے تھے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شعائر اللہ سے مناسک حج مراد ہیں مشرکین حج بھی کرتے تھے اور کعبے شریف کی طرف جانوروں کو بھی لے جایا کرتے تھے مسلمانوں نے ان کو لوٹنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا حضرت عطاء سے مروی ہے کہ شعائر سے اللہ تعالیٰ کے حدود اور اوامر اور نواہی اور فرائض مراد ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ شعائر اللہ سے صفا مروہ اور وہ جانور مراد ہیں جو کعبہ شریف کی طرف بطور ھدی لے جائے جاتے ہیں

شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ...... اللہ تعالیٰ نے شعائر کی تعظیم کے بارے میں سورۂ حج میں ارشاد فرمایا وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (یعنی جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ قلوب کے تقویٰ کی بات ہے)

شعائر اللہ کی بے حرمتی کی ممانعت کے بعد **الشهر الحرام** کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا کہ اس میں کافروں سے جنگ نہ کی جائے اور ھدی کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع فرمایا۔ ھدی وہ جانور ہے جو کعبہ شریف کی طرف لے جایا جائے اور حدود حرم میں اللہ کی رضا کے لئے ذبح کر دیا جائے ،اور قلائد کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا، یہ قلادہ کی جمع ہے ھدی کے جانوروں کے گلوں میں پٹے ڈال دیا کرتے تھے تا کہ یہ معلوم ہو کہ یہ ھدی ہے اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے۔ قلائد کی بے حرمتی کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ جن جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے پڑے ہوں ان کی بے حرمتی نہ کی جائے ان کو لوٹا نہ جائے۔

بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے اصحاب قلائد مراد ہیں کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ مکہ معظمہ کے درختوں کی چھال لے کر اپنے گلوں میں ڈال لیا کرتے تھے۔

جب اشہر الحرام گزر جاتے اور گھروں کو واپس جانا چاہتے تو اپنے گلوں میں اور جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے ڈالے رکھتے تھے تا کہ اپنے گھروں میں امن سے پہنچ جائیں۔

پھر فرمایا وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یعنی جو لوگ بیت حرام کا قصد کر کے جارہے ہوں ان کی بھی بے حرمتی نہ کرو اور ان سے تعرض نہ کرو۔ لفظ "آمِّیْنَ "اَمَّ یَاَمُّ بمعنی قَصَدَ یَقْصُدُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے عموم میں حج کی نیت سے جانے والے اور عمرہ کی نیت سے جانے والے سب داخل ہو گئے ان کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ط (کہ یہ لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں)فضل سے مال تجارت کا نفع مراد ہے اور رضوان سے اللہ کی رضامندی مراد ہے مشرکین جو حج کرتے تھے اپنے خیال میں وہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے حج کرتے تھے جس وقت آیت نازل ہوئی اس وقت تک مشرکین کو حج کرنے سے منع نہیں کیا گیا اور مکہ معظمہ فتح نہیں ہوا تھا۔ بعد میں جب ۸ ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور ۹ ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں حج ہوا تو یہ اعلان فرمادیا گیا لَا یَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا یَطُوْفَنَّ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ! کہ خبردار اس سال کے بعد

کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے (مشرکین ایسا کیا کرتے تھے) اور سورۂ براءۃ میں فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا (کہ اے ایمان والو! مشرکین نجس ہیں سو مسجد حرام کے قریب نہ جائیں سال کے بعد) لہٰذا اب کسی کافر کو حج کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ ھدی اور قلائد لے کر آئے گا تو مامون نہ ہوگا مسلمانوں کے حق میں بدستور آیت کا سب مضمون باقی ہے حجاج بیت اللہ کو اور عمرہ کی نیت سے جانے والوں اور ہدی کو تعرض کرنا ممنوع ہے اشہر حرم میں جو کافروں سے قتال کی ممانعت تھی وہ منسوخ ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

احرام سے نکل کر شکار کرنے کی اجازت ...... پھر فرمایا وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (کہ جب تم حلال ہو جاؤ یعنی قاعدہ شرعیہ کے مطابق احرام سے نکل جاؤ تو شکار کر لو) یہ امر اباحت ہے مطلب یہ ہے کہ حالت احرام میں جو خشکی کا شکار کرنے کی ممانعت تھی اب احرام سے نکلنے کے بعد ختم ہو گئی البتہ حرم کا شکار کرنا حالت غیر احرام میں بھی ممنوع ہے جس کی تصریح احادیث شریفہ میں آئی ہے۔

کسی قوم کی دشمنی زیادتی پر آمادہ نہ کرے ...... پھر فرمایا وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا (کہ تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو) ۶ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو مشرکین مکہ نے آپ کو عمرہ نہیں کرنے دیا اور حدیبیہ کے مقام پر آپ کو روک دیا لہٰذا آپ اور آپ کے صحابہ محصر ہونے کی وجہ سے جانور ذبح کر کے احرام سے نکل گئے اور مشرکین سے چند شرطوں پر صلح ہو گئی۔ آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اگلے سال عمرہ کی قضا کی مشرکین مکہ نے صلح کی بعض شرطوں کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے آپ اپنا لشکر لے کر ۸ھ میں تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اب جب مسلمانوں کے ہاتھ میں اقتدار آ گیا تو صحابہ مشرکین مکہ سے بدلہ لے سکتے تھے لہٰذا ان کو منع فرمایا کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں ظلم و زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔

جب مسجد حرام سے روکنے والوں کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی دشمنی تمہیں ظلم و زیادتی پر آمادہ نہ کرے تو دنیاوی اعتبار سے جو رنجشیں اور دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان کی وجہ سے کسی پر ظلم و زیادتی کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ظلم کرے تو بہت سے بہت اس کے ظلم کے بقدر بدلہ لیا جا سکتا ہے اور معاف کر دینا افضل ہے۔ ظلم کے بدلہ ظلم کرنا یعنی جس سے کوئی تکلیف پہنچی ہے اس سے زیادہ پہنچانا جائز نہیں ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہمیشہ عدل و انصاف پر قائم رہیں اس میں دوست دشمن سب برابر ہیں۔ اسی سورت کے دوسرے رکوع میں ارشاد ہے وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے)

نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرنے کا حکم ...... اس کے بعد ارشاد فرمایا وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (کہ آپس میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو) اس عمومی حکم میں سینکڑوں مسائل داخل ہیں۔ تعاون یعنی آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بہت سی صورتیں تو ایسی ہیں جو لوگوں نے اپنی دنیاوی ضروریات کے لیے اختیار کر رکھی ہیں کسی نے کپڑے کا کارخانہ جاری کر رکھا ہے اور کوئی شخص اپنی فیکٹری میں جوتے بناتا ہے کسی نے پھلوں کے باغ لگائے ہیں۔ کسی نے کھیتی پر توجہ دی ہے۔ کسی نے انجینئرنگ کو اختیار کیا ہے اور تعمیرات کے نقشے بنانے کو اپنا پیسہ بنا رکھا ہے اور کسی نے نقشوں کے مطابق مکانات تعمیر کرنے کا کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے اسی طرح سے مل ملا کر دنیاوی حاجات اور ضروریات پوری ہو رہی ہے۔ جو بھی کوئی شخص کوئی بھی نیکی کرنے کا ارادہ کرے کسی بھی گناہ سے بچنا چاہے ہر شخص بقدر اپنی قوت و طاقت کے اس کی مدد کرے، جو لوگ علم دین حاصل کرنا چاہیں ان سب کی مدد کریں۔ مدرسے بنانے والوں کی، مسجد تعمیر کرنے

والوں کی، مبلغین کی، مصنفین کی، مجاہدین کی اور ہر نیک کام کرنے والوں کی مدد کی جائے یہ مؤمن کی زندگی کا بہت بڑا اصول ہے۔
یہ جو آج کل فضا بنی ہوئی ہے کہ جو شخص خیر کی دعوت لے کر کھڑا ہو خیر کے کام کرنے کے لیے فکرمند ہو اس کی مدد کی طرف توجہ نہیں کی جاتی ۔ یہ اہلِ ایمان کی شان کے خلاف ہے چاہیے تو یہ تھا کہ جتنی زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہے سب ایک ہی حکومت ہوتی ایک امیر المؤمنین ہوتا سب مل کر آپس میں تعاون کی زندگی گزارتے ۔ امیر اور مامور مل کر باہمی ایک دوسرے کی مدد کرتے لیکن اب جب بہت سی حکومتیں بنالیں اور ایک ہونے کو تیار نہیں تو کم از کم آپس میں تعاون تو رکھیں نہ ایک دوسرے سے لڑیں نہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں اور ہر کار خیر میں اور دینی امور میں ہر حکومت دوسری حکومت کے ساتھ تعاون کرے افراد ہوں یا جماعت سب باہمی تعاون کی زندگی اختیار کریں۔

مسلمانوں کی عجیب حالت ...... اگر مسلمانوں کا کوئی سربراہ اسلام کے مطابق حکومت چلانے کا اعلان کر دے یا اعلان کرنا چاہے تو عوام بھی مخالفت کرتے ہیں اور مغربی ذہن رکھنے والے پڑھے لکھے لوگ بھی، اور کافروں کی حکومتیں بھی رخنہ ڈال دیتی ہیں اور مسلمانوں کی حکومتیں تعاون نہیں کرتیں ۔ اس صورت حال کی وجہ سے اجتماعی اور انفرادی اعمال خیر میں جو تعاون ہو سکتا تھا اس کی صورتیں بنتی ہوئی بھی بگڑ جاتی ہیں۔

گناہ اور ظلم پر مدد کرنے کی ممانعت ...... پھر فرمایا وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (اور نہ مدد کرو گناہ پر اور ظلم پر اور اللہ سے ڈرو! بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے) ان الفاظ میں دوسرے رخ پر تنبیہ فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بر اور تقویٰ پر تو آپس میں تعاون کرو لیکن گناہ ظلم، اور زیادتی پر ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو قرآن کریم کی یہ نصیحت بھی بہت اہم ہے۔ آجکل جہاں بر نیکی اور تقویٰ پر مدد کرنے کے جذبات سے مسلمان خالی ہیں وہاں دوسرے رخ کے جذبات ان میں موجود ہیں گناہ اور ظلم اور زیادتی پر کھلے دل سے مدد کی جاتی ہے۔

تعصب کی تباہ کاری ...... آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معیار دنیاداری کے اصول پر رہ گیا ہے عموماً اپنوں کی مدد کی جاتی ہے اپنوں میں اپنے رشتے دار اپنے ہم زبان اپنے وطن اپنی جماعت کا فرد اپنی پارٹی کا ممبر دیکھا جاتا ہے حق اور ناحق کو نہیں دیکھا جاتا اگر دو آدمیوں میں کسی قسم کا جھگڑا ہو تو جو بھی کوئی شخص اپنا ہو (جس کی قدرے تفصیل ابھی بیان ہوئی) بس اس کی مدد کی جاتی ہے اس کا دعویٰ ناحق ہو اور فریق ثانی پر ظلم کر رہا ہو تب بھی اس کا ساتھ دیں گے اور اسی کی طرف بولیں گے یہ نہ دیکھیں گے کہ اس شخص کی زیادتی ہے جسے ہم اپنا سمجھ رہے ہیں، ہم ظالم کے ساتھ کیوں ہوں یہ ایک ایسی وباء ہے جس میں بہت سے دینداری کے دعویدار بھی ملوث ہو جاتے ہیں۔ گناہ اور ظلم پر مدد کرنا حرام ہے۔ ظالم اپنا ہو یا پرایا اس کی مدد کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس لئے گیا کہ اسے تقویت پہنچائے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو یہ شخص اسلام سے نکل گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۶ از شعب الایمان)

گناہوں کی مدد کرنے کی چند صورتیں جو رواج پذیر ہیں ...... جس نوکری یا جس عہدے کی وجہ سے گناہ کرنا پڑتا ہو ایسی نوکری اور ایسا عہدہ قبول کرنا حرام ہے اور گناہ کا قانون بنانا بھی حرام ہے کیونکہ اس سب میں گناہ کی مدد ہے گناہ کی اجرت بھی حرام ہے۔ اگر کوئی شخص شراب کے کارخانے میں کام کرے یا بنک میں کام کرے (کوئی بھی چھوٹا بڑا کام ہو) سٹے بازوں کے ہاں ملازم ہو یا کسی بھی طرح ان کا تعاون کرتا ہو۔ پولیس میں ملازم ہو جو غیر شرعی امور میں دوسروں کی مدد کرتا ہو یا رشوت لیتا ہو یا رشوت دینے دلانے کا واسطہ بنتا ہو یا

جو شخص کسی ایسے محکمے کا ملازم ہو جس میں ٹیکس وصول کرنا پڑتا ہو تو یہ ملازمتیں حرام ہیں اور ان کی تنخواہیں بھی حرام ہیں۔ چوروں کی مدد، ڈاکوؤں کی مدد، لوٹنے والوں کی مدد، غصب کرنے والوں کی مدد، ظالمانہ مار پیٹ کرنے والوں کی مدد یہ سب حرام ہے۔ کسی بھی گناہ کے ذریعہ جو پیسہ کمایا جائے وہ بھی حرام ہے۔

بہت سے لوگ دوسروں کی دنیا بنانے کے لئے اپنی آخرت تباہ کرتے ہیں یعنی ظلم اور گناہ پر مدد کرتے ہیں تاکہ کسی دوسرے کو نوکری یا عہدہ مل جائے یا قومی یا صوبائی اسمبلی کا ممبر ہو جائے الیکشن ہوتے ہیں ووٹر اسپورٹر یہ جانتے ہوئے کہ جس امیدوار کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں یا جسے ہم ووٹ دے رہے ہیں یہ فاسق فاجر ہے ممبر ہو کر اس کا فسق و فجور اور زیادہ بڑھ جائے گا پھر بھی اس کی مدد میں لگے ہوئے ہیں اس کو کامیاب کرنے کے لئے اس کے مقابل کی غیبتیں بھی کرتے ہیں اور اس پر تہمتیں بھی دھرتے ہیں حتیٰ کہ اس کی جماعت کے لوگوں کو قتل تک بھی کر دیتے ہیں یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ دنیا دوسرے کی بنے اور آخرت کی بربادی اپنے سر تھوپ لیں۔ اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من شر الناس منزلۃ یوم القیامۃ عبد اذھب اٰخرتہ بدنیا غیرہ (قیامت کے دن بدترین لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا کی وجہ سے اپنی آخرت برباد کر دی) (رواہ ابن ماجہ باب اذاالتقی المسلمان بسیفھما)

دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص سنت کے مطابق کپڑے پہننا چاہے شکل و صورت وضع قطع اسلامی رکھنا چاہے اس کے گھر والے، دفتر والے، بازار والے کوشش کرتے ہیں کہ یہ نیکی کا کام چھوڑ دے اور گناہ والی زندگی اختیار کرے اور ہمارے جیسا فاسق فاجر ہو جائے۔ خیر کے کاموں میں مدد دینے کو تیار نہیں لیکن اگر کوئی شخص گناہگاری کے کام کرنے لگے تو اس کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ حرام کمائے، رشوت لے، ڈاڑھی مونڈے، بیوی بھی خوش، ماں باپ بھی خوش اور اپنے ماحول اور سوسائٹی کے لوگ بھی خوش اور اگر حلال پر گزارہ کرنے کا خیال کرے تو سب ناراض۔ اپنے پاس سے ٹکٹ کے پیسے خرچ کر کے دوستوں کو سینماؤں میں، رقص و سرور کی مجلسوں میں لے جاتے ہیں دھوکہ دے کر بال بر کی دکان میں لے جا کر اپنے دوست کی ڈاڑھی منڈوا دیتے ہیں اور پیسے بھی اپنے پاس سے دیدیتے ہیں، موجودہ معاشرہ کا یہ جاہلانہ مزاج بنا ہوا ہے کہ نیکی کی مدد سے جان چراتے ہیں اور گناہوں کی مدد کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں وقنا اللّٰہ من شرھم.

سب کو معلوم ہے کہ یہ زندگی ہمیشہ نہیں ہے اور دنیا ختم ہو جائے گی اس کے ختم ہونے سے پہلے موجودہ دور کے افراد اپنی موت مر جائیں گے اسی ذرا سی زندگی کو گناہوں میں پڑ کر اور گناہوں کی مدد کر کے برباد کرنا جس کے نتیجہ میں آخرت برباد ہو کوئی سمجھداری کی بات نہیں ہے، ہر معاملہ میں آخرت کے لئے فکرمند ہونا لازم ہے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور بار بار اس کا مراقبہ کریں کہ اللہ جل شانہٗ سخت عذاب دینے والا ہے۔ آیت کے ختم پر اسی کی طرف متوجہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے)

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَۃُ

حرام کیا گیا تم پر مردہ جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مرجائے

وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ قف

اور وہ جانور جو کسی ضرب سے مرجائے اور وہ جانور جو اوپر سے گر کر مرجائے اور وہ جانور جو کسی سے ٹکرا کر مرجائے اور وہ جانور جسے کسی درندہ نے کھالیا مگر وہ جسے تم ذبح کرلو

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ

اور حرام کیا گیا وہ جانور جو ذبح کیا گیا پرستش گاہوں پر، اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ تقسیم کرو تیروں کے ذریعہ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔

جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی تفصیلات

گذشتہ آیت میں بتایا تھا کہ بہیمۃ الانعام تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا اِلَّامَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ کہ ان حلال جانوروں میں جو جانور حرام ہیں وہ تمہیں بتا دیئے جائیں گے، چنانچہ اس آیت میں ان جانوروں کا ذکر ہے جو زندہ ہونے کی صورت میں شرعی طریقے پر ذبح کر لئے جائیں تو ان کا کھانا حلال ہو جاتا ہے لیکن جب ان میں بعض صفات ایسی پیدا ہوگئیں جن کی وجہ سے حرمت آگئی تو ان کا کھانا حلال نہ رہا۔

مَیْتَۃ (مردار):............ان میں سے اول مَیْتَۃ کی حرمت کا ذکر فرمایا۔ مَیْتَۃ ہر وہ جانور ہے جو شرعی طریقے پر ذبح کئے بغیر مر جائے خواہ یوں ہی اس کی جان نکل جائے خواہ کسی کے مار دینے سے مر جائے، گائے بیل، بھینس، اونٹ، اونٹنی، بکرا، بکری، ہرن، نیل، گائے اور تمام وہ جانور جن کا کھانا حلال ہے اگر وہ ذبح شرعی کے بغیر مر جائیں تو ان کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ البتہ مچھلی چونکہ ذبح کئے بغیر ہی حلال ہے اس لئے اگر خشکی میں آنے کے بعد اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور خشکی کے جانوروں میں سے ٹڈی بھی بغیر ذبح کئے ہوئے حلال ہے اگر وہ اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا بھی حلال ہے۔

مسئلہ......ذبح شرعی سے پہلے زندہ جانور سے جو کوئی جسم کا حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی مَیْتَۃ (مردار) کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا بھی حرام ہے۔ حضرت ابو واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وصحبہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور اس سے پہلے اہل مدینہ کی یہ حالت تھی کہ زندہ اونٹوں کے کوہان اور دنبوں کی چکتیاں کاٹ لیتے تھے اور ان کو کھاتے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زندہ جانور سے جو حصہ کاٹ لیا جائے وہ مَیْتَۃ ہے یعنی مردار ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

جس طرح مردار جانور کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال ارشاد فرمایا جبکہ آپ مکہ معظمہ ہی میں تشریف فرما تھے کہ بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب اور مَیْتَۃ (مردہ جانور) اور خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام کر دیا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ مردہ جانور کی چربیوں کے بارے میں ارشاد فرمایئے (کیا ان کا بیچنا بھی حرام ہے؟) ان سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور چمڑوں میں بطور تیل کے استعمال کی جاتی ہیں اور ان کے ذریعہ لوگ چراغ جلاتے ہیں آپ نے فرمایا چربی بھی حلال نہیں ہے وہ بھی حرام ہے پھر فرمایا اللہ لعنت فرمائے یہودیوں پر بلاشبہ اللہ نے ان پر مردہ جانور کی چربی حرام فرمائی تھی انہوں نے اسے خوبصورت چیز بنا دی (یعنی اسے پگھلا کر اس میں کچھ اور چیز ملا کر اپنے خیال میں اسے اچھی شکل دے دی) پھر اسے بیچ کر اس کی قیمت کھا گئے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

معلوم ہوا کہ مردار جانور کا گوشت اور چربی دونوں حرام ہیں ان کا کھانا بھی حرام ہے اور ان کا بیچنا بھی حرام ہے حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرام چیز کو خوب صورت بنا دینے سے اس میں کچھ ملا دینے سے اس کا نام بدل دینے سے اور اسے خوبصورت پیکٹوں میں پیک کر دینے سے حلال نہیں ہو جاتی اس کا بیچنا اس کی قیمت کھانا حسب سابق حرام ہی رہتا ہے۔

مردار کی کھال کا حکم......جو جانور بغیر ذبح شرعی کے مر جائے اس کی کھال بھی ناپاک ہے اور اس کھال کا بیچنا بھی حرام ہے

لیکن اگر اس کی دباغت کردی جائے یعنی کوئی مصالحہ لگا کر یا دھوپ میں ڈال کر اسے سڑنے سے محفوظ کر دیا جائے تو یہ کھال پاک ہو جاتی ہے پھر اس سے نفع اٹھانا اور بیچنا اور اسکی قیمت لینا حلال ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کچے چمڑے کی دباغت کردی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ (رواہ مسلم) نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی کو ایک بکری دے دی گئی تھی وہ بکری مرگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم وہاں سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کا چمڑہ لے کر اس کی دباغت کیوں نہ کرلی؟ دباغت کر کے اس سے نفع حاصل کرتے عرض کیا کہ یہ مَیۡتَۃ یعنی مردار ہے آپ نے فرمایا اس کا کھانا ہی حرام کیا گیا ہے۔ (یعنی چمڑا دباغت کے بعد ناپاک نہیں رہتا اس سے انتفاع جائز ہے البتہ اسکا گوشت حلال نہیں ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲)

خون کھانے کی حرمت...... آیت بالا میں جن چیزوں کی حرمت مذکور ہے ان میں دوسرے نمبر پر الدم یعنی خون کا ذکر ہے اس سے دم مسفوح (بہتا ہوا خون) مراد ہے جس کی تصریح سورۂ انعام کی آیت میں کردی گئی ہے اور فرمایا ہے **قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡمَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُہٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ مَیۡتَۃً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا** (الآیۃ) مَسۡفُوۡحًا کی قید لگانے سے تلی اور جگر کھانے کی حلت معلوم ہوگئی کہ وہ دونوں بھی خون ہیں لیکن جمے ہوئے خون ہیں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور دو ایسے جانور ہمارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں جو اپنی موت مر جائیں۔ مچھلی اور ٹڈی اور دو خون ہمارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں جگر اور تلی۔ (رواہ احمد، ابن ماجہ و دار قطنی، مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۶۱)

مسئلہ...... شرعی ذبح کے بعد گلے کی رگوں سے دم مسفوح نکل جاتا ہے اس کے بعد جو خون بوٹیوں میں رہ جاتا ہے وہ پاک ہے اسکا کھانا جائز ہے کیونکہ وہ دم مسفوح نہیں ہے البتہ ذبح کے وقت جو خون نکلا ہے وہ کھال یا گوشت یا پروں میں لگ جائے وہ ناپاک ہے۔

ہمارے دیار میں خون کھانے کا رواج نہیں ہے قرآن کریم سارے عالم کے لیے ہدایت ہے۔ نزول قرآن کے وقت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک جس علاقے میں جہاں بھی جس طرح سے بھی لوگ کھائیں ان سب کے لیے قرآن نے حرمت کی تصریح کردی۔ بعض اکابر سے سنا ہے کہ اہل عرب خون کو آنتوں میں بھر کر تیل میں تل لیا کرتے تھے پھر اسے کباب کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھاتے تھے۔

مسئلہ...... خون کا کھانا پینا بھی حرام ہے اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے اس کے ذریعے جو آمدنی ہو وہ بھی حرام ہے بعض لوگ ہسپتالوں میں خون فروخت کرتے ہیں وہ حرام ہے اس کی قیمت بھی حرام ہے۔

خنزیر کا گوشت...... تیسرے نمبر پر لحم الخنزیر یعنی سور کا گوشت حرام ہونے کی تصریح فرمائی۔ سور کا ہر جز ناپاک اور نجس العین ہے اس کا گوشت ہو یا چربی یا کوئی بھی جز ہو اس کا کھانا حرام ہے اور بیچنا خریدنا بھی حرام ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا فَاِنَّہٗ رِجۡسٌ (بلاشبہ وہ ناپاک ہے) نجس العین ہونے کی وجہ سے اس کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہوسکتی۔ اس جانور کے کھانے سے انسانوں میں بے حیائی پیدا ہوتی ہے جو قومیں اسے کھاتی ہے ان کی بے حیائی کا جو حال ہے ساری دنیا کو معلوم ہے۔ یورپ، امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ میں بعض مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے محلوں میں دو کانیں کھول رکھی ہیں وہ سور کا گوشت اور دوسرا حرام گوشت بھی فروخت کرتے ہیں یہ سب حرام

ہے جو لوگ ان کی دکانوں میں کام کرتے ہیں وہ چونکہ گناہ کے مددگار ہیں اس لئے ان کا سیل مین بننا اور خریداروں کو یہ چیزیں اٹھا کر دینا بھی حرام ہے۔

مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ...... چوتھی چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ **مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** ہے لفظ **اُهِلَّ اهل يُهِلُّ اهلالاً** سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اہلال کا معنی ہے آواز بلند کرنا۔ یہاں جانور کو ذبح کرتے وقت جو کسی کا نام پکارا جاتا ہے اس کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے جو جانور حلال ہو اور اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کر دیا جائے تو اسکا کھانا حلال ہے اور اگر اللہ کے نام کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لے لیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے جو مَیتہ یعنی مردار کے حکم میں ہے۔

مشرکین بتوں کا اور دیوی دیوتا کا نام لے کر جانور کو ذبح کرتے ہیں ایسے جانور کا کھانا حرام ہے جو لوگ کتابی یعنی یہودی یا نصرانی نہیں ہیں (جیسے ہندوستان کے ہندو) وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں تب بھی جانور مردار کے حکم میں ہوگا، جس جانور کو غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا جائے لیکن ذبح کیا گیا اللہ کا نام لے کر اس کے بارے میں چند صفحات کے بعد وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز!

مُنْخَنِقَةُ...... پانچویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی ہے وہ **اَلْمُنْخَنِقَةُ** ہے انخناق اسم فاعل کا صیغہ ہے **خنق يخنق** گلا گھونٹنا اور **انخنق ينخنق** گلا گھٹ جانا۔ اگر کسی جانور کا گلا گھونٹ کر مار دیا جائے اگر چہ اس پر اللہ کا نام لیا جائے یا جانور گلا گھٹنے سے مر جائے (مثلاً جانور کے گلوں میں جو رسی بندھی ہوتی ہے وہ کس جائے جس سے جانور مر جائے) تو یہ جانور حرام ہے۔

مَوْقُوْذَةُ...... چھٹی چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ موقوذہ ہے یہ **وَقَذَيَقِذُ** سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس جانور کو لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے مار کر ہلاک کر دیا جائے وہ موقوذہ ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اس میں وہ جانور بھی داخل ہے جس کو شکاری نے تیر مارا لیکن اس کے تیر کی دھار جانور کے نہ لگی بلکہ لمباؤ میں تیر جا کر لگا اور اس کی ضرب سے جانور مر گیا۔ ایسے جانور کا کھانا بھی حرام ہے اگر چہ شکاری نے **بسم اللّٰه** پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایسے تیر سے شکار کرتا ہوں جس میں پر نہیں ہوتے (تو کیا اس کا کھانا حلال ہے؟) آپ نے فرمایا جس جانور کو تیرا تیر زخمی کر دے اس کو کھا لے اور جس جانور کو تیرے مذکورہ تیر کا چوڑائی والا حصہ قتل کر دے تو وہ موقوذہ ہے اس کو مت کھا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

بندوق کا شکار...... بندوق کی گولی سے جو شکار ہلاک ہو جائے وہ بھی حرام ہے اگر چہ **بسم اللّٰه** پڑھ کر گولی ماری گئی ہو ہاں اگر گولی لگنے کے بعد اُس میں اتنی جان باقی ہو جس کا ذبح کے وقت ہونا شرط ہے اور **بسم اللّٰه** پڑھ کر ذبح کر دیا جائے تو حلال ہو جائے گا۔

مُتَرَدِّيَة...... ساتویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ مُتَرَدِّیہ ہے یعنی وہ جانور جو کسی پہاڑ یا ٹیلہ یا کسی بھی اونچی جگہ سے گر کر مر جائے اس جانور کا کھانا بھی حرام ہے۔

نَطِيْحَة...... آٹھویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ **نطیحہ** ہے یہ لفظ فعیلۃ کے وزن پر ہے جو **نطح، ینطح** سے ماخوذ ہے جو جانور کسی تصادم سے مر گیا مثلاً دو جانوروں میں لڑائی ہوئی ایک نے دوسرے کو مار دیا کسی جانور کو دیوار میں ٹکر لگی اس سے مر گیا ریل گاڑی کی زد میں آ کر مر گیا یا کسی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہو گیا جس سے موت واقع ہو گئی یہ سب **نطیحہ** کی صورتیں ہیں اگر ان سب صورتوں میں جانور کی موت واقع ہو جائے تو اس کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔

درندہ کا کھایا ہوا جانور...... نویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ جانور ہے جس کو کوئی درندہ کھا جائے شیر، بھیڑیئے نے کسی

جانور کو پکڑا اور اس کو قتل کر دیا تو اس کا کھانا حرام ہو گیا وہ بھی مردار ہے کیونکہ ذبح شرعی سے اس کو موت نہیں آئی۔

حرام چیزوں کی مذکورہ نو قسمیں بیان فرمانے کے بعد اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ فرمایا یہ استثناء منخنقة، مو قوذة، متردية، نطيحة اور مَآ اَكَلَ السَّبُعُ سب سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جس جانور کا گلا گھٹ گیا یا اوپر سے گر پڑا یا کسی کے لاٹھی مارنے سے مرنے لگا یا ٹکر لگنے سے مرنے لگا یا کسی درندہ سے چھڑا لیا اور اس میں ابھی تک اتنی زندگی باقی ہے جو ذبح کے وقت ہوتی ہے تو یہ جانور ذبح شرعی کرنے کی وجہ سے حلال ہو جائے گا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک بھیڑیئے نے ایک بکری کو اپنے دانت سے پکڑ لیا (پھر وہ کسی طرح سے چھوٹ گئی جسے) اس کے مالکوں نے دھاردار پتھر سے ذبح کر دیا پھر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی۔ (رواہ النسائی ص ۲۰ ج ۲)

بتوں کے استھانوں پر ذبح کئے ہوئے جانور ...... پھر فرمایا وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (اور جو نصب پر ذبح کیا جائے اس کا کھانا بھی حرام ہے) اصنام وہ مورتیاں جن کی اہل عرب عبادت کیا کرتے تھے، اور ان کے علاوہ جن دوسرے پتھروں کی عبادت کرتے تھے ان کو نصب اور انصاب کہا جاتا ہے ان کو کہیں کھڑا کر کے عبادت گاہ اور استھان بنا لیتے تھے اگر مطلق کھڑی کی ہوئی چیز کے معنی لئے جائیں تو بُت بھی نصب کے عموم میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی پتھر ہوتے ہیں اور ان کو مختلف جگہوں میں نصب کر دیا جاتا ہے۔ اَصنام و اَنصاب کے پاس جو کچھ ذبح کیا جاتا ہے چونکہ وہ ذبح لغیر اللہ ہے اس لئے وہ بھی مردار ہے اور اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

تیروں کے ذریعے جُوا کھیلنے کی حرمت ...... پھر فرمایا وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ (اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ تقسیم کرو تیروں کے ذریعہ) اہلِ عرب کا طریقہ تھا کہ تیروں کے ذریعہ اونٹ کا گوشت تقسیم کیا کرتے تھے اور یہ ان کا ایک قسم کا قمار یعنی جُوا تھا جس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک اونٹ میں دس آدمی برابر کے شریک ہوتے تھے پھر اس اونٹ کو تیروں کے ذریعہ تقسیم کرتے تھے یہ دس تیر ہوتے تھے سات تیروں پر حصے لکھے رہتے تھے اور تین تیر ایسے ہوتے تھے جن کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔ پھر ان دس تیروں کو کسی تھیلہ میں ڈالتے تھے اور شرکاء کے نام سے ایک تیر نکالتے تھے جن تین تیروں کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا جس کے نام پر ان تیروں میں سے کوئی تیر نکل آتا تھا اسے کوئی حصہ نہ ملتا تھا حالانکہ اونٹ کی قیمت میں وہ بھی شریک تھا اس کا حصہ دوسروں کو مل جاتا تھا اور اس طرح سے یہ شخص جوئے میں ہار جاتا تھا اور دوسرے لوگ جیت جاتے تھے۔

پھر ان میں بعض لوگ جوئے میں جیتے ہوئے گوشت کے ان حصوں کو غرباء مساکین اور یتیموں پر خرچ کرتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے قصیدہ میں ہے (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے)

وجزورا يسار دعوت لحتفها بمغالق متشابه اجسامها
بأؤوابهن لعاقر اومطفل بذلت لجيران الجميع لحامها

(قمار بازوں کے مناسب بہت سے اونٹ ہیں جن کو ذبح کرنے کیلئے میں نے (یار و احباب کو) بلایا جن کے اجسام ہم شکل تھے، میں ان تیروں کے ذریعہ بانجھ یا بچہ دار اونٹنی کے لئے بلاتا ہوں جس کا گوشت تمام ہمسایوں میں تقسیم کیا جائے)

علامہ حضرت قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ازلام کی تین قسمیں بتائی ہیں ان میں سے تیسری قسم بتاتے ہوئے لکھتے ہیں

هو الميسر وهى عشرة. سبعة منهما حظوظ و ثلثة اغفال و كانوا يضربون بها مقامرة لهوا ولعبا و كان عقلا ئهم

یقصدون بھا طعام المساکین و المعدوم فی زمن الشتاء و کلب البرد و ثعدر المتحرف ۔(یعنی میسر دس تیر ہوتے تھے جن میں سے سات پر حصے لکھے ہوتے تھے اور تین تیروں پر کوئی حصہ نہیں لکھا ہوتا تھا۔لوگ ان تیروں سے جوا کھیلتے تھے اور ان میں جو ذی عقل ہوتے تھے ان کا مقصد اس جوئے سے فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا اور ان کی مہمان نوازی کرنا ہوتا تھا)

اس کے بعد لکھتے ہیں **وھو من اکل المال بالباطل وھو حرام و کل مقامرۃ بحمام او بنرد او شطرنج او بغیر ذالک من ھذاالباب فھو استقسام بما ھو فی معنی الازلام حراما کلہ**

یعنی اس سے مال لے لینا باطل طریقے پر لینا ہے اور حرام ہے اور ہر جُوا حرام ہے۔خواہ کبوتر اڑانے کے ذریعہ ہو،خواہ نرد کے ذریعے ہو خواہ شطرنج کے ذریعہ ہو خواہ کسی بھی کھیل کے ذریعہ ہو۔(تفسیر القرطبی ص ۵۹ جلد نمبر ۶)

سورۂ بقرہ میں فرمایا **یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ** (وہ آپ سے سوال کرتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں،آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کیلئے منافع ہیں) سورۂ مائدہ میں فرمایا **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** (اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور انصاب اور ازلام سب گندی چیزیں ہیں شیطان کے کام ہیں سو تم اس سے بچ کر رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ)

شراب اور جوئے کے بارے میں تفصیلی احکام ان شاء اللہ العزیز ہم سورۂ مائدہ کی اسی آیت **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ** (الآیۃ) کے ذیل میں بیان کریں گے۔یہاں بالا جمال یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جوئے کی جتنی بھی قسمیں ہیں وہ سب حرام ہیں اور ان سے جو مال حاصل کر لیا ہو وہ بھی حرام ہے۔

استقسام بالْاَزْلَام کا دوسرا معنی......استقسام بالازلام کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یعنی تیروں کے ذریعہ بطور جُوا مال تقسیم کرنا،اس تفسیر کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ص ۶۹ ج ۴ **ورجع انہ' یناسب ذکرہ مع محرمات الطعام۔**

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ تیروں کے ذریعے جو غیب کی خبریں معلوم کرتے تھے اس کی حرمت بیان فرمائی اہل عرب میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ تین تیر اپنے پاس رکھتے تھے ان میں سے ایک پر لکھا ہوتا تھا **اَمَرَنِیْ رَبِّیْ** (کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا) اور دوسرے تیر پر لکھا رہتا تھا **نَھَانِیْ رَبِّیْ** (میرے رب نے مجھے منع کیا) اور تیسرے تیر پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہوتا تھا۔جب کسی کام کا یا سفر میں جانے کا ارادہ کرتے تھے تو تھیلے میں تیروں کو گھما کر ایک تیر کو نکال لیتے تھے اگر پہلے نمبر کا تیر نکل آیا تو کام کر گزرتے تھے اور سفر میں چلے جاتے تھے اور دوسرا تیر نکل آتا تو اس کام کے کرنے اور سفر کرنے سے رک جاتے تھے اور اگر تیسرا تیر نکل آتا جس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہوتا تھا تو پھر تینوں تیروں کو گھماتے تھے اور برابر گھماتے اور دیکھتے رہتے تھے یہاں تک کہ پہلے دو تیروں میں سے کوئی تیر نکل آئے اور کچھ تیر ایسے تھے جو ہبل بت کے پاس کعبے شریف کے اندر رکھ رکھے تھے وہاں کے مجاور کے پاس جاتے تھے اور اس سے کہتے تھے کہ تیروں کو گھمائے اور تھیلے میں سے نکالے اس سے آئندہ کے حوادث اور نوازل معلوم کرتے تھے اور جس کے نسب میں شک ہوتا تھا اس کے نسب کا فیصلہ بھی ان تیروں سے کروالیتے تھے۔(تفسیر قرطبی ص ۵۸ ج ۶)

روح المعانی ص ۵۸ ج ۶ میں لکھا ہے کہ اس صورت کو استقسام بالازلام سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ گھر سے باہر جانے اور سفر کے لئے نکلنے میں طلب معاش کا مقصد سامنے ہوتا تھا اور تیروں سے یہ پوچھتے تھے کہ جو رزق میری قسمت میں ہے وہ اس وقت باہر جانے سے

ملے گا یا نہیں وقال القرطبی وانما قیل لهذا الفعل استقسام لانهم کانوا یستقسمون الرزق وما یریدون کما یقال الاستسقاء فی الاستدعاء بالسقی اه. (علامہ قرطبی فرماتے ہیں اس لئے عمل کو استقسام اس کہا گیا ہے کہ اسی طریقہ سے وہ کھانے کی چیزیں اور دوسرے مقاصد میں تقسیم کرتے تھے جیسے کہ سیرابی کی دعا کو استسقاء کہا جاتا ہے)۔

کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت ...... عرب میں زمانہ اسلام سے پہلے بت پرستی تو تھی ہی کاہنوں کا بھی بہت زور تھا جو غیب کی خبریں بتاتے تھے (جنہیں منجم کہا جاتا تھا) شریعت اسلامیہ نے سب کو باطل قرار دیا جو بھی کوئی غیب کی خبریں بتائے اس کے پاس جا کر آئندہ کی خبریں پوچھنا حرام ہے اور اس کے بارے میں جو کچھ مال لیا جائے وہ بھی حرام ہے ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عرّاف (غیب کی خبریں بتانے والے) کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی کاہن کے پاس آیا (جو غیب کی خبریں بتاتا ہے) اور اس کی بات کو سچا بتایا یا حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کیا یا اپنی عورت کے پچھلے حصے میں اپنی حاجت پوری کی تو وہ اس چیز سے بیزار ہو گیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ (رواہ احمد وابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۳)

حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین چیزوں کے لئے پیدا فرمایا: آسمان کی زینت بنایا ہے شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا، راستہ دکھانے کے لئے علامتیں بنائیں جس نے اس کے سوا اور کوئی کام تجویز کیا تو اس نے غلط بات کہی اور اپنا نصیب ضائع کیا اور کسی چیز کو نہیں جانتا خواہ مخواہ اس کے جاننے کا دعویٰ کیا۔ (رواہ البخاری تعلیقاً)

غیب کی خبریں بتانے کے جتنے بھی طریقے جاری ہیں شرعاً ان پر اعتماد کرنا حرام ہے نجومی، رمل والے، جفر والے جو خبریں بتاتے ہیں ان کی تصدیق کرنا حرام ہے۔ بعض لوگ چڑیاں پال کر رکھتے ہیں چڑیا کے منہ میں دانے دیدیتے ہیں وہ بہت سے لفافوں میں سے ایک لفافہ کھینچ لیتی ہے وہ لفافہ پڑھ کر سناتے ہیں پوچھنے والا اس کو اپنا حال سمجھتا ہے اور اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں یہ یقین کرتا ہے کہ اس کے مطابق ہو گا یہ بھی حرام ہے۔ اس طرح کے لوگوں کو جو مال لیا دیا جاتا ہے اس کا لینا دینا بھی حرام ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے اور زنا کاری کی اُجرت سے اور غیب کی خبریں بتانے والے کو جو کچھ بطور منہ میٹھا کرنے کے دیا جاتا ہے اس سے منع فرمایا۔ (رواہ مسلم)

ذٰلِکُمْ فِسْقٌ ...... پھر فرمایا ذٰلِکُمْ فِسْقٌ (یہ جو چیزیں بیان ہوئی ان کو خالق و مالک جل مجدہٗ نے حرام قرار دیا ہے اس کی خلاف ورزی فسق ہے یعنی فرماں برداری سے باہر نکل جانا ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

محرمات کی تصریح فرما کر اخیر میں تنبیہ فرما دی کہ ان کے ارتکاب کو معمولی نہ سمجھا جائے ان سب میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی نافرمانی ہے اور بڑی نافرمانی ہے قال صاحب الروح فسق ای ذنب عظیم خروج عن طاعۃ اللّٰہ تعالیٰ الیٰ معصیتہ. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ فسق کا مطلب ہے کہ بڑا گناہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل کر اس کی نافرمانی کی طرف جاتا ہے)۔

مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ میں کیا کیا چیزیں داخل ہیں

ہم نے چند صفحات پہلے لکھا ہے کہ اہلال کا معنی یہ ہے کہ ذبح کے وقت کسی کا نام پکارا جائے، اب سمجھنا چاہئے کہ جس جانور کا کھانا حلال ہو اللہ کا نام لے کر اس کو ذبح کیا جائے اور اس کا ذبح کرنے والا مسلم غیر مُحرِم ہو یا کتابی ہو اور اس کے ذبح کرنے سے تقرب الی غیر

اللہ مقصود نہ ہو تو اس کا کھانا حلال ہے اور جو جانور حلال ہو لیکن اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ حرام ہے خواہ کوئی مدعیٔ اسلام ذبح کرے خواہ کوئی دوسرا شخص ذبح کرنے والا ہو اور خواہ اس پر کسی بت کا نام لیا جائے یا کسی نبی یا ولی یا پیر فقیر کا اور اس کی حرمت نص رتح سے ثابت ہے اور باجماع الامۃ حرام ہے اور یہ جانور مَیۡتَہ کے حکم میں ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الیٰ غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بھانے سے غیر اللہ سے خوشنودی مقصود ہو اور بوقت ذبح اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے جیسا کہ قبروں پر اس طرح کے ذبیحے ہوتے ہیں اس صورت میں بھی وہ جانور حرام ہیں وہ مذبوحہ مَیۡتَہ کے حکم میں ہے اس کی حرمت کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کے عموم میں داخل ہو جاتا ہے۔ دوسرے اشتراک علت یعنی تقرب الیٰ غیر اللہ کی وجہ سے ما اہل بہ لغیر اللہ کے ساتھ ملحق ہے در مختار میں ہے ذبح لقدوم الا میرو نحو ہ کواحد من العظام یحرم لا نہ اھل بہ لغیر اللّٰہ ولو ذکر اسم اللّٰہ (در مختار ص ۱۹۶ ج ۵ برھامش شامی)

قبروں پر جو چیزیں لے جاتے ہیں ان کا حکم......اب رہی وہ مٹھائی اور دوسری چیزیں جو لوگ قبروں پر یا تعزیوں پر چڑھاتے ہیں اور اس کی نذریں مانتے ہیں۔ سو یہ ما اھل بہ لغیر اللّٰہ کے مفہوم صریح میں داخل نہیں لیکن چونکہ قبروں پر یہ چیزیں لے جانے والوں کا مقصد صرف فقراء کو بانٹنا نہیں ہوتا بلکہ اول صاحب قبر یا تعزیہ کی خوشنودی کے لئے نذریں مانتے ہیں پھر یہ چیزیں وہاں لے جاتے ہیں اس لئے ان کا لینا اور کھانا مجاوروں اور سجادہ نشینوں کو اور ان کے مہمانوں کو اور ہر مسلمان کے لئے حرام ہے۔ صاحب در مختار قبیل باب الاعتکاف تحریر فرماتے ہیں:

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالا جماع باطل وحرام مالم یقصد واصرفھا لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذالک ولا سیما فی ھذہ الاعصار انتھی قال الشامی فی حاشیتہ قولہ مالم یقصدوا الخ ای بان تکون صیغۃ النذر للّٰہ تعالیٰ للتقرب الیہ ویکون ذکر الشیخ مرادا بہ فقراء ہ کما مر۔ (جان لو کہ اکثر عوام جو مردوں کے لئے نذر مانتے ہیں اور اسی طرح درہم تیل بتیاں وغیرہ جو اولیاء کرام کے مزارات کی طرف ان کے قرب حاصل کرنے کے لئے لے جائے جاتے ہیں وہ بالا جماع باطل اور حرام ہیں جب تک کہ ان کو فقراء لوگوں پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کریں لوگ اس میں مبتلا ہیں خصوصاً آج کے زمانے میں علامہ شامی اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں ان کے قول مالم یقصد والخ کا مطلب یہ ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کے لئے اسی کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہو اور بزرگ کے ذکر سے مراد وہاں کے فقیر ہوں جیسا کہ گزر چکا)

(صاحب بحر الرائق تحریر فرماتے ہیں وقدقدمنا ان النذر لا یصح با لمعصیۃ للحدیث لا نذر فی معصیۃ اللّٰہ تعالیٰ فقال الشیخ قاسم فی شرح الدر واماالنذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ماھو مشا ھد کان یکون لانسان غائب اومریض اولہ حاجۃ ضروریۃ فیأتی بعض الصلحاء فیجعل سترہ علی رأ سہ فیقول یا سیدی فلان ان رد غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذھب کذا اومن الفضۃ کذا أومن الطعام کذا أومن الماء کذا اومن الشمع کذا اومن الذیت کذا فھذا النذرباطل بالاجماع لو جوہ منھا انہ نذر للمخلو ق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبا د ۃ لا تکون للمخلوق ومنھا ان المنذور لہ میت والمیت لا یملک ومنھا انّہٗ ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللّٰہ تعالیٰ واعتقادہ ذلک کفر اللّٰھم الاان قال یا اللّٰہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی اورددت غا ئبی اوقضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب الامام الشافعی اوالامام اللیث اواشتری حصیرا لمساجد ھم اوزیتا لوقودھا او دراھم لمن یقوم بشعائر ھا الی غیر ذالک ممایکون فیہ نفع للفقراء والنذر للّٰہ

عزوجل (الی ان قال) ولا یجوز لخادم الشیخ اخذه ولا اکله و لا التصرف فیه بوجه من الوجوه الا ان یکون فقیرا او له عیال فقراء عاجزون عن الکسب وهم مضطرون فیاخذونه علی سبیل الصدقة المبتدأة فأخذه ایضا مکروه مالم یقصد به الناذر التقرب الی اللّٰه تعالٰی و صرفه الی الفقراء و یقطع النظر عن نذر الشیخ فاذا علمت هذا فما یؤخذمن الدراهم والشمع والزیت وغیرها وینقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیهم فحرام باجماع المسلمین مالم یقصدوا بصرفها للفقراء الاحیاء قولا واحدا اه

نذر لغیر اللہ حرام اور کفر ہے...... درمختار اور البحر الرائق کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کیلئے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اموات کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے اس نذر کی وجہ سے عوام الناس روپیہ پیسہ موم بتی تیل وغیرہ جو اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس لے جاتے ہیں تا کہ ان کا تقرب حاصل ہو تو یہ بھی بالاجماع باطل ہے اور حرام ہے۔اسی طرح جو مٹھائی وغیرہ لے جاتے ہیں تا کہ قبروں پر چڑھائیں اور قبر والوں کا تقرب حاصل کریں یہ مٹھائی بھی حرام ہے۔اس مٹھائی کا لینا اور کھانا اسی طرح سے نقدی اور تیل وغیرہ اور وہ چادریں جو قبروں پر چڑھائی جاتی ہیں ان سب کا لینا اور خرچ کرنا اور کھانا اور کھلانا سب حرام ہیں جس میں قبروں کے خدام سجادہ نشین اور انکے پاس قیام کرنے والے اور آنے جانے والے مہمان سب مبتلا ہیں ہاں اگر کسی نے یوں نذر مانی کہ اے اللہ! میرا فلاں کام ہو جائے تو فلاں بزرگ کے پاس جو فقراء ہوں ان کو اتنے پیسے دوں گا یا فلاں مسجد میں تیل دوں گا اور اس نذر کے مطابق کرلیا تو ان چیزوں کا خرچ کرنا اور لینا جائز ہے، لیکن مالداروں کو ان کا لینا اور خرچ کرنا پھر بھی حلال نہ ہوگا...... نذر لغیر اللہ کی صورت میں جو چیزیں قبروں پر لے گئے پھر اس سے توبہ کرلی اور اس مال کو فقراء پر خرچ کر دیا تو فقراء کو اس کا لینا جائز ہوگا۔

نذر لغیر اللہ کفر ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے نیز یہ عقیدہ رکھنا کہ اموات اپنی قبر میں تصرف کرتے ہیں اور اس تصرف میں مختار ہیں اور بغیر اذن اللہ تصرف کرتے ہیں یہ بھی کفر ہے اور جو جانور غیر اللہ کے تقرب کیلئے ذبح کیا جائے اگر چہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے وہ بھی حرام ہے چونکہ اسکے ذبح سے تقرب لغیر اللہ مقصود ہے اس لئے یہ بھی کفر ہے ہاں اگر کوئی جانور مہمانوں کے کھلانے کیلئے ذبح کیا جائے اور خون بہانے سے تقرب الی غیر اللہ مقصود نہ ہو تو وہ حلال ہے جیسے ولیمہ اور عقیقہ میں ذبح کیا جاتا ہے۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہوگئے سوان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔آج میں نے پورا کردیا تمہارا دین

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ

اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کردی، اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر اختیار کرنے کے لئے پسند کیا، سو جو کوئی شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک

غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾

میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو سو یقیناً اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔

کافروں کی ناامیدی اور دینِ اسلام کا اکمال

یہ بھی آیت بالا کا ایک حصہ ہے مَیْتَہ وغیرہ کی حرمت بیان فرمانے کے بعد بطور جملہ معترضہ ارشاد فرمایا کہ آج کافر تمہارے دین کی

طرف سے ناامید ہو گئے سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا اسکے بعد پھر مضمون متعلقہ حیوانات بیان فرمایا اور بھوک کی مجبوری میں ان میں سے کچھ کھانے کی اجازت فرمادی۔

آیت بالا حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن عرفات میں نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ﷺ جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اس وقت عرفات میں موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع کبھی نہیں ہوا یہ ذوالحجہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ حج کا احرام، میدان عرفات جبل رحمت کا قُرب، جمعہ کا دن ایسے متبرک زمان، مکان اور حال میں اس آیت کا نزول ہوا مکہ معظمہ ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا اور سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا جو لوگ اس انتظار میں تھے کہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مکہ کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے اسے دیکھ کر اپنے بارے میں فیصلہ کریں گے یہ لوگ بھی فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے مختلف قبائل جزیرۃ العرب کے اطراف واکناف سے وفود کی صورت میں آتے رہے اور مسلمان ہوتے رہے۔

یہ وفود اپنے قوموں کے نمائندے بن کر آتے تھے اور پھر اسلام کے نمائندے بن کر جاتے تھے۔ جزیرۂ عرب میں جو اہل شرک اور اہل کفر کی مخالفت تھی وہ ختم ہو گئی۔ یہ جو کافروں نے سمجھ رکھا تھا کہ دین اسلام کو دبا دیں گے صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے جس کے لئے انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور بہت سی تدبیریں کیں جزیرۃ العرب سے باہر دوسرے لوگوں سے بھی مدد لینے کا پروگرام بنایا۔ الحمد للہ ان کے ارادے خاک میں مل گئے اور ساری تدبیریں ملیا میٹ ہو گئیں اور اب وہ اس سے ناامید ہو گئے) کہ دین اسلام کو ختم کریں۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ (کہ آج کافر تمہارے دین کی طرف سے ناامید ہو گئے) اب انہیں یہ خیال نہیں رہا کہ تمہارے دین پر غالب ہوں کیونکہ اللہ کا جو وعدہ تھا کہ دین اسلام کو غالب کرے گا وہ اس نے پورا فرمادیا اور کافروں نے اس کا مشاہدہ کر لیا اب جبکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے غلبہ عطا فرمادیا تو کافروں سے جو ظاہری ڈر تھا وہ ختم ہوا اب تو بس ظاہراً و باطناً اللہ ہی سے ڈرنا ہے اسی کی فرمانبرداری کرو اور اسکی نافرمانی سے بچو، اس کو فرمایا فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِ (پس تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو)

دینِ اسلام کا کامل ہونا...... اس کے بعد فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو بھی انبیاء رسل تشریف لائے اور جو اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ان میں جو احکام نازل ہوتے رہے آج ان سب کی تکمیل کر دی گئی۔ احکام کی بھی تکمیل ہو گئی اور اخلاق کی بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ **بعثنی لتمام مکارم الاخلاق و کمال محاسن الافعال** (اللہ نے مجھے برگزیدہ اخلاق اور اچھے افعال کی تکمیل کے لیے بھیجا ہے) (رواہ فی شرح السنۃ کما فی المشکوٰۃ ص ۵۱۴)

اس سے پہلے جو احکام نازل ہوئے ان میں سے بعض منسوخ بھی ہوئے جن کے عوض ان سے بہتر یا انہی جیسے احکام نازل فرمادیئے گئے اب دین کامل ہے کوئی حکم اب منسوخ نہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ (نزول احکام) کے اعتبار سے قرآن مجید کی آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت احکام کے متعلق نازل نہ ہوئی جو چند آیات اس کے بعد نازل ہوئی وہ ترغیب وترہیب کے متعلق تھیں اس پر بعض مفسرین نے آیت کلالہ سے متعلق اشکال پیش کیا ہے کہ بعض حضرات نے اسے آخری آیت بتایا ہے لیکن اگر اسے آخری آیت بحیثیت احکام کے مان لیا جائے تب بھی اس اعتبار سے اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ اس میں نسخ واقع نہیں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے...... دین اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اجتماعی اور انفرادی

اعمال واحوال سب کے بارے میں احکام موجود ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کیا کیا ہیں عزیز وقریب آپس میں مل کر کس طرح رہیں۔ میاں بیوی دونوں مل کر کس طرح زندگی گزاریں، اولاد کی پرورش کن اصول پر اور کس طرح کی جائے، پڑوسی کے ساتھ کیسے برتاؤ ہو۔ مہمان اور میزبان کس طرح ایک دوسرے کا خیال رکھیں دشمنوں سے صلح اور جنگ کیسے ہو، معاہدہ کس طرح ہو، مردوں اور عورتوں کا لباس کیسا ہو، کھانے پینے اور پہننے میں کن امور کی رعایت رکھی جائے۔ بیع وشراء کے احکام، رہن واجارہ کے احکام اوران کی تفصیلات، حدود وقصاص جاری کرنے کے احکام، خلیفہ اور امیر کی ذمہ داریاں، عوام الناس کا امراء اور خلفاء کے ساتھ سلوک اوراس طرح سینکڑوں عنوانات کے جوابات شریعت اسلامیہ میں موجود ہیں۔ اسلام صرف عبادت ہی کا مجموعہ نہیں اعتقادیات، عبادات، معاملات، اخلاق وآداب یہ سب اسلام میں موجود ہیں اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین ایسا نہیں ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو، بجز چند تصورات اور خیالات کے ادیان میں کچھ بھی نہیں۔ اگر اسلام میں کسی آنکھیں بند کرنے والے کو کچھ بھی نظر نہ آئے تو یہ دین کا جامع اور کامل ہونا ہی ایک مصنف مزاج، سمجھدار انسان کے لیے اسلام کے دین حق ہونے کی دلیل کے طور پر کافی ہے۔

اس اعتبار سے انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین بھی کامل تھا کہ اس کو اختیار کرنے پر ان کے اپنے اپنے زمانے میں آخرت کی نجات کا مدار تھا اور اس کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کافی تھا۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لائے وہ تمام انسانوں تمام جہانوں اور آئندہ آنے والے تمام زمانوں کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے اور کوئی دین اس کے بعد آنے والا نہیں جو اس کو منسوخ کر دے اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے احکام پر حاوی ہے دنیا کتنی بھی ترقی کر جائے اور کیسے ہی حوادث ونوازل کا ظہور ہو جائے ان سب کا حکم شرعی موجود ہے اور مدارِ نجات تو بہر حال ہے ہی، ان سب وجوہ سے اس کو کامل فرمایا۔

اتمامِ نعمت...... پھر فرمایا وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ (اور پوری کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت) صاحب روح المعانی ص ۶۰ ج ۶ میں لکھتے ہیں کہ مخاطبین پر نعمت کا پورا فرمانا اس طرح ہوا کہ ان کے لئے مکہ معظمہ فتح ہوا اور وہ مکہ معظمہ میں امن وامان کے ساتھ غلبۂ اسلام کے ساتھ داخل ہوئے اور جاہلیت کی چیزیں ختم کر دی گئیں اور مشرکین کو حج کرنے سے روک دیا گیا۔

اتمامِ نعمت کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی لئے مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت پوری فرما دی اور اس کے اَسباب مکمل فرما دیئے اور بعض حضرات نے فرمایا اتمامِ نعمت سے اکمالِ دین ہی مراد ہے (گویا پہلے جملے کی تاکید ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو جو علم وحکمت سے نوازا اور جو اور کسی کو عطا نہیں فرمایا اتمامِ نعمت سے وہ مراد ہے۔ صاحب معالم التنزیل اس کی تفسیر کرتے ہوئے بعض حضرات سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وہ وعدہ پورا فرما دیا جو وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِىۡ عَلَيۡكُمۡ میں فرمایا تھا۔ (ص ۱۱ ج ۲)

دینِ اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے...... پھر فرمایا وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا (اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا) دین اسلام ہی امن وامان اور آخرت کی نجات کا ضامن ہے، جس کا دین اسلام نہ ہوگا وہ اصحاب نار میں سے ہوگا یعنی اس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر نہیں کوئی کیسی ہی عبادتیں اور ریاضتیں کریں تارک دنیا ہو، راہب ہو وہ دوزخی ہی ہوگا اگر دین اسلام قبول کئے بغیر مر گیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ (قیامت کے دن اعمال آئیں گے) نماز آئے گی وہ کہے گی کہ اے رب! میں نماز ہوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو خیر پر ہے پھر صدقہ آئے گا وہ عرض کرے گا اے رب! میں صدقہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو خیر پر ہے۔ پھر

روزے آئیں گے وہ کہیں گے اے رب! ہم صیام ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو خیر پر ہے پھر فرمایا اعمال اس طرح آتے رہیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا تم خیر پر ہو پھر اسلام آئے گا وہ عرض کرے گا اے رب! آپ سلام ہیں اور میں اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا تو خیر پر ہے۔ تیری ہی وجہ سے آج مؤاخذہ کروں گا (جس نے تجھے قبول نہ کیا تھا وہ خیر سے محروم ہوگا اور عذاب میں آجائے گا) اور تیری وجہ سے عطا کروں گا۔ (آج جو انعامات ملنے ہیں تیری وجہ سے ملیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کا طلب گار ہوگا۔ تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۵)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو تین خصوصی انعام عطا فرمائے (۱) اکمال دین، (۲) اتمام نعمت، (۳) نعمتِ اسلام جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور جس کے بغیر کسی کے لئے آخرت میں کسی نعمت کا کوئی حصہ نہیں۔ امت محمدیہ افضل الامم ہے، اس کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) افضل الانبیاء ہے، اس کے پاس افضل الکتب ہے، اس کا دین اکمل الادیان ہے، جو رہتی دنیا تک کے لئے ہے اس میں جامعیت ہے اور نسخ تبدیل نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک یہودی نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جسے پڑھتے ہو اگر ہم پر یعنی یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کون سی آیت ہے اس شخص نے کہا وہ آیت یہ ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا ہمیں معلوم ہے وہ دن اور وہ جگہ جس میں یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی آپ عرفات میں وقوف کئے ہوئے تھے (اور) جمعہ کا دن تھا۔ (صحیح البخاری ص ۱۱ ج ۱)

فتح الباری ص ۱۰۵ ج ۱ میں طبرانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نزلت يوم جمعة ويوم عرفة و كلاهما بالله لنا عيد (کہ یہ آیت جمعہ کے دن عرفہ کے روز نازل ہوئی اور الحمد للہ یہ دونوں ہمارے لئے عید ہیں)

سنن ترمذی میں بھی یہ واقعہ مروی ہے اور اسکے بعد دوسرا واقعہ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی تو ایک یہودی نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے جس دن اس کا نزول ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ایسے دن نازل ہوئی ہے جس دن میں ہمارے لئے دو عیدیں ہیں یہ یوم جمعہ تھا اور یوم عرفہ تھا (قال الترمذی حدیث حسن)

حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کوئی نئی عید منانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس دن یہ آیت نازل ہوئی وہ ہمارے لئے پہلے ہی سے عید کا دن تھا۔ ایک نہیں اس دن ہماری دو عیدیں تھیں ان میں سے ایک عید تو ہر ہفتہ ہوتی ہے یعنی جمعہ کے دن اور دوسری عید ہر سال حج کے موقعہ پر حجاج کرام کو نصیب ہوتی ہے۔ ہماری عید میں لعب ولہو نہیں ہے ہماری عید اللہ کی فرمانبرداری اور اطاعت اور اس کے ذکر کی مشغولیت ہے چنانچہ ہم ہمیشہ وہ عید مناتے ہیں جو ہمارے لئے رب العزت ذوالجلال کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست ...... جب آیت بالا نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور انہوں نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف نہیں رکھیں گے چونکہ جس مقصد کے لئے آپ کو مبعوث فرمایا تھا وہ پورا ہوگیا۔ حقیقت

میں انہوں نے ٹھیک سمجھا اور نزول آیت کے اکیاسی دن کے بعد آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی۔ (من روح المعانی ومعالم التنزیل)

مجبوری میں حرام چیز کھانا ...... آخر میں فرمایا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سو جو شخص مجبور ہوجائے سخت بھوک میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو۔ سو یقیناً اللہ غفور ہے رحیم ہے) اوپر جو حرام جانوروں کی تفصیل مذکور ہوئی ان کے بارے میں اب یہاں ارشاد ہے کہ جو شخص سخت بھوک سے ایسا مجبور ہو کہ جان پر بن رہی ہو اور اس کے پاس حلال چیزوں میں سے کھانے کے لئے کچھ بھی نہ ہو تو وہ حرام چیزوں میں سے اپنی جان بچانے کے لئے اتنا سا کھا لے کہ جس سے جان بچ جائے اور صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے جس سے جان بچ جائے۔ مجبوری کو گناہگاری کا ذریعہ نہ بنائے یعنی اس سے زیادہ نہ کھائے جتنی کہ اس وقت حاجت ہے اس کو یہاں غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ سے تعبیر فرمایا اور سورۂ بقرہ (ع ۲۱) اور سورۂ نحل (ع ۱۵) میں غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ (سے تعبیر فرمایا کہ حد سے آگے بڑھنے والا نہ ہو اور لذت کا طالب نہ ہو۔ مثلاً اگر بھوک سے جان جا رہی ہو تو شراب اور سور کھا لے اور حرام گوشت کھانے کی اجازت کو بہانہ بنا کر جان بچانے والی ضروری مقدار سے زیادہ کھائے گا تو گناہ گار ہوگا۔

آخر میں جو یہ فرمایا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جان بچانے کے لئے جو تھوڑا سا کھانے کی اجازت ہے وہ درجہ معافی میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے گا یوں کہیں گے کہ اس موقع پر ذرا سا کھانا حلال ہوگا البتہ حرام اپنی جگہ حرام ہی ہے اس کے بارے میں مزید تنبیہ اور توضیح سورۂ بقرہ کی آیت فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کے ذیل میں گذر چکی ہے

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا ہے جو ان کیلئے حلال کیا گیا ہے، آپ فرما دیجئے حلال کی گئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں، اور جن شکاری جانوروں کو تم نے تعلیم دی اس حال

مُکَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَھُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ ز فَکُلُوْا مِمَّآ اَمْسَکْنَ عَلَیْکُمْ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ ص

میں کہ تم انکو سدھانے والے ہو، ان کو سکھاتے ہو اس طریقہ سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا سو ان میں سے کھالو جو انہوں نے تمہارے لئے روک لیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو

وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

پاکیزہ چیزوں اور جوارح معلّمہ کے شکار کی حِلّت

اس آیت میں اول تو یہ بتایا کہ تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں۔

پاکیزہ چیزیں اور خبیث چیزیں کیا ہیں؟ .... صاحب روح المعانی الطیبات کا مطلب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں ای مالم تستخبثہ الطباع السلیمۃ ولم تنفر عنہ (یعنی پاکیزہ چیزیں وہ ہیں جن کو طبائع سلیمہ خبیث نہیں سمجھتیں اور جن سے نفرت نہیں کرتیں) اس کے عموم میں ہر پاکیزہ چیز کا حلال ہونا اور ہر خبیث چیز کا حرام ہونا داخل ہے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جس کی طبیعت پاکیزہ ہوگی وہی پاکیزہ چیزوں میں رغبت کرے گا اور خبیث چیزوں سے اسے نفرت ہوگی۔ بہت سے ملکوں میں ایسے انسان بستے ہیں جو ہر چیز کو کھا جاتے ہیں خنزیر کھانے والے تو معلوم ہی ہیں عموماً نصرانی لوگ کھاتے ہیں لیکن بندر، کتا، سانپ، گرگٹ، چھپکلی اور ہر طرح کے کیڑے مکوڑے کھانے والے لوگ کروڑوں کی تعداد میں مشرقی ایشیا کے ملکوں میں موجود ہیں چونکہ ان لوگوں کے طبائع سلیمہ اور طیبہ نہیں

ہیں اس لئے ان کی طبعی رغبت اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ جو کچھ کھاتے ہیں وہ طیب ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات سے محروم ہونے کی وجہ سے کفر میں بھی غرق ہیں اور ان کی روحوں پر تہہ بہ تہہ ظلمت اور گندگی چڑھ گئی ہے اس لئے ہر جانور کھانے کے لئے تیار ہیں۔

طیبات کی تخصیص سے تمام ناپاکیوں اور غلاظتوں کے کھانے کی حرمت بھی معلوم ہوگئی۔ حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کھانا بھی حرام ہیں کیونکہ طبائع سلیمہ کے نزدیک یہ طیبات سے خارج ہیں۔ پاکیزہ طبیعتیں ان سے نفرت کرتی ہیں۔

حلال اور حرام کی تفصیل...... حلال جانوروں کی تفصیل تو عموماً سب ہی کو معلوم ہے گائے، بیل، بھینس، بھینسا، بکرا، بکری، بھیڑ، بھیڑا، دنبہ، دنبی۔ پالتوں جانوروں میں اور ہرن، نیل، گائے، خرگوش، جنگلی جانوروں میں حلال ہیں اور پرندوں میں کبوتر، فاختہ، مرغی، بطخ، بلبل، مور، تیتر، بٹیر، مرغابی، چڑیا، طوطا، مینا بھی حلال ہیں اور جو شکار کر کے کھاتا ہو ٹانگوں والا ہو یا پروں والا اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

غذا کھانے والے کے اخلاق پر غذا کا اثر پڑتا ہے، پھاڑ چیر کر کھانے والے جانوروں کو کھایا جائے تو انسان میں بھی اسی طرح کے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے ان کے کھانے سے منع فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسے جانور کے کھانے سے منع فرمایا جو اپنے دانتوں سے چیر پھاڑ کر کھاتا ہے (جیسے شیر، بھڑیا، چیتا، بلی، کتا وغیرہ) اور ہر ایسے پرندے کے کھانے سے منع فرمایا جو پنجے والا ہو یعنی پنجے سے دوسرے جانور کو شکار کر کے کھاتا ہو۔ (رواہ مسلم) گدھ، چیل مردار کھاتے ہیں وہ بھی حرام ہیں اور شکرا، باز جو دوسرے پرندوں کو شکار کر کے کھاتے ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا بجو کو بھی کوئی کھائے گا اور آپ سے بھیڑیئے کے بارے میں معلوم کیا تو آپ نے فرمایا کیا بھیڑیئے ایسا شخص کھائے گا جس میں کوئی خیر ہو؟ یہ سنن ترمذی کی روایت ہے (اوائل کتاب الاطعمہ) اور سنن ابن ماجہ میں بھی ہے لیکن اس میں بجو کی جگہ لومڑی کا ذکر ہے۔ (ابواب الصید) سنن ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے والوں نے قُنفذ (یعنی سیہ) کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا خبیثة من الخبائث کہ یہ خبیث چیزوں میں سے ایک خبیث ہے خیبر کی جنگ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے کھانے سے بھی منع فرمادیا۔ (بخاری ومسلم) اور چونکہ خچر گھوڑے اور گدھے کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

علامہ دمیری کتاب الحیوان ص ۲۴۶ ج ۲ میں علامہ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ میرے علم میں علماء مسلمین کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ بندر کا گوشت نہ کھایا جائے اور کتا اور ہاتھی اور دوسرے نو کیلے دانتوں والے جانور سب کا ایک ہی حکم ہے (یعنی ان کا کھانا حلال نہیں) پھر لکھتے ہیں کہ بندر اور اس جیسی چیزوں کے کھانے کی حرمت کے لئے مستقل نہی کی ضرورت نہیں کیونکہ ذاتی طور پر وہ ایسی چیز ہے جس سے طبیعتیں بچتی ہیں۔ پھر حضرت شعبی (تابعی) سے ایک حدیث مرسلاً نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بندر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

شکاری جانوروں کے احکام...... اس کے بعد شکار کا ذکر فرمایا جو شکاری جانوروں کے ذریعہ کیا جائے۔ عام طور سے کتوں کو سکھانے اور سدھانے کا رواج ہے ان کے ذریعہ شکار کیا جائے تو شرائط کے ساتھ اس کا کھانا بھی حلال ہے۔ جانور کا سدھانا یہ ہے کہ اس کو اس بات کی تربیت دی جائے کہ جب اسے شکار پر چھوڑا جائے تو وہ اسے پکڑ کر لے آئے یا قتل کر دے لیکن اس میں سے خود نہ کھائے اگر کسی جانور کو سدھایا اور تربیت دی اور اس نے تین مرتبہ ایسا کیا اور شکار کو مارا اور اس میں سے نہ کھایا تو یہ جانور تربیت یافتہ کہلائے گا۔ اگر بسم

اللّٰہ اکبر پڑھ کراس کو کسی ایسے جانور پر چھوڑا جس کا کھانا حلال ہے اور وہ اس جانور کو زندہ پکڑ کر لے آیا تو شکاری آدمی بسم اللّٰہ پڑھ کر اپنے اختیار سے خود ذبح کرے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر شکاری جانور نے اسکو زخمی کر دیا پھر وہ مر گیا تو وہ بھی حلال ہے۔ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، کتے کو جو بسم اللّٰہ پڑھ کر چھوڑا تھا اس کے زخمی کرنے کے بعد مر جانے ہی سے اس جانور کا کھانا حلال ہو گیا۔
اگر جانور تربیت یافتہ نہ ہو یا اسے بسم اللّٰہ پڑھکر نہ چھوڑا جائے اور وہ زخمی کر دے جس سے وہ جانور مر جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ ہاں اگر کسی جانور کو کتے یا شیر نے پکڑ لیا اور وہ ابھی زندہ ہے تو اس کو ذبح کر کے کھالینا جائز ہے اس کا ذکر وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کے ذیل میں آ چکا ہے اگر سدھائے ہوئے شکاری کتے کو کسی جانور پر چھوڑا اور اس نے اسے گلا گھونٹ کر مار دیا اور کسی جگہ سے زخمی نہ کیا تو اس جانور کا کھانا حلال نہیں اگر چہ شکاری کتے کو بسم اللّٰہ پڑھ کر چھوڑا تھا۔ آیت شریفہ میں شکاری جانور کو سدھانے اور تعلیم دینے کی شرط وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ سے معلوم ہوئی اور یہ شرط کہ شکاری کتا اس میں سے نہ کھائے مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ سے معلوم ہوئی اور بسم اللّٰہ کی شرط وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ سے معلوم ہوئی اور زخمی کرنے کی شرط لفظ الجوارح سے مفہوم ہوئی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام لے پھر وہ اگر شکار کو پکڑ لے اور تو اسے زندہ پالے تو ذبح کر لینا اور اگر تو نے اسے اس حال میں پایا کہ وہ اسے قتل کر چکا ہے اور اس میں سے اس نے نہیں کھایا تو اس کو کھالینا اور اگر کتے نے اس میں سے کھالیا تو اس میں سے نہ کھانا کیونکہ اس نے وہ اپنے لئے روک کر رکھا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ وہ کتا مُعَلَّمْ نہیں ہے) اور اگر تو اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو پالے اور جس جانور پر حملہ کیا ہے وہ مقتول ہو چکا ہے تو اس میں سے مت کھانا کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ دونوں کتوں میں سے کس نے قتل کیا۔ (رواہ مسلم ص ۱۴۶ ج ۲)

شکاری جانوروں کا سدھانا اور تعلیم دینا جو اوپر بتایا گیا (کہ وہ شکار کو پکڑ لیں اور خود نہ کھائیں) یہ ان جانوروں سے متعلق ہے جو چوپائے ہیں کتا، شیر چیتا وغیرہ۔

شکاری پرندہ کی تعلیم .... لیکن اگر کسی شکاری پرندہ کو سدھایا جائے تو اس کا تعلیم دینا اور سدھانا یہ ہے کہ جب اسے شکار پر چھوڑنے کے بعد بلایا جائے تو وہ آ جائے جب تین مرتبہ ایسا ہو جائے تو اس کو مُعَلَّمْ (یعنی تعلیم دیا ہوا) مانا جائے گا اور پھر اس کے شکار کا وہی حکم ہے جو شکاری کتے کے شکار کا حکم ہے۔ یعنی سدھائے ہوئے شکاری پرندہ باز، شکرہ وغیرہ کو اگر بسم اللّٰہ پڑھ کر کسی جانور پر چھوڑا پھر وہ زندہ پکڑ کر لے آیا تو ذبح کر دینے سے حلال ہو جائے گا اور اگر اس نے زخمی کر دیا جس سے وہ مر گیا وہ بھی حلال ہو گیا اور اگر زخمی نہ کیا۔ بغیر زخم سے مار دیا تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ البتہ کتے اور باز میں یہ فرق ہے کہ کتے نے اگر اس میں سے کھالیا تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اس صورت میں مُعَلَّمْ نہ رہا اور اگر باز نے کھالیا تو وہ تب بھی حلال رہے گا کیونکہ شکار میں سے نہ کھانا پرندہ کی تعلیم میں مشروط نہیں، اس کی تعلیم یہ ہے کہ اس کو بلایا جائے تو آ جائے۔

پرندہ کے شکار سے متعلقہ احکام .... اگر بسم اللّٰہ پڑھ کر کسی حلال جانور کو تیر مارا اور اسے زندہ پالیا تو اس کے حلال ہونے کے لئے ذبح اختیاری ضروری ہے اور اگر تیر مارنے سے وہ جانور زخمی ہو گیا تھا اور زخمی ہو کر مر گیا تو اس کا کھانا بغیر ذبح کئے حلال ہے۔

مسئلہ .... اگر کسی پرندہ کو بسم اللّٰہ پڑھ کر تیر مارا پھر وہ پانی میں گر گیا یا کسی مکان کی چھت پر گرا پھر وہاں سے تڑپ کر زمین پر گر کر مر گیا تو اس کا کھانا حرام ہے کیونکہ مُتَرَدِّيَة کے حکم میں ہے۔

مسئلہ .... شکار حلال ہونے کی جو صورتیں بیان ہوئی ہیں اس میں یہ شرط ہے کہ بسم اللّٰہ پڑھ کر شکاری جانور یا شکاری پرندہ شکار پر

چھوڑا ہو یا بسم اللّٰہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔ لیکن اگر بسم اللّٰہ پڑھنا بھول گیا ہو تب بھی شرائط مذکورہ کے ساتھ اس کا کھانا حلال ہے۔

مسئلہ ...... ان مسائل میں جو مسلمان کے شکار کا حکم ہے وہی کتابی یعنی یہودی و نصرانی کے شکار کا حکم ہے۔

مسئلہ ...... بُت پرست، آتش پرست، مرتد اور ہر وہ کافر جو یہودی یہ نصرانی نہیں ہے ان کا شکار کیا ہوا جانور حرام ہے اگر چہ بسم اللّٰہ پڑھ کر شکار کیا ہو۔

مسئلہ ...... جن جانوروں کا کھانا حلال نہیں ان کا شکار کرنا جائز ہے ان کی کھال دباغت کر کے کام میں لائی جاسکتی ہے۔

آخر میں فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (کہ اللہ سے ڈرو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے) جیسے دیگر آیات میں احکام بیان فرمانے کے بعد اللہ سے ڈرنے اور آخرت کا فکر مند ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے یہاں بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو جانور اُصولِ شریعت کے مطابق حلال نہ ہوا سے نہ کھائیں اور شکار کرنے میں جو انہماک ہو جاتا ہے جس سے نماز تک چلی جاتی ہے اور حقوق العباد تلف ہو جاتے ہیں، شکار کا ایسا کھیل نہ کھیلیں، جو لوگ شکاری ہیں وہ جانتے ہیں کہ عموماً شکاری حدود شرعیہ کے پابند نہیں رہتے شکار کے پیچھے لگے تو سب کچھ بھول گئے۔

سنن ابوداؤد (باب فی اتباع الصید) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت دل ہو گیا، اور جو شخص بادشاہ کے پاس گیا وہ فتنہ میں پڑا اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہوا۔ (صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫

آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے،

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ

اور پاکدامن عورتیں جو مسلمان ہیں اور وہ پاکدامن عورتیں جو ان لوگوں میں سے ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تمہارے لئے حلال ہیں۔ جب کہ تم

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ

ان کو ان کے مہر دے دو اس طریقہ پر کہ تم پاکدامنی اختیار کرنے والے ہو، خفیہ طریقے پر دوستی کرنے والے نہ ہو۔ اور جو کوئی شخص ایمان کا انکار کر دے

فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵

تو اس کے اعمال اکارت ہو گئے، اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں ہو گا۔

اہلِ کتاب کا کھانا حلال ہے

اس آیت میں چند احکام بیان فرمائے ہیں۔ اول تو پاکیزہ چیزوں کے حلال کئے جانے کا دوبارہ تذکرہ فرمایا اور لفظ الیوم کا اضافہ فرمادیا۔ مطلب یہ ہے کہ طیبات جو پہلے حلال تھیں اب بھی حلال ہیں ان میں کوئی نسخ واقع نہیں ہوا، پھر فرمایا کہ تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے، جن لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی تو ان سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور انکے کھانے کی چیزوں سے ان کا ذبیحہ مراد ہے یہود و نصاریٰ اگر بسم اللّٰہ پڑھ کر کسی ایسے جانور کو ذبح کریں جس کا کھانا اسلام میں حلال ہے اور پھر

اس گوشت میں سے مسلمانوں کو کھلائیں تو مسلمانوں کو اس میں سے کھانا حلال ہے۔ آیت شریفہ میں جو وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ فرمایا ہے اس سے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ مراد ہے مطلق کھانا مراد نہیں کیونکہ روٹی سبزی پھل چاول اور دوسری چیزیں ہر کافر مشرک کی دی ہوئی اور بیچی ہوئی حلال ہیں اس میں اہل کتاب کی کوئی خصوصیت نہیں، اہل کتاب کا ذبیحہ اسی لئے حلال قرار دیا کہ مسلمانوں کی طرح ان کے نزدیک بھی اس جانور کا کھانا حلال نہیں ہے جو ذبح نہ کیا گیا ہو اور جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اگر اہل کتاب قصداً و ارادۃً کسی جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھیں تو اس کا کھانا مسلمان کیلئے حلال نہیں ہے، سورۂ انعام میں فرمایا وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (اور ان جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ بڑا گناہ ہے)

اس آیت کے عموم سے ہر اس جانور کے کھانے کی حرمت معلوم ہوگئی جس کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ذبح کرنے والا مسلم ہو یا کتابی ہاں! اگر مسلم یا کتابی ذبح کرتے وقت بھول کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو اس جانور کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس جانور کا کھانا حلال ہو، مسلم اور یہودی اور نصرانی کے علاوہ کسی کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے اگرچہ وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

مصنف عبدالرزاق (ص ۴۸۱ ج ۴) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد نقل کیا ہے ان فی المسلم اسم اللہ فان ذبح ونسی اسم اللہ فلیاکل وان ذبح المجوسی و ذکر اسم اللہ فلا تأکلہ، (مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس لئے اگر مسلمان نے ذبح کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول گیا تو وہ کھائے اور کوئی مجوسی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرے تو اسے نہ کھائے) اس میں صاف بتا دیا کہ مجوسی اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تب بھی اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ مجوسی (آتش پرست) اور بُت پرست بدھ مت وغیرہ کا ذبیحہ حلال نہیں کیونکہ یہ لوگ کتابی نہیں ہیں بلکہ یہودیوں اور نصرانیوں کے بارے میں بھی غور کر لینا چاہئے جو یہودی نصرانی اپنے اس دین پر ہیں جو ان کا دین نزول قرآن کے وقت تھا ان کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ اللہ کا نام لے کے ذبح کریں لیکن جو لوگ محض مردم شماری کے لحاظ سے یہودی اور نصرانی کہلاتے ہیں لیکن کسی مذہب کے قائل نہیں نہ خدا تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں نہ توریت، انجیل کو خدا تعالیٰ کی کتابیں مانتے ہیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کریں یا اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نصاریٰ بنی تغلب کے بارے میں فرمایا لاتأکلوا من ذبائح نصاری بنی تغلب فانھم لم یتمسکوا من النصرانیة بشیء الا شربھم الخمر (تفسیر قرطبی ص ۷۸ ج ۶) (یعنی بنی تغلب کے نصاریٰ کا ذبیحہ نہ کھاؤ۔ کیونکہ انہوں نے دین نصرانیت میں سے شراب پینے کے سوا کسی چیز کو نہیں پکڑا)

مسئلہ...... مرتد (جو اسلام چھوڑ کر کسی دوسرے دین میں داخل ہو جائے) اس کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ نصرانی یا یہودی ہو گیا ہو۔

مسئلہ...... جو لوگ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی مانتے ہیں ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

مسئلہ...... جو لوگ نام کے مسلمان ہیں عقیدۂ ملحد اور زندیق ہیں ضروریات دین کے منکر ہیں یا دین کی کسی چیز کا مذاق اڑاتے ہیں قرآن کی کسی آیت میں تحریف کرتے ہیں یا تحریف کے قائل ہیں یہ لوگ بھی کافر ہیں ان میں سے کسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

جس جانور پر ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا حلال نہیں ...... یہود و نصاریٰ اگر قصداً و ارادۃً اللہ کا نام ذکر کئے بغیر جانور ذبح کر دیں تو اس جانور کا کھانا مسلمان کے لیے حلال نہیں جیسا کہ مسلمان کے اس ذبیحہ کا بھی یہی حکم ہے جس کے ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا ہو اور اگر غیر اللہ کا نام ذکر کر کے کسی جانور کو ذبح کیا جائے تو اس کا کھانا بھی حلال نہیں۔

نئے مجتہدین کی گمراہی ...... بعض لوگوں نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ خود جو کچھ کھاتے ہوں اس سب

کا کھانا مسلمانوں کے لئے حلال ہے خواہ انہوں نے ذبح کیا ہو یا بلا ذبح کے مار دیا ہو خواہ بسم اللہ پڑھی ہو خواہ نہ پڑھی ہو۔ یہ ان مجتہدین کی گمراہی ہے یورپ، امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ میں ایسے گوشت ملتے ہیں جن کے بارے میں یقین ہوتا ہے کہ ان پر نصرانیوں نے ذبح کرتے وقت بسم اللّٰہ نہیں پڑھی پھر بھی وہاں کے رہنے والے یہ کہہ کر کھا جاتے ہیں کہ یہ نصرانیوں کا کھانا ہے اس لیے ہمارے لیے حلال ہے یہ ان کی جہالت اور ضلالت ہے یہ ان لوگوں کی بڑی نہ سمجھی ہے کہ مَیْتَہ، مو قو ذہ، نطیحہ، متر دیہ اس صورت میں مسلمان کے لیے حرام ہو جب اس کے گھر میں مر جائے اور نصرانی یا یہودی کے ہاتھ سے مر جائے تو حلال ہے اللہ تعالیٰ جاہل مفتیوں سے امت کو محفوظ رکھے۔ اگر اہل کتاب کا ہر کھانا بغیر کسی شرط یا بغیر کسی قید حلال مان لیا جائے تو خنزیر اور ہر وہ چیز حلال ہو جائے گی جو وہ کھاتے ہیں العیاذ باللہ! یہ جو فرمایا وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤمنین اگر اپنا کھانا اہل کتاب کو کھلائیں تو یہ درست ہے ان کو اپنا کھانا کھلا سکتے ہیں۔

پاکدامن مؤمنات سے اور کتابی عورتوں سے نکاح کرنا ...... اس کے بعد فرمایا وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ یعنی پاکدامن مؤمن عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ان سے نکاح کرنا درست ہے اس کے بعد فرمایا وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ یعنی تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان میں جو پاک دامن عورتیں ہیں وہ بھی تمہارے لئے حلال ہیں ان سے بھی نکاح کر سکتے ہو۔ معلوم ہوا کہ مسلمان کو پاکدامن یہودی یا نصرانی عورت سے نکاح کرنے کی بھی اجازت ہے اجازت تو ہے لیکن۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کتابی عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت ہی میں اس سے روک دیا تھا۔ امام محمدؒ بن الحسن نے کتاب الآثار میں لکھا ہے کہ حضرت حذیفہ نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو انہوں نے خط لکھا کہ اس کو چھوڑ دو۔ حضرت حذیفہ کو خط ملا تو انہوں نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ اے امیر المؤمنین کیا یہودیہ سے نکاح کرنا حرام ہے حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں تمہیں مضبوطی کے ساتھ پختہ طور پر حکم دیتا ہوں کہ میرا خط پڑھ کر اس وقت تک نیچے نہ رکھنا جب تک کہ تم اس عورت کو چھوڑ نہ دو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ دوسرے مسلمان بھی تمہاری اقتداء کر لیں گے اور اس طرح سے ذمی عورتوں سے نکاح کرنے کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان میں حسن و جمال ہے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے اور یہ مسلمان عورتوں کے لئے ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ روایت ختم کرنے کے بعد امام محمدؒ لکھتے ہیں

وبہ نأخذ لانراہ حراما ولکنا نری ان یختار علیھن نساء المسلمین وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہمارا بھی وہی مذہب ہے، ہم اس کو حرام تو نہیں قرار دیتے لیکن اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ مسلمان عورتوں سے نکاح کیا جائے اور انہیں یہودی اور نصرانی عورتوں پر ترجیح دی جائے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا بھی یہی قول ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو ارشاد فرمایا کہ یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے کا سلسلہ جاری ہو جائے تو چونکہ ان میں حسن و جمال نظر آتا ہے (اگر چہ حسین و جمیل نہ ہوں) اس لئے عموماً لوگ انہی کی طرف مائل ہوں گے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سی مسلمان لڑکیاں بے بیاہی رہ جائیں گی ان کا یہ اندیشہ بالکل صحیح تھا آج امریکہ، یورپ اور آسٹریلیا وغیرہ میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔

احقر سے ایک امام صاحب کی ملاقات ہوئی جو کینیڈا میں امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں (انہوں نے فرمایا کہ مسلمان لڑکے میرے پاس نکاح پڑھوانے کے لیے آتے ہیں اور سو میں سے تقریباً نوے نکاح ایسے ہوتے ہیں کہ نصرانی لڑکیوں ہی کو نکاح پڑھوانے

کے لیے لے آتے ہیں اور مسلمان لڑکیوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اس سے بڑھ کر آجکل ایک بڑا فتنہ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ نصاریٰ اپنے مذہب کو پھیلانے کے لیے جو طریقے سوچتے رہتے ہیں ان میں جہاں مال تقسیم کرنا ہے اور ہسپتال بنانا ہے اور اسکول اور کالج کھولنا ہے وہاں ان کے مشن میں یہ بھی ہے کہ مسلمان لڑکوں کو لڑکیاں پیش کرتے ہیں۔ مسلمان لڑکے یہ کہہ کر کہ ہمارے مذہب میں یہود ونصاریٰ سے نکاح جائز ہے ان سے نکاح کر لیتے ہیں یہ لڑکیاں چونکہ سکھائی پڑھائی ہوتی ہیں اور نکاح کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ شوہر کو اور پیدا ہونے والی اولاد کو نصرانیت پر ڈال دے اس لئے وہ برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں اور شوہر اور اولاد کو نصرانی بنا کر چھوڑتی ہیں ان حالات کے اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ مسلمان اپنے نکاح کے لیے مسلمان عورتیں تلاش کریں اور ان کو ترجیح دیں۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی حلال کی ہوئی چیز سے کیوں منع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حلال کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ امت کی مصلحت کے پیش نظر منع فرمایا ہے وہ خلفاء راشدین میں سے تھے جن کی اقتداء کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے حکم فرمایا تھا۔

پھر فرمایا اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (یعنی پاک دامن عورتیں اور پاک دامن کتابی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں جبکہ تم ان کے مہر ان کو دیدو) معلوم ہوا کہ کتابی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو ان کے بھی مہر مقرر کئے جائیں اور ادا بھی کئے جائیں۔

اس بات کو یہاں ذکر کرنے کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ جو یہود ونصاریٰ ذمی ہیں یعنی مسلمانوں کی عمل داری میں رہتے ہیں اگر ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو ان کے مہر ادا کرنے کی بھی فکر کی جائے ہوسکتا ہے کہ وہ دباؤ میں رہنے کی وجہ سے مہر طلب نہ کریں اس لیے مقررہ مہر کی ادائیگی کی خود فکر کرو۔

پھر فرمایا غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ (یعنی تم نکاح کر کے پاک دامنی اختیار کرو نہ کھلم کھلا زنا کرنے والے بنو نہ خفیہ طریقے پر دوستی کرنے والے بنو مطلب یہ ہے کہ اپنی نفسانی خواہش کو غیر شرعی طریقہ پر پورا نہ کرو۔ نہ کھلے ہوئے زانی بنو اور نہ چھپ چھپا کر عورتوں سے دوستی اور آشنائی پیدا کرو۔ کتابی عورتوں سے نکاح کرنے کا جواز بتانے کے بعد خاص طور سے اس بات کا ذکر فرمادینا کہ اعلانیہ یا خفیہ زنا نہ کرو اس بات پر تنبیہ ہے کہ ذمی عورتیں خفیہ آشنائی کی راہیں نکال سکتی ہیں تم ہر طرح کے زنا سے بچو اعلانیہ بھی زنا نہ کرو اور خفیہ بھی۔ اللہ جل شانہٗ علاّم الغیوب ہے اسے ہمیشہ سے سب کچھ معلوم ہے آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے اسے اس کا بھی علم ہے۔

دورِ حاضر میں یورپ اور امریکہ وغیرہ میں جو مردوں اور عورتوں میں دوستی کا سلسلہ چلا ہوا ہے کہ آپس میں فرینڈز بن جاتے ہیں اور برسوں نیچر ملاتے رہتے ہیں حرام کی اولاد پیدا ہوتی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے پہلے سے اس کی پیش بندی فرمادی کہ پاکدامن کتابی عورتوں سے نکاح تو کر سکتے ہیں لیکن اعلانیہ زنا یا خفیہ دوستی سے باز رہیں خود بھی پاکدامن رہیں اور بیویاں بھی پاکدامن تلاش کریں۔

مُرتد کے اعمال اکارت ہوجاتے ہیں ...... آخر میں فرمایا وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ؗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (اور جو شخص ایمان کا انکار کر دے تو اس کا عمل اکارت ہو گیا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) آخرت کی بربادی ظاہر ہے کیونکہ مرتد ہو یا اصلی کافر اس کے لئے آخرت میں نجات نہیں ہے، دائمی عذاب ہے جس کی تفصیلات جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

مرتد کے احکام سورۂ بقرہ کی آیت وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ ط (الآیۃ) کے ذیل میں بیان کر دیئے گئے ہیں وہاں مراجعت کر لی جائے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ

اے ایمان والو! جب تم نماز کی طرف اٹھو تو اپنے مونہوں کو اپنے ہاتھ کی کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور دھو لو

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى

اور اپنے پیروں کو ٹخنوں تک ، اور اگر حالت جنابت میں ہو تو اچھی طرح سے پاک ہوجاؤ اور اگر تم مریض ہو

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا

یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے قربت کی ہو پھر تم پانی کو نہ پاؤ تو ارادہ کر لو

صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ

پاک مٹی کا سو اس سے اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لو اللہ ارادہ نہیں فرماتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے

وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

لیکن وہ ارادہ فرماتا ہے تا کہ تم کو پاک کرے اور تا کہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے تا کہ تم شکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے

وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

اور اس پختہ عہد کو یاد کرو جو تم نے اللہ سے مضبوطی کے ساتھ کیا ہے جبکہ تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور مانا ، اور اللہ سے ڈرو

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷

بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ان باتوں کو جو سینوں میں ہیں۔

وضو اور غسل کا حکم اور تیمّم کی مشروعیت

ان آیات میں وضو کا حکم اور اس کا طریقہ بیان فرمایا ہے، اوّل تو وضو کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو اور سروں کا مسح کرلو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھولیا کرو۔

اِذَا قُمْتُمْ کا مطلب ...... چونکہ عام طور سے بیٹھے ہوئے اور کام کاج میں لگے ہوئے باوضو نہیں رہتے اس لئے یہ فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو منہ اور ہاتھ اور پاؤں دھونے اور سر کے مسح کرنے کا عمل کرلیا کرو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے سے وضو ہو تب بھی وضو کرو۔ غالب احوال کے پیش نظر یوں فرمایا ہے کہ جب نماز کی طرف کھڑے ہو تو یہ عمل کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے فتح مکہ کے موقع پر ایک وضو سے چار نمازیں پڑھی تھیں۔ حضرت زید بن اسلمؒ نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب نیند سے اٹھ کر نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کرلیا کرو کیونکہ اس وقت تو بالیقین بے وضو ہی ہوتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس خطاب کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کرلیا کرو اگر پہلے سے وضو ہے تب بھی وضو کر لینا افضل ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وضو پر وضو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

فقہاء نے لکھا ہے کہ پہلے وضو سے کوئی نماز پڑھ لے گا یا ایسا کوئی عمل کر لے گا جو بلا وضو جائز نہیں تب یہ فضیلت حاصل ہوگی، یہ مطلب نہیں ہے کہ وضو پر وضو کرتا رہے اور ان اعمال میں سے کوئی عمل نہ کرے جو باوضو ادا کئے جاتے ہیں۔

وضو کا طریقہ...... آیت شریفہ میں وضو کا طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنے چہرے کو دھولو۔ چہرہ کی لمبائی پیشانی کے بالوں سے لیکر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے اور چوڑائی ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے۔ اگر ڈاڑھی ہلکی ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا کھال کا دھونا ضروری ہے اور اگر گھنی ڈاڑھی ہو جس میں اندر کی کھال نظر نہ آرہی ہو تو ڈاڑھی کا اوپر سے دھو دینا کافی ہے۔ بہت سے لوگ ایسا وضو کرتے ہیں کہ کانوں اور رخساروں کے درمیان جگہ سوکھی رہ جاتی ہے ان لوگوں کا وضو نہیں ہوتا۔

بے وضو ہونے کو حدثِ اصغر اور غسل فرض ہونے کو حدثِ اکبر کہا جاتا ہے دونوں حالتوں میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اگر کوئی شخص حدثِ اکبر یا حدث اصغر کی حالت ہوتے ہوئے نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی دوبارہ نماز پڑھنا لازم ہوگی۔ ساری امت کا اس پر اجماع ہے۔ خوب احتیاط کے ساتھ اعضائے وضو پر ہر جگہ پانی پہنچانے کا فکر کرنا لازم ہے۔

چہرے کی حد تو اوپر بیان ہوئی اور ہاتھوں کو انگلیوں سے لیکر کہنیوں سمیت اور پاؤں کو انگلیوں سے لے کر ٹخنوں سمیت دھونا فرض ہے۔ ذرا سی جگہ بھی پانی پہنچے بغیر رہ جائے گی تو وضو نہ ہوگا پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے، آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ سلم عموماً پورے سر کا مسح فرماتے تھے، حدیث شریف میں ہے: **فاقبل بهما و ادبر. بدء بمقدم رأسه حتیٰ ذهب بهما الی فقاه ثم ردَّهما حتی رجع الی المکان الذی بدأ منه ثم غسل رجليه** (پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں کو آگے لے آئے پھر پیچھے لے گئے، سر کے اگلے حصہ سے مسح کا آغاز کیا یہاں تک کہ دونوں ہاتھوں کو اپنی گدی تک لے گئے پھر انہیں لوٹایا یہاں تک کہ وہیں لوٹ آئے جہاں سے ابتدا کی تھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں دھوئے) (رواہ البخاری ص ۳۱ ج ۱)

اور بعض مرتبہ آپ نے صرف اپنی پیشانی پر یعنی سر کے سامنے کے حصہ پر مسح کیا (کما رواہ مسلم عن المغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے اور چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

قرآن مجید میں جن چار چیزوں کا ذکر ہے، یعنی (۱) چہرہ کا دھونا، (۲) ہاتھوں کو دھونا، (۳) سر کا مسح کرنا (۴) پاؤں کو دھونا۔ وضو میں یہ چار چیزیں فرض ہیں۔ سر کا مسح ایک ہی مرتبہ کرنا مسنون ہے البتہ چہرے کا اور ہاتھوں کا پاؤں کا تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے اور ایک مرتبہ دھونے سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ دھونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ پانی پہنچ جائے۔

وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا، تین بار کلی کرنا، مسواک کرنا، تین بار ناک میں نرم جگہ تک پانی پہنچانا جس کو استنشاق کہتے ہیں اور تین بار ناک کو جھاڑنا اور انگلیوں کا خلال کرنا اور ہاتھ اور پاؤں دھونے میں داہنی طرف سے ابتدا کرنا اور ڈاڑھی کا خلال کرنا۔ مسنون ہے کانوں کا مسح کرنا بھی سنت ہے کانوں کے اندر کا اور باہر کا مسح کرنا اور کنپٹیوں پر ہاتھ پھیرنا اور کانوں میں مسح کرتے وقت انگلیاں داخل کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

فائدہ...... جب سو کر اٹھے تو بغیر دھوئے پانی میں ہاتھ نہ ڈالے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو جب تک اپنا ہاتھ تین مرتبہ نہ دھولے اسے پانی میں نہ گھسائے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ رات بھر اس کا ہاتھ کہاں رہا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

فائدہ...... استنشاق کے ساتھ استنثار (یعنی ناک جھاڑنے کا) بھی اہتمام کرنا چاہئے خاص کر جب سو کر اٹھے تو اس کا اہتمام زیادہ کرے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہوتو اپنی ناک کو جھاڑ لے کیونکہ شیطان رات کو اس کے ناک کے بانسے میں رہتا ہے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

فائدہ ...... وضو میں خوب اچھی طرح پانی پہنچائے چیڑ اچیڑی نہ کرے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ سے واپس ہوئے۔ چلتے چلتے عصر کا وقت ہو گیا۔ راستہ میں ایک جگہ پانی ملا۔ تو کچھ لوگ جلدی سے آگے بڑھ گئے اور جلدی جلدی وضو کر لیا ہم جب ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی ایڑھیاں ظاہر ہو رہی ہیں جن کو پانی نہیں پہنچا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ایڑھیوں کے لئے ہلاکت ہے جو دوزخ کی آگ کی صورت میں ظاہر ہو گی۔ اچھی طرح پانی پہنچایا کرو۔ (رواہ مسلم ص ۱۲۵ واختصرہ البخاری ص ۲۸ ج ۱)

وضو میں پانی خوب اچھی طرح پہنچائے لیکن اسراف کرنا اور ضرورت سے زیادہ بہانا جائز نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سعد رضی اللہ عنہ پر گزر ہوا وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا یہ کیا اسراف (فضول خرچی) ہے۔ انہوں نے عرض کی۔ کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں وضو میں بھی اسراف ہے اگر چہ تم جاری نہر پر ہو۔ (رواہ احمد وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص ۴۷ ج ۱)

امت محمدیہ ﷺ کی امتیازی شان ...... وضو پہلی امتوں میں بھی تھا اور اس امت میں بھی ہے لیکن ایک بات میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو امتیازی شان حاصل ہے اور وہ یہ کہ قیامت کے دن وضو کے اثر کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جسے قیامت کے دن سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جسے (سجدہ سے) سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی۔ سر اٹھا کر میں اپنے آگے دیکھوں گا تو ساری امتوں کے درمیان سے اپنی امت کو پہچان لوں گا اور پیچھے دیکھوں گا تب بھی اسی طرح پہچان لوں گا اور داہنی طرف دیکھوں گا تب بھی اسی طرح پہچان لوں گا اور بائیں طرف دیکھوں گا تب بھی پہچان لوں گا یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ!) آپ تمام امتوں کے درمیان سے اپنی امت کو کیسے پہچان لیں گے۔ جب کہ نوح علیہ السلام کی امت سے لیکر آپ کی امت تک سب امتیں موجود ہوں گی آپ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے روشن ہوں گے ان کے علاوہ کسی کو بھی یہ بات حاصل نہ ہو گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰ ج ۱)

غسل جنابت کا حکم اور اس کا طریقہ ...... وضو کا طریقہ بیان فرمانے کے بعد غسل کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (اور اگر تم جنب ہو تو خوب اچھی طرح سے پاکی اختیار کرو) جس مرد یا عورت پر غسل فرض ہو جائے (خواہ میاں بیوی کے میلاپ سے خواہ احتلام ہو جانے سے اور کسی طرح شہوت کے ساتھ منی خارج ہونے سے) اس پر فرض ہے کہ سر سے پاؤں تک پورے بدن پر ایک بار پانی پہنچائے۔

چونکہ فَاطَّهَّرُوْا مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اس لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غسل فرضی میں مضمضہ یعنی ایک بار کلی کرنا بھی فرض ہے جب کلی کرے تو پورے منہ میں خوب پانی بھر کر حلق تک پہنچائے نیز غسل فرضی میں استنشاق بھی فرض ہے یعنی ناک میں جہاں تک نرم جگہ ہے وہاں تک کم از کم ایک بار پانی پہنچائے، جب غسل کرنے لگے تو پہلے چھوٹا بڑا استنجاء کرے اور بڑا استنجا خوب کھل کر کرے تاکہ جہاں تک پانی پہنچ سکے وہاں تک پہنچ جائے اس کے بعد نجاست کو دور کرے جو بدن پر لگی ہے اس کے بعد وضو کرے

جیسا کہ وضو کا مسنون طریقہ ہے مضمضہ واستنشاق میں مبالغہ کرے اگر روزہ نہ ہو تو پھر تین بار سارے بدن تک پانی پہنچائے غسل فرض میں ایک بار پانی پہنچانا فرض ہے اور تین بار سنت ہے۔ (غیر فرض غسل کرے تو اس میں بھی تین بار پانی بہانا سنت ہے) ناف میں، بغلوں اور جس جگہ بغیر دھیان کئے پانی نہ پہنچنے کا اندیشہ ہو وہاں خوب دھیان سے پانی پہنچائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہٰذا بالوں کو دھوؤ اور جس جگہ پر بال نہیں ہیں اس کو صاف کرو (یعنی اچھی طرح پانی پہنچاؤ تاکہ میل کچیل بھی دور ہو جائے) (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غسل جنابت میں جس نے ایک بال کے برابر بھی جگہ چھوڑ دی تو اسے دوزخ میں ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس ڈر سے سر پر بال ہی نہیں رکھتے تھے ایسا نہ ہو کہ غسل فرض میں کسی جگہ پانی پہنچنے سے رہ جائے اور جنابت دور نہ ہو، حدیث بالا بیان فرما کر انہوں نے تین بار فرمایا کہ میں نے اسی لئے اپنے سر سے دشمنی کر رکھی ہے (بال بڑھنے نہیں دیتا منڈا تا رہتا ہوں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸)

مسئلہ ...... غسل فرض ہونے کے لئے میاں بیوی کے ملاپ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ منی خارج ہو صرف حشفہ (یعنی سپاری) غائب ہونے سے مرد عورت دونوں پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ احتلام ہونے کی حالت میں منی خارج ہونے سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔

فائدہ ...... جس طرح جنابت کی وجہ سے غسل فرض ہو جاتا ہے اسی طرح حیض اور نفاس کے ختم ہونے سے بھی غسل فرض ہو جاتا ہے اور اس غسل کا طریقہ بھی وہی ہے جو اوپر غسل جنابت میں بیان ہوا۔

تیمّم کا بیان ...... غسل جنابت کا حکم دینے اور اجمالاً اس کا طریقہ بتانے کے بعد تیمّم کی اجازت ذکر فرمائی اور ارشاد فرمایا وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ (آخر تک) اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا آئے تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے یا تم نے عورتوں سے قربت کی ہو اور پھر تم پانی نہ پاؤ تو ارادہ کر لو پاک مٹی کا سو اس سے اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لو۔ تیمّم کا طریقہ اور اس کے ضروری مسائل آیت سورۂ نساء یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ (ع ۷) کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں اس کی مراجعت کر لی جائے۔

پھر فرمایا مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ o (اللہ ارادہ نہیں فرماتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے لیکن وہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو جو تم پر ہے) ...... اوپر جو وضو اور غسل کا حکم ہوا اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کی جو اجازت مذکور ہوئی اس کے بعد ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو تم پر حدث اصغر ہو جانے پر وضو اور حدث اکبر ہو جانے پر غسل فرض فرمایا اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ تمہیں تنگی میں ڈالے لیکن اس کا ارادہ یہ ہے کہ تمہیں پاک کرے لِیُطَهِّرَكُمْ سے دونوں قسم کی طہارت مراد لی جا سکتی ہے طہارت ظاہری بھی اور طہارت باطنی بھی۔ طہارت ظاہری یہ ہے کہ نجاست حکمیہ (حدث اکبر وحدث اصغر) دور ہو جائے اور طہارت باطنی یہ ہے کہ گناہ معاف ہو جائیں۔

وضو اور تیمّم حکمِ تطہیر میں برابر ہیں ...... اللہ تعالیٰ کا مزید فضل یہ ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کو بھی وضو غسل کے قائم مقام قرار دے دیا۔ نجاست حکمیہ جیسے وضو اور غسل سے دور ہو جاتی ہے تیمّم سے بھی دور ہو جاتی ہے اور جو کام پانی سے وضو غسل کرنے والے کے لئے جائز ہو جاتے ہیں (مثلاً نماز پڑھنا، طواف کرنا، قرآن مجید کا چھونا) تیمّم کے ذریعہ بھی جائز ہو جاتے ہیں جب تک پانی نہ ملے

اور کوئی ناقص وضو اور موجب غسل پیش نہ آجائے تیمّم سے وہ سب کام جائز رہتے ہیں جو وضو اور غسل کرنے سے جائز ہوتے ہیں جب تیمّم کرلیا تو اس سے جتنی چاہے فرض نفل نمازیں پڑھنے کا اختیار ہے پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کی اجازت ہونا مستقل ایک نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

پھر جیسے نماز پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اسی طرح وضو کرنے سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا اس کے جسم سے اس کے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جائیں گے۔ (رواہ مسلم ص ۱۲۵ ج ۱)

وضو غسل اور تیمّم کا حکم فرمانے میں جہاں ظاہری اور باطنی طہارت کا فائدہ ہے وہاں اتمام نعمت کا فائدہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے نماز وضو غسل اور تیمّم کا حکم دے کر اپنی نعمت کامل فرمادی۔ یہ نعمت عزیمت کو بھی شامل ہے اور رخصت کو بھی، جب اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت پوری فرمادی تو شکر لازم ہوا اس لئے اخیر میں **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو ...... پھر فرمایا **وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جن سے اس نے تمہیں نوازا ہے یہ نعمتیں ظاہری بھی ہیں اور باطنی بھی، جسمانی بھی ہیں اور روحانی بھی، مزید فرمایا **وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ** کہ اللہ کے اس عہد کو یاد کرو جو تم نے مضبوطی کے ساتھ عہد کیا جب تم سے عہد لیا تو تم نے **سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** کہہ کر پکارا اور مضبوط عہد کرلیا۔ صاحب روح المعانی (ص ۸ ج ۶) لکھتے ہیں کہ اس سے وہ عہد مراد ہے جو ۱۳ نبوی میں لیلۃ العقبہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا تھا جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ ہم بات سنیں گے اور فرمانبرداری کریں گے۔ آسانی میں بھی اور سختی میں بھی خوشی میں بھی اور ناگواری میں بھی (یعنی اگر کوئی حکم نفسوں کو ناگوار ہوگا تب بھی عمل کریں گے۔ (اخرجہ مسلم ص ۱۲۵ ج ۲)

اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ میثاق مذکور سے بیعتِ رضوان بھی مراد ہوسکتی ہے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی (جس کا ذکر سورۂ فتح کے تیسرے رکوع میں ہے) پھر لکھتے ہیں کہ چونکہ یہ بیعت اللہ کی طرف سے ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر تھی اس لئے اس میثاق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کما به نطق قوله تعالیٰ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ** ۔ چونکہ ہر مسلمان جب توحید اور رسالت پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہے اور ہر بات کے ماننے اور ہر حکم کے تسلیم کرنے کا اعلان کردیتا ہے۔ اس لئے میثاق مذکور سے تمام مسلمانوں کا توحید و رسالت کا اقرار اور اعلان مراد لینا مناسب ہے اور یہ اقرار ہی پختہ عہد ہے لہٰذا لیلۃ العقبہ یا حدیبیہ کے موقع کی بیعت مراد لینے کی ضرورت نہیں۔

آخر میں فرمایا **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** کہ (اللہ سے ڈرو) اس کی نعمتوں کو نہ بھول جاؤ اور اس سے جو پختہ عہد کیا ہے اسے نہ توڑو **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ○ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں کی اندر کی چیزوں کو جانتا ہے) اسے ظاہری اعمال کا علم ہے اور دلوں کے ارادوں اور نیتوں کی بھی اسے خبر ہے وہ حساب لے گا اور بدلہ دے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ

اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنیوالے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ۔

عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

تم انصاف نہ کرو۔انصاف کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ ان کاموں سے با خبر ہے جنہیں تم کرتے ہو،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ وَالَّذِيْنَ

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ان کے لئے مغفرت ہے اوراجر عظیم ہے ، اورجن لوگوں نے

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰

کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخ والے ہیں

انصاف پر قائم ہونے کا حکم

سورۂ نساء میں فرمایا ہے یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ کہ اللہ کے لئے خوب انصاف کے ساتھ قائم رہنے والے بنو اگر چہ انصاف تمہارے اپنے جانوں پر تمہارے ماں باپ یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف پڑ جائے اور یہاں فرمایا ہے یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۔ (یعنی ہو جاؤ اچھی طرح سے کھڑے ہو جانے والے اللہ کے لئے، گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ، اور تمہیں کسی قوم کا بغض ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو) بات یہ ہے کہ انسان کو عدل وانصاف سے اور سچی گواہی دینے سے روکنے والی دو چیزیں ہوتی ہیں ایک تو اپنا نفس اور اپنے قرابت والوں اور دوستوں کی طرف داری، دوسرے کسی قوم کی دشمنی، سورۂ نساء میں جس بات کی طرف توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی جانوں اور رشتہ داروں کی رعایت کر کے سچی گواہی سے نہ رکنا اور عدل وانصاف کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا، اور سورۂ مائدہ کی اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ کسی قوم کا بُغض اور دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل و انصاف نہ کرو، مسلمان کے خاص اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ ہمیشہ حق کا ساتھ دے حق کی گواہی دے کبھی کسی حالت میں بھی عدل و انصاف کو نہ چھوڑے مزید تشریح وتوضیح کے لئے سورۂ نساء کی آیت مذکورہ کی تفصیل اور سورۂ مائدہ کی آیت وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (انصاف کرو انصاف تقویٰ سے قریب تر ہے) جب کوئی شخص عدل وانصاف کی صفت سے متصف ہوگا تو تقویٰ کی صفت سے بھی متصف ہوگا۔ عدل تقویٰ کی طرف اور تقویٰ عدل کی کھینچتا ہے پھر فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اس میں بتایا کہ قیامت کی پیشی کا دھیان رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے جب اللہ کا خوف ہوگا اور یہ یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے عمل کا علم ہے، روزِ جزاء میں پیشی ہوگی اور اعمال کے بدلے ملیں گے تو جھوٹی گواہی سے بچنا سچی گواہی دینا اور انصاف کرنا آسان ہوگا۔

اس کے بعد ان لوگوں سے اجر عظیم اور مغفرت کا وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کئے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور آیت الٰہیہ کو جھٹلایا ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ دوزخ والے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ

اے ایمان والو! تم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اسے یاد کرو ، جب کہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا

اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

سو اس نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا ایک خاص واقعہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی یاد دہانی

اسباب النزول ۱۸۶ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص جس کا نام غورث تھا اس نے اپنی قوم بنی غطفان اور بنی محارب سے کہا کہ کیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل نہ کر دوں؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ تو کیسے قتل کرے گا اس نے کہا کہ اچانک ایسی صورت بنا کر قتل کر دوں گا کہ اس کی طرف دھیان بھی نہ جائے گا۔ یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کی گود میں آپ کی تلوار تھی۔ یہ شخص کہنے لگا کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں آپ کی تلوار کو دیکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں دیکھ لے! اس نے تلوار لے لی اور نیام سے باہر نکال لی اور وہ ہاتھ میں تلوار لے کر ہلاتا رہا اور ارادہ کرتا رہا کہ آپ پر حملہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادے میں ناکامی ہوتی رہی۔ پھر وہ کہنے لگا اے محمد! کیا آپ مجھ سے نہیں ڈرتے آپ نے فرمایا نہیں! کہنے لگا آپ مجھ سے نہیں ڈرتے حالانکہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا اس کے بعد اس نے تلوار نیام میں رکھ دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دی اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

اللہ جل شانہٗ نے امت محمدیہ کو اپنی نعمت یاد دلائی کہ اس نے ان کے نبی کی حفاظت فرمائی جس میں امت پر بھی انعام واحسان ہیں **تقویٰ اور توکل کا حکم** ...... آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور ساتھ ہی توکل کا حکم فرمایا کہ اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے تقویٰ اور توکل بہت بڑی چیزیں ہیں۔ اہل ایمان کے سب کام ان دونوں سے چلتے ہیں جسے اللہ پر توکل ہو وہ مخلوق سے نہیں ڈرتا۔ تقویٰ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے گناہوں سے بچے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مشکل سے بچنے کا راستہ نکال دے گا۔

سورۂ طلاق میں فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ (اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکلوں سے نکلنے کا راستہ بنا دے گا اور اللہ اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو، اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کے لئے کافی ہے)

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ نمائندے بھیجے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں

لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ

اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور ان کی مدد کرو، اور اللہ کو اچھے طور

قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ

قرض دیتے رہو میں ضرور تمہارے گناہوں کا کفارہ کروں گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ

سو اس کے بعد تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے وہ راہ راست سے دور جا پڑا، سو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا

وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ

اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت بنا دیا وہ کلمات کو ان کے مواقع سے بدل دیتے ہیں اور وہ اس نصیحت کا بہت بڑا حصہ بھول گئے جو انہیں ذکر کی گئی تھی۔

وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ

اور آپ برابر ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے باستثناء تھوڑے سے لوگوں کے، سو آپ انہیں معاف فرمایئے اور درگزر کیجئے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوبی کا معاملہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل سے عہد لینا پھر ان کا عہد کو توڑ دینا

اس سے پہلے مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ سے عہد کیا ہے اور سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کہہ کر جو فرمانبرداری کرنے کی ذمہ داری لے لی ہے اسکو پورا کرو۔

ان آیات میں بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اس عہد کے پورا کرنے پر جس انعام کا وعدہ فرمایا تھا اس کا ذکر ہے پھر اس عہد شکنی پر جو انہیں سزا ملی اس کا تذکرہ فرمایا، اس میں مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ عہد پورا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہو جاتی ہے ایسا نہ کرو کہ عہد شکنی کر کے اپنے اوپر وبال آنے کا ذریعہ بن جاؤ۔

اوّل یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا (جو ان کے نبی سیّدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ لیا گیا تھا) پھر فرمایا کہ ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کر دیئے (بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اور ہر ہر قبیلے کا ایک ایک سردار مقرر فرما دیا جو ان کو اللہ کے عہد یاد دلاتا رہے اور عہد پر چلنے کی تلقین کرتا رہے) اللہ جل شانہٗ نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں مجھے تمہارے ہر عمل کی خبر ہے نیکی اور گناہ ہر چیز کا علم ہے۔ بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اسے لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ سے قَرْضًا حَسَنًا تک بیان فرمایا پھر لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سے تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ تک عہد پورا کرنے کا اجر بتایا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور رسولوں کی مدد کرتے رہے اور اللہ کو قرض اچھا دیتے رہے تو تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم پہلی امتوں کو بھی تھا، رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد اس لئے لیا کہ بنی اسرائیل میں بہت سے نبی ہوئے ایک نبی چلا جاتا تو دوسرا آ جاتا جیسا کہ عنقریب ہی آیت کریمہ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا میں اس کا بیان آ رہا ہے انشاء اللہ العزیز!

جب کوئی نبی آ جاتا تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ان پر فرض ہو جاتا تھا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور ان کے بعد خاتم الانبیاء سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی لیکن بنی اسرائیل عموماً ان دونوں رسولوں کی رسالت کے منکر ہو گئے۔

یہ جو فرمایا وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ط اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مصارف الخیر میں بھی خرچ کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرض حسن سے تعبیر فرمایا قرض اس لئے فرمایا کہ اس کا بدلہ ادھار ہے جو آخرت میں ملے گا اور حسن اس لئے فرمایا کہ وہ بدلہ بہت بڑا ہے ذرا سا خرچ کرنے پر آخرت میں بڑے بڑے اجور ملیں گے۔

سورۂ حدید میں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ (کون ہے جو قرض دے اللہ کو اچھا قرض سو اللہ بڑھا دے اسے چند در چند اور اس کے لیے اجر ہے بہت عمدہ) یہ اللہ پاک کا کتنا بڑا احسان ہے کہ مال اسی کا دیا ہوا ہے جب کوئی اسے خرچ کرتا ہے (اور خرچ بھی اپنوں پر یا اپنے ہم جنس دوسرے افراد پر) تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ذمہ قرض شمار فرما دیتا ہے جس نے دیا اسے تو پورا اختیار ہے کہ سارے مال کو خرچ کرنے کا حکم فرما دے اور ذرا سا بھی اجر نہ دے لیکن یہ محض اس کا کرم ہے جو کچھ اس کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے اسے اپنے ذمہ قرض شمار فرما لیا اور اس کا اجر خوب بڑھا چڑھا کر دینے کا وعدہ فرمایا۔

پھر فرمایا فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (کہ اس کے بعد جو شخص تم میں سے کفر اختیار کرے سو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا) عہد لیتے وقت یہ تنبیہ فرما دی تھی لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا جس کا ذکر آئندہ آیت میں ہے۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا وبال...... پھر بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور اس کے وبال کا تذکرہ فرمایا فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ط (یعنی چونکہ انہوں نے عہد کو توڑ دیا اس لئے ہم نے ان پر لعنت کر دی یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا) جن میں حق ماننے اور حق کی طرف متوجہ ہونے اور حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی، اس ملعونیت اور قساوت قلب کی وجہ سے وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب بھی کرتے تھے اور انہیں قتل بھی کرتے تھے، اپنی اسی عادت کے مطابق انہوں نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تکذیب کی اور یہ جانتے ہوئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں حق کے منکر ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ۞ (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی سو ان میں سے کم ہیں جو مؤمن ہوں گے) ان کے قساوت قلبی کا ذکر فرماتے ہوئے سورۂ بقرہ میں فرمایا ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (اور پھر تمہارے دل سخت ہو گئے سو وہ پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں) جب انسان بار بار گناہ کرتا رہے تو اس میں سرکشی کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس سرکشی سے دل میں قساوت اور سختی آ جاتی ہے، جس کی وجہ سے توبہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور موعظت اور نصیحت کی بات بھی بری لگتی ہے اللہ پاک نے اہل ایمان کو توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞ (کیا ایمان والوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت کے لئے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا پھر ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں سے فاسق ہیں)

یہودیوں کا توریت شریف میں تحریف کرنا...... مزید یہود کی شناعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ

وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِه ج (یہ لوگ کلمات کو بدلتے ہیں ان کے مواقع سے اور انہوں نے ایک بڑا حصہ چھوڑ دیا جس کے ذریعے انہیں نصیحت کی گئی) اس میں یہودیوں کی قساوت قلبی اور سخت دلی کو بیان فرمایا کہ ان کے دل ایسے سخت ہو گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیا۔ ان کے علماء توریت شریف کو بدلتے تھے اور جو کچھ پاس سے بناتے اور لکھتے تھے اپنی عوام سے کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ عوام کو راضی رکھ کر ان سے پیسے لے لینا اور علم کی بجائے ان کو جہل میں مبتلا کر دینا اور ہدایت کی بجائے انہیں گمراہی پر ڈالنا اور اللہ سے نہ ڈرنا آخرت کے حساب و کتاب سے بے پرواہ ہو جانا کتنی بڑی قساوت ہے لیکن انہیں اس کا کچھ احساس نہیں۔

جب تحریف کر لی تو توریت شریف کا بہت بڑا حصہ ان کے حافظہ سے نکل گیا جو شخص اپنی تحریف کو اصل میں ملانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اصل کتاب کے الفاظ و معانی سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہودیوں کی خیانتیں ...... پھر فرمایا وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (اور آپ ہمیشہ ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے، سوائے تھوڑے سے لوگوں کے) اس میں یہود کی خیانت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ برابر یہ خیانتیں کرتے رہیں گے اور آپ کو ان کی خیانتوں کا علم ہوتا رہے گا خیانت ان کے مزاج میں داخل ہو گئی ہے ان کے اسلاف نے خیانتیں کیں۔ حد یہ کہ اللہ کی کتاب میں بھی تحریف کر بیٹھے جو بہت بڑی خیانت ہے۔ ان کے خلاف (موجودہ یہودی) اس عادت کو چھوڑیں گے نہیں ہاں ان میں سے چند لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں (حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ) یہ حضرات خیانت سے دور ہو گئے اور صفت ایمان نے ان کو امانت دار بنا دیا۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوبی کا معاملہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

صاحب روح المعانی ص ۹۰ ج ۶ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَیْ اِذَا تَابُوْا اَوْ بَذَلُوا الجزیة یعنی جب وہ توبہ کر لیں (اسلام قبول کر لیں اور خیانت سے باز آ جائیں) یا جزیہ دیکر عہد کی پابندی کرتے رہیں تو ان کو معاف کیجئے درگزر کیجئے اگر یہ معنی لیے جائیں تو آیت میں کوئی نسخ نہیں ہے۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی نے علامہ طبری سے نقل کیا ہے کہ معافی اور درگزر کرنے کا حکم پہلے تھا۔ جب کافروں سے جنگ کرنے کا حکم آ گیا تو منسوخ ہو گیا۔ صاحب بیان القرآن رحمہ اللہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جب تک شرعی ضرورت نہ ہو ان کی خیانتوں کا اظہار اور ان کی فضیحت نہ کیجئے یہ معنی اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ سے قریب تر ہے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

اور جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے ہم نے پختہ عہد لیا سو وہ اس چیز کا بڑا حصہ بھول گئے جس کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی سو ہم نے قیامت

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض کو ڈال دیا اور عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں جتلادے گا جو کام وہ کیا کرتے تھے، اے اہل کتاب

قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ

تحقیق آیا تمہارے پاس ہمارا رسول جو تم سے بہت سی ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن کو تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سے چیزوں سے درگذر کرتا ہے،

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ایک ایسی کتاب آئی ہے جو واضح بیان کرنے والی ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے بتاتا ہے جو اس کی رضامندی کی

السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

طلب میں لگے رہتے ہیں اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور انہیں سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا

البتہ تحقیق انہوں نے کفر کیا جنہوں نے یوں کہا کہ بے شک اللہ مسیح ابن مریم ہے ، آپ فرمادیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم

اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

اور اس کی والدہ کو اور جو کچھ بھی زمین میں ہے ان سب کو ہلاک فرمانے کا ارادہ فرمائے تو کون ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ سے بچا سکے اور اللہ ہی کے لیے ہے ملک

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

نصاریٰ سے عہد لینا اور ان کا اس کو بھول جانا

ان آیات میں نصاریٰ کی طرف روئے سخن ہے، ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا وہ لوگ بھی عہد پر قائم نہ رہے جو کچھ ان کو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کے بھولنے کی وجہ سے ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا وہ قیامت تک آپس میں دشمن رہیں گے اور ایک دوسرے سے بغض رکھیں گے نصاریٰ میں متعدد فرقے تھے اور اب بھی ہیں۔ان میں سے بعض کا یہ کہنا تھا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہیں اس طرح سے اتحاد ذاتی کے قائل تھے اور ایک فرقہ کہتا تھا کہ تین معبود ہیں اللہ اور مریم اور عیسیٰ ابن مریم، یہود کی طرح نصاریٰ بھی نصیحت کا بہت بڑا حصہ چھوڑ بیٹھے اور اسے بھول بھلیاں کر دیا۔اسی نصیحت میں سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی تھا جن کی بعثت کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور جن کی نبوت اور رسالت کی خبر توریت اور انجیل میں دی تھی (اَلَّذِيْنَ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ؕ) اس عہد شکنی اور خلاف ورزی کی انہیں سزا مل گئی اور ملتی رہے گی پھر ارشاد فرمایا وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ یعنی عنقریب اللہ انہیں جتلا دے گا جو کام وہ کیا کرتے تھے)

اس کے بعد اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ دونوں) کو خطاب فرمایا کہ اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول صلی اللہ علیہ وسلم آیا ہے وہ بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے جو اللہ کی کتاب میں سے تم چھپاتے تھے اور بہت سی چیزوں سے درگزر کرتا ہے، اس رسول کا اتباع فرض ہے۔مزید فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے اور واضح بیان کرنے والی کتاب آئی ہے، نور سے مراد سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے دونوں کے ذریعہ اللہ سلامتی کے راستے کی ہدایت فرماتا ہے یہ ہدایت ان لوگوں کو ملتی ہے جو رضاء الٰہی کے طالب ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دیتا ہے اور طرح طرح کی اندھیریوں سے نکال کر (جو شرک و کفر کی صورت میں باطل افکار اور اہواء کی وجہ سے انسان کو گھیر لیتی ہیں) نور کی طرف لے آتا ہے۔کفر کے راستے چونکہ بہت سے ہیں اس لئے

لفظ ظلمات بصیغۂ جمع استعمال فرمایا ہے اور نور چونکہ ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس لیے لفظ نور کو واحد لایا گیا۔

نصاریٰ کا کفر جنہوں نے مسیح ابن مریم کو معبود بنایا...... اس کے بعد نصاریٰ کی گمراہی بیان فرمائی ان میں سے ایک فریق کہتا تھا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہیں ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو اور روئے زمین کے تمام افراد کو ہلاک کرنا چاہے تو انہیں کون بچا سکتا ہے چونکہ وہ لوگ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ علیہما السلام کی موت کے قائل تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کو اللہ نے موت دی ہے اس لئے ان سے سوال کر کے خود انہی پر حجت قائم کی گئی جسے موت آ جائے وہ کیسے خدا ہوسکتا ہے۔(اور لفظ ''ان اراد'' اس لئے فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں)(اگرچہ یہود و نصاریٰ ان کی موت کے قائل ہیں)

پھر فرمایا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَابَيْنَهُمَا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، جو مملوک ہو وہ کیسے معبود ہوسکتا ہے اور اپنے خالق کے ساتھ الوہیت میں کیسے شریک ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ جو چاہے پیدا فرمائے، مریم کو بھی پیدا فرمایا اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہما السلام کو بھی پیدا فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عادت معروفہ کے مطابق نہ تھی اس لئے وہ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ مخلوق معبود نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کا وجود اس کے خالق کا دیا ہوا ہے۔ خالق جل مجدہٗ نے جس طرح بھی وجود دیا ہو بہر حال مخلوق مخلوق ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما کر اپنی قدرت دکھادی۔ اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عین خدا یا مستقل معبود ہو جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی تھے اور بشر بھی...... آیت بالا میں جو قَدْجَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ فرمایا ہے اس میں نُور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے۔ نور روشنی کو کہتے ہیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر و شرک کی تاریکیوں سے بھرا ہوا تھا توحید کے ماننے والے خال خال ہی دنیا کے کسی گوشہ میں اکاّدکاّ پائے جاتے تھے، خاتم النبیین شمس الرسالۃ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے توحید کی دعوت دی اور اس بارے میں بہت زیادہ محنت کی اور بڑی بڑی مشقتیں اٹھائیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سارا عالم جگمگا اُٹھا، کفر و شرک کی ظلمتیں چھٹ گئیں اور ایمان و یقین کے نور سے قلوب منور ہو گئے۔

بَلَغَ الْعُلٰى بِكَمَالِهٖ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمالات کی بدولت بلندیوں کو پہنچ گئے
كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهٖ	آپ کے حُسن سے اندھیرے چھٹ گئے،
حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ	آپ کی تمام ادائیں حسین ہیں
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ	تم سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر درود بھیجو

بہت سے لوگ نور ہونے کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ بشر نہیں تھے ان کی اس جاہلانہ بات سے قرآن کریم کی آیت قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے رب کی پاکی بیان کرتا ہوں میں نہیں ہوں مگر بشر ہوں رسول ہوں۔ لیکن محبت کے دعوے دار کہتے ہیں کہ بشر نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو جھٹلاتے ہیں پھر بھی اسلام کے دعوے دار ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

فائدہ...... یہ جو فرمایا يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ط اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا طالب ہو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ہدایت فرمائے گا جو لوگ اسلام کے مخالف ہیں اور جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں (لیکن ضروریات دین

کے منکر ہیں) انہیں علمائے اسلام متنبہ کرتے ہیں کہ تمہارے عقائد کفریہ ہیں لیکن انہوں نے ضد اور عناد پر کمر باندھ رکھی ہے ھداھم اللہ تعالیٰ۔

فائدہ...... جنت میں لے جانے والے اعتقادیات اور اعمال کو سُبُلَ السَّلَامِ فرمایا اور جنت کو دار السلام فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نام اسلام رکھا اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام السلام بھی ہے اور جب مسلمانوں میں آپس میں ملاقات ہو اس کے لئے سلام کو مشروع فرمایا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ (اخیر تک) تعلیم فرمائی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے دین میں سلامتی ہی سلامتی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ

اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں آپ فرما دیجئے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب کیوں عذاب دے گا؟

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

بلکہ تم اس کی مخلوق میں سے بشر ہو وہ بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب دے گا جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا ملک ہے آسمان

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۸ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ

اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسکی طرف لوٹ کر جانا ہے اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو ایسے وقت میں تمہارے لئے بیان کرتا ہے

عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ

جبکہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تاکہ تم یوں نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا، سو تمہارے پاس بشارت دینے والا

وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۹

اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ع ۳ / ۸ / ۷

یہود و نصاریٰ کی گمراہی جنہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں

ان آیات میں اول تو یہود و نصاریٰ کا ایک دعویٰ باطلہ نقل فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب اور پیارے ہیں (والعیاذ باللہ) یہ بھی انکے اپنے تراشیدہ باطل دعووں میں سے ایک دعویٰ ہے۔ شیطان انسان کے پیچھے پڑا رہتا ہے ایمان اور اعمال صالحہ سے روکنے اور باز رکھنے کے لئے طرح طرح کی باتیں سمجھاتا ہے انہی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے یہود و نصاریٰ کو یہ سمجھایا کہ تم تو اللہ کی اولاد ہو اور اس کے محبوب ہو، تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ کیسے ہی اعمال کرو تمہارا سب کچھ معاف ہے۔ ان لوگوں نے شیطان کی اس بات کو مان لیا اور اپنے بارے میں یہ عقیدہ رکھ لیا کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں اس لئے ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔ ''دروغ گورا حافظہ نہ باشد'' تفسیر قرطبی ص ۲۰ ج ۶ میں لکھا ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے پاس تشریف لائے اور ان کو دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کی طرح مانیں اور اسکے عذاب سے ڈریں۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ اے محمد (ﷺ)! ہمیں کیا ڈراتے ہو ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اسکے محبوب ہیں۔ نصاریٰ نے یہ بات کہی تھی یہود بھی کہنے لگے، اس پر اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل فرما کران کی تردید فرمائی جوالزامی جواب کے پیرایہ میں ہے اور وہ یہ کہ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمۡ بِذُنُوۡبِكُمۡ (آپ ان سے فرمادیجئے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب کیوں عذاب دے گا) جب تم اس کے بیٹے اور محبوب ہوتو عذاب سے کیوں ڈرتے ہو۔ عذاب کے اقراری بھی ہو کیونکہ تم لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً بھی کہتے ہو۔ کوئی شخص اپنے بیٹے یا محبوب کو ایک منٹ کیلئے بھی دنیاوالی آگ میں ڈالنے کوتیار نہیں اور تم کہتے ہو کہ ہم چند دن کے لیے آخرت کے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ جھوٹے کو کچھ خیال نہیں رہتا کہ میں نے پہلے کیا کہا تھا۔ نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی تھی کہ اِنَّهٗ مَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ الۡجَـنَّةَ وَمَاۡوٰهُ النَّارُ (بلاشبہ جوشرک کرے اللہ کے ساتھ تو اللہ اس پر جنت کو حرام فرمادے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے) شرک بھی کرلیا، اللہ کے لئے اولاد بھی تجویز کردی جو حسب تصریح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دوزخ میں داخل ہونے کا ذریعہ ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور محبوب ہیں ہمیں عذاب نہیں ہوگا اللہ کے نبی نے یہ فرمایا کہ مشرک دوزخ میں داخل ہوگا اور نبی کا فرمان برحق ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ ہمیں عذاب نہ ہوگا نبی کی تکذیب کفر ہے اور باعث دخول نار ہے[1]۔

اس کے بعد فرمایا بَلۡ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ (کہ تم بھی اللہ کی مخلوق میں سے ہو) بشر ہو، آدمی جیسے دوسرے انسان ہیں ایسے ہی تم ہو، جیسے دوسروں سے اللہ تعالیٰ کا کوئی رشتہ ناطہ نہیں ہے تم سے بھی نہیں، اس کا بیٹا تو کوئی ہو نہیں سکتا۔ رہا محبوب ہونا تو محبوبیت کا تعلق ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے۔ اللہ کے رسول کی تکذیب کرکے کافر بنے ہوئے ہو۔ پھر بھی محبوب ہونے کا دعویٰ ہے یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ (اللہ تعالیٰ جس کی چاہے مغفرت فرمائے اور جسے چاہے عذاب دے) کوئی شخص بھی اس سے زبردستی بخشش نہیں کرواسکتا۔ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ (اور اللہ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) اس کا قانون ہے کہ مشرک اور کافر کی بخشش نہ ہوگی۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہاں جھوٹے دعوے جھوٹی باتیں سب سامنے آجائیں گی اور ان پر عذاب ہوگا۔ یوم الحساب کو سامنے رکھو اور جھوٹ اور افتراء پردازی سے باز آجاؤ۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایسے وقت میں ہوئی جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ کئی سوسال سے منقطع تھا

اس کے بعد فرمایا يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ عَلٰى فَتۡرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ (کہ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو واضح طور پر تمہیں بتاتا ہے اور اس کی آمد ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ رسولوں کے آنے کا سلسلہ (مدت دراز سے) موقوف تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے نبیوں کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری تھا ایک نبی وفات پاجاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی مبعوث ہوجاتا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد سلسلۂ نبوت منقطع ہوگیا تھا۔ انہوں نے بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔ احمد سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں تھا، سورہ مائدہ کی آیت میں جو عَلٰى فَتۡرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ

---

(۱) .... (علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے يُعَذِّبُكُمۡ کو عَذَّبَكُمۡ کے معنی میں لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے دعویٰ کے اعتبار سے اللہ کے بیٹے اور محبوب ہو تو تمہیں مسخ کرکے بندر اور خنزیر کیوں بنادیا اور تم سے پہلے جو یہود و نصاریٰ گزرے ہیں تمہارے ہی جیسے تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے عذابوں میں کیوں مبتلا فرمایا (تفسیر القرطبی ص ۱۲۱ جلد ۶)

ہے اس سے سورۂ صف میں جو مُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ م بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کے درمیان کوئی نبی نہیں تھا۔ بلکہ صحیح بخاری ص ۴۸۹ ج ۲ میں اس کی تصریح ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور فرمایا لَیْسَ بَیْنَنَا نَبِیٌّ کہ ہمارے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔

بعض علماء نے بعض ایسے اشخاص کے بارے میں نبی ہونے کا احتمال ظاہر کیا ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ عرصہ پہلے گزرے تھے جن میں سے خالد بن سنان ایک نام ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح اور صریح حدیث کے خلاف ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے اور بعض حضرات نے ان کی شخصیت کے موجود ہونے ہی میں شک کیا ہے بہرحال اگر وہ نبی تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے۔

فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ کا زمانہ کتنا تھا...... زمانہ فترۃ جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے آنے کا سلسلہ منقطع رہا اس کی کتنی مدت تھی اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنی سند سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ تھا۔ (بخاری ص ۵۶۲ ج ۲) بعض حضرات نے پانچ سو سال کا فاصلہ بتایا ہے۔ ان دونوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماء کے بعد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک چھ سو سال مراد لیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ مفسر ابن کثیرؒ نے ص ۳۵ ج ۲ ایک قول چھ سو بیس سال کا بھی نقل کیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ چھ سو اور چھ سو بیس میں کوئی منافات نہیں جس نے چھ سو سال کہا اس نے چھ سو سال شمسی مراد لیے ہیں اور جس نے چھ سو بیس کہا اس نے چھ سو بیس قمری مراد لیے ہیں کیونکہ سو سال شمسی میں (تقریباً) تین سال قمری زائد ہو جاتے ہیں یہ جو فترۃ کا زمانہ تھا اس میں جہالت کفر و شرک اور گمراہی کا جو حال تھا اس کے بارے میں جامع الفاظ میں مفسر ابن کثیرؒ نے کیسی اچھی تعبیر کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

والمقصود ان اللہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ وسلم علی فترۃ من الرسل وطموس من السبل وتغیّر الادیان وکثرۃ عبادۃ الاوثان والنیران والصلبان فکانت النعمۃ بہ اتم النعم والحاجۃ امر عمم فان الفساد کان قد عم جمیع البلاد، والطغیان والجہل قد ظہر فی سائر العباد الا قلیلا من المتمسکین ببقایا من دین الانبیاء الاقدمین من بعض احبار الیہود وعباد النصاریٰ والصابئین اھ (ص ۳۵ ج ۲)۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت مبعوث فرمایا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا اور ہدایت کے راستے مٹ گئے تھے اور دین بدل گئے تھے اور بت پرستی آتش پرستی اور صلیب پرستی کی کثرت ہوگئی تھی لہٰذا آپ کو مبعوث فرمانا اللہ تعالیٰ کی کامل ترین نعمت ہے اور آپ کے تشریف لانے کی سب کو ضرورت تھی، تمام شہروں میں فساد عام تھا، سرکشی اور جہالت تمام بندوں میں پھیل گئی تھی بجز چند ایسے لوگوں کے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے دین کو پکڑے ہوئے تھے جن میں بعض احبار یہود تھے اور بعض وہ لوگ تھے جو نصاریٰ اور صائبین میں سے تھے اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے تھے۔

حضرت عیاض بن حمار مجاشعیؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں ان چیزوں میں سے بتادوں جو چیزیں آج اللہ نے مجھے تعلیم دی ہیں اور وہ تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو مال میں کسی بندہ کو دوں وہ اس کے لئے حلال ہے (لوگوں کے اپنے طور پر حرام قرار دینے سے اللہ کا دیا ہوا مال حرام نہ ہوگا۔ مشرکین بعض چیزوں کو حرام قرار دیتے تھے جو اللہ کے قانون میں حلال تھیں ان کی تردید فرمائی) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے

اپنے بندوں کو دینِ حق پر پیدا کیا اور ان کے پاس شیاطین آ گئے جنہوں نے ان کو ان کے دین سے ہٹا دیا اور شیاطین نے ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں اور شیاطین نے ان کو حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ شرک کریں جس کی میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ (پھر فرمایا کہ) بلاشبہ اللہ نے زمین والوں کو دیکھا تو عرب اور عجم سب کو بہت زیادہ مبغوض قرار دیا بجز ان چند لوگوں کے جو اہلِ کتاب میں سے باقی رہ گئے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول بنا کر بھیجتا ہوں۔ تا کہ تم کو آزمائش میں ڈالوں اور تمہارے ذریعہ دوسروں کو آزماؤں اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی جسے پانی نہیں دھوئے گا۔ (کیونکہ وہ سینوں میں محفوظ ہوگی) آپ اسے سوتے ہوئے بھی پڑھیں گے اور جاگتے ہوئے بھی، پھر فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو جلا دوں۔ میں نے عرض کی کہ اے میرے رب! ایسا کرنے سے وہ میرا سر پھوڑ دیں گے اور اسے کچل کر روٹی کی طرح بنا دیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم انہیں (جنگ کے لئے) نکالو جیسے انہوں نے تمہیں نکالا اور ان سے جنگ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے اور خرچ کرو ہم تم پر خرچ کریں گے اور تم اپنا لشکر بھیجو ہم اس سے پانچ گنا زیادہ لشکر بھیجیں گے۔ (الحدیث رواہ مسلم ص ۳۸۵ جلد ۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ فترۃ میں چند ہی لوگ تھے جو توحید پر قائم تھے اور ان کے علاوہ عرب اور عجم کے لوگ مشرک اور گمراہ تھے اللہ جل شانہٗ نے کرم فرمایا نبی آخر الزمان سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کی مشقتوں اور محنتوں اور آپ کے صحابہ کی قربانیوں اور مجاہدوں سے کفر کی فضائیں چھٹ گئیں شرک کی جگہ توحید پھیل گئی، لوگوں پر ایمان اور کفر پوری طرح واضح ہو گیا۔ حق اور ہدایت کے راستے کھل گئے عرب و عجم کے شہروں میں اور دیہاتوں میں اور دور افتادہ قبیلوں میں ایمان کی لہریں دوڑ گئیں اور قلوب ہدایت کے نور سے جگمگا اٹھے۔

اللہ تعالیٰ نے سب پر اپنی حجت پوری فرما دی کسی کو یہ بات کہنے کا موقع اور بہانہ نہ رہا کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا تھا فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ (سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ گیا) کسی بھی حجت اور حیلے سازی کا بہانہ نہ رہا جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانے وہ عذاب دائمی کا مستحق ہوگا۔ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اسے پوری قدرت ہے کہ اپنے نافرمانوں کو سزا دے اور فرمانبرداروں کو انعامات سے نوازے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہیں عطا فرمائی جب کہ اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ

مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۰ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ

بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا، اے میری قوم! مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے

كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۲۱ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا

تمہارے لئے لکھ دی ہے اور پیچھے واپس مت لوٹو ورنہ نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے، وہ کہنے لگے اے موسیٰ! یہ واقعی بات ہے کہ اس

قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝۲۲

سرزمین میں بڑے زبردست لوگ ہیں، اور بے شک اس بستی میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک لوگ نہ نکل جائیں گے۔ سو اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ

دو آدمیوں نے کہا جو ڈرنے والے تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا تھا کہ تم لوگ ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ۔ سو جب تم اس میں داخل ہو گے

فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ

تو بلاشبہ تم غلبہ پانے والے ہو گے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اگر تم مؤمن ہو، وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہم ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہ ہوں گے

اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ

جب تک کہ وہ لوگ اس میں موجود ہیں لہٰذا تو اور تیرا رب دونوں جائیں پھر دونوں جنگ کر لیں بے شک ہم تو یہیں بیٹھے ہیں موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب!

لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ

بے شک میرے بس میں صرف میری جان اور میرا بھائی ہے، لہٰذا ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو یہ سرزمین ان لوگوں پر

عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ ع ۷/۸

چالیس سال تک حرام رہے گی۔ زمین میں حیران پھرتے رہیں گے سو آپ نافرمان قوم پر رنج نہ کیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا اور انہیں ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم دینا اور ان کا اس سے انکاری ہونا۔

ان آیات میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ ذکر فرمایا اس واقعہ میں عبرت ہے اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ بلاشبہ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں سورۂ مائدہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی وہاں یہود موجود تھے انہیں اپنے آباؤ اجداد کے قصے معلوم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے واقعات کو بتانا (جن کے جاننے کا آپ کے لئے وحی کے سوا کوئی راستہ نہ تھا) اس امر کی صریح دلیل ہے کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں، یہودیوں میں سے چند افراد ہی ایمان لائے مگر حجت سب پر پوری ہوگئی۔

واقعہ یہ ہے کہ جب فرعون کا لشکر سمندر میں ڈوب کر ختم ہو گیا اور فرعون بھی ہلاک ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر پار ہو کر شام کے علاقہ میں داخل ہو گئے تو اب انہیں اپنے وطن فلسطین میں جانا تھا یہ لوگ کئی سو سال کے بعد مصر سے واپس لوٹے تھے۔ ''جائے خالی را دیوی گیرد'' ان کے پیچھے عمالقہ نے ان کے وطن پر قبضہ کر لیا تھا یہ لوگ قوم عاد کا بقیہ تھے اور بڑے قد و قامت اور بڑے ڈیل ڈول والے اور قوت و طاقت والے تھے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مقدّر فرما دیا تھا کہ یہ سرزمین بنی اسرائیل کو ملے گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اول تو ان کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر بڑی بڑی مہربانیاں ہیں۔ آئندہ زمانہ میں تم میں کثرت کے ساتھ نبی ہوں گے اور تم میں بہت سے بادشاہ ہوں گے، اس نعمت کے رکھ رکھاؤ کے لیے اپنی جگہ ہونی چاہئے جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام آزادی کے ساتھ تبلیغ کر سکیں اور احکامِ الٰہیہ پہنچا سکیں اور جس میں تمہارے بادشاہ اپنے اقتدار کو کام میں لا سکیں اور معاملات کو نمٹا سکیں۔ اب تک تم قبط (مصری قوم) کے ماتحت تھے جنہوں نے تمہیں غلام بنا رکھا تھا اب تم اپنے وطن میں داخل ہو جاؤ یہ مقدس سرزمین تمہارے لیے اللہ نے مقدّر فرما دی ہے، تم پشت پھیر کر واپس نہ ہو آگے بڑھو۔ جنگ کرو، جن لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے وہ وہاں سے نکل جائیں گے ہمت کرو اور حوصلہ سے کام لو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

اس موقع پر چند آدمی بطور نقیب قوم عمالقہ کی خیر خبر لینے کے لیے بھیجے گئے تھے انہوں نے جو عمالقہ کا ڈیل ڈول اور قد و قامت دیکھا تو واپس آکر موسیٰ علیہ السلام سے آکر بیان کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کا حال پوشیدہ رکھو لشکر والوں میں سے کسی کو نہ بتانا ورنہ بزدلی اختیار کرلیں گے اور لڑنے سے گریز کریں گے، لیکن وہ نہ مانے انہوں نے اپنے اپنے رشتہ داروں کو بتادیا البتہ ان میں سے دو حضرات یعنی حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب بن یوقنا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات پر عمل کیا اور نہ صرف یہ کہ بنی اسرائیل سے عمالقہ کا حال پوشیدہ رکھا بلکہ بنی اسرائیل کو ہمت اور حوصلہ دلایا کہ چلو آگے بڑھو دروازہ میں داخل ہو! دیکھو اللہ کی کیسی مدد ہوتی ہے تم داخل ہوگے تو وہ نکل بھاگیں گے اور تم کو غلبہ حاصل ہوگا اگر مؤمن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔ مؤمن کا کام اللہ پر توکل کرنا ہے ہٹنا نہیں ہے خصوصاً جبکہ تمہیں بشارت دی جارہی ہے کہ یہ زمین اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے تو پھر کیوں پشت پھیرتے ہو؟ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی سمجھایا اور یوشع بن نون اور کالب نے بھی زور دیا کہ چلو آگے بڑھو لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ آپس میں کہنے لگے اے کاش! ہم مصر سے نہ آتے وہیں رہ جاتے (جب غلامی کا ذہن بن جاتا ہے اور ذلت اور پستی دلوں میں رچ اور بس جاتی ہے تو انسان تھوڑی سی تکلیف سے جو عزت ملے اس کی بجائے ذلت ہی کو گوارا کرلیتا ہے) دھاڑیں مار کر رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم مصر ہی میں ہوتے تو اچھا تھا کبھی کہتے تھے کاش! ہم اسی جنگل میں مرجاتے اور ہمیں عمالقہ کی سرزمین میں داخل ہونے کا حکم نہ ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے برملا کہہ دیا کہ ہم ہرگز اس سرزمین میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ ہاں سے نہ نکل جائیں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہوسکتے ہیں (گویا یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان ہے کہ وہ نکلیں گے تو ہم داخل ہوجائیں گے) انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ جب تک وہ لوگ اس میں موجود ہیں ہم ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہوسکتے (لڑنا ہمارے بس کا نہیں) تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کا یہ ڈھنگ دیکھا اور ان کے ایسے بے تکے جواب سنے تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا بس ان لوگوں پر نہیں چلتا، مجھے اپنے نفس پر قابو ہے اور میرا بھائی یعنی ہارون علیہ السلام بھی فرماں برداری سے باہر نہیں ہم دونوں کیا کرسکتے ہیں لہٰذا ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرمادیجئے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ یہ سرزمین ان لوگوں پر چالیس سال تک حرام ہے اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس وقت داخلہ سے محروم کئے جارہے ہیں اس چالیس سالہ مدت میں زمین میں حیران پھرتے رہیں گے، چنانچہ چالیس سال تک چھ فرسخ یعنی اٹھارہ میل جگہ میں گھومتے رہے صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں کھڑے ہوئے ہوتے تھے اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اس عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہما السلام کی وفات بھی ہوگئی اور اس وقت جتنے بنی اسرائیل موجود تھے تقریباً سب کو اسی میدان میں اس چالیس سالہ مدت کے اندر اپنے اپنے وقت پر موت آگئی، البتہ حضرت یوشع اور حضرت کالب زندہ تھے اور جب چالیس سال پورے ہوگئے اور نئی نسل تیار ہوگئی تو حضرت یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں وہ مقدس سرزمین فتح ہوئی اور بنی اسرائیل اس میں داخل ہوئے۔ (من ابن کثیر و معالم التنزیل)

فوائد متعلقہ واقعہ بنی اسرائیل......(۱) یہ جو فرمایا کہ **وَاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○** (اور تم کو وہ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا) بظاہر اس سے جو یہ ابہام ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو باقی تمام امتوں پر فضیلت دیدی گئی (حالانکہ امت محمدیہ سب سے افضل ہے) اس ابہام کا دفعیہ یوں ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانہ تک جو امتیں تھیں ان کو جو عطا فرمایا تھا ان میں سب سے زیادہ بنی اسرائیل کو دیا تھا۔ اگلی پچھلی تمام امتیں اس سے مراد نہیں ہے اس لیے مفسرین کرام **اَلْعٰلَمِيْنَ** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی **عالمی زمانھم** اور صاحب معالم التنزیل نے مجاہدؒ سے یوں نقل کیا ہے یعنی **المن والسلویٰ والحجر وتظلیل الغمام**. یعنی آیت میں جو یہ فرمایا ہے

کہ تمہیں وہ کچھ دیا ہے جو کسی کو نہیں دیا اس سے من وسلویٰ نازل فرمانا اور پتھر سے پانی کے چشمے نکالنا اور بادلوں کا سایہ کرنا مراد ہے، یہ چیزیں بحیثیت امت کے بنی اسرائیل کے علاوہ اور کسی کو نہیں دی گئیں۔

(۲) چھ فرسخ جگہ میں چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہے اس کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کہاں جانا چاہ رہے تھے جس بستی میں جانے کا حکم ہوا تھا وہاں تو جانا گوارہ نہ تھا پھر صبح سے شام تک کا سفر جو کرتے تھے وہ کس مقصد سے تھا؟ اس کے بارے میں علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ مصر جانا چاہتے تھے کیونکہ وہاں کئی سو سال رہے تھے وہاں کی سرزمین سے مانوس ہو گئے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا بظاہر مقصد کچھ بھی نہ تھا یہ جو انہوں نے کہا تھا کہ ہم ہرگز اس بستی میں داخل نہ ہوں گے جبکہ جبر و قوت والی قوم وہاں سے نکل نہ جائے اس کی سزا انہیں یہ ملی کہ جب حکم کے مطابق ایک جگہ قیام پذیر ہونا نہیں چاہتے تو اب چلتے ہی رہو۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دعا کی کہ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ (کہ ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ کر دیجیے) اس کا یہ مطلب تھا کہ ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے۔ یہ لوگ جس سزا کے مستحق ہیں ان کو وہ سزا دیجیے اور جس انعام کی ہمیں ضرورت ہے اس انعام سے ہمیں نواز دیجیے قال صاحب الروح بان تحكم لنا بما نستحقه و عليهم بما يستحقونه كما هو المروی عن ابن عباس و الضحاک رضی الله عنهم۔

(۴) بنی اسرائیل کے قول قبیح کے برخلاف حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر کے موقع پر کیا ہی اچھا جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین سے جنگ کرنے کے بارے میں مشورہ فرما رہے تھے اس موقع پر حضرت مقداد بن الاسود نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسا نہ کہیں گے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ آپ چلیے (جنگ کیجئے) ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے جنگ کریں گے۔ ان کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی چہرۂ انور چمکنے لگا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۴، ۶۶۳)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ

اور آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنائیے جبکہ ان دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی، سو ان میں سے ایک کی

يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۲۷ لَىِٕنْۢ

نیاز قبول کر لی گئی اور دوسرے کی نیاز قبول نہ کی گئی اس نے کہا کہ میں تجھے ضرور بالضرور قتل کروں گا دوسرے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ صرف تقویٰ والوں سے قبول فرماتا ہے، یہ یقینی بات ہے کہ

بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ

اگر تو نے میرے قتل کرنے کیلئے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کیلئے تیری طرف اپنا ہاتھ بڑھانے والا نہیں ہوں گا بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۸ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ

جو سب جہانوں کا پروردگار ہے، بلاشبہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر دھر لے پھر تو دوزخ والوں میں سے ہو جائے اور یہ ظالموں

وقف لازم

النصف

جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾

کی سزا ہے سو اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کرلیا سو اس نے اسے قتل کر دیا جس کی وجہ سے وہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤی

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا وہ زمین کو کرید رہا تھا تاکہ وہ اسے دکھا دے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے کہنے لگا افسوس میری حالت پر! کیا میں اس سے عاجز ہو گیا

اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

کہ اس کوے کی طرح ہوجاؤں سو اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں پھر وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ ایک کا دوسرے کو قتل کرنا، پھر اس کی لاش کو لئے ہوئے پھرنا

یہاں قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ نقل فرمایا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے اور آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ حقیقی معنی صحیح ہو سکتے ہوں تو مجازی معنی لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، اگرچہ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ دونوں بھائی (قاتل ومقتول) بنی اسرائیل میں سے تھے اور مجازاً دور دراز پوتوں کو اِبْنَیْ اٰدَمَ (آدم کے دو بیٹوں) سے تعبیر فرمایا ہے۔

قصہ کیوں پیش آیا اور اس کے اسباب ومحرکات کیا تھے؟ اس کے بارے میں جو کچھ ملتا ہے وہ سب اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے۔ قرآن کریم میں اجمالی قصہ ذکر فرمایا ہے پھر آخر میں بطور عبرت مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا (الیٰ آخرہ) فرمادیا۔ تفصیل کے ساتھ قصہ معلوم نہ ہو تب بھی مضمون عبرت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مفسر ابن کثیر ص ۱۴ ج ۲ نے بحوالہ سدی حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہم سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جو اولاد ہوتی تھی اس میں ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی جڑواں پیدا ہوتے تھے۔ (اس زمانے میں نسل بڑھانے کی ضرورت تھی اور اولاد کا آپس میں نکاح کرنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا کہ ایک ہی شخص کی صلبی اولاد کا آپس میں نکاح کر دیا جائے تاہم اتنا فرق ضرور کرتے تھے کہ ایک ہی بطن سے ایک ساتھ جو جڑواں لڑکا لڑکی پیدا ہوتے ان کا آپس میں نکاح نہیں کرتے تھے بلکہ) ایک بطن کے لڑکے کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوتی تھی اس کا نکاح دوسرے بطن سے پیدا ہونے والے لڑکے سے کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام قابیل تھا جو کھیتی کرنے والا تھا اور دوسرے کا نام ہابیل تھا جس کے پاس دودھ دینے والے مویشی تھے، قابیل بڑا تھا اس کے ساتھ جو بہن پیدا ہوئی تھی وہ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی ہابیل نے چاہا کہ قابیل کی بہن سے نکاح ہو جائے اور ضابطہ کے مطابق اس کا نکاح ہابیل سے ہی ہونا چاہئے تھا۔ قابیل اس بات پر نہ مانا اور اس نے کہا کہ یہ میری بہن ہے میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے جو تیرے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کہ میرا نکاح اس سے ہو (قانونِ شرعی کے خلاف نفس کی خواہش پر عمل کرنے کا ارادہ کیا)

حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے کہا کہ یہ لڑکی جو تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اس کا نکاح ہابیل سے کر دیں لیکن قابیل نہیں مانا پھر جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے دونوں نے الگ الگ اللہ کی بارگاہ میں نیاز پیش کی کہ جس کی نیاز قبول ہو جائے وہی اس لڑکی سے نکاح کرنے کا

حق دار ہوگا۔ دونوں نے جب نیاز پیش کی تو ہابیل کی نیاز قبول ہوگئی، آسمان سے آگ آئی اور اس کو جلا دیا قابیل کی نیاز رکھی گئی۔ جب اس کی نیاز قبول نہ ہوئی اور آسمانی فیصلہ بھی اس کے خلاف ہو گیا تو کٹ حجتی کرنے والوں کی طرح ہابیل سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس میں ہابیل کا کچھ قصور نہ تھا اس کی نیاز قبول ہونے کا فیصلہ اللہ کی طرف سے تھا لیکن قابیل غصہ ہونے لگا جیسا کہ ہٹ دھرموں کا طریقہ ہے ضدی آدمی جب دلیل سے عاجز ہو جاتا ہے تو فریق مخالف سے کہتا ہے کہ میں تجھے ماروں گا یا قتل کر دوں گا۔ ہابیل نے متانت کے ساتھ جواب میں کہا کہ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ○ (اللہ تعالیٰ متقی بندوں سے ہی قبول فرماتا ہے) بات کہنے کا کیسا اچھا اسلوب اختیار کیا نہ تو اپنی تعریف کی کہ میں مخلص ہوں اور نہ قابیل سے یوں کہا کہ تو مخلص نہیں ہے اور ایک قانونی بات بتا دی اور اچھے پیرایہ میں یہ سمجھا دیا کہ اگر تو متقی ہوتا تو تیری نیاز قبول ہو جاتی۔

ہابیل نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے تیری طرف ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العلمین ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ ہابیل قابیل سے قوت اور طاقت میں زیادہ تھا لیکن اس نے مقتول ہو جانا گوارا کر لیا۔ اور اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانا گوارا نہ کیا۔ دفاع کے لیے جوابی طور پر ہتھیار اٹھانا مشروع تو ہے لیکن ہابیل نے یہ خیال کرتے ہوئے مظلوم ہو کر مقتول ہو جانا قاتل ہونے سے بہتر ہے صبر کر لیا (یہاں بعض چیزوں میں ہماری شریعت کے اعتبار سے بعض اشکالات بھی سامنے آ سکتے ہیں لیکن چونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام انبیاء کی شرائع احکام کے اعتبار سے متفق ہوں اس لئے یہ اشکال رفع ہو جاتے ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ فتنوں کے زمانہ میں کیا کریں: ....اخیر زمانہ میں فتنے بہت زیادہ ہوں گے۔ اس وقت قتل وخون بہت ہوگا اس وقت بھی ہابیل کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت سے پہلے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے ہوں گے ان فتنوں میں انسان صبح مؤمن ہوگا اور شام کو کافر ہوگا اور شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اس وقت تم اپنی کمانوں کو توڑ دینا اور ان کی تانتوں کو کاٹ دینا اور اپنی تلواروں کو پتھروں سے کچل دینا، اور اپنے گھروں میں اندر بیٹھ جانا پھر بھی تم میں سے کسی کے پاس کوئی شخص قتل کرنے کے لئے پہنچ جائے تو آدم کے دو بیٹوں میں جو اچھا بیٹا تھا اس کی طرح ہو جانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۶۳ ج ۴)

یعنی ہابیل کی طرح ہو جانا قتل ہو جانا منظور کر لینا اور خود قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھانا۔ حضرت ایوب سختیانی نے فرمایا کہ اس امت میں سے سب سے پہلے جس نے مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ پر عمل کیا وہ حضرت عثمان بن عفان تھے وہ امیر المؤمنین تھے قتال اور دفاع سب کچھ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے مقتول ہونا پسند کر لیا اور قتال کرنا منظور نہ کیا رضی اللہ عنہ۔

ہابیل نے مزید سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓأَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ط یہ قابیل کو خطاب ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں تو اپنے گناہ بھی لے اور میرے گناہ بھی لے ان سب کو اپنے اوپر اٹھا لے اور دوزخ والوں میں سے ہو جائے، وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ○ اور یہ ظالموں کی جزا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرے جو گناہ ہیں ان کا بوجھ تو تیرے اوپر ہے ہی اور ان میں میرے قتل کا گناہ بھی اپنے سر دھرنے کو تیار ہے۔ یہ سب گناہ مل کر تیرے دوزخ میں جانے کا سبب بن جائیں گے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب ...... یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مؤمن کو اپنے بھائی کا خیر خواہ ہونا چاہئے ہابیل نے جو یہ کہا

کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنا اور میرا گناہ اپنے سر رکھ لے اور دوزخیوں میں سے ہو جائے یہ تو خیر خواہی کے جذبہ کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ہر طرح سے اپنے بھائی کو سمجھا لیا تھا جب اس نے نصیحت قبول نہ کی اور کسی طرح تفہیم فائدہ مند نہ ہوئی تو پھر ہابیل نے دوسرا رخ اختیار کیا اور بتا دیا کہ جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ برا ہے جو دوزخ میں جانے کی صورت میں ظاہر ہوگا میرا ہاتھ نہ اٹھانا تیرے دوزخ میں جانے کا ذریعہ بن جائے گا۔

ممکن ہے کہ ہابیل کی نصیحت سے اور کچھ اپنی سمجھ سے قابیل کو تردد ہوا ہو کہ قتل کرے یا نہ کرے؟ لیکن بلآخر اس کے نفس نے اس پر آمادہ کر ہی دیا کہ اپنے بھائی کو قتل کر دے، چنانچہ اس نے قتل کر ہی ڈالا قتل کر کے زبردست نقصان میں پڑ گیا، دنیا میں بھی نقصان ہوا کہ ایک بھائی سے محروم ہوا اور والدین بھی ناراض ہوئے اور خالقِ کائنات جل مجدہٗ کو بھی ناراض کر دیا اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ رہا۔

قتل کا طریقہ ابلیس نے بتایا...... قابیل نے قتل کا ارادہ تو کر لیا لیکن قتل کیسے کرے یہ بھی ایک سوال تھا کیونکہ اس سے قبل دنیا میں کوئی مقتول نہ ہوا تھا۔ قتل کرنا چاہا تو گردن مروڑنے لگا لیکن اس سے کچھ حاصل نہ ہوا اس موقع پر ابلیس ملعون پہنچ گیا اور اس نے ایک جانور لیا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے مار دیا۔ قابیل دیکھتا رہا اور پھر اس نے اپنے بھائی کے ساتھ بھی ایسا کیا اور قتل کر دیا اس بارے میں مفسرین نے دوسری صورتیں بھی نقل کی ہیں لیکن کیفیت قتل کی تعیین پر کوئی حکم شرعی موقوف نہیں ہے اس لئے کسی صورت کے متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ اس نے قتل کر دیا جس کی تصریح لفظ **فَقَتَلَهٗ** میں موجود ہے

قابیل کو پریشانی کہ مقتول بھائی کی لاش کا کیا کرے؟...... قتل تو کر دیا لیکن اس سے پہلے کوئی میت دیکھی نہ تھی کوئی مرجائے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں کچھ علم نہ تھا اب قابیل حیران تھا کہ بھائی کی اس لاش کو کیا کرے اسی حیرانی اور پریشانی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے دونوں آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو مار دیا پھر اسی مارنے والے کوّے نے زمین کو کریدا اور مردہ کوّے کی لاش کو دفن کر دیا **فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ** (سو اللہ نے بھیج دیا ایک کوّا جو کریدر ہا تھا زمین کو تا کہ وہ اسے دکھائے کہ کیسے چھپائے اپنے بھائی کی لاش کو) جب قابیل نے یہ منظر دیکھ لیا تو زمین کھود کر اپنی بھائی کی لاش کو دفن کر دیا اور یہ بھی کہا: **يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝** (ہائے افسوس! میری حالت پر! کیا میں اس سے بھی عاجز ہو گیا کہ اس کوّے کی طرح ہو جاؤں پھر اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں۔ خسران یعنی نقصان عظیم کا تو مستحق ہوا ہی تھا! اپنی ناسمجھی پر نادم ہوا کہ میں کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا جو اپنے بھائی کی لاش کو اپنی سمجھ سے کہیں ٹھکانہ لگا دیتا۔)

فوائد متعلقہ واقعہ ہابیل و قابیل

ا۔ واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد میں شروع ہی سے توحید پھیلائی تھی اور جو احکام ان کے لیے مشروع کئے گئے تھے ان احکام پر عمل کرتے تھے اور اپنی اولاد کو بھی ان کے مطابق چلاتے تھے اسی لیے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ فلاں بطن کی لڑکی فلاں بطن کے لیے حلال ہے اور فلاں بطن کے لیے حرام ہے، پھر جب اختلاف ہوا تو دونوں لڑکوں نے بارگاہِ خداوندی میں قربانی پیش کی اور قربانی کے ذریعہ اختلاف کا فیصلہ کرنا چاہا کہ اللہ تعالیٰ جس کی قربانی قبول کرلے وہ صحیح راہ پر ہوگا۔

انسان اپنے عہد اول سے توحید کا عقیدہ رکھنے کا پابند ہے اور اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے جو اسے اس کے نبی کے ذریعہ پہنچے ہوں، حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان بھی تھے اور سب سے پہلے نبی بھی **وقد جاء تصریح ذالک فی الحدیث کما فی المشکٰوۃ** (ص ۵۱۱ و ص ۵۱۲)

۲۔ جب دونوں بھائیوں نے اللہ کی بارگاہ میں نیاز پیش کی (ہابیل نے ایک مینڈھا پیش کیا اور قابیل نے کچھ بالیں پیش کیں) تو اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی نیاز کو قبول فرمالیا، آسمان سے آگ آئی اور اس کو جلا دیا، قابیل نے جو کچھ پیش کیا تھا وہ یوں ہی رکھا رہ گیا اس پر اسے غصہ آیا، اول تو پہلے ہی سے ناراض تھا۔ اب مزید نفسانیت میں ابھار آیا۔ اس ابھار کا باعث یہ بھی ہے کہ لوگوں کو جب یہ معلوم ہوگا کہ اس کی نیاز قبول نہیں ہوئی تو ان کی نظروں میں خفیف ہوں گا، قابیل ہابیل سے کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کردوں گا اس میں ہابیل کا کوئی قصور نہ تھا جس لڑکی کے بارے میں جھگڑا ہو رہا تھا اس بارے میں ہابیل کی بات قانون خداوندی کے مطابق تھی اور جب نیاز قبول نہ ہوئی تو اس میں بھی ہابیل کا کوئی قصور نہ تھا، قابیل کو حسد ہوا کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کردوں گا اس پر ہابیل نے اچھے انداز میں اس کو سمجھایا اور یہ کہہ دیا کہ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ کہ اللہ تعالیٰ متقین ہی سے قبول فرماتا ہے مطلب یہ تھا کہ اگر تو متقی ہوتا تو تیری نیاز قبول ہوتی، اول تو پہلے ہی حکم شرعی کے خلاف ورزی پر اسرار ہے اور اب مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر رہا ہے ان سب باتوں کو چھوڑ کر تقویٰ اختیار کرنا چاہئے تا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال قبول ہوں،

تقویٰ کے عموم میں کفر شرک سے بچنا اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنا سب آجاتا ہے اور کافر کا تو کوئی عمل قبول ہی نہیں ہے، کسی عمل کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے، عمل تو بہت کئے جاتے ہیں لیکن ثواب اسی عمل پر ملے گا جو اللہ کے یہاں قبول ہو جائے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **لان استيقن ان الله تقبل لی صلوة واحدة احب الی من الدنيا ما فيها، ان الله يقول انما يتقبل الله من المتقين.** (ابن کثیر)

(اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میری ایک نماز مقبول ہوگئی تو یہ میرے لیے ساری دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہوگا) تو گویا ایک اچھے پیرائے میں ہابیل نے قابیل کو سمجھا دیا کہ تقویٰ اختیار کر چونکہ اس میں حسد کی آمیزش بھی تھی وہ بھی گناہ ہے اس لئے تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت میں حسد سے باز رہنے اور بچنے کی بھی تنبیہ ہوگئی، حاسد یہ دیکھتا ہے کہ فلاں شخص کو ایسی ایسی نعمت مل گئی ہے اور خواہ مخواہ صاحب نعمت سے جلتا ہے حالانکہ صاحب نعمت کا اس میں کچھ بھی قصور نہیں ہوتا اس میں تو اللہ تعالیٰ سے ناراضگی ہے کہ فلاں کو کیوں دیا مجھے کیوں نہیں دیا، ہابیل نے جو قابیل کو نصیحت کی اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ صاحب نعمت کی نعمت کے زوال کی فکر میں پڑھنے کی بجائے حاسد کو تقویٰ اختیار کرنا چاہئے درحقیقت تقویٰ بہت بڑی چیز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **اوصيك بتقوى الله فانه ازين لامرك كله** (کہ میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تیرے ہر کام کو زینت دینے والا ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

۳۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ہابیل سب سے پہلا مقتول بھی تھا اور سب سے پہلا میت بھی تھا اس سے پہلے کسی انسان کی موت نہ ہوئی تھی لہٰذا قتل کرنے کے بعد قابیل کو پریشانی تھی کہ نعش کو کیا کریں لہٰذا بوری وغیرہ میں بھر کر نعش کو کمر پر اٹھائے ہوئے پھرتا رہا، اول تو بوجھ اٹھا کر لیے پھرنے کی مصیبت! دوسرے اس کے ارد گرد مردہ خور جانوروں کی بھیڑ کہ یہ اسے پھینکے تو کھائیں دونوں باتیں وبال جان بنی ہوئی تھیں جب ایک کوے نے دوسرے کوے کو قتل کرکے اور دفن کرکے دکھا دیا تو اپنے بھائی کی لاش کو دفن کیا، لاش کو ختم کرنے کے اور بھی طریقے تھے مثلاً آگ میں جلا دیا جائے یا سمندر میں پھینک دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں دفن کرنے کا طریقہ بتایا گیا جو ایک طبعی اور فطری طریقہ ہے، انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے اور مٹی ہی میں مل جاتا ہے۔ گلے سڑے جو کچھ ہو مٹی کے اندر ہو، اس کے بعد سے عموماً تمام انسان نعشوں کو دفن ہی کرتے ہیں سوائے ہندوستان کے مشرکوں کے کہ وہ جلاتے ہیں اور سوائے پارسیوں کے کہ وہ اپنی

نعشوں کو گدھوں کو کھلا دیتے ہیں انسان کا اکرام اسی میں ہے کہ موت کے بعد اسے دفن کر دیا جائے ،اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو بھی کوئی شخص کسی شخص کو بلاعوض جان کے یا بغیر کسی فساد کے قتل کردے جو زمین میں ہوتو گویا قتل

فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ

کرنے والے نے سب لوگوں کو قتل کردیا ، اور جس نے کسی جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ کردیا

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ٚ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور یہ واقعی بات ہے کہ ان کے پاس ہمارے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے پھر اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں۔

معانقۃ ۔ عند المتاخرین ۔ وقف النبی ﷺ

جس نے ایک جان کو قتل کیا گویا تمام انسانوں کو قتل کیا

یعنی اس وجہ سے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی پر ظلم وزیادتی کرتے ہوئے قتل کردیا ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لکھ دی ان کے لیے شریعت بنادی اور اس کا اعلان کر دیا کہ جو بھی کوئی شخص کسی شخص کو قتل کردے اور یہ قتل کرنا کسی جان کے عوض نہ ہو اور زمین میں جو فساد ہوا سے روکنے کے لیے نہ ہو تو گویا کہ اس قاتل نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی جان کو زندہ کر دیا یعنی کسی جان کو ہلاکت سے بچالیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کر دیا۔

علامہ قرطبیؒ ص ۱۴۶ ج ۶ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں جو تشبیہ ہے اس کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں پھر حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ان میں سے ایک قول حضرت مجاہدؒ (تابعی) کا بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص کسی بھی ایک جان کو بلا وجہ شرعی قصداً قتل کردے تو اس کی سزا جہنم کا داخلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہوگی اور اس کے لیے بڑا عذاب ہے جیسا کہ سورۂ نساء میں اس کی تصریح ہے اگر کوئی شخص تمام لوگوں کو قتل کردے تو اس کی سزا اس سے زیادہ نہیں ہے لہٰذا ایک جان کا قتل کرنا اور سب جانوں کا قتل کرنا برابر ہوگا لہٰذا کوئی شخص کسی ایک جان کو بھی قتل نہ کرے،اسی طرح سے جو شخص قتل کررہا تھا اور وہ قتل سے رک گیا تو گویا اس نے سب آدمیوں کو بچالیا۔

اور ایک قول علامہ قرطبی نے یہ نقل کیا ہے کہ ایک جان کو قتل کرنے والے کو ایسا گناہ ہوتا ہے جیسا کہ سب لوگوں کو قتل کرنے کا گناہ ہے، یہ قول آیت کے ظاہری الفاظ کے قریب تر ہے اور حدیث شریف میں جو یہ فرمایا ہے کہ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا اِلَّا کَانَ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ کِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ (کہ جو شخص بھی ظلماً قتل ہوگا آدم کے پہلے بیٹے پر بھی اس کے قتل کی شرکت رہے گی کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کی بنیاد ڈالی)۔(رواہ البخاری و مسلم) اس حدیث سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے ان پر عذاب میں تغلیظ اور تشدید فرمائی،اس تغلیظ کی وجہ بعض مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ بنی اسرائیل پر سب سے پہلی کتاب اللہ یعنی توریت شریف میں قتل نفس کا ممنوع ہونا نازل ہوا تھا اگرچہ اس سے پہلے بھی قتل نفس ممنوع تھا

لیکن کسی کتاب الٰہی میں ممانعت وارد نہیں ہوئی تھی اور ان لوگوں میں سرکشی اور طغیانی بھی بہت تھی حتی کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کو بھی انہوں نے قتل کر دیا اس کے بعد کسی جان کو بچانے کی فضیلت بیان فرمائی۔ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا (اور جس کسی نے جان کو زندہ رکھا یعنی کسی کی زندگی کے بچنے کا ظاہری سبب بن گیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا)

اس کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانی کا ذکر فرمایا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ (اور ان کے پاس ہمارے رسول کھلی کھلی دلیلیں لیکر آئے پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں اسراف کرنے والے یعنی حد سے بڑھنے والے ہیں۔)

فائدہ ...... حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو بھی کوئی شخص دنیا میں ظلماً قتل کرے گا اس کے گناہ میں آدم کے اس بیٹے کا حصہ بھی ہوگا جس نے دنیا میں سب سے پہلے قتل کیا تھا، عذاب وثواب کا ایک یہ بھی قانون ہے کہ جو شخص کسی خیر کی ابتداء کرے گا اسے اپنے عمل کا ثواب بھی ملے گا اور جو لوگ اس کی دیکھا دیکھی اس کی تعلیم و تبلیغ سے اس پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اس ابتداء کرنے والے شخص کو ثواب ملے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کمی نہ ہوگی، اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنے عمل یا قول سے کسی کی بنیاد ڈال دی تو اس برائی کو جو لوگ اختیار کریں گے ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اس بنیاد ڈالنے والے پر ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (کما جاء مصرحاً فی حدیث ابی مسعود عند مسلم مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳ ج ۱)

مؤمن بندوں کو خیر کا داعی اور خیر کا رواج دینے والا اور خیر کا پھیلانے والا بننا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بندہ کے لئے خوشخبری ہو جسے اللہ نے خیر کی چابی بنایا ہو اور خیر کا تالا بنایا ہو، اور خرابی ہے اس شخص کے لئے جسے اللہ تعالیٰ نے شر کی چابی بنایا ہو اور شر کا تالا بنایا ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴) بدعتوں کو رواج دینے والے اپنے بارے میں غور کرلیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا

جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کے لئے دوڑتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے

اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ

یا ان کو سولی پر چڑھایا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین سے نکال دیئے جائیں،

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ

یہ دنیا میں ان کی رسوائی اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کرلی

قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾

اس سے پہلے کہ تم ان پر قدرت پاؤ سو جان لو کہ بلا شبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

ع ۸

دنیا اور آخرت میں ڈاکوؤں کی سزا

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے ڈاکوؤں اور راہزنوں کی سزا بیان فرمائی ہے جو دنیاوی احکام سے متعلق ہے اور آخر میں فرمایا کہ یہ دنیا

میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔ آیت شریفہ میں چار سزاؤں کا ذکر ہے، ایک قتل، دوسرے سولی پر چڑھانا، تیسرے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دینا۔ یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں، چوتھے زمین سے دور کرنا۔ ڈکیتی اور رہزنی کو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے لڑنے سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بندوں تک پہنچی ہے اور زمین میں جو امن وامان ہے اسے تباہ کرتے ہیں۔

آیت کریمہ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ کا سبب نزول...... زمانہ نبوت میں ایک واقعہ پیش آیا جو آیت بالا کے نازل ہونے کا سبب بن گیا اور ڈکیتی کرنے والوں کے بارے میں مستقل ایک قانون نازل ہو گیا علامہ واحدیؒ نے اسباب النزول میں حضرت قتادہؒ سے نقل کیا ہے کہ بنی عکل اور بنی عرینہ کے چند آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جو آٹھ افراد تھے ان لوگوں نے (ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا) اور آپ سے بیعت اسلام بھی کر لی پھر ان کو مدینے کی آب و ہوا راس نہ آئی بیمار ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کے مرض کی کیفیت بیان کی گئی آپ نے ان سے فرمایا کہ تم چاہو تو صدقہ کے اونٹوں کی طرف نکل جاؤ جہاں وہ چرتے ہیں جانوروں کو جو چرانے والا ہے اسی کے ساتھ رہو ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیتے رہو ان لوگوں نے اسے منظور کیا وہاں جنگل میں رہنے لگے۔ انہوں نے اونٹوں کا پیشاب بھی پیا اور دودھ بھی، جب تندرست ہو گئے تو چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان کے پیچھے آدمی بھیجے ان کو پکڑ کر لایا گیا اور خدمت عالی میں پیش کیا گیا پھر آپ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی گئی (جس سے وہ اندھے ہو گئے) پھر دھوپ میں ڈال دیئے گئے یہاں تک کے وہ مر گئے۔ یہ واقعہ امام مسلمؒ نے (ص ۵۷ ج ۲) مختلف اسانید سے نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری (ص ۶۰۲ ج ۲) میں بھی مذکور ہے۔ اسباب النزول میں ہے کہ حضرت قتادہؒ تابعی نے فرمایا کہ آیت اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ (آخر تک) کے بارے میں ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ علماء نے فرمایا ہے کہ پیشاب پینے کی جو اجازت ان لوگوں کو دی گئی تھی وہ اس وجہ سے تھی کہ ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیدی گئی تھی کہ وہ مرتد ہو جائیں گے۔ **وفیہ توجیہات اخر مذکور فی شروح الحدیث.**

ڈاکوؤں کی چار سزائیں...... آیت بالا میں چار سزاؤں کا ذکر ہے۔ (۱) قتل کرنا، (۲) سولی پر چڑھانا، (۳) جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹنا، (۴) زمین سے دور کر دینا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ چار سزائیں مختلف جرائم کے اعتبار سے ہیں اگر ڈاکوؤں نے قتل بھی کیا ہو مال بھی لیا تو وہ قتل کئے جائیں گے اور سولی پر چڑھائے جائیں گے اور اگر قتل کیا ہو مال نہ لیا ہو تو وہ قتل کئے جائیں گے، اور اگر مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر کہیں رہزنی کے لیے بیٹھ گئے ہوں جس سے لوگ خوفزدہ ہوں تو ان کو زمین سے دور کر دیا جائے زمین سے دور کرنے کا مطلب کیا ہے اس کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جلا وطن کر دیا جائے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے؟ کہ جیل میں ڈال دیا جائے جب تک توبہ نہ کریں جیل ہی میں رکھا جائے۔ محمد ابن جریر طبریؒ نے دونوں باتوں کو جمع کر دیا وہ کہتے ہیں کہ اسے اپنے شہر سے دور کسی دوسرے شہر کی جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کریں، حضرت مکحولؒ تابعی نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے جیل میں رکھنے کا سلسلہ جاری کیا اور فرمایا کہ میں بند رکھوں گا جب تک مجھے اس کی توبہ کا علم نہ ہو جائے اور میں جلا وطن نہ کروں گا تاکہ یہ وہاں کے لوگوں کو تکلیف نہ دے۔

بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امیر المؤمنین کو اختیار ہے کہ چاروں سزاؤں میں سے جو بھی سزا جس ڈاکو کے لیے اختیار کرے کر سکتا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک یہ چاروں سزائیں مختلف احوال کے اعتبار سے نہیں ہیں لیکن حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے اوپر منقول ہوئی ہے۔

سولی دینے کا جو اوپر ذکر آیا ہے اس کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے اور بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ زندہ سولی پر لٹکا کر نیچے سے پیٹ میں نیزہ گھونپ دیا جائے اور وہ اسی حالت میں مر جائے بعض حضرات کا یہ بھی فرمانا ہے کہ تین دن تک زندہ سولی پر لٹکا دیا جائے اور پھر اتار کر قتل کر دیا جائے۔ (معالم التنزیل ص ۳۳ ج ۲) مال لینے کی صورت میں جو یہ فرمایا ہے کہ جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اس کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔

فائدہ: .... یہ قتل کرنا اور ہاتھ پاؤں کاٹنا شرعی سزا کے طور پر ہے جس کو قتل کرنا ہو اس کے اولیاء اگر معاف کر دیں تب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔ ان کے معاف کرنے کے باوجود اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح سے اگر اس نے مال معاف کر دیا جس کا مال لیا ہے تب بھی سزا معاف نہیں ہوگی۔ ڈکیتی کے طور پر مال لوٹنے میں چونکہ چوری سے بڑھ کر جرم ہے جس کی وجہ سے امن عام فوت ہو جاتا ہے اس لئے ڈکیتی کی سزا دوہری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ چوری کرنے کی وجہ سے پہلی بار داہنا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور دوبارہ چوری کرے تو بایاں پاؤں کاٹا جاتا ہے لیکن ڈکیتی میں پہلی ہی مرتبہ دونوں سزائیں مشروع کی گئی ہیں۔

اسی طرح سے قتل کرنے کی صورت میں تمام ڈاکوؤں کو قتل کر دیا جائے گا جنہوں نے کسی جگہ جماعتی طور پر بیٹھ کر کسی کو قتل کیا ہو۔ اگر ان میں سے ایک ہی شخص نے قتل کیا ہو اور ایک ہی شخص کو قتل کیا ہو۔ تب بھی سب کو قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ قتل قصاص کے اصول پر نہیں ہے بلکہ عامۃ الناس کا امن فوت کرنے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے سزا کے طور پر ہے۔ ڈاکوؤں کی سزائیں بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (کہ یہ ان لوگوں کی اس دنیا میں رسوائی ہے۔ مقتول ہوں گے اور سولی پر چڑھیں گے اور ہاتھ پاؤں کٹے پھریں گے اور آخرت میں بھی ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔

ایک پانچویں صورت رہ گئی اسے صاحب ہدایہؒ نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ نہ تو انہوں نے مال لیا اور نہ ہی قتل کیا بلکہ کسی شخص کو زخمی کر دیا اس کے بارے میں صاحب ہدایہؒ لکھتے ہیں کہ جن زخموں میں قصاص لیا جاتا ہے ان میں قصاص لیا جائے گا اور جن میں دیت لی جاتی ہے ان میں دیت لی جائے گی۔

پھر فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (مگر وہ لوگ جنہوں نے اس سے پہلے توبہ کر لی کہ ان پر تم قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے) اس کے بارے میں حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ حکومت کے گھراؤ میں آنے اور قابو پانے سے پہلے ڈاکو توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی توبہ قبول ہے لیکن اس توبہ سے حد شرعی ساقط ہو جائے گی۔ حق العبد معاف نہ ہوگا اگر عمداً کسی کو قتل کیا تو مقتول کے اولیاء کو اختیار ہے کہ قتل کر دیں یا معاف کر دیں اور جو مال لیا ہے اس کا واپس کرنا بھی واجب ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ توبہ سے حد شرعی معاف ہو گئی حق العبد معاف نہیں ہوا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قُرب تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا

کامیاب ہوجاؤ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں اور اس جیسا اس کے ساتھ اور بھی ہو تا کہ وہ

بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا

قیامت کے دن کے عذاب سے جان چھڑانے کے لئے دے دیں تو یہ ان سے قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ ارادہ کریں گے کہ

مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

دوزخ سے نکلیں حالانکہ اس میں سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لئے ہمیشہ باقی رہنے والا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اور اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے تمام طاعات فرائض، واجبات، سنن و نوافل یہ سب اللہ تعالیٰ کے قُرب کا ذریعہ ہیں۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ قال من اذٰی لی ولیًا فقد اذنتہ با لحرب وما تقرب الی عبدی بشیءٍ احب الی مما افترضتہ و لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ. (الحدیث) (صحیح بخاری ص ۹۶۳) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میرے ولی کو تکلیف پہنچائی تو میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں اور بندہ جن اعمال کے ذریعے میرا قُرب حاصل کرتا ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ اعمال ہیں جنہیں میں نے فرض کیا اور میرا بندہ میرا قُرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اسے پسند کرنے لگتا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا اور اس سب کو ذریعہ کامیابی بتایا

قیامت کے دن اہلِ کفر کو عذاب کا سامنا اور جان چھڑانے کیلئے سب کچھ دینے پر راضی ہونا......اس کے بعد اہلِ کفر کے بارے میں فرمایا کہ جب قیامت کے دن عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے تو ان کی یہ آرزو اور تمنا ہوگی کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اور اس کے ساتھ اس کے بقدر اور بھی ہو اور یہ سب دیکر خلاصی پالیں اور جان چھڑالیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اول تو وہاں کچھ ہونے کا ہی نہیں تا کہ اس کو جان کے بدلہ میں دیا جا سکے اور بالفرض ہو بھی اور اس کو دیکر جان چھڑانا چاہے تو کوئی بدلہ اور فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور جو دردناک عذاب ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے بہر حال اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہی ہوگا۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ o (یعنی بے شک جنہوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حالت میں مر گئے کہ کافر تھے تو ان سے ہرگز بھی زمین بھر کر سونا قبول نہ کیا جائے گا اگر چہ وہ اس کو جان کے بدلہ میں دینا چاہیں، یہ لوگ ہیں جن کو دردناک عذاب ہوگا اور کوئی بھی ان کا مددگار نہ ہوگا) اور سورۂ رعد میں فرمایا وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ o (اور جنہوں نے اس کا کہنا نہ مانا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اسی قدر اس کے ساتھ اور ہو تو یہ لوگ اپنی جان چھڑانے کے لئے اس کو دے ڈالیں، ان لوگوں کے لیے حساب کی سختی اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے

اور وہ بری جگہ ہے)

اور سورۂ زمر میں فرمایا وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَه' مَعَه' لَافْتَدَوْا بِه مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (اور ظلم کرنے والوں کے پاس اگر دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہوتو یہ لوگ قیامت کے دن برے عذاب سے چھوٹنے کے لیے اپنی جان کے بدلہ میں دینے کو تیار ہوں گے) قیامت کے دن جب عذاب دیکھیں گے تو نہ صرف مال بلکہ آل اولاد اعزہ و اقرباء سب کو اپنی جان پر قربان کرنے اور اپنی جان کو عذاب سے چھڑانے کی آرزو کریں گے۔ سورۂ معارج میں فرمایا یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ ۢ بِبَنِیْهِ وَصَاحِبَتِه وَاَخِیْهِ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُؤْوِیْهِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ یُنْجِیْهِ کَلَّا یعنی گنہگار تمنا کرے گا کہ کاش اس دن عذاب سے چھوٹنے کے عوض میں اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی اور اپنے کنبہ کو جس میں رہا کرتا تھا و نیز جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کو دیدے پھر یہ معاوضہ اس کو بچالے نہیں

کافر دوزخ سے نکلنا چاہیں گے مگر کبھی نہ نکل سکیں گے ...... پھر فرمایا یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَاهُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنْهَا کہ وہ دوزخ سے نکلنا چاہیں گے لیکن وہ اس سے نکلنے والے نہیں، سورۂ الٓمّٓ سجدہ میں فرمایا کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِیْدُوْا فِیْهَا (کہ جب اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے)۔

پھر فرمایا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝ اور ان کے لئے عذاب ہے جو ہمیشہ رہے گا۔ اور پرڈاکہ زنی کی دنیا میں سزا بیان فرمائی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے پھر چند آیات کے بعد چوروں کی سزا بیان فرمائی (جو آیت ذیل میں آرہی ہے) ان دونوں کے درمیان ایک تو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا، دوسرے اللہ کی نزدیکی تلاش کرنے کا حکم دیا، تیسرے جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا، چوتھے کافروں کا عذاب بیان کیا اور یہ بتایا کہ جب وہ عذاب میں داخل ہوں گے تو اگر یہ دنیا اور اسی قدر اور بھی کچھ ان کے پاس ہوتو یہ سب جان چھڑانے کے لئے خرچ کرنے کو تیار ہو جائیں گے، پہلے جو دو حکم ہیں یعنی تقوٰی اختیار کرنا اور اللہ کا قرب تلاش کرنا ان دونوں میں چوری ڈاکہ زنی سے بچنا بھی داخل ہے اور یہ حکم تمام فرائض واجبات اور مستحبات کی ادائیگی کو بھی شامل ہے، تیسرا حکم یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا جو حکم دیا اس میں یہ بتادیا کہ فساد فی الارض اور چیز ہے اور جہاد فی سبیل اللہ اور چیز ہے جہاد فساد فی الارض کو دبانے کے لئے ہے اگر اس سلسلہ میں قتل وخون ہو جائے کافر اور مشرک مارے جائیں ڈاکوؤں کا خون ہو جائے تو یہ فساد فی الارض نہیں ہے اس سے تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے جو لوگ ڈاکہ زنی اور چوری کرتے ہیں وہ مال جمع کرنے کے لئے یہ کام کرتے ہیں ان کو بتادیا کہ جو مال اور دولت لوٹ مار کر کے اور چوری اور ڈکیتی کے ذریعہ جمع کرو گے وہ آل اولاد کے لیے چھوڑ و گے اور ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ جب عذاب ہوگا تو اگر ساری دنیا اور دنیا کی مثل اور کچھ بھی مل جائے تو ان سب کو جان چھڑانے کے لیے خرچ کرنے کو تیار ہو جاؤ گے مگر وہاں مال موجود نہ ہوگا عذاب بھگتنا ہی ہوگا اپنی ذات کو عذاب میں داخل کرنا اور لوگوں کو تکلیف دے کر حرام مال جمع کرنا اور اولاد کے لیے چھوڑ جانا اور آخرت میں عذاب میں گرفتار ہونا یہ تو اپنے او پر سراپا ظلم ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ

جو چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ہو سو ان کے کردار کے عوض ان کے ہاتھ کاٹ دو یہ بطور سزا کے اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ غالب ہے حکمت

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ

والا ہے۔ سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے سو بلاشبہ اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ

بے شک اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ بلاشبہ اللہ کے لئے ملک آسمانوں کا اور زمینوں کا، وہ عذاب دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤٠﴾

جسے چاہے اور بخشتا ہے جسے چاہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

چوروں کی سزا کا بیان

چند آیات پہلے ڈاکوؤں کی سزائیں ذکر فرمائیں اب چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کی سزا بیان کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے کرتوت کی سزا ہے جس میں دوسروں کے لئے عبرت بھی ہے۔ احادیث شریفہ میں اس کی تفصیلات وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ چور کا داہنا ہاتھ گٹہ سے کاٹ دیا جائے گا۔ اس بارے میں علماء امت کے مختلف اقوال ہیں کہ کم از کم کتنی مالیت کے چرانے پر قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم، عمر بن عبدالعزیز، امام اوزاعی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ ۱/۴ دینار کی مالیت کا سامان چرالے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ تین درہم یا اتنی مالیت کا مال چرالے تو ان کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ دس درہم یا ان کی مالیت کی چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اس سے کم میں نہیں (گر اس سے کم چوری کا ثبوت ہو جائے تو دوسری کوئی سزا دے دی جائے ہاتھ نہ کاٹا جائے)

شرعی سزا نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہیں اور کسی کی سفارش قبول نہیں ...... جو بھی شخص چوری کرلے مرد ہو یا عورت اور چوری بقدر نصاب ہو (جس کا اوپر بیان ہوا) تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اس میں کوئی رورعایت نہ ہوگی، اور نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی، مکہ معظمہ میں ایک عورت بنی مخزوم میں سے تھی اس نے چوری کرلی تھی۔ بنی مخزوم قریش کا ایک قبیلہ تھا اور یہ لوگ دنیاوی اعتبار سے اونچے سمجھے جاتے تھے، قریش چاہتے تھے کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرمادیا تو قریش اس کے لئے فکرمند ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی سے سفارش کرائی جائے پھر آپس میں کہنے لگے کہ اسامہ بن زیدؓ کے علاوہ کون جرأت کرسکتا ہے، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ہیں ان سے عرض کیا گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، آپ نے فرمایا کہ کیا تم حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ ان میں سے شریف آدمی چوری کرتا تھا (جسے حسب نسب اور دنیاوی اعتبار سے شریف سمجھا جاتا تھا) تو اس کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور اگر کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کردیتے تھے (پھر فرمایا کہ) اللہ کی قسم! محمد کی بیٹی فاطمہ (اعاذہا اللہ تعالیٰ) اگر چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

جب کوئی مرد یا عورت پہلی بار چوری کرے تو اس کا سیدھا ہاتھ گٹے سے کاٹ دیا جائے، اس کے بعد دوبارہ چوری کرلے تو ٹخنہ سے بایاں

پاؤں کاٹ دیا جائے یہاں تک تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے، اس کے بعد تیسری مرتبہ چوری کر لے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اب کوئی ہاتھ یا پاؤں نہ کاٹا جائے بلکہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کر لے، حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام اوزاعیؒ کا یہی قول ہے اور حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تیسری بار چوری کرے تو بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے اور چوتھی بار چوری کرے تو دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اگر اس کے بعد بھی چوری کر لے تو اسے دوسری کوئی سزا دی جائے یہاں تک کہ توبہ کر لے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا مروی ہے۔

چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون حکمت پر مبنی ہے اس کی مخالفت کرنے والے بے دین ہیں

چور اور چورنی کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا کہ یہ سزا ہے اس فعل کی جو انہوں نے کیا اور ساتھ ہی نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ بھی فرمایا، نکال اس سزا کو کہتے ہیں جو دوسروں کے لیے عبرت ہو اللہ جل شانہٗ عالم الغیب ہے اسے معلوم تھا کہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنے کی صورت میں کی جا رہی ہے اس پر اعتراض کر کے ایمان کھو بیٹھنے والے بھی پیدا ہوں گے۔ ایسے احمقوں کے اعتراض کا جواب جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ میں دیدیا اللہ جل شانہٗ خالق و مالک ہے احکم الحاکمین ہے اسے اختیار ہے کہ بندوں کو جو چاہے حکم دے اور جو قانون چاہے تشریعی طور پر نافذ فرمائے پھر وہ عزیز بھی ہے وہ سب پر غالب ہے اور حکیم بھی ہے اس کا ہر فعل، ہر فیصلہ اور قانون حکمت کے مطابق ہے۔ وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے انسانوں میں کیسے کیسے جذبات ہیں ان میں مصلحین بھی ہیں اور مفسدین بھی، چور بھی ہیں اور ڈاکو بھی اور ان فسادیوں کا فساد کون سے قانون کے نافذ کرنے سے روکا جا سکتا ہے اور کون سی ایسی عبرت ناک سزا ہے جو مفسدین کو فساد سے باز رکھ سکتی ہے اور عامۃ الناس کے جان و مال کی حفاظت کس قانون کے نافذ کرنے سے ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم ہے سورۂ ملک میں فرمایا اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ (کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین ہے، باخبر ہے) جو لوگ اسلام کی بتائی ہوئی مجرمین کی سزاؤں کو وحشیانہ یا ظالمانہ کہتے ہیں ان میں سب سے آگے آگے تو یہود و نصاریٰ ہیں جن میں مستشرقین بھی ہیں یہ تو کھلے کافر ہیں، ان کا اسلام کی حقانیت پر ایمان ہی نہیں ہے۔ یہ اعتراض کریں تو چنداں تعجب نہیں کیونکہ انہیں نہ حق قبول کرنا ہے نہ حق ماننا ہے اپنے اپنے دین کو باطل سمجھتے ہوئے بھی اسی پر جمے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کر کے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر کے خوش ہیں دوزخ میں جانے کو تیار ہیں

حیرت ان لوگوں پر ہے جو اسلام کے بھی دعویدار ہیں اور قرآن کریم کی مقررہ سزاؤں کو وحشیانہ بھی کہتے ہیں، یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں مسلمانوں کے درمیان رہنے اور مسلمانوں سے دنیاوی منافع وابستہ ہونے کی وجہ سے یوں نہیں کہتے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں مگر حقیقت میں یہ لوگ مسلمان نہیں۔ وہ کیا مسلمان ہے جو اللہ پر، اللہ کی کتاب پر اور اللہ کے قانون پر اعتراض کرے اور اللہ کے قانون کو وحشیانہ اور ظالمانہ بتائے، یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ عزیز ہے، علیم ہے، خبیر ہے، اسے یہ معلوم ہے کہ امن و امان کیسے قائم رہ سکتا ہے اور شر و فساد کے خوگر کس قانون کے نافذ کرنے سے دب سکتے ہیں، پہلے آپ یورپین حکومتوں کے جاری کردہ قوانین کو لے لیں (جنہیں ایشیاء وغیرہ کے ممالک نے بھی قبول کیا) ان لوگوں کے یہاں چور اور ڈاکو کی یہ سزا ہے کہ انہیں جیل میں ڈال دیا جائے جو لوگ جرائم کے عادی ہوتے ہیں ان کے نزدیک جیل میں رہنا معمولی سی بات ہے جیلوں میں جاتے ہیں واپس آتے ہیں پھر چوری ڈکیتی کر لیتے ہیں پھر پکڑے جاتے ہیں پھر جیل میں چلے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اپنے ساتھیوں سے یہ کہہ کر جیل سے باہر جاتے ہیں کہ میرا چولہا ایسے ہی رہنے دینا چند دنوں بعد میں پھر واپس آؤں گا۔

اگر جیل کی سزا دینے سے امن و امان قائم ہو سکتا ہے اور چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں ختم ہو سکتی تھیں تو اب تک ختم ہو جاتیں لیکن وہ تو روز

افزوں ہیں چور ڈاکو دندناتے پھرتے ہیں مالداروں پر ان کی نظریں رہتی ہیں۔ کبھی کسی کو قتل کیا کبھی پستول دیکھا کر کسی شہری کو لوٹ لیا کبھی کسی بس کو روک کر کھڑے ہو گئے، کبھی ریل میں چڑھ گئے اور مسافروں کے پاس جو کچھ مال تھا وہیں دھروالیا، کبھی کسی کے گھر میں گھس گئے، کبھی سونے کی دکان لوٹ لی۔ اول تو ان کو پکڑا نہیں جاتا اور اگر پکڑ بھی لیا گیا تو بعض مرتبہ رشوت چھڑوا دیتی اور بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کے پکڑنے پر معمور ہیں اس ڈر سے کہ کہیں موقع دیکھ کر ہم پر حملہ نہ کر دے انہیں چھوڑ بھاگتے ہیں اور اگر پکڑ ہی لیا اور حاکم کے سامنے پیش کر ہی دیا اور اس سے رشوت لے کر نہ چھوڑا بلکہ سزا تجویز کر ہی دی تو وہ جیل کی سزا ہوتی ہے جیل میں سزا کے مقررہ دن گزار کر اور کبھی اس سے پہلے ہی نکل آتے ہیں اور پھر انہیں مشاغل میں لگ جاتے ہیں جن کی وجہ سے جیل میں گئے تھے۔

اب اسلام کے قانون کو دیکھئے ڈاکوؤں کی سزا اوپر بیان کر دی گئی ہے جس کی چار صورتیں بیان کی گئی ہیں یہاں چور اور چورنی کی سزا بیان فرمائی کہ ان کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ان سزاؤں کو نافذ کر دیں چند کو ڈکیتی کی سزا مل جائے اور چند چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں تو دیکھیں کیسے امن و امان قائم ہوتا ہے اور کیسے لوگ آرام کی نیند سوتے ہیں۔

جو لوگ اسلامی قوانین کے مخالف ہیں چوروں کے حامی ہیں ...... اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی سزا کے نافذ کرنے کے مخالف ہیں ان کو چوروں اور ڈاکوؤں پر تو رحم آتا ہے کہ ہائے ہائے اس کا ہاتھ کٹ جائے گا اور ڈاکوؤں پر ترس آتا ہے کہ یہ مقتول ہوں گے، سولی پر چڑھا دیئے جائیں گے، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائے گے لیکن عامۃ الناس پر رحم نہیں آتا جو بدامنی اور شر و فساد کا شکار رہتے ہیں ،کیسی بھونڈی سمجھ ہے کہ عام مخلوق کو چوروں اور ڈاکوؤں کے ظلم سے محفوظ و مامون کرنے کے لیے چند افراد کو سخت سزا دینے کے روادار نہیں ہیں اور چوروں اور ڈاکوؤں کو چوری اور لوٹ مار کے مواقع فراہم کرنے کو تیار ہیں۔

جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا کے ساتھ جو نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ چور اور چورنی کے لیے جو سزا تجویز فرمائی ہے وہ صرف انہی کے کرتوت کا بدلہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی اس میں عبرت ہے۔ پھر ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا بھی ہے اور حکمت والا بھی) اس کا قانون حکمت کے مطابق ہے اس کے خلاف کوئی بھی قانون بنی نوع انسان کے حق میں بہتر نہیں ہے ،جن ممالک میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون نافذ ہے وہاں کے بازاروں میں اب بھی یہ حال ہے کہ دکان کے باہر رات بھر سامان پڑا رہتا ہے پھر بھی چوری نہیں ہوتی۔ چور کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا فَمَنْ تَابَ مِنْ ۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو بلاشبہ اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے)

یہ تو اللہ تعالیٰ شانہ کا عام قانون ہے کوئی شخص کتنا ہی بڑا ظلم کر لے اور اس کے بعد نادم ہو کر سچے دل سے توبہ کر لے اور یہ توبہ اُصولِ شریعت پر پوری اُترتی ہو تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ معاف فرما دے گا۔ یہاں چونکہ چور کی سزا کے بعد توبہ کا ذکر فرمایا ہے اس لیے مفسرین کرام نے آیت کا معنی یہ لکھا ہے کہ جو بھی کوئی چور اپنے ظلم یعنی چوری کرنے کے بعد توبہ کر لے اور پھر اصلاحِ حال کر لے یعنی جو مال اس نے چرایا ہے وہ واپس کر دے یا مالک سے معاف کرا لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اس کی اس توبہ کا یہ فائدہ ہوگا کہ چوری کر کے جو اللہ کی نافرمانی کی ہے آخرت میں اس پر عذاب نہ ہوگا، رہا ہاتھ کاٹنے کا مسئلہ تو یہ معاف نہ ہوگا یعنی قاضی کے سامنے اگر چور توبہ کر لے تو قاضی ہاتھ کاٹنے کی سزا کو رفع دفع نہیں کر سکتا توبہ کا تعلق آخرت کی معافی سے ہے۔ جو بندہ اور اللہ کے درمیان ہے اور ہاتھ کاٹنے کا قانون جو فیما بین العباد ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔ فقہاء نے فرمایا ہے کہ ڈاکو گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لیں تو ڈکیتی کی سزا ان پر جاری نہ ہوگی البتہ لوگوں کی جو حق تلفی کی ہے اس کا بھگتان کرنا ہوگا لیکن اگر کوئی شخص چوری کرنے کے بعد گرفتاری سے پہلے یا اس کے بعد توبہ کر

لے تو چوری کی شرعی دنیاوی سزا معاف نہ ہوگی یعنی حاکم توبہ کے بعد بھی ہاتھ کاٹ دے گا، آخر میں فرمایا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہے سزا دے اور جس کو چاہے معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے)

اس آیت میں بتادیا کہ آسمان اور زمین سب اللہ ہی کی ملکیت ہے اسے ہر چیز کے بارے میں پورا پورا اختیار ہے جسے چاہے عذاب دے جسکی چاہے مغفرت فرمائے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہاں تین آیات ہیں ایک آیت کے ختم پر وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ فرمایا اب دوسری آیت کے ختم پر وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ فرمایا اور تیسری آیت کے ختم پر اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ فرمایا۔ یعنی وہ عزیز ہے غلبہ والا کسی کو اس کے کسی فعل یا قانون پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں وہ جسے چاہے عذاب دے، جسے چاہے بخش دے اس کا بھی اسے پورا پورا اختیار ہے۔ اس کے سب افعال اور سب فیصلے حکمت کے مطابق ہیں کسی کو چوں چراں کرنے کی جرأت نہیں ہے۔ نیز ہر چیز اس کے تصرف میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ مغفرت کا ذکر پہلے ہے اور عذاب کا ذکر بعد میں اور یہاں عذاب کا ذکر پہلے ہے کیونکہ چور کی سزا پہلے بیان ہوئی ہے اور توبہ پر مغفرت ہونے کا ذکر بعد میں آیا ہے لہٰذا ترتیب سابق کے موافق تعذیب و مغفرت کو بیان فرمادیا۔

تنبیہ...... چوری کا ثبوت کس طرح ہوتا ہے اور مال لینے کی کون کون سی صورتیں اس چوری میں داخل ہیں جس کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور وہ کون کون سے مقامات ہیں جہاں سے چوری کرنے سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اور پھر ہاتھ کاٹ کر کیا کیا جائے جو خون بند ہو جائے یہ سب تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ

اے رسول! آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو دوڑ دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں جو ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے منہ سے کہا کہ ہم ایمان لائے

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ

اور حال یہ ہے کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے، اور ان لوگوں میں سے ہیں جو یہودی ہیں یہ لوگ جھوٹ کو بہت زیادہ سننے والے ہیں، جو لوگ تمہارے پاس نہیں آئے ان کو باتیں

اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا

پہنچانے کے لئے خوب دھیان سے سنتے ہیں۔ یہ لوگ کلمات کو ان کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تو اس کو

فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ

لے لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو اس سے پرہیز کرنا اور اللہ تعالیٰ جس کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو اے مخاطب اس کے لئے اللہ تعالیٰ پر تیرا کوئی زور

شَیْـًٔا ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۖۚ وَّلَهُمْ

نہیں چل سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ نہیں فرمایا کہ انکے دلوں کو پاک کرے، ان کیلئے دنیا میں رسوائی ہے، اور ان کیلئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

مع عند المتقدمین

فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ

یہ لوگ جھوٹ کو بہت زیادہ سننے والے ہیں، خوب حرام کھانے والے ہیں، سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو انکے درمیان

بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ

فیصلہ فرما دیجئے یا ان سے اعراض فرما لیجئے، اور اگر آپ اعراض کریں تو یہ آپ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر آپ فیصلہ دیں تو

بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَیْفَ یُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ

انکے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ انکے پاس توراۃ ہے

فِیْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۳﴾

جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے پھر اس کے بعد وہ روگردانی کرتے ہیں، اور وہ لوگ مؤمن نہیں ہیں۔

یہودیوں کی شرارت اور جسارت اور تحریف کا تذکرہ

جیسا کہ ہم نے یَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ (آخر تک) کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یہودی زمانہ قدیم سے آکر آباد ہو گئے تھے جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں نے باوجود یکہ آپ کو جان لیا اور آپ کی جو صفات توراۃ شریف میں پڑھی تھیں ان کے مطابق آپ کو پالیا تب بھی استثناء معدودے چند افراد کے یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے اور طرح طرح سے مخالفت کرنے لگے اور تکلیفیں دینے لگے انہی لوگوں میں سے منافق لوگ بھی تھے جنہوں نے ظاہر میں اسلام کا کلمہ پڑھ لیا اور جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں حالانکہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ لوگ بھی مصیبت بنے ہوئے تھے۔

توریت میں زانی کی سزا رجم تھی ......شادی شدہ مرد و عورت کی سزا کے بارے میں توریت شریف میں وہی حکم تھا جو شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں ہے اور وہ یہ کہ زانی مرد و عورت شادی شدہ ہو تو اس کو رجم کر دیا جائے یعنی پتھروں سے مار دیا جائے جسے سنگسار کرنا کہتے ہیں۔ یہودیوں نے توریت شریف کے حکم کو بدل لیا تھا، ایک مرتبہ ایک یہودی نے ایک عورت سے زنا کر لیا تھا۔ آپس میں یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ جو نبی آئے ہیں ان کے پاس چلو ان کے دین میں تخفیف ہے اگر رجم کے علاوہ انہوں نے کوئی اور فتویٰ دیا تو ہم قبول کر لیں گے اور اللہ کے یہاں حجت میں پیش کر دیں گے کہ ہم نے تیرے نبیوں میں سے ایک نبی کے فتویٰ پر عمل کیا۔ (سنن ابی داؤد ص ۲۵۵ ج ۲)

معالم التنزیل ص ۳۶ ج ۲ میں ہے کہ خیبر میں جو یہودی رہتے تھے ان میں سے جو سردار قسم کے لوگ تھے ان میں سے ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ زنا کر لیا تھا اور یہ دونوں شادی شدہ تھے، توریت شریف کے قانون کے مطابق ان کو رجم کرنا تھا، یہودیوں نے ان کو رجم کرنے سے گریز کیا، رجم کو اچھا نہ جانا کیونکہ وہ ان کے بڑے لوگوں میں تھے پھر آپس میں کہنے لگے کہ یثرب یعنی مدینہ میں جو یہ صاحب ہیں (یعنی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وصحبہ وسلم) ان کی کتاب میں رجم نہیں ہے کوڑے مارنا ہے لہٰذا ان کے پاس چلو اور ان سے سوال کرو۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قریظہ مدینہ منورہ میں رہتا تھا خیبر کے یہودیوں نے ان کے پاس پیغام بھیجا اور کہا کہ محمد (مصطفٰے

صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کرو کہ اگر مرد اور عورت زنا کریں اور وہ شادی شدہ ہوں تو ان کی کیا سزا ہے اگر وہ یہ حکم دیں کہ کوڑے مار کر چھوڑ دو تو قبول کر لینا اور اگر رجم کا حکم دیں تو قبول نہ کرنا اور گریز کرنا، جب یہ لوگ مدینہ منورہ آئے اور بنی قریظہ کے سامنے یہ بات رکھی تو انہوں نے کہا کہ پہلے سے سمجھ لو وہ اسی بات کا حکم دیں گے جس سے تم ڈرتے ہو اس کے بعد یہودیوں کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ تم میرے فیصلے پر راضی ہو گے تو انہوں نے کہا ہاں! ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہوگا آپ نے ان کو رجم کا فیصلہ سنا دیا اس پر وہ فیصلہ ماننے سے منحرف ہو گئے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا آپ ابن صوریا کو درمیان میں ڈالیں یہ شخص ان کے علماء میں سے تھا اور یہ کانا تھا آپ نے یہود سے فرمایا کہ تم ابن صوریا کو جانتے ہو؟ کہنے لگے ہاں! فرمایا وہ تم لوگوں میں کیسا شخص ہے؟ کہنے لگے کہ یہودیوں میں روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے جو توریت شریف کے احکام سے واقف ہو، ابن صوریا کو لایا گیا آپ نے یہودیوں سے فرمایا کہ تم اپنے درمیان اسے فیصلہ کرنے والا منظور کرتے ہو، کہنے لگے ہاں! ہمیں منظور ہے آپ نے ابن صوریا سے فرمایا میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی اور تمہیں مصر سے نکالا اور تمہارے لیے سمندر پھاڑا اور تمہیں نجات دی اور جس نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور جس نے تم پر من وسلویٰ نازل فرمایا۔ کیا تم اپنی کتاب میں شادی شدہ زانیوں کے بارے میں رجم کرنے کا قانون پاتے ہو؟ ابن صوریا نے کہا ہاں! قسم اس ذات کی جس کی مجھے آپ نے قسم دلائی ہے توریت شریف میں رجم کا حکم ہے اگر مجھے اس کا ڈر نہ ہوتا کہ جھوٹ بولنے یا توریت کا حکم بدلنے کی وجہ سے جل جاؤں گا تو میں اقرار نہ کرتا، آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں نے سب سے پہلے خداوند تعالیٰ کے حکم کے خلاف کب رخصت نکالی؟ ابن صوریا نے کہا کہ ہم یہ کرتے تھے کہ جب کوئی بڑا آدمی زنا کرتا تو اسے سزا دیئے بغیر چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی زنا کرتا تو اس پر سزا جاری کرتے تھے اس طرح سے ہمارے بڑے لوگوں میں زنا کاری زیادہ ہوگئی اور ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک بادشاہ کے چچا کے بیٹے نے زنا کر لیا ہم نے اس پر رجم کی سزا جاری نہ کی پھر ایک اور شخص نے زنا کیا جو عام لوگوں میں سے تھا بادشاہ نے چاہا کہ اسے سنگسار کرے۔ اس پر اس کی قوم کے لوگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ بادشاہ کے چچا کے بیٹے پر زنا کی سزا جاری نہ ہو۔ جب یہ بات سامنے آئی تو آپس میں کہنے لگے کہ رجم کی سزا کے علاوہ کوئی صورت تجویز کر لیں جو بڑے اور چھوٹے ہر قسم کے لوگوں پر جاری کی جا سکے لہٰذا ہم نے یہ طے کر لیا کہ جو شخص بھی زنا کرے اس کو ایسی رسی سے چالیس کوڑے مارے جائیں جس پر روغن قار (تارکول) لگا ہوا ہو۔ کوڑے مار کر چہروں کو کالا کر دیتے تھے اور گدھوں پر بیٹھا کر بازاروں میں گھما دیتے تھے گدھوں پر الٹا سوار کرتے تھے یعنی منہ گدھوں کی پچھلی ٹانگوں کی طرف ہوتا تھا جب ابن صوریا نے یہ کہا تو یہود کو صحیح بات بتانا ناگوار ہوا۔ ابن صوریا نے کہا کہ اگر مجھے توریت کی مار پڑنے کا ڈر نہ ہوتا تو میں نہ بتاتا۔

جب ابن صوریا نے توریت شریف کا قانون سنا دیا اور یہودی پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ ہم آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں یہودیوں یعنی زنا کرنے والے مرد عورت کو رجم کرنے کا فیصلہ نافذ کر دیا جن کو آپ کی مسجد کے قریب رجم کر دیا گیا اور آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے آپ کے حکم کو زندہ کیا جسے یہودیوں نے مردہ کر دیا تھا اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت بالا يَاۤ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ (آخر تک) نازل فرمائی ارشاد فرمایا کہ اے رسول تمہیں وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو جلدی جلدی کفر کی طرف دوڑتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے زبان سے کہہ دیا کہ وہ مؤمن ہیں حالانکہ وہ دل سے مؤمن نہیں ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو جھوٹ بولنے کے لیے آگے بڑھ بڑھ کر سنتے ہیں یعنی وہ آپ

سے باتیں سنتے ہیں تا کہ آپ کے ذمہ وہ باتیں لگائیں جو آپ نے نہیں کہیں سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ یہ ان لوگوں کے لیے سنتے ہیں اور کان دھرتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے یعنی یہ دوسرے لوگوں کے جاسوس ہیں، بنی قریظہ جو اہل خیبر کے جاسوس بن کر آئے تھے اس میں ان کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے آپ نے فرمایا کہ توریت میں رجم کے بارے میں کیا لکھا ہوا پاتے ہو، انہوں نے کہا کہ اس میں تو یہ لکھا ہے کہ ان کو رسوا کیا جائے اور ان کو کوڑے مارے جائیں، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے (یہ علماء یہود میں سے تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا) انہوں نے کہا کہ تم جھوٹے ہو بلاشبہ توریت میں رجم کی آیت موجود ہے۔ توریت لے آؤ، وہ توریت لے آئے اسے کھولا لیکن ان میں سے ایک شخص نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پہلے اور بعد میں جو مضمون تھا اسے پڑھ دیا حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اٹھا ہاتھ اٹھایا تو اس میں رجم کی آیت موجود تھی کہنے لگے کہ ہاں اس میں رجم کی آیت ہے اس کے بعد زنا کرنے والے مرد و عورت دونوں کو سنگسار کر دیا گیا۔

یہودیوں کا کتاب اللہ میں تحریف کرنا...... یہود کی حالت بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کہ یہ اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے ہٹا دیتے ہیں، توریت کے حکم کو انہوں نے بدل دیا تھا اور آپس میں مل کر رجم کے حکم کو منسوخ کر بیٹھے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بھی اللہ کا حکم نافذ کرنے کو نہیں آئے تھے بلکہ رخصت اور آسانی تلاش کرنے کے لئے آئے تھے۔ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا۔ اسی وجہ سے کہ انہیں قانون خداوندی پر چلنا مقصود نہ تھا بلکہ آسانی تلاش کرنا چاہتے تھے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھنا اگر مطلب کے موافق حکم ملے تو اسے مان لینا اور اگر مطلب کے خلاف ہو تو گریز کرنا جن کو حق پر چلنا مقصود نہیں ہوتا ان کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں، حق پر چلنا مقصود ہوتا تو توریت شریف میں کیوں تحریف کرتے اور توریت شریف میں بیان کردہ صفات کے مطابق نبی آخر الزمان ﷺ کو دیکھ کر کفر پر کیوں جمے رہتے۔

بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص گمراہی پر کمر باندھ ہی لے اور کفر در کفر اختیار کرتا ہی چلا جائے اور تیزی سے کفر میں گرتا چلا جائے تو اللہ کی طرف سے اسے ہدایت نہیں ہوتی وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ (اور اللہ جس کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو اللہ پر تیرا کوئی زور نہیں چلتا) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا) لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے (جو سب کے سامنے آ گئی) اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے (یعنی وہ جہنم میں داخل ہوں گے)

یہودیوں کی حرام خوری...... اس کے بعد فرمایا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ کہ لوگ جھوٹ سننے والے ہیں اور خوب کان لگانے والے ہیں اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ خوب زیادہ حرام کھانے والے ہیں۔ علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ یہود حکام کے بارے میں فرمایا یہ لوگ رشوت لیتے تھے اور جو شخص رشوت دینے کا اشارہ کر دیتا تھا اس کی بات پر کان دھرتے تھے اور پھر اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے اور جس نے رشوت نہ دی خواہ وہ کیسا ہی مظلوم ہو نہ اس کی بات سنی جاتی تھی نہ اس کے حق میں فیصلہ دیا جاتا تھا، لفظ سُحت عربی زبان میں کسی چیز کو بالکل جڑ سے ختم کرنے کے لئے موضوع ہے اس کو رشوت کے لئے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ جہاں حاکموں میں رشوت کا لین دین ہو جائے وہاں حق اور انصاف بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے رشوت گناہ کبیرہ ہے اور جو مال رشوت میں لے لیا جائے وہ حرام ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَعَنَ اللّٰهُ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ وَالرَّائِشَ کہ اللہ کی لعنت ہے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر اور اس شخص پر جو ان کے درمیان میں واسطہ بنے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۶)

یوں تو ہر رشوت کا لین دین حرام ہے لیکن خاص کر حاکم اور قاضی مجسٹریٹ اگر رشوت لے تو یہ اور زیادہ بڑا گناہ ہو جاتا ہے کیونکہ جس سے رشوت لے لی جائے اس کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے اور عموماً ایسے فیصلے ظالمانہ ہی ہوتے ہیں۔ ظالمانہ فیصلوں کا نتیجہ دنیا میں بھی بہت برا ہے اور آخرت میں بھی اس کی بڑی سزا ہے۔

چند ایسے امور کا تذکرہ جن کی وجہ سے دنیا میں عذاب آجاتا ہے...... حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی قوم میں بھی زنا کاری پھیل جائے تو قحط کے ذریعہ ان کی گرفت کی جائے گی اور جس کسی قوم میں رشوتوں کا لین دین رواج پا جائے تو رُعب کے ذریعہ ان کی گرفت کی جائے گی (یعنی ان کے دلوں پر رُعب ڈال دیا جائے گا)۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۳۱۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس کسی قوم میں خیانت کا رواج ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رُعب ڈال دے گا اور جس کسی قوم میں زنا کاری پھیل جائے ان میں موتیں زیادہ ہوں گی اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے گی ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا اور جو قوم ناحق فیصلے کریگی ان میں قتل وخون زیادہ ہوگا اور جو لوگ بدعہدی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا۔ (رواہ مالک کما فی المشکوٰۃ ص ۴۰۹)

ان سب چیزوں کی تباہ کاری پہلی امتیں بھگت چکی ہیں اور اب بھی بہت سی قوموں میں یہ اعمال ہیں اور ان کے نتائج دیکھنے میں آرہے ہیں جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں وہ غور کریں اور اپنے حالات کو سامنے رکھیں اور سوچ لیں کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔

رشوت کی بعض صورتیں...... رشوت صرف یہی نہیں ہے کہ حاکم کو کچھ دیکر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا جائے بلکہ ہر وہ کام جو کسی کے ذمہ شرعاً فرض یا واجب ہو اور ہر وہ کام جو تنخواہ لینے کی وجہ سے کسی نے اپنے ذمہ کر لیا ہو تو اس کا کام نقد رقم یا کچھ بھی لینا رشوت ہے۔ رشوت کی بہت صورتیں ہیں جو کتب فقہ میں موجود ہیں۔ جو شخص کسی محکمہ میں ملازم ہوا گر اس محکمہ میں کام کرنا شرعاً جائز ہو (اور اگر وہ محکمہ ہی حرام ہو تو اس کی تو نوکری ہی حرام ہے) تو جو کام بحیثیت ملازم کے اس کے ذمہ واجب ہے اگر وہ عوام سے پیسہ لے کر کرے تو یہ پیسہ لینا حرام ہے کیونکہ اس کام کی تنخواہ اسے مل رہی ہے حاکم اگر صحیح فیصلہ کرے تب بھی اس کو کسی فریق سے پیسہ لینا حرام ہے کیونکہ وہ صحیح فیصلہ کرنے کا پابند ہے اور اگر رشوت بھی لی اور فیصلہ بھی غلط کیا تو رشوت تو حرام ہے ہی تنخواہ بھی حرام ہوگی کیونکہ جس کام پر معمور ہے اور جس کی تنخواہ لے رہا ہے اس نے وہ کام نہیں کیا۔

جو لوگ کسی عہدہ پر پہنچ جاتے ہیں لوگ دوڑ دوڑ کر ان کے پاس مال لاتے ہیں اور ہدیہ بنا کر دیتے ہیں اور حقیقت میں یہ ہدیہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے کسی وقت کام لینا مقصود ہوتا ہے کیونکہ حقیقت میں رشوت اور ظاہراً ہدیہ ہوتا ہے اسی لیے حضرات فقہاء نے لکھا کہ جو شخص حاکم بنا اس کا ہدیہ لینے دینے کا جن لوگوں سے پہلے سے تعلق تھا وہ اب بھی ہدیہ سمجھا جائے گا لیکن جو لوگ اب دینا شروع کریں گے وہ رشوت میں شمار ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کے ایک قریبی عزیز نے بطور ہدیہ کچھ پیش کر دیا انہوں نے اسے واپس کر دیا جو غلام لیکر آیا تھا۔ اس نے کہا: آپ ہدیہ نہیں لیتے ہدیہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لیا ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ تھا اور یہ آج ہمارے لیے رشوت ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

فائدہ...... کسی سے بیٹی کا نکاح کرنے پر جو رقم لی جائے وہ رشوت ہے (جو مہر کے علاوہ ہو) اسی طرح اپنے بیٹے کے لئے لڑکی قبول کرنے پر جو مال لیا جائے وہ بھی رشوت ہے (بنگال، بہار، آسام میں اس کا رواج ہے) کسی کی سفارش کرنے پر رقم یا جو بھی کچھ مال لیا جائے وہ رشوت ہے کوئی آفیسر کسی کو اپنے محکمہ میں ملازم رکھے اور اس پر رقم لے تو یہ بھی رشوت ہے۔ بنی اسرائیل کو بُرا کہہ کر دل ٹھنڈا نہ کر لیں بلکہ اپنے ماحول کو بھی دیکھیں کہ ہم کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔

پھر فرمایا فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ (سو اگر وہ آپ کے پاس آجائیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے یا ان سے اعراض کریں) وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا (اور اگر آپ ان سے اعراض فرمائیں تو وہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے)...... اس آیت میں اختیار دیا ہے کہ اگر آپ چاہیں ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں چاہیں فیصلہ نہ فرمائیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب یہود مدینہ پر اہل ذمہ کے احکام جاری نہیں ہوئے تھے اور یہودیوں سے صرف اس بات کا معاہدہ ہوا تھا کہ مدینہ منورہ پر کوئی قوم حملہ کرے گی تو مل کر دفاع کریں گے جو لوگ ذمی ہوں وہ لوگ اگر کوئی فیصلہ لے کر آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کر دینا واجب ہے جیسا کہ آئندہ رکوع میں ارشاد ہے: وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ.

پھر فرمایا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اور جس صورت میں فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اس صورت میں اگر فیصلہ کرنے کی جانب رجحان ہو تو انصاف ہی کا فیصلہ کریں بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے پھر فرمایا: وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ کہ یہ لوگ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت شریف موجود ہے اس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے ان کو اس کتاب کے ماننے کا دعویٰ بھی ہے (اسے چھوڑ کر آپ سے فیصلہ کرانا تعجب کی بات ہے) ان کو حق کا فیصلہ منظور نہیں ہے دلوں میں چور دوسرا ہے مقصد ان کا یہ ہے کہ ہمارے موافق فیصلہ ہوا تو مانیں گے ورنہ نہیں، اصل بات یہ ہے کہ انہیں حق پر چلنا منظور ہی نہیں ہے وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ اور نہ یہ ایمان لانے والے ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ

بے شک ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت ہے اور روشنی ہے، اسکے ذریعہ انبیاء فیصلہ کرتے ہیں انبیاء جو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے، یہ فیصلے ان لوگوں کو دیتے تھے جو یہود تھے،

هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ

اور اللہ والے اور علم والے بھی فیصلہ دیتے تھے بوجہ اس کے کہ ان کو اللہ کی کتاب کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا، اور وہ اس

شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ

پر گواہ تھے۔ تو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت مت خریدو اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ

جو اللہ نے نازل فرمایا ہے سو یہی لوگ کافر ہیں اور ہم نے ان پر تورات میں لکھ دیا کہ جان جان کے بدلہ، اور آنکھ آنکھ کے بدلہ،

وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ

اور ناک ناک کے بدلہ، اور کان کان کے بدلہ، اور دانت دانت کے بدلہ، اور زخموں کا بدلہ ہے۔

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

سو جو شخص معاف کردے وہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا سو یہی لوگ ظالم ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی یعنی توارات، اور ہم نے ان کو

الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّ

انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی اور وہ تصدیق کرنے والی تھی اس چیز کی جو ان کے سامنے تھی یعنی توارات اور وہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے ہدایت تھی

مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ

اور نصیحت! اور چاہئے کہ انجیل والے حکم کریں اس کے موافق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور جو شخص اس کے موافق

اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

فیصلہ نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا سو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

توریت شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا

ان آیات میں اول تو توریت شریف کی صفت بیان فرمائی کہ ہم نے توریت کو نازل کیا اس میں ہدایت تھی اور نور یعنی روشنی تھی جو حق و باطل کے درمیان میں فرق ظاہر کرتی تھی۔

پھر فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اللہ کے فرماں بردار بندے تھے، توریت شریف کے ذریعے فیصلے فرماتے تھے ان کے یہ فیصلے یہودیوں کے حالات اور معاملات سے متعلق تھے پھر اَلنَّبِيُّوْنَ پر عطف فرمایا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ کہ ربانی اور احبار بھی توریت شریف کے ذریعہ حکم فرماتے تھے۔ ربانی رب کی طرف منسوب ہے یعنی رب والے لوگ جنہیں ہماری اصطلاح میں اللہ والے کہا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو انبیاء علیہم السلام تشریف لائے وہ انہیں کی شریعت پر چلتے تھے اور اسی پر بنی اسرائیل کو چلاتے تھے توریت شریف کی تعلیم، تبلیغ اور ترویج کی ذمہ داری سنبھالتے تھے، ان حضرات کے علاوہ جو اللہ کے نیک بندے تھے اللہ والے تھے۔ اصحاب علم تھے وہ بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ پر توریت شریف کے ذریعے فیصلہ کرتے تھے ربانیون اور احبار دو جماعتیں علیحدہ علیحدہ رہی ہیں جو لوگ عبادت میں زیادہ مشغول ہوئے ان کو ربانی اور جو لوگ علم کا مشغلہ زیادہ رکھتے تھے ان کو احبار فرمایا محض عالم جس میں عبادت نہ ہو چونکہ اس کا اپنا علم خود اس کے لیے مفید نہیں اس لئے دوسرے لوگوں کو بھی اس سے نفع نہیں پہنچتا عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص صرف علم کا حامل ہو اس کی طرف لوگ رجوع نہیں کرتے اور نہ اس کا علمی فیض پھیلتا ہے۔

اور جو شخص محض عبادت گزار ہو علم نہ ہو وہ جہالت میں مبتلا ہو جاتا ہے ضروری علم تو ہر عامی سے عامی شخص کے لئے بھی ضروری ہے پھر جو شخص عبادت میں زیادہ منہمک ہو اس کے لئے علم کیوں ضروری نہ ہوگا؟ بس غالب اشتغال کے اعتبار سے عالم اور درویش دو جماعتیں سمجھی جاتی رہی ہیں اور اب بھی سمجھی جاتی ہیں جس کا علمی اشتغال زیادہ ہے اسے عالم کہتے ہیں اور جس کا اشتغال عبادت میں زیادہ ہے اسے درویش کہتے ہیں بعض حضرات میں دونوں صفات زیادہ ہوتی ہیں ایسے حضرات بہت مبارک ہوتے ہیں جیسے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں دونوں جماعتیں ہیں اسی طرح حاملین توریت میں بھی دونوں جماعتیں تھیں جب تک توریت منسوخ نہیں ہوئی اسی پر عمل کرنا فرض تھا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور انجیل شریف نازل ہوئی تو اس کے احکام پر چلنا فرض ہو گیا انجیل شریف نے توریت کے بعض احکام کو باقی رکھا اور بعض کو منسوخ کر دیا (وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین توریت کی حفاظت کرنے پر مامور تھے ...... پھر فرمایا بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے نائبین ربانیین اور احبار توریت کے احکام جاری کرنے کے اس لئے پابند تھے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت شریف کو محفوظ رکھنا ان کے ذمہ لگا دیا تھا۔ وَکَانُوْا عَلَیْہِ شُھَدَآءَ اور اس بات پر وہ گواہ بھی تھے کہ ہاں ہمارے ذمہ حفاظت کی ذمہ داری کی گئی ہے اور ہم اس کے نگران اور محافظ ہیں اس ذمہ داری کو جب تک علماء یہود نے پورا کیا توریت شریف کو تحریف سے محفوظ رکھا جب اس ذمہ داری کا احساس ختم کر دیا تو توریت شریف میں خود ہی تحریف کر بیٹھے۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی علماء یہود نے توریت شریف میں تحریف کر لی تھی اور آپ کے زمانے کے علماء یہود بھی تحریف کرتے تھے اور اسی پر پیسے کھاتے تھے جس نے پیسے دیئے اس کی مرضی کے مطابق مسئلہ بتا دیا۔ اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لئے انہوں نے اپنے عوام کو سمجھا دیا تھا کہ توریت شریف میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات آئی ہیں وہ آپ میں پوری نہیں ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اسی لئے متصلاً ہی فرمایا: فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ ط وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ط (کہ تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلہ دنیا کا متاع قلیل حاصل نہ کرو) نہ مالی رشوت لو نہ اپنی ریاست و چودھراہٹ باقی رکھنے کے لئے میری آیات کو بدلو، اللہ کا خوف سب سے زیادہ ضروری ہے جو ہر گناہ سے بچاتا ہے۔

اور جو لوگ اللہ کے نازل فرمودہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں ...... پھر فرمایا وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ۝ اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہ لوگ کافر ہیں، یہودیوں نے توریت کے حکم رجم کو جانتے ہوئے بدل دیا زانیوں کے بارے میں وہ فیصلہ نہ کرتے تھے جو توریت شریف میں تھا تحریف کے باوجود رجم کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک توریت شریف میں موجود تھا۔ اس حکم کے خلاف دوسرا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن آپ نے وہی فیصلہ فرمایا جو توریت میں تھا اور آپ کی اپنی شریعت بھی اس کے مطابق تھی۔ آپ نے اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ فرمایا اور ان لوگوں نے حق کو چھپایا اور اللہ کے قانون کی تصدیق نہ کی بلکہ اس کے انکاری ہو گئے یہاں تک کہ جب ابن صوریا نے حق بات بتا دی تو یہودیوں کو اس کا بتانا ناگوار ہوا یہودی توریت شریف سامنے ہوتے ہوئے بھی اس کے حکم کی تصدیق نہیں کرتے تھے، کفر در کفر کے مرتکب بنے ہوئے تھے۔

قصاص کے احکام ...... اس کے بعد قصاص فی النفس اور قصاص فی الاعضاء کا حکم بیان فرمایا، توریت شریف میں جو قصاص کے احکام تھے عملی طور پر یہود نے ان کو بھی بدل رکھا تھا، مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے موجود تھے، ایک قبیلہ بنی نضیر اور دوسرا بنی قریظہ تھا

ان میں آپس میں لڑائی جھگڑے اور مارکوٹ کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں، بنی نضیر اپنے کو اشرف اور اعلیٰ سمجھتے تھے جب کوئی شخص بنی نضیر میں سے بنی قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو اسے قصاص میں قتل نہیں ہونے دیتے تھے اور اس کی دیت میں ستر وسق کھجوریں دیدیتے تھے اور جب کوئی شخص بنی قریظہ میں سے بنی نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو قاتل کو قصاص میں قتل بھی کر دیتے تھے اور دیت میں ایک سو چالیس وسق کھجوریں بھی لیتے تھے اور اگر بنی نضیر کی کوئی عورت بنی قریظہ کے ہاتھ سے قتل ہو جاتی تو اس کے عوض بنی قریظہ کے مرد کو قتل کر دیتے تھے اور اگر کوئی غلام قتل ہو جاتا تھا تو اس کے بدلہ بنی قریظہ کے آزاد مرد کو قتل کرتے تھے اسی طرح کے قانون انہوں نے جراحات کے عوض کے بارے میں بنا رکھے تھے بنو قریظہ کو مال کم دیتے تھے اور خود اس سے دوگنا لیتے تھے (معالم التنزیل ص ۳۸ ج ۲ و بعضہ فی سنن ابی داؤد۔ اول کتاب الدیات) (جراحات سے وہ زخم مراد ہیں جس سے مضروب مقتول نہ ہوتا تھا)

اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت بالا نازل فرمائی جس میں قصاص کے احکام بیان فرمائے جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان میں سے جو زور آور قبیلہ نے کمزور قبیلہ کے ساتھ معاملہ کر رکھا ہے یہ معاملہ توریت شریف کے خلاف ہے، احکام توریت کے خلاف ہیں اور ظالمانہ ہیں اور ان کے تجویز کردہ اسی لئے اخیر میں فرمایا: وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ○ (اور جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں)

قصاص کا یہ قانون ہمارے لیے بھی اس طرح مشروع ہے کہ جان کو جان کے بدلے میں قتل کیا جائے گا بشرطیکہ قاتل نے قصداً قتل کیا ہو۔ اس میں چھوٹا' بڑا' مرد' عورت' بینا' و نابینا' تندرست اور اپاہج سب برابر ہیں، کسی مالدار کو کسی غریب پر اور کسی قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر کوئی فوقیت اور فضیلت حاصل نہیں البتہ یہ معاملہ مقتول کے اولیاء کے سپرد ہو گا وہ اگر چاہے تو قصاص لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں اور چاہیں تو دیت لے لیں کما قال اللہ تعالیٰ فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ م بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ ۔ قصاص کے بدلے دیت لینے کی اجازت شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ہی میں ہے یہودیوں کے حق میں صرف قصاص ہی مشروع تھا جیسا کہ ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ کے ذیل میں مفسرین نے یہ بات لکھی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی آنکھ میں مار دے جس سے روشنی چلی جائے تو اس پر بھی قصاص ہے مارنے والے کی آنکھ کی روشنی ختم کر دی جائے اور اگر کوئی شخص کسی کا دانت توڑے یا اکھاڑ دے تو اس کا بدلہ بھی دلایا جائے گا اسی طرح کوئی شخص کسی کی ناک کاٹ دے تو کاٹنے والے کی ناک کاٹ دی جائے گی اور کوئی شخص کسی کا کان کاٹ دے تو اس میں بھی قصاص ہے یعنی کاٹنے والے کا کان کاٹا جائے گا۔

قرآن مجید میں قصاص فی النفس کے بعد آنکھ' ناک' کان اور دانت میں قصاص بتایا ہے دوسرے اعضاء کا ذکر نہیں فرمایا۔ فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ دیگر اعضاء و اطراف کے قصاص کے مسائل بھی لکھے ہیں اگر کوئی شخص کلائی سے قصداً کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو کاٹنے والے کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اگرچہ اس کا ہاتھ بڑا ہو، اسی طرح انگلیوں میں بھی قصاص ہے اگر کوئی شخص کسی کی پوری انگلی جڑ سے کاٹ دے یا بیچ کے جوڑوں میں سے کسی جوڑ میں سے کاٹ دے تو اس میں بھی قصاص ہے اسی طرح پاؤں کاٹنے میں بھی قصاص ہے، اگر کوئی شخص ٹخنے کے جوڑ سے کسی کا پاؤں کاٹ دے تو اس کے بدلہ اسی جوڑ سے کاٹنے والے کا پاؤں کاٹ دیا جائے گا، اور بھی بہت سی تفصیلات ہیں جو فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں لکھی ہیں۔

آخر میں فرمایا وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (اور زخموں میں قصاص ہے) زخموں کی فقہاء نے دس قسمیں لکھی ہے اور ان کے احکام میں بڑی تفصیلات ہیں جس زخم میں مساوات یعنی برابری ہو سکے اس میں قصاص ہے اور جس میں برابری نہ ہو سکے اس میں مال دیا جائے گا۔ ہدایہ

میں (کتاب الجنایات) فصل فی الشجاج کا مطالعہ کرلیا جائے۔

فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ کے معنی...... پھر فرمایا فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ط حضرات مفسرین کرام نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں، اصل سوال یہ ہے کہ لَـهٗ کی ضمیر کس کی طرف راجع ہے اگر جریح (زخمی) اور قتیل کے ولی کی طرف راجع ہے تو آیت کا یہ مطلب ہے کہ مجروح نے یا مقتول کے ولی نے اگر جارح اور قاتل کو معاف کردیا اور اپنے حق کا صدقہ کردیا یعنی جارح اور قاتل کو معاف کردیا تو اس کے لیے کفارہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حسنؒ اور شعبیؒ اور قتادہؒ سے ایسا ہی مروی ہے۔

اور اگر لَـهٗ کی ضمیر جارح اور قاتل (یعنی زخم کرنے والے اور قتل کرنے والے) کی طرف راجع ہو تو پھر معنیٰ یہ ہوگا کہ مجروح نے یا مقتول کے ولی نے جب معاف کردیا تو یہ زخمی کرنے والے اور قتل کرنے والے کے گناہ کا کفارہ ہوگیا اب اس پر آخرت میں مؤاخذہ نہ ہوگا (وقد ذکر ابن عباس القولین وعلی الاول اکثر الصحابة والتابعین ومن بعدهم (قرطبی ص ۲۰۸ ج ۶) رہا معاف کرنے کا اجر و ثواب تو وہ اپنی جگہ ہے جو دوسری آیت فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ میں بیان فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی منقول ہے اور بعض تابعین ابراہیم نخعیؒ، مجاہدؒ اور زید بن اسلمؒ کا بھی یہی قول ہے۔ (معالم التنزیل ص ۴۱ و ۴۳ ج ۲)

قصاص کا شرعی قانون نافذ نہ کرنے کا وبال...... قصاص کا قانون سورۂ بقرہ میں بھی بیان فرمایا ہے اور یہاں سورۂ مائدہ میں بھی، جو لوگ مسلمان نہیں ہیں انہوں نے اپنے جاہلانہ قانون بنا رکھے ہیں۔ اول تو قتل عمد ثابت ہی نہیں ہوتا۔ وکیلوں اور بیرسٹروں کی دنیا ہے ''قاتل'' کی حمایت کرنے والا وکیل اور بیرسٹر ایسی قانونی موشگافی کرتا ہے کہ وہ قاتل کے خلاف فیصلہ ہونے نہیں دیتا اور اگر دوسری جانب کے وکیل نے اسے پچھاڑ ہی دیا اور حاکم کی رائے سزا دینے کی ہو ہی گئی تو وہ لمبی جیل کردیتا ہے اور یہ جیل بھی ایسی کہ بیس سال کی جیل ہو تو دس سال ہی میں پوری ہوجائے کیونکہ رات اور دن کا سال علیحدہ علیحدہ شمار ہوتا ہے اس میں اول تو قاتلوں کو عبرت نہیں ہوتی ان کو جیلیں کاٹنے کی عادت ہوتی ہے، دوسرے اولیاء مقتول کی کوئی حیثیت نہیں سمجھی جاتی نہ انہیں حق قصاص دلایا جاتا ہے نہ دیت دلائی جاتی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ روساءِ مملکت کو جان بخشی کی درخواست دی جائے تو وہ بالکل ہی معاف کردیتے ہیں حالانکہ ان کو معاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کافروں نے جو قانون بنا رکھے ہیں انہی کو ان حکومتوں نے اپنا رکھا ہے۔ جو ممالک مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں یہ لوگ بھی قصاص اور دیت کا قرآنی قانون نافذ نہیں کرتے اور اس کا بدترین پہلو یہ ہے کہ بعضے جاہل قصاص کو وحشیانہ سزا بھی کہہ دیتے ہیں اللہ کے قانون پر اعتراض کرکے کافر ہونے کو تیار ہیں لیکن دنیا میں امن وامان قائم کرنے اور قتل وخون کی وارداتیں ختم کرنے کو تیار نہیں، ان کو رحم بھی آتا ہے تو قاتلوں پر ہی آتا ہے کیسی بھونڈی سمجھ ہے۔

انجیل شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا...... توریت شریف اور اس کے بعض احکام کا تذکرہ فرمانے کے بعد حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور انجیل شریف کا تذکرہ فرمایا جو حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور ارشاد فرمایا وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ کہ ان انبیاء کے بعد (جو توریت شریف کے مطابق حکم کرتے تھے) ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا وہ توریت شریف کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی اور جو توریت کی تصدیق کرنے والی تھی جو پہلے سے موجود تھی انجیل میں متقیوں کے لئے ہدایت تھی اور نصیحت تھی، اس میں یہ بتادیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی توریت کی تصدیق کرنے والے تھے اور جو کتاب ان پر نازل ہوئی یعنی انجیل وہ بھی توریت شریف کی تصدیق کرنے والی تھی سارے ہی انبیاء کرام علیہم السلام آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے تھے اور انجیل میں توریت شریف کی تصدیق موجود تھی بعد میں گروہ

بندیاں ہوگئیں اور بنی اسرائیل نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا نہ صرف یہ کہ انکار کر دیا اور ان کی کتاب کو نہ مانا بلکہ ان کے قتل کے در پے ہو گئے قتل تو نہ کر سکے لیکن اپنی کرنی میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی عیسائیوں میں برابر باہمی مخالفت رہی اور نصرانی یہودیوں کو یہ الزام دیتے رہے کہ انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ چند سال پہلے سیاسی گٹھ جوڑ کے تقاضے پر نصرانیوں نے اپنا الزام واپس لے لیا۔

گٹھ جوڑ مسلمانوں کی مخالفت میں متحد ہونے کے لئے کیا گیا ہے۔ یہودیوں کے مقاصد نصرانیوں سے متعلق ہیں اس لیے باہمی مخالفت کو دور کرنے کے لیے یہ راستہ نکالا گیا جو اوپر مذکور ہوا۔

اللہ کے نبی اور اللہ کی کتابیں سب ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں ...... بہر حال یہ سیاسی گروہ بندی اور مخالفت اور موافقت لوگوں کے اپنے معاملات کی وجہ سے ہے اللہ کے نبیوں میں آپس میں کوئی مخالفت نہیں اور اللہ کی کوئی کتاب دوسری کتاب کی تکذیب کرنے والی نہیں توریت اور انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق موجود تھی۔ جسے یہود و نصاریٰ نے محرف کر دیا اور تحریف کے باوجود اب بھی تصریحات ملتی ہیں جن میں آپ کی تصدیق اور تشریف آوری کی تبشیر موجود ہے، انجیل کے بارے میں فرمایا **وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝** کہ وہ ہدایت ہے اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے، یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن مجید کے بارے میں **هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ** اور **هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ** فرمایا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے مزاج میں ہدایت قبول کرنا اور نصیحت ہے وہی قبول کرتے ہیں اور کفر و شرک سے پرہیز کرتے ہیں پھر فرمایا **وَ لْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ** (اور چاہئے کہ انجیل والے اس کے مطابق حکم کریں جو اللہ نے اس میں نازل فرمایا

پھر فرمایا **وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ** (اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہی لوگ نافرمان ہیں) جن لوگوں کو انجیل شریف ان کے نبی کے ذریعہ پہنچی وہ اس کے مطابق نہ چلے اور اس کے موافق فیصلے نہ کئے اور ان میں تحریف بھی کر دی اور توحید کے عقائد کی بجائے اپنے دین میں شرکیہ عقائد داخل کر لیے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتا دیا اور تین خدا مان لیے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا اعتقاد کر کے کفارہ کا عقیدہ نکال لیا، پھر جب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور انجیل کی تصریح کے مطابق آپ کی نبوت و رسالت کا یقین ہو جانے کے باوجود ایمان نہ لائے اور گمراہی میں ہی رہ گئے، ان کو حکم ہو رہا ہے کہ جو کچھ اللہ نے انجیل میں نازل فرمایا ہے اس کے مطابق حکم کریں باطل عقائد کو چھوڑیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں، اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کے مطابق فیصلہ نہ کرنا فاسقوں ہی کا کام ہے، لفظ فاسق فسق سے لیا گیا ہے فسق طاعت اور فرماں برداری سے نکل جانے کو کہتے ہیں کفر و شرک کامل فسق ہے اس لئے شیطان کے بارے میں **فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ** فرمایا۔

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا

اور ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف کتاب اتاری وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور وہ ان کتابوں کی محافظ ہے

عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ

اور آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر آپ ان کی خواہش کا اتباع نہ کیجئے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

تم میں سے ہرایک کے لئے ہم نے شریعت اور خاص راہ مقرر کردی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تا کہ تم کو

لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

اس کے بارے میں آزمائے جو تم کو دیا، سوتم خیر کے کاموں کی طرف دوڑو، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے، سووہ ان باتوں کے بارے میں تم کو

بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

باخبر فرمائے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے، اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اسی کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اتارا اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا

اور اس بات سے پرہیز کریں کہ یہ لوگ آپ کو اللہ کے دیئے ہوئے احکام میں سے کسی حکم سے ہٹا دیں۔ سو اگر وہ روگردانی کریں تو آپ جان لیں

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝

کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو سزا دیدے اور بے شک لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جو نافرمان ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

کیا یہ جاہلیت کے حکم کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ کرنے والا ان لوگوں کے لئے کون ہے جو یقین کرتے ہیں۔

قرآن مجید دوسری کُتب سماویہ کے مضامین کا محافظ ہے

توریت وانجیل کا تذکرہ فرمانے اور یہ بتانے کے بعد کہ یہ دونوں اللہ کی کتابیں ہیں اور ان میں ہدایت ہے اور نور ہے اور یہ کہ جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ دے وہ کافر ہے اور ظالم ہے اور فاسق ہے آیات بالا میں قرآن مجید کا تذکرہ فرمایا اور یہ بتایا کہ ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے جو حق لے کر آئی ہے اور اس سے پہلے جو اللہ کی کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرنے والی ہے (کسی یہودی یا نصرانی کو اس سے منحرف ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وہ اپنے سے پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے) اور نہ صرف یہ کہ وہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے بلکہ ان کے مضامین کی نگران بھی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے اور اس سے پہلی کتابیں جو یہود و نصاریٰ کے پاس تھیں ان کو انہوں نے گم کر دیا اور ان کے مضامین کا بھی محافظ ہے جو سابقہ کتابوں میں بیان ہوئے تھے۔ ان کتابوں میں جو مضامین عقائد صحیحہ کے خلاف لوگوں نے شامل کر دیئے تھے اور ان کے جن احکام کو بدل دیا تھا۔ قرآن مجید ان کی تردید کرتا ہے اور جو صحیح عقائد ان میں بیان کئے گئے تھے اور جو احکام بتائے گئے تھے ان میں سے جن احکام کی اس امت کو ضرورت ہے ان کو بیان کرتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔ جیسا کہ اوپر قصاص کے احکام بیان فرمائے اور فرمایا کہ یہ توریت شریف میں مذکور تھے (جو امت محمدیہ کے لئے بھی مشروع ہیں) اسی طرح یہود و نصاریٰ کے عقائد شرکیہ کی تردید فرمائی اور بتایا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے توحید کی دعوت دی تھی اور شرک سے بیزاری کا حکم دیا تھا۔

قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ...... پھر فرمایا فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط کہ جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس کو چھوڑ کر آپ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں اللہ کے فرمان کے مطابق فیصلے کریں اور لوگوں کی خواہشوں کے مطابق فیصلے نہ کریں۔

یہودیوں کا ایک مکر ...... بظاہر یہ خطاب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس کا عموم تمام قضاۃ و احکام کی شامل ہے آپ کو جو خاص کر کے مخاطب فرمایا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ علماء یہود نے باہمی مشورہ سے ایک پروگرام بنایا تھا جو شرارت پر مبنی تھا، کعب بن اسد اور عبد اللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے آپس میں کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلو ہم انہیں ان کے دین سے ہٹانے کا کوئی راستہ نکالیں، یہ لوگ آئے اور انہوں نے آکر کہا کہ اے محمد! آپ کو معلوم ہے کہ ہم یہود کے علماء ہیں اور سردار ہیں اور ان میں ہمارا بڑا مرتبہ ہے اگر ہم آپ کا اتباع کر لیں گے تو تمام یہود آپ کا اتباع کر لیں گے وہ ہمارے خلاف نہ جائیں گے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان کچھ خصومت ہے، ہم آپ کے پاس فیصلہ لے کر آئیں گے سو آپ ہمارے حق میں فیصلہ دینا۔ ایسا کرنے سے ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کر لیں گے آپ نے اس سے انکار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں اور ان سے ڈرتے رہیں اور ہوشیار رہیں کہ وہ اللہ کے بعض احکام سے ہٹا نہ دیں۔ (البیہقی فی دلائل النبوۃ، درمنثور ص ۲۹۰ ج ۲)

یہودیوں کا یہ ایک مکر تھا۔ مقصود اسلام قبول کرنا نہ تھا آپ سے غلط فیصلہ کرانا چاہتے تھے آپ نے صاف انکار فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید فرمائی اور یہ صاف بتا دیا

اس لالچ میں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے حق چھوڑنے کی اجازت نہیں ...... کہ اس لالچ میں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے حق کے چھوڑنے اور غلط فیصلہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں جسے اسلام قبول کرنا ہو وہ حق کے لئے قبول کرے جسے شروع ہی سے حق پر چلنا منظور نہیں وہ بعد میں کیا حق پر چلے گا، جھوٹے مسلمانوں کو اپنا بنا کر اپنی اکثریت ظاہر کرنا یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے، دوسری قومیں جنہیں حق مقصود نہیں سیاسی دنیا میں اپنی ______ اکثریت دکھانے کے لئے غیروں کو بھی اپنوں کی فہرست میں شمار کر لیتی ہیں لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے اسی سے معلوم ہو گیا کہ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اور کافروں کو اپنے قریب لانے کے لئے اور دنیا میں اپنی اکثریت بنانے کے لئے باہمی مشورہ کر کے اسلام کے فلاں حکم کو بدل دو یہ جہالت اور گمراہی کی بات ہے اسی طرح بعض جاہل کہتے ہیں کہ گمراہ فرقے جو اپنے عقائد کی وجہ سے حدود کفر میں جا پڑے ہیں انہیں کافر مت کہو تا کہ اسلام کے ماننے والوں کی نفری کم نہ ہو یہ بھی احمقانہ بات ہے اسلام کو ایسے لوگوں کی بالکل ضرورت نہیں ہے جو اسلام کے مدعی ہیں لیکن عقائد کے اعتبار سے کافر ہیں، اسلام حق بتاتا ہے حق ظاہر کرتا ہے مداہنت کی اجازت نہیں دیتا۔

ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص شریعت مقرر فرمائی ...... پھر فرمایا لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا کہ ہم نے تم میں سے ہر امت کے لئے ایک خاص شریعت اور ایک خاص طریقہ عمل مقرر کر دیا ہے، عقائد تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے مشترک ہیں اور بہت سے احکام اور امر و نواہی کے تحت ہیں اس لئے جس امت نے اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول (علیہ السلام) کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اس نے اللہ ہی کی فرماں برداری کی پچھلی امتوں کو جو بعض احکام دیئے گئے تھے وہ منسوخ ہو گئے توریت شریف کے بعض احکام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے منسوخ فرما دیئے۔ (وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ)

اور توریت و انجیل کے بعض احکام شریعت محمدیہ میں منسوخ ہو گئے جب ہر شریعت اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ مقرر ہے تو اس پر عمل کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہے اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں اللہ کی رضا مندی ہے، دین اور شریعت پر چلنے سے مقصد صرف اللہ کی رضا ہے اور کچھ نہیں جب اللہ راضی ہے تو اختلاف شرائع میں کچھ حرج نہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے گذشتہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور سب سے آخری شریعت یعنی شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو مدار نجات قرار دیدیا تو اب دوسری شریعتوں پر چلنے کی اجازت ختم ہو گئی۔

اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا...... پھر فرمایا **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً** (اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا) **وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ** لیکن اللہ نے ایک ملت بنانا پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ مختلف امتوں کو مختلف شریعتیں عطا فرمائیں تاکہ وہ تمہیں اس دین اور اس شریعت کے بارے میں آزمائے جو تمہیں عطا فرمائی، آزمائش یہ تھی کہ دین پر عمل کرنے والے اللہ کے حکم کے فرماں بردار ہیں یا جس شریعت پر پہلے سے عمل ہو رہا ہے اس شریعت پر جامد ہونا مقصود ہے کیونکہ وہ آباؤ اجداد کی شریعت بن چکی تھی، احکام میں صرف اللہ کی رضا کو دیکھنا ہے نہ کہ باپ دادوں کی نسبتوں کو، جو شخص اللہ تعالیٰ شانہٗ کا فرماں بردار ہے اس کے نفس پر شریعت سابقہ کا چھوڑنا کیسا ہی شاق ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم مانے گا اختلاف شرائع میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ امتداد زمانہ کے اعتبار سے جو عالم میں تغیر احوال ہے اس کے اعتبار سے احکام کا بدلنا مناسب ہوا تا کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے اپنے زمانوں کے احوال کے اعتبار سے احکام الٰہیہ پر عمل کریں لیکن اپنے طور پر کسی حکم کو بدلنے کی اجازت نہیں ورنہ وہ شریعت الٰہیہ نہ رہے گی اور شریعت اسلامیہ کو بدلنے یا منسوخ ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں رہا جو آخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی کیونکہ اس میں قیامت تک آنے والے تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لئے احکام و مسائل موجود ہیں۔

پھر فرمایا **فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ** (کہ نیک کاموں کی طرف آگے بڑھو) اور نیک کام وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نیک عمل قرار دیا **اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ** (اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے پھر وہ ان چیزوں کے بارے میں خبر دے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے)

جزا سزا کے اعتبار سے پتہ چل جائے گا کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون تھا۔ **قال صاحب الروح فالانباء هنا مجاز عن المجازاة لما فيها من تحقق الامر.** (یہاں خبر دینا بدلہ دینے سے مجاز ہے کیونکہ اسی خبر دینے میں معاملہ واضح ہو جائے گا)

پھر فرمایا **وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ** (اور آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اس کے موافق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں) اس میں مکرر حکم دیا کہ اللہ کے نازل فرمودہ احکام کے مطابق فیصلہ دیں اور فیصلہ طلب کرنے والوں کے درمیان ان کی خواہشوں کے مطابق فیصلہ نہ کریں، اس حکم کو دوبارہ بطور تاکید بیان فرمایا۔

احکام الٰہیہ سے اعراض کرنا مصیبت نازل ہونے کا سبب ہے...... پھر فرمایا **فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ط** کہ اگر یہ لوگ اس فیصلہ سے اعراض کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو آپ جان لیں کہ یہ (چونکہ اللہ کی تشریع کو قبول نہیں کرتے اس لئے) ان پر تکوینی طور پر عذاب آنے والا ہے، اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو عذاب دے، ان کے جرم تو بہت سے ہیں، بعض جرموں کی سزا بھی ان کی بربادی اور ہلاکت کے لئے کافی ہے۔ **قال صاحب الروح** (ص ۱۰۰ ج ۲) **وهو ذنب التولى والاعراض فهو بعض مخصوص والتعبير عنه بذلك للايذان بان لهم ذنوبا كثيرة** (یعنی اللہ

تعالیٰ کے ارشاد بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ سے مخصوص گناہ مراد ہے اور وہ انکا احکام الٰہیہ سے اعراض اور گریز کرنا ہے۔ اور یہ تعبیر اختیار کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ گناہ تو ان کے بہت سے ہیں)۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ (اور بلاشبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو فرماں برداری سے خارج ہیں) ان میں سرکشی بڑھی ہوئی ہے کفر پر مصر ہیں ایسے سرکش سزا ہی کے مستحق ہیں۔

آخر میں فرمایا: اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ط وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے کے اعتبار سے ان لوگوں کے لئے اللہ سے اچھا کون ہے جو یقین رکھتے ہیں)

جو لوگ اللہ کے حکم کے خلاف دوسرا حکم تلاش کرتے ہیں ان کی توبیخ کے لئے سوال کے پیرایہ میں ارشاد فرمایا کیا یہ لوگ جاہلیت کے فیصلے کو چاہتے ہیں؟ اللہ کا فیصلہ سامنے ہوتے ہوئے جو اللہ کی کتاب بتا رہی ہے اور جو اللہ کے نبی نے سنایا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے اعراض کر رہے اور ہٹ رہے ہیں جب اللہ کا فیصلہ ماننے سے انکار ہے تو اب کون سا فیصلہ چاہتے ہیں اللہ کے فیصلے کے خلاف تو جاہلیت کا ہی فیصلہ ہے اللہ کے فیصلے کو چھوڑنا اور جاہلیت کے فیصلے کو اختیار کرنا کس لئے ہے؟ کیا جاہلیت کا فیصلہ اللہ کے فیصلے سے اچھا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں! اللہ سے بڑھ کر اچھا فیصلہ دینے والا کوئی نہیں لیکن اس بات کو یقین والے بندے جانتے اور مانتے ہیں،، جن کو کفر ہی پر جمے رہنے کی نیت ہے وہ اللہ کے فیصلہ پر راضی نہیں، جاہلیت کا فیصلہ ہی انہیں مطلوب اور محبوب ہے یہ عجیب احمقانہ بات ہے اور نہایت درجہ منکر قبیح اور شنیع ہے۔

دور حاضر کے نام نہاد مسلمان بھی جاہلیت کے فیصلوں پر راضی ہیں...... گذشتہ آیات میں یہودیوں کی حکم عدولی اور گمراہی کا تذکرہ ہے ان لوگوں نے رجم کے سلسلہ میں توریت کے حکم کو چھوڑ کر زانی اور زانیہ کی سزا اپنے طور پر تجویز کر لی تھی اور قصاص کے حکم کو بھی بدل دیا تھا اللہ کے فیصلے کے بجائے اپنے تجویز کردہ فیصلوں کو بطور قانون کے نافذ کر دیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معلوم کرنے کے لئے اپنے نمائندے بھیجے تو ان سے کہہ دیا کہ تمہارے موافق ہو تو فیصلہ قبول کر لینا اور تمہارے موافق نہ ہو تو اس سے گریز کرنا۔

آج یہی حال ان لوگوں کا ہے جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں اور حکومتیں لئے بیٹھے ہیں اور نہ صرف وہ لوگ جنہیں حکومت مل جاتی ہے بلکہ عوام بھی قرآن کریم کے فیصلوں سے راضی نہیں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو ماننے سے انکاری ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآنی نظام نافذ کرو تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں ان میں سے بہت سے لوگ نمازی بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبت کے دعویدار بھی ہیں لیکن یہ لوگ بھی قرآنی نظام نافذ کرنے اور نافذ کروانے کے حق میں نہیں ہیں۔

یورپین اقوام نے جو قوانین بتائے ہیں ان ہی کے باقی رکھنے کے حق میں ہیں ان پر آیت شریفہ کا مضمون اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ پوری طرح صادق آ رہا ہے۔ مقدمہ لڑاتے ہیں برسوں کیس چلتا ہے۔ دونوں طرف کے وکیل فیس کھاتے رہتے ہیں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور وقت بھی ضائع، معمولی سا حق حاصل کرنے کے لئے کئی کئی گنا مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے پھر بھی جاہلانہ نظام پر راضی ہیں اور اس بات پر راضی نہیں کہ قاضی اسلام کے پاس جائیں گواہ یا قسم کی بنیاد پر قرآن وحدیث کے موافق فیصلہ ہو جائے۔

جاہلانہ قانون کا سہارا لے کر دوسروں کی جائدادیں دبا لیتے ہیں مرحوم باپ کی میراث سے ماں، بہنوں کو محروم کر دیتے ہیں اور طرح طرح سے ضعفاء اور فقراء کے حقوق مار لیتے ہیں ظالمانہ منافع تو قانون اسلام کے نافذ کرنے کی حمایت نہیں کرنے دیتے۔ کافرانہ نظام کا سہارا لیکر اگر دنیا میں کسی کا حق مار لیا تو جب مالک یوم الدین جل جلالہٗ کی بارگاہ میں پیشی ہوگی اس وقت چھٹکارہ کیسے ہوگا؟

نام کے مسلمان لوگوں نے کیا طریقہ نکالا ہے کہ مسلمان بھی ہیں اور اسلام گوارا بھی نہیں، اور عجیب بات ہے کہ جو لوگ قرآن کو

مانتے ہی نہیں ان کو راضی رکھنا بھی مقصود ہے چونکہ ان کی رائے اسلامی نظام کے حق میں نہیں اس لئے قرآن ماننے والے بھی نظام قرآن نافذ کرنے کے حق میں نہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی

يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ

تم میں سے ان سے دوستی کرے تو بلاشبہ وہ ان میں سے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا، سو آپ دیکھیں گے ان لوگوں

فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى

کو جن کے دل میں مرض ہے کہ دوڑ کر ان میں گھسے جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے، سو قریب ہے کہ

اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ؕ

اللہ فتح کو لے آئے گا یا اپنے پاس سے کسی اور چیز کو۔ پھر اس بات پر نادم ہوں گے جو انہوں نے اپنے نفسوں میں چھپائی،

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ

اور اہل ایمان یوں کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خوب مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھائیں کہ وہ ضرور تمہارے ساتھ ہیں

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

ان کے اعمال اکارت ہوگئے جس کی وجہ سے نقصان میں پڑنے والے ہوگئے۔

وقف غفران، وقف لازم، وقف منزل عندالبعض

الثلٰثۃ

یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت

معالم التنزیل ص ۴۴ ج ۲ اور تفسیر ابنِ کثیر ص ۶۸ ج ۲ میں لکھا ہے کہ حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ جو انصار کے قبیلہ خزرج میں سے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہودیوں میں میرے بہت سے دوست ہیں جن کی تعداد کثیر ہے۔ میں ان کی دوستی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسول ہی کی دوستی کو پسند کرتا ہوں اس پر عبداللہ بن اُبی نے کہا (جو رئیس المنافقین تھا) کہ مجھے تو زمانہ کی گردشوں کا خوف ہے جن لوگوں سے میری دوستی ہے (یعنی یہود سے) میں ان سے بیزار نہیں ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ سے لیکر دو آیتیں نازل فرمائیں۔

ترک موالات کی اہمیت اور ضرورت ...... درحقیقت کافروں سے ترک موالات کا مسئلہ بہت اہم ہے، اپنے دین پر مضبوطی سے جمتے ہوئے سب انسانوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا ان کو کھلانا پلانا اور حاجتیں پوری کر دینا یہ اور بات ہے لیکن کافروں کے ساتھ دوستی کرنا جائز نہیں ہے جب دوستی ہوتی ہے تو اس میں دوستی کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں جن میں بعض باتیں ایسی بھی بتانی پڑ جاتی

ہے جن کے بتانے میں مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہواور جس سے مسلمانوں کی حکومت میں رخنہ پڑتا ہواور جس سے مسلمانوں کی جماعت میں ضعف آتا ہو، جو سچے پکے مسلمان ہوتے ہیں وہ کافروں سے دوستی کرتے ہی نہیں اور جن لوگوں کے دل میں ایمان نہیں صرف زبانی طور پر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور دل سے کافر ہیں وہ لوگ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، یہ لوگ اسلام کے نام لیوا بھی بنتے ہیں لیکن چونکہ اندر سے مسلمان نہیں اس لیے کافروں کی دوستی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔ انہیں یہ خوف بھی کھائے جاتا ہے کہ ممکن ہے مسلمان کو غلبہ نہ ہوا گر کھل کر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں تو کافروں سے جو دنیاوی فوائد وابستہ ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے۔

اگر قحط پڑ جائے یا اور کسی کی کوئی تکلیف پہنچ جائے یا اور کوئی گردش آ جائے تو کافروں سے کوئی بھی مدد نہ ملے گی، اس خیال خام میں مبتلا ہو کر نہ سچے دل سے مؤمن ہوتے ہیں نہ کافروں سے بیزاری کا اعلان کرنے کی ہمت رکھتے ہیں، زمانۂ نبوت میں بھی ایسے لوگ تھے جن کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا اس کا قول اوپر نقل فرمایا۔

اور آج کل بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں سے بھی مل کر رہتے ہیں اور کافروں سے بھی تعلق رکھتے ہیں، کافروں کے لئے جاسوسی بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اندرونی حالات انہیں بتاتے ہیں اور خفیہ آلات کے ذریعہ دشمنانِ اسلام کو مسلمانوں کے مشوروں اور ان کی طاقت اور عساکر وافواج کی خبریں پہنچاتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ خالص دنیادار ہوتے ہیں اس لئے نہ اپنی آخرت کے لیے سوچتے ہیں نہ مسلمانوں کی بھلائی کے لئے فکر کرتے ہیں صرف اپنی دنیا بناتے ہیں اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان کیا نفع پہنچائیں گے آڑے وقت اور نازک حالات میں یہود ونصاریٰ ہی سے ہی پناہ مل سکتی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جو شخص ان سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں سے ہے (دوستی کے درجات مختلف ہیں بعض مرتبہ دوستی ایسی ہوتی ہے کہ اسے نباہنے کے لئے ایمان کو چھوڑ دیا جاتا ہے یہ تو سراپا کفر ہے اور فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ کا حقیقی مصداق ہے اور اگر کسی نے ایمان کو چھوڑے بغیر کافروں سے دوستی کی تو اپنی دوستی کے بقدر درجہ بدرجہ انہیں میں سے شمار ہوگا اور یہ کیا کم ہے کہ دیکھنے والے اس دوستی کرنے والے کو کافروں کا ہی ایک فرد سمجھیں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (بلاشبہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا) کافروں سے دوستی کرنا اپنے اوپر اور دوسرے تمام مسلمانوں پر ظلم ہے اور یہ ظلم کرنے والے اپنے خیال میں ہوشیار بن رہے ہیں راہ ہدایت سے منہ موڑے ہوئے ہیں انہیں ہدایت مطلوب ہی نہیں ہے اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا۔

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ ...... منافقوں نے عہد نبوت میں جو یوں کہا تھا کہ اگر ہم یہودیوں سے تعلق نہ رکھیں اور ان سے دوستی ختم کر دیں تو ہمیں ڈر ہے کہ آڑے وقت پر کوئی کام آنے والا نہ ملے گا، اگر اسلام کا غلبہ نہ ہوا اور یہودیوں سے بگاڑ کر بیٹھیں تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے یا اگر کسی قسم کی کوئی گردش آ گئی قحط پڑ گیا مہنگائی ہوگئی تو ساہوکار یہودیوں سے جو امداد مل سکتی ہے اس سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ خالص دنیاداری کا جذبہ ہے ایمانی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر دنیاوی منافع حاصل ہونے کے احتمال پر ایسی بات کہہ گئے۔

اللہ جل شانہٗ نے اہلِ ایمان کو تسلی دی اور فرمایا فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ (سو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح کی صورت پیدا فرما دے یا اور کوئی صورتحال اپنے پاس سے ظاہر فرما دے) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ فتح سے فتح مکہ مراد ہے اور بعض حضرات نے اس سے یہودیوں کی بستیاں خیبر اور فدک کا فتح ہونا مراد لیا ہے اور اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ

اس سے اسلام کا غلبہ مراد ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہودیوں کے قبیلے بنی نضیر کی جلاوطنی مراد ہے جنہیں ۴ھ میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا مکہ معظمہ بھی فتح ہوا خیبر اور فدک کی بستیاں بھی مسلمانوں کے قبضے میں آئیں بنی نضیر کی جلاوطنی بھی ہوئی جن سے منافقوں کو آڑے وقت میں امداد کی امید تھی فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ یعنی جب اسلام کا غلبہ ہوگا اور مسلمانوں کو فتحیابی حاصل ہوگی تو یہ .... منافقین اپنے نفسوں میں چھپائی ہوئی بات پر نادم ہوں گے کہ ہم نے کیا سوچا تھا اور کیا ہوگیا؟ ہم سمجھتے تھے کہ کافروں کی دوستی کچھ کام دے گی لیکن وہ تو کچھ بھی کام نہ آئی، نیز بعد میں ان کا نفاق بھی کھل کر سامنے آ گیا، کافر تو مغلوب ہوئے اور یہ لوگ مسلمانوں کے بھی معتمد نہ رہے یہ بھی ندامت کا سبب ہوا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا (الآیۃ) جب منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آئے گا تو اہل ایمان تعجب سے کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو بڑی مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ان کا باطن تو کچھ اور ہی نکلا، جھوٹے کو جب اپنی بات کو باور کرانا ہوتا ہے تو وہ بار بار بڑی تاکید کے ساتھ قسمیں کھاتا ہے، منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے، سچے کو قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اس کے اعمال اور اخلاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سچا ہے قسموں کے بغیر ہی اس پر اعتماد ہو جاتا ہے منافقوں نے جو نفاق کی چالیں چلیں اور دکھانے کو بظاہر جو نیک اعمال کئے وہ سب اکارت چلے گئے ان سے کچھ فائدہ نہ ہوا اور بھرپور نقصان میں پڑ گئے۔ اسی کو فرمایا حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے سو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو پیدا فرما دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور

يُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ

وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ وہ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر زبردست ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ دیتا ہے جسے چاہے،

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۴ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے، تمہارا ولی بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں،

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝۵۵ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ

اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اس حال میں کہ وہ رکوع کرنے والے ہیں، اور جو کوئی شخص دوست رکھے اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو اور ان لوگوں پر جو

اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۵۶ ع

ایمان لائے سو اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جو گروہ ہے وہی غالب ہونے والا ہے۔

ع ۸ ۱۲

مسلمان اگر دین سے پھر جائیں تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو مسلمان بنا دے گا۔

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اول تو مسلمانوں کو خطاب کر کے یوں فرمایا کہ دین اسلام کا چلنا چمکنا اور آگے بڑھنا کوئی تم پر موقوف نہیں ہے اگر تم مرتد ہو جاؤ یعنی دین اسلام سے پھر جاؤ (العیاذ باللہ) تو اسلام پھر بھی باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو ایمان قبول کریں گے اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں گے۔ یہ لوگ اللہ کے محبوب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہوں گے۔

یہ لوگ اہل ایمان سے تواضع اور نرمی اور مہربانی کے ساتھ پیش آئیں گے اور کافروں کے مقابلہ میں قوت اور طاقت اور عزت اور غلبہ کی شان دکھائیں گے یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے جان و مال کی قربانیاں دیں گے کافروں سے لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

ان لوگوں کی صفات مذکورہ بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا **ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ** کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اس میں ہر دور کے مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ ایمان اور ایمان کے تقاضوں پر چلنے اور اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے کو اپنا ذاتی کمال نہ سمجھیں اور مغرور نہ ہوں یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے جسے چاہے ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت سے نواز دے۔

منت مَنِہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی — شکر خدا کن کہ موفق شدی بخیر
منت شناس از و کہ بخدمت بداشتت — زفضل و انعامش معطل نہ گذاشت

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (اور اللہ بڑی وسعت والا ہے اور بڑے علم والا ہے) وہ جسے چاہے دے اور جتنا دے اسے اختیار ہے اور جسے نعمت ملے وہ شکر گزار ہو یا ناشکرا بنے اسے سب کا علم ہے۔

اہل ایمان کی صفت خاصہ کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں ...... اہل ایمان کی جو صفات بیان فرمائیں اس میں ایک یہ ہے کہ اللہ ان سے محبت فرمائے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے، درحقیقت یہی مؤمن بندوں کی اصل صفت ہے، سورۂ بقرہ میں فرمایا: **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط** (اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے وہ اللہ کی محبت کے اعتبار سے بہت زیادہ سخت ہیں) نیز ارشاد فرمایا **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ** (آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا) جب اللہ سے محبت ہوگی تو لامحالہ اس کے رسول سے بھی محبت ہوگی جن کے اتباع کو محبت کا معیار قرار دیا ہے اللہ کے رسول سے محبت ہوگی تو اللہ کی کتاب سے بھی محبت ہوگی اور ہر اس بندہ سے محبت ہوگی جو صالح بندہ ہو جو اللہ و رسول کا فرماں بردار ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں وہ جس کسی شخص میں ہوں گی ایمان کی مٹھاس محسوس کرے گا ایک خصلت تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوں (اللہ رسول سے جو محبت ہو اس جیسی اور کسی سے محبت نہ ہو) دوسرے یہ کہ جس کسی بندہ سے محبت کرے تو یہ محبت صرف اللہ ہی کے لئے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اللہ نے اسے کفر سے بچا دیا تو اب کفر میں واپس جانے کو ایسا ہی برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۷ ج ۱)

اہلِ ایمان کی دوسری صفت کہ وہ مؤمنوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہیں ...... اہلِ ایمان کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (کہ یہ لوگ ایمان والوں کے لئے نرم اور رحم دل ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں غلبہ اور دبدبہ والے ہوں گے) اس کو سورۂ فتح میں یوں بیان فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (محمد رسول اللہ ﷺ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر اور رحم دل ہیں آپس میں) یہ صفت بھی بہت بڑی ہے اس کے بغیر ایمانی برادری کا اجتماعی مزاج نہیں بنتا اور جاندار وحدت وجود میں نہیں آتی، کافروں کے مقابلہ میں سخت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان پر ظلم کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ کافر یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ لوگ قوی ہیں عزت اور شوکت والے ہیں ان سے ہم مقابلہ نہیں کر سکتے اپنا اجتماعی اور انفرادی طور طریقہ ایسا رکھیں کہ کافر یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ہم سے برتر ہیں قوت میں زیادہ ہیں اس کو سورۂ توبہ میں فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ (اے ایمان والو! ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں) کفر و ایمان کی جنگ تو ہمیشہ رہی ہے اور کافروں سے بیزاری سے ظاہر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ سورۂ ممتحنہ میں ارشاد ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ ط

(تمہارے لئے نیک پیروی موجود ہے ابراہیم میں اور ان لوگوں میں جو ابراہیم کے ساتھ تھے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا ہم بے تعلق ہیں تم سے اور ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم میں اور تم میں ظاہر ہو گئی دشمنی اور بغض ہمیشہ کے لئے جب تک کہ تم ایمان نہ لاؤ اللہ پر جو تنہا ہے)

درحقیقت جب تک کافروں سے برأت اور بیزاری نہ ہو اور ان سے بُغض اور دشمنی نہ ہو اس وقت تک کافروں کی موالات یعنی دوستی کا جذبہ ختم ہو ہی نہیں سکتا۔ گذشتہ آیت میں جو کافروں کو دوست نہ بنانے کا حکم فرمایا ہے اس پر عمل ہونے کا یہی راستہ ہے کہ ان کو دشمن سمجھا جائے جو کافر مسلمانوں کو عملداری میں رہتے ہیں جن کو شریعت کی اصطلاح میں ذمی کہا جاتا ہے اُصولِ شریعت کے مطابق ان سے رواداری رکھی جائے اس طرح جو مسلمان کافروں کے ملک میں رہتے ہیں وہ وہاں کے کافروں سے خرید و فروخت کی حد تک اور اُمورِ انتظامیہ میں (جو شرعاً درست ہوں) میل جول رکھیں لیکن دوستی نہ کریں، آج مسلم ممالک کے حکمرانوں کا یہ حال ہے کہ کافروں سے ان کا جوڑ زیادہ ہے جو لوگ کافر ملکوں کے سربراہ ہیں ان کے سامنے بچھے جاتے ہیں اور جو مسلمان ہیں ان کے ساتھ سختی کرتے ہیں، مسلمانوں کے ایک ملک کے ذمہ دار دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکالتے ہیں اور ان پر قید و بند کی سختیاں کرتے ہیں اور جو کافر اپنے پاس رہتے ہیں ان کو عہدے بھی دیتے ہیں اور ان کی امداد بھی کرتے ہیں بلکہ ان کو راضی کرنے کے لئے قرآن و حدیث کے قوانین جاری کرنے کو راضی نہیں، یہ سب دنیاداری کے تقاضے ہیں قرآن حدیث کی تصریحات کے خلاف ہیں۔

اہلِ ایمان کی تیسری صفت کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ...... اہلِ ایمان کی ایک اور صفت بیان فرمائی يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں لفظ جہاد جُہد سے لیا گیا ہے، عربی زبان میں محنت اور کوشش اور تکلیف اٹھانے کو جہد کہا جاتا ہے اللہ کا دین پھیلانے کے لئے اس کا بول بالا کرنے کے لئے جو بھی محنت اور کوشش کی جائے وہ سب جہاد ہے اور کافروں سے جو جنگ کی جائے وہ بھی جہاد کی ایک صورت ہے اور چونکہ اس میں جان و مال کی قربانی دی جاتی ہے اسلئے اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اسلام

میں جو قتال مشروع ہوا ہے کفر اور شرک کو مٹانے اور نیچا دکھانے کے لئے ہے۔

خالق کائنات جل مجدہٗ کی سب سے بڑی بغاوت اور نافرمانی یہ ہے کہ اس پر ایمان نہ لائیں اسے وحدہٗ لاشریک نہ جانیں اس کے ساتھ عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کی خالقیت اور مالکیت کو سامنے رکھا جائے اور پھر اہلِ کفر کی بغاوت کو دیکھا جائے تو جہاد کی مشروعیت بالکل سمجھ میں آجاتی ہے اللہ تعالیٰ کے باغیوں سے اس کے بندے قتال کریں تو اس پر کیوں طعن کیا جاتا ہے جب ایمان اور کفر کی دشمنی ہی ہے تو اہلِ ایمان دشمن کے خلاف جو بھی کارروائی کریں جو شریعت اسلامیہ کے موافق ہو اسے ظلم کہا جائے گا،

آخر کافر بھی تو مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں ان کو قتل کرتے ہیں ان کی دکانیں جلاتے ہیں ان کے ملکوں پر قبضہ کرتے ہیں اور سالہا سال انہوں نے صلیبی جنگیں لڑی ہیں، مسلمان دشمنی کا جواب دشمنی سے دیتے ہیں تو اس میں اعتراض کا کیا موقعہ ہے؟ مسلمانوں کو دبنگ ہو کر رہنا چاہئے ورنہ اہل کفر دبالیں گے۔

سورۂ توبہ اور سورۂ تحریم میں فرمایا۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ۝

(اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور اُن پر سختی کرو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے)

بعض ملکوں میں مسلمانوں نے کافروں سے اس حد تک دوستی کر رکھی ہے (اور اس کا نام رواداری اور یک جہتی رکھا ہوا ہے) کہ ان کے ساتھ بیٹھ کر حرام چیزیں بھی کھا پی لیتے ہیں اور ان کے مذہبی تہواروں میں شریک ہو جاتے ہیں حد یہ ہے کہ ان کے عبادت خانوں کو بنانے میں ان کی مدد بھی کر دیتے ہیں ایسی رواداری کرنے کی شریعت ہرگز اجازت نہیں دیتی بہت بڑا خطرہ ہے کہ ایسی رواداری کرنے والوں کو ان کی نسلوں کو یہ رواداری کافر نہ بنا دے۔ (والعیاذ باللہ)

اہلِ ایمان کی چوتھی صفت کہ وہ کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے ...... اہلِ ایمان کی ایک صفت یوں بیان فرمائی کہ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے) یہ بھی اہلِ ایمان کی ایک عظیم صفت ہے جب اللہ پر ایمان لے آئے اور اللہ سے محبت کرتے ہیں تو مخلوق کی کیا حیثیت رہ گئی اللہ کے بارے کسی کے برا بھلا کہنے کا خیال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے حکم کی برتری ابھی تک دل میں نہیں بیٹھی۔

یہ سوچنا کہ اگر ہم اسلام پر عمل کریں گے .... سفر حضر میں نماز پڑھیں گے تو کافر برا مانیں گے اذان دیں گے تو کافر کیا کہیں گے اگر ڈاڑھی رکھ لی تو لوگ بری نظروں سے دیکھیں گے کافروں فاسقوں کا لباس نہ پہنا تو سوسائٹی میں برے بنیں گے۔ یہ سب ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے مؤمن کو اس سے کیا مطلب کہ لوگ کیا کہیں گے؟

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنا ہے مؤمن تو اللہ کا بندہ ہے اسی کا فرماں بردار ہے مخلوق راضی ہو یا ناراض، اچھا کہے یا برا اسے اپنے رب کے پسند فرمودہ راستہ پر چلنا ہے۔

اللہ و رسول اہلِ ایمان کے ولی ہیں ...... مؤمنین کی صفات بیان فرمانے کے بعد فرمایا اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ (تمہارا ولی تو بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں)

اہلِ ایمان کی دوستی کو صرف اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کی دوستی میں منحصر فرما دیا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کے علاوہ اہلِ ایمان کا کوئی دوست نہیں ہے، اگر کسی دوسرے کو دوست بنایا تو خطا کریں گے دھوکہ کھائیں گے دنیا و آخرت کا نقصان اٹھائیں گے ساتھ ہی اہلِ ایمان کی دو اہم صفات بھی بیان فرما دیں اور وہ یہ کہ نماز قائم کرتے ہیں (جو جانی عبادت ہے اور ایمان کی سب سے بڑی دلیل ہے) اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو مالی عبادت ہے۔ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ اس کے مفسرین نے کئی معنی نقل کئے ہیں ایک یہ کہ ان میں خشوع اور تواضع کی صفت ہے ان کے دل اللہ کی فرماں برداری کے لئے جھکے ہوئے ہیں اور بعض حضرات نے رَاكِعُوْنَ کا معروف معنی مراد لیا ہے اور وہ یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں معالم التنزیل ص ۴۷ ج ۲ میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے رکوع میں جا چکے تھے وہاں سے ایک سائل گزرا اس نے سوال کیا تو آپ نے رکوع ہی میں اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اتار دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیر کے کام میں سبقت فرمائی اور نماز ختم کرنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کی تعریف فرمائی آیت کا سبب نزول خواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل ہی ہو لیکن الفاظ کا عموم راکعین اور خاشعین اور متواضعین اور تمام زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو شامل ہے۔

احکام القرآن میں علامہ ابوبکر جصاصؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نماز میں تھوڑی سی حرکت کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلی صدقہ کیلئے بھی لفظ زکوٰۃ استعمال کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سورۂ روم میں فرمایا وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (جو بھی زکوٰۃ تم ادا کرو گے جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو سو وہی لوگ ہیں ثواب کو چند در چند کرنے والے)

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی کرنے والے ہی غالب ہوں گے: ...... پھر فرمایا وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (اور جو شخص دوستی کرے اللہ اور اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے سو اللہ کے گروہ کے لوگ ہی غالب ہونے والے ہیں)

اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کریں اور اس تردّد میں رہیں کہ نہ جانے کون غالب ہوتا ہے، اگر کافروں سے دوستی رکھی اور وہ غالب ہو گئے تو یہ دوستی کام دے گی جیسا کہ عبداللہ بن ابی نے کہہ دیا تھا کہ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ (ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آ جائے) اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اللہ کا گروہ ہی غالب ہوگا، جو اللہ کے دین کو زندہ کرنے اور پھیلانے اور بڑھانے کے لئے محنت کرتے ہیں اللہ کے لئے جیتے اور مرتے ہیں یہ لوگ حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت ہیں۔

اللہ پاک کی طرف سے ان کی مدد ہوتی ہے اور ان کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ سورۂ مجادلہ میں فرمایا كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ اللہ لکھ چکا کہ ضرور غالب رہوں گا میں اور میرے رسول، بے شک اللہ زور والا ہے زبردست ہے۔

سورۂ صافات میں فرمایا وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (اور پہلے ہی ہمارا حکم ہو چکا اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے لئے کہ بے شک پیغمبروں ہی کی مدد ہوگی بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہے)

مسلمانوں کی مغلوبیت کا سبب: ...... اہلِ ایمان جب ایمان پر جمے رہیں نافرمانیوں سے بچتے رہیں اللہ پر بھروسہ رکھیں احکام الٰہیہ کے مطابق زندگی گزاریں اور اخلاص کے ساتھ کافروں سے جنگ کریں تو ضرور یہی لوگ غالب ہوں گے کسی بے تدبیری یا معصیت کی وجہ سے کبھی کوئی زک پہنچ جائے تو یہ دوسری بات ہے، آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کبھی کوئی مسلمان کافروں کے ہاتھ سے نہ مارا جائے گا اور

شہید نہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ انجام کار کے طور پر فتح نصرت اور غلبہ اہلِ ایمان ہی کو حاصل ہوگا۔

تاریخ شاہد ہے کہ اہلِ ایمان جب تک ایمان پر قائم رہے اخلاص کے ساتھ کافروں سے لڑتے رہے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے جذبہ سے سرشار رہے عالم میں فتحیابی کے ساتھ آگے بڑھتے رہے قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ان کے جہاد کی وجہ سے پاش پاش ہوئیں بڑے بڑے ممالک ان کے زیرنگیں آگئے اور کفار پیچھے ہٹتے چلے گئے لیکن جب سے اعمال شرعیہ کی پابندی چھوڑی اللہ کی نافرمانیوں پر اتر آئے دنیا کو مقصود بنالیا۔ کافروں کی دوستی کا دم بھرنے لگے تو ان کے قبضہ میں جو ممالک تھے وہ بھی ہاتھ سے نکل گئے اور کافروں نے عالمی ادارے بنا کر مسلمانوں کو ان کا ممبر بنالیا اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دی اور پس پردہ کٹھ پتلی کی طرح انہیں نچا دیا، مسلمان اب بھی صحیح طریقہ پر حزب اللہ کی جماعت بنیں تو اب بھی غلبہ پا سکتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اے ایمان والو! ان کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنالیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تم

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

سے پہلے کتاب دی گئی اور ان کے علاوہ جو دوسرے کافر ہیں ان کو بھی دوست نہ بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں، یہ اس لئے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ

آپ فرما دیجئے! کہ اے اہلِ کتاب تم ہم سے صرف اس لئے ناراض ہوتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ

ہماری طرف اتارا گیا اور جو ہم سے پہلے اتارا گیا، اور ایک یہ بات ہے کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں۔ آپ فرما دیجئے! کیا میں تمہیں وہ طریقہ بتاؤں جو اللہ کے نزدیک سزا کے

مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ

اعتبار سے اس سے زیادہ برا ہے۔ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کر دی اور جن پر اللہ غصہ ہوا اور ان میں سے بعض کو اللہ نے بندر اور سور بنا دیا۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ

جنہوں نے شیطان کی عبادت کی یہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بدترین لوگ ہیں اور سیدھے راستہ سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں

قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾

تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور کفر کی ہی حالت میں نکل گئے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں،

وَ تَرٰی كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ

اور آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے جو گناہ میں اور ظلم اور حرام کھانے میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں ۔ یہ واقعی بات ہے کہ

مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْ لَا یَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ

وہ اعمال برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ کیوں نہیں منع کرتے ان کو درویش اور اہل علم گناہ کی باتیں کرنے سے اور حرام

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

کھانے سے، واقعی وہ کرتوت برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اہلِ کتاب اور دوسرے کفار کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنالیا ہے

ان آیات میں اولاً تو اسی مضمون کا اعادہ فرمایا جو گذشتہ رکوع کے شروع میں تھا کہ کافروں کو دوست نہ بناؤ وہاں یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کو منع فرمایا اور یہاں یہود و نصاریٰ کے ساتھ لفظ وَالْكُفَّارَ کا بھی اضافہ فرمادیا تا کہ دوستی نہ کرنے کی ممانعت تمام کافروں کے بارے میں عام ہو جائے ، یہود اور نصاریٰ اور دوسرے تمام کافر جن میں مشرکین، ملحدین، منافقین ، مرتدین سب داخل ہیں ان سب سے دوستی کرنے کی ممانعت فرمادی، اول تو ان کا کفر ہی دوستی نہ کرنے کا بہت بڑا سبب ہے لیکن ساتھ ہی ان کی ایک اور بدترین حرکت کا بھی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے دین اسلام کو ہنسی اور مذاق اور کھیل بنالیا ہے۔ خاص کر جب نماز کے بلاوے یعنی اذان کی آواز سنتے ہیں تو اس کا مذاق بناتے ہیں۔ ظاہر ہے جب کوئی شخص مسلمانوں کے دین کا مذاق بنائے گا مسلمان کو اس سے دوستی کرنے کا کیا جواز ہوسکتا ہے کافروں کی یہ حرکت نا سمجھی اور بے عقلی پر مبنی تھی اس لئے فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ (یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے)

اہلِ کتاب مؤمنین سے کیوں ناراض ہیں؟...... اس کے بعد فرمایا قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ (الآیۃ) آپ اہلِ کتاب سے فرمادیجئے کہ تم ہم سے کیوں ناراض ہو؟ ہماری کون سی چیز تمہیں ناگوار ہے؟ اور ہم میں کون سا عیب پاتے ہو؟ تمہاری ناگواری کی صرف یہ بات ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اللہ نے جو کتاب ہماری طرف نازل کی اس پر ایمان لائے اور اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں ان پر بھی ایمان لائے ، یہ باتیں ناگواری اور ناراضگی اور عیب کی نہیں ہیں اچھی باتوں کو تم نے ناراضگی کا سبب بنالیا یہ تمہاری حماقت ہے اور دوسرا سبب تمہاری ناراضگی کا یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ کی فرماں برداری سے خارج ہیں (چونکہ ان میں سے معدودے چند افراد ہی نے اسلام قبول کیا تھا اس لئے فرمایا کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں یعنی کفر پر مصر ہیں) مسلمان قرآن پر اور اس سے پہلے کتابوں پر ایمان لائے یہ تو ناراضگی کا سبب نہیں ہوسکتا۔

ہاں ! اہلِ کتاب کا نافرمان ہونا اور اللہ کی فرماں برداری سے ہٹنا اور بچنا یہ مسلمانوں سے ناراضگی کا سبب ہوسکتا ہے اور حقیقت میں کافروں کی ناراضگی کا یہی سبب تھا اور اب بھی ہے، اہلِ کتاب کو اس میں تنبیہ ہے اور ہدایت ہے کہ تم سرکشی سے باز آؤ اور مسلمان ہوکر مسلمانوں میں گھل مل جاؤ۔

اہلِ کتاب کی شقاوت اور ہلاکت:...... پھر فرمایا قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ (الآیۃ) اے اہلِ کتاب تم ہم سے اس لئے ناراض ہو کہ ہم لوگ اللہ پر اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں یہ تو کوئی ناراضگی کی بات نہیں ہے لیکن تم اپنی

حماقت وشرارت اور سرکشی کی وجہ سے اسے برا سمجھتے ہو بالفرض اگر یہ اچھی چیز نہیں ہے تو میں تمہیں اس سے بڑھ کر بری چیز بتاتا ہوں جس میں تمہاری شقاوت اور ہلاکت ہے اور وہ سزا کے اعتبار سے بہت بری ہے غور کرو گے تو تمہاری سمجھ میں آجائے گا کہ جس راہ پر تم ہو وہ راہ بہت بری ہے اور اللہ کے نزدیک اس کا بدلہ بہت برا ہے یہ بری چیز کیا ہے؟ ان لوگوں کے اعمال ہیں جن پر اللہ نے لعنت کر دی اور اپنی رحمت سے محروم کر کے مردود قرار دیدیا اور ان پر غصہ فرمایا اور ان کو بندر اور سور بنا دیا، اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی، ان لوگوں کا یہ طریقہ اس طریقہ سے برا ہے جو ہمارا طریقہ ہے۔ ہمارے طریقہ میں توحید ہے، ایمان ہے، اللہ کی کتابوں پر ایمان ہے اور اس کے نبیوں کی تصدیق ہے جو سراسر خیر اور حق ہے اور تمہارے اندر کفر ہے نبیوں کا انکار ہے اللہ کی کتابوں کی تکذیب ہے اللہ کی نافرمانی ہے اس کا نتیجہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد میں سے جنہوں نے نافرمانی کی ان کو بندر اور سور بنا دیا گیا جس کا تمہیں اقرار ہے۔ ایسے لوگ اللہ کے یہاں بہت برا بدلہ پائیں گے یہ آخرت میں بدترین لوگ ہوں گے ان کی جگہ دوزخ ہے جو بہت بری جگہ ہے اور یہ لوگ دنیا میں سیدھے راستہ سے بہت دور ہیں اس میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے کہ تم مسلمانوں پر ہنستے ہو اور ان کی اذان کا مذاق بناتے ہو۔ ہمارے طریقہ میں تو کوئی بات استہزاء اور مذاق اور گمراہی کی نہیں ہے ہاں تمہارا طریقہ نافرمانی کفر وفسوق کا ہے تمہارے آباؤ اجداد بھی ایسے ہی تھے جنہوں نے کفریہ عقائد اختیار کئے گائے کے بچھڑے کو پوجا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتایا، سنیچر کے دن کی جو تعظیم لازم کی گئی تھی اس کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے بندر بنا دیئے گئے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے سنیچر کے دن کے بارے میں حکم عدولی کی تھی ان میں جوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا تھا۔

منافقوں کی حالت ...... پھر منافقوں کا ذکر فرمایا کہ اے مسلمانو! جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ان کا یہ کہنا جھوٹ ہوتا ہے وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ (وہ داخل ہی ہوئے کفر کے ساتھ اور نکلے بھی کفر کے ساتھ) نہ پہلے مؤمن تھے نہ تمہاری مجلس میں باایمان ہو کر بیٹھے حالت کفر میں آئے ویسے ہی چلے گئے۔ یہ ظاہر میں ایمان والے بنتے ہیں اور دلوں کے اندر کو چھپا رکھا ہے اللہ کو اس بات کا پورا پورا علم ہے جسے وہ چھپائے ہوئے ہیں۔

یہودیوں کی حرام خوری اور گناہگاری ...... یہودیوں کے ہاں حرام کھانے کا بہت رواج تھا اور گناہ بھی بڑھ چڑھ کر کرتے تھے ظلم اور زیادتی میں بھی خوب آگے بڑھے ہوئے تھے سود کا لین دین بھی خوب تھا اور رشوتوں کا بھی خوب چرچا تھا اس کو فرمایا: وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ (آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ گناہ کرنے میں اور ظلم زیادتی میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں اور حرام کھانے میں خوب تیز ہیں) لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (البتہ وہ کام برے ہیں جو وہ کرتے ہیں) ان لوگوں میں اکثر تو عوام تھے اور کچھ لوگ درویش بنے ہوئے تھے اور کچھ لوگ اہل علم تھے، درویشوں اور عالموں کی چونکہ اپنے عوام سے اغراض وابستہ تھیں اور ان سے مال حاصل کرتے تھے اس لئے ان کو گناہوں سے اور سود بیاج اور حرام خوری سے نہیں روکتے تھے اسی کو فرمایا: لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ (کیوں نہیں منع کرتے ان کو درویش اور علماء گناہ سے اور حرام کھانے سے) لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (البتہ برے ہیں وہ کرتوت جو وہ کرتے ہیں)

جھوٹے درویشوں کی بدحالی ...... امت محمدیہ میں جو جھوٹے درویش بنے ہوئے ہیں انہوں نے دنیا حاصل کرنے کے لئے پیری مریدی اختیار کر لی ہے مالداروں میں گھل مل کر رہتے ہیں، جن سے اغراض وابستہ ہیں یا وہ حکومتوں کے ملازم ہیں، ان کے ذریعہ کام نکلتا ہے، ان کی اصلاح کی کوئی فکر نہیں، اپنی ذات کا نفع سامنے رہتا ہے، ایسے درویش اور بعض علماء بھی اسی مصیبت میں مبتلا ہیں کہ حرام کھانے

سے اور حرام کمانے سے اور گناہوں میں مال لگانے سے نہیں روک سکتے۔

جو لوگ قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں طرح طرح سے لوگوں سے مال وصول کرتے ہیں بے نمازی ہیں اور بزرگ بنے ہوئے ہیں ڈاڑھیاں منڈی ہوئی ہیں اور درویشی کے دعویدار ہیں، حلال حرام کی تمیز کے بغیر لوگوں سے سب کچھ وصول کر لیتے ہیں بھلا ایسے لوگ کیا حق بات کہہ سکتے ہیں اور کیا گناہوں سے روک سکتے ہیں؟

ان لوگوں کے ہم مشرب اور ہم مسلک علماء ہیں ان کے مونہوں پر لگامیں ہیں۔ قبروں پر جو عرس ہوتے ہیں ان میں خود شریک ہوتے ہیں اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں فلاں اعمال جو کر رہے ہو یہ شرک اور بدعت ہیں، بلکہ یہ دنیادار علماء اپنے عمل سے اپنے علم کو مشرکانہ مبتدعانہ اعمال کی تائید میں خرچ کرتے ہیں۔ (لا جعلنا اللہ منھم)

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ارشاد ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن کریم میں (درویشوں اور عالموں کی) توبیخ کے لئے اس آیت سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ دیا اور حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ وہ گناہ کرتے تھے اور درویش اور اہل علم انہیں نہیں روکتے تھے جب گناہوں میں بڑھتے چلے گئے تو ان پر عذاب نازل ہو گیا لہٰذا تم امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو اس سے پہلے کہ تم پر وہ عذاب آئے جو ان لوگوں پر آیا تھا اور یہ بات جان لو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے نہ رزق منقطع ہوتا ہے اور نہ موت وقت سے پہلے آتی ہے۔ (ذکرہ ابن کثیر ص ۷۴ ج ۲)

وقف لازم

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ اَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتٰنِ ۙ

اور کہا یہودیوں نے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے، بند ہوئے ان کے ہاتھ، اور ان کے قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا

وہ خرچ فرماتا ہے جیسے چاہے، اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر نازل کیا گیا، وہ ان میں سے بہت سوں کو سرکشی اور کفر کے زیادہ ہونے کا سبب بن

وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوا نَارًا

جائے گا، اور ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔ انہوں نے جب کبھی لڑائی کی آگ جلائی

لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ

اللہ تعالیٰ نے اسے بجھا دیا اور یہ لوگ فساد کے لئے دوڑتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا

اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿۶۵﴾

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے، اور ہم انہیں ضرور نعمتوں کے باغوں میں داخل کر دیتے،

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ

اور اگر وہ قائم کرتے توراۃ کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل ہوا ہے ان پر ان کے رب کی طرف سے تو ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور

وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع ۱۰/۱۲

اپنے پاؤں کے نیچے سے، ان میں ایک جماعت سیدھی راہ اختیار کرنے والی ہے اور ان میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو برے کرتوت کرتے ہیں۔

یہودیوں کی گستاخی اور سرکشی

معالم التنزیل ص ۵۰ ج ۲ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو بہت مال دیا تھا، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو اللہ پاک نے جو مال و دولت دیا تھا اور بڑی مقدار میں جو پیداوار ہوتی تھی اس کو روک دیا، اس پر فنحاص نامی ایک یہودی نے یہ بات کہی کہ اللہ کا ہاتھ خرچ کرنے سے بند ہو گیا، کہا تو تھا ایک ہی شخص نے لیکن دوسرے یہودیوں نے چونکہ اسے اس کلمہ سے نہیں روکا اور اس کی بات کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس میں شامل کر دیا اور اس بات کو یہود کا قول قرار دیدیا۔

ان کی تردید فرماتے ہوئے اول تو یہ فرمایا کہ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ کہ خود یہودیوں کے ہاتھ خیر خیرات سے رکے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی۔

پھر فرمایا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ (بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہے خرچ کرے) یہودی بڑی بے ہودہ قوم تھی انہوں نے ایسی بے ہودگی پر کمر باندھی کہ اللہ تعالیٰ کی شان عالی اور ذات اقدس کے بارے میں بھی نازیبا کلمات کہہ دیئے۔ جب کسی قوم میں ایمان نہ رہے ان کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں وہ اللہ کو مانتے بھی ہیں اور اللہ پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اسے کوئی خرچہ کم نہیں کرتا وہ رات دن خرچ کرتا ہے تم ہی بتاؤ اس نے کتنا خرچ فرمادیا جب سے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا جو کچھ اس کے ہاتھ میں تھا اس میں ذرا بھی کم نہیں ہوا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

کمی ہونے کے ڈر سے اسے ہاتھ روکنا پڑتا ہے جس کے پاس مال محدود ہو اور ختم ہو جانے کا ڈر ہو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ خالق ہے اور مالک ہے اس کے خزانے بے انتہا ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عطائی کلام و عذابی کلام انما امری لشیء اذا ردت ان اقول له کن فیکون .

میرا عطا کر دینا کلام اور عذاب دینا بھی کلام ہے جب میں کسی چیز کا ارادہ کروں تو کن کہہ دیتا ہوں پس وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۵)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیسے سمجھانے کے انداز میں بیان فرمایا کہ جب سے اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اس وقت سے اس نے اپنی مخلوق پر کتنا خرچ کر دیا اس کو سوچو اور غور کرو۔ اتنا خرچ کرنے پر اس کے خزانوں میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا اور خرچ برابر ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا اور ابد الآباد تک اہل جنت پر خرچ ہوگا ایسے خالق و مالک اور داتا کو یہودیوں نے فقیر کہہ دیا جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ذکر فرمایا: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ (البتہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں) انہوں نے جو یہ کہا کہ اللہ کا ہاتھ خرچہ کرنے سے رک گیا، یہ ان کی ضلالت اور سفاہت اور دیدہ دلیری ہے جس کی وجہ سے ملعون قرار دیئے گئے۔

فائدہ...... اللہ تعالیٰ جل شانہٗ مخلوق کی طرح نہیں ہے وہ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے حدیث و قرآن میں جو لفظ ید وغیرہ آیا ہے اس

پر ایمان لائیں کہ اس کا جو مطلب اللہ کے نزدیک ہے ہم اسے مانتے ہیں اور سمجھنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ یہ متشابہات میں سے ہے۔

پھر فرمایا وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا ط (اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر نازل کیا گیا وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر کے زیادہ ہونے کا سبب بن جائے گا) مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو کتاب نازل فرمائی وہ تو ہدایت کے لئے ہے لیکن یہودی اس سے ہدایت حاصل نہیں کر رہے ان میں سے چند لوگ ایمان لائے جن کی تعداد زیادہ نہیں ہے وہی لوگ زیادہ ہیں جو اللہ کی کتاب سے ہدایت لینے کی بجائے اس کو اپنے لیے زیادہ سرکشی اور کفر میں بڑھنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔

حضرت قتادہؒ تابعی نے فرمایا کہ یہودیوں کو حسد کھا گیا انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور عرب سے حسد کیا اور اس وجہ سے قرآن چھوڑا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر ہوئے اور آپ کے دین کو نہ مانا۔ حالانکہ وہ آپ کو اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (درمنثور ص ۲۹۷ ج ۲)

پھر فرمایا وَاَلْقَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (اور ہم نے قیامت تک ان میں دشمنی کو اور بغض کو ڈال دیا) ان میں مختلف فرقے ہیں اور ایک فرقہ دوسرے کا دشمن ہے تا قیامت تک ان کی عداوت اور بغض کا یہی حال رہے گا۔

یہودیوں کا جنگ کی آگ کو جلانا...... پھر فرمایا کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ (کہ جب کبھی انہوں نے لڑائی کی آگ جلائی اللہ نے اسے بجھا دیا) یعنی مسلمانوں کے خلاف تحریک چلاتے رہتے ہیں اور ان سے لڑنے کی تیاریاں کرتے رہتے ہیں لیکن اپنی تیاریوں میں کامیاب نہیں ہوتے یا تو مرعوب ہو کر رہ جاتے ہیں یا مغلوب ہو جاتے ہیں اور شکست کا منہ دیکھتے ہیں یہودیوں نے ہر موقعہ پر شکست کھائی، بنو قریظہ مقتول ہوئے اور بنو نضیر مدینہ منورہ سے خیبر کو جلاوطن کئے گئے پھر خیبر میں بھی ان پر چڑھائی کی گئی اور وہ وہاں مغلوب اور مقہور ہوئے۔

پھر فرمایا وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا (اور یہ لوگ زمین میں فساد کرنے کے لئے دوڑتے ہیں) وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ٥ (اور اللہ دوست نہیں رکھتا فساد کرنے والوں کو) لہٰذا یہ اللہ کے محبوب بندے نہیں ہیں، ان الفاظ میں ہمیشہ کے لئے فسادیوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو فساد فی الارض کے لئے منصوبہ بناتے رہتے اور فساد کرنے کا مشغلہ رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْکِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَکَفَّرْنَا عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاَدْخَلْنٰھُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے اور انہیں ضرور نعمتوں کے باغوں میں داخل کر دیتے) اس میں اہل کتاب کو ترغیب دی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور کفر سے بچیں، ایسا کریں گے تو ہم ان کے سابقہ گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور ایمان نہ لانے اور کفر پر جمے رہنے کی وجہ سے آرام اور چین والی جنتوں سے محروم ہوں گے۔

اللہ کی کتاب پر عمل کرنے سے خوش عیش زندگی نصیب ہوتی ہے...... پھر فرمایا وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ (اور اگر وہ قائم کرتے توریت کو اور انجیل کو اور جو کچھ ان کی طرف سے نازل ہوا ہے ان کے رب کی طرف سے ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے) مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب اگر توریت اور انجیل کے احکام پر عمل کرتے اور اب جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس پر عمل کرتے تو ان کو دنیا میں بھی خوب اچھی طرح نواز دیا جاتا۔

پہلی آیت میں یہ بتایا کہ ایمان لائیں گے تو جنت میں داخل ہوں گے اور اس آیت میں یہ بتایا کہ اگر ایمان لاتے اور احکام الٰہیہ پر عمل

کرتے تو اس کی وجہ سے دنیا میں بھی خوب اچھی طرح نوازے جاتے، اوپر سے بھی کھاتے اور پاؤں کے نیچے بھی نعمتیں پاتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسکا یہ مطلب بتایا کہ ان پر خوب بارشیں برستیں اور زمین سے خوب کھانے پینے کی چیزیں اگائی جاتیں۔

معالم التنزیل ص ۵۱ ج ۲ میں فَرّاء سے نقل کیا ہے کہ اس سے رزق میں وسعت کر دینا مراد ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے محاورہ میں کہتے کہ فلان فی الخیر من قرنه الیٰ قدمه (فلاں شخص سر سے پاؤں تک خیر ہی میں ہے) اس آیت سے اور اعراف کی آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا (الآیۃ) سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ میں لگنے اور گناہوں سے بچنے کی صورت میں (آخرت کی خیر کے ساتھ) بندگانِ خدا میں بھی بھرپور نعمتوں سے نواز دیئے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ (ان میں سے ایک جماعت ہے سیدھی راہ اختیار کرنے والی) چند اہلِ کتاب جو ایمان لے آئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم اس میں ان حضرات کی تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ (اور ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو برے کرتوت کرتے ہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: عملوا بالقبیح مع التکذیب بالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کہ ان لوگوں نے اعمال قبیحہ کیے اور ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب بھی کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ

اے رسول! آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام نہ پہنچایا،

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾

اور لوگوں سے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ نہیں دکھائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا حکم کہ جو کچھ نازل کیا گیا ہے سب کچھ پہنچا دو، اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا

اس آیت شریفہ میں اللہ جل شانہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا اس کو پہنچا دیں، حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپ کے دل میں کچھ گھبراہٹ سی ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ لوگ تکذیب کریں گے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

معالم التنزیل ص ۵۱ ج ۱ اور لباب النقول ص ۹۴ میں حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل کیا ہے کہ جب يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ نازل ہوئی تو آپ نے عرض کیا کہ اے رب! میں یہ کام کیسے کروں گا میں تنہا ہوں لوگ میرے خلاف جمع ہو جائیں گے، اس پر فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ نازل ہوئی مزید فرمایا وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوگئی تو جو حضرات صحابہ آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے ان سے آپ نے فرما دیا کہ آپ لوگ چلے جائیں اللہ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔

حفاظت کرنے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے

پہرہ دینا چھوڑ دیا۔ (لباب النقول ص۹۴)

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ٥ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کو اس کی راہ نہ دکھائے گا کہ وہ قتل کرنے کے لئے آپ تک پہنچیں۔

قال صاحب الروح وفيه اقامة الظاهر مقام المضمر اى لان الله تعالىٰ لا يهديهم الى امنيتهم فيك (ص۱۹۷ ج۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا سی بھی کوئی بات نہیں چھپائی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ سب امت تک پہنچایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جو کوئی شخص تم میں سے یہ بیان کرے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ امور میں سے کچھ بھی چھپایا تو وہ جھوٹا ہے۔ (معالم التنزیل ص۵۱ ج۲)

منٰی اور عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضرین سے سوال ...... آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو عرفات میں خطبہ دیا اس میں بہت سی باتیں بیان فرمائیں اور حاضرین سے فرمایا **وانتم تسئلون عنی فماانتم قائلون** (تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا سو تم کیا جواب دو گے) حاضرین نے عرض کیا۔ نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْبَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ (کہ ہم گواہی دیں گے کہ بلاشبہ آپ نے پہنچایا اور اپنی ذمہ داری کو پورا فرمایا اور امت کی خیر خواہی کی) آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی پھر لوگوں کی طرف جھکائی اور تین بار اللہ پاک کے حضور میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (کہ اے اللہ! تو گواہ ہو جا!) (صحیح مسلم ص۳۹۷ ج۱)

پھر دسویں تاریخ کو منٰی میں آپ نے خطبہ دیا اور حاضرین سے پھر وہی سوال فرمایا اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ خبردار! ٹھیک بتاؤ کیا میں نے پہنچا دیا؟ حاضرین نے کہا کہ نَعَمْ (ہاں آپ نے پہنچایا) پھر آپ نے اللہ پاک کی حضور میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (اے اللہ تو گواہ ہو جا) پھر ساتھ ہی فرمایا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَآئِبَ جو حاضر ہو وہ غائب کو پہنچا دے۔) رواہ البخاری ۲۳۵ ج۱)

قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہٗ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اللہ نے جو بھی کچھ آپ کی طرف نازل فرمایا ہے وہ سب پہنچا دیجئے۔

سورۂ حجر میں ارشاد ہے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کہ آپ خوب کھول کر واضح طور پر بیان فرما دیجئے، آپ نے زندگی بھر اس پر عمل کیا اور حج کے موقعہ پر صحابہ سے دریافت فرمایا کیا میں نے پہنچا دیا سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہاں آپ نے پہنچایا اور سب نے وعدہ کیا کہ اللہ کے حضور میں ہم گواہی دیں گے اور عرض کر دیں گے کہ آپ نے سب کچھ پہنچا دیا۔

روافض کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگانا ...... یہ تو قرآن وحدیث کی تصریحات ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا یہ جاہلانہ اور کافرانہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان فرما دیں لیکن آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ڈر سے اعلان نہیں فرمایا، ان لوگوں کا جھوٹا دعویٰ ہے کہ انہیں حضرات اہل بیت سے محبت ہے۔

جھوٹا اس لئے ہے کہ اہل بیت سے تو محبت کا دعویٰ ہے اور صاحب اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کا حکم نہیں پہنچایا یہ لوگ باستثناء تین چار پانچ حضرات کے تمام صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی تحریف کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم چھپانے کا مجرم بتاتے ہیں، یہ محبت کی عجیب قسم ہے کہ اہل بیت سے محبت ہو اور جس ذات والا

صفات کی وجہ سے اہل بیت سے محبت ہوئی۔ اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ منصب رسالت کی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ (العیاذ باللہ من ہذہ الخرافات والھفوات)

جب اللہ کا نبی ہی مخلوق سے ڈر جائے اور احکام الٰہیہ کو چھپائے اور فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کی خلاف ورزی کرے تو پھر کون حق قائم کرے گا؟ حیرت ہے ان لوگوں پر کہ جس رسول کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ فرمایا۔ اور وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ فرما کر حفاظت کی ضمانت دے دی اس رسول کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ڈر سے اللہ کا حکم چھپالیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اس وعدہ پر آپ کو بھروسہ نہیں تھا (والعیاذ باللہ) ایک ادنیٰ مؤمن بھی اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول کو اللہ پر بھروسہ نہ ہو اور اللہ کے وعدہ کو سچ نہ سمجھا ہو؟ پھر یہ عجیب بات ہے کہ جن کی خلافت بلا فصل کے یہ لوگ مدعی ہیں جب چھبیس سال کے بعد انہیں خلافت ملی تو انہوں نے تو یہ نہ کہا کہ میں خلیفہ بلافصل تھا مجھ سے خلافت چھین لی گئی یہ ان کے خواہ مخواہ کے حمایتی ان کو بھی مطعون کرتے ہیں کہ باوجود شجاع اور بہادر ہونے کے حضرات ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم سے ڈرتے رہے اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور ان کے مشوروں میں شریک ہوتے رہے۔ اللہ جل شانہٗ ان جھوٹے حمایتوں کے عقائد اور مکائد اور خیالات اور خرافات سے محفوظ رکھے۔ ولقد صدق اللہ تعالیٰ حیث قال اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ○

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں ہو یہاں تک کہ توریت کو اور انجیل کو اور اس چیز کو قائم کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

اور ضرور ضرور ان میں سے بہت سوں کی سرکشی کو اور کفر کو وہ مضمون زیادہ کردے گا جو آپ کی طرف نازل کیا گیا، سو آپ کافر قوم

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

پر افسوس نہ کیجئے، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور فرقہ صابئین اور نصاریٰ ان میں سے جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن

الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ

پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ بلا شبہ ہم نے

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا

بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور انکی طرف ہم نے رسول بھیجے جب بھی کوئی رسول انکے پاس ایسا حکم لے کر آیا جو ان کی خواہشوں کے موافق نہیں تھا تو انہوں نے نبیوں کی ایک

كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ

جماعت کو جھٹلا دیا اور ایک جماعت کو قتل کر دیا، اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ

عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

فرمائی پھر ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھتا ہے جن کو وہ کرتے ہیں۔

یہودیوں کی سرکشی اور کج روی کا مزید تذکرہ

تفسیر درمنثور ص ۲۹۹ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کیا آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آپ دینِ ابراہیمی پر ہیں اور توریت پر بھی آپ کا ایمان ہے آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! یہ بات ٹھیک ہے (ان لوگوں کا یہ مطلب تھا کہ ہم بھی دینِ ابراہیمی پر ہیں اور آپ کی گواہی کے مطابق توریت شریف بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے لہٰذا ہم حق پر ہوئے) آپ نے جواب میں فرمایا کہ تم نے دین ابراہیمی میں اپنے پاس سے بہت سی نئی چیزیں نکال لی ہیں اور توریت میں جو تم سے عہد لیا گیا تھا تم اس کے منکر ہو گئے ہو اور تمہیں جس چیز کا بیان کرنے کا حکم دیا گیا تھا اسے تم چھپا رہے ہو، اس پر انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اسے مانتے ہیں اور ہم ہدایت پر ہیں اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا اتباع نہیں کرتے۔

اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ (اخیر تک) نازل فرمائی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اہلِ کتاب سے فرما دیجئے کہ تم کسی ایسے دین پر نہیں جو اللہ کے نزدیک معتبر ہو جب تک کہ تم توریت اور انجیل کے احکام اور ارشادات پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو اور جب تک کہ اس پر ایمان نہ لاؤ جو تمہارے رب کی طرف سے بواسطہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر نازل کیا گیا، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر ایمان لانا توریت اور انجیل کے فرمان کے مطابق ہے۔ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ اگر تم نے توریت اور انجیل کے بعض احکام کو مانا اور بعض کو نہ مانا تو اس طرح سے توریت اور انجیل پر بھی تمہارا ایمان نہیں ہے اور جو تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ دعویٰ غلط ہے اور تم جس دین پر ہو وہ آخری نبی کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا کہ یہ لوگ قرآن سے ہدایت لینے والے نہیں بلکہ قرآن کا نازل ہونا، ان کے لئے اور زیادہ سرکشی کرنے اور کفر میں ترقی کرنے کا باعث بنے گا، ان میں سے بہت سے لوگوں کا یہی حال ہے، بجز چند افراد کے جو ایمان لے آئے تھے۔ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (آپ کافر قوم پر رنج نہ کریں) جس کو ایمان قبول کرنا نہیں ہے وہ قبول نہ کرے گا رنج کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

صرف ایمان اور عملِ صالح ہی مدارِ نجات ہے ...... پھر فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى (الآیۃ) (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہیں اور جو فرقہ صابئین ہے اور جو نصاریٰ ان میں سے جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے) اس طرح کی آیت سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکی ہے (دیکھو آیت ۶۲) وہاں آیت کی پوری تفسیر لکھ دی گئی ہے وہاں یہود نصاریٰ اور صابئین کا تعارف بھی کرا دیا گیا ہے سورۂ بقرہ میں اور یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنا یہ قانون بیان فرمایا ہے کہ جو بھی کوئی شخص اعتقادیات اور اعمال میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمودہ طریقہ کی اتباع کرے گا خواہ وہ شخص پہلے سے کیسا بھی ہو وہ اللہ کے ہاں مقبول ہوگا۔ نزول قرآن کے بعد اللہ کی پوری اطاعت قرآن کے ماننے میں اور دین اسلام کے قبول

کرنے ہی میں منحصر ہے اس لئے مسلمان ہی وہ قوم ہیں جنہیں کوئی خوف نہیں اور وہ غمگین نہ ہوں گے۔ بحیثیت اعتقاد تو یہ لوگ صحیح راہ پر ہیں ہی گناہوں کی وجہ سے گرفت ہو جائے تو وہ دوسری بات ہے بظاہر قانون بیان کرنے میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو مسلمان ہیں ہی لیکن اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے اضافہ کرنے سے ایک خاص بلاغت پیدا ہوگئی اور یہ بتادیا کہ کسی پر ہماری عنایت ذاتی خصوصیت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ صفت موافقت کی وجہ سے ہے اس کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کوئی حاکم وقت یوں اعلان کرے کہ ہمارا قانون سب کے لئے عام ہے مخالف ہو یا موافق جو موافق ہے وہ موافقت کی وجہ سے مورد عنایت ہے اور مخالف بھی اگر مطیع ہو جائے تو وہ بھی مورد عنایت ہو جائے گا

بنی اسرائیل کی عہد شکنی ...... اس کے بعد فرمایا لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (الآیۃ) کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے، ان کا یہ طریقہ رہا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو دین پیش کرتے تھے اس دین میں سے جو حصہ نفس کو نہیں بھاتا تھا اور اچھا نہیں لگتا تھا اس سے اعراض کرتے تھے، اور اس ناگواری کے باعث بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلا دیا اور بہت سوں کو قتل کر دیا یہ مضمون سورۂ بقرہ کی آیت اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ میں بھی گزر چکا ہے، ایمان کی شان یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو بھی حکم دیا جائے اور جو قانون نافذ کیا جائے اس کو بشاشت کے ساتھ قبول کیا جائے، نفسوں کو گوارا ہو یا ناگوار ہو، نفس کے مطابق ہوا تو مانا اور نہ ماننے سے انکار کر دیا اور داعیوں کے دشمن ہو گئے یہ ایمان کی شان نہیں، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم بات سنیں گے اور حکم مانیں گے تنگ دستی میں اور خوشحالی میں اور نفسوں کی خوشی میں اور ناگواری میں۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۴۵ ج ۲)

پھر کسی حکم میں اگر نفس کو تکلیف ہوتی ہے تو اس پر اجر بھی تو زیادہ ملتا ہے سردیوں میں اچھی طرح وضو کرنا نیند قربان کر کے نماز کے لئے اٹھنا نفس کی ناگواری کے باوجود، زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا، دشمنان دین سے لڑنا، گناہوں سے بچنا یہ سب چیزیں نفسوں کے لئے ناگوار ہیں لیکن ان میں اجر و ثواب بھی زیادہ ہے۔ نفس کے مطابق ہوا تو مانا اور اگر خلاف نفس ہوا تو نہ مانا یہ تو نفس کی بندگی ہوئی اللہ کے نیک بندے تو اللہ کی رضا تلاش کرتے ہیں نفس کی خواہشات کے پیچھے نہیں چلتے۔

بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا سورۂ بقرہ میں اس کے بارے میں ارشاد ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ. یہ عہد ان سے توریت شریف پر عمل کرنے کے لئے لیا گیا تھا، نیز سورۂ بقرہ ہی میں آیت ۸۳ اور آیت ۸۴ میں بھی بعض عہدوں کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا (الآیۃ) (اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، دوبارہ پھر اندھے اور بہرے ہو گئے)

بنی اسرائیل کی طغیانی اور سرکشی بیان فرمانے کے بعد ان کے اس گمان بد کا تذکرہ فرمایا کہ نہ کوئی ہماری گرفت ہوگی نہ کوئی عذاب ہوگا انہیں یہ خیال یا تو اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت میں دیر ہوگئی اور یا اس لئے کہ وہ اپنے کو اللہ کا محبوب سمجھتے تھے جب یہ خیال ہو گیا تو اور زیادہ شرارت اور معصیت پر اتر آئے اور اندھے بہرے بن گئے نہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات و دلائل کو دیکھ کر متاثر ہوئے اور نہ حق سنا اور نہ حق کی طرف متوجہ ہوئے۔

اس سرکشی میں چلتے رہے پھر اللہ پاک نے ان پر توجہ فرمائی بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا لیکن وہ پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے ان میں سے بہت سوں کا یہی حال رہا۔ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ٥ اور اللہ ان کے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔ بنی اسرائیل کے فساد

اور اتار چڑھاؤ کا تذکرہ سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

بلا شبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے، بلاشبہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ

وقف لازم

ہے، اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں، بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے حالانکہ ایک

اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ

معبود کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اگر اس بات سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور ان لوگوں کو جو ان میں کفر ہی پر جمے رہیں دردناک عذاب

اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ

پہنچ جائے گا، کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں چاہتے، اور اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔ نہیں ہے مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ

ابن مریم مگر ایک رسول، ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں سچی ہے، وہ دونوں

الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ

کھانا کھاتے تھے، دیکھ لیجئے! ہم کیسے ان کے لئے دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھئے کہ وہ لوگ کہاں الٹے جا رہے ہیں، آپ فرما دیجئے کیا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے، اور اللہ تعالیٰ سننے والا، اور جاننے والا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا

آپ فرما دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں ناحق کا غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے

مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝

ع ۱۰ / ۱۱ / ۱۴

بہت سوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بہک گئے۔

نصارٰی کے کُفر وشرک اور غُلو کا بیان

ان آیات میں نصارٰی کی گمراہی اور ان کا کفر وشرک اور غلو بیان فرمایا ہے، نصارٰی کے کئی فرقے تھے ان میں سے ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ اللہ اور مسیح ابن مریم ایک ہی ہیں یعنی وہ حلول کے قائل تھے یہ بھی سراسر کفر ہے، خالق کا مخلوق میں حلول ماننا اور اتحاد کا قائل ہونا بہت بڑی گمراہی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اسی شخصیت کو خدا بتا رہے ہیں جس نے واضح طریقہ پر بنی اسرائیل سے فرمادیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے وہ تو فرمارہے ہیں کہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے اور ان سے عقیدت کا اظہار کرنے والے ان کو عین خدا بتا رہے ہیں، نیز حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام نے یہ بھی اعلان فرمادیا تھا کہ جو بھی کوئی شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ اس پر جنت کو حرام فرمادیگا، نصارٰی نے شرک اختیار کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو عین خدا بتا کر ان کے لئے خدائی خصوصیت تجویز کردیں اور ان کو معبود بھی ماننے لگے، شرک ظلم عظیم ہے ظالموں کے لئے قیامت کے دن کوئی مددگار نہ ہوگا۔

نصارٰی کی ایک جماعت کا یہ کہنا تھا کہ تین معبود ہیں ان میں سے ایک معبود اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم بنت عمران علیہما الرحمۃ بھی معبود ہیں، اللہ جل شانہٗ نے انکا قول نقل فرما کر اول تو ان کی تردید فرمائی وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (اور ایک معبود کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے) اور پھر فرمایا وَاِنْ لَّمْ یَنْتَھُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ٥ (اگر یہ لوگ اپنے قول سے باز نہ آئے تو ان میں سے جو لوگ کفر پر جمے رہیں گے ان کے لئے دردناک عذاب ہے) (جو لوگ توبہ کرلیں گے ایمان لے آئیں گے وہ عذاب سے مستثنیٰ ہیں) پھر فرمایا اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ (کیا یہ اپنے عقائد باطلہ کو چھوڑ کر اللہ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں چاہتے) یعنی انہیں کفریہ عقائد پر برابر اصرار ہے ان عقائد کو چھوڑیں اور اللہ کے حضور میں توبہ کریں، اور مغفرت طلب کریں اگر ایسا کریں گے تو اللہ مغفرت فرمادے گا اللہ غفور ہے رحیم ہے کافر و مشرک توبہ کرے اور ایمان قبول کرے جو اللہ کے یہاں معتبر ہے تو اس کی بھی بخشش ہوجاتی ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہدہ...... اس کے بعد حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کا عہدہ بتایا کہ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ (کہ مسیح ابن مریم صرف رسول ہیں) رسول وہ ہوتا ہے جو پیغام لے کے آئے، اللہ کے رسول مخلوق کی طرف اللہ کا پیغام لے کر آتے تھے اور ان کا بہت بڑا منصب اور عہدہ تھا جو ان کے لئے بہت بڑی فضیلت کا باعث تھا اللہ تعالیٰ نے جو پیغام بھیجے وہ پیغام لے کر آئے اور مخلوق تک پہنچادیئے۔

ظاہر ہے کہ ان میں ایک دوسرے کا عین نہیں ہوسکتا یعنی ایک ہی ذات نہیں ہوسکتے، پیغام بھیجنے والا وحدہ لاشریک ہے جس کو اس نے پیغام دے کر بھیجا وہ پیغام بھیجنے والے کی خدائی میں کیسے شریک ہوسکتا ہے؟ جیسے دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور خدا کی الوہیت میں شریک نہیں تھے ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے، ہر نبی اللہ کا بندہ ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کا بندہ ہونے ہی کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام صدیقہ تھیں...... اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ اور ان کی والدہ خوب زیادہ سچی تھیں انہوں نے اللہ کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی (وَصَدَّقَتْ بِکَلِمٰتِ رَبِّھَا وَکُتُبِهٖ) صدق اور تصدیق اور زہد و عبادت کی وجہ سے کوئی مرد و عورت معبود نہیں ہوجاتا نہ کوئی شخص بغیر باپ کے پیدا ہوجانے سے عبادت کا مستحق ہوجاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستحق عبادت نہیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام مستحق عبادت نہیں وہ تو بغیر ماں اور

باپ کے پیدا ہوئے تھے، معجزات کی وجہ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام معبود نہیں ہو سکتے ان کے علاوہ بھی دیگر انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوئے تھے ان سے یا کسی نبی سے جو معجزہ صادر ہوا وہ صرف اللہ کے حکم سے تھا جس کو بِـاِذْنِ اللّٰہِ بتا کر سورۂ آل عمران میں بیان فرمایا ہے۔ ان معجزات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی خدائی میں شریک ماننا اور عبادت کا مستحق سمجھنا سراسر حماقت اور ضلالت اور جہالت ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام دونوں کھانا کھاتے تھے ...... پھر فرمایا کَـانَـا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ (عیسیٰ اور ان کی والدہ کھانا کھاتے تھے) مطلب یہ ہے کہ نصاریٰ نے جو حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ علیہا السلام کو معبود مانا ان کی بے وقوفی اور جہالت اور ضلالت اسی سے ظاہر ہے کہ جسے اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے کھانا کھانے کی ضرورت ہوا سے معبود بنا بیٹھے، معبود تو وہ ہے جو کسی کا محتاج نہیں اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جو دوسرے کا محتاج ہو اور جسے روٹی پانی کی ضرورت ہے وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

پھر فرمایا اُنْـظُرْ کَیْفَ نُبَیِّنُ لَھُـمُ الْاٰیٰتِ (آپ دیکھ لیجئے ہم ان کے لئے کس طرح آیات بیان کرتے ہیں) طرح طرح سے سمجھاتے ہیں دلائل پیش کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنے عقائد شرکیہ سے باز نہیں آتے ثُـمَّ انْـظُـرْ اَنّٰی یُؤْ فَکُوْنَ (پھر دیکھ لیجئے! وہ کس طرح ہٹائے جارہے ہیں) حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جاتے ہیں دلائل اور حقائق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

جو شخص نفع و ضرر کا مالک نہ ہو اس کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ ...... اس کے بعد فرمایا قُـلْ اَتَـعْـبُـدُوْنَ مِـنْ دُوْنِ الـلّٰـهِ مَـالَایَـمْـلِکُ لَـکُـمْ ضَرًّا وَّلَانَفْعًا ط (آپ فرما دیجئے! کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لئے ضرر اور نفع کا مالک نہیں) یہ نصاریٰ کو خطاب ہے لیکن الفاظ کا عموم تمام مشرکین کو شامل ہے، حضرت عیسیٰ ہوں یا ان کی والدہ ہوں یا ان کے علاوہ مخلوق میں سے کوئی بھی شخصیت ہو نبی ہو یا ولی ہو کوئی بھی کسی کیلئے نفع نقصان کا مالک نہیں نفع ضرر اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ اور قدرت میں ہے جب تمام انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام اور دیگر تمام انسان و جنات اور فرشتے بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں تو بت نفع ضرر کے کیسے مالک ہوں گے؟ جو ضرر اور نفع کا مالک ہے اسے چھوڑ کر غیروں کی عبادت کرنا سراسر کفر ہے اور خلاف عقل بھی ہے۔

سورۂ یونس میں فرمایا وَلَاتَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَایَنْفَعُکَ وَلَایَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ٥ (اور مت پکار اس کو جو تجھے نہ نفع دے نہ ضرر دے سو اگر تو ایسا کرے تو اس وقت تو ظالموں میں ہو جائے گا) پھر فرمایا وَاللّٰهُ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) وہ ہر زور کی اور آہستہ والی آواز کو سنتا ہے سب کے اعمال کو جانتا ہے ہر ایک کے احوال سے باخبر ہے، وہ سب کو اعمال کے مطابق جزا سزا دے گا۔

اہل کتاب کو غلو کرنے کی ممانعت ...... اس کے بعد اہل کتاب کو غلو فی الدین سے بچنے کا حکم فرمایا، ارشاد ہے قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لَاتَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ (آپ فرما دیجئے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو) اہل کتاب نے اپنے دین میں غلو کر رکھا تھا، حد سے زیادہ بڑھ جانے کو غلو کہتے ہیں اور یہ غلو ناحق ہوتا ہے کیونکہ حق کی حد کے اندر رہنا ہی حق ہے۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اتنا آگے بڑھایا کہ خدا اور خدا کا بیٹا بنا دیا اور ان کی والدہ کو بھی معبود مان لیا۔ اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا حالانکہ خالق اور مخلوق میں رشتہ نہیں ہو سکتا اور کوئی مخلوق معبود بھی نہیں ہو سکتی، ان لوگوں نے دین میں غلو کر دیا۔ اور وہ باتیں دین میں داخل کر دیں جو اس دین میں نہ تھیں۔ جو دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطہ سے ان کے پاس آیا تھا چونکہ دین میں غلو اپنی ذاتی خواہشوں سے ہوتا ہے اس لئے فرمایا وَلَاتَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ (اور ان لوگوں کی خواہشات کا

اتباع نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں) انہوں نے اپنی خواہشات کو سامنے رکھا اور دین میں غلو کیا تم ان کی پیروی نہ کرو اور دین میں غلو نہ کرو۔

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود ونصاریٰ کے اکابر نے اپنی ذاتی خواہشوں اور رائیوں کے مطابق اپنے دین کو بدل دیا تھا اور اس میں عقائد باطلہ تک شامل کر دیئے تھے خود بھی گمراہ ہوئے وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا (اور بہت سوں کو گمراہ کیا) پھر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی حق واضح ہوتے ہوئے گمراہی پر جمے رہے۔ وَضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ (اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے)

اُمّتِ محمدیہ کو غلو کرنے کی ممانعت...... دین میں غلو کرنا امتوں کا پرانا مرض ہے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ کہیں آپ کی امت بھی اس مرض مہلک میں مبتلا نہ ہو جائے، آپ نے فرمایا **لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم فانما انا عبدہ فقولوا عبد اللّٰہ ورسلہ.**

یعنی میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا، میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں، میرے بارے میں یوں کہو عبداللّٰہ ورسولہ (کہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں)۔ (رواہ البخاری ص ۴۹۰ ج ۱)

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ کو دیکھیں اور پھر ان لوگوں کو دیکھ لیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام خدائی اختیارات سونپ دیئے جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور قرآن کی تصریحات کے باوجود آپ کی بشریت کے منکر ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس عقیدہ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت بڑی محبت کرنے والے بن گئے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (آپ فرما دیجئے کہ میرا رب پاک ہے میں نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول) ایک عالم نما جاہل نے تو غضب ہی کر دیا سورۂ کہف کی آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے بارے میں کہہ دیا کہ اس میں ما نافیہ ہے اپنے خیال میں بہت دور کی کوڑی لائے لیکن انہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ اِنَّ جملہ مثبتہ کی تحقیق کے لئے آتا ہے جملہ منفیہ کے لئے نہیں آتا۔

صحیح بخاری ص ۱۰۶۵ میں ہے کہ آپ نے فرمایا انما انا بشر کہ میں ایک بشر ہی ہوں، اللہ جل شانہٗ تو آپ سے فرمائیں کہ اپنے بارے میں اعلان کر دیں کہ تمہارا جیسا...... بشر ہوں لیکن محبت کے دعویدار کہتے ہیں کہ نہیں آپ بشر نہیں تھے یہ عجیب قسم کی محبت ہے ان میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ میں ظاہر میں بشر ہوں یہ لفظ ظاہراً اپنی طرف سے بڑھایا گیا ہے ان لوگوں کے نزدیک قرآن میں تحریف ہو جائے تو کچھ حرج نہیں مگر ان کی بات کی پچ باقی رہے۔ (العیاذ باللہ)

قرآن مجید میں فرمایا ہے یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ط (وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کے جواب میں کہہ دیجئے اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے اس کا وقت وہی اسے ظاہر فرمائے گا) اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ قیامت کے آنے کا وقت صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔ لیکن حُبِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دعویدار کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متعین طریقہ پر قیامت کے وقت کا بھی علم تھا۔ یہ عجیب محبت ہے جو قرآن کی تصریحات کے خلاف عقیدہ رکھنے پر آمادہ کر دے ملا علی قاریؒ اپنی کتاب الموضوعات الکبیر میں لکھتے ہیں **وقد جاھر بالکذب بعض من یدعی فی زماننا العلم وھو متشبع بمالم یعط ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یعلم متی تقوم الساعۃ**

(یعنی ہمارے زمانے میں بعض ایسے لوگ ہیں جو علم کے دعویدار ہیں حالانکہ ان کے پاس علم نہیں ہے انہوں نے صاف صریح جھوٹ

بولا اور یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ قیامت کب قائم ہوگی)

جس طرح عقائد میں محبت کے دعویداروں نے غلو کیا ہے اسی طرح سے مرنے جینے سے متعلق بہت سی رسمیں اپنی طرف سے تجویز کر کے دین میں داخل کر دیں اپنی رسموں اور بدعتوں کو جاری رکھنے کے لئے اپنی طرف سے حدیثیں بھی تراش لیتے ہیں اور خالص شرکیہ افعال کو دین کا جزو بنائے ہوئے ہیں۔ (اَعاذَنَااللّٰہُ من خرافاتھم)

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر تھے وہ ملعون ہوئے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبان پر، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا

نافرمانی کی اور وہ زیادتی کرتے تھے، یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا، واقعۃً برے تھے وہ افعال جو

يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ

وہ کرتے تھے، تو ان میں سے بہت سوں کو دیکھے گا کہ ان لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا واقعۃً برے ہیں وہ افعال جو ان کی جانوں نے آگے

اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ

بھیجے یہ کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں، اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور نبی پر

اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

اور اس پر جو اتارا گیا ہے نبی کی طرف تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن بہت سے لوگ ان میں سے فرمانبرداری سے خارج ہیں۔

معاصی کا ارتکاب کرنے اور منکرات سے نہ روکنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کی ملعونیت

ان آیات میں بنی اسرائیل کی ملعونیت اور مغضوبیت بیان فرمائی ہے اور ان کی بداعمالیوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ان بداعمالوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو گناہ کے کام سے نہیں روکتے تھے، تفسیر ابن کثیر میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا وہ لوگ گناہوں سے باز نہ آئے پھر یہ منع کرنے والے ان کے ساتھ مجلسوں میں اٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے (اور اس میل جول اور تعلق کی وجہ سے انہوں نے گناہوں سے روکنا چھوڑ دیا) لہٰذا اللہ نے بعض کے دلوں کو بعض پر مار دیا یعنی یکساں کر دیا اور ان کو داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبانی ملعون کر دیا۔

پھر آیت بالا کا یہ حصہ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ پڑھا، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے بیٹھے تھے آپ تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (اپنی ذمہ داری سے اس وقت تک سبکدوش نہ ہوگے) جب تک گناہ کرنے والوں کو منع کر کے حق پر نہ لاؤ گے۔ (ص۸۲ ج۲)

سنن ابی داؤد ص۲۴۰ ج۲ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سب سے پہلے جو بنی اسرائیل میں نقص وارد ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے سے ملاقات کرتا تھا (اور اسے گناہ پر دیکھتا تھا) تو کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے

ڈراور یہ کام چھوڑ دے کیونکہ وہ تیرے لئے حلال نہیں ہے، پھر کل کو ملاقات کرتا اور گناہ میں مشغول پاتا تو منع نہ کرتا تھا، کیونکہ اس کا اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے میں شرکت کرنے والا آدمی ہوتا تھا سو جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ نے ان کے قلوب کو آپس میں ایک دوسرے پر مار دیا۔ یعنی یکساں بنا دیا پھر آپ نے آیت بالالُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے فَاسِقُوْنَ تک تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ خوب اچھی طرح سمجھ لو اور اللہ کی قسم! (تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ) امر بالمعروف کرتے رہو اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالم کا ہاتھ پکڑتے رہو اور اسے حق پر جماتے رہو (برائی سے) اس سے برائی چھڑا دو۔

نیز سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ عام عذاب لے آئے جس میں سب مبتلا ہوں گے نیز سنن ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص کسی قوم میں گناہ کرنے والا ہو اور جو لوگ وہاں موجود ہوں قدرت رکھتے ہوئے اس کے حال کو نہ بدلیں یعنی اس سے گناہ کو نہ چھڑائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی موت سے پہلے ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔

امت محمدیہ میں نہی عن المنکر کا فقدان ...... یہ نقص جو بنی اسرائیل میں تھا دورِ حاضر کے مسلمانوں میں بھی ہے گناہوں سے روکنے کی قدرت ہوتے ہوئے گناہوں پر نہیں ٹوکتے، گناہگاروں سے ملتے جلتے ہیں ان سے تعلق رکھتے ہیں اور تعلقات کشیدہ ہونے کے ڈر سے ان کو گناہ سے نہیں روکتے، خالق مالک جل مجدہٗ کی ناراضگی کا خیال نہیں کرتے اور مخلوق کی ناراضگی کا خیال کرتے ہیں کہ اسے گناہ سے روک دیا تو یہ ناراض ہو جائے گا۔

بنی اسرائیل کے اسی طرز کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ کہ برا ہے وہ عمل جو وہ کرتے تھے۔ بنی اسرائیل والے طریقے مدعیان اسلام نے بھی اپنا لئے اسی لئے دنیا میں عام عذاب اور عقاب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔

مشرکین مکہ سے یہودیوں کی دوستی ...... پھر فرمایا وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (تو ان میں بہت سوں کو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ص ۲۱۳ ج ۷ کہ اس سے کعب بن اشرف اور دوسرے یہودی مراد ہیں جنہوں نے مشرکین مکہ سے دوستی کی تھی (جن کو خود بھی کافر کہتے تھے) یہودیوں کی جماعت مکہ معظّمہ پہنچی اور انہوں نے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق پر جانتے ہوئے آپ پر ایمان نہ لائے، مشرکوں سے دوستی کرنے کو پسند کیا)

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ (البتہ وہ عمل برے ہیں جو انہوں نے اپنے آگے بھیجے) اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (اور وہ اعمال ایسے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا) وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ (اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے) پھر فرمایا وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ (آیۃ) (اور اگر یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس چیز پر ایمان لاتے جو آپ پر نازل کی گئی تو کافروں کو دوست نہ بناتے) اس میں منافقوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں ان کا دعوٰے ایمان غلط تھا، اگر آپ پر ایمان لاتے تو آپ کے دشمنوں سے کیوں دوستی کرتے وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (لیکن ان میں بہت سے وہ ہیں جو نافرمان ہیں) ان میں سے تھوڑے ہی افراد نے اسلام قبول کیا اور باقی اشخاص نے سرکشی اور نافرمانی ہی کو اختیار کیا اور برابر کفر پر اڑے رہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ

تو اہل ایمان کے لئے سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکین کو پائے گا اور ضرور بالضرور

اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

اہل ایمان سے محبت میں سب سے زیادہ قریب تر تو ان لوگوں کو پائے گا جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس وجہ سے کہ

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

ان میں علماء ہیں اور درویش ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ۔

اہلِ ایمان سے یہودیوں اور مشرکوں کی دشمنی

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ آپ اہلِ ایمان کے سب سے زیادہ سخت ترین دشمن یہودیوں کو اور ان لوگوں کو پائیں گو جو مشرک ہیں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے، مشرکین مکہ نے جو حضرات صحابہ پر ظلم وستم ڈھائے وہ معروف ومشہور ہیں اور جہاں جہاں کہیں بھی مشرکین ہیں وہ اب بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں، اور تاریخ کے ہر دور میں ان کی دشمنی بڑھ چڑھ کر رہی ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو یہودیوں نے سخت دشمنی کا مظاہرہ کیا یہ لوگ پہلے سے مدینہ منورہ میں رہتے تھے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نعوت اور صفات جو انہیں پہلے سے معلوم تھی اور توریت شریف میں پڑھیں تھیں ان کے موافق آپ کو پالیا اور پہچان لیا تب بھی آپ کے دشمن ہو گئے اور بہت زیادہ دشمنی پر کمر باندھ لی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے بھی مشورہ کیا آپ کو زہر بھی دیا اور آپ پر جادو بھی کیا مشرکین مکہ کو جا کر جنگ کے لئے آمادہ کیا اس پر وہ لوگ متعدد قبیلوں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے اور یہود برابر اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں مکاری اور دسیسہ کاری کرتے رہے اور آج تک بھی ان کی دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

تفسیر ابن کثیر ص ۸۰ ج ۲ میں بحوالہ حافظ ابوبکر بن مردویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مَاخَلَا يَهُوْدِيٌّ بِمُسْلِمٍ قَطُّ اِلَّا هَمَّ بِقَتْلِهٖ. (یعنی جب کبھی بھی کوئی یہودی کسی مسلمان کے ساتھ تنہائی میں ہوگا تو ضرور مسلمان کو قتل کرنے کا ارادہ کرے گا) مسلمان اور اسلام کے خلاف یہودیوں کی چال بازیاں اور شرارتیں برابر جاری ہیں اور وہ اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں ہیں، نصاریٰ کو بھی وہ مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہتے ہیں اور ان کو ایسی اسکیمیں بجھاتے ہیں اور ایسی ایسی تدبیریں سکھاتے ہیں جن سے دنیا میں مسلمانوں کو سخت مصائب کا سامنا پڑتا رہتا ہے، خفیہ تنظیمیں کرنے میں ماہر ہیں ان کی خفیہ تنظیم فری میسن تو اب آشکار ہو چکی ہے۔

نصاریٰ کی مودّت اور اس کا مصداق...... یہود اور مشرکین کی دشمنی کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى کہ آپ ایمان والوں کے لئے محبت کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جن لوگوں نے اپنے بارے میں یوں کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، نصاریٰ معروف جماعت ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں۔ مفسر ابن کثیر ص ۸۲ ج ۲ قالوا انا انصاریٰ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَیِ الَّذِيْنَ زَعَمُوْا اَنَّهُمْ نَصَارٰى مِنْ اَتْبَاعِ الْمَسِيْحِ وعلى منهاج انجيله فيهم مودة للاسلام واهله فى الجملة

وماذاک الالما فی قلوبھم اذ کانوا علی دین المسیح من الرقۃ والرافۃ کماقال تعالٰی وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً و فی کتابھم من ضربک علی خدک الایمن فادِرْلَهٗ خدک الایسر ولیس القتال مشروعًا فِیْ مِلَّتِھِمْ اھ

یعنی اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ نصاریٰ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے ہیں اور انجیل میں جو راہ بتائی تھی اس کے متبع ہیں فی الجملہ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام اور اہل اسلام کے لئے مودت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں نرمی اور مہربانی کی شان تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے عیسیٰ کا اتباع کیا انکے دلوں میں ہم نے مہربانی اور رحم کرنے کی صفت رکھ دی۔ ان کی کتاب میں یہ بھی تھا کہ جو شخص تیرے داہنے رخسار پر مارے تو بایاں رخسار بھی اس کی طرف کر دے، اور ان کے مذہب میں جنگ کرنا بھی مشروع نہیں تھا)

مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ہر نصرانی اور مدعی عیسائیت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان نصرانیوں کا ذکر ہے جو اپنے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا پابند سمجھتے تھے اور دینِ مسیح کے مدعی ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں نرمی اور مہربانی تھی ان لوگوں کے سامنے جب دینِ اسلام آیا اور اہل اسلام کو دیکھا تو اگرچہ اسلام قبول نہیں کیا لیکن مسلمانوں سے محبت اور تعلق رکھتے تھے۔

ان کے دین میں جنگ تو مشروع ہی نہ تھی لہٰذا مسلمانوں سے جنگ کرنے کا سوال ہی نہ تھا پھر ان میں قسیسین تھے یعنی علماء تھے (جن کے پاس تھوڑا بہت انجیل کا علم رہ گیا تھا وہ اس کے ذریعہ نصیحت کرتے رہتے تھے) نیز ان میں راہب بھی تھے جن کو عبادت کا ذوق تھا وہ عبادت میں لگے رہتے تھے جب انہوں نے اہل اسلام کی عبادت کو دیکھا تو محبت اور مودت میں بنسبت دوسری قوموں کے ان سے زیادہ قریب ہو گئے۔ اللہ جل شانہ، نے فرمایا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا کہ ان کی محبت اس لئے ہے کہ ان میں قسیسین ہیں اور رہبان ہیں اور فرمایا وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اور وہ تکبر نہیں کرتے، چونکہ ان میں تکبر نہیں ہے اس لئے حق اور اہل حق سے عناد نہیں اور یہ عناد نہ ہونا قرب مودت کا ذریعہ ہے.....صاحب معالم التنزیل ص ۵۶ ج ۲ تحریر فرماتے ہیں

لم یردبہ جمیع النصاریٰ لانھم فی عداوتھم المسلمین کالیھود فی قتلھم المسلمین واسرھم و تخریب بلادھم وھدم مساجدھم واحراق مصاحفھم، لا ولا کرامۃ لھم، بل الایۃُ فیمن اسلم منھم مثل النجاشی و اصحابہ،

یعنی آیۃ کریمہ میں جو نصاریٰ کو اہلِ ایمان کی محبت کے اعتبار سے قریب تر بتایا ہے اس سے تمام نصاریٰ مراد نہیں ہیں کیونکہ وہ اہلِ اسلام سے دشمنی رکھنے میں یہود اور مشرکین ہی کی طرح ہیں، مسلمانوں کو قتل کرنا اور قید کرنا اور ان کے شہروں کو برباد کرنا اور ان کی مسجدوں کو گرا دینا ان کے مصاحف کو جلا دینا یہ سب نصاریٰ کے کرتوت ہیں

(لہٰذا تمام نصاریٰ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً کا مصداق نہیں ہو سکتے) بلکہ آیۃ کریمہ میں وہ نصاریٰ مراد ہیں.... جنہوں نے اسلام قبول کر لیا مثلاً نجاشی (شاہ حبشہ) اور اس کے ساتھی۔

..................☆☆☆ الحمد للہ چھٹا پارہ مکمل ہوا ☆☆...................

(پارہ نمبر ۷)

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ

اور جب انہوں نے اس چیز کو سنا جو نازل کی گئی رسول کی طرف تو تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا،

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ

وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرنے والے ہیں اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور حق پر ایمان نہ لائیں جو

الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ

ہمارے پاس آ گیا اور ہم اس بات کی کہ امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ داخل فرمائے گا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی وجہ سے ایسے باغ

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

ثواب میں دے دیئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ اچھے کام کرنے والوں کا بدلہ ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری

بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾

آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

کتاب اللہ کو سن کر حبشہ کے نصاریٰ کا رونا اور ایمان لانا

جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اسلام کی دعوت دینا شروع کیا (جس کے اولین مخاطبین اہلِ مکہ تھے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے) تو اہلِ مکہ دشمنی پر اتر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے ستاتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے، انہیں بہت زیادہ دکھ دیتے تھے اور مارتے پیٹتے تھے اس وجہ سے بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین (جن میں مرد عورت سب ہی تھے) حبشہ کیلئے ہجرت کر گئے، حبشہ اس وقت قریب ترین ملک تھا جہاں ایمان محفوظ رکھتے ہوئے عافیت کے ساتھ رہنے کا امکان تھا جب یہ حضرات وہاں پہنچ گئے تو اہل مکہ نے وہاں بھی پیچھا کیا اور شاہ حبشہ کے پاس شکایت لے کر گئے لیکن اس نے ان لوگوں کی بات نہ مانی اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو امن وامان کے ساتھ ٹھکانہ دیا ان مہاجرین میں رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب تھے یہ حضرات وہاں کئی سال امن وامان کے ساتھ رہے پھر جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ وہاں سے حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری کیلئے واپس ہوئے تو نجاشی (اصحمہ شاہ حبشہ) نے وفد کے ساتھ اپنے بیٹے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا ان کا یہ وفد آٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔

نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تحریر کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں نے آپکے چچا کے بیٹے کے ہاتھ پر آپ سے بیعت کر لی اور میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت قبول کر لی۔ میں آپ کی خدمت میں

اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں اور اگر آپ کا فرمان ہو تو میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں والسلام علیک یا رسول اللہ!

نجاشی کا بھیجا ہوا یہ وفد کشتی میں سوار تھا لیکن یہ لوگ سمندر میں ڈوب گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد ستر تھی دوسری کشتی پر سوار ہوئے تھے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ان میں بہتر حضرات حبشہ کے اور آٹھ آدمی شام کے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول سے آخر تک سورۂ یٰسین سنائی۔ قرآن مجید سن کر یہ لوگ رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے اور یہ جو کچھ ہم نے سنا ہے بالکل اسی کے مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ ''وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى '' نازل فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت بالا نجاشی کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل صفحہ ۵۶، ۵۷ جلد ۲)

بعض حضرات نے جو یہ فرمایا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جب ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تھے اور شاہِ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے جو بیان دیا تھا اور سورۂ مریم سنائی تھی اس سے متاثر ہو کر شاہی دربار کے لوگ رو پڑے تھے اس آیت میں ان کا ذکر ہے۔ بعض مفسرین نے اس کو تسلیم نہیں کیا ان حضرات کا کہنا ہے کہ سورۂ مائدہ مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی لہٰذا جو واقعہ ہجرت سے پیش آیا وہ اس آیت میں مذکور نہیں۔ (اللّٰهم الا ان يقال ان هٰذه الايات مكية وَ اللّٰه اعلم بالصواب)

نصاریٰ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ مودت اور محبت کے اعتبار بہ نسبت دوسرے لوگوں کے ایمان والوں سے قریب تر ہیں اس کا سبب یہ بتایا کہ ان میں قسیسین ہیں اور رہبان ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے، قسیس رومی زبان میں عالم کو کہتے ہیں اور رہبان راہب کی جمع ہے جو لوگ تارک دنیا ہو کر دنیا میں گرجے بنا لیتے تھے اور وہیں زندگی گزارتے تھے انہیں راہب کہا جاتا تھا۔ اب نصاریٰ میں نہ قسیس ہیں نہ راہب ہیں اور نہ ان میں تواضع کی شان ہے۔ جو لوگ پادری بنے ہوئے ہیں، وہ بھی نصرانی حکومتوں کے پابند ہیں اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ نصرانی حکومتیں اور ان کے پادری اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تدبیریں سوچتے رہتے ہیں اور جس قدر ممکن ہو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے لہٰذا آیت کریمہ میں ان لوگوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جن نصاریٰ نے قرآن مجید سنا اور حق کے پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے انہوں نے فوراً اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور کھلے دل سے کہنے لگے وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ (ہمیں کیا ہوا جو ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس حق آیا اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالحین کے ساتھ داخل فرما دے گا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں شامل فرما دے اور ان کو جو انعامات ملیں، ہمیں بھی ان میں شریک فرما دے۔)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب انہوں نے اپنے مؤمن ہونے کا اعلان کر دیا تو یہودیوں نے ان کو عار دلائی اور ان سے کہا کہ تم کیوں ایمان لائے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا جو اوپر مذکور ہوا در حقیقت جب قلوب میں ایمان کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ایمان دل میں رچ پچ جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ایمان کے خلاف آمادہ نہیں کر سکتی، اور کسی جاہل کا عار دلانا ایمان سے واپس نہیں کر سکتا آخر میں اللہ جل شانہٗ نے اہلِ ایمان کا انعام اور کافروں کی سزا بیان فرمائی چنانچہ ارشاد فرمایا فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (سو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی وجہ ان کو ایسے باغیچے عنایت فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے) وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ (اور یہ بدلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیت کو جھٹلایا وہ دوزخ والے ہیں)

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں کو حرام مت قرار دو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں، اور حد سے آگے نہ بڑھو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھ جانے

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

والے کو پسند نہیں فرماتا، اور کھاؤ اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو حلال پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

حلال کھاؤ اور پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو اور حد سے آگے نہ بڑھو

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ نے جو چیزیں حلال کر دیں ہیں تم ان کو حرام قرار نہ دو۔ حلال کو حرام قرار دینے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ عقیدۃً حلال کو حرام قرار دے دیا جائے اگر کوئی شخص حلال قطعی کو حرام قرار دے گا تو ملتِ اسلامیہ سے نکل جائے گا اور دوسری صورت یہ ہے کہ عقیدہ سے تو کسی حلال کو حرام قرار نہ دے لیکن حلال کے ساتھ معاملہ ایسا کرے جو حرام کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی بغیر کسی عذر کے خواہ مخواہ کسی حلال چیز سے اجتناب کرے۔ یہ بھی ممنوع ہے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ قسم کھا کر یا نذر مان کر کسی حلال چیز کو حرام قرار دیدے مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں چیز نہ کھاؤں گا..... یا یوں کہے کہ فلاں چیز میں اپنے اوپر حرام کرتا ہوں....... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا ہے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ حاضرین نے بتایا کہ یہ ابواسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا ہی رہے گا۔ بیٹھے گا نہیں، اور سایہ میں نہ جائے گا اور یہ کہ بولے گا نہیں، اور روزہ دار رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ بات کرے، اور سایہ میں جائے اور بیٹھ جائے اور روزہ پورا کر لے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۹۹۱ جلد ۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ کی نذر ماننا درست نہیں اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۱۱۱ جلد ۲)

بعض لوگ نذر یا قسم کے ذریعہ تو کسی حلال کو حرام نہیں کرتے لیکن راہبوں کے طریقہ پر حلال چیزوں کو چھوڑنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کو ثواب سمجھتے ہیں۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے اور اس میں ثواب سمجھنا بدعت ہے۔...... اگر کسی کو کوئی چیز مضر ہے وہ ضرر کی وجہ سے حلال سمجھتے ہوئے اس سے پرہیز کرے تو یہ جائز ہے۔

دوسرا حکم یہ فرمایا کہ حدود سے آگے نہ بڑھو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا حد سے بڑھنے کی ممانعت سورۂ بقرہ میں بھی مذکور ہے جو گزر چکی ہے اور سورۂ طلاق میں ارشاد فرمایا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (اور جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا) اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھنے کی کئی صورتیں ہیں جن کی کچھ تفصیل ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

حدود سے بڑھ جانے کی مثالیں...... حدود سے آگے بڑھنے کی بہت سی صورتیں ہیں ان میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں۔

حلال کو حرام کر لینا...... (۱) اللہ نے جس چیز کو حلال کیا ہے اس کو اپنے اوپر حرام کر لینا جیسے کچھ لوگ بعض پھلوں کے متعلق طے کر لیتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کھائیں گے یا اور کسی طرح سے حرام کر لیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ شہد پینے کے متعلق فرما دیا تھا۔ اب ہرگز نہیں پیوں گا۔ اس کے متعلق اللہ جل شانہٗ نے آیت

ذیل نازل فرمائی یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ (اے نبی! تم اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے؟)

ایسی بہت رسمیں آج لوگوں میں موجود ہیں جن میں عملاً بلکہ اعتقاداً بھی بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھ رکھا ہے۔ مثلاً ذی قعدہ کے مہینہ (جسے عورتیں خالی کا مہینہ کہتی ہیں) اور محرم وصفر میں شریعت میں شادی کرنا خوب حلال اور درست ہے لیکن اللہ کی اس حد سے لوگ آگے نکلتے ہیں اور ان مہینوں میں شادی کرنے سے بچتے ہیں بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور اسے حرام کے قریب بنا رکھا ہے یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

جس طرح حلال کو حرام کر لینا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا منع ہے حرام وحلال مقرر فرمانے کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ سورۂ نحل میں ارشاد ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔

(اور جن چیزوں کے بارے میں تمہارا زبانی جھوٹا دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگادو گے)

اسی ممانعت میں اللہ کی رخصتوں سے بچنا بھی داخل ہے مثلاً سفر شرعی میں قصر نماز کرنا مشروع ہے اس پر عمل کرضروری ہے۔

جو چیز ثواب کی نہ ہو اسے باعثِ ثواب سمجھ لینا ...... (۲) حدود سے آگے بڑھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو چیز اللہ کے یہاں تقرب اور نزدیکی کی نہ ہو اسے تقرب کا باعث سمجھ لیں مثلاً بولنے کا روزہ رکھ لینا یا دھوپ میں کھڑا رہنا وغیرہ وغیرہ۔

غیر ضروری کو ضروری کا درجہ دیدینا ...... (۳) ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ جو چیز شریعت میں نہیں ہے اسے فرض کا درجہ دیدیں اور جو اسے نہ کرے اس پر لعن طعن کریں مثلاً شب برات کا حلوا اور عید الفطر کی سویاں کہ شرعاً ان دونوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے نہ ان کا کوئی ثبوت ہے مگر لوگ اسے ضروری سمجھتے ہیں اور جو نہ پکاوے اس کو نکّو بننا پڑتا ہے جب شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں تو ان کا اہتمام کرنا سراپا بدعت ہے۔

مطلق مستحب کو وقت کے ساتھ مقید کر لینا ...... (۴) ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ عمومی چیز کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کر لیں مثلاً نماز فجر اور نماز عصر کے بعد امام سے مصافحہ کرنا اور اسے واجب کا درجہ دینا۔

بعض علاقوں میں دیکھا ہے کہ مؤذن اذان شروع کرنے سے پہلے درود شریف پڑھتا ہے' گو درود شریف بڑی فضیلت کی چیز ہے مگر اس کو کسی ایسے وقت کے ساتھ مخصوص کرنا جس کے متعلق شریعت میں خصوصیت نہیں ہے حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔ حدیث شریف میں اذان کے بعد درود شریف پڑھنا اور پھر اس کے بعد دعا (اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ ...... الخ) پڑھنا آیا ہے۔

کسی عمل کا ثواب خود تجویز کر لینا ...... (۵) حد سے آگے بڑھ جانے کی ایک شکل یہ ہے کہ کسی عمل کی وہ فضیلت تجویز کر لی جائے جو قرآن وحدیث سے ثابت نہیں جیسے دعاءِ گنج العرش اور عہد نامہ اور درود لکھی کی فضیلت گھڑ رکھی ہے۔

کسی عمل کی ترکیب خود وضع کر لینا ...... (۶) ایک صورت حد سے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ کسی عمل کی کوئی خاص ترکیب وترتیب تجویز کر لی جائے مثلاً مختلف رکعات میں مختلف سورتیں پڑھنا تجویز کر لینا (جو حدیث سے ثابت نہ ہو) پھر اس کا التزام کرنا یا سورتوں کی تعداد مقرر کر لینا (جیسے تہجد کی نماز کے متعلق مشہور ہے کہ پہلی رکعت میں ۱۲ مرتبہ قل ھو اللّٰہ پڑھی جائے' اور پھر ہر رکعت میں ایک ایک مرتبہ گھٹتا جائے ...... یہ لوگوں نے خود تجویز کر لیا ہے' مہینوں اور دنوں کی نماز میں اور ان کی خاص خاص فضیلتیں اور ان کی مخصوص

ترکیبیں لوگوں نے بنائی ہیں یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

کسی ثواب کے کام کے لئے جگہ کی پابندی لگالینا ...... (۷) کسی ثواب کے کام کو کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص کر لینا (جسکی تخصیص شریعت سے ثابت نہ ہو) یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔ جیسے بعض جگہ دستور ہے کہ قبر پر غلہ یا روٹی تقسیم کرتے ہیں یا قبر پر قرآن پڑھواتے ہیں ثواب ہر جگہ سے پہنچ سکتا ہے پھر اس میں اپنی طرف سے قبر پر ہونے کو طے کر لینا حدود اللہ سے آگے بڑھنا ہے۔

بعض حلال چیزوں کے بارے میں طے کر لینا کہ فلاں نہ کھائے گا ...... (۸) ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ بعض کھانے کی چیزوں کے متعلق اپنی طرف سے یہ تجویز کر لیا جائے کہ فلاں شخص کھا سکتا ہے اور فلاں نہیں کھا سکتا جیسے مشرکین مکہ کیا کرتے تھے سورۂ انعام میں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے **وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓی اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ** ۔ (اور وہ (یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ جوان مواشی کے پیٹ میں ہے خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہے تو اس میں وہ سب (مرد عورت) ساجھی ہیں۔ اللہ ان کو عنقریب غلط بیانی کی سزا دے گا بلاشبہ وہ حکمت والا ہے۔ علم والا ہے)

اسی قسم کی شکلیں آج کل فاتحہ و نیاز والے لوگوں نے بنا رکھی ہے۔ مثلاً حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے ایصال ثواب کے لئے بی بی جی کو صحنک کے نام سے کچھ رسم کی جاتی ہے اس رسم میں جو کھانا پکتا ہے اس میں یہ قاعدہ بنا رکھا ہے کہ اس کھانے کو مرد اور لڑکے نہیں کھا سکتے صرف لڑکیاں کھائیں گی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرض کر رکھا ہے کہ اس کھانے کے لئے کورا برتن ہو' جگہ لیپی ہوئی ہو۔ یہ سب خرافات اپنی ایجادات ہیں۔

کسی گناہ پر مخصوص عذاب خود سے تجویز کر لینا ...... (۹) ایک صورت حد سے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ اپنی طرف سے کسی گناہ کا مخصوص عذاب تجویز کر لیا جائے جیسا کہ بہت سے واعظ بیان کرتے پھرتے ہیں۔

(۱۰) یہ صورت بھی حد سے بڑھ جانے کی ہے کہ کسی چیز کے متعلق یہ طے کر لیا جائے کہ اس کا حساب نہ ہوگا حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت نہ ہو جیسے مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو نیا کپڑا یا نیا جوتا پہن لیا جائے تو وہ بے حساب ہو جاتا ہے اسی لئے بعض لوگ بہت سے جوڑے اس روز پہن لیتے ہیں یہ سب غلط اور لغو ہے۔ (تلک عشرۃ کاملۃ)

یہ چند صورتیں حد سے آگے بڑھ جانے کی لکھ دی گئی ہیں غور کرنے سے اور بھی نکل سکتی ہیں اللہ کی حدود سے آگے بڑھنا زبردست جرم ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا** (یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا۔ (بقرہ)

اور فرمایا **تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** o (یہ اللہ کی حدود ہیں سو ان سے آگے مت نکلنا اور جو اللہ کی حدود سے باہر نکل جائے سو ایسے ہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔ (بقرہ)

اور فرمایا **وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ** ۔ (بقرہ)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری نہ کرے اور اس کی حدود سے آگے بڑھ جائے اللہ اس کو آگ میں داخل فرمائے گا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلیل کرنے والی سزا ہے۔)

تیسرا حکم یہ فرمایا کہ کچھ حلال و طیب اللہ نے تم کو عطا فرمایا اس میں سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو معلوم ہوا کہ حلال

اور پاکیزہ چیزوں کا کھانا دینداری کے خلاف نہیں ہے ہاں! پرہیزگاری اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی نہ کی جائے اگر کوئی چیز فی نفسہ حلال و پاکیزہ ہو لیکن دوسرے کی ملکیت ہو تو جب تک اس سے حلال پیسوں کے ذریعہ خرید نہ لے یا وہ بطور ہبہ نہ دیدے یا نفس کی خوشی سے استعمال کرنے کی اجازت نہ دیدے اس وقت اس کا کھانا، استعمال کرنا حلال نہیں ہوگا آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور فرمایا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ (اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو)

اس کے عموم میں ایسی سب صورتیں ہوگئیں جن میں ظلم کر کے یا حقیقت تلف کر کے یا خیانت کر کے کوئی چیز کھالی جائے یا استعمال کر لی جائے۔ نیز اس سے تمام اشیاء محرمہ سے بچنے کی تاکید بھی ہوگئی۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ

اللہ تعالیٰ ایسی قسموں پر تمہارا مؤاخذہ نہیں فرماتا جو لغو ہوں، لیکن وہ ایسی قسموں پر مؤاخذہ فرماتا ہے جن کو تم باندھ دو، سو اس کا کفارہ

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ

دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے جو اس کھانے کا درمیانہ ہو جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا پہنا دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے سو جو

لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ

شخص نہ پائے تو تین دن کے روزے ہیں، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھاؤ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾

اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے تا کہ تم شکر کرو۔

قسموں کے اقسام اور قسم توڑنے کا کفارہ

اوپر کی آیات میں یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال کردی ہیں ان کو حرام قرار نہ دو، چونکہ حلال و حرام کرنے کی صورت میں ایک یہ بھی ہے کہ کسی حلال چیز کے کھانے یا استعمال نہ کرنے کی قسم کھالی جائے اس لئے اب قسم کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

قَسَم کی کئی قسمیں ہیں اول یمین لغو، دوسری یمین غموس، تیسری یمین منعقدہ (عربی میں قسم کو یمین کہتے ہیں) یمین لغو کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو شخص قسم کی نیت کئے بغیر بات کرتے ہوئے لَا وَاللّٰه یا بَلٰی وَاللّٰه کہہ دے یہ یمین لغو ہے۔ (رواہ البخاری)

(اہل عرب کی یہ عادت تھی اور اب بھی ہے کہ وہ اپنے محاورات میں باتیں کرتے کرتے اس طرح کے الفاظ بول جاتے تھے) اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی گزشتہ واقعہ کو اپنے نزدیک سچا جان کر قسم کھائے حالانکہ واقعۃً وہ غلط ہو تو یہ یمین لغو ہے۔ بہر حال یمین لغو کی جو بھی تفسیر ہو اس پر مؤاخذہ نہیں ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں اس کی تصریح ہے اور اس میں کوئی کفارہ بھی نہیں ہے قسم کی دوسری قسم یمین غموس ہے یعنی گزشتہ واقعہ پر جانتے بوجھتے ہوئے جھوٹی قسم کھالینا۔ مثلاً کوئی کام نہیں کیا اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام کیا ہے یا کوئی کام کیا ہے پھر جانتے بوجھتے قسم کھا کر کہتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا۔ یہ یمین غموس ہے اس کا

گناہ بہت بڑا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، (۲) ماں باپ کو دکھ دینا، (۳) کسی جان کو قتل کرنا، (۴) یمین غموس یعنی خلافِ واقعہ بات پر جھوٹی قسم کھانا۔ (رواہ البخاری ص ۹۸۷ ج ۲)

لفظِ غموس غمس سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے کھسا دینا، چونکہ جھوٹی قسم یہاں اس دنیا میں گناہ میں گھسا دیتی ہے پھر آخرت میں پہنچ کر دوزخ میں گھسا دینے کا سبب بنے گی اس لئے اس کا نام یمین غموس رکھا گیا ہے۔

قسم کی تیسری قسم یمین منعقدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آنے والے زمانہ میں کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھالے مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں کام ضرور کروں گا یا فلاں چیز ضرور کھاؤں گا یا یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں کام نہیں کروں گا یا فلاں چیز نہیں کھاؤں گا یا فلاں سے بات نہیں کروں گا۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کی خلاف ورزی ہو جائے تو کفارہ دینا فرض ہو جاتا ہے .... کفارہ کیا ہے؟ اس کی تفصیل آیت بالا میں بتائی ہے اور وہ یہ کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائیں یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنادیں یا ایک غلام آزاد کردیں اگر ان میں سے کسی چیز کی بھی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھ لئے جائیں (غلام تو آج کل نہیں کیونکہ مسلمانوں نے جہاد شرعی چھوڑ دیا جس کے ذریعہ غلام اور باندیاں حاصل ہوتے تھے) لہٰذا اب اس پر عمل ہو سکتا ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا یا کپڑے پہنا دیئے اگر ان میں سے کسی کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے لگاتار رکھ لے)۔

کفارۂ قسم کے مسائل

مسئلہ ...... یمین منعقدہ کی خلاف ورزی جسے ہمارے ماحول میں قسم کا توڑنا کہتے ہیں اُس کا کفارہ حانث ہونے یعنی قسم ٹوٹنے سے پہلے ادا کر دینا معتبر نہیں یعنی اگر پیشگی کفارہ ادا کر دیا تو وہ نفلی صدقہ ہو جائے گا کفارہ میں نہیں لگے گا۔

مسئلہ ...... اگر دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی صورت اختیار کرے تو صبح شام پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے ان دس مسکینوں میں کوئی بچہ نہ ہو اور ایسا کوئی شخص نہ ہو جس کا پہلے سے پیٹ بھرا ہوا ہو۔

مسئلہ ...... اگر کھانا کھلانے کے بدلہ مال دینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین کو صدقۂ فطر کے برابر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک گیہوں یا اس کے دو گنے جَو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت دیدے۔

مسئلہ ...... دس ہی مسکینوں کو دینا لازم ہے۔ اگر ایک ہی مسکین کو دس مسکینوں کا غلہ دیدیا تو اس سے پوری ادائیگی نہ ہوگی نو مسکینوں کو پھر دینا ہوگا۔

مسئلہ ...... اور اگر کپڑے دینے کی صورت اختیار کرے تو ہر مسکین کو اتنا کپڑا دے جس سے ستر ڈھک جائے اور اس میں نماز ادا ہو سکے اور اگر عورت کو کپڑا دے تو اتنا بڑا کپڑا دے جس سے اس کا سارا بدن ڈھک جائے جس میں وہ نماز پڑھ سکے۔

مسئلہ ...... مسکینوں کو جو کھانا کھلائے تو گھٹیا کھانا نہ کھلائے اپنے اہل وعیال کو جو کھانا کھلاتا ہو اس کی درمیانی حیثیت کا کھانا ہو کیونکہ آیت کریمہ میں مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ کی تصریح موجود ہے۔

مسئلہ ...... اگر کھانا دینے یا کپڑا پہنانے کی مالی استطاعت نہ ہو تو لگاتار تین روزے رکھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُّتَتَابِعَاتٍ ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی اسی لئے انہوں نے تتابع یعنی لگاتار روزے رکھنا

مشروط قرار دیا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے کہ قسم کے کفارہ کی ادائیگی کے لئے تین دن لگا تار روزے رکھنا ضروری ہے (بشرطیکہ کفارہ بالصیام متعین ہو جائے)

فائدہ...... کسی بھی گناہ کی قسم کھانا گناہ ہے اگر کسی گناہ کی قسم کھالے مثلاً یوں کہے کہ نماز نہ پڑھوں گا یا یوں کہہ دے کہ اللہ کی قسم ماں باپ یا بھائی بہن سے یا کسی بھی عزیز قریب سے بے تعلق رہوں گا، ان سے بول چال نہ رکھوں گا یا قطع رحمی کروں گا تو ایسی قسم توڑ دینا واجب ہے، قسم توڑ دے اور کفارہ دیدے۔

آخر میں فرمایا وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ۔ کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۰ جلد ۷ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ای راعوھا لکی تؤدوا الکفارۃ عنھا اذا حنثتم و احفظوا انفسکم من الحنث فیھا.

یعنی اپنی قسموں کا خیال رکھو ایسا نہ ہو کہ قسم ٹوٹ جائے اور کفارہ ادا کرنے میں غفلت کر جاؤ یا یہ مطلب ہے کہ قسم کھالو تو اسے پورا ہی کر دو (جب اللہ کا نام لے کر کسی قول یا کسی عمل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو اسے پورا ہی کر دو۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہے کہ جب گناہ کی قسم نہ کھائی ہو جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح ہے)

تنبیہ...... غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "مَنْ حَلَفَ بغیر اللہ فقد اشرک"، یعنی جس نے اللہ کے سوا کسی چیز کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا۔ (رواہ الترمذی) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپوں کی اور اپنی ماؤں کی قسم نہ کھا اور اللہ کی قسم (بھی) جب ہی کھاؤ جب کہ تم سچے ہو۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۹۶)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر گندی چیزیں ہیں

الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ

شیطان کے کاموں میں سے ہیں لہٰذا تم ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے

وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ج فَھَلْ اَنْتُمْ

آپس میں دشمنی اور بغض واقع کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے سو کیا تم باز آنے

مُّنْتَھُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ج فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا

والے ہو اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی، اور ڈرتے رہو، سو اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ

عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾

ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

خمر اور میسر اور انصاب و ازلام ناپاک ہیں

ان آیات میں شراب اور جوئے اور بت اور جوا کھیلنے کے تیروں کو گندی چیزیں بتایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ چیزیں شیطان کے

کاموں میں سے ہیں۔عرب کے لوگ بت پوجا کرتے تھے،اور بتوں کی پجاریوں کے پاس تیر رکھ دیتے تھے ان تیروں کے ذریعہ جوا کھیلتے تھے جس کی تشریح سورۂ مائدہ کی آیت نمبر۳ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔سورۂ بقرہ میں فرمایا یَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (اور آپ سے سوال کرتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں آپ فرما دیجئے! کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں،اور ان کا گناہ ان کے منافع سے زیادہ بڑا ہے)اس سے واضح ہوا کہ شراب اور جوئے میں اگر چہ نفع بھی ہے مگر ان کا جو گناہ ہے وہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کے جائز ہونے کے لئے یہی کافی نہیں ہے،کہ وہ نفع مند ہو بہت سے لوگ جوئے اور شراب اور سود وغیرہ کے صرف منافع کو دیکھتے ہیں اور شریعت اسلامیہ میں جواُن کی حرمت بیان کی گئی ہے اس کی طرف دھیان نہیں کرتے اور نفع کی شق کو دیکھ کر حلال قرار دینے کی بے جا جسارت کرتے ہیں۔یہ ملحدوں اور زندیقوں کا طریقہ ہے۔

شراب کی حرمت......ایک صاحب نے اپنے ایک ملنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ دھڑلے سے شراب پیتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ بتاؤ قرآن میں شراب کو کہاں حرام فرمایا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جن چیزوں کی ممانعت صریح قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ احادیث شریفہ میں آئی ہے یا جس چیز کی ممانعت فرماتے ہوئے لفظ حرام استعمال نہیں فرمایا اسے جائز قرار دیدیتے ہیں۔یہ ان لوگوں کی جہالت اور گمراہی ہے۔

ایسے ہی قرآن کے ماننے والے ہیں تو قرآن ہی سے یہ ثابت کر دیں کہ قرآن نے جس چیز کی ممانعت کے لئے لفظ حرام استعمال کیا ہے بس وہی حرام ہے..... قرآن مجید میں بہت سی چیزوں سے منع فرمایا گیا ہے لیکن ان کے ساتھ لفظ حرام استعمال نہیں فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فرمانبرداری اور آپ کے اتباع کا بھی حکم دیا اور آپ کی صفت بیان کرتے ہوئے سورۂ اعراف میں يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ فرمایا ہے۔معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم کا کسی چیز کو حرام قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔

سات وجوہ سے شراب اور جوئے کی حرمت......سورۂ مائدہ کی آیت بالا میں شراب اور جوئے کو "رِجْــس" یعنی گندی چیز بتایا ہے اور پھر سورۂ اعراف میں "يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ" فرمایا ہے اس تصریح کے ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص شراب اور جوئے کو حرام نہ سمجھے تو اس کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے ایسا شخص ملحد اور بے دین اور کافر ہے..... پھر یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اگر چہ قرآن مجید میں شراب کے لئے لفظ حُرمت استعمال نہیں فرمایا لیکن اس کی حرمت کی وُجوہ بتادی ہیں اور سات باتیں ذکر فرمادی ہیں۔جن کے ذکر سے واضح طور پر حرمت کا اعلان بار بار فرمادیا۔

(۱)اول تو یہ فرمایا کہ شراب اور جوا "رجس" یعنی گندی چیزیں ہیں،(۲) پھر فرمایا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ،کہ یہ شیطان کے کاموں میں سے ہیں۔(۳) پھر فرمایا فَاجْتَنِبُوْهُ کہ اس سے بچو،(۴) فرمایا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔معلوم ہوا کہ جوا اور شراب میں مشغول ہونا ناکامی کا سبب ہے جو دنیا اور آخرت میں سامنے آئے گی۔(۵) فرمایا اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان میں دشمنی اور بغض ڈال دے، (۶) فرمایا وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ کہ شیطان شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکنا چاہتا ہے (۷) آخر میں فرمایا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کیا تم باز آنے والے ہو؟

غور کر لیں کہ کتنی وجوہ سے شراب اور جوئے سے منع فرمایا ہے ایسے صاف واضح بیان ہوتے ہوئے جو شخص شراب اور جوئے کو حلال کہے گا اس کی بدبختی اور بے دینی میں کیا شک ہے؟ اللہ جل شانہٗ نے شراب کی حرمت تدریجاً نازل فرمائی سورۂ بقرہ میں فرمایا: قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۔ اس کو سن کر بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم نے شراب پینا چھوڑ دیا اور بعض پیتے رہے۔ حتی کہ ایک دن ایسا ہوا کہ نماز مغرب میں ایک مہاجر صحابی نے امامت کرتے ہوئے قرأت میں غلطی کر دی تو اس پر آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ؀ (سورۃ النساء آیت: ۴۳) نازل ہوئی۔ اسکے بعد ایسے اندازہ سے شراب پیتے تھے کہ نماز کا وقت آنے تک ہوش میں آجائیں اس کے بعد سختی سے شراب پینے کی ممانعت فرمادی اور فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ (الیٰ قولہ تعالیٰ) فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ؀ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ''اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا'' (اے ہمارے رب ہم باز آ گئے) درمنثور صفحہ ۳۱۴ جلد ۲ از مسند احمد بروایت ابی ہریرۃ)

پھر فرمایا: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا (اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو) یعنی اللہ ورسول کی مخالف نہ کرو (فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ؀ سو اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے) اللہ کے رسول صلی علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے خوب اچھی طرح کھول کر بیان فرمادیا اللہ تعالیٰ کی بات پہنچادی پھر بھی اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا تو اپنا انجام دیکھ لے گا۔

سات وجوہ سے جوئے اور شراب کی ممانعت فرمانے کے بعد گویا اس آخری آیت میں:...... مزید تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے ڈرو۔ جو لوگ قرآن ہی میں ممانعت اور حرمت دیکھنا چاہتے ہیں اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وصحبہ وسلم کو حجت نہیں سمجھتے ان کو تنبیہ فرمادی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے اور دونوں کی مخالفت سے بچنا لازم ہے۔

احادیث شریفہ میں شراب کی حرمت اور اس کے پینے پلانے والے پر لعنت اور آخرت کی سزا...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے شراب کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں سے چند احادیث کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نشہ دلانے والی چیز خمر یعنی شراب ہے اور ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور جو شخص دنیا میں شراب پئے گا اور اس حال میں مر گیا کہ شراب پیتا رہا اور توبہ نہ کی تو آخرت میں شراب نہیں پئے گا جنت کی شراب سے محروم ہوگا اگر جنت کا داخلہ نصیب ہو گیا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۶۸ جلد ۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص یمن سے آیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہمارے علاقہ میں ایک شراب ہے جو جوار سے بنائی جاتی ہے لوگ اسے پیتے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کیا وہ نشہ لاتی ہے؟ سوال کرنے والے نے عرض کیا کہ ہاں وہ نشہ لاتی ہے، آپ نے فرمایا "كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ" کہ نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے پھر فرمایا کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ عہد فرمالیا ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی چیز پئے گا اللہ اسے "طِيْنَةُ الْخَبَال" سے پلائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! "طِيْنَةُ الْخَبَال" کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ ہے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۶۲ جلد ۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ لائے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۱۶۲ جلد ۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت کی شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے اور اس کے خریدنے والے پر اور شراب بنانے والے پر اور بنوانے والے پر اور جو شراب کو کسی کے پاس لے جائے اس پر اور جس کے پاس لے جائے اس پر بھی۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۱۶۱ جلد۲)

جو لوگ پنی دکانوں میں شراب بیچتے ہیں اپنے ہوٹلوں میں شراب پلاتے ہیں اور ایسی دکانوں پر ملازمت کرتے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کرلیں کہ روزانہ کتنی لعنتوں کے مستحق ہوتے ہیں شراب کا بنانے والا تو مستحق لعنت ہے ہی، اس کا بیچنے والا، پینے پلانے والا اس کا اٹھا کر لے جانے والا اور جس کی طرف شراب لے جائی جائے ان سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔ (رواہ البیہقی)

جو لوگ یورپ امریکہ وغیرہ میں رہتے ہیں اور نصرانیوں کے میل ملاپ کی وجہ سے شراب پی لیتے ہیں غور کریں کہ ان کا ایمان باقی ہے یا نہیں؟ ایک حدیث میں ارشاد ہے: اَلْخَمْرُ جُمَّاعُ الْاِثْمِ کہ شراب تمام گناہوں کو جمع کئے ہوئے ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۴) اگر اس بات کا مصداق دیکھنا ہو تو یورپ امریکہ کے شراب خوروں کو دیکھ لیا جائے کیا کوئی برائی ان سے چھوٹی ہوئی ہے؟ شراب خوری نے انہیں ہر گناہ پر آمادہ کردیا ہے۔

شراب ہر برائی کی کنجی ہے...... حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے میرے دوست سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ کسی بھی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا اگرچہ تیرے ٹکڑے کردیئے جائیں اور تجھے جلا دیا جائے اور قصداً نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے قصداً نماز چھوڑی اس سے اللہ کا ذمہ بری ہوگیا اور شراب مت پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱ جلد۱)

جو لوگ شراب نہ چھوڑیں ان سے قتال کیا جائے...... حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) کہ ہم ٹھنڈی زمین میں رہتے ہیں اور سخت محنت کرتے ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ ہم گیہوں کی شراب بنا لیتے ہیں جسے استعمال کرکے ہم محنت کے کاموں پر اپنے شہروں کی ٹھنڈک پر قوت حاصل کرتے ہیں آپ نے سوال فرمایا کیا وہ نشہ لاتی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں وہ نشہ لاتی ہے آپ نے فرمایا اس سے پرہیز کرو۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ اسے چھوڑنے والے نہیں آپ نے فرمایا اگر اسے نہ چھوڑیں تو تم ان سے قتال کرو یعنی جنگ کرو۔ (رواہ ابوداؤد فی کتاب الاشربۃ)

اللہ کے خوف سے شراب چھوڑنے پر انعام...... حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کے سامان کو اور بتوں کو اور صلیب کو (جس کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں اور میرے رب عزوجل نے قسم کھائی ہے کہ میرے بندوں میں سے جو بھی بندہ کوئی گھونٹ شراب کا پئے گا تو میں اسے اسی قدر پیپ پلاؤں گا اور جو بھی کوئی شخص میرے ڈر سے شراب کو چھوڑ دے گا میں اسے ضرور مقدس حوضوں میں سے پلاؤں گا۔ (رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۳۱۸)

جواری اور شرابی کی جنت سے محرومی...... حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کو تکلیف دینے والا اور جوا کھیلنے والا اور احسان جتانے والا اور جو شخص شراب پیا کرتا ہے یہ لوگ جنت میں

داخل نہ ہوں گے۔ (رواہ الدارمی صفحہ ۳۱ جلد ۲)

شراب اور خنزیر اور بتوں کی بیع کی حرمت...... حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو فتح مکہ کے موقع پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب اور مردار اور خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۲۹۸ جلد ۱)

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا پیا جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

اور نیک عمل کئے پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیک اعمال میں لگے اور اللہ اچھے عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

حرمت کی خبر سن کر صحابہؓ نے راستوں میں شراب بہا دی

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں حاضرین کو شراب پلا رہا تھا (یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے باپ تھے) اسی اثناء میں یہ حکم نازل ہو گیا کہ شراب حرام ہے باہر سے آنے والی ایک آواز سنی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی شخص اعلان کر رہا ہے، ابوطلحہ نے کہا کہ باہر نکلو دیکھو یہ کیا آواز ہے؟ میں باہر نکلا تو میں نے واپس آ کر بتایا کہ یہ پکارنے والا یوں پکار رہا ہے کہ خبردار شراب حرام کر دی گئی ہے، یہ سن کر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا جاؤ یہ جتنی شراب ہے سب کو گرا دو۔ چنانچہ شراب پھینک دی گئی جو مدینے کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔

بعض صحابہ کو خیال ہوا کہ ہم میں سے بہت سے لوگ مقتول ہو چکے ہیں جن کے پیٹوں میں شراب تھی۔ (یعنی جو لوگ اب تک شراب پیتے رہے اور دنیا میں موجود نہیں ان کا کیا بنے گا وہ تو اپنے پیٹوں میں شراب لے کر چلے گئے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا نازل فرمائی۔ (رواہ البخاری صفحہ ۶۶۴ جلد ۲)

تفسیر درمنثور میں اس واقعہ کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یوں بیان کیا ہے کہ میں ابوطلحہ اور ابوعبیدۃ بن الجراح اور معاذ بن جبل اور سہیل بن بیضاء اور ابودجانہ کو شراب پلا رہا تھا میرے ہاتھ میں پیالہ تھا جسے میں بھر بھر کر ایک دوسرے کو دے رہا تھا۔ اسی حال میں ہم نے آواز سنی کہ کوئی شخص پکار کر آواز دے رہا ہے "الا ان الخمر قد حرمت" (خبردار شراب حرام کر دی گئی ہے) آواز کا سننا تھا کہ نہ کوئی اندر آنے پایا تھا کہ ہم نے شراب کو گرا دیا اور مٹکے توڑ دیئے۔ جس کی وجہ سے مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب (پانی کی طرح) بہنے لگی۔ (درمنثور صفحہ ۳۲۱ جلد ۲ و رواہ مسلم بحذف بعض الاسماء صفحہ ۱۶۳ جلد ۲)

صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی کیا شان تھی، شراب گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اس کے بڑے دلدادہ تھے پھر اس کے حرام ہونے کی خبر سنی تو بغیر کسی پس و پیش کے اسی وقت گرا دی۔

شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے جو لوگ شراب پی چکے اور دنیا سے جا چکے ان کے بارے میں سوال اور اس کا جواب:...... جب شراب کی حرمت نازل ہو گئی تو ان کو اپنے ان بھائیوں کا فکر ہوا جو شراب پیتے تھے اور اسی حال میں وفات پا

گئے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آیت لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ آخر تک نازل فرمائی۔

جس میں یہ بتایا کہ جو لوگ اہل ایمان تھے اور اعمال صالحہ کرتے تھے وہ حرمت کا قانون نازل ہونے سے پہلے وفات پا گئے تھے انہوں نے اس زمانہ میں جو شراب پی تھی اس کا کوئی گناہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک تشریف فرما تھے احکام میں نسخ ہونے کا احتمال رہتا تھا شراب حلال تھی پھر حرام قرار دیدی گئی، اس کے علاوہ اور بھی بعض دیگر احکامات میں نسخ ہوا۔

آیت بالا میں فرمایا: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (ان لوگوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا پیا جبکہ وہ تقویٰ اختیار کرتے ہوں، یعنی شراب کے علاوہ دوسری حرام چیزوں سے بچتے ہوں شراب پینے پر تو مواخذہ اس لئے نہیں کہ وہ اس وقت تک حرام نہیں تھی اور جب دوسری ممنوعات سے بچتے رہے تو ظاہر ہے کہ دنیا سے بے گناہ چلے گئے اور انہوں نے نہ صرف ممنوعات سے پرہیز کیا دوسرے اعمال صالحہ بھی انجام دیتے رہے "ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا" (پھر تقویٰ اختیار کئے رہے اور ایمان پر باقی رہے) یعنی اس کے بعد جب بھی کسی چیز کی حرمت نازل ہوگئی ایمان پر رہے اور حرام چیز سے بچے "ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا" (پھر تقویٰ اختیار کیا اور اچھے کام کرتے رہے) یعنی جب حرمت آگئی اس کی خلاف ورزی نہ کی اور جن نیک کاموں میں لگے ہوئے تھے بدستور ان کے انجام دینے میں لگے رہے)

اس میں تقویٰ کا ذکر تین بار ہے پہلی بار جو تقویٰ مذکور ہے اس کا تعلق تمام ممنوعات سے بچنے سے ہے پھر دوسری بار کسی حلال چیز کی حرمت نازل ہونے کے بعد اس سے پرہیز کرنے سے متعلق ہے۔ پھر تیسری بار یا تو سابقہ حالت پر استقامت کے ساتھ ممنوعات سے پرہیز کرنے سے متعلق ہے یا اس طرف اشارہ ہے کہ جب کبھی بھی کوئی چیز حرام ہوئی اس سے پرہیز کرتے رہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے وفات پا جانے والے بھائیوں کے بارے میں سوال کیا تھا لیکن آیت کے عموم میں زندوں کے بارے میں بھی حکم بتا دیا کہ حرمت کا قانون آنے سے پہلے نہ شراب پینے میں کوئی گرفت تھی اور نہ آئندہ کسی عمل پر گرفت ہوگی جو حرمت کا قانون آنے سے پہلے کرلیا جائے..... آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (اللہ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

فائدہ...... شراب پینے کی دنیاوی سزا اسی کوڑے ہے، جس کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں اور آخرت کی سزا یہ ہے کہ شراب پینے والے کو دوزخیوں کے زخموں کا نچوڑ یعنی ان کی پیپ پلائی جائے گی۔ جس کا ذکر روایات حدیث میں گزر چکا ہے۔

شراب اور جوا دشمنی کا سبب ہیں اور ذکر اللہ سے اور نماز سے روکتے ہیں:......... شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا کہ شیطان اس کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور دشمنی ڈالنا چاہتا ہے اور ذکر و نماز سے روکنا چاہتا ہے۔

بغض اور دشمنی تو ظاہر ہی ہے جو کوئی شخص جوئے میں ہار جاتا ہے حالانکہ اپنی خوشی سے ہارتا ہے تو جلد سے جلد جیتنے والے سے بدلہ لینے کی فکر کرتا ہے اور شراب پی کر جب آدمی بدمست ہو جاتا ہے تو اول فول بکتا ہے دوسروں کو برا بھی کہتا ہے اور گالی گلوچ کرتا ہے اور کبھی کسی کو مار بھی دیتا ہے۔ جس سے جڑے دل ٹوٹتے ہیں اور دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں اور اللہ کی یاد اور نماز سے غافل ہونا تو یہ ایسی ظاہر بات ہے جو نظروں کے سامنے ہے جب کسی نے شراب پی لی تو نشے میں بدمست ہوگیا۔ اب نماز اور اللہ کے ذکر کا موقع کہاں رہا، جن کو شراب کی عادت ہو جاتی ہے وہ تو اسی دھن میں رہتے ہیں کہ نشہ کم ہو تو اور پئیں پھر کم ہو تو پھر پئیں اور جب کوئی شخص جوا کھیلنے میں لگ جاتا ہے تو گھنٹوں گزر جاتے ہیں جیتنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اللہ کے ذکر کا اور نماز کا اس کے ہاں کوئی موقع ہی نہیں ہوتا۔

حتیٰ کہ جو لوگ بغیر ہار جیت کے شطرنج کھیلتے رہتے ہیں وہ بھی گھنٹوں کھیلتے رہتے ہیں انہیں ذرا بھی اللہ کے ذکر کی طرف توجہ نہیں

ہوتی۔ نماز کا پورا وقت اول سے اخیر تک گزر جاتا ہے لیکن نماز اور ذکر اللہ کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں ہوتا نماز بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہے لیکن اس کو علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ عام ذکر سے اس کی اہمیت زیادہ ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرض ہے اور عام طور پر ذکر میں مشغول رہنا مستحب ہے اگر چہ اس عام ذکر کے بھی بڑے بڑے اجر و ثواب ہیں۔

جوئے کی تمام صورتیں حرام ہیں...... آیت بالا میں شراب اور جوا دونوں کو حرام قرار دیا ہے اور دونوں کو ناپاک بتایا اور سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے **وَاِثۡمُهُمَآ اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا** کہ ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے جوئے کے لئے سورۂ بقرہ میں اور یہاں سورۂ مائدہ میں لفظ **اَلۡمَيۡسِرُ** استعمال فرمایا ہے عربی میں اس کا دوسرا نام قمار ہے۔

ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر اور مبہم ہو شریعت میں اسے قمار کہا جاتا ہے مثلاً دو آدمی آپس میں بازی لگائیں کہ ہم دونوں دوڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ تو آگے بڑھ گیا تو میں ایک ہزار روپیہ دوں گا اور اگر میں بڑھ گیا تو تجھے ایک ہزار روپے دینا ہوں گے۔ یا مثلاً بند ڈبے ہیں وہ فی ڈبہ ایک روپے کے حساب سے فروخت ہوں گے لیکن کسی ڈبہ میں پانچ روپے کی چیز نکلے گی اور کسی ڈبہ میں ۲۵ پیسے کا مال نکلے گا تو ان ڈبوں کی خرید و فرخت قمار یعنی جوئے میں داخل ہے اور ہر وہ معاملہ جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو وہ معاملہ قمار ہی کی صورت ہے۔

اخباری معموں کے ذریعہ بھی قمار یعنی جوا کا سلسلہ جاری ہے بطور اشتہار اخباروں اور ماہوار رسالوں اور ہفت روزہ جریدوں میں معمہ کی مختلف صورتوں کا اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کو حل کر کے بھیجے اور اس کے ساتھ اتنی فیس پانچ روپے بھیجے تو جن لوگوں کے حل صحیح ہوں گے ان لوگوں میں سے جس کا قرعہ اندازی میں نام نکل آئے گا اسے انعام کے عنوان سے مقررہ رقم یا کوئی بھاری قیمت کی چیز مل جائے گی۔ یہ سراسر قمار ہے یعنی جُوا ہے اور حرام ہے کیونکہ جو شخص فیس کے نام سے کچھ پیسے بھیجتا ہے وہ اس کے موہوم نفع کے خیال سے بھیجتا ہے کہ یا تو یہ روپے گئے یا ہزاروں مل گئے فیس کے نام پر روپیہ بھیجنا اور اگر اس روپے پر کچھ زائد مل جائے اس کا لینا اور معمہ شائع کر کے لوگوں کی رقمیں لے لینا یہ سب حرام ہے۔

اور ہر قسم کی لاٹری جس میں کچھ دے کر زائد ملنے کی امید پر مال جمع کیا جاتا ہے پھر اس پر مال ملے یا نہ ملے یہ سب حرام ہے۔ گھوڑ دوڑ کے ذریعہ بھی جُوا کھیلا جاتا ہے جس کا گھوڑا آگے نکل گیا اسے ہارنے والے کی جمع کی ہوئی رقم مل جاتی ہے یہ طریقہ حرام ہے اور جو اس طریقہ سے رقم حاصل کی وہ بھی حرام ہے۔

پتنگ بازی اور کبوتر بازی کے ذریعہ بھی جُوا کھیلا جاتا ہے یہ دونوں کام اپنی جگہ ممنوع ہیں پھر ان پر ہار جیت کے طور پر رقم لگاتے ہیں وہ مستقل گناہ ہے اور صریح حرام ہے کیونکہ قمار یعنی جُوا ہے۔ سٹہ کا کاروبار بھی سراپا قمار ہے اور حرام ہے۔ انشورنس کا بیمہ پالیسی کی بھی وہ سب صورتیں حرام ہیں جن میں رقمیں جمع کی جاتی ہیں اور حادثہ ہو جانے پر جمع کردہ رقم سے زیادہ مال مل جاتا ہے زندگی کا بیمہ ہو یا گاڑیوں کا یا دوکانوں کا یہ سب حرام ہے اور ان میں اپنی جمع کردہ رقم سے جو مال زائد ملے وہ سب حرام ہے۔

قمار کے جتنے بھی طریقے ہیں (گھوڑ دوڑ وغیرہ) ان سب کی آمدنی حرام ہے۔ ہر مؤمن کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنا لازم ہے۔ دنیا چند روزہ ہے اس لئے حرام کا ارتکاب کرنا حماقت ہے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَيَبۡلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَىۡءٍ مِّنَ الصَّيۡدِ تَنَالُهٗۤ اَيۡدِيۡكُمۡ وَرِمَاحُكُمۡ لِيَعۡلَمَ

اے ایمان والو! اللہ تم کو قدرے شکار سے ضرور آزمائے گا تمہارے نیزے شکار کو پہنچیں گے اور ہاتھ۔ تاکہ اللہ جان لے کہ

اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

بن دیکھے اس سے کون ڈرتا ہے سو جس نے اس کے بعد زیادتی کی اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حالتِ احرام میں شکار والے جانوروں کے ذریعہ آزمائش

حج یا عمرہ کا اگر کوئی شخص احرام باندھ لے تو احرام سے نکلنے تک بہت سے کام ممنوع ہو جاتے ہیں ان ممنوع کاموں میں خشکی کا شکار کرنا بھی ہے۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس طرح آزمایا کہ احرام کی حالت میں تھے اور شکاری جانور خوب بڑھ چڑھ کر آرہے تھے یہ ایسی آزمائش تھی جیسے بنی اسرائیل کو آزمایا گیا تھا، ان کے لئے سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار کرنا ممنوع تھا لیکن سنیچر کے دن مچھلیاں خوب ابھر ابھر کر پانی کے اوپر آجاتی تھیں اور دوسرے دنوں میں ایسا نہیں ہوتا تھا جس کا ذکر سورۂ اعراف کی آیت "وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ" میں فرمایا ہے۔

تفسیر درمنثور ص ۳۲۷ جلد ۲ میں ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا حدیبیہ والے عمرہ کے بارے میں نازل ہوئی وحشی جانور اور پرندے ان کے ٹھہرنے کی جگہوں میں چلے آرہے تھے اس سے پہلے ایسے منظر انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے ان کا ہاتھوں سے پکڑنا اور نیزوں سے مارنا بہت ہی زیادہ آسان تھا، اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا کہ احرام کی حالت میں شکار قطعاً نہ کرنا جو شکار کرنے سے پرہیز کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ دیکھے بغیر اللہ تعالیٰ سے کون ڈرتا ہے (اور جو شخص شکار کرلے گا وہ گناہ کا ارتکاب کرے گا اور آزمائش میں ناکام ہوگا)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ

اے ایمان والو! شکار قتل نہ کرو اس حالت میں کہ تم احرام میں ہو، اور تم میں سے جو شخص شکار کو قصداً قتل کردے تو اس کا بدلہ اس جانور کا

مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا ۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ

جیسا ہوگا جس کو قتل کیا تم میں دو انصاف والے آدمی اس کا فیصلہ کریں گے اس طرح سے کہ وہ بدلہ والا جانور بطور ہدی کے کعبہ تک پہنچنے والا ہو۔ یا مسکینوں کو

مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ

کفارہ کے طور پر کھانا دے دیا جائے اسکے برابر روزے رکھ لے تاکہ اپنے کئے کی سزا چکھ لے۔ اللہ نے معاف فرمایا جو پہلے گذر چکا ہے اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا تو اللہ اس

اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ

سے انتقام لے گا اور اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا، تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کردیا ہے جو تمہارے نفع کے لئے اور مسافروں کے واسطے ہے

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور تم پر حرام کیا گیا خشکی کا شکار جب تک کہ تم احرام میں ہو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔

احرام میں شکار مارنے کی جزا اور ادائیگی کا طریقہ

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حالت احرام میں (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) خشکی کا جانور شکار کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی شخص قصداً حالتِ احرام میں خشکی کا کوئی جانور شکار کرلے (خواہ اس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو) تو اس کی سزا آیت بالا میں ذکر فرمائی ہے، یاد رہے کہ صید یعنی شکار ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں، انسانوں سے مانوس نہ ہوں ان سے دور بھاگتے ہوں جیسے شیر، گیدڑ، ہرن، خرگوش، نیل گائے، کبوتر، فاختہ وغیرہ اور جو جانور انسانوں سے مانوس ہیں اور ان کے پاس رہتے ہیں جیسے گائے، اونٹ، بھیڑ، بکری، مرغی یہ شکار میں داخل نہیں ہیں اور جو وحشی جانور ہوں ان میں سے بعض جانوروں کا مارنا حالت احرام میں بھی جائز ہے۔ یہ استثناء احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے ان میں کوّا اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور کاٹنے والا کتا اور چوہا شامل ہیں۔ یعنی محرم کو ان کا قتل کرنا جائز ہے اور جو جانور محرم پر حملہ کردے اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے اگر چہ ان جانوروں میں سے نہ ہو جن کے قتل کی اجازت ہے۔

احرام میں شکار مارنے کی جو جزا آیت بالا میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور قتل کیا اس کا ضمان واجب ہوگا اور اس کے ضمان کی ادائیگی یا تو اس طرح کردے کے بطور ہدی کعبہ شریف کی طرف یعنی حدود حرم میں بھیج دے جسے وہاں ذبح کردیا جائے "مِثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ" (یعنی جو جانور قتل کیا ہے اس جانور کا مثل بطور جزا کے واجب ہوگا) اس کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ جسامت میں اتنا بڑا جانور ہو جتنا بڑا جانور اس نے قتل کیا ہے مثلاً شتر مرغ قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ اسی جیسا اونٹ ذبح کیا جائے اور جس جانور کا مثل جسامت کے طور نہ ہو اس کی قیمت لگادی جائے ان کے مذہب کی تفصیلات کتب شافعیہ میں مذکور ہے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جسامت میں مثلیت کا اعتبار نہیں۔ یعنی "مِثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ" سے مثل صوری (یعنی جسمانیت والی برابری) مراد نہیں ہے ان کے نزدیک ابتدأو انتہاءً مثل معنوی ہی مراد ہے مثل معنوی سے مراد یہ ہے کہ مقتول جانور کی قیمت لگادی جائے پھر اس قیمت سے جانور خرید کر بطور ہدی حدود حرام میں ذبح کردیا جائے۔

جس محرم نے شکار کیا ہے اسے اختیار ہے کہ قیمت کے عوض ہدی کا جانور حدود حرم میں ذبح کردے یا کسی دوسرے شخص سے ذبح کرا دے اور اگر ہدی کا جانور ذبح کرانے کے بجائے اس قیمت کو مسکینوں پر صدقہ کرنا چاہے تو یہ بھی کرسکتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ فی مسکین بقدر صدقۂ فطر غلہ یا اس کی قیمت صدقہ کردے...... اور اگر غلہ یا اس کی قیمت دینا نہ چاہے تو بحساب فی مسکین نصف صاع گندم کے حساب سے اتنی شمار کے برابر روزے رکھ لے، اگر فی مسکین بقدر صدقۂ فطر حساب کرکے دینے کے بعد اتنے پیسے بچ گئے جن میں ایک صدقہ فطر کے برابر غلہ نہیں خریدا جاسکتا تو اختیار ہے کہ یہ پیسے ایک مسکین کو دیدے یا اس کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔

جس جانور کو قتل کیا ہے اس کی قیمت کون تجویز کرے اس کے بارے میں ارشاد ہے "یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ" یعنی مسلمانوں میں سے دو انصاف والے آدمی اس کی قیمت کا تخمینہ لگائیں۔ یہ تخمینہ اس جگہ کے اعتبار سے ہوگا جہاں وہ جانور قتل کیا ہے اگر جنگل میں قتل کیا تو جو آبادی وہاں سے قریب تر ہو اس کے اعتبار سے قیمت کا تخمینہ لگایا جائے۔

احرام میں جو شکار کیا گیا ہو اس کے متعلق چند مسائل......

مسئلہ:......اگر جانور کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ بڑا جانور خریدا جاسکتا ہے تو اونٹ اور گائے حدود حرم میں ذبح کردے، بکری ذبح کرے یا گائے یا اونٹ ان میں قربانی کے جانور کے شرائط اور قربانی کے جانوروں کی عمروں کا لحاظ رکھے۔

مسئلہ: اگر مقتول جانور کی قیمت کے برابر ہدی کا جانور تجویز کیا اور جانور خریدنے کے بعد کچھ قیمت بچ گئی تو اس بقیہ قیمت کے بارے میں اختیار ہے خواہ دوسرا جانور خرید کر حدود حرم میں ذبح کردے یا اس کا غلہ خرید کر دیدے یا غلہ کے حساب سے فی نصف صاع گیہوں ایک روزہ رکھ لے۔

مسئلہ: مسکینوں کو غلہ دینے اور روزے رکھنے میں حرم کی قید نہیں ہے البتہ ہدی کا جانور حدود حرم ہی میں ذبح کرنا لازم ہے ذبح کر کے فقراء حرم میں صدقہ کردے۔

مسئلہ: محرم کو جن جانوروں کا شکار کرنا حرام ہے، اگر اس نے ان میں سے کسی جانور کو قتل کر دیا تو وہ جانور میتہ یعنی مردار کے حکم میں ہوگا اور کسی کو بھی اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ: محرم کو جس جانور کا قتل کرنا حرام ہے اس کو زخمی کر دینا یا پر اُکھاڑ دینا، ٹانگ توڑ دینا بھی حرام ہے اگر ان میں سے کوئی صورت پیش آجائے تو تخمینہ کرایا جائے کہ اس جانور کی کتنی قیمت ہوگی پھر اس قیمت کے بارے میں انہیں تین صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کر لی جائے جو قتل کی سزا میں مذکور ہوئیں۔

مسئلہ: مذکورہ جانوروں کا انڈا توڑنا ممنوع ہے اگر محرم نے کسی جانور کا انڈا توڑ دیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی اگر انڈے میں سے مرا ہوا بچہ نکل آیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر دو محرموں نے مل کر شکار کیا تو دونوں پر جزا کامل واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی نے حاملہ ہرنی کے پیٹ میں مار دیا اور اس میں سے زندہ بچا نکلا اور وہ بھی مر گیا تو دونوں کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی غیر محرم نے شکار کیا پھر احرام باندھ لیا اس پر واجب ہے کہ شکار کو چھوڑ دے اگر نہ چھوڑا اور اس کے ہاتھ میں مر گیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: مچھر کے قتل کرنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ: احرام میں چیونٹی کا مارنا جائز ہے جو ایذا دیتی ہو اور جو ایذاء نہ دے اس کا مارنا جائز نہیں لیکن اگر مار دیا تو کچھ واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی محرم نے جوں ماردی تو کچھ صدقہ کر دے۔

مسئلہ: اگر کوئی محرم ٹڈی مار دے تو جتنا جی چاہے تھوڑا بہت صدقہ کر دے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ ایک کھجور ٹڈی سے بہتر ہے۔

مسئلہ: اگر بھولے سے یا خطأ شکار کو قتل کردے تو اس میں بھی جزاء ہے، جمہور کا یہی مذہب ہے۔

ابوبکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی اور فقہاء امصار کا یہی مذہب ہے اور قرآن کریم میں جو لفظ "مُتَعَمِّدًا" آیا ہے یہ ان حضرات کے نزدیک خطا ونسیان سے احتراز کے لئے نہیں بلکہ یہ لفظ اس لئے بڑھایا گیا کہ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ جو آگے آرہا ہے وہ اس پر متفرع ہو سکے کیونکہ خطاء ونسیان پر مواخذہ نہیں ہوتا بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خطأ ونسیان میں قتل صید کی جزا واجب نہیں، شیخ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں: **فالقول الاول هو الصحيح** یعنی پہلا قول ہی صحیح ہے پھر اس کی دلیل میں فرماتے ہیں: **لانه قد ثبت ان جنايات الاحرام لا يختلف فيها المعذور وغير المعذور في باب وجوب الفدية الا ترىٰ اَنَّ اللّٰهَ تعالىٰ قد عذّر المريض و من به اذى من رأسه ولم يخلهما من ايجاب الكفارة** ۔اس

لئے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے احرام کی جنایات میں فدیہ کے واجب ہونے میں معذور وغیر معذور کا کوئی فرق نہیں ہے کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مریض اور جس کے سر میں تکلیف ہو اسے معذور قرار دیا ہے لیکن اسے کفارہ واجب کرنے سے آزاد نہیں رکھا

مسئلہ:...... شکار کی طرف اشارہ کرنا یا شکاری کو بتانا کہ وہ شکار جا رہا ہے محرم کے لئے یہ بھی حرام ہے' اگر محرم نے شکاری کی طرف اشارہ کر دیا اور شکاری نے اسے قتل کر دیا تو بتانے والے پر بھی جزاء واجب ہوگی۔

مسئلہ:...... اگر کسی غیر محرم نے شکار کیا اور محرم کو اس کا گوشت پیش کر دیا تو اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ محرم نے شکاری کو نہ اشارہ سے بتایا ہو نہ زبان سے۔

مسئلہ:...... اگر ایسے محرم نے شکار کیا جس نے قران کا احرام باندھا ہوا تھا تو اس پر دوہری جزا واجب ہوگی کیونکہ اس کے دو احرام ہیں

مسئلہ:...... محرم کا شکار کو بیچنا خریدنا حرام ہے۔ اگر کسی محرم نے ایسا کر لیا تو بیع باطل ہوگی۔

مسئلہ:...... محرم کے لئے حرم اور غیر حرم دونوں میں شکار کرنا حرام ہے۔

مسئلہ:...... حرم کا شکار محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے حرام ہے۔ البتہ اس کے قتل کر دینے سے محرم پر اور غیر محرم پر ایک ہی جزا واجب ہوگی۔

مکہ مکرمہ کے چاروں طرف سرزمین حرم ہے جس کی مسافتیں مختلف ہیں۔ جدہ کی طرف تقریباً ۱۵ کلومیٹر ہے اور عرفات کی طرف تقریباً ۱۴ کلومیٹر ہے۔ منیٰ اور مزدلفہ دونوں حرم میں داخل ہیں تنعیم جو مدینہ منورہ کے راستہ میں آتا ہے یہ حرم سے خارج ہے پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ تنعیم مکہ مکرمہ سے تین میل ہے لیکن اب مکہ معظمہ کی آبادی تنعیم بلکہ اس سے بہت آگے تک چلی گئی ہے۔

حرم شریف کی گھاس اور درخت کاٹنے کے مسائل

مکہ معظمہ کے حرم کی گھاس کاٹنا اور ایسے درخت کو کاٹنا جو کسی کی مملوک نہیں جسے لوگ بوتے نہیں یہ بھی ممنوع ہے۔

اگر کوئی شخص محرم یا غیر محرم حرم کا شکار مارے تو اس کی جزا دینا واجب ہوگی اسی طرح اگر گھاس کاٹ دی یا غیر مملوک درخت کاٹ لیا تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا اگر کوئی درخت حدود حرم میں کسی شخص کی ملکیت میں اُگ آیا تو اس کے کاٹنے پر اس کی قیمت حرمت حرم کی وجہ سے واجب ہوگی جس کا صدقہ کرنا لازم ہوگا اور ایک قیمت بطور ضمان اس کے مالک کو دینی ہوگی اور اگر حرم کے کسی ایسے درخت کو کاٹ دیا جسے لوگ اُگاتے ہیں۔ تو اس صورت میں صرف مالک کو قیمت دینا واجب ہوگا۔

مسئلہ:...... اگر دو غیر محرموں نے مل کر حرم کا شکار قتل کیا تو ایک ہی جزا واجب ہوگی۔

احرام میں سمندر کا شکار کرنے کی اجازت...... آخر میں فرمایا اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے سمندر کا شکار کرنا اور اس کا کھانا بھی حلال ہے اس میں محرم اور غیر محرم دونوں برابر ہیں پہلے دریائی شکار کر کے سفر میں جاتے وقت ساتھ لے گئے یا سفر میں دریائی شکار کر لیں' یہ مسافروں کے لئے درست ہے محرم ہو یا غیر محرم اور خشکی کا شکار محرم کے لئے حرام قرار دیا گیا خواہ کسی قسم کے احرام میں ہو (احرام عمرہ ہو یا احرام حج یا احرام قران)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۔ یعنی جملہ احکام کی پابندی کرو اللہ سے ڈرو اس کے اوامر و نواہی کی مخالفت نہ کرو۔ اس کی طرف سب کو جمع ہونا ہے۔ وہاں پیشی ہے حساب ہے لہٰذا وہاں کے لئے فکر مند رہو۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْيَ وَ الْقَلَآئِدَ ؕ

کعبہ جو احترام والا گھر ہے اللہ نے اسے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے اور حرمت والے مہینے کو اور ہدی کے جانوروں کو اور ان کے گلے میں جو پٹے پڑے ہوئے ہوں

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ان سب کو لوگوں کے قائم رہنے کا ذریعہ بنایا ہے یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ

تم جان لو! کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے اور اللہ بلاشبہ بخشنے والا مہربان ہے، رسول اللہ ﷺ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے اور اللہ جانتا ہے

مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ۝

جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

کعبہ شریف لوگوں کے قائم رہنے کا سبب ہے

کعبہ (جس کے حروف اصلی ک، ع، ب ہیں) عربی زبان میں اوپر کو اٹھے ہوئے چوکور گھر کو کہتے ہیں۔ کعبہ شریف کی جگہ نشیب میں ہے اور کعبہ شریف دور سے اٹھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جب کعبہ شریف بنایا گیا تھا اس وقت اس کے چاروں طرف مسجد حرام بنی ہوئی نہیں تھی اس لئے دور سے اٹھا ہوا اور زمین سے ابھرا ہوا نظر آتا تھا اس ارتفاع کی وجہ سے اس کا نام "کعبہ" رکھا گیا۔ لفظ "الکعبة" کے بعد "البیت الحرام" بھی فرمایا یعنی بہت محترم گھر، اللہ تعالیٰ نے اس کو محترم قرار دیا۔ اس کی حرمت ہمیشہ سے ہے اس کا طواف بھی حرمت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔

مکہ معظمہ کے چاروں طرف جو حرم ہے وہ بھی اسی کعبہ شریف کی وجہ سے محترم ہے اور اسی احترام کی وجہ سے حرم میں شکار کرنا اور اس کی گھاس اور درخت کاٹنا ممنوع ہے حرم میں قتل وقتال بھی ممنوع ہے قتل وقتال کی ممانعت کا عقیدہ زمانہ جاہلیت میں بھی تھا۔

تفسیر درمنثور میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کوئی شخص جرم کر کے حرم میں پناہ لے لیتا تھا تو اس کو قتل نہیں کرتے تھے۔ آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ کعبہ جو بیت محترم ہے اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے قائم رہنے اور امن وامان کا ذریعہ بنایا جو بہت سے لوگوں کی معیشت کا ذریعہ بنا ہوا ہے زمین کے دور دراز گوشوں سے لوگ حج وعمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ معظمہ آتے ہیں شہر مکہ میں رہتے ہیں منیٰ میں قیام کرتے ہیں عرفات مزدلفہ میں وقوف کرتے ہیں ان سب کے آنے اور رہنے اور ضرورت کی اشیاء خریدنے کے باعث اہل عرب اور خاص کر اہل مکہ کی معیشت بنی رہتی ہے اور اس خریداری کے اثرات پورے عالم فیکٹریوں اور کمپنیوں پر پڑتے ہیں۔ اہل مکہ کے لئے تو کعبۃ اللہ ذریعہ قیام اور بقاء ہے ہی بعض اعتبار سے پورے عالم کی بقاء کا ذریعہ ہے، بحری جہازوں سے لوگوں کی آمد، ہوائی جہازوں کی اڑان، کروڑوں روپے کے کرائے اور بسوں اور کاروں کے سفران کے ذریعہ جو عرب وعجم میں مالی آمدنی ہے پورے عالم کو اس کا اقتصادی فائدہ پہنچتا ہے۔

سورۂ قصص میں فرمایا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (کیا ہم نے ان کو امن وامان والے گھر میں جگہ نہیں دی۔ جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے جو ہمارے پاس سے بطور رزق ان کو ملتے ہیں لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے) پھر چونکہ حج ایک عظیم عبادت ہے جو سراپا اللہ کے ذکر سے معمور ہے اور اللہ کا ذکر ہی

اس عالم کی روح ہے اس لیے بھی کعبہ شریف سارے عالم کی بقاء کا ذریعہ ہے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک دنیا میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۸۴ جلد ۱) جب دنیا میں کوئی بھی ایمان والا نہ رہے گا تو کعبہ شریف کا حج بھی ختم ہوگا۔ کعبہ شریف کا حج ختم ہو جانا بھی دنیا کی بربادی کا ذریعہ ہے۔

بعض حضرات نے قِيَامًا کا ترجمہ "اَمْنًا" سے بھی کیا۔ بلاشبہ حرم مکہ زمانۂ قدیم سے مَامَن یعنی امن کی جگہ ہے سورۂ بقرہ میں فرمایا وَاِذْجَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن کی جگہ بنایا) اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا اور ان کے گردوپیش لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے) بلاشبہ عبادات اور مالیات اور امن وامان یہ سب انسانوں کے قیام اور بقاء کا ذریعہ ہیں۔

ہدی کے جانور...... ہدی وہ جانور جو بطور نیاز کعبہ شریف کی طرف بھیجا جائے ہدی واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی اور دم جنایات جو واجب ہیں حرم ہی میں انکو ذبح کیا جاتا ہے۔ دم تمتع اور دم قران بھی حرم ہی کے اندر کرنا لازم ہے اور شکار کے بدلے جو جانور ذبح کیا جائے اس کے بارے میں بھی "هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ" فرمایا ہے ہدی کے جانور کا حدود حرم میں ذبح کرنا لازم ہے آج کل تو ہدی کے جانور منیٰ میں ہی مل جاتے ہیں زمانۂ قدیم میں ہدی کے جانور اپنے ساتھ لایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وصحبہ وسلم عمرہ حدیبیہ کے موقع پر اور حجۃ الوداع کے موقع پر ہدی کے جانور ساتھ لے گئے تھے اور عام طور سے ہدی کے جانور ساتھ لانے کا دستور تھا۔

القلائد...... صاحب روح المعانی نے صفحہ ۳۶ جلد ۷ میں لکھا ہے کہ "القلائد" سے ذوات القلائد مراد ہیں۔ اونٹوں کے گلوں میں قلائد یعنی پٹے ڈال دیا کرتے تھے ہدی کے ذکر کے بعد اونٹوں کا ذکر مستقل طریقہ پر کیا کیونکہ ان کے ذبح کرنے میں ثواب زیادہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کعبہ شریف اور اس سے متعلقہ چیزیں جن میں شہر حرام اور ہدی کے چھوٹے بڑے جانور بھی ہیں ان کو لوگوں کے قیام اور بقا کا ذریعہ بنایا۔ اہل عرب شہر حرام میں امن وامان سے رہتے تھے بے تکلف حج بھی کرتے تھے اور دوسری اغراض دنیویہ کے لئے بھی نکلتے تھے اور جن قبیلوں میں آپس میں دشمنی ہوتی تھی وہ بھی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے تھے اور ہدی کے جانوروں کا گوشت کھانا بھی معمول تھا۔ پھر ان جانوروں کی خرید وفروخت بھی ہوتی تھی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے ان سب وجوہ سے کعبہ اور شہر حرام اور ہدی کے جانور یہ سب لوگوں کے قیام یعنی بقاء کا ذریعہ ہیں۔

قال الجصاص فی احکام القرآن صفحہ ۴۸۲ جلد ۲ وهٰذا الذی ذکره اللّٰه تعالیٰ من قوام الناس بمناسک الحج والحرام والاشهر الحرم والهدی والقلائد معلوم مشاهد فلا نریٰ شیئًا من امر الدین والدنیا تعلق به من صلاح المعاش والمعاد بعد الایمان ماتعلق بالحج الاتری الیٰ کثرةمنافع الحاج فی المواسم التی یردون علیها من سائر البلدان التی یجتازون بمنیٰ وبمکة الیٰ ان یرجعوا الیٰ اهالیهم وانتفاع الناس بهم و کثرة معایشهم وتجارتهم معهم (الیٰ اٰخر ماقال)

(یعنی یہ جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ مناسک حج، کعبۃ اللہ، اشہر حرم، ہدی اور قلائد یہ سب لوگوں کے قیام یعنی بقا کا ذریعہ ہیں۔ یہ ایک جانی ہوئی اور مشاہدہ کی ہوئی چیز ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اصلاح معاش ومعاد کا تعلق ایمان کے بعد جتنا حج سے ہے اتنا کسی اور دنیوی یا اخروی امر کے ساتھ نہیں ہے۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ حج کے زمانہ میں جو حاجی مختلف علاقوں سے آتے ہیں اور منیٰ ومکہ میں گھومتے پھرتے ہیں وہ لوگوں سے اور لوگ ان سے بہت زیادہ معاشی وتجارتی منافع لے کر اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹتے ہیں۔)

پھر فرمایا: ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ٥

(اور یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے)

شیخ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے بارے میں خبر دی ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اس نے دین و دنیا کے منافع حج میں رکھ دیئے۔ یہ تدبیر ایسی عجیب ہے کہ جس میں امت کے لئے اول سے لے کر آخر تک یعنی قیامت کا دن آنے تک سب کی صلاح کا انتظام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہ ہوتا اور تمام اشیاء کو ان کے وجود سے پہلے نہ جانتا تو ایسی تدبیر نہیں ہو سکتی تھی جس میں بندوں کی دین و دنیا کی صلاح ہے۔

پھر فرمایا: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ (بلاشبہ تم جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

اس میں تنبیہ ہے کہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرو اور احیاناً کہیں خلاف ورزی ہو جائے تو جلدی سے توبہ کرو اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو وہ غفور ہے رحیم ہے)

پھر فرمایا: مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ٥ (رسول کے ذمہ نہیں ہے مگر پہنچانا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو) اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ تمام احکام کی پابندی کرو رسول کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے، آگے عمل کرنا تمہارا اپنا کام ہے۔

ہر طرح کے اعمال ظاہرہ اور باطنہ کو صحیح طریقہ پر انجام دو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام ارادوں سے اور تمام اعمال باطنہ اور اعمال ظاہرہ سے باخبر ہے وہی حساب لے گا اور جزا دے گا۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ

آپ فرما دیجئے کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں اگرچہ اے مخاطب! تجھے خبیث کی کثرت بھلی معلوم ہوتی ہو۔ سوائے عقل والو! اللہ سے ڈرو۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰

تا کہ کامیاب ہو جاؤ۔

ع ۱۳/۷

خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں

لباب النقول صفحہ ۹۸ میں اس آیت کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کی حرمت بیان فرمائی تو ایک دیہات کا رہنے والا آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ میں شراب کی تجارت کرتا تھا اس کے ذریعہ میں نے مال حاصل کیا اگر یہ مال اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کروں تو کیا یہ مال مجھے نفع دے گا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقبل الا الطيب) (کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ مگر پاکیزہ مال کو) اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق فرماتے ہوئے آیت: قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ نازل فرمائی۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت سے جو مال پہلے کمایا ہوا تھا وہ تو حلال ہونا چاہیے اس کو خبیث کیوں فرمایا؟

بصورت صحتِ حدیث اس اشکال کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ چونکہ شراب کی حرمت نئی نئی نازل ہوئی تھی اس لئے کلی طور پر اس سے منافع سابقہ اور لاحقہ سب سے منع فرمادیا۔ یہ تشدید اس لئے کی گئی کہ شراب کے منافع سے بالکل ہی دست بردار ہوجائیں اور دلوں میں اس سے کسی قسم کا لگاؤ نہ رہے ...... آیت کا سبب نزول جو کچھ بھی ہو بہر حال اس میں ایک اصولی بات بتادی اور وہ یہ کہ خبیث اور طیب برابر نہیں۔

خبیث بری چیز کو اور طیب اچھی چیز کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے خبیث کا ترجمہ ناپاک اور طیب کا ترجمہ پاک کیا ہے۔ آیت کا مفہوم عام ہے اچھے برے اعمال اور اچھے برے اموال اور اچھے برے افراد سب کو شامل ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ خبیث سے حرام مال اور طیب سے حلال مال مراد ہے اور بعض حضرات نے خبیث سے کافر اور طیب سے مؤمن مراد لیا ہے۔ ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں الفاظ قرآنیہ کا عموم سب کو شامل ہے۔ کسبِ مال میں بھی حلال کا دھیان رکھا جائے اور جب اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے لگیں تو حلال اور عمدہ مال خرچ کریں اور مؤمن کو کافر پر ترجیح دیں البتہ ظلم کسی پر نہ کریں

حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا ...... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ حرام مال کمائے گا پھر اس میں سے صدقہ کرے گا اور اس میں سے خرچ کرے گا تو اس میں برکت نہ ہوگی اور اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا تو یہ اس کے لئے دوزخ میں جانے کا توشہ ہوگا۔ بے شک اللہ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا (یعنی مال خبیث کما کر اس میں سے صدقہ کردے تو اس میں سے حرام مال پاک نہ ہوجائے گا اور حرام کمانے کا گناہ معاف نہ ہوگا)۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۴۲) **وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ** میں ارشاد فرمادیا کہ کسی چیز کا زیادہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اچھی بھی ہو۔ دنیا میں کافر زیادہ ہیں اس کثرت کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک اچھے نہیں ہوگئے جو لوگ اسلام کے دعویدار ہیں اس میں بھی اکثر وہ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگ ان کی کثرت دیکھ کر گناہوں کی راہ اختیار کرتے ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ گناہ چھوڑ دو تو کہہ دیتے ہیں کہ لاکھوں آدمی گناہ کررہے ہیں یہ بھی اللہ کے بندے ہیں، یہ جاہلانہ جواب ہے اللہ کے بندے تو ہیں مگر گناہگار بندے ہیں۔ تمہیں پرہیزگار بندوں کی راہ اختیار کرنی چاہیے گناہگار بندوں کے پیچھے کیوں چلتے ہو۔

الیکشن کی قباحت ...... آیت کریمہ سے الیکشن کی قباحت بھی معلوم ہوگئی چونکہ الیکشن کی بنیاد اکثریت پر رکھی گئی ہے اس لئے الیکشن میں وہ آدمی جیت جاتا ہے جس کو ووٹ زیادہ مل جائیں بلکہ جس کے حق میں ووٹوں کی گنتی زیادہ ہوجائے وہ جیتتا ہے خواہ کسی بھی طرح ہو۔ دھاندلی بھی کی جاتی ہے ووٹ خریدے بھی جاتے ہیں فریق مخالف کے ووٹوں کے بکس بھی غائب کئے جاتے ہیں۔

قطع نظر ان سب باتوں کے اکثریت پر کامیابی کی بنیاد رکھنا مستقل وبال ہے اور غیر شرعی چیز ہے جب انسانوں میں اکثریت بے دین اور فاسقوں فاجروں کی ہے جنہیں اللہ کے دین پر نہ خود چلنا ہے نہ دوسروں کو چلنے دینا ہے ایسے لوگوں کی رائے کا شرعاً کچھ وزن نہیں دنیا میں جب سے جمہوریت کا سلسلہ چلا ہے بہت سے لوگ جنہیں علم کا گمان بھی ہے وہ بھی جمہوریت کیلئے اپنی کوشش خرچ کرتے ہیں کہ ہماری کوششوں سے فلاں ملک میں جمہوریت آگئی ہے گویا انہوں نے دین کا بہت بڑا کام کردیا۔ یہ لوگ جمہوریت کے دینی نقصانات کو جانتے ہوئے اس کے لئے اپنی کوششیں صرف کرتے ہیں پھر جمہوریت کے اصول پر جو بھی کوئی بد سے بدتر، ملحد، زندیق، منکرِ اسلام منتخب ہوجائیں اسے مبارک باد دیتے ہیں کسی حلقہ میں سو ووٹ ہوں اور اکیاون ووٹ کسی ملحد بے دین کو مل جائیں (جو اسی جیسے بے

دینوں سے تو ملتے ہیں) اور انچاس ووٹ کسی متقی پرہیزگار دین دار کو مل جائیں (جو دینداروں سے ملتے ہیں) تو فاسق فاجر الیکشن جیت لیتا ہے اور کامیاب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کے کسی ملک کے چھوٹے بڑے عہدہ کے لئے کسی بھی فاسق فاجر کی رائے پر اعتماد کرنا درست نہیں جو لوگ اکثریت کے فیصلہ پر ایمان لاتے ہیں (اور اکثریت کا بے دین فاسق فاجر ہونا معلوم ہے) وہ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ پر بار بار دھیان کریں۔ پھر فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (کہ اے عقل والو! اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (صفحہ ۳۸ جلد ۷) "ان مدار الاعتبار هو الخيرية والرداءة لاالكثرة والقلة" (اچھائی و برائی کا مدار اچھائی و برائی ہے نہ کہ کثرت و قلت)

یعنی خبیث کے بچنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگرچہ زیادہ ہو اور طیب کو ترجیح دو اگرچہ کم ہو کیونکہ اچھا یا برا ہونے کا مدار اچھائی اور برائی اختیار کرنے پر ہے قلت یا کثرت پر نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے

حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۰۱ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ

جس وقت قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں گی اللہ نے ان کے بارے میں معافی دے دی اور اللہ بخشنے والا اور حلم والا ہے۔ ایسی ہی باتیں تم

مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝۱۰۲

سے پہلے بھی لوگ پوچھ چکے ہیں، پھر جلد ہی وہ ان کے منکر ہو گئے۔

بے ضرورت سوالات کرنے کی ممانعت

مفسر ابن کثیر نے صفحہ ۱۰۵ جلد ۲ بحوالہ ابن جریر حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اس وقت غصہ کی حالت میں تھے چہرۂ انور سرخ ہو رہا تھا، آپ ممبر پر تشریف فرما ہو گئے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں ہے پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔

یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور (آپ کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور آپ کو راضی کرنے کے لئے) یہ پڑھنے لگے "رضينا بالله ربّاوبا لا سلام دينا و بمحمدصلى الله عليه وسلم نبيًا وبالقراٰن اماما" (ہم راضی ہیں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ماننے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ماننے پر اور قرآن کو امام ماننے پر) اس کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ جاہلیت اور شرک میں تھے نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ہمارے باپ کون ہیں۔ یہ سن کر آپ کا غصہ ٹھہر گیا اور یہ آیت " يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ " نازل ہوئی۔

صحیح بخاری صفحہ ۶۶۵ جلد ۲ میں ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطور تمسخر و استہزاء پوچھا کرتے تھے، کوئی کہتا

تھا میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی کہتا تھا میری اونٹنی کہاں ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

مفسر ابن کثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جب آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۔ نازل ہوئی۔ تو بعض صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہر سال حج فرض ہے آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، حاضرین نے دوبارہ سوال کیا تو فرمایا نہیں! (ہر سال فرض نہیں ہے) اور اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا اور اگر ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا تو تم اس کی طاقت نہ رکھتے...... اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ میں مذکورہ بالا يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا نازل فرمائی۔

اسبابِ نزول متعدد بھی ہو سکتے ہیں اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آیت کریمہ میں مسلمانوں کی اس بات کی ہدایت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو جن کی ضرورت نہیں ہے، اور جن کے ظاہر کرنے سے سوال کرنے والے کو ناگواری ہوگی اور جواب اچھا نہ لگے گا ایک آدمی نے پوچھ لیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے آپ نے جواب دیدیا کہ دوزخ میں ہے بات معلوم کرنے کی ضرورت نہ تھی پھر جو جواب ملا وہ گوارہ نہ تھا یوں تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مسائل واحکام دریافت کیا ہی کرتے تھے اور سوال کرنے کا حکم بھی ہے جیسا کہ سورۂ نحل اور سورۂ انبیاء میں ارشاد ہے فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (سو سوال کرو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے) معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا آیت میں جن چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے ممانعت فرمائی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جن کی ضرورت نہ ہو۔

صاحبِ روح المعانی صفحہ ۳۹ جلد ۷ میں لکھتے ہیں۔

والمراد بها ما لاخير لهم فيه من نحو التكاليف الصعبة التى لا يطيقونها والاسرار الخفية التى قد يفتضحون بها فكما ان السؤال عن الامور الواقعة مستتبع لابداءها كذٰلك السؤل عن تلك التكاليف مستتبع لايجابها عليهم بطريق التشديد لاساء تهم الادب وتركهم ماهو الاولىٰ بهم من الاستسلام لامر اللّٰه تعالىٰ من غير بحث فيه ولا تعرض عن الكيفية والكمية اه ۔ (اُن آیات میں اشیاء سے وہ معاملات مراد ہیں جن کے پوچھنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے جیسا کہ وہ مشکل ذمہ داریاں جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے اور وہ خفیہ بھید جن کے اظہار سے وہ رسوا ہوتے ہیں پس ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنا ان کے ظاہر کرنے کا سبب ہے اسی طرح ان ذمہ داریوں کے بارے میں سوال کرنا بے ادبی اور بغیر کسی بحث و تمحیص اور کیفیت و کمیت کے بارے میں قیل قال کے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے جھکنے کو چھوڑنے کی وجہ سے ان پر تنگی کے طور پر ان احکام کے واجب ہونے کا سبب ہیں)

یعنی آیت بالا میں جن اشیاء کے بارے میں سوال کرنے کی ممانعت فرمائی ہے ان سے وہ سخت احکام مراد ہیں جن کی طاقت نہیں اور وہ پوشیدہ بھید کی چیزیں مراد ہیں جن کے ظاہر کرنے میں بعض لوگوں کی رسوائی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جس طرح گذشتہ امور کے بارے میں سوال کرنے پر تنبیہ اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کو ظاہر کیا جائے اسی طرح تکلیف شاقہ یعنی سخت احکام کے بارے میں سوال کرنا اس امر کو مستلزم ہے کہ حکماً ان احکام کو بطور سزا سوءِ ادبی کی پاداش میں واجب کر دیا جائے، اور جو طریقہ اختیار کرنا چاہیے تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان لینا اور کیفیت اور کمیت کی بحث میں نہ پڑنا اس کے ترک کرنے کی وجہ سے حکم میں تشدید کر دی جاتی ہے۔

پھر فرمایا وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ (یعنی نزول قرآن کے وقت سوال کرو گے تو تمہارے سوالوں کا جواب

بذریعہ وحی دیدیا جائے گا) اور سوال کا جواب ملے گا تو ضروری نہیں کہ سائل کے مرضی کے مطابق ہو۔ لہٰذا سوال نہ کرنا ہی صحیح ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن صفحہ ۴۸۳ جلد ۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے ممانعت فرمائی جن کے جاننے کی حاجت نہیں تھی مثلاً عبداللہ بن حذافہ نے پوچھ لیا میرا باپ کون ہے؟ اس سوال کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ حسب قاعدہ شرعیہ الولد للفراش حذافہ ہی ثابت النسب تھے پھر اگر واقعۃً حذافہ کے نطفہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہوتے اور آپ اس کو ظاہر فرما دیتے تو کس قدر رسوائی ہوتی۔

اسی طرح وہ جو ایک صحابی نے عرض کر لیا "کیا ہر سال حج فرض ہے؟" اس کی کوئی ضرورت نہ تھی اگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ ہاں! ہر سال فرض ہے تو ساری امت کس قدر تکلیف میں مبتلاء ہو جاتی۔

پھر فرمایا: "عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا" اس کی ایک تفسیر تو یہ کی گئی کہ اب تک جو تم نے نامناسب سوال کئے ہیں یہ سوال کرنا اللہ نے معاف کر دیا اور بعض حضرات نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ جو احکام تمہیں نہیں دیئے گئے وہ معاف ہیں، یعنی جو حکم نہیں دیئے گئے ان کے بارے میں تم سوال نہ کرو۔ ہو سکتا ہے سوال کرنے سے ان کے بارے میں حکم نازل ہو جائے، اور جب تک کسی چیز کے بارے میں نفیاً یا اثباتاً کوئی حکم نہیں ہے اس کے بارے میں تمہیں اختیار ہے اسے کرو یا نہ کرو۔ سوال کر کے اور کرید کرا پنے اوپر کوئی چیز کیوں واجب کراتے ہو؟

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں تم انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں تم ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تم ان کا ارتکاب نہ کرو اور تم پر مہربانی فرماتے ہوئے بہت سی چیزوں سے خاموشی اختیار فرمائی اور یہ خاموشی بھولنے کی وجہ سے نہیں ہے لہٰذا تم ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔ (رواہ الدارقطنی وغیرہ کما قال النووی فی اربعینہ وقال حدیث حسن)

گزشتہ قوموں نے سوالات کئے پھر منکر ہو گئے: .... پھر فرمایا **قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ** ٥ کہ تم سے پہلے لوگوں نے سوال کیے تھے پھر ان کے منکر ہو گئے یعنی جب ان سوالات کا جواب دیدیا گیا تو ان جوابوں سے منتفع نہ ہوئے اور جو حکم ملا اس پر عمل نہ کیا۔ یہود و نصاریٰ کی ایسی عادت تھی پوچھتے تھے پھر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا یہ سوال کرنا کہ آسمان سے مائدہ نازل ہو۔ یہ تو مشہور ہی ہے مائدہ نازل ہوا تو ان لوگوں سے کہا گیا تھا جو کھا سکتے ہو کھالو۔ اس سے اٹھا کر نہ رکھنا لیکن وہ لوگ نہ مانے اور گنہگار ہوئے۔ اسی طرح قوم ثمود نے پہاڑ سے اونٹنی نکالنے کا سوال کیا پھر جب اونٹنی نکل آئی تب بھی ایمان نہ لائے اور اونٹنی کو کاٹ ڈالا۔

جو کوئی ضرورت پیش آ گئی ہو اس کے بارے میں سوال کرنا درست ہے اور خواہ مخواہ بلا ضرورت سوال کرنے میں اضاعت وقت بھی ہے اور لایعنی کا ارتکاب بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ.** (ترمذی) یعنی انسان کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ لایعنی چیز کو چھوڑ دے۔ لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ فرائض و واجبات تک نہیں جانتے نماز تک یاد نہیں لیکن اِدھر اُدھر کے سوالات کرتے رہتے ہیں۔

علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کا ارشاد ...... علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے آیت بالا سے اس پر استدلال کیا ہے کہ حوادث و نوازل کے بارے میں جواب و سوال نہ کیا جائے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں فرمائے تو ہمیں ان کی حاجت نہیں لہٰذا جو احکام غیر منصوص ہیں ان کے بارے میں غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں، احکام

غیر منصوصہ کے بارے میں سوال کرنا آیت کے مفہوم میں داخل نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو ہدی کے اونٹ حرم مکہ لے جانے کی ذمہ داری پیش کی تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی جانور ہلاک ہونے لگے تو اس کا میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو ذبح کر دینا اور اس کے جوتے کو (جو بطور نشانی کے اس کی گردن میں پڑا ہو کہ یہ ہدی کا جانور ہے) خون سے رنگ دینا۔ حضرت ناجیہ نے ایک صورت حال کے بارے میں سوال کیا جو پیش آسکتی تھی۔ آپ کو اس سوال سے کچھ بھی ناگواری نہ ہوئی اور جواب عنایت فرما دیا۔

شیخ ابوبکر جصاصؒ نے اور دو تین روایتیں ایسی نقل کی ہیں جن میں آسکنے والے واقعات کے بارے میں سوال پیش کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے کا ذکر ہے اس کے بعد لکھتے ہیں اس طرح کی بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امور غیر منصوصہ کے بارے میں سوال کرنا ممنوع نہیں پھر لکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد میں جمع ہوتے اور نئے نئے مسائل کے بارے میں آپس میں مذاکرہ کرتے تھے اور حضرت تابعین کا معمول رہا اور ان کے بعد فقہاء نے اپنا معمول بنایا اور آج تک ایسا ہو رہا ہے اس کے بعد شیخ ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں کہ امور غیر منصوصہ کے بارے میں غور وفکر پر نکیر کرنے والے وہی لوگ ہیں جو جاہل ہیں۔ جنہوں نے حدیث کو ایسے معانی پر محمول کیا جن کا انہیں علم نہیں تھا لہٰذا ان کے بارے میں بولنے سے اور ان کا فقہ مستنبط کرنے سے عاجز رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "**رب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه**" (بہت سے حامل فقہ ایسے ہیں جو خود فقیہ نہیں اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہیں جو اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچا دیتے ہیں)

علامہ جصاصؒ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ جماعت جو احکام غیر منصوصہ میں غور وفکر کرنے کا انکار کرتی ہے یہ لوگ اس آیت کا مصداق ہیں مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ نے مقرر نہیں فرمایا نہ کوئی بحیرہ اور نہ کوئی سائبہ اور نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حام، لیکن جن لوگوں نے کفر

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اختیار کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثر وہ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

مشرکین عرب کی تردید جنہوں نے بعض جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا اور ان کے نام تجویز کر رکھے تھے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے

دنیا میں جو گمراہیاں پھیلیں ان میں سب سے بڑی گمراہی شرک ہے اور شرک کی بہت سی انواع واقسام ہیں جن میں سے بعض اقسام ایسے ہیں کہ ان میں جانوروں کو ذریعہ شرک بنایا گیا۔ جیسا کہ سورۂ نساء (ع ۲۰) میں گزرا ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ کہا تھا۔ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۙ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ.

(میں تیرے بندوں میں سے اپنا مقرر حصہ لوں گا اور میں ان کو گمراہ کروں گا اور میں ان کو آرزوؤں میں پھنساؤں گا اور میں ان کو حکم کروں گا جس کی وجہ سے وہ چار پایوں کے کانوں کو کاٹیں گے اور میں ان کو حکم کروں گا جس کی وجہ سے اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑیں گے)

شیطان نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور بہت سے لوگوں کو اپنی طرف لگالیا شرک وکفر میں ڈال دیا اور مشرکوں نے بتوں کے نام پر جانوروں کے کان بھی کاٹے اور کئی طریقوں سے جانور کو شرک کا ذریعہ بنایا جس طرح بتوں کے نام تجویز کر لیتے تھے۔ اسی طرح جانوروں کے نام بھی مقرر کر لیتے تھے۔

آیت بالا میں اس طرح کے چار ناموں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول بحیرہ، دوم سائبہ، سوم وصیلہ، چہارم حام۔

صاحب روح المعانی نے صفحہ ۴۲ جلد ۷ میں بحیرہ: کی کئی تفسیریں لکھی ہیں ان میں سے ایک قول زجاج کا نقل کیا ہے اور یہ کہ اہل جاہلیت یہ کرتے تھے کہ جب کسی اونٹنی سے پانچ مرتبہ بچے پیدا ہو جاتے اور پانچویں مرتبہ مذکر ہوتا تو اس کے کان کو چیر دیتے اور پھر اسے نہ ذبح کرتے تھے اور نہ اس پر سواری کرتے اور پھر اسے نہ پانی سے روکا جاتا اور نہ کسی جگہ چرنے سے منع کیا جاتا تھا اور حضرت قتادہ تابعی سے یوں نقل کیا ہے کہ جب کسی اونٹنی کے پانچ بچے ہو جاتے تو پانچویں بچے کو دیکھتے اگر نر ہوتا تو ذبح کر کے کھا جاتے اور مادہ ہوتا تو کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے وہ چرتا پھرتا تھا اور اس سے سواری وغیرہ کا کام کوئی نہیں لیتے تھے اور بعض اقوال نقل کئے ہیں۔

سائبہ:...... کے بارے میں بھی مختلف اقوال لکھے ہیں۔ محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ سائبہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کے دس بچے پیدا ہو جاتے اسے چھوڑ دیتے تھے نہ اس پر سواری کرتے تھے اور نہ اس کے بال کاٹتے تھے اور نہ اس کا دودھ دوہتے تھے۔ ہاں اگر کوئی مہمان اس کا دودھ لیتا تو اس کی اجازت تھی اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ "سائبہ" وہ جانور تھا جسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور بت خانوں میں جو پجاری رہتے تھے، ان کے حوالے کر دیتے تھے اور اس کا گوشت صرف مسافر اور انہی کی طرح لوگ کھاتے تھے۔ یہ تفسیر حضرت ابنِ عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

وصیلہ :...... وصیلہ کے بارے میں بھی کئی قول نقل کئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ "وصیلہ" اس بکری کو کہتے تھے جس کے سات مرتبہ بچے پیدا ہو جائیں۔ ساتویں نمبر پر اگر بچی پیدا ہو جائے تو اس سے عورتیں ذرا بھی منتفع نہیں ہو سکتی تھیں۔ ہاں اگر وہ مر جاتی تو مرد اور عورت سب اسے کھا سکتے تھے اور اگر ساتویں مرتبہ کے حمل سے ایک بچہ اور ایک بچی (نر مادہ) پیدا ہو گئے تو کہتے تھے کہ "وصلت اخاها" (کہ اپنے بھائی کے ساتھ جوڑواں پیدا ہوئی ہے) پھر ان دونوں کو چھوڑ دیتے تھے اور اس سے صرف مرد منتفع ہوتے تھے۔ عورتیں منتفع نہیں ہوتی تھیں۔ اگر یہ مادہ مر جاتی تو عورتیں مرد سب منتفع ہوتے تھے۔

اور محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ "وصیلہ" وہ بکری تھی جس کے پانچ بطن سے متواتر دس مادہ پیدا ہو جائیں۔ پھر جب نر مادہ دونوں ایک ہی حمل سے پیدا ہو جاتے تو کہتے تھے کہ یہ اپنے بھائی کے ساتھ جوڑواں پیدا ہوئی۔ لہٰذا اسے ذبح نہیں کرتے تھے۔

حام:...... کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ یہ حمیٰ یحمی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی بچانے اور محفوظ رکھنے کا ہے۔

فراء کا قول ہے کہ جس سانڈ کے بیٹے کا بیٹا اونٹنی کو حاملہ کر دیتا تھا اس اونٹنی کو حامی کہتے تھے اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اور کہتے تھے کہ اس نے اپنی کمر کی حفاظت کر لی اسے کسی جگہ پانی سے یا چراگاہ سے ہٹایا نہیں جاتا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ جس سانڈ کی پشت سے دس مرتبہ حاملہ ہو کر اونٹنی بچے جن لیتی تھی اسے حامی کہتے تھے اور کہتے تھے کہ اس نے اپنی کمر کی حفاظت کر لی اب اس پر

نہ بوجھ لادا جائے گا اور نہ کسی پانی اور گھاس کی جگہ سے ہٹایا جائے گا۔

یہ سب تحریم اور تحلیل اہل جاہلیت کی اپنی خودتراشیدہ تھی اور اس کے احکام و مسائل سب ان لوگوں نے خودتراش رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت سے ان باتوں کا کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ لیکن وہ یوں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہم یوں کرتے ہیں اور شرک بھی کرتے تھے اور پھر اللہ کی طرف ان کی نسبت بھی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا کہ ''اللہ نے ان جانوروں کے بارے میں یہ احکام نازل نہیں فرمائے بلکہ ان لوگوں نے خود تجویز کئے اور اللہ پاک پر تہمت رکھ دی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔

وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں) تحلیل تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کسی مخلوق کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے طریقہ سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیدے۔ اول تو جانوروں کو خود حرام قرار دیدینا بہت بڑا گناہ ہے پھر اس تحریم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جبکہ اس نے ان کے حرام ہونے کی کوئی تصریح نہیں فرمائی یہ گناہ در گناہ ہے۔ شیطان کا یہ طریقہ رہا ہے کہ لوگوں سے شرک کرواتا ہے اور پھر اپنے ماننے والوں کو یہ سمجھاتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا طریقہ ہے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ مجھے اس مقام میں وہ سب چیزیں دکھائی گئیں جن کی تم کو خبر دی گئی ہے میں نے یہاں جنت کو دیکھا اور دوزخ کو بھی دیکھا اور میں نے دوزخ میں عمرو بن لحی کو دیکھا اور یہ وہ شخص تھا جس نے ''سائبہ'' جانوروں کا طریقہ جاری کیا۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۹۶ جلد ۱)

عمرو بن لحی نے سوائب کا سلسلہ جاری کر دیا تھا اور عرب کے لوگ اسی کی راہ اختیار کئے ہوئے تھے اور اس طریقہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے۔ آیت کریمہ میں اس کی تردید فرمائی ہے اور یہ بھی فرمایا وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ کہ ان میں سے اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور رسول کی طرف، تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم

عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

نے اپنے باپ دادوں کو پایا کیا باپ دادوں کے پیچھے چلیں گے اگرچہ ان کے باپ دادے کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں۔

اہلِ جاہلیت کہتے تھے کہ ہم نے جس دین پر اپنے باپ دادوں کو پایا وہ ہمیں کافی ہے

اہلِ جاہلیت نے جو شرک اور کفر کے کام اختیار کر رکھے تھے اور جو تحلیل و تحریم کے احکام جاری کر رکھے تھے ان کے بارے میں ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سند نہ تھی۔ جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ یہ کام تم کیوں کرتے ہو تو یوں کہہ دیتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا ہے اور ہمیں اور کسی ہدایت کی ضرورت نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے سامنے پیش کی جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ انہیں دعوت حق دیتا تھا تو وہ اس کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے تھے اور یہ جاہلانہ جواب دیتے تھے کہ ہمیں باپ دادوں کا اقتداء کافی ہے اللہ جل شانہٗ نے ان کی جاہلیت کا جواب دیتے

ہوئے ارشاد فرمایا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ o (کیا اپنے باپ دادوں کے طریقہ پر رہیں گے اگرچہ باپ دادے کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور راہِ ہدایت پر نہ ہوں) معلوم ہوا کہ جو باپ دادے ہدایت پر ہوں ان کے راستہ پر چلنا درست ہے۔

اسی کو سورۂ انعام میں فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ۔ جاہل و کافر اور مشرک آباؤ اجداد و اسلاف کا اقتداء درست نہیں وہ خود بھی برباد ہیں اور جو ان کا اتباع اور اقتداء کرے گا وہ بھی برباد ہوگا۔

اللہ جل شانہٗ کے نزدیک حق کا معیار "مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" (یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب) اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ہے۔ جو لوگ ان دونوں کا اتباع کرتے ہیں وہ لوگ قابل اتباع ہیں اور جو لوگ کتاب اللہ اور طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف چلتے ہیں ان کے اتباع میں سراپا بربادی اور ہلاکت ہے مدعیان اسلام میں بہت سی بدعتیں اور شرکیہ رسمیں جاری ہیں اور جو لوگ ان میں لگے ہوئے ہیں ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹنے کی دعوت دی جاتی ہے تو آباؤ اجداد کے اتباع کا سہارا لیتے ہیں اور مزید گمراہی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ بدعتوں اور شرکیہ رسموں کا ایسا چسکا لگا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف آنے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ

اے ایمان والو! اپنی جانوں کی فکر کرو، جو شخص گمراہ ہوگا وہ تمہیں ضرر نہ دے گا جب کہ تم ہدایت پر ہو گے، بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو ان

مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

سب کاموں سے باخبر کر دے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

اپنے نفسوں کی اصلاح کرو

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنی جانوں کی فکر کریں اعمال صالحہ میں لگے رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں۔ اگر خود ہدایت پر ہوں گے تو دوسرا کوئی شخص جو گمراہ ہوگا وہ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

الفاظ کے عموم سے یہ ایہام ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وہم کو دور فرما دیا اور فرمایا کہ تم لوگ یہ آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ پڑھتے ہو (اور اس کا مطلب غلط لیتے ہو کہ نہی عن المنکر ضروری نہیں تمہارا یہ سمجھنا صحیح نہیں) کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگ جب منکر کو دیکھیں اور اس کی تغییر نہ کریں (یعنی اسے دور نہ کریں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ۱۰۹ جلد ۲ از مسند احمد)

مفسر ابن کثیرؒ نے بحوالہ عبدالرزاقؒ نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے آیت شریفہ "عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ" کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ یہ وہ زمانہ نہیں ہے (جس میں اپنی ذات کو لیکر بیٹھ جاؤ اور نہی عن المنکر نہ کرو) آج تو بات مانی جاتی ہے۔ (یعنی تبلیغ کا اثر لیا جاتا ہے) ہاں عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تم امر بالمعروف کرو گے تمہارے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا جائے گا۔ یا یوں فرمایا کہ اس وقت تمہاری بات قبول نہ کی جائے گی۔ اس وقت آیت پر عمل کرنے کا موقع ہوگا۔

سنن ترمذی میں ابوامیہ شعبانی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور میں نے کہا اس آیت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم سے دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ یہاں تک جب تم دیکھو کہ کنجوسی کا اتباع کیا جاتا ہے اور خواہشات کا اتباع کیا جاتا ہے اور ہر رائے والا اپنی ہی رائے کو پسند کرتا ہے تو اس وقت اپنی جان کی حفاظت کر لینا اور عوام کو چھوڑ دینا کیونکہ تمہارے پیچھے ایسے دن آنے والے ہیں کہ ان میں دین پر جمنے والا ایسا ہوگا جیسے اس نے ہاتھ میں آگ کے انگارے پکڑ لئے ہوں۔ ان دنوں میں عمل کرنے والے کو ایسے پچاس آدمیوں کا ثواب ملے گا جو تمہارا جیسا عمل کرے۔ (قال الترمذی هٰذاحديث حسن)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آیت میں یہ نہیں بتایا کہ ہر شخص ابھی سے اپنی جان کو لیکر بیٹھ جائے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام نہ کرے۔ اپنی جان کو صلاح واصلاح کے ساتھ لیکر بیٹھنے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر چھوڑ دینے کا وقت اس وقت آئے گا جب کوئی کسی کی نہ سنے گا اور جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دے گا اس کو لوگوں کی طرف سے ایسی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ جیسے کوئی شخص ہاتھ میں چنگاری لے لے۔ البتہ اپنے اعمال ذاتیہ اور اپنی اصلاح کی خبر رکھنا ہمیشہ اور ہر حال میں ضروری ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جب کہ وصیت کا وقت ہو تو دو وصی ہوں جو دیندار ہوں

مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ

تم میں سے ہوں یا تمہارے علاوہ دوسری قوم سے ہوں اگر تم سفر میں گئے ہوئے ہو پھر تم کو موت کی مصیبت پہنچ جائے،

تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى

اگر تمہیں شک ہو تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک لو پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اپنی قسم کے عوض کوئی قیمت نہیں لیتے اگرچہ قرابت دار ہو

وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝۱۰۶ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ

اور ہم اللہ کی گواہی کو نہیں چھپاتے بلاشبہ ایسا کرنے کی صورت میں ہم گنہگاروں میں شامل ہو جائیں گے۔ پھر اگر اس کی اطلاع ملے کہ وہ دونوں گناہ کے مرتکب ہو گئے

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ

تو انکی جگہ ایسے دو آدمی کھڑے ہوں جو ان لوگوں میں سے ہوں جنکے بارے میں پہلے دو شخصوں نے گناہ کا ارتکاب کیا، یہ بعد والے دو شخص وہ ہوں جو قریب تر ہوں سو یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں کہ واقعی

مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۷ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ

ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی کے مقابلہ میں زیادہ درست ہے اور ہم نے تجاوز نہیں کیا اگر ہم ایسا کریں تو بیشک ہم ظلم کرنے والوں میں شمار ہوں گے۔ یہ قریب تر ہے کہ وہ گواہی کو صحیح طریقے پر ادا کریں

عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا

یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان کی قسموں کے بعد ان پر پھر قسمیں لوٹا دی جائیں گی، اور اللہ سے ڈرو اور سنو، اور اللہ تعالیٰ

ع

يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

حالتِ سفر میں اپنے مال کے بارے میں وصیت کرنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص جو قبیلہ بنی سہم میں سے تھا۔ تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ سفر میں نکلا جو شخص بنی سہم میں سے تھا اس کو موت نے آگھیرا اس وقت وہاں کوئی مسلمان نہیں تھا لہٰذا اس نے اپنے دونوں ساتھیوں یعنی تمیم داری اور عدی بن بداء کو اپنے مال کی حفاظت اور ورثاء تک پہنچانے کے لئے وصی بنا دیا (اس وقت یہ دونوں ساتھی نصرانی تھے) اس نے اپنے مال کی فہرست بنا کر سامان میں رکھ دی اور اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ میرا یہ مال میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ ان دونوں نے مال تو پہنچا دیا لیکن میت کے وارثوں نے جب فہرست سے سامان کا میلان کیا تو اس میں ایک چاندی کا جام غائب پایا اس جام پر سونے کا کام بھی تھا، انہوں نے اس جام کا تقاضہ کیا اور معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے تمیم اور عدی کو قسم دلائی ان دونوں نے قسم کھالی کہ اس جام کا نہ ہمیں پتا ہے اور نہ ہم نے چھپایا ہے اس کے بعد وہ جام مکہ معظمہ میں کسی تاجر کے پاس مل گیا، تاجر سے پوچھا گیا کہ یہ جام تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ تاجر نے بتایا کہ ہم نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے اس کے بعد قبیلہ بنی سہم والے آدمی کے دو اولیاء کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اللہ کی قسم ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی کی بہ نسبت درست ہے اور یہ جام ہمارے آدمی کا ہے۔ آیت بالا ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ المائدہ)

بعض روایات میں یوں ہے کہ تمیم داری نے خود بیان کیا کہ وہ جام ہم دونوں نے ایک ہزار درہم میں بیچ دیا تھا۔ پھر ہم دونوں (تمیم اور عدی) نے رقم تقسیم کرلی۔ جب میں نے اسلام قبول کرلیا تو مجھے گناہ گاری کا احساس ہوا، لہٰذا میں مرنے والے کے گھر والوں کے پاس گیا اور پوری صورتحال بیان کردی اور پانچ سو درہم ان کو ادا کردیئے اور یہ بھی بتا دیا کہ پانچ سو درہم میرے ساتھی (عدی) کے پاس ہیں۔ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شخص کو بھی ساتھ لائے جو تمیم داری کے ساتھ تھا (یعنی عدی بن بداء) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرنے والے کے ورثاء سے گواہ طلب کئے ان کے پاس گواہ نہ تھے لہٰذا آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس شخص سے قسم لے لو۔ اس سے قسم لی گئی تو قسم کھا گیا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (درمنثور صفحہ ۳۴۱ جلد ۲)

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ جب کوئی سفر میں ہو اور اس کو موت کے آثار دکھائی دینے لگیں تو وہ دو آدمیوں کو وصی بنا دے یہ دونوں مسلمان دیانت دار ہونے چاہئیں۔ اگر مسلمان نہ ملیں تو دوسری قوم میں سے دو آدمیوں کو وصی بنا دے اور یہ دونوں جب واپس آئیں تو مرنے والے کے وارثوں کو اس کا مال پہنچا دیں۔ اگر میت کے وارثوں کو شک ہو کہ ان دونوں نے کچھ مال چھپا لیا ہے تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک لیں تا کہ وہ قسم کھالیں۔ قسم دلائی جائے کہ ہمارے پاس اور کوئی مال نہیں ہے۔ نماز کے بعد روک کر قسم کھلانا تغلیظ یمین (یعنی قسم میں مضبوطی اور تاکید) کے لئے ہے نماز کے بعد روکنا کوئی واجب نہیں۔

یہ لوگ اپنی قسم میں کہیں کہ ہمیں اپنی قسم کے ذریعے کوئی دنیاوی نفع مطلوب نہیں اگر ہماری قسم سے کسی قریبی رشتہ داروں کو دنیاوی نفع پہنچ سکتا ہو تب بھی جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے اگر ہم نے جھوٹی قسم کھائی تو ہم گناہ گاروں میں سے ہوں گے، پھر اگر بعد میں یہ پتہ چل جائے کہ مرنے والے کا مال اور بھی تھا جو وارثوں تک نہیں پہنچا تو وارثوں میں سے دو شخص اس بات پر قسم کھائیں کہ ہمارا مال ابھی باقی ہے وہ

مال ہمیں ملنا چاہیے یہ بیان دیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی بہ نسبت صحیح ہے۔ہم نے اپنے بیان میں کوئی زیادتی نہیں کی اگر ہم زیادتی کریں گے اور حد سے آگے نکلیں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے' یہ دو شخص مرنے والے کے اولیاء میں ہوں میت سے رشتہ کے اعتبار سے قریب تر ہوں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝

جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع فرمائے گا پھر ان سے سوال فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا وہ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔ بلاشبہ آپ غیبوں کو خوب جاننے والے ہیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ بن مریم ! یاد کر میری نعمت جو تجھ پر ہے اور تیری والدہ پر ، جب کہ میں نے روح القدس کے

الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

ذریعہ تیری تائید کی تو بات کرتا تھا گہوارہ میں اور بڑی عمر میں اور جبکہ میں نے تجھے تعلیم دی کتاب کی اور حکمت کی اور توراۃ کی

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ

اور انجیل کی ، اور جب کہ تو بناتا تھا مٹی سے پرندہ جیسی صورت میرے حکم سے پھر تو اس میں پھونک مار دیتا تھا تو وہ صورت پرندہ بن جاتی تھی میرے حکم

وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

سے ،اور تو اچھا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور برص والے کو میرے حکم سے اور جب کہ تو نکالتا تھا مردوں کو میرے حکم سے، اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تجھ

عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

سے روکے رکھا جبکہ تو ان کے پاس دلیلیں لے کر آیا ان لوگوں نے کہا جو کافر تھے کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو۔

وقف لازم

قیامت کے دن رسولوں سے اللہ جل شانہٗ کا سوال

ان دو آیات میں سے پہلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ جل شانہٗ قیامت کے دن اپنے رسولوں سے سوال فرمائے گا۔ (جنہیں مختلف امتوں کی طرف دنیا میں مبعوث فرمایا تھا) کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا۔ وہ حضرات جواب میں عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں بے شک آپ خوب غیبوں کے جاننے والے ہیں بظاہر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امت کے خلاف گواہی دیں گے۔ لہٰذا ان کا یہ جواب دینا کہ ہمیں کچھ خبر نہیں' کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اس کے کئی جواب ہیں جن کو مفسرین کرام نے اکابر سلف سے نقل کیا ہے۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن بالکل ابتداء میں ہوگا اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے وہ یوں کہہ دیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں صاحب روح المعانی نے صفحہ ۵۵ جلد ۷ میں یہ جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے پھر اس پر ایک اشکال کیا اور اس کا جواب بھی نقل کیا ہے بظاہر یہ جواب ہی صحیح معلوم ہوتا ہے اور بعض نے فرمایا ہے کہ لَا عِلْمَ لَنَا سے علم تحقیقی اور واقعی مراد ہے اور

مطلب یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ علم تھا وہ ظاہری تھا اور وہ درجہ گمان میں تھا ہم اسے حقیقی علم نہیں سمجھتے باطن میں کسی کا کیا عقیدہ تھا اور اب کیا نیت تھی اس کا ہمیں کچھ علم نہیں حقائق کا آپ ہی کو علم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا خطاب اور نعمتوں کی یاددہانی اور ان کے معجزات کا تذکرہ

اس کے بعد سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ کہ اللہ جل شانہ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ تم اور تمہاری والدہ کو جو میں نے نعمتیں دی انہیں یاد کرو۔ جو نعمتیں قرآن مجید میں موجود ہیں وہ یہ ہیں۔

ا۔ان کی والدہ پر یہ انعام فرمایا کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں تو غیب سے ان کے پاس پھل آتے تھے۔ ۲۔ ان کو پاک دامن رکھا۔۳۔ان کو بغیر باپ کے فرزند عطا فرمایا۔۳۔اس فرزند نے گہوارہ میں ہوتے ہوئے بات کی۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اول تو یہ نعمت فرمائی کہ انہیں حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا فرمایا۔ جو اللہ کی برگزیدہ بندی تھیں اور بنی اسرائیل سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ پھر آپ کو گود کی حالت میں بولنے کی قوت عطا فرمائی نیز نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کو توریت وانجیل کا بھی علم عطا فرمایا بنی اسرئیل آپ کے دشمن تھے اس لئے حضرت روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام کے ذریعے آپ کی حفاظت فرمائی اور آپ کو کھلے کھلے معجزات عطا فرمائے جن میں سے ایک یہ تھا کہ آپ مٹی کے گارے سے پرندہ کی شکل کی ایک چیز بنا لیتے تھے پھر آپ اس میں پھونک مار دیتے تو وہ مٹی کی بنائی ہوئی تصویر سچ مچ کا پرندہ ہو کر اڑ جاتی تھی۔

اور ایک معجزہ یہ تھا کہ جو مادرزاد اندھے ہوتے تھے یا جو برص کے مریض ہوتے تھے ان پر اپنا ہاتھ پھیر دیتے تھے تو اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ برص ومرض کا اثر چلا جاتا تھا اور ایک معجزہ یہ تھا کہ قبروں پر جا کر مردہ کو آواز دیتے تو مردے زندہ ہو کر نکل آتے تھے اور نابینا بینا ہو جاتا تھا اور ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ لوگ جو گھروں میں کھاتے پیتے تھے یا ذخیرہ کر دیتے تھے آپ اس سے بھی باخبر کر دیتے تھے آپ بنی اسرائیل کو نیکی کی دعوت دیتے اور مذکورہ بالا معجزات آپ سے ظاہر ہوتے تھے۔ باوجود ان معجزات کے بنی اسرائیل آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو تکلیف دینے کے درپے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بھی بنالیا۔ اللہ جل شانہ' نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور بنی اسرائیل کو تکلیف پہنچانے سے باز رکھا۔ جیسے دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی عادت تھی کہ وہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کو دیکھ کر جادو کہہ دیا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتی بھی پیش آئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کھلے معجزات کو صریح اور کھلا جادو بتا دیا بنی اسرائیل نے معجزات کو نہ مانا اور آپ کی تکذیب کی اور چند افراد نے آپ کے دین کو قبول کیا جن کو حواری کہا جاتا تھا (حواریوں کا ذکر اور ان کا مائدہ کا سوال ابھی عنقریب انشاء اللہ آتا ہے) جنہیں نہ ماننا تھا انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور کچھ اتنے آگے بڑھے کہ آپ کو اللہ کا بیٹا بتادیا اور معبود بنالیا حالانکہ آپ نے خوب واضح طور پر فرمایا تھا اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ (کہ بلاشبہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے) جگہ جگہ قرآن مجید میں نصاریٰ کی تردید فرمائی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے اور لائق فکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ جل شانہ' نے ''باذنی'' فرمایا ہے اس سے یہ بتادیا کہ مٹی سے پرندہ کی شکل بنانا اور پھر پھونک مارنے سے اس کا اصلی پرندہ بن کر اڑ جانا اور نابینا اور برص والے کا اچھا ہو جانا اور قبروں سے مردوں کا نکلنا یہ سب اللہ کے حکم سے ہے۔

کوئی شخص ظاہر کو دیکھ کر مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ نہ بنالے کہ یہ پرندہ کا بنانا' اُڑانا' نابینا کا اچھا ہونا' مردہ کا زندہ ہونا بندہ کا حقیقی تصرف ہے۔ خالق اور قادر اور مصور اور شافی اور محیی (زندہ کرنے والا) درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس نے اپنے نبیوں کی نبوت کی دلیل کے طور پر خلاف عادت جو چیزیں ظاہر فرمائیں حقیقت میں ان کے وجود کا انتساب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اگر وہ نہ چاہتا تو کسی نبی سے کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہوتا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ

اور جب میں نے وحی کے ذریعہ حواریین کو حکم دیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ بلاشبہ ہم فرمانبردار ہیں اور جب

الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا

حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب یہ کرسکتا ہے کہ ہمارے اوپر آسمان سے خوان نازل فرمادے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ

اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم اس بات کو جان لیں کہ آپ نے ہم

نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ

سے سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔ عیسیٰ بن مریم نے عرض کیا کہ اے اللہ! جو ہمارا رب ہے ہم پر آسمان سے خوان نازل فرمادے جو ہمارے موجودہ

تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ

لوگوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کیلئے عید ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو جائے اور آپ ہمیں عطا فرمائیے! آپ بہترین عطا فرمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں

مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴿۱۱۵﴾

بے شک تم پر خوان نازل کرنے والا ہوں سو تم سے جو شخص اس کے بعد ناشکری کرے گا تو بے شک میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ ایسا عذاب جہانوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا۔

حواریوں کا سوال کرنا کہ مائدہ نازل ہو

یہ پانچ آیات ہیں ان میں سے ایک آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو یہ حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اس کے رسول پر۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ ہمارے فرمانبردار ہونے کے گواہ ہو جائیں لفظ ''اَوْحَیْتُ'' سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ وحی تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر آتی تھی پھر حواریوں پر کیسے وحی آئی جو نبی نہ تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ وحی کا اصل معنی ہے دل میں ڈال دینا جیسا کہ شہد کی مکھی کے لئے بھی لفظ ''اَوْحٰی'' وارد ہوا ہے اَوْحَیْتُ کا معنی اگر یہ لیا جائے کہ بنی اسرائیل کے دلوں میں اللہ نے یہ بات ڈالی کہ ایمان قبول کریں ایمان پر جمے رہیں تو یہ درست ہے اس بات میں کوئی استبعاد نہیں اور ''اَوْحَیْتُ'' کے اگر یہ معنی لئے جائیں کہ اللہ نے اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ پیغام بھیجا تو یہ بھی صحیح ہے۔

اس کے بعد چار آیات میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں کا ''مائدہ'' یعنی خوان اترنے کا سوال کرنا پھر حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کا ان کو جواب دینا اور پھر اللہ جل شانہٗ سے مائدہ کا سوال کرنا مذکور ہے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جو معجزے دکھاتے تھے (جن کا ذکر عنقریب ہی گزرا ہے) وہ معجزے ایک سمجھدار آدمی کے لئے کافی تھے لیکن حواریوں نے مزید سوال کئے اور سوال بھی عجیب کیا اور وہ یہ کہ آسمان سے خوان نازل ہو جائے جس میں پکا پکایا کھانا ہو طرز سوال بھی مناسب نہ تھا۔ انہوں نے یوں نہیں کہا کہ آپ اللہ سے عرض کریں کہ مائدہ نازل فرمادے بلکہ یوں کہا کہ کیا تمہارا رب یوں کر سکتا ہے کہ آسمان سے خوان نازل فرمادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کا سوال اور طرز سوال ناگوار ہوا اور فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو "هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ" کہنے سے ان کا مقصد اللہ کی قدرت میں شک کرنا نہیں تھا۔ بلکہ مطلب یہ تھا کہ آپ اگر سوال کریں تو آپ کا یہ سوال پورا فرمادے گا یا نہیں لیکن ان کے الفاظ نامناسب تھے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مواخذہ میں شدت نہیں فرمائی۔ بلکہ اِتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" فرما کر ناگواری کی طرف اشارہ فرمادیا اور اس میں یہ بھی بتادیا کہ اپنی طرف سے معجزات کی فرمائشیں کرنا مؤمنین کا کام نہیں بعض سابقہ امتوں نے ایسی فرمائشیں کیں پھر ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزہ ظاہر ہوا تب بھی ایمان نہ لائے قوم ثمود نے سوال کیا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکل آئے اونٹنی پہاڑ سے نمودار ہوگئی تب بھی اسلام قبول نہ کیا بالآخر عذاب میں گرفتار ہوئے اور برباد ہوئے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہمارا تو یہ مقصد ہے کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور عین الیقین کے طریقہ پر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے فرمایا وہ سب سچ ہے اور یہ اطمینانِ قلبی ہونے کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے "رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى" کی دعا کر کے "لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ" کہا تھا۔

حواریین نے یہ بھی کہا کہ اس مائدہ کے نازل ہونے کا یہ بھی فائدہ ہوگا جن لوگوں نے اس کو نہیں دیکھا ہوگا ہم ان کے لئے گواہی دینے والوں میں سے بن جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزولِ مائدہ کے لئے سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملنا...... الحاصل حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں آسمان سے مائدہ اتارے جانے کی درخواست پیش کر دی اور عرض کیا کہ اے اللہ! آسمان سے مائدہ نازل فرمادیجئے جو ہمارے اس زمانے کے لوگوں کے لئے عید ہو اور ہمارے بعد والوں کے لئے بھی۔

اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم پر دستر خوان اتارنے والا ہوں اس کے اتر جانے کے بعد تم میں سے جو شخص ناشکری کرے گا اس کو وہ عذاب دوں گا جو جہانوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ مائدہ نازل نہیں ہوا۔ لیکن قرآن مجید کا سیاق یہی بتاتا ہے کہ مائدہ نازل ہوا اور بعض احادیث میں بھی مائدہ نازل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

تفسیر درمنثور صفحہ ۳۴۸ جلد ۲ میں بحوالہ ترمذی وغیرہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان سے مائدہ نازل کیا گیا تھا اس میں روٹی اور گوشت تھا ان کو حکم تھا کہ خیانت نہ کریں اور کل کے لئے نہ رکھیں لیکن ان لوگوں نے خیانت بھی کی اور ذخیرہ بھی بنا کر رکھا۔ لہٰذا وہ بندروں اور سوروں کی صورتوں میں مسخ کر دیئے گئے (حدیث مرفوع لکن قال الترمذی الوقف اصح)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری بہت بری چیز ہے اس کا بڑا وبال ہے ناشکری کرنے سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں جس کا ذکر جگہ جگہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

سورۂ ابراہیم میں فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (اور جب تیرے رب نے اعلان فرمادیا کہ یہ بات ضروری ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے) قوم سبا کی بربادی ذکر کرنے کے بعد فرمایا ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ. کہ ہم نے ان کو بدلہ دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے ناشکری کی اور ہم ناشکری کرنے والوں کو ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

سورۂ نحل میں ایک بستی کا ذکر فرمایا جسے خوب زیادہ نعمتیں ملتی رہیں تھیں۔ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔

گوشت کے خراب ہونے کی ابتداء بنی اسرائیل سے ہوئی...... جن لوگوں نے نزول مائدہ کی فرمائش کی تھی ان لوگوں نے بھی نافرمانی کی یعنی باوجود ممانعت کے کل کے لئے اٹھا کر رکھ دیا اور نافرمانی بہت بڑی ناشکری ہے ان لوگوں سے پہلے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایسی حرکت کر چکے تھے ان سے فرمایا تھا کہ من وسلویٰ جو نازل ہوتا ہے اس کو بعد کے لئے اٹھا کر نہ رکھنا لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا لہٰذا وہ گوشت سڑ گیا اور ہمیشہ کے لئے گوشت کے سڑنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

لولا بنو اسرائیل لم یخبث الطعام ولم یخنز اللحم ولولا حواء لم تخن انثیٰ زوجها الدهر . (رواہ مسلم صفحہ ۴۷۵ جلد ۱)

یعنی اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا خراب نہ ہوتا اور گوشت نہ سڑتا اور اگر حوا نہ ہوتی تو کوئی عورت کبھی بھی اپنے شوہر کی خیانت نہ کرتی۔ بنی اسرائیل سے گوشت سڑنے کی ابتداء ہوئی اور حضرت حواء سے شوہر کی خیانت کی ابتداء ہوئی شراح حدیث نے لکھا ہے کہ ان کی خیانت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے شوہر حضرت آدم علیہ السلام کو اس درخت کے کھانے پر آمادہ کیا جس کے کھانے سے منع فرمایا گیا تھا۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور جب اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہوگا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو؟ وہ عرض کریں گے

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ

میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں میرے لئے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو وہ آپ

عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ

کو معلوم ہوتا۔ آپ جانتے ہیں جو میرے جی میں ہے اور میں وہ نہیں جانتا جو آپ کے علم میں ہے بے شک آپ غیبوں کے جاننے والے ہیں۔ میں نے ان سے سوائے اس

لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا

کے اور کچھ نہیں کہا جو آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور میں ان کے بارے میں باخبر تھا جب تک میں

مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾

ان میں موجود تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ ہی ان کے نگراں تھے اور آپ ہر چیز پر مطلع ہیں۔

وقف النبی ﷺ

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ‌ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ

اگر آپ ان کو عذاب دیں تو بیشک وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمادیں تو بلاشبہ آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

هٰذَا يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ‌ؕ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ

ہوگا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ

اَبَدًا‌ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ‌ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا

وَمَا فِيۡهِنَّ‌ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۲۰﴾

اور جو ان کے درمیان ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ع

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ جل شانہٗ کا دوسرا خطاب

قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا ان میں سے ایک یہ بھی سوال ہے کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ یہ سوال قیامت کے دن اس وقت ہوگا جب کہ قیامت میں اولین و آخرین سب جمع ہوں گے۔

نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مدعی ہیں ان کے سامنے یہ سوال ہوگا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے اپنے کو اور اپنی والدہ کو معبود بنانے کی دعوت دی تھی اور تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ وہ برملا سب کے سامنے جواب دیں گے کہ میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ آپ ہر طرح کے شریک سے منزہ ہیں، میرے لئے یہ شایانِ شان نہیں کہ میں شرک کی دعوت دوں اگر میں نے کہا ہوتا تو آپ کو ضرور معلوم ہوتا چونکہ آپ کے علم میں نہیں لہٰذا میں نے کہا بھی نہیں۔ میرے نفس میں جو کچھ ہے وہ آپ جانتے ہیں اور میں آپ کی تمام معلومات کو نہیں جانتا۔ آپ غیبوں کو جاننے والے ہیں میں نے وہی بات کہی جس کا آپ نے حکم دیا اور فرمایا اور وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو۔ میرا اور تمہارا رب وہی ہے۔ میں نے ان کو شرک کی دعوت نہیں دی توحید ہی کی دعوت دیتا رہا۔ میں جب تک ان میں موجود تھا ان کے حالات سے باخبر تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا۔ تو آپ ہی ان کے نگران تھے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے تھے۔ میرے بعد انہوں نے کیا کیا اور شرک کی گمراہی میں کیسے پڑے اور عقیدۂ تثلیث (تین خداؤں کا ماننا) ان میں کیسے آیا اس کا آپ ہی کو علم ہے۔

واضح رہے کہ یہ سوال جواب ان لوگوں کے سامنے ہوگا جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ اس سوال و جواب سے واضح طور پر ان پر حجت قائم ہو جائے گی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر نہیں ہیں۔ وہ ان لوگوں کے سامنے عقیدۂ تثلیث کا باطل ہونا ظاہر فرمادیں گے اور اتمام حجت کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ ہی معلوم ہے۔ لیکن نصاریٰ کی ملامت اور سرزنش کے لئے اور اتمام حجت کے واسطے مذکورہ بالا سوال و جواب ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں یہ بھی عرض کریں گے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ (اگر آپ ان کوعذاب دیں تو یہ آپکے بندے ہیں) وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمادیں تو آپ عزیز وحکیم ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ کا ہر فیصلہ عدل وحکمت پرمبنی ہے، یہ آپ کے بندے ہیں۔ اگر آپ ان کوعذاب دیں تو آپ کو اس کا بھی اختیار ہے اور آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو یہ بھی حکمت کے موافق ہوگا۔ آپ عزیز ہیں غالب ہیں جسے عذاب دینا چاہیں وہ کہیں بچ کر نہیں جاسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ عرض کرنا اللہ کی قدرت عزت وحکمت اور شانِ غفاریت بیان کرنے کے لئے ہوگا۔

اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مشرکین کی مغفرت بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ سورۂ نساء کی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ میں بالتصریح صاف اور واضح طور پر بیان فرمادیا کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہوگی۔

گمراہوں کی تردید...... بعض گمراہ ایسے نکلے ہیں جو لفظ "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ" سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی اور یہ لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء یعنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے منکر ہیں۔ یہ لوگ آیت قرآنیہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے اور بیسیوں حدیثوں کے منکر ہیں۔ جس میں سیدنا عیسیٰ کا قیامت سے پہلے آسمانوں سے اترنا اور اس دنیا میں رہنا اور طبعی وفات پانا مذکور ہے اول تو لفظ تَوَفِّي ضروری نہیں کہ موت ہی کے لئے استعمال ہو۔ قرآن مجید میں نیند کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

سورۂ انعام میں ہے وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ اور سورۂ زمر میں ہے :

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (ان دونوں آیتوں میں توفّی کو من معنی نیند کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ درحقیقت توفّی کا معنیٰ ہے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔ یہ مفہوم زندہ اٹھا لینے اور سلادینے اور موت دیدینے تینوں کو شامل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات قیامت کے میدان میں ہورہی ہے، اور اس وقت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لا کر زمین میں رہ کر طبعی موت پا کر دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں گے۔ لہٰذا "تَوَفَّيْتَنِيْ" کو موت کے معنی میں لیا جائے تب بھی ان ملحدوں کا استدلال صحیح نہیں۔ جو اپنے تراشیدہ عقیدہ کے مطابق قرآن مجید کے مفاہیم تجویز کرتے ہیں۔

قیامت کے دن سچائی نفع دے گی...... پھر فرمایا: قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کی سچائی نفع دے گی جو حضرات صادق فی الایمان صادق فی الاعمال صادق فی الاخبار تھے جن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان میں سے ہر ایک کی امت اجابت ہوگی۔ ان کا سچ ان کو نفع دے گا۔ جس کی وجہ سے وہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے۔ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (ان کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے) رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (یہ بڑی کامیابی ہے) خالق مالک بھی راضی اور ہمیشہ ہمیشہ باغوں میں رہنا اور ان نعمتوں کی وجہ سے دل سے خوش اور مست اور مگن ہوں گے

واقعی اس سے بڑی کیا کامیابی ہوگی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا کہ اے جنت والو! وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تعمیل ارشاد کے لئے موجود ہیں اور خیر تمام تر تیرے ہی قبضہ میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم کیوں کر

راضی نہ ہوں۔ حالانکہ تو نے ہمیں وہ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کیا میں تمہیں اس سب سے افضل چیز عطا نہ کردوں؟ وہ عرض کریں گے۔ اے رب! اس سے افضل کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں۔ سو اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۱۲۱ جلد ۲)

فائدہ......... آیت بالا میں صدق یعنی سچائی کی تعریف فرمائی۔ درحقیقت سچائی بہت بڑی نعمت ہے اور اسی پر نجات اور رفع درجات کا مدار ہے۔

ایمان میں سچائی نہ ہو تو منافقت ہوتی ہے۔ اعمال میں سچائی نہ ہو تو ریاکاری آجاتی ہے اور اقوال میں سچائی نہ ہو تو جھوٹ صادر ہوتا رہتا ہے مؤمن کو ہر حال اور ہر قال میں سچائی اختیار کرنا لازمی ہے۔ اللہ سے جو وعدے ہیں وہ بھی پورے کئے جائیں۔ ایسے حضرات کی مدح کرتے ہوئے فرمایا۔ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۔ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۳) (کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا) مخلوق سے جو عہد ہو اور جو وعدہ ہو اس کو بھی پورا کیا جائے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تم میرے لئے اپنی طرف سے چھ چیزوں کے ضامن ہو جاؤ۔ میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہو جاؤں۔ (۱) سچ بولو جب بات کرو، (۲) پورا کرو جب وعدہ کرو، (۳) ادائیگی کرو جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے، (۴) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو، (۵) اپنی نظروں کو پست رکھو، (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم اور زیادتی کرنے سے) روکے رکھو، (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۵ جلد ۲ از احمد و بیہقی فی شعب الایمان) تاجروں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

التاجر الصدوق الامين مع النبين والصديقين والشهداء

(سچائی اختیار کرنے والا امانت دار، تاجر نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۴۳ جلد ۱ از ترمذی و دارمی و دارقطنی)

آخر میں فرمایا لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَافِيْهِنَّ ط وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ اللہ ہی کے لئے ملک آسمان کا اور زمین کا جو کچھ ان کے اندر ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس آیت میں پوری سورت کی مضامین کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا ہے چونکہ ساری مخلوق اللہ ہی کی ہے اور سارا ملک اسی کا ہے اس لئے اس کو اختیار ہے جس کو چاہے جو حکم دے۔ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے جس چیز کو چاہے حرام قرار دے اور مجرموں کے لئے دنیا و آخرت میں جو سزا چاہے تجویز فرمائے جس کو چاہے بخش دے جس کو چاہے سزا دے اس کو کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

☆☆☆.................☆☆☆

مکی	سورۂ انعام	۱۶۵ آیتیں ۲۰ رکوع

اٰیَاتُهَا ١٦٥ (٦) سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ (٥٥) رُكُوْعَاتُهَا ٢٠

سورۂ انعام مکی ہے اس کی ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا تاریکیوں کو، اور روشنیوں کو، پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝۱ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ

اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں، وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا کیچڑ سے، پھر اجل مقرر فرمائی اور اس کے پاس ایک اجل مقرر ہے،

اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَ هُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ یَعْلَمُ مَا

پھر تم شک کرتے ہو، اور وہ اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہ جانتا ہے باطنی حالات کو اور ظاہر حالات کو، اور وہ جانتا ہے

تَكْسِبُوْنَ ۝۳ وَ مَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝۴ فَقَدْ

جو تم عمل کرتے ہو اور جب ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو اس سے اعراض کرتے ہیں، سو بلاشبہ انہوں

كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵

نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا۔ سو عنقریب آ جائیں گی ان کے پاس اس چیز کی خبریں جس کا مذاق بنایا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی اجل مقرر فرمائی۔

یہاں سے سورۂ انعام شروع ہے یہ سورت مکی ہے البتہ بعض مفسرین نے چار آیات کو مستثنیٰ لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ مدنی ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سورۃ الانعام نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہا پھر فرمایا کہ اس سورت کو اتنے فرشتوں نے رخصت کیا ہے جنہوں نے افق یعنی آسمان کے کناروں کو بھر دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ستر ہزار فرشتوں نے اس کو رخصت کیا۔ (من روح المعانی صفحہ ٦ ۷ جلد ۷)

اس سورت میں انعام چوپاؤں کے بعض احکام بیان فرمائے ہیں اس لیے سورۃ الانعام کے نام سے موسوم ہے اس سورت میں احکام کم ہیں۔ زیادہ تر توحید کے اصول اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ سورۂ فاتحہ کی طرح اس کی ابتداء بھی اَلْحَمْدُلِلّٰہ سے فرمائی ہے اور بتایا ہے کے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں وہ ہر تعریف کا مستحق ہے اس کو کسی حمد وتعریف کی حاجت نہیں۔ کوئی حمد کرے یا نہ کرے وہ اپنی ذات وصفات کاملہ کے اعتبار سے محمود ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت بیان فرمائی۔

اور فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کہ اس کی عظیم ذات ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ آسمان و زمین سب کی نظروں کے سامنے ہیں جس ذات پاک نے ان کی تخلیق فرمائی ظاہر ہے کہ وہ مستحق حمد وثنا ہے۔

پھر فرمایا وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ کہ اس نے تاریکیوں کو بنایا اور نور کو بنایا۔ روشنی اور اندھیریاں بھی آسمان و زمین کی طرح نظروں کے سامنے ہیں ان میں بھی انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ کبھی روشنی ہے اور کبھی اندھرا۔ یہ انقلاب اور الٹ پھیر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خود بخود وجود میں نہیں آئیں۔ ان کو وجود دینے والی کوئی ذات ہے اس کو ماننے کیلئے کسی خاص غور وفکر کی ضرورت نہیں سب پر عیاں ہے۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے ساتھ خَلَقَ اور ظُلمات اور نُور کے ساتھ لفظ جَعَلَ لانے کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ نکتہ بتایا ہے کہ آسمان و زمین اجسام واجرام ہیں اپنے وجود میں کسی دوسری مخلوق کی محتاج نہیں اور اندھرا اور اجالا عوارض ہیں قائم بالذات نہیں ہیں ان کو محل ومکان یعنی جگہ کی ضرورت ہے، جو لوگ آسمانوں کے وجود کو نہیں مانتے ان کے وجود میں متردد ہیں۔ آیت شریفہ میں ان کی بھی تردید ہوگئی۔

اور جو لوگ دو خدا کو مانتے ہیں یزداں اور اَھرمن (یزداں کو خالق خیر اور اَھرمَن کو خالق شر بتاتے ہیں پھر ان دونوں کو نور اور ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں) آیت شریفہ سے ان کی بھی تردید ہوگئی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ (پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں) یعنی خالق جل مجدہٗ جس نے اتنی بڑی کائنات کو پیدا فرمایا اس کے لیے شرکاء تجویز کرتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں جو بہت بڑی حماقت اور سفاہت ہے۔

پھر فرمایا ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ (اللہ وہی ہے جس نے تم کو کیچڑ سے پیدا فرمایا) انسان کی ابتدائی تخلیق مٹی سے ہے اس لیے سبھی کی اصل مٹی ہے۔ آدم علیہ السلام بلاواسطہ مٹی سے پیدا ہوئے اور ان کی نسل اپنے باپ کے توسط سے مٹی سے پیدا ہوئی۔ قرآن مجید میں خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ بھی فرمایا (سورۂ مؤمن) یعنی تم کو مٹی سے پیدا فرمایا اور خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ بھی فرمایا (سورۃ انعام) یعنی تم کو کیچڑ سے پیدا کیا اور اِنَّا خَلَقْنٰھُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ بھی فرمایا (سورۂ صافات) یعنی ہم نے ان کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ بھی فرمایا (سورۂ رحمٰن) اس نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا جو ٹھیکری جیسی تھی اور یہ بھی فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو بجتی ہوئی سڑی ہوئی مٹی سے۔ (سورۂ حجر)

بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو زمین کے مختلف حصوں سے مٹی جمع فرمائی۔ اس مٹی میں پانی ڈال دیا گیا تو طین (کیچڑ) ہوگئی۔ پھر وہ کیچڑ پڑی رہی تو سڑ گئی پھر اس سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا۔ وہ پتلا سوکھ گیا تو بجنے والی مٹی ہوگئی۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی۔ چونکہ یہ مختلف ادوار اس مٹی پر گزرے اس لئے انسان کی تخلیق بیان کرتے ہوئے کبھی تُرَابٍ کبھی طِیْنٍ کبھی صَلْصَالٍ کبھی حَمَاٍمَّسْنُوْنٍ فرمایا۔

تخلیق انسانی بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلاً (پھر اجل مقرر فرمائی) اس سے موت کا وقت مراد ہے جو ہر فرد کے لئے مقرر ہے اس سے آگے پیچھے نہ ہوگا جیسا کہ سورۂ منافقون میں فرمایا وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا (اور اللہ تعالیٰ ہرگز کسی جان کو مہلت نہ دے گا جبکہ اس کی اجل مقرر آجائے)

اس کے بعد فرمایا وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَہٗ (اور ایک اجل اس کے پاس مقرر ہے) اس سے قیامت کے دن صور پھونکے جانے اور قبروں سے اٹھنے کی اجل مراد ہے۔ ہر فرد کی اجل جو مقرر ہے وہ اس کی موت کے وقت پوری ہو جاتی ہے اور ساری دنیا کی اجل مقرر ہے وہ قیامت کے دن پوری ہو جائے گی۔ پہلی اجل کا علم فرشتوں کو ہو جاتا ہے کیونکہ انہیں روح قبض کرنا ہوتا ہے اور دوسری اجل کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے علم کے مطابق جب قیامت آنے کا وقت ہوگا تو اچانک آجائے گی۔ پھر فرمایا ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ (پھر تم شک کرتے ہو) پہلی آیت میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور دوسری آیت میں بعث و نشور یعنی قیامت کے دن زندہ ہونے کی دلیل فرمائی۔

پھر فرمایا وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ (یعنی وہ اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں معبود ہے)۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ معنیٔ وصفی سے متعلق ہے جو اسم جلال یعنی لفظ اللہ سے مفہوم ہو رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمانوں و زمین میں صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے اور عبادت کے لائق ہے۔

بعض حضرات نے جار مجرور کو المالک اور المتصرف سے بھی متعلق بتایا ہے جو محذوف ہے اور مطلب یہ ہے: وَھُوَ الْمَالِکُ وَالْمُتَصَرِّفُ وَالْمُدَبِّرُ فِیْھِمَا حَسْبُ مَایَقْتَضِیْہِ مشیئة المبنیة علی الحکم البا لغة۔ (اور وہی آسمان و زمین کا مالک اور اپنی حکمت کاملہ کے مطابق آسمان و زمین میں تصرف کرنے والا ہے) (من روح المعانی صفحہ ۸۹ جلد ۷)

اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز کا علم ہے...... پھر فرمایا یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَھْرَکُمْ وَیَعْلَمُ مَاتَکْسِبُوْنَ ○ کہ جو اقوال و اعمال ہیں اور جو جو نیتیں اور ارادے ہیں جو تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔ تمہارے اعمال کو بھی جانتا ہے۔ خواہ یہ اعمال قلب کے ہوں یا جوارح کے اس کے بعد تکذیب کرنے والوں کی عادت بیان فرمائی۔

وَمَا تَاْتِیْھِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّھِمْ اِلَّا کَانُوْا عَنْھَا مُعْرِضِیْنَ ○ (جو بھی کوئی آیت اللہ کی آیات میں سے ان کے سامنے آتی ہے اس سے اعراض کرتے ہیں) اس سے آیات قرآنیہ مراد ہو سکتی ہیں اور آیات تکوینیہ بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔ یعنی قرآنی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور آیات تکوینیہ سامنے آتی ہیں جن میں دلائل توحید ہیں ان سے بھی اعراض کرتے ہیں۔

مُکَذِّبِیْن کے لیے وعید...... پھر فرمایا فَقَدْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَھُمْ فَسَوْفَ یَاْتِیْھِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس حق آیا تو اس کو جھٹلا دیا' حق کو جھٹلاتے بھی ہیں اور مذاق بھی بناتے ہیں۔ اس مذاق بنانے اور جھٹلانے کا انجام عنقریب حاضر ہو جائے گا اور اپنے اعمال کے نتائج دیکھ لیں گے اور بطور توبیخ ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہارے اعمال کا نتیجہ کما فی سورۃ الدخان اِنَّ ھٰذَا مَا کُنْتُمْ بِہٖ تَمْتَرُوْنَ ○ (بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کرتے ہو)۔ اور سورۂ یٰسٓ میں ہے اِصْلَوْھَا الْیَوْمَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ ○ (آج اس میں داخل ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے)۔

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَکِّنْ لَّکُمْ وَ اَرْسَلْنَا

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا، ان کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جو تم کو نہیں دیا اور ہم نے ان

السَّمَآءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهٰرَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا

پر زور دار بارشیں برسائیں اور ہم نے نہریں بنا دیں جو ان کے نیچے جاری تھیں پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا

مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ

اور ان کے بعد ہم نے پیدا کر دیں دوسری امتیں اور اگر ہم اتار دیں آپ پر کاغذ میں لکھا ہوا کوئی نوشتہ پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو لیں

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۗ وَلَوْ اَنْزَلْنَا

تب بھی کافر لوگ یوں کہیں گے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے مگر صریح جادو ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر فرشتہ اور اگر ہم کوئی

مَلَكًا لَّقُضِىَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝

فرشتہ اتار دیتے تو فیصلہ کر دیا جاتا پھر ان کو کوئی مہلت نہ دی جاتی، اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب پڑ رہے ہیں،

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ع

اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا پھر جن لوگوں نے استہزاء کیا ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

آپ فرما دیجئے کہ چلو زمین میں پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

قرونِ ماضیہ ہالکہ سے عبرت حاصل کرنے کا حکم

نزولِ قرآن کے وقت عرب کے مشرکین اولین مخاطب تھے وہ قرآن مجید کی بھی تکذیب کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی بری طرح پیش آتے تھے ایذائیں بھی دیتے تھے اور مذاق بھی بناتے تھے پڑھے لکھے تو تھے نہیں جو پرانی امتوں کے واقعات کتابوں میں پڑھ لیتے اور تالیف اور تصنیف کا ایسا دور بھی نہ تھا کہ کتابیں مدون ہوتیں لیکن یہ لوگ تجارت کے لیے ملک شام جایا کرتے تھے۔ اس سفر میں مدینہ منورہ کے یہودیوں پر گزر رہوتا تھا۔ شام میں نصاریٰ آباد تھے۔ ان قوموں سے مل کر پرانی امتوں کے واقعات اور قصے سنتے تھے اور خود بھی سابقہ امتوں کی بربادی کے نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے پہاڑوں سے تراشے ہوئے گھر ان کے سامنے آئے تھے جو تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتے تھے۔ کہاں گئے ان گھروں کے بنانے والے اور کہاں گیا ان کا کروفر ساری تمکنت اور سارا اقتدار خاک میں مل گیا۔ اصحاب فیل کی بربادی کا واقعہ تو اہل مکہ کے بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ یہ چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے یاد دلائیں اور فرمایا کہ تم جو ہمارے رسول اور ہماری کتاب کی تکذیب کرتے ہو کیا تمہیں اس سے کچھ عبرت نہیں کہ جن لوگوں نے یہ حرکتیں کیں ان کو ہم نے برباد کر دیا اور جو اقتدار ہم نے ان کو دیا تھا تمہیں تو وہ بھی حاصل نہیں پھر تم کیسے عذاب سے بچ سکتے ہو؟ ان کی زبردست حکومت بھی تھی اور مالی اعتبار سے بھی ہم نے خوب نوازا تھا۔ ان پر موسلا دھار بارشیں برسائیں ان کے لئے نہریں جاری کیں جو ان کے باغوں اور کھیتوں میں جاری تھیں یہ لوگ اوپر بیٹھ کر ان

سب کا نظارہ کرتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ انہوں نے نعمتوں کی بے قدری کی، بغاوت اور سرکشی پر اتر آئے کفر سے باز نہ آئے۔ برابر گناہوں میں لگے رہے لہٰذا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ایک قوم ہلاک ہوئی تو اس کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ سورۂ سبا میں فرمایا وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ٥ (ترجمہ) اور جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے اور یہ لوگ نہیں پہنچے اس کے دسویں حصہ کو بھی جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا۔ سو جھٹلایا میرے پیغمبروں کو تو کیسا ہوا میرا عذاب؟

مشرکین کو تنبیہ فرمانے اور یہ بتانے کے بعد کہ تم سے پہلے بہت سی امتیں آئیں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے برباد ہوئیں۔ ان کے ایک معاندانہ سوال کا ذکر فرمایا پھر اس کی تردید فرمائی۔ معالم التنزیل صفحہ ۸۵ جلد ۲ میں لکھا ہے کہ نضر بن الحارث، عبداللہ بن ابی امیہ اور نوفل بن خویلد نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ اللہ کے پاس سے ایسی کتاب نہ لائیں جس کے ساتھ چار فرشتے ہوں وہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت کریمہ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ الخ نازل فرمائی یعنی اگر ہم ان پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیں پھر وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں۔ کتاب کو دیکھ کر ہاتھ لگا کر بھی منکر ہی رہیں گے اور یوں کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ یہ جو کہہ رہے ہیں کہ کتاب آجائے اور فرشتے آجائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے یہ ضد اور عناد ہے ایمان لانا مقصود نہیں ہے۔

مشرکوں کی اس بات کا جواب کہ فرشتوں کو کیوں مبعوث نہیں کیا گیا .... اس کے بعد مشرکین کے ایک مطالبہ کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ (اور انہوں نے کہا کہ کیوں نہ نازل ہوا فرشتہ) مشرکین مکہ یہ بھی مطالبہ کیا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم) کے پاس فرشتہ آتا اور ان کی تصدیق کرتا تو ہم ایمان لے آتے۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ٥ (کہ اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو فیصلہ ہو جاتا اور پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو لوگ اپنی طرف سے کوئی معجزہ تجویز کر کے طلب کرتے ہیں اور پھر وہ معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر ان کو ڈھیل نہیں دی جاتی اور بغیر مہلت کے عذاب دیا جاتا ہے۔

قال صاحب معالم التنزيل قال قتادة لو انزلنا ملكا ثم لا يؤمنو العجل لهم العذاب ولم يؤخروا طرفة عين
(صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی اگر ہم فرشتہ بھیجتے پھر وہ ایمان نہ لاتے تو ان پر فوراً عذاب بھیج دیا جاتا اور وہ پلک جھپکنے کے برابر بھی مہلت نہ دیئے جاتے)

اور بعض مفسرین نے لَقُضِيَ الْاَمْرُ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ ہم اگر فرشتہ بھیج دیتے اور وہ اپنی صورت میں ہوتا تو یہ لوگ اس کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے اور اسے دیکھ کر مر جاتے۔ **نقله فى معالم التنزيل عن الضحاک۔**

پھر فرمایا: وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتے تو آدمی ہی کی صورت میں آتا کیونکہ انسانوں کو اتنی طاقت اور تاب نہیں ہے کہ وہ فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں دیکھ سکیں۔ جب اس کی صورت انسانی ہوتی تو یہ لوگ پھر معاندانہ باتیں کرتے اور کہتے کہ ہمیں کیا معلوم یہ فرشتہ ہے جو باتیں اب کہہ رہے ہیں کہ یہ صاحب جو نبوت کا دعویٰ کر رہے

ہیں ہمارے جیسے ہی آدمی ہیں فرشتہ کو انسانی صورت میں دیکھ کر ایسی باتیں کرتے اور یہی کہہ دیتے کہ یہ تو ہمارے جیسا ہے اس میں کون سی خصوصیت ہے جو نبی بنا دیا گیا۔ لہذا فرشتہ کے رسول بن کر آنے کی صورت میں بھی لوگوں کو جو شبہ ہو رہا ہے وہ شبہ پھر بھی باقی رہتا اور حقیقت میں ان لوگوں کے بہانے ہیں کہ ایسا ہوتا تو ہم مانتے یہ حق کے طالب نہیں ہیں اگر حق کے طالب ہوتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات دیکھ کر جو بشر ہیں اور انہیں میں سے ہیں ایمان لے آتے۔

استہزاء کرنے والوں کے لیے وعید .... پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا۔ پھر جن لوگوں نے استہزاء کیا ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے)

اس میں اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی ہے کہ تکذیب کرنے والے جو کچھ آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں مذاق بناتے ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے آپ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے لہذا آپ بھی صبر کریں جیسا ان حضرات نے صبر کیا پھر انجام یہ ہوا کہ جن لوگوں نے یہ حرکتیں کی تھیں وہ ان کے وبال میں مبتلا ہوئے اور استہزاء اور مسخرہ پن کی سزا میں ان کو عذاب نے گھیر لیا۔ ان معاندین و مستہزئین کا ایسا ہی انجام ہونے والا ہے۔ قال صاحب الروح فکانہ سبحانہ و تعالیٰ وعدہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بعقوبۃ من استھزء بہ علیہ السلام ان اصر علی ذالک صفحہ ۱۰۱ جلد ۷ (روح المعانی میں ہے گویا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص آپ کے ساتھ استہزاء کرے پھر اس پر مصر رہے یعنی توبہ نہ کرے تو اسے عذاب دے گا)۔

اس کے بعد مکذبین اور معاندین کو مزید تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ کہ زمین میں چلو پھر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔ دنیا میں چلیں پھریں دنیا والوں کے کھنڈروں سے اور ان کی ہلاکت و بربادی کے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ

آپ فرما دیجئے! کس کی ملکیت ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے۔ فرما دیجئے کہ یہ سب اللہ ہی کیلئے ہے اس نے اپنے اوپر رحمت کرنا لازم فرما لیا ہے،

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲ وَلَهٗ مَا

وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے، اور اسی کیلئے

سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ

ہے جو ساکن ہے رات میں اور دن میں، اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے! کیا میں اللہ کے سوا کسی کو مددگار بنا لوں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ

اور زمین کا اور وہ کھلاتا ہے اور اسے کھلایا نہیں جاتا۔ آپ فرمائیے! بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہو جاؤں جو فرمانبردار ہوا، اور آپ ہرگز مشرکین

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ مَنْ يُّصْرَفْ

میں سے نہ ہو جایئے۔ آپ فرما دیجئے! کہ بے شک! میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، اس دن جس سے عذاب ہٹا دیا گیا سو میرے

عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ

رب نے اس پر رحم فرمایا اور یہ کھلی ہوئی کامیابی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس تکلیف کا دور کرنے والا اس کے

لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ

علاوہ کوئی نہیں اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچا دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے

وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

اور وہ حکمت والا ہے باخبر ہے۔

آسمانوں اور زمین میں سب اللہ کا ہے وہ قیامت کے دن سب کو جمع فرمائے گا

ان آیات میں اول تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا گیا ہے کہ آپ ان سے پوچھ لیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے یہ کس کا ہے؟ یہ سب کس کی مخلوق ہے؟ اور کس کی ملکیت ہے؟ اور ان سب میں کس کا تصرف ہے؟ پھر فرمایا کہ آپ خود ہی جواب دیدیں کہ سب چیزیں اللہ کی ہیں سب اس کے زیر تصرف ہیں جو بھی کوئی ذرا بہت اختیار اور اقتدار رکھتا ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا ہے وہ جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ اس نے ان سب کو پیدا فرمایا وہ سب پر مہربان بھی ہے۔ اس نے اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ وہ رحمت فرمائے گا۔

مؤمنین پر تو اس کی رحمت دنیا اور آخرت دونوں میں ہے۔ اور اہل کفر کے ساتھ بھی دنیا میں مہربانی کا معاملہ ہے اور اگر وہ بغاوت چھوڑ دیں اور ایمان قبول کرلیں اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کی تکذیب سے باز آجائیں تو آخرت میں بھی ان پر رحم ہوگا۔ سورۂ اعراف میں فرمایا قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ میرا عذاب ہے میں جسے چاہوں پہنچادوں اور میری رحمت ہر چیز کے لئے عام ہے۔ سو میں اپنی رحمت کو لکھ دوں گا ان لوگوں کیلئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ایک نوشتہ لکھا جو اس کے پاس عرش پر ہے اس میں لکھا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۱۱ جلد ۲) نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں ان میں سے ایک رحمت نازل فرمائی جو جن اور انسان اور چوپائے اور زہریلے جانوروں میں بٹی ہوئی ہے اس میں ایک رحمت کے ذریعہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں اور رحم کرتے ہیں اور اسی کے ذریعے وحشی جانور تک اپنی اولاد پر مہربانی کرتے ہیں اور ننانوے رحمتیں اللہ نے رکھ لی ہیں جن کے ذریعے قیامت کے دن وہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (رواہ البخاری)

پھر فرمایا لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَارَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو خسارہ میں ڈالا وہ ایمان نہ لائیں گے) اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنی مہربانی سے پیدا فرمایا وہ سب کی پرورش فرماتا ہے وہاں کے حساب کتاب سے باخبر فرمایا لیکن جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو خسارے میں ڈال لیا فطرت اصلیہ کو کھو دیا عقل سلیم سے کام نہیں لیا وہ اپنی جانوں کو ضائع کر چکے۔ ان کو ایمان لانا نہیں کوئی تو اپنے مال کو ضائع کرتا ہے ان لوگوں نے اپنی جانوں کو ضائع کر دیا اور ایمان جیسی پونجی کو ہاتھ نہ لگنے دیا اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝

رات اور دن میں جو کچھ سکونت پذیر ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے ...... پھر فرمایا وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَالنَّهَارِ (اور اللہ کے لیے ہے جو سکن ہے رات میں اور دن میں) سَكَنَ ٹھہرنے کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے یعنی جو رات اور دن میں ٹھہرا ہوا ہے وہ اللہ ہی کی مخلوق ہے۔ ساکن غیر متحرک ہونے کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے یعنی جو چیزیں رات اور دن میں غیر متحرک ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ یہ چیزیں بھی مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں داخل ہیں لیکن پھر بھی الگ سے ان کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ چیزیں ہر وقت مخاطبین کے سامنے ہیں اور خود مخاطبین بھی اس میں شامل ہیں جو کچھ نظر کے سامنے ہو اس کو دیکھ کر زیادہ بصیرت اور عبرت حاصل ہوتی ہے، پھر فرمایا:

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ سب اپنے اقوال اور اعمال کی طرف غور کریں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف تو نہیں چل رہے ہیں۔

آپ یہ اعلان کر دیں کہ میں غیر اللہ کو ولی نہیں بنا سکتا ...... پھر فرمایا قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا (الآية) جو لوگ مشرک تھے وہ اپنے شرک کو چھوڑنے کو تیار نہ تھے اور وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ دعوت توحید چھوڑ دیں اور ہمارے دین میں شامل ہو جائیں اور یہ بات نئی نہیں تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے تھے ان کی امتوں نے بھی یہی بات کہی تھی (كمافي سورة ابراهيم وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِىْ مِلَّتِنَا) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان سے فرما دیں کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا ولی بنالوں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ اس میں مشرکین کی بے وقوفی پر تنبیہ ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہیں انہوں نے تو کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور نہ اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے یہ تو خود مخلوق ہیں یہ کیسی ناسمجھی کی بات ہے کہ خالق تعالیٰ شانہٗ کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کی جائے، تم خود بے وقوفی میں مبتلا ہو مجھے بھی اس کی عبادت کی دعوت دیتے ہو اللہ تعالیٰ شانہٗ خالق بھی ہے اور رازق بھی ہے۔

تم بھی اس کا دیا ہوا کھاتے ہو اور اس کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہو ان کی حاجتیں بھی وہی پوری فرماتا ہے اور اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو کیونکر معبود بنایا جاسکتا ہے، وہ کھلاتا ہے اس کو کھلایا نہیں جاتا اسے کھانے کی حاجت نہیں جو لوگ کھاتے ہیں وہ حاجت مند ہیں جو خود حاجت مند ہو اس میں معبود ہونے کی صلاحیت کہاں ہے؟

پھر فرمایا اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ (آپ فرما دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے رب کا سب سے پہلا فرمانبردار اور دل و جان سے اس کے احکام کو ماننے والا اور تعمیل کرنے والا بن جاؤں ...... میرے رب نے مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ (آپ ہرگز مشرکین میں نہ ہو جائیں) لہٰذا میں توحید پر رہوں گا اور شرک اختیار نہیں کر سکتا تم بھی شرک چھوڑ و اور توحید پر آ جاؤ۔

اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ جو فرمایا یہ اس اعتبار سے کہ آخر الامم کے اولین مسلم اور فرمانبردار آپ ہی ہیں نیز شریعت پر عمل کرنے میں بھی آپ اول ہیں۔

قال صاحب الروح لان النبی علیه السلام مامور بما شرعه الا ما کان من خصائصه علیه الصلوٰة والسلام وهو امام امته و مقتداهم وينبغی لكل آمر ان يكون هو العامل اولا بما امر به ليكون ادعى للامتثال. (صفحه ۱۱۰ جلد ۷)

اس کے بعد فرمایا قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ (آپ فرما دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے) بڑے دن سے قیامت کا دن مراد ہے اس دن کا عذاب بہت بڑا ہے مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ۔ جس سے اس دن عذاب ٹل گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما دیا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ○ اور اس دن کا عذاب ٹل جانا واضح اور کھلی کامیابی ہے۔

ضرر اور خیر صرف اللہ تعالیٰ ہی پہنچا سکتا ہے............ اس کے بعد فرمایا وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ (الآیة) کہ اے مخاطب! اگر اللہ تجھے کوئی ضرر دکھ یا تکلیف پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ کوئی خیر (صحت وغنا وغیرہ) پہنچا دے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں (فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے چھوڑ کر جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ انہیں تو خیر و شر پہنچانے کی کچھ بھی قدرت نہیں ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے سر اٹھا کر جو اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتے تھے اس میں یہ بھی تھا۔

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۸۲ جلد ۱)

(اے اللہ! جو کچھ آپ عطا فرمائیں اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو کچھ روک لیں اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی مالدار کو اس کی مالداری آپ کے مقابلے میں نفع نہیں دے سکتی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا آپ نے فرمایا اے لڑکے! تو اللہ کا دھیان رکھ! اللہ تیری حفاظت فرمائے گا۔ تو اللہ کا دھیان رکھ تو اسے اپنے آگے پائے گا اور جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر! اور جب تو مدد مانگے تو اللہ ہی سے مدد مانگ اور اس کا یقین رکھ کہ اگر ساری امت اس مقصد سے جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ نفع پہنچا دے تو اس کے سوا کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر ساری امت اس مقصد سے جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ ضرر پہنچا دے تو اس کے سوا کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے۔ (رواہ الترمذی قبیل ابواب صفۃ الجنۃ ۱۲۔)

نفع اور ضرر مقدر ہے اور سب اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جسے محروم کر دے اسے کوئی کچھ نہیں دے سکتا اور وہ جسے دکھ تکلیف اور نقصان پہنچائے اسے اس کے علاوہ کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

پھر فرمایا وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور حکمت والا ہے باخبر ہے، وہ جسے جس حال میں رکھے اسے اختیار ہے وہ حکیم ہے سب کچھ اس کی حکمت کے موافق ہے اور وہ خبیر بھی ہے سب کے احوال و اعمال کا اسے علم ہے جس کے

ساتھ جو بھی معاملہ ہے حکمت کے موافق ہے اور علم کے مطابق ہے۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ط قُلِ اللّٰهُ قف شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ قف وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا

آپ فرما دیجئے کہ گواہی کیلئے سب سے بڑھ کر کون سی چیز ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن وحی کے

الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ط اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً

ذریعہ بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تمہیں اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے اسے ڈراؤں، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ

اُخْرٰی ط قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ج قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۞ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ

دوسرے معبود ہیں؟ آپ فرما دیجئے کہ میں تو ایسی گواہی نہیں دیتا، آپ فرما دیجئے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور بلاشبہ میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو، جن لوگوں کو

الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ م اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۞ ع

ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو ضائع کر دیا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

وقف لازم باختلاف — ع ۲ — وقف لازم ۱۷

اللہ کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے

تفسیر لباب النقول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نحام بن زید، قروم بن کعب اور بحری بن عمرو (مشرکین) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے اے محمد! کیا اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود جانتے ہو؟ آپ نے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) میں اسی کو دے کر بھیجا گیا ہوں اور اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً نازل فرمائی۔ کہ آپ فرما دیجئے کونسی چیز شہادت کے اعتبار سے بڑی ہے۔ پھر خود ہی جواب دیجئے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اس سے بڑھ کر کسی کی گواہی نہیں اس نے مجھے اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے اور لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دینے کا حکم فرمایا ہے میں اس کی دعوت پر قائم ہوں اور اسی کا پابند ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو معجزات اور آیات عطا فرمائے تھے ان سے آپ کے رسول برحق ہونے کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعثت اور رسول ہونے کی گواہی ہے ...... مزید فرمایا وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ م بَلَغَ (اور میری طرف یہ قرآن وحی کے ذریعہ اتارا گیا تاکہ میں تمہیں اس کے ذریعہ ڈراؤں کہ اللہ کی توحید کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرو گے تو عذاب میں مبتلا ہو گے تمہارے علاوہ اور جس جس کے پاس یہ قرآن پہنچے ان سب کو میں توحید کی دعوت دیتا ہوں) اس میں اس بات کا اعلان ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اپنے زمانے کے مخالفین ہی کی طرف مبعوث نہیں تھے۔ بلکہ تا قیامت جس جس شخص کو آپ کی بعثت کا علم ہوتا رہے اور قرآن پہنچتا رہے وہ سب آپ کی دعوت کے مخاطب ہیں اور سب پر آپ کی رسالت کا اقرار کرنا فرض ہے۔

سورۂ سبا میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ o (اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا لیکن اکثر نہیں جانتے)

صحیح مسلم صفحہ ۸۶ جلد ا میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ والذی نفس محمد بیده لا یسمع بی احد من هذه الامة یهودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت به كان من اصحاب النار.

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت میں سے جس کسی کو میرے نبی ہونے کی خبر پہنچی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین لے کر میں بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا...... وہ یہودی ہو یا نصرانی۔)

پھر فرمایا اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى (کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں) پھر فرمایا قُلْ لَّآ اَشْهَدُ (آپ فرما دیجئے! میں اس بات کی گواہی نہیں دیتا) قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ معبود صرف ایک ہے اور بلا شبہ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں)

یہود و نصاریٰ کی ہٹ دھرمی .... اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی ضد اور ہٹ دھرمی بیان فرمائی اور فرمایا اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ ان کو پہچانتے ہیں کہ واقعی اللہ کے نبی ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) کیونکہ توریت اور انجیل میں آپ کی آمد کی خبر اور بشارت پڑھ چکے ہیں اور جو صفات و علامات آپ کے بارے میں بتائے گئے تھے انہیں دیکھ چکے ہیں۔ پہچاننے کے باوجود منکر ہو رہے ہیں اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (جن لوگوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کا انکار کیا اور آپ کی نبوت کو نہ مانا یہ لوگ اپنی جانوں ہی کو تباہ کر بیٹھے یہ ایمان نہ لائیں گے)۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے۔ اس کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک بات یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے، اور جس دن ہم

نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ

ان سب کو جمع کریں گے پھر ان لوگوں سے ہم کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے بارے میں تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟ پھر نہ ہوگا ان کا

تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

فریب اس کے سوا کہ وہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ دیکھو کیسا جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور وہ سب کچھ

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ

غائب ہوا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے، اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اسکو

يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ

سمجھیں اور ان کے کانوں میں بھاری پن کر دیا ہے اور اگر یہ لوگ ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے، یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ

جھگڑا کرتے ہیں، جنہوں نے کفر کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں اور وہ لوگ اس سے منع کرتے ہیں اور اس سے دور ہوتے ہیں، اور وہ نہیں

يُهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ۝

ہلاک کرتے مگر اپنی ہی جانوں کو اور سمجھتے نہیں ہیں۔

قیامت کے دن مشرکین سے سوال فرمانا اوران کا مشرک ہونے سے انکار کرنا

مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ شرک بھی کرتے تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ پاک کے باغی مت بنو۔ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار نہ کرو تو کہہ دیتے کہ ہم جو کچھ کررہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور جو آیات بینات نبیوں کے واسطہ سے ان تک پہنچی تھیں انہیں جھٹلا دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ یہ ظالم سمجھتے ہیں کہ ہم منہ زوری کر کے جو گمراہی پر جمے ہوئے ہیں اور نبی کی بات کو قبول نہیں کرتے یہ کامیابی کی بات ہے۔ ان کا یہ سمجھنا جہالت اور سفاہت پر مبنی ہے۔

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ (بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظالم کامیاب نہ ہوں گے) یہ منہ زوری اور ہٹ دھرمی ان کے کام نہ آئیگی آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ظالموں کی ناکامی اور بربادی کا تذکرہ فرما کر آخرت کا ایک منظر بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ٥ (اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ بھی معبود ہیں ...... یہ سن کر وہ شرک سے منکر ہو جائیں گے اور وہاں بھی فریب کاری سے کام لیں گے۔ انکا فریب یہی ہوگا کہ وہ کہیں گے کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ٥ (کہ اللہ کی قسم ہم تو شرک کرنے والے نہ تھے) وہاں کا عذاب دیکھیں گے تو جھوٹ بول کر عذاب سے بچنے کی کوشش کریں گے۔ جیسا کہ دنیا میں بعض مرتبہ اپنے افعال و اعمال کا انکار کر کے دنیاوی حاکموں کے سامنے چھٹکارا پالیتے تھے۔ آخرت کے دن اللہ تعالیٰ قاضی ہوگا وہ علیم وخبیر، سمیع وبصیر ہے اس کے سامنے جھوٹ نہ چل سکے گا لیکن یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے اپنے قصور کا انکار ہی کردیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ٥ (دیکھو اپنی جانوں پر کیسا جھوٹ بولا اور وہ سب کچھ غائب ہوا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے) قیامت کے دن مشرکین کے اقوال مختلف اوقات میں مختلف ہوں گے۔ اولاً تو صاف صریح جھوٹ بول دیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے کہ شاید اسی جھوٹ سے کام چل جائے اور عذاب میں داخل ہونے سے چھٹکارہ ہو جائے پھر جب ان کے خلاف گواہیاں ہوں گی اور خود ان کے اعضاء بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اپنے جرم کا اقرار کرلیں گے (فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ)

مشرکین کا قرآن سے منتفع نہ ہونا اور یوں کہنا کہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں

.... اس کے بعد فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ (اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں) وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ (اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے کردیئے کہ وہ اس کو سمجھیں یعنی یہ پردے انہیں قرآن سمجھنے نہ دینگے) وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (اور ان کے کانوں میں بھاری پن کردیا) جس کی وجہ سے ٹھیک طرح سے سن بھی نہیں سکتے) اور اس محرومی کی وجہ یہ ہے کہ جو کان لگاتے ہیں تو سننے اور سمجھنے کے لئے ..... نہیں لگاتے بلکہ بطور تمسخر اور استہزا کے کان لگاتے ہیں۔

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا (اور اگر ساری نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے) کیونکہ ضد پر اترے ہوئے ہیں اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ رکھی ہے حَتّٰى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (یہاں تک کہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑے کرتے ہیں قرآن مجید جو کتاب مبین ہے دلائل سے بھری ہوئی ہے فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچی ہوئی ہے اس کے بارے میں کافر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں) دلائل کے سامنے عاجز ہیں لیکن ماننے کا ارادہ نہیں ہے بات نہیں بن پڑتی تو پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں بتا دیتے ہیں۔

پھر فرمایا وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ (وہ لوگ آپ کے پاس آنے سے روکتے ہیں اور خود بھی دور ہوتے ہیں) دوہرے جرم کے مرتکب ہیں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ ایذا پہنچانے والوں کو روکتے ہیں اور آپ تک پہنچنے نہیں دیتے اور خود بھی دعوت توحید سے دور رہتے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد ہوں تو اس سے آپ کے چچا ابو طالب اور دوسرے اقربا مراد ہیں ان کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ لوگ آپ کو تکلیف پہنچائیں لیکن آپ کے دین کو بھی قبول نہ کرتے تھے۔

قال صاحب معالم التنزيل صفحه ١٩ جلد ٢ نزلت في ابي طالب كان ينهى الناس عن اذى النبي صلى الله عليه وعلى اٰلهٖ وسلم ويمنعهم وينئ عن الايمان به وفي تفسير ابن كثير صفحه ١٢٧ جلد ٢ قال سعيد بن ابي هلال نزلت في عمومة النبي صلى الله عليه وسلم و كانوا عشرة و كانوا اشد الناس في العلانية و اشد الناس عليه في السر. (تفسیر معالم التنزیل کے مصنف فرماتے ہیں یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ دوسروں کو حضور ﷺ کی ایذا رسانی سے منع کرتا تھا اور خود آپ ﷺ پر ایمان لانے سے گریزاں تھا اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت سعید بن ابی ہلال فرماتے ہیں یہ آیت حضور ﷺ کے چچاؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہ دس تھے وہ اعلانیہ طور پر تو لوگوں پر شدید تھے مگر اندرونِ حال حضور ﷺ پر شدید تھے)۔ (سعید بن ہلال کہتے ہیں کہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ ﷺ کے دس چچا تھے جو بظاہر آپ ﷺ کے ہمدرد لیکن حقیقت میں آپ کے مخالف تھے)

آخر میں فرمایا وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (یہ لوگ اپنی گمراہی اور افتراء اور کذب بیانی کی وجہ سے اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں کہ اس طریق کار کا کیا انجام ہوگا)۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ

اور آپ اگر اس وقت دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے دوزخ پر تو کہیں گے ہائے! ہماری بربادی کاش ہم واپس کر دیئے جاتے اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے! اور ہم ایمان

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۷ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا

والوں میں سے ہو جاتے! بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے وہ ظاہر ہوگئی اور اگر وہ واپس کر دیئے جائیں تب وہ بھی وہ کام کریں گے

عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۲۸ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝۲۹ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ

جس سے وہ منع کئے گئے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں اور انہوں نے کہا کہ بس یہی ہے ہماری دنیا والی زندگی اور ہم نہیں ہیں اٹھائے جانے والے، اور اگر آپ اس وقت جب کھڑے

وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

کئے جائیں گے اپنے حضور کے، رب تعالیٰ شانہٗ کا سوال ہوگا کیا یہ حق نہیں ہے؟ جواب میں کہیں گے کہ ہاں! ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے! رب تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے کہ چکھو عذاب

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔

کافروں کا دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرنا

ان آیات میں اللہ جل شانہ، نے کافروں کا حال بیان فرمایا ہے اور روز محشر کا ایک منظر بتایا ہے فرمایا کہ اگر آپ ان لوگوں کا وہ حال دیکھیں جب وہ دوزخ پر کھڑے کئے جائیں گے تا کہ اس میں داخل کئے جائیں اور اپنی آنکھوں سے وہاں کا عذاب دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں واپس کر دیئے جاتے اور اب وہاں جا کر اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے۔ آپ یہ دیکھیں گے تو عجیب منظر ہوگا۔

اللہ جل شانہ، کا ارشاد ہے کہ یہ بات نہیں ہے کہ ایمان کی رغبت اور محبت کی وجہ سے دنیا میں واپس جانے کی آرزو کر رہے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جو کچھ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے یعنی کفر اس کا نتیجہ سامنے آ گیا۔ دنیا میں جانے کی آرزو اس لئے کر رہے ہیں کہ عذاب نار سے خلاصی ہو جائے۔

اگر دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو پھر بغاوت کریں گے ...... مزید ارشاد ہوگا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ اور اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تو پھر وہی کریں گے جس سے منع کیا گیا ہے۔ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (بلاشبہ وہ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں کہ ہم آیات کی تکذیب نہ کریں گے اور مؤمن بن جائیں گے)

وَقَالُوْا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۝ (اور یوں کہتے ہیں کہ ابھی اور کوئی زندگی نہیں ہے بس یہی دنیا والی زندگی ہے) انہوں نے رسولوں کی بات کو نہ مانا نہ جب مانیں گے۔ پھر فرمایا وَلَوْ تَرٰی اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا۔

(اگر آپ اس منظر کو دیکھیں جبکہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور اس وقت اللہ جل شانہ وَعَمَّ نَوَالُهٗ ...... کا سوال ہوگا کہ کیا حق نہیں ہے؟ اس پر وہ جواب میں کہیں گے ہاں ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے) لیکن اس وقت کی تصدیق کچھ کام نہ دے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (کہ اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھ لو۔)

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی

اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یہاں تک کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آ جائے گی تو کہیں گے کہ ہائے ہماری حسرت اس

مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا ۙ وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ۝۳۱ وَمَا الْحَیٰوةُ

پر جو ہم نے دنیا میں کوتاہی کی اور اپنے بوجھوں کو اپنی کمروں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ خبردار! برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اٹھا رہے ہوں گے اور انہیں

الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۗ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

دنیاوالی زندگی مگر ایک لعب اور لہو ۔۔۔ اور البتہ آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

ان آیات میں اول تو اللہ جل شانہٗ نے یہ فرمایا کہ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا۔ یعنی قیامت کے دن کا انکار کیا اور اس دن کے آنے کو نہ مانا تو وہ خسارہ میں پڑ گئے اور انہوں نے اپنا نقصان کیا، اور نقصان بھی کیسا؟ دنیا میں تو کچھ مال ہی کا نقصان ہو جاتا ہے آخرت کے اعتبار سے انہوں نے اپنی جانوں ہی کا نقصان کر دیا اور اپنی جانوں کو عذاب میں ڈالنے کا ذریعہ بن کر بالکل ہی جانوں کو کھو بیٹھے روز قیامت کا انکار کر دیا اور انکار کرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اچانک قیامت آ جائے گی تو کہیں گے کتنی بڑی حسرت کی چیز ہے جو ہم نے دنیا میں تقصیر کی، دنیا میں لگے رہے اسی کو سب کچھ سمجھا اور آخرت کی حاضری کو نہ مانا۔ اس وقت یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے اور کفر اور دیگر اعمال کی سزا اور پاداش سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ موت کے وقت توبہ کے سب دروازے بند ہو گئے اور گناہوں کا بوجھ اتار کر پھینکنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ اب تو ان گناہوں کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

خبردار! خوب سمجھ لیں کہ جو بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں وہ بہت برا بوجھ ہے جو ان کے دائمی عذاب کا ذریعہ بن رہا ہے۔ پھر فرمایا کہ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ (دنیا والی زندگی بس لعب ولہو ہے) یعنی باطل ہے اور غرور ہے نہ اس کو دوام ہے نہ اس کے منافع اور لذتوں کو بقا ہے، اس کے ذریعہ حقیقی حاجت پوری نہیں ہوتی۔ حقیقی حاجت آخرت کی حاجت ہے، دنیا میں جس طرح بچے آپس میں مل کر کھیلتے ہیں کھانے کی دکان بھی کھولتے ہیں اور جھوٹ موٹ کو کھاتے ہیں پھر تھوڑی دیر میں ماں باپ سے کھانا۔ مانگنے لگتے ہیں، اگر ان سے کہا جائے کہ تمہارا تو ہوٹل کھلا ہوا تھا اس میں کیوں نہیں کھاتے اس کا کیا ہوا؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہ تو ایک کھیل تھا حقیقت نہیں تھی۔ پیٹ تو حقیقی کھانے سے بھرتا ہے، پیاس حقیقی پینے سے بجھتی ہے۔ دنیا چونکہ لہو ولعب ہے اس لئے اس سے آخرت کی حاجتیں پوری نہ ہوں گی وہاں تو مجرم شخص یہ کہے گا۔ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ (مجھے فائدہ نہ دیا میرے مال نے برباد ہو گیا میرا اقتدار) ہاں اسی دنیا میں جو حصہ اللہ کی رضا میں لگا دیا وہ حدود دنیا داری سے نکل گیا وہ آخرت میں کام دے گا۔ بشرطیکہ ایمان پر موت آئی ہو۔

پھر فرمایا وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا (اور البتہ دار آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو شرک اور کفر سے بچتے ہیں) لہٰذا دار آخرت ہی کے لیے کوشش کرنا لازم ہے، یہاں فنا ہے وہاں بقا ہے، یہاں ذرا سا مزہ ہے وہاں اہل تقویٰ کے لئے مستقل دائمی لذت اور آرام ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (کیا تم نہیں سمجھتے) کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان اور اعمال صالحہ کیوں اختیار نہیں کرتے؟ سمجھ سے کام لیں تو کفر و شرک کی قباحت واضح ہو جائے اور ایمان اور اعمال صالحہ کا آخری نفع سمجھ میں آ جائے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ

ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ کرتی ہیں۔ سو یہ یقینی بات ہے وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے اور لیکن ظلم کرنے والے اللہ کی آیتوں کا

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى

انکار کرتے ہیں اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا سو انہوں نے جھٹلائے جانے پر اور ایذا میں پہنچنے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے

اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ

پاس ہماری مدد آ گئی اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور البتہ پیغمبروں کی بعض خبریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں اور اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا

عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ

گراں گزر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی زینہ تلاش کر لیں پھر آپ

بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ

ان کے پاس معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کر لیجئے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ لہٰذا آپ نادانوں میں سے نہ ہو جایئے۔ بات کو وہی قبول کرتے ہیں

الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۭ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ زندہ فرمائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور انہوں نے کہا کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

کوئی پریشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔ آپ فرما دیجئے! کہ بلاشبہ اللہ اس پر قادر ہے کہ نشانی نازل فرمائے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

النصف، وقف منزل، وعند البعض على يسمعون وقف غفران

مشرکینِ مکہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں

معالم التنزیل صفحہ ۹۳ جلد ۲ میں لکھا ہے کہ اخنس بن شریق کی ابوجہل سے ملاقات ہوگئی۔ اخنس نے ابوجہل سے کہا کہ۔ اس وقت یہاں تیرے اور میرے سوا کوئی نہیں تو مجھے سچی بات بتادے کہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعوے میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن ہمارے جھٹلانے کی وجہ سے یہ ہے کہ جب بنوقصی (جو قریش کا ایک قبیلہ تھا جس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے) کہ پاس علمبرداری بھی چلی جائے اور سقایہ (یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت) بھی چلی جائے اور کعبہ شریف کی کلید برداری بھی چلی جائے اور مجلس شوریٰ کی سرداری بھی انہی کو پہنچ جائے اور نبی بھی انہیں میں سے ہو جائے تو باقی قریش کے لئے کیا بچے گا؟

اور بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ پر تہمت نہیں دھرتے اور نہ آپ کو جھٹلاتے ہیں ہم اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کی دعوت لے کر آپ تشریف لائے، اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ شانہ، نے فرمایا کہ ان کو آپ کی نبوت و رسالت میں اور آپ کے دعوے کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں یہ آپ کو سچا سمجھتے ہیں لیکن اللہ کی آیات سے ضد ہے اللہ کی آیات ان کے اعتقادات اور انکے شرک کے خلاف کھول کھول کر بیان کر رہی ہیں اس لئے ان کے مخالف ہیں اور ان کو جھٹلاتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو تسلی .... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا...... وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ (اور آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے انہوں نے مخالفین کی تکذیب و ایذاء رسانی پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی) .... اس میں دو باتیں ہیں اول تو یہ کہ ان لوگوں کا جھٹلانا اور دکھ اور تکلیف دینا کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام آئے ان کے ساتھ بھی ایسا ہوا۔ ان حضرات نے صبر کیا

آپ بھی صبر کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء سابقین کے پاس ہماری مدد آ گئی۔ انشاء اللہ آپ کے پاس بھی ہماری مدد آ جائے گی۔

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں) اس کی تفسیر اور ربط بیان کرتے ہوئے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا کہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (بے شک ہم ضرور ضرور اپنے رسولوں کی مدد کریں گے) اور فرمایا کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (اللہ نے لکھ دیا کہ میں ضرور بالضرور غالب ہوں گا اور میرے رسول)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ سارے رسولوں کے بارے میں ہے جیسے انبیاء سابقین کی مدد ہوئی آپ کی بھی مدد ہوگی۔ اللہ کے کلمات کو یعنی اس کے فیصلوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

پھر فرمایا وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِئ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (اور البتہ آپ کے پاس پیغمبروں کی خبریں آ چکی ہیں یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات آپ کو معلوم ہیں ان کی امتوں نے ان کے ساتھ دشمنی اور ایذاء رسانی کا معاملہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور ظالمین اور معاندین ہلاک اور برباد ہوئے آپ صبر کریں اور مدد کا انتظار کریں۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ (الآیۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بہت حرص تھی کہ میری قوم اسلام قبول کر لے وہ لوگ ایمان قبول نہیں کرتے اور بطور عناد طرح طرح کے معجزات کی فرمائش کرتے تھے کہ یہ معجزہ دکھاؤ اور یہ کام کر کے بتاؤ آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کی فرمائش کے معجزات ظاہر ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمائش پوری نہ کی جاتی تھی۔ خود قرآن کریم ان کے پاس بہت بڑا معجزہ تھا اور دوسرے بھی معجزات سامنے آتے رہتے تھے لیکن وہ کہتے رہے کہ ایسا ایسا ہو جائے تو ہم مان لیں گے۔ فرمائشی معجزات کا ظہور نہ ہوتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبیدہ خاطر ہوتے تھے یعنی طبعی طور پر آپ کو ملال ہوتا تھا، اللہ جل شانہ، نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گزر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ یا کوئی زینہ آسمان میں جانے کا تلاش کر لیں پھر آپ ان کے پاس معجزہ لے کر آئیں تو آپ ایسا کر لیجئے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ زمین میں نیچے اتر کر یا آسمان کے اوپر جا کر ان کا فرمائشی معجزہ لا سکتے ہیں تو آپ ایسا کر لیجئے ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ پیدا کرنا لازم نہیں ہے آپ کو اگر اصرار ہے تو آپ خود ہی فرمائشی معجزہ دکھا دیجئے لیکن اللہ کی مشیت کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے آپ صبر ہی سے کام لیں اور تکوینی طور پر سب کو مسلمان ہونا بھی نہیں اس لئے اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ سب مسلمان ہو جائیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع فرما دیتا) فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (تو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے) جو کچھ ہے اللہ کی حکمت کے مطابق ہے۔ آپ اللہ کی حکمت اور قضا و قدر پر راضی رہیں۔

پھر فرمایا اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ○ (حق کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو قبول کرنے کے ارادہ سے سنتے ہیں) وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ (اور مردہ لوگ یعنی کافر جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن اٹھائے گا) ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے) اور اپنے عقیدہ اور عمل کی سزا پا لیں گے۔

پھر فرمایا وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (اور ان لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں اتاری گئی نشانی ان کے رب کی طرف سے) نشانیاں تو بہت تھیں لیکن جو اپنی تجویز کردہ نشانی چاہتے تھے اس کے بارے میں انہوں نے یہ بات کہی، اس کے جواب میں فرمایا۔ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً (آپ فرما دیجئے کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ نشانی نازل فرمائے) وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

يَعْلَمُوْنَ ○ (لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ ان کا پابند نہیں کہ ان کے کہنے کے مطابق معجزات پیدا فرمائے، فرمائش کے معجزہ پیدا فرمانا اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کی حکمت کے مطابق قدرت نہیں ہے اسے قدرت سب کچھ ہے لیکن اس کی تخلیق اس کی حکمت کے مطابق ہوتی ہے اور یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ فرمائش کے مطابق اگر معجزہ ظاہر ہوجائے اور پھر بھی نہ مانے تو پھر ڈھیل نہیں دی جاتی۔ ان کو صرف عناد ہے قبول کرنا ہی نہیں اور اپنا بھلا برا نہیں جانتے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي

اور جو بھی کوئی جانور زمین میں چلنے والا ہے اور جو بھی کوئی پرندہ ہے جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے یہ سب تمہاری ہی طرح کی امتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں کوئی چیز

الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ

نہیں چھوڑی۔ پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ بہرے ہیں گونگے ہے

يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ

اندھیروں میں ہیں اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے سیدھے راستے پر ڈال دے۔ آپ فرمائیے کہ تم بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب

اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ

آجائے یا تمہارے پاس قیامت آجائے کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو، بلکہ تم اسی کو پکارتے ہو پھر وہ اگر چاہے تو اس

مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

مصیبت کو دور کردیتا ہے جس کی طرف تم اسے پکارتے ہو اور تم جو شرک کرتے ہو اسے بھول جاتے ہو۔

چوپائے اور پرندے تمہاری طرح امتیں ہیں اللہ سب کو محشور فرمائے گا

ان آیات میں اول تو یہ بتایا کہ زمین پر جو بھی چلنے والے چلتے ہیں اور جو بھی پرندے اپنے بازوؤں سے اڑتے ہیں سب تمہاری طرح امتیں یعنی مختلف جماعتیں ہیں۔ ان کے احوال محفوظ ہیں۔ ان سے متعلقہ امور مقرر ہیں ان کی جو مصلحتیں ہیں ان کے مطابق زندگیاں گزار رہے ہیں سب کو اللہ کی تقدیر اور تدبیر شامل ہیں۔

قال صاحب الروح امم امثالكم فى ان احوالها محفوظة وامورها معينة ومصالحها مرعية جارية على سنن السدادمنتظمة فى سلك التقديرات الالٰهية والتدبيرات الربانية (صفحه ۱۴۳ جلد ۷) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ تمہاری طرح کی امتیں اس طرح ہیں کہ ان کے حالات محفوظ ہیں اور ان کے معاملات معین ہیں اور ان کی مصلحتوں کی رعایت کی جارہی ہے جو صحیح طریقہ سے چل رہی ہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیرات اور تدبیرات کے نظام میں پابند ہیں۔

پھر فرمایا...... مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ (ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) لوح محفوظ میں ساری کائنات اور اس کے احوال لکھے ہوئے ہیں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں صرف جو لکھی نہ ہو، جو جانور اور پرندے موجود ہیں اور آئندہ ہونگے تقدیر ان سب کو بھی شامل ہے۔ انسان اور جنات جو مکلف ہیں تقدیر انہی پر مشتمل نہیں۔ بلکہ دوسری مخلوق کو بھی شامل ہے۔

پھر فرمایا ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ٥ (پھر اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے) یعنی موت کے بعد قیامت کے دن سب جمع ہوں گے اور اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے، معاندین ایسے معجزات کی فرمائش کرتے تھے جن کو اپنے پاس تجویز کرتے تھے اور موت کے بعد زندہ ہونے کے بھی منکر تھے اور ان کو یہ اشکال ہوتا تھا کہ اتنی مخلوق ہے اور اتنے انسان ہیں یہ سب مریں گے پھر جئیں گے ان کی یادداشت کیسے رہے گی۔

اس کا استبعاد رفع فرمادیا کہ صرف سارے بنی آدم بلکہ جتنی بھی مخلوق ہے چرند پرند تمام چوپائے حیوانات سب تمہاری طرح سے امتیں اور جماعتیں ہیں اور سب لوح محفوظ میں مندرج ہیں اور ان کی تعداد بنی آدم سے بہت زیادہ ہے۔

لوح محفوظ میں اندراج سے کوئی چیز چھوٹی ہوئی نہیں ہے۔ تمہارا اور ان سب کا زندہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ خالق تعالیٰ شانہ، کے علم سے کوئی چیز نکل نہیں سکتی ایک ایک فرد کا اسے علم ہے وہ ساری مخلوق سے پوری طرح باخبر ہے۔ یاد رکھنے کے لئے اُسے لکھنے کی ضرورت نہیں پھر بھی سب کچھ کتاب میں لکھ دیا ہے۔

جو قومیں مکلّف ہیں انسان اور جنات ان کا تو حساب ہونا ہی ہے۔ جانوروں کو بھی آپس میں بدلے دلائے جائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم ضرور بالضرور اہل حقوق کے حقوق ادا کرو گے۔ یہاں تک کہ بے سینگوں والی بکری کو سینگوں والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔ (اگر سینگ والی نے دنیا میں اسے مارا ہوگا)۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۲۰ جلد ۲)

تکذیب کرنے والے بہرے اور گونگے ہیں .... پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ (اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا گونگے اور بہرے ہیں اندھیریوں میں ہیں) کفر کی تمام انواع کے اعتبار سے الظلمٰت (اندھیریاں) جمع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہل کی ظلمت اور عناد کی ظلمت اور تقلید باطل کی ظلمت مراد ہو۔

کماقال صاحب الروح مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ (جسے اللہ چاہے گمراہ کرے) وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور جسے چاہے صراط مستقیم پر ڈال دے) اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ کے ذمے جو کام ہے کرتے رہیں یعنی حق کی دعوت دیتے رہیں۔ ہدایت دینا اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے آپ کے ذمے ہدایت دینا نہیں ہے آپ کا کام پہنچا دینا ہے۔

مصیبت میں صرف اللہ کو پکارتے ہو .... اس کے بعد ارشاد فرمایا قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ (کہ آپ ان سے دریافت فرمایئے کہ تم لوگ جو توحید سے ہٹ رہے ہو اور شرک پر جمے ہوئے ہو۔ اگر تمہارے پاس عذاب دنیاوی پہنچ جائے یا قیامت آجائے کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے؟)

ایسا نہیں ہے بلکہ مصیبت پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہو اور صرف اسی سے دفع مصائب کا سوال کرتے ہو اس وقت معبودان باطلہ کو بھول جاتے ہو۔ اگر تم سچے ہو کہ معبودان باطل کی عبادت سے نفع پہنچتا ہے تو ان کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف آڑے وقت میں کیوں متوجہ ہوتے ہو، معلوم ہوا کہ یہ جھوٹے معبود جو تم نے بنا رکھے ہیں کسی بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں پھر ان کو پکارنا اور ان کی عبادت محض حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ .... پھر فرمایا بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ (بلکہ تم اللہ ہی کو پکارتے ہو، پھر وہ اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے جس کے دور کرنے کے لئے اسے پکارا اور مصیبت کی وقت ان کو بھول جاتے ہو جن کو شریک ٹھہراتے ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ

اور ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے سو ہم نے اس کو سختی کے ذریعہ اور تکلیف کے ذریعہ پکڑا تا کہ وہ عاجزی کریں سو کیوں انہوں نے

اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا

عاجزی نہ کی۔ جب ان پر ہمارا عذاب آیا، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھلایا۔ سو جب وہ اس نصیحت کو بھول

نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا

گئے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اس چیز پر اترے جو ان کو عطا کی گئی تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا۔ سو اس وقت ناامید

هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

ہو کر رہ گئے سو ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ جنہوں نے ظلم کیا اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

سابقہ امتوں کا تذکرہ جو خوشحالی پر اترانے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے

ان آیات میں پچھلی امتوں کا حال بتایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ہم نے ان کے پاس رسول بھیجے انہوں نے ان کو جھٹلایا لہٰذا ہم نے ان کو سختی اور دکھ تکلیف کے ذریعہ پکڑ لیا لفظ الباساء والضراء کے عموم میں وہ سب تکلیفیں داخل ہیں جو عام طور پر اہل دنیا کو انفرادی اور اجتماعی طور پر وقتاً فوقتاً پہنچتی رہتی ہیں۔

قحط، بھوک، مہنگائی، وبائی امراض جانوں اور مالوں کا نقصان یہ سب چیزیں ان دونوں لفظوں کے عموم میں آ جاتی ہیں۔ جب ان چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی تا کہ عاجزی کریں اور گڑگڑائیں اور اپنے کفر سے توبہ کریں تو وہ الٹی چال چلے اور بجائے تضرع وزاری کے اور توبہ اور عاجزی کے اپنی گمراہی اور معصیت میں ہی لگے رہے ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھایا اور بتایا کہ تم جس طریقہ پر ہو خوب اور بہتر ہے۔ جب مصائب اور تکلیف کے باوجود حق کو اختیار نہ کیا اور کفر سے باز نہیں آئے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور تبلیغ کو بھول بھلیاں کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی بہت زیادہ نعمتیں دیدیں اور مال ومتاع سے نواز دیا، خوب آرام وراحت سے عیش وعشرت کی زندگی گزارنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے نعمتوں پر اترانے لگے اور ایسے اترائے کہ نعمتیں دینے والے کو بھول گئے۔

یعنی یہ خیال ہی نہ رہا کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں عطا فرمائی اس کے حضور میں جھکیں...... جب یہ حال ہو گیا تو اللہ پاک نے اچانک ان کی گرفت فرمائی اور عذاب میں مبتلا فرما دیا اور اب بالکل ہی رحمت سے ناامید ہو گئے اور اس طرح سے ظالموں کی جڑ کٹ گئی اور ان کا کوئی فرد باقی نہیں رہا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے) اس نے دکھ تکلیف میں مبتلا کر کے رجوع کرنے کا موقع دیا پھر نعمتوں سے نوازا لیکن وہ کسی طرح باز نہ آئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسری امت پیدا فرمادی۔ایک امت ہلاک ہوئی تو دوسری امت نے وہی طرز اختیار کیا جو ان سے پہلی امت کا تھا۔

شکر کا مطلب اور شکر کی اہمیت............کسی فرد یا جماعت کے پاس جو بھی کوئی نعمت ہو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اس کا شکر گزار ہو۔دل سے بھی شکر گزار ہو اور اپنے اعضاء وجوارح کو بھی فرماں برداری میں لگائے اور نافرمانی سے بچائے تا کہ صحیح معنوں میں شکر گزار بن جائے۔اگر کسی فرد یا قوم یا جماعت کے پاس کوئی نعمت ہو تو نہ اس پر اترائے اور نہ نعمت دینے والے کو بھولے اور نہ نافرمانی اختیار کرے،اصل نعمت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ساتھ ہو۔اگر نعمتیں ہوں اور گنہگاری بھی ہو تو وہ نعمتیں نہیں رہتیں کیونکہ ان کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔وہ گرفت اور عقاب وعذاب کا سبب بن جاتی ہیں۔

نعمتیں ہوں اور ان کے ساتھ اعمال صالحہ ہوں تو یہ اللہ کا مقبول بندہ ہونے کی دلیل ہے اگر نعمتیں ہوں اور نافرمانی ہو اور یہ سمجھے کہ میں اللہ کا مقرب بندہ نہ ہوتا تو یہ نعمتیں مجھے کیوں ملتیں یہ حماقت اور بیوقوفی کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے نظام تکوینی سے بے خبری پر مبنی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی بندے کو دیکھو کہ گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی محبوب چیزیں دے رہا ہے تو یہ استدراج ہے (جس کا معنی یہ ہے کہ ڈھیل دیکر نعمتیں عطا فرما کر اسے گناہوں میں ترقی کا اور زیادہ موقع دیا جا رہا ہے تا کہ وہ زیادہ عذاب میں مبتلا ہو) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت بالا فَلَمَّا نَسُوْا مَاذُكِّرُوْا بِهٖ آخر تک تلاوت فرمائی۔(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۳)

یہ انسان کی کیسی ناسمجھی ہے کہ نہ نعمت سے صحیح راہ پر آتا ہے اور نہ نعمت اور عذاب سے عبرت حاصل کرتا ہے۔سورۂ اعراف میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف کے ذریعہ ضرور پکڑا تا کہ وہ لوگ گڑگڑائیں۔پھر ہم نے بدل دیا سختی کو آسانی سے یہاں تک کہ وہ زیادہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی پہنچی ہے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ بے خبر تھے)

مصائب اور آفات سے عبرت لینے کی بجائے گناہوں پر اصرار کرتے رہنا اور عبرت لینے کی بجائے یہ کہہ کر خود فریبی میں مبتلا ہونا یہ تو دنیا میں ہوتا رہتا ہے ہمارے آباؤ اجداد بھی تکلیف میں مبتلا ہوئے اسی طرح ہم پر بھی مصیبت آ گئی ہے یہ اور زیادہ حماقت کی بات ہے مصائب کا سبب گناہوں پر اڑے رہنا اور یہ کہنا کہ یہ تو دنیا میں ہوتا ہی آیا ہے بڑی بدبختی ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ۔

فرح محمود اور مذموم..........فرح عربی میں خوش ہونے کو کہتے ہیں اور اس کی دوصورتیں ہیں ایک اس بات کی خوشی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نعمت عطا فرمائی کرم فرمایا مہربانی فرمائی،اور زبان اور قلب کے اقرار اور شکر کے ساتھ اطاعت وفرمانبرداری کے کاموں میں لگے رہیں یہ فرح اور خوشی محمود ہے۔

سورۂ یونس میں فرمایا قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ (آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہوں۔وہ اس سے بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں)

اور فرح کی دوسری صورت یہ ہے کہ نعمتوں پر اترانے لگے۔خالق کو یاد نہ کرے نعمتوں میں مست ہو جائے اور یہ سمجھے کہ یہ سب چیزیں میرے ہنر سے حاصل ہوئیں۔اوپر جو فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا فرمایا اس سے یہی اترانے والا نعمتیں دینے والے کو بھلا دینے والا فرح مراد ہے

۔قارون کی قوم نے اس سے کہا لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (کہ تو مت اترا، بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا) اس پر قارون نے جواب میں کہا اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (کہ مجھے جو کچھ ملا ہے میرے علم کی وجہ سے ملا ہے) دینے والے کو بھولا، اپنے کمال کا مدعی ہوا۔ لامحالہ اپنے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا مالداری اور تنگدستی کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے تنگ دستی میں راہ حق پر اعمال صالحہ پر باقی رہنا اور گناہوں سے بچنا اتنا مشکل نہیں جتنا مالداری میں حق پر جمنا اور دین پر چلنا دشوار ہوتا ہے۔

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۲ ج ۲)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں تنگدستی کا خوف نہیں لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا خوف ہے کہ دنیا خوب دے دی جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں کو دے دی گئی تھی پھر تم اس کی رغبت میں آپس میں مقابلہ کرنے لگو جیسے ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا پھر وہ تمہیں ہلاک کر دے جیسے انہیں ہلاک کیا۔ (رواہ البخاری ص ۹۵۱ ج ۱، و مسلم ص ۴۰۷ ج ۲)

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو یہ چیزیں

بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ هُمْ یَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ

دیدے۔ دیکھ لیجئے! ہم کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں پھر وہ اعراض کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے! اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے

بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ

بے خبری میں یا خبرداری میں تو کیا ظالموں کے علاوہ اور کوئی ہلاک کیا جائے گا۔ اور ہم پیغمبروں کو صرف خوش خبری سنانے والے

وَمُنْذِرِیْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا

اور ڈرانے والے بھیجتے رہے ہیں۔ سو جو شخص ایمان لایا اور اصلاح کر لی سو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات

بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ

کو جھٹلایا ان کو اس سبب سے عذاب پہنچ جائے گا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ آپ فرما دیجئے! کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں غیب کو

الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی

جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جسکی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ فرما دیجئے کیا برابر ہو سکتا ہے اندھا

وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور دیکھنے والا کیا تم غور نہیں کرتے۔

ع ۹ / ۱۱

اگر اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے کی قوت سلب فرمالیں تو کون دینے والا ہے

ان آیات میں انذار اور تبشیر ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سننے اور دیکھنے کی قوت کو ختم کر دے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے جس سے نہ دیکھ سکو نہ سن سکو تو بتاؤ اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں دیدے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا ایسا کوئی نہیں۔ پھر اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک بے خبری میں بھی آ سکتا ہے اور خبر داری میں بھی۔ اگر عذاب آ جائے تو ظالم ہی ہلاک ہونگے لہٰذا ظلم کرنے والے ظلم سے باز آ جائیں۔ سب سے بڑا ظلم شرک اور کفر ہے اس کو بھی چھوڑ دیں اور دوسرے مظالم سے بھی رک جائیں پھر فرمایا کہ پیغمبروں کو خوش خبری کے لئے ڈرانے کے لئے بھیجا جاتا رہا ہے ان کی بشارت کو جس نے قبول کیا اور ان کی بتائی ہوئی وعیدوں پر یقین کر کے جس نے نافرمانیوں کو چھوڑا ایمان قبول کیا اور اپنے احوال واعمال کو درست کیا۔ سو ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ انہیں کوئی غم ہوگا اور جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور نبیوں کی دعوت پر ایمان نہ لائے ان کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب پہنچے گا۔

نبوت کے لوازم میں مالدار یا غیب دان ہونا نہیں ہے.......... لوگ یہ سمجھتے تھے کہ نبی مال و دولت کے اعتبار سے ہم سے زیادہ ہونا چاہیے۔ چونکہ اہل دنیا کے نزدیک دنیا ہی بڑی چیز ہے اس لئے نبوت اور رسالت کا مدار بھی مال زیادہ ہونے پر سمجھتے تھے ایسے لوگوں کی جاہلانہ بات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ (آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں) خزانے پاس ہونا نبوت، رسالت اور مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں ہے۔ جس بات کی دعوت دی جارہی ہے اس میں غور کرو اور ان دلائل کو سمجھو جو اثبات رسالت کیلئے پیش کئے جا رہے ہیں۔ مالدار ہونے کو نبوت کا معیار بنانا جاہلانہ بات ہے۔

کچھ لوگ یوں کہتے تھے کہ غیب کی باتیں بتاؤ تو ہم آپ کو سچا جانیں ان کو بھی جواب دیدیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے اعلان کرا دیا کہ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (میں غیب نہیں جانتا) غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے۔ وہ جسکو جتنا چاہے عطا فرما دے اور غیب دانی نبوت و رسالت کی یا مقبولیت عند اللہ کی شرط نہیں ہے۔

بہت سے لوگوں کو آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ مرشدین صالحین اور مصلحین سے رجوع نہیں کرتے کیونکہ وہ لوگ غیب کی خبریں نہیں بتاتے، اور جو شعبدے باز گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں، اٹکل پچو، کاہنوں کی طرح کچھ باتیں بتاتے رہتے ہیں۔ ان باتوں میں کوئی بات ٹھیک نکل جاتی ہے تو ان ہی لوگوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اور ان کو اللہ کا مقبول بندہ سمجھ لیتے ہیں ان میں بعض لوگ صاحب کشف بھی ہوتے ہیں۔ کشف شرعاً بالکل معتبر نہیں اور نہ یہ بزرگی کی دلیل ہے، کشف بعض مرتبہ فاسقوں بلکہ جانوروں اور دیوانوں کو بھی ہوتا ہے اسکو مقبولیت عند اللہ کی دلیل سمجھنا غلط ہے، ایمان اور اعمال صالحہ اور تقوی پر مدار مقبولیت ہے جو لوگ دنیا دار ہیں، بے نمازی ہیں، فسق و فجور میں مبتلا ہیں ان کو مرشد بنانا اور ان کا معتقد ہونا بہت بڑی گمراہی ہے۔

پھر فرمایا وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ (آپ فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) لہٰذا میرے اندر فرشتوں والی صفات تلاش نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی میں ہے کہ انسانوں کا نبی انسان ہی ہو۔ انسانوں میں گھل مل کر اور ان کی حاجات کو اور صفات کو جان کر احکام سکھائے قول سے بھی تربیت کرے اور عمل سے بھی۔

مشرکین کو اعتراض تھا کہ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ (اس رسول کا کیا حال ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے) یہ ان لوگوں کا جاہلانہ اعتراض تھا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کھانا کھانے کا طریقہ اور بازار کے احکام سکھانے کی

بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر نبی کھانا نہ کھائے اور بازار میں نہ جائے تو متعلقہ احکام کون بتائے۔ منصب نبوت کے متعلق جوان کے غلط اشکالات یا معاندانہ اعتراضات تھے۔ مذکورہ بالا آیت میں ان سب کی تردید فرمائی۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَیَّ (آپ فرمادیں کہ صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے) میں وحی الٰہی کا پابند ہوں جو حکم الٰہی ہوتا ہے اس پر خود بھی عمل کرتا ہوں اور تمہیں وہی بتاتا ہوں آخر میں فرمایا قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ط (آپ فرما دیجئے کیا برابر ہوسکتا ہے نابینا اور بینا) یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ تمہارے پاس اللہ کی آیات آ گئیں، کلام اللہ سنایا جاتا ہے جس کی بلاغت تمہارے نزدیک مسلم ہے اور جس کے مقابلہ میں تم چھوٹی سی سورت نہیں لا سکتے اور بھی معجزات ہیں جنہیں دیکھتے رہتے ہو۔ ضد اور عناد کو چھوڑ و، بصیرت کی آنکھوں سے دیکھو اور غور وفکر کرو۔ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ٥ (کیا تم غور نہیں کرتے) اگر غور کریں تو حق قبول کرنے کا راستہ نکل آئے اور سب اعتراضات دفع ہو جائیں۔

علم غیب کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ .... اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے ساری مخلوق سے زیادہ علم دیا اور علوم غیبیہ کا آپ کے برابر کسی مخلوق کو علم نہیں ہے آپ کا علم تمام اولین وآخرین سے زیادہ ہے۔ اور یہ علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔ جس کو سورۂ آل عمران میں فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اور سورۂ جن میں فرمایا عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا ٥ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ لیکن تمام کائنات اور غیر کائنات کو علم محیط ہونا یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اس لئے عالم الغیب علی الاطلاق صرف اللہ ہی ہے وہ عالم غیب بھی ہے اور عالم الشہادۃ بھی۔ جیسا کہ سورۂ آلٓمّٓ سجدہ اور سورۂ حشر میں فرمایا اور سورۂ نمل میں فرمایا: قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ بعض لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں کے موت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام علوم غیبی عطا کر دیئے گئے تھے۔ یہ لوگوں کا دعوٰی بے دلیل ہے اور جھوٹ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایسی باتیں بتائیں کہ قیامت کے دن ایسا ایسا ہوگا اور مجھے اس کا علم اس وقت دیا جائے گا۔ مثلاً فرمایا کہ حوض کوثر پر میرے پاس بہت سے لوگ آئیں گے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو ہٹا دیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ میرے آدمی ہیں فرشتے کہیں گے کہ آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے دین میں کیا نئی باتیں نکالی تھیں۔

ان نئی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں نے قرآن وحدیث کے خلاف اپنے عقیدے بنا لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے برابر بتا دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنے لگے۔

حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا میں جو شفاعت کے لئے سجدہ میں سر رکھوں گا تو اللہ کی وہ حمد بیان کروں گا جو اسی وقت اللہ میرے دل میں ڈالیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۸)

اس سے صاف واضح ہے کہ موت کے وقت سے پہلے بھی سب علوم نہیں دیئے گئے۔ محبت کے دعویدار قرآن وحدیث کی تصریحات بھی نہیں مانتے۔ هٰذا من العجائب۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

اور آپ اس کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ نہ ان کا کوئی

وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

مددگار ہو گا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا۔ تاکہ یہ لوگ ڈر جائیں اور ان لوگوں کو دور مت کیجئے جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، جو چاہتے

يُرِيدُونَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

ہیں اس کی رضا کو، ان کا حساب آپ کے ذمہ کچھ بھی نہیں۔ اور آپ کا حساب بھی ان کے ذمہ کچھ بھی نہیں کہ آپ ان

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظّٰلِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوٓا أَهٰٓؤُلَآءِ

کو دور کریں پھر آپ ظالموں میں سے ہو جائیں اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمایا ہے تاکہ وہ کہیں کیا ہمارے

مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِينَ ﴿٥٣﴾ وَإِذَا جَآءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ

درمیان سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا۔ کیا اللہ شکر گذاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟ اور جب آ جائیں وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں

بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ أَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوٓءًۢا

ہماری آیات پر تو ان سے کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے رب نے اپنے ذمہ رحمت کو مقرر کر لیا ہے کہ جو شخص تم میں سے جہالت کی وجہ کوئی

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهٗ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

گناہ کر لے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنا حال درست کر لے تو بلاشبہ وہ غفور ہے، رحیم ہے۔ اور اسی طرح ہم تفصیل سے آیات کو بیان

وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٥٥﴾

کرتے ہیں، تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے۔

ع ١٢

صبح و شام جو لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں انہیں دور نہ کیجئے

ان آیات میں اول تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ آپ قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے جب اس وقت وہاں ان کا کوئی مددگار اور سفارش کرنے والا نہ ہوگا آپ ان کو تبلیغ کریں حق پہنچائیں اس امید پر کہ کفر اور معاصی سے بچ جائیں۔

قال صاحب الروح وجوزان یکون حالا عن ضمیر الامرای انذرھم راجیاتقوٰھم. صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ اَمر کی ضمیر سے حال ہو یعنی انہیں ڈرایئے اس حال میں کہ آپ ان کے پرہیزگار بن جانے کے بارے میں پُر امید ہوں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وصحبہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ جو لوگ اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں ان کو دور نہ کیجئے۔

فقراءِ صحابہؓ کی فضیلت اور ان کی دلداری کا حکم .... معالم التنزیل ص ۹۹ ج ۲ میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی اور خباب بن الارت رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری اور

دوسرے لوگ جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہ لوگ اپنے قبیلوں کے رؤسا تھے) جب یہ آئے تو دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلال، صہیب، عمار، خباب اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما ہیں یہ وہ صحابہ تھے جنہیں دنیاوی اعتبار سے کمزور سمجھا جاتا تھا۔ آنے والے رؤسا نے جب ان کو آپ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو ان پر حقارت کی نظریں ڈالیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اچھا ہوتا آپ ممتاز جگہ پر بیٹھتے اور ان لوگوں کو ہم سے دور کر دیتے۔ ان کے کپڑوں سے بو آ رہی ہے ان سے ہم محفوظ ہو جاتے ان حضرات کے اس وقت اونی کپڑے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے کپڑے موجود نہ تھے۔ ان رؤسا نے کہا کہ ان کو ہٹا دیں اور اپنے سے دور کر دیں تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں گے اور کچھ حاصل کریں گے آپ نے فرمایا میں مؤمنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا تو آپ یوں کیجئے کہ ہمارے لئے کوئی مجلس خاص مقرر فرما دیجئے تا کہ عرب لوگ ہماری فضیلت جان لیں آپ کے پاس عرب کے وفد آتے ہیں۔ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں، جب ہم آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں پھر جب ہم فارغ ہو جائیں تو آپ چاہیں تو ان کے ساتھ تشریف رکھیں آپ نے فرمایا ہاں! یہ کر سکتا ہوں کہنے لگے اس بات کی توثیق کے لئے ہمیں کچھ لکھ کر دیجئے آپ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کے لئے بلوایا۔ حضرت سلمان فارسی اور خباب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت جبریل علیہ السلام آیت کریمہ **وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ** لے کر نازل ہوئے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کاغذ اپنے دست مبارک سے پھینک دیا۔ اور ہم لوگوں کو بلایا، ہم حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا **سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ** (تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرما لیا) اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے اور آپ جب چاہتے ہمیں چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے (سورۂ کہف کی) یہ آیت نازل فرمائی **وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ** (اور آپ انکے ساتھ جم کر بیٹھے رہیے جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے اور اس کی رضا کو چاہتے ہیں) اسکے بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھے رہتے تھے۔ اور ہم آپ سے بہت قریب ہو کر بیٹھتے تھے اور اب یہ ہوتا تھا کہ اٹھنے کا وقت ہوتا تو ہم پہلے اٹھ جاتے تھے تا کہ آپ بلا تکلف اٹھ کر جا سکیں۔

جب یہ ماجرا ہوا تو آپ نے فرمایا **الحمد للہ الذی لم یمتنی حتیٰ امرنی ان اصبر نفسی مع قوم من امتی** (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے اس وقت تک موت نہ دی جب تک مجھے یہ حکم نہ فرمایا کہ اپنی امت میں سے ایک جماعت کے ساتھ جم کر بیٹھوں) پھر ہم لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا۔ **معکم المحیا ومعکم الممات** (تمہارے ہی ساتھ میرا جینا ہے اور تمہارے ساتھ میرا مرنا ہے)

اللہ جل شانہ، نے ان لوگوں کی رعایت اور دلداری کا حکم فرمایا جو دین اسلام قبول کر چکے تھے اور اپنے رب سے لو لگائے رہتے تھے۔ ان کی رعایت اور دلداری منظور فرمائی اور مکہ کے رؤسا نے جو یہ کہا کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے ان کی درخواست رد فرما دی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کی دلداری کا خیال فرمایا تھا (جو اس مشفقانہ جذبہ پر مبنی تھا کہ لوگ اپنے ہو گئے ہیں، اگر ان کو مجلس میں بعض مرتبہ ساتھ نہ بٹھایا تو محبت اور تعلق میں کمی کرنے والے نہیں ہیں۔ اور یہ رؤسا جو علیحدہ مجلس کے لئے درخواست کر رہے ہیں ان کی بات مان لی جائے تو ان کا بہانہ بھی ختم ہو جائے اور ممکن ہے کہ ہدایت قبول کر لیں) اس خیال کی بھی اللہ تعالیٰ نے تائید فرمائی۔

اس سے جہاں ان حضرات صحابہؓ کی فضیلت معلوم ہوئی جن کو غریبی کی وجہ سے رؤسا عرب نے حقیر سمجھا تھا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو

لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں انکی رعایت اور دلداری ان لوگوں سے مقدم ہے جو ابھی تک منکر اسلام ہیں۔

یہ جوفرمایا مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (ان کا حساب آپ کے ذمہ کچھ بھی نہیں اور آپ کا حساب انکے ذمہ کچھ بھی نہیں کہ آپ ان کو دور کردیں پھر آپ ظالموں میں سے ہو جائیں) اس کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ فقراء صحابہؓ جو آپ کے پاس آتے ہیں اور ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں ان کا باطن ٹٹولنا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ آپ ان کے اخلاص کی تفتیش نہ کریں۔ ظاہر حال کے مطابق انکے ساتھ معاملہ کریں اور ان کو اپنے پاس بٹھائیں اور فیض یاب کریں اور اپنے سے دور نہ کریں اور ان کے مقابلہ میں ان لوگوں کو ترجیح نہ دیں جنہوں نے ایمان قبول کیا ہی نہیں۔

دور کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی تھی کہ ان میں اخلاص نہ ہوتا جب آپ کے ذمہ ان کے اخلاص کی تفتیش نہیں تو آپ ان کو کیوں دور کرتے ہیں اور آپ کا حساب بھی ان کے متعلق نہیں کہ وہ آپ کی تفتیش کریں، بلکہ اس کا احتمال بھی نہیں ہے کہ امت اپنے پیغمبر کے باطن کے احوال معلوم کرے کیونکہ ایمان کے ساتھ یہ بات جمع نہیں ہوسکتی۔ محتمل کو متیقن کے ساتھ برابر قرار دیکر امت کی تفتیش حال باطنی کی نفی فرمادی۔

وانما وظیفتک حسب ماھو شان منصب الرسالة النظر الی ظواھر الامور واجراء الاحکام علی موجبھا وتفویض البواطن وحسابھا الی اللطیف الخبیر، وظواھر ھؤلاء دعاء ربھم بالغدوة والعشی ا ہ الٰی ان قال (ومامن حسابک علیھم من شیء) عطف علی ماقبله، وجیئ به مع ان الجواب قدتم بذالک مبالغة فی بیان کون انتفاء حسابھم علیه السلام بنظمه فی سلک مالا شبھة فیه اصلا وھو انتفاء کون حسابه علیه الصلٰوة والسلام اھ (یعنی آپؐ کے منصب رسالت کے شایان شان یہی ہے کہ آپ ان فقراء صحابہؓ کے ظاہری امور کو دیکھیں اور ظاہر حال کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کریں اور ان کے باطنی امور کو نیز ان کے حساب کو لطیف وخبیر کے حوالے کر دیں۔ اور انکا ظاہر حال یہ ہے کہ وہ صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ آگے چل کر فرماتے ہیں **وما من حسابک علیھم من شیء** کا عطف اپنے ماقبل جملہ یعنی **ماعلیک من حسابھم من شیء** پر ہے۔ پھر باوجودیکہ پہلے جملہ سے بات مکمل ہوگئی تھی اس جملے کا اضافہ کیا گیا تا کہ اس امر کا بیان مبالغہ کے ساتھ ہو جائے کہ لوگوں کے حساب کی ذمہ داری حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے۔ اور اسے بھی دوسرے جملہ میں (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حساب کی ذمہ داری کی نفی لوگوں سے کی گئی) کی لڑی میں پرو دیا جائے یعنی جیسے اس سے شبہ نہ رہے)

یہ تقدیر اس صورت میں ہے جبکہ **حسابھم** اور **علیھم** کی ضمیریں اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ کی طرف راجع ہوں اور بعض مفسرین نے ان ضمیروں کو رؤسائے مشرکین کی طرف راجع کیا ہے اور آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ یہ لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں آپ غرباء مسلمین کے مقابلہ میں ان کی پرواہ نہ کریں کیونکہ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے جیسا کہ آپ کی ذمہ داری ان پر نہیں۔ اگر یہ ذمہ داری آپ پر ہوتی یعنی ان کے مسلمان نہ ہونے پر آپ سے مواخذہ ہوتا تو اس صورت میں آپ ان کی وجہ سے غرباء مسلمین کو مجلس سے ہٹا سکتے تھے اور جب ایسا نہیں تو غرباء کو مجلس سے ہٹانا بے انصافی ہے۔ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ میں اسی بے انصافی کو بیان فرمایا۔

متکبرین کی سزا اور مال ودولت پر گھمنڈ کرنیوالوں کو تنبیہ............جن لوگوں کے پاس مال ودولت ہو یا کسی قسم کا چھوٹا بڑا اقتدار حاصل ہو۔ ان میں ایک یہ برا مرض بھی ہوتا ہے کہ وہ غریبوں مسکینوں کو حقیر سمجھتے ہیں انہیں اس لائق بھی نہیں سمجھتے کہ وہ پاس بیٹھیں۔ حتیٰ کہ وہ سلام بھی کریں تو جواب دینے میں خفت وذلت محسوس کرتے ہیں یہ تکبر ہے اور تکبر انسان کی بدترین خصلت ہے۔ یہ صفت انسان کو حق قبول کرنے سے اور کفر کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے سے روکتی ہے۔ اور آخرت میں اس کا بڑا عذاب ہے۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ متکبروں کو قیامت کے دن انسانوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا ان کے جسم اتنے چھوٹے ہوں گے جیسے چیونٹیاں ہوتی ہیں ان پر ہر طرف سے ذلت چھائی ہوگی۔ان کو دوزخ کے جیل خانے کی طرف چلایا جائے گا جس کا نام بولس ہے۔ان کے اوپر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوگی۔ان کو دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ پلایا جائے گا۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۳)

مال ودولت پر گھمنڈ کرنا اور اس کی وجہ سے تکبر کرنا اور دوسروں کو حقیر جاننا بہت بڑی حماقت ہے۔مالدار ہونا، انسان کا کوئی کمال نہیں۔ یہ تو انسان کے وجود سے علیحٰدہ خارجی چیز ہے۔انسان کے اپنے ذاتی جو عمدہ اخلاق ہیں جن میں تواضع بھی ہے ان سے انسان میں فضیلت آتی ہے۔اگر مال ہو اور مال اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرے اور اللہ کا شکر گذار بندہ بنے تو یہ بھی بلند اخلاق میں شمار ہوتا ہے۔فی نفسہ مالدار ہونا کوئی انسان کی فضیلت اور کمال کی چیز نہیں۔اہل دنیا میں جو یہ رواج ہے کہ مالدار اور صاحب اقتدار ہی بڑا سمجھا جاتا ہے خواہ کافر اور ملحد اور زندیق اور ظالم اور فاسق وفاجر ہی ہو یہ دنیا والوں کی حماقت اور جہالت ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان محبوب ہے، ایمان والے محبوب ہیں، تقویٰ محبوب ہے، اعمال صالحہ محبوب ہیں اس کے ہاں انہیں چیزوں سے فضیلت حاصل ہوتی ہے اور فضیلت کی شان انہی بندوں کو حاصل ہے جن میں تقویٰ ہے (اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ) جو غریب صحابہؓ تھے ان کی اللہ تعالیٰ نے قدر دانی فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان کو اپنے پاس سے مت ہٹاؤ۔اور خود ان کے پاس جم کر بیٹھا کرو۔اور جن دنیاداروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس بٹھا کر تبلیغ کرنا چاہتے تھے ان کی شرط کی طرف توجہ نہیں فرمائی حالانکہ آپ کا جذبہ شفقت پر مبنی تھا کہ یہ لوگ کسی طرح ایمان قبول کرلیں۔

غنی اور فقیر کا فرق آزمائش کے لئے ہے

پھر فرمایا وَکَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ط (اور ہم نے اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے بعض کو بعض کے ذریعہ تاکہ وہ کہیں کیا یہ لوگ ہیں جن پر ہمیں چھوڑ کر اللہ نے احسان فرمایا) اس میں یہ بتایا کہ اس دنیا میں غنی اور فقیر کا جو فرق رکھا گیا ہے اور دوسری حیثیتوں میں جو امتیاز ہے اس میں حکمت ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمائش میں ڈالا ہے جو غنی ہے وہ فقیر کو حقیر سمجھتے ہیں۔

اس طرح دوسری طرح کی چھوٹائی بڑائی پائی جاتی ہے اس کی وجہ سے بڑے بننے والے چھوٹوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں یہ ایک آزمائش ہے جن لوگوں کو کسی طرح کی برتری حاصل ہے وہ بجائے نعمت دینے والے کا شکر ادا کرنے کے ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں اگر چھوٹے لوگ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ نعمت دینے والے کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کا شکر ادا کرتے۔لیکن مال ودولت اور اختیار اقتدار کے نشہ میں دوسروں کو حقیر جاننے کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں اور اس طرح سے امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں اگر سب ہی برابر ہوتے تو کوئی کسی کو حقیر نہ جانتا۔

جو لوگ مال ودولت اور اقتدار والے ہیں ان کے تکبر کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے کو ہر خیر کا مستحق سمجھتے ہیں۔غریبوں اور مسکینوں کو دینی برتری ملنے کا بھی اہل نہیں سمجھتے اور وہ کہتے ہیں کہ کیا یہ پھٹیچر جن کے پاس ایک وقت کا کھانے کو نہیں اس لائق ہیں کہ ان کو ہدایت مل جائے اور ہم ہدایت سے محروم رہ جائیں۔جس دین کو انہوں نے اختیار کیا ہے اگر یہ ہمارے دین سے بہتر ہوتا تو یہ لوگ اسے کیوں اختیار کرتے۔

سورۂ احقاف میں فرمایا وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْهِ ط (اور کافروں نے مؤمنین کے بارے میں کہا کہ اگر یہ چیز بہتر ہوتی جو انہوں نے اختیار کی ہے تو یہ ہم سے آگے نہ بڑھ جاتے) دولت مند ہر طرح کی دینی و دنیاوی برتری کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمارے دین کے خلاف دوسرا دین اختیار کیا۔ اگر چہ دلائل واضحہ کے اعتبار سے وہ حق ہے لیکن چونکہ ہم نے اختیار کیا اس لئے وہ قابل قبول نہیں اس طبقہ کے لوگوں نے اپنا یہ حق خود تجویز کر لیا ہے اور اپنے خالق اور مالک کے قانون تکوینی اور تشریعی کو نہیں دیکھتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ جس نے ہمیں مال دیا وہ دوسروں کو ہدایت عطا فرما سکتا ہے۔ مالدار ہی دین حق پر ہوں اور غریب ہی باطل پر ہوں یہ کوئی قانون تکوینی نہیں ہے۔ جسے اللہ نے مال و دولت عطا فرمایا ہے وہ غریبوں کو حقیر جاننے کے بجائے منعم حقیقی کی طرف رجوع کرے اور وہ طریقہ تلاش کرے جو اس کے رب کو پسند ہے اور ناشکری و نافرمانی سے پرہیز کرے اور جب حق کی بات پہنچ جائے تو اسے فوراً قبول کرے۔ چونکہ غریبوں نے حق قبول کر لیا ہے اس لئے ہم اسے قبول نہیں کرتے۔ بلکہ ہم اسے حق سمجھتے ہی نہیں مالداروں کا یہ خیال سراپا تکبر ہے جو حماقت پر مبنی ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ (کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب نہیں جانتا) یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ شکر گزار بندے کون ہیں۔ غریبوں کے پاس مال نہیں پھر بھی شکر گزار ہیں اور اس شکر گزاری کی صفت ان کے لئے حق بات کے اعتبار کرنے اور حق پر جمنے کا ذریعہ بن گئی۔ جن لوگوں کے پاس مال و دولت ہے وہ ناشکرے ہیں۔ اپنے کبر اور کفران نعمت کو نہیں دیکھتے۔ ان غریبوں کو دیکھ کر نفرت کر رہے ہیں۔ جن پر اللہ نے فضل فرما دیا اور ہدایت کی نعمت سے نواز دیا۔

زمانہ نبوت میں ایسے متکبر تھے جن کا ذکر آیت شریفہ میں ہوا آج بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں دین سے وابستہ رہنے والوں کو حقیر سمجھتے ہیں یہ لوگ اسلام کے دعویدار بھی ہیں لیکن اسلام پر چلنے والوں اور اسلامی اعمال اختیار کرنے والوں کو اور اسلامی امور سے نسبت رکھنے والوں کو حقیر جانتے ہیں۔ کہ ان کے کپڑے پھٹے ہیں، رہنے کو گھر کچا ہے، بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔

مسجد و مدرسہ سے تعلق رکھنے والے مالداروں کی نظروں میں حقیر ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمان ہیں، اسلام کے سب سے پہلے مؤذن حضرت بلالؓ کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھنے کو تیار ہیں لیکن اپنے بچے کو مؤذن تو کیا بناتے اذان دینے والے کو حقیر جانتے ہیں۔ اور مسجد کی روٹیاں کھانے والے کہہ کر اس کی آبرو گھٹاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ مسجد کی روٹیاں کھانا حرام کھانے سے کہیں برتر و بہتر ہے یہ جو رشوت اور سود لے کر دولت جمع کی ہے اور حرام محکموں میں ملازمت کر کے جو کیش جمع کیا ہے جب آخرت میں وبال بنے گا اور مسجد کا مؤذن بخشا ہوا جنت میں جائے گا اس وقت تکبر اور مالداری کا اور نفرت کرنے کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

مالداری اور غریبی مقبولیت عند اللہ کا سبب نہیں ہے.......... جیسے مالدار ہونا فضیلت کا اور اللہ کی نزدیکی کا سبب نہیں اسی طرح غریب مسکین ہونا بھی اللہ کی نزدیکی یا فضیلت یا برتری کا سبب نہیں ہے۔ اللہ کی نزدیکی اور اللہ کے ہاں فضیلت اور برتری ایمان اور اعمال صالحہ سے، فرائض کی پابندی سے، گناہوں کو چھوڑنے سے ہے۔ جس طرح بہت سے مالداروں میں تکبر ہے اور اللہ کی یاد سے غافل ہیں، فرائض واجبات کے تارک ہیں اسی طرح بہت سے غریب اور مسکینوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ خواہ مخواہ مالداروں پر حسد کر کے مرے جا رہے ہیں اور بہت سے ان میں سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں اور کفر کے کلمات کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو دیا اور ہم کو نہ دیا۔ ایسی غریبی بھی وبال ہے اور باعث مؤاخذہ اور باعث عذاب ہے امیر ہو یا غریب سب پر لازم ہے کہ شریعت کے احکام کی پابندی کرے، بلند اخلاق اختیار کرے، گناہوں سے بچے، متقی بنے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے سب کو زندگی گذارنے کا ایک طریقہ بتایا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال میں اور شکل وصورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اپنے سے نیچے والے کو بھی دیکھ لے۔ (صحیح بخاری ج۲ص ۹۶۰)

دنیاوی چیزوں میں اپنے سے نیچے کو دیکھو تا کہ عبرت ہو اور یہ سمجھ میں آئے کہ اللہ نے ہمیں ہزاروں لاکھوں افراد سے بہتر بنایا ہے اور بہت زیادہ دیا ہے اور دین میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو جو اپنے سے زیادہ دیندار ہے۔ جو لوگ اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں ان کے برابر ہونے بلکہ ان سے آگے بڑھنے کی حرص کرے۔

مساکین صالحین کی فضیلت......... آیت شریفہ میں جن مسکینوں کی فضیلت بتائی ان کی تعریف میں فرمایا یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَهٗ ط (کہ یہ لوگ صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں) جو غریب اس صفت سے متصف ہیں ان کو بلاشبہ ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے یہ فضیلت حاصل ہے لیکن اعمال کی وجہ سے غریبی کی وجہ سے نہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ ہوں اور غریبی بھی ہو تو اس کا یہ فائدہ پہنچ جائیگا کہ مالداروں سے پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ضعفاء مہاجرین کے پاس بیٹھ گیا (جن کے پاس مال نہ تھا اور کپڑوں کی اس قدر کمی تھی کہ) ان میں سے بعض بعض کے ذریعہ آپس میں پردہ کرتے تھے (یعنی اس ترتیب سے بیٹھتے تھے کہ ایک کی نظر دوسرے کی ران وغیرہ پر نہ پڑے) ایک شخص ان میں سے قرآن مجید پڑھ رہا تھا وہ اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے آپ قریب میں تشریف لا کر کھڑے ہو گئے آپ کے تشریف لانے پر قرآن پڑھنے والا خاموش ہو گیا۔ آپ نے سلام کیا۔ پھر فرمایا تم کیا کر رہے تھے ہم نے عرض کیا کہ ہم کان لگا کر اللہ کی کتاب کو سن رہے تھے آپ نے فرمایا

الحمدللہ جعل من اُمّتی من امرت ان اصبر نفسی معھم

(کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ بنادیئے جن کے ساتھ مجھے جم کے بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا جس پر حاضرین نے حلقہ بنالیا اور سب کے چہرے آپ کی طرف متوجہ ہو گئے آپ نے فرمایا کہ اے مہاجرین کے مسکینو! تم اس بات کی خوش خبری قبول کرلو کہ تمہیں قیامت کے دن نور تمام (پورا نور) عطا کیا جائے گا تم مالداروں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور یہ آدھا دن پانچ سو سال کا ہو گا۔ (رواہ ابوداؤد ص ۱٦٠ ج ۲)

پھر فرمایا وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (اور جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر تو آپ سلام علیکم کہیں اور یہ بھی کہیں كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط (کہ تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دیا ہے)

جن حضرات کا اوپر ذکر تھا انہیں اپنے سے دور نہ کر و اس میں ان کی دلداری کا حکم فرمایا کہ آپ ان کے لئے سلامتی کی دعا کریں اور ان کو بتادیں کہ تمہارا رب رحیم ہے اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر دیا۔ تمہارے ایمان اور اعمال صالحہ کا اجر ضائع نہیں ہو گا۔

پھر فرمایا اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (کہ تم میں سے جس نے کوئی گناہ کر لیا نادانی کے ساتھ پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی سو وہ بخشنے والا رحیم ہے)

لفظ جہالت جس کا ترجمہ ہم نے نادانی سے کیا اس سے علمی جہالت مراد نہیں۔ عملی جہالت مراد ہے۔ جان بوجھ کر گناہ کرنے والا بھی

اس میں داخل ہے کیونکہ جو بھی گناہ ہوتا ہے وہ عملی جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کو گناہ جانتے ہوئے گناہ کرنا اور اس کے مؤاخذہ پر نظر نہ رکھنا یہ ایک طرح کی جہالت نادانی اور حماقت ہے۔

پھر فرمایا کَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ٥ (اور اسی طرح ہم آیات کی تفصیل بیان کرتے ہیں تا کہ مجرمین کا راستہ واضح ہو جائے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ای وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُهُمْ نفعل ما نفعل من التفصیل ۔یعنی آیات کے بیان کرنے کے متعدد فوائد ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مجرمین کا راستہ کیا ہے یعنی ان کا کیا انجام ہونے والا ہے)۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ

آپ فرما دیجئے! بے شک میں اس بات سے منع کیا گیا ہوں کہ انکی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ آپ فرما دیجئے! میں تمہاری خواہشوں کا اتباع نہیں کرتا۔

قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۞ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ

ایسا کروں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گا۔ آپ فرما دیجئے کہ بے شک میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں

كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ

اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ میرے پاس وہ نہیں ہے جس کی تم جلدی کرتے ہو۔ کسی کا حکم نہیں ہے سوائے اللہ کے، وہ حق کو بیان فرماتا ہے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں

الْفٰصِلِيْنَ ۞ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ

سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے! اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۞

اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

گمراہوں کا اتباع کرنے کی ممانعت

ان آیات میں چند امور مذکور ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی وآلہ وسلم سے چند باتوں کا اعلان کروایا ہے۔ اولاً تو یہ فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے فرما دیں کہ میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔ میں معبودان باطلہ کی عبادت نہیں کر سکتا جنہیں تم پکارتے ہو، مجھ سے یہ امید نہ رکھنا کہ میں کبھی تمہارے باطل کا ساتھ دیدوں اور تمہاری خواہشوں کا اتباع کروں۔ (العیاذ باللہ) خدانخواستہ میں ایسا کروں تو تمہاری طرح میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا یہ وہی مضمون ہے جس کا سورۂ کافرون میں اعلان فرمایا۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرما دیجئے کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں مجھے پورا یقین ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں، رسول ہوں اور میں جس بات کی دعوت دے رہا ہوں وہ صحیح ہے دلائل واضحہ میرے دعویٰ کی سچائی پر قائم ہیں جس پر مجھے مکمل یقین ہے اور کسی طرح کا شک وشبہ نہیں۔ میں تمہاری باتوں کا کیسے ساتھ دے سکتا ہوں؟ مجھے تو اپنے دعوے کی صحت پر دلیل کے ساتھ یقین ہے اور تم اس کی تکذیب کر رہے ہو۔ تکذیب ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہو کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر کوئی عذاب لا کر دکھاؤ ہمارے

انکار اور تکذیب کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آیا؟

عذاب بھیجنا اللہ کے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں نہیں، حکم اللہ ہی کا ہے تکوینی اور تشریعی حکم کا صرف وہی مالک ہے، وہ عذاب بھیجے نہ بھیجے میرے اختیار میں کچھ نہیں اور یہ ضد کرنا کہ عذاب آ جائے تب ہی آپ کے دعوے کو سچا مانا جائے جہالت وحماقت کی بات ہے۔ حق دلائل سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حق بیان فرما دیا۔ دلائل ہوتے ہوئے حق کو نہ ماننا اور عذاب آ جانے ہی کو ثبوت حق کا ذریعہ سمجھنا یہ تمہاری اپنی اپچ ہے۔ اور تمہارا خیال غلط ہے اللہ تعالیٰ تمہارے ہوا وہوس کا پابند نہیں کہ تم جو کہو وہ کرے، جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لئے واضح طور پر حق کا بیان ہو جانا کافی ہے (یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ٥)

ثالثاً یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرما دیں کہ جس چیز کی تم جلدی مچاتے ہو یعنی عذاب لانے کی تو یہ میرے پاس نہیں اگر میرے پاس ہوتا تو میرے تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یعنی عذاب آ گیا ہوتا۔ وہ تو اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ تم واضح حق نہیں جانتے عذاب چاہتے ہو اور ظلم کر رہے ہو، حق قبول نہ کرنا ظلم ہے اور اللہ کو ظالموں کا پتہ ہے اور وہ دنیا میں عذاب نہیں بھیجتا تو یہ نہ سمجھ لینا کہ آخرت میں بھی عذاب نہیں۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ

اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ ان کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور تری میں ہے، اور نہیں گرتا ہے

مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ

کوئی پتہ مگر وہ اس کو جانتا ہے کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہیں ہے کوئی تر چیز اور خشک مگر وہ کتاب

مُّبِيْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ

مبین میں ہے۔ اور وہی ہے جو تمہیں قبضہ میں لیتا ہے رات کو جانتا ہے جو کچھ کرتے ہو دن میں، پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے

لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

تا کہ پوری کر دی جائے معیاد مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ پھر وہ تمہیں ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

ع ۷ ۱۳

اللہ تعالیٰ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، بر و بحر میں جو کچھ ہے وہ سب اس کے علم میں ہے

پہلی آیت میں اللہ جل شانہٗ کے علم کی وسعت قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اجمالی طور پر علم الٰہی کو بہت سی جگہ بیان فرمایا ہے اور وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ٥ (کا عموم ہر چیز کے علم کو شامل ہے اس کا عموم موجودات، معدومات، ممکنات، ممتنعات سب کے علم کو شامل ہے اور سورۂ تغابن میں فرمایا يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ٥ اور سورۂ یونس میں فرمایا وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ اور سورۂ مائدہ میں فرمایا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ اور سورۂ طلاق میں فرمایا وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا٥ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ سورۂ نمل میں فرمایا قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ آیت

بالا میں بیان فرمایا کہ غیب کی کنجیاں صرف اللہ ہی کے پاس ہیں انہیں صرف وہی جانتا ہے۔ خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے سب کو جانتا ہے۔ ہزاروں قسم کی مخلوق ان کی اجناس اور انواع واصناف اور ان کے افراد اسے ان سب کا علم ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جو بھی کوئی پتہ گرتا ہے اسے اس کا بھی علم ہے اور زمین کی اندھیریوں میں (زمین کے اندر ساتویں زمین کی منتہٰی تک) اور زمین کے اوپر جو بھی کوئی چیز ہے تر یا خشک ہو اور جہاں بھی ہو وہ سب کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رطب سے مراد وہ ہے جو اگتا ہے اور یابس سے مراد ہے جو اگتا نہیں بعض علماء نے فرمایا کہ رطب و یابس سے تمام اجسام مراد ہیں اس لئے کہ اجسام کی دو ہی قسمیں ہیں یعنی رطب و یابس، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ رطب سے حی یعنی زندہ اور یابس سے بے جان چیزیں مراد ہیں

مفسرین کی ایک جماعت نے کتاب مبین سے لوح محفوظ کو مراد لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے اور ابدی ہے اسے جاننے یاد رکھنے کے لئے کتاب کی ضرورت نہیں۔ لوح محفوظ میں لکھنے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جو کچھ وجود میں آتا رہے فرشتوں کو اس کا علم ہوتا رہے کہ یہ سب معلومات الٰہیہ میں سے ہے اور ایک یہ حکمت بھی ہے کہ جو لوگ مکلّف ہیں وہ یہ یقین کرلیں کہ ہمارے اعمال میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لکھنے سے رہ گئی ہو۔ اس کتاب کو لوح محفوظ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف سے اور شیاطین کے وہاں پہنچنے سے محفوظ ہے کوئی اسے بدل نہیں سکتا۔ (روح المعانی ص ۱۷۲ ج ۷)

علم غیب صرف اللہ کے لئے ہی مخصوص ہے وہ جس مخلوق کو جتنا علم عطا فرمادے اسی قدر علم حاصل ہوجاتا ہے آلات کے ذریعہ جو علم ہو وہ علم غیب نہیں۔ بعض بے علم لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ بارش آنے کا علم پہلے ہوجاتا ہے یا رحم مادر میں جو ہے اس کے نر یا مادہ ہونے کا علم ماہروں کو ہوجاتا ہے اس لئے یہ بھی علم غیب ہوا، یہ جاہلانہ بات ہے۔ بارش کا جو پتہ چل جاتا ہے وہ آلات کے ذریعہ ہوا کا رخ دیکھ کر پتہ چلاتے ہیں اور وہ بھی حتمی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا علم ہمیشہ سے ہے اور آلات کے بغیر ہے جب آلات نہیں تھے جب بھی وہ سب کچھ جانتا تھا۔ اسی طرح مادہ منویہ کے تجربات سے اور ایکسرے وغیرہ سے نر یا مادہ کا معلوم ہوجانا یہ بھی علم غیب نہیں اللہ تعالیٰ کو علم کے لئے نہ آلات کی ضرورت ہے اور نہ تجربات کی اسے تو ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے معلوم ہے کہ ان کی کتنی نسل ہوگی اور ان کی نسل میں کس کس مرد اور کس کس عورت سے کون کون پیدا ہوگا۔

پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ (اللہ وہی ہے جو تمہیں اٹھالیتا ہے رات کو) اس سے سلادینا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نیند کو طاری فرمادیتا ہے جو ایک گونہ روح قبض کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا اَلنَّوْمُ اَخُو الْمَوْتِ (مشکوٰۃ المصابیح ۵۰۰) کہ نیند موت کا بھائی ہے۔ یہ سلانا اور جگادینا سب اللہ ہی کی قدرت اور مشیت سے ہے جو دوبارہ زندہ ہونے کا نمونہ ہے وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ط اور وہ جانتا ہے جو دن میں تم اعمال کرتے ہو، چونکہ عام طور پر رات ہی کو سوتے ہیں اور دن میں کام کرتے ہیں اس لئے نیند کو رات کی طرف اور کسب عمل کو دن کی طرف منسوب فرمادیا ورنہ جو لوگ دن کو سوتے ہیں اور رات کو کام کرتے ہیں انکا بھی ہر عمل اللہ کی مشیت وارادہ سے ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ سونا اور جاگنا انفرادی موت وحیات ہے اور وقوع قیامت اجتماعی موت ہے۔

اور اس کے بعد زندہ ہوجانے کا نام بعث ونشور ہے۔ دنیاوی زندگی گزر رہی ہے کبھی خواب ہے کبھی بیداری، خواب عارضی موت ہے اور ہر شخص کو حقیقی موت بھی آنی ہے اس حیات دنیوی کے لئے باری تعالیٰ شانہٗ کے علم میں ایک مدت مقرر ہے جب یہ مدت پوری ہوجائے

گی تو مقرر اجل آجائیگی۔

ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰی اَجَلٌ مُّسَمًّی پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے یعنی بیدار کرتا ہے تا کہ وقت مقررہ پورا کر دیا جائے دنیا کی بیداری اور خواب اور موت وحیات اور اکتساب اعمال کو بیان فرمانے کے بعد قیامت کی حاضری کا ذکر فرمایا ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُکُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥ (پھر اس کی جانب تم کو لوٹ کر جانا ہے پھر تم کو بتا دیگا جو تم کرتے تھے) مطلب یہ کہ دنیاوی زندگی کا گزرنا یونہی نہیں ہے، اس میں جو اعمال کرتے ہو قیامت کے دن وہ سامنے آئیں گے اور ان کا نتیجہ بھی سامنے آئے گا ہر شخص کو وہاں کی فوز وفلاح اور کامیابی کے لئے فکر مند ہونا چاہیے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم سے کسی کو موت آجاتی ہے تو اس کو ہمارے فرشتے

رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُکْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ

قبض کر لیتے ہیں، اور وہ کوتاہی نہیں کرتے، پھر وہ اللہ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے، خبردار اسی کے لیے حکم ہے اور وہ حساب لینے والوں میں سب سے جلدی حساب

الْحٰسِبِیْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْکُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا

لینے والا ہے، آپ فرمائیے کہ کون تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی اندھیریوں سے، تم اسے چپکے چپکے عاجزی کے ساتھ پکارتے ہو بلاشبہ اگر ہمیں اس مصیبت

مِنْ هٰذِهٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْکُمْ مِّنْهَا وَمِنْ کُلِّ کَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِکُوْنَ ﴿٦٤﴾

سے نجات دے دی تو ہم ضرور ضرور شکر گذاروں میں سے ہو جائیں گے، آپ فرما دیجئے اللہ تمہیں مصیبت سے نجات دیتا ہے اور ہر بے چینی سے، پھر تم شرک کرتے ہو۔

اللہ غالب ہے وہ نگرانی کرنیوالے فرشتوں کو بھیجتا ہے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے۔

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر غالب ہے اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا وہ اپنے بندوں کے بارے میں جو کچھ ارادہ فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔

پھر فرمایا وَیُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَةً اور وہ تم پر نگران بھیجتا ہے اس سے اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہیں جیسا کہ سورۃ الانفطار میں فرمایا وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ٥ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ٥ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ٥ (اور تمہارے اوپر نگراں ہیں جو عزت والے کاتب ہیں وہ جانتے ہیں، جو تم کرتے ہو) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے کاتبین کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں جو آگے پیچھے جاتے رہتے ہیں اور بندوں کی حفاظت کرتے ہیں جیسے سورۂ رعد میں فرمایا لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ اگر عموم لفظ سے دونوں قسم کے فرشتے مراد لئے جائیں تو اس میں بھی کوئی بُعد نہیں۔ اعمال لکھنے والے فرشتے حسنات اور سیئات لکھتے ہیں جس میں اقوال اور اعمال سب آجاتے ہیں۔

سورۂ قٓ میں فرمایا مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ٥ (انسان جو بھی کسی بات کا تلفظ کرتا ہے تو اس کے پاس نگران موجود ہے تیار)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے جاتے ہیں۔ اور فجر اور عصر کی نماز میں ان کا اجتماع ہو جاتا ہے پھر وہ فرشتے جو رات کو تمہارے پاس رہے تھے اوپر چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ ان سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ اپنے بندوں کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب میں عرض کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس گئے تھے تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۲ ج ۱ از بخاری و مسلم)

پھر فرمایا حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ط (یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت آجاتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے قاصد اسکو اٹھا لیتے ہیں) یعنی زندگی بھر جو فرشتے بندوں کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں وہ کار مفوضہ انجام دیتے رہتے ہیں پھر جب زندگی کی مدت ختم ہو جاتی ہے اور مقرر اَجل آپہنچتی ہے تو وہ فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں جو اس کام پر مقرر ہیں۔

صاحب الروح المعانی نے ص ۱۱۶ ج ۷ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہاں رُسُلُنَا سے ملک الموت کے اعوان یعنی مددگار مراد ہیں وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ٥ (اور یہ فرشتے جو روح قبض کرنے پر مقرر ہیں کچھ بھی کوتاہی نہیں کرتے) ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ط (پھر وہ واپس کئے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو ان کا حقیقی اور واقعی مالک ہے)

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَ هُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ ٥ (خبردار! اسی کے لئے حکم ہے وہی فیصلے فرمائے گا، وہ حساب لینے والوں میں سب سے پہلے حساب لینے والا ہے) جن لوگوں کا حساب لیا جائے گا۔ ان کے مختلف احوال اور مختلف اعمال ہونگے۔ کسی کا حساب جلدی اور کسی کا دیر سے ختم ہوگا لیکن اگر اللہ تعالیٰ سب ہی کا حساب ذرا سی دیر میں فرمانا چاہے تو فرما سکتے ہیں فانه لا يشغله حساب عن حساب و لا شأن عن شأن۔

پھر فرمایا قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (آپ فرما دیجئے کون ہے جو تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ظلمات البر و البحر سے شدائد یعنی سختیاں اور مشکلات و مصائب مراد ہیں۔ جب انسان سختیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں پکارتے ہیں وہ لوگ بھی مصیبت کے وقت سب کو چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً میں بیان فرمایا کہ تم آڑے وقت میں عاجزی کے ساتھ پوشیدہ طور پر اللہ ہی کو پکارتے ہو اور یوں کہتے ہو لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ٥ ط (اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے تو ہم ضرور بالضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے) یعنی ہمیشہ شکر میں لگے رہیں گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ (اللہ تمہیں اس مصیبت سے اور بے چینی سے نجات دیتا ہے) ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ٥ (پھر تم شرک کرنے لگتے ہو) مصیبت میں خالص اللہ کو پکارتے ہو۔ اور شکر گزاری کے وعدے کرتے ہو پھر جب اللہ تعالیٰ مصیبت دور فرما دیتا ہے تو سب وعدے بھول جاتے ہو اور شرک کرنے لگتے ہو۔

سورۂ یونس میں فرمایا فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط (سو جب ان کو اللہ نے نجات دیدی تو وہ اچانک زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں) سورۂ عنکبوت میں فرمایا:

فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ٥ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ٥ (پھر جب کشتی میں سوار ہو جاتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں اور اسی کی عبادت کو خالص کر کے، پھر جب

انہیں خشکی کی طرف نجات دیدیتا ہے تو اچانک شرک کرنے لگتے ہیں تا کہ وہ ناشکری کریں ہماری دی ہوئی نعمتوں کو اور تا کہ وہ فائدہ اٹھائیں سو وہ عنقریب جان لیں گے) یہ مشرک انسان کا مزاج ہے کہ مصیبت میں اللہ کی طرف اور آرام میں غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیج دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے

شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵

تم کو مختلف جماعتیں کر کے اور چکھا دے ایک کو دوسرے کی سختی، آپ دیکھ لیجئے کہ ہم کیسے مختلف پہلوؤں سے آیات کو بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سمجھ جائیں،

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶۶ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّ

اور آپ کی قوم نے اسے جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تم پر داروغہ بنا کر مقرر نہیں کیا گیا۔ ہر ایک خبر کا وقت مقرر ہے

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷

اور عنقریب تم جان لو گے۔

اللہ اس پر قادر ہے کہ اوپر سے نیچے سے عذاب بھیج دے یا آپس میں جنگ کرا دے

انسانوں کو بحر و بر میں جو تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں اور جن مصائب میں مبتلا ہوجاتے ہیں ان کے دفعیہ کے لئے پورے اخلاص کے ساتھ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگتے ہیں۔ پھر مصیبت ٹل جاتی ہے تو ساری دعائیں بھول جاتے ہیں یہ تو ان مصیبتوں کا حال ہے جن میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور بے شمار مصیبتیں ایسی ہیں جو پہنچتی ہی نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ اوپر سے عذاب بھیج دے، پتھر برسا کر ہلاک کردے، بہت زیادہ بارش بھیج دے یا سخت چیخوں کی آوازیں آجائیں، اور اسے اس پر بھی قدرت ہے کہ بندوں پر نیچے سے عذاب بھیج دے، سیلاب آجانا، زمین میں دھنس جانا، یہ نیچے سے عذاب آنے کی صورتیں ہیں اوپر اور نیچے دونوں جہتیں بیان فرمادیں جن سے عذاب آنے کا تصور ہوسکتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو ہر چھ جہت سے عذاب بھیجنے کی قدرت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ بھی منقول ہے: **اللھم احفظنی من بین یدی ومن خلفی وعن یمینی وعن شمالی ومن فوقی واعوذ بعظمتک ان اغتال من تحتی یعنی الخسف.**

(اے اللہ! میری حفاظت فرما! میرے سامنے سے اور میرے پیچھے سے اور میرے دائیں سے اور میرے بائیں سے اور میرے اوپر سے اور میں آپ کی عظمت سے اس کی پناہ لیتا ہوں کہ اپنے نیچے سے ہلاک کردیا جاؤں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۰)

اس روایت میں **ان اغتال من تحتی** کی تفسیر خسف یعنی زمین میں دھنسا دیئے جانے سے کی ہے اور اس سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔

سورۂ ملک میں فرمایا ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ (کیا تم اس سے نڈر گئے جو آسمان میں ہے کہ تم پر بھیج دے پتھر برسانے والی ہوا تو عنقریب تم

کو معلوم ہو جائیگا کیسا ہے میرا ڈرانا)

اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (یا بھڑادے تم کو گروہ گروہ کر کے اور چکھادے بعض کو بعض کی سختی) یہ حاصل ترجمہ ہے، مفسر ابوالبرکات نسفی اپنی تفسیر مدارک التنزیل ص ۱۷ ج ۲ میں لکھتے ہیں:

او یخلطکم فرقا مختلفین علی اھواء شتی کل فرقة منکم مشایعة لامام، ومعنی خلطھم ان ینشب القتال بینھم فیختلطوا او یشتبکوا فی ملاحم القتال.

یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تمہارے مختلف فرقے بنادے جن کے اہواء وافکار مختلف ہوں۔ ہر فرقہ اپنے اپنے پیشوا کے پیچھے چلتا ہو اور خلط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے درمیان جنگ کھڑی ہو جائے اور قتل وقتال کے معرکہ میں خلط ملط ہو جائیں اور ایک فریق دوسرے فریق میں گھس جائے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ تمہارے بہت سے فرقے بنا کر آپس میں جنگ کرادے اور بعض کو بعض کی قدرت و طاقت اور دشمنی کا مزہ چکھادے۔ یہ بھی ایک سزا ہے نہ تو آسمان سے آتی ہے نہ زمین سے نکلتی ہے۔ انسانوں کے اپنے افکار اور تصورات اور معتقدات کی بنا پر فرقے بن جاتے ہیں اور آپس میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ اور یہ عذاب بہت بڑا عذاب ہے پہلی امتوں پر بھی آتا رہا ہے اور اس امت پر بھی اس کے مظاہر رہتے ہیں۔

حضرت زید بن اسلمؒ (تابعی) نے بیان کیا کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمایا کہ الا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض بالسیوف (تم لوگ میرے بعد کافر مت ہو جانا جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو تلوار سے قتل کیا کرو گے) حضرت حسنؒ (تابعی) نے فرمایا کہ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ مشرکین کے لئے ہے۔ اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط مسلمانوں کے لئے ہے۔ (درمنثور ص ۲۰ ج ۳)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی معاویہ کی مسجد پر گزرے۔ وہاں آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے لمبی دعا کی اور اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ مجھے دو چیزیں عطا فرمادیں اور ایک کی قبولیت سے منع فرمادیا۔ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت کو قحط سے ہلاک نہ فرمانا دعا قبول ہوگئی اور میں نے یہ سوال کیا کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ فرمانا۔ میری یہ دعا قبول ہوگئی اور میں نے سوال کیا کہ آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو تو اس بات کو قبول نہیں فرمایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۲ ج ۲)

کبھی کبھار کہیں سیلاب آجائے کچھ لوگ غرق ہو جائیں یا قحط سے کچھ لوگ مر جائیں یہ دوسری بات ہے قحط سے یا غرق سے پوری امت ہلاک نہ ہوگی۔ اس کی دعا اللہ جل شانہٗ نے قبول فرمالی ہے۔ پھر فرمایا اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّھُمْ یَفْقَھُوْنَ O (آپ دیکھ لیجئے ہم کیسے آیات کو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ سمجھیں) اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ مختلف طریقوں سے تفصیل کے ساتھ دلائل فرمائے تا کہ سمجھنے والے غور وفکر کریں اور سمجھنے کا ارادہ کریں تو سمجھ لیں۔

وَکَذَّبَ بِہٖ قَوْمُکَ وَھُوَ الْحَقُّ ط (اور آپ کی قوم نے اس عذاب کی تکذیب کی حالانکہ وہ حق ہے) قُلْ لَّسْتُ عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ O یعنی اگر وہ یوں کہیں کہ عذاب کب آئے گا تو آپ جواب دیدیں کہ میں تمہارے اوپر داروغہ بنا کر مقرر نہیں کیا گیا۔ عذاب کا لانا میرے بس میں نہیں ہے اللہ جب چاہے گا لے آئے گا۔

پھر فرمایا لِکُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ o (ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لوگے) مطلب یہ ہے کہ جو خبریں دی گئی ہیں یہ محض خبریں ہی نہیں ہیں ان کے وقوع اور حصول کا وقت مقرر ہے جو اللہ کے علم میں ہے مقرر وقت آجائے گا تو اس کا ظہور ہو جائے گا اور تمہیں تکذیب کی سزا معلوم ہو جائے گی۔

وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ

اور اے مخاطب! جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان سے کنارہ ہو جا! یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری

حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَ مَا عَلَی

بات میں لگ جائیں ۔ اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو اور جو لوگ احتیاط

الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ لٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَ ذَرِ الَّذِیْنَ

کرتے ہیں ان پر ظالموں کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ ڈرنے لگیں ، اور چھوڑ دے ان لوگوں کو

اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا

جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا ہے اور قرآن کے ذریعہ ان کو نصیحت کیجئے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال کی

كَسَبَتْ ۖۗ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ ۚ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ

وجہ سے نہ پھنس جائے جس کے لئے اللہ کے علاوہ کوئی حمایتی اور سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ اور اگر نفس ہر طرح سے جان کا بدلہ دے تو اس سے نہ لیا جائے گا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۱۴

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے پھنس گئے۔ ان کے لیے پینا ہے گرم پانی سے اور درد ناک عذاب ہے کفر کرنے کی وجہ سے ۔

ان مجلسوں میں بیٹھنے کی ممانعت جن میں اسلام کا مذاق بنایا جارہا ہو

بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ مسلمین اور مشرکین ایک جگہ بیٹھتے تھے۔ مشرکین کو قرآن مجید کا احترام نہ تھا بیٹھے بیٹھے اہل ایمان کے سامنے قرآن کا مذاق بنانے لگتے تھے اور اُمورِ دین پر طعن کرنے لگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تم ان ظالموں کو دیکھو تو ان سے اعراض کرو اور کنارہ کشی اختیار کرو۔ ہاں! جب اپنی اس حرکت بد کو چھوڑ دیں اور دوسرے کسی کام میں، عمل میں مشغول ہو جائیں تو پھر ان کے ساتھ بیٹھ سکتے ہو۔ اگر وہ استہزاء اور تمسخر کر رہے ہوں اور تم بھولے سے ان کے پاس بیٹھے رہو تو جب یاد آجائے اٹھ جاؤ اور ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

یہ مضمون سورۂ نساء میں گذرا ہے۔ وہاں اس آیت کا حوالہ دیکر فرمایا وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَ یُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ط (سورۂ نساء آیت ۱۴۰)

اہلِ کفر سے اگر بالکل ہی دور رہیں تو ان کو حق بات کیسے پہنچائی جائے اور نصیحت اور موعظت کا راستہ کیسے نکالا جائے۔ اس کے لئے

ملنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ (اور جولوگ احتیاط کرتے ہیں ان پر ظالموں کے حساب میں کچھ بھی نہیں ہے لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ ڈرنے لگیں) اگر دینی اور دنیاوی ضرورت سے ان کے پاس جانا ہوجائے تو جولوگ ایمان میں مضبوط ہیں اور منکر کو منکر جانتے ہوئے اپنی ذات کو محفوظ رکھ سکتے ہوں ان پر ان ظالموں کے حساب یعنی باز پرس اور طعن کرنے کے گناہ کا کوئی اثر نہ ہوگا جو تمسخر واستہزا میں مشغول ہوں، یہ لوگ ان کے پاس جائیں ان کو نصیحت کریں ممکن ہے نصیحت ان لوگوں کے حق میں کارگر ہوجائے اور طعن و تشنیع اور عیب جوئی سے پرہیز کریں۔ جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔

صاحب روح المعانی ص ۱۸۴ ج ۷ نے ابوجعفر سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا کہ مشرکین جب قرآن کریم کا استہزاء کرنے لگیں اور ہم اسی وقت وہاں سے اٹھ جائیں۔ پھر تو ہم مسجد حرام میں نہیں بیٹھ سکتے۔ اور بیت اللہ کا طواف بھی نہیں کرسکتے (کیونکہ مشرکین تو اپنی حرکت سے باز آنے والے نہیں) اس پر آیت وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتادیا گیا کہ تم اپنے اعمال میں لگے ہوئے ہو ان کی مجلس میں شریک نہیں ہو تو تم پر ان کے اعمال کی ذمہ داری نہیں۔ اور جب اختلاط ہوجائے تو ان کی نصیحت اور خیرخواہی سے غافل نہ ہونا۔ ممکن ہے نصیحت اثر کرجائے۔

لہو ولعب والوں کو چھوڑ دیجئے جنہیں دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا .... اسکے بعد فرمایا: وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا (الآیۃ) پہلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ جولوگ آیات کا تمسخر واستہزاء کررہے ہیں ان سے اعراض کرو اور ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان سے اعراض کرنا کوئی مجلسوں میں شرکت کرنے پر ہی منحصر نہیں ہے۔ بلکہ مستقل یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین کو (یعنی ترک کرنے اس دین اسلام کو جو ان کے لئے اللہ پاک نے بھیجا ہے) لہو ولعب بنالیا ہے، ان کو چھوڑے رکھو ان کو دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اسی کی لذتوں میں مشغول ہیں اور آخرت سے غافل ہیں لیکن اس اعراض اور ترک تعلقات کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو تبلیغ نہ کی جائے۔ اس قرآن کے ذریعہ ان کو تبلیغ کرتے رہو۔ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کی وجہ سے عذاب میں نہ پھنس جائے اور ہلاک نہ ہوجائے۔

دنیا میں جولوگ ہدایت سے دور ہیں حق قبول نہیں کرتے آخرت میں ان کیلئے اللہ کے سوا کوئی دوست وسفارش کرنے والا نہ ہوگا۔

رسول کا کام تو دعوت دینا اور واضح طور پر پہنچادینا ہے۔ تاکہ اس کی دعوت کو قبول کرکے آخرت کی پکڑ اور عذاب سے محفوظ ہوجائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اس ہدایت کو نہیں مانتا تو وہ اس کی اپنی حماقت ہے۔

میدان قیامت میں نہ کوئی مددگار ہوگا نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا اور اس وقت جولوگ عذاب کی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ وہ چاہیں گے کہ کچھ لے دے کر چھوٹ جائیں، اول تو وہاں فدیہ یعنی جان کا بدلہ دینے کیلئے کچھ نہ ہوگا اور بالفرض ہو بھی اور ہر طرح کا عوض دے کر جان چھڑانا چاہے تو کوئی عوض اور بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ سورۂ مائدہ میں فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (اور بھی کئی جگہ قرآن مجید میں اس مضمون کو بالتصریح بیان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے عذاب میں پھنس گئے) لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ (ان کے لئے پینا ہے گرم پانی سے) جو بہت گرم ہوگا۔ سورۂ محمد میں فرمایا وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (اور ان کو گرم پانی پلایا جائے گا جو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ان کی آنتوں کو) وَعَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ○ (اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کرنے کی وجہ سے)

فائدہ............ مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو ایسی مجلسوں اور محفلوں میں جانا اور شریک ہونا ممنوع ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کتاب اللہ کی یا دین خداوندی کی یعنی اسلام کی تکذیب کی جاتی ہو یا ان کا مذاق اڑایا جاتا ہو۔ جن ملکوں میں مسلمان رہتے اور بستے ہیں ان میں ایسے ممالک بھی شامل ہیں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور دشمنان اسلام اپنی اسلام دشمنی میں دین اسلام کا مذاق اڑانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کا تمسخر کرنے سے باز نہیں آتے، اس کے لئے مجلسیں منعقد کرتے ہیں ڈرامے تیار کرتے ہیں، مسلمانوں کو بھی شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔

مسلمان جہالت اور حماقت سے ان میں شریک ہو جاتے ہیں اور ملنساری سمجھ کر گوارا کر لیتے ہیں اسی طرح بعض دشمنان اسلام ایسے مضامین اور ایسی کتابیں شائع کر دیتے ہیں جن میں اسلام اور قرآن کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ کالج اور یونیورسٹیوں کے بے علم اسٹوڈنٹس ریسرچ وغیرہ کے عنوان سے ان کو پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ایسے اجتماعات میں شرکت اور ایسے رسائل کا پڑھنا حرام ہے۔ اپنے دین کا مذاق اپنے کانوں سے سننا یا اپنی آنکھوں سے ایسے رسائل پڑھنا نہایت بے غیرتی کی بات ہے، اگر کہیں غلطی سے کسی ایسے اجتماع میں شرکت کر لی جس میں دین اسلام کی کسی بھی چیز کا استہزاء کیا جارہا ہو تو علم ہو جانے پر اسی وقت وہاں سے اُٹھ کر چلے جائیں اور فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ پر عمل کریں۔

البتہ بعض ایسی صورتیں سامنے آجاتی ہیں کہ دشمنوں کی باتوں کا توڑ کرنا ضروری ہوتا ہے اور ان کو منہ توڑ جواب دینا لازم ہوتا ہے ایسی نیت سے وہاں پہنچنا جائز ہے مگر اسی شخص کے لئے جو ان کا جواب دے سکے۔

آج کل مصیبت یہ ہے کہ مسلمان اسلام کو تو پڑھتے نہیں۔ بیس بیس سال دنیاوی علوم کی ڈگریاں حاصل کرنے میں لگا دیتے ہیں لیکن اسلام کے عقائد اور ارکان سے اور قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اس لئے دشمن کے اعتراضوں کو پیتے چلے جاتے ہیں، ان کے جواب دینے سے عاجز ہوتے ہیں اور بعض تو ان کی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات جگہ پکڑ لیتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے احساس کمتری کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دشمنوں کے اعتراض سنتے رہتے ہیں اور کافروں پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔

ایسے لوگوں کے لئے بالکل اختلاط اور میل ملاپ حرام ہے۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ اسلامیات کی ڈگری لینے مستشرقین کے پاس جاتے ہیں اور وہ ان کے سامنے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور اعتراضات ہی کا سبق دیتے ہیں اور انہوں نے جو کچھ پڑھایا ہے اس کے مطابق جواب ملنے سے ڈگری ملتی ہے پھر مسلمان طلباء میں آکر اپنی باتوں کی تبلیغ کرتے ہیں جو دشمنان دین سے سیکھ کر آئے۔ ایسی یونیورسٹیوں میں داخل ہونا بالکل حرام ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ

آپ فرما دیجئے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا جو ہمیں نفع نہیں دیتا اور جو ہمیں ضرر نہیں دیتا، اور کیا ہم اس کے بعد الٹے پاؤں لوٹا دیئے جائیں جبکہ

اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ

اللہ نے ہمیں ہدایت دی، کیا ہم اس شخص کی طرح ہو جائیں جسے شیاطین نے جنگل میں بے راہ کر دیا ہو۔ اس حال میں کہ حیران ہو کر بھٹکتا پھر رہا ہو۔ اس کے ساتھی

يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ

ہیں جو اسے بلاتے ہیں کہ ہدایت کی طرف آ جا ہمارے پاس۔ آپ فرما دیجئے بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ ہم سارے جہانوں کے پروردگار

الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَ هُوَ الَّذِىْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

کے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور یہ کہ نماز کو قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ

اور وہی ہے جس نے حق کے ساتھ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا سو وہ ہو جائے گا، اور اس کا فرمان حق ہے

وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

اور اسی کے لیے ساری حکومت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا۔ وہ جاننے والا ہے غیب کی چیزوں کو اور ظاہر چیزوں کو اور وہ حکمت والا ہے، خبر رکھنے والا ہے۔

الثلثة

صرف اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے

تفسیر درمنثور ج ۲ میں نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اہل ایمان سے کہا کہ تم ہمارے راستہ کا اتباع کرلو اور محمد ﷺ کا راستہ چھوڑ دو۔ اس پر آیت کریمہ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا نازل ہوئی۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بطور مثال ایک شخص کی حالت بیان فرمائی ہے جو کہ راستہ سے بھٹک گیا اور جو لوگ اس کے ساتھ ساتھ تھے اسے صحیح راستہ کی طرف بلا رہے ہیں اور جنگل میں جہاں وہ راہ گم کر چکا تھا وہاں شیاطین بھی موجود ہیں انہوں نے اسے پریشان کر رکھا ہے وہ اسے اپنی خواہشوں پر چلانا چاہتے ہیں اس حالت میں وہ حیران کھڑا ہے۔ اگر شیاطین کی طرف جاتا ہے تو وہ ہلاکت میں پڑتا ہے۔ اگر اپنے ساتھیوں کی آواز پر جاتا ہے تو ہدایت پا جاتا ہے اور شیاطین سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اہل ایمان کو کافروں نے واپس گمراہی کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دی اور بت پرستی کی ترغیب دی۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تم ان کو جواب دیدو کیا اللہ کو چھوڑ کر جو پوری طرح نفع وضرر کا مالک ہے ہم ان کو پکاریں جو کچھ بھی نفع وضرر نہیں دے سکتے اور کیا اللہ کی طرف سے ہدایت مل جانے کے بعد الٹے پاؤں واپس ہو جائیں؟ ایسا نہیں ہوگا۔ خدانخواستہ العیاذ باللہ! اگر ہم ایسا کرلیں تو ہماری وہی مثال ہو جائیگی جیسے کوئی شخص جنگل میں راہ بھٹکا ہوا کھڑا ہوا سے شیاطین نے حیران ہلکان کر رکھا ہو وہ اسے اپنی گمراہی میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھ اسے ہدایت کی طرف بلا رہے ہیں۔ خدانخواستہ اگر ہم کافروں کی بات مان لیں تو ہماری وہی حالت ہو جائے گی جو اس حیران پریشان شخص کی حالت ہوتی ہے جس کا اوپر ذکر کر لیا گیا۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے) جب ہمیں اللہ نے ہدایت کی نعمت سے نواز دیا تو اب ہم کفر وشرک کی طرف کیوں جائیں؟ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین ہی کے

فرماں بردار رہیں) وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ط (اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ نماز قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو) وَهُوَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ o (اور وہی رب العالمین ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے) جب اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اس وقت سب کے فیصلے ہو جائیں گے۔ ہم اس کی عبادت کو کیسے چھوڑ دیں اور اس کی توحید سے کیسے منہ موڑیں۔

پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط (اور ہمارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ یعنی بالکل ٹھیک طریقے پر پیدا فرمایا) وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ o (اور جس دن اللہ تعالیٰ فرمادیگا کہ ہو جا بس ہو جائیگا) یعنی قیامت کے دن کا حشر ونشر کچھ بھی مستبعد نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کُنْ فرمادینا ہی اس کے وجود میں آجانے کے لئے کافی ہے۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ (اس کا فرمادینا حق ہے) وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ (اور جس دن صور پھونکا جائے گا ساری حکومت اسی کی ہوگی) کوئی بھی مجازی بااختیار باقی نہ رہے گا۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ (وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہری چیزوں کا) وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ o (اور وہ حکمت والا، خبر رکھنے والا ہے) حکمت کے مطابق اور اپنے علم کے مطابق جزا و سزا دیگا۔ اور صور پھونکے جانے میں تاخیر ہونا اس کی حکمت کے مطابق ہے، جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا صور پھونکنے کا حکم فرمادیگا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾

اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے؟ بلاشبہ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں،

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی مخلوقات دکھائیں۔ تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿۷۶﴾

پھر جب اس پر رات کی تاریکی چھاگئی تو ایک ستارہ دیکھا، کہا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ ستارہ غروب ہوگیا تو یوں کہا کہ میں غائب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا،

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ

پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو

لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ

میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا، پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے،

فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ

پھر جب سورج غروب ہوگیا تو کہا اے میری قوم! میں ان چیزوں سے بری ہوں، جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، بے شک میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف موڑا جس

لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ

نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، میں سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف مائل ہونے والا ہوں، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، اور اس کی قوم نے حجت بازی

قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ؕ وَ لَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ

کی تو اس نے جواب میں کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں حجت بازی کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت عطا فرما دی، اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو

بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ كَیْفَ

مگر ہاں جو کچھ میرا رب چاہے، میرے پروردگار کا علم ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اور میں کیونکر ان سے ڈروں

اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ

جنہیں تم نے شریک بنایا ہوا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنا لیا ہے جس کی کوئی دلیل تم پر اللہ نے

سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا

نازل نہیں فرمائی۔ سو دونوں فریقوں میں کون امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق

اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

کی آمیزش نہ کی انہیں کے لئے امان ہے اور وہی راہ یافتہ ہیں۔

وقف لازم — ع ۱۵ / ۱۲

چاند سورج اور ستاروں کی پرستش کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بعد آنیوالے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے باپ ہیں ان کی قوم بابل کے آس پاس رہتی تھی جو آج کل عراق کا ایک شہر ہے اس وقت وہاں کا بادشاہ نمرود نامی ایک شخص تھا وہ خدائی کا دعویدار تھا۔ ساری قوم بت پرست تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد جس کا نام آزر تھا وہ بھی بت پرست تھا اور ساری دنیا کفر و شرک میں مبتلا تھی۔ ایسے موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی وہ خالص موحد تھے۔ اللہ پاک کی توحید کی طرف انہوں نے اپنے باپ اور قوم کو دعوت دی اور اس بارے میں انہوں نے بہت تکلیف اٹھائی۔ نمرود سے آپ کا مناظرہ ہوا۔ (جن کا ذکر سورۂ بقرہ کی آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ میں گزر چکا ہے) اپنی قوم کو انہوں نے طرح طرح سے سمجھایا اور قائل کیا لیکن قوم نے ایک نہ مانا اور بت پرستی پر جمے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔ جس کا واقعہ سورۂ انبیاء (رکوع ۵) میں اور سورۂ صافات (رکوع ۳) میں مذکور ہے۔

اپنے والد سے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خطاب فرمایا یہاں اس کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ (کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے) اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں) سورۂ مریم میں ہے اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا ؕ (جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے باپ! تم کیوں ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور تمہیں کوئی فائدہ نہ دے۔

اپنے باپ کو صراط مستقیم کی دعوت دی اور بتایا کہ شیطان کی عبادت نہ کرو اور یہ بھی فرمایا تم جس دین پر ہو اس پر قائم رہنے سے اللہ پاک کی طرف سے عذاب پہنچ جائے گا۔ ان کے باپ نے ساری سنی ان سنی کر دی اور کوئی بات نہ مانی اور سختی کے ساتھ جواب دیا۔ کہ

لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَاهۡجُرۡنِىۡ مَلِيًّا (اگر باز نہ آیا..... تو تجھے ضرور بالضرور سنگسار کردوں گا۔یعنی پتھر مار کر ہلاک کردوں گا اور تو مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہوجا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو مختلف عنوانات سے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اس کے ذیل میں ستارہ پرستوں سے بھی خطاب فرمایا..... علامہ ابن کثیر دمشقی البدایہ والنہایہ ص۱۰۴ج ا میں لکھتے ہیں کہ دمشق اور اس کے آس پاس کے لوگ کواکب سبعہ (سات ستاروں) کی عبادت کیا کرتے تھے۔دمشق کے سات دروازے تھے اور ہر دروازے پر ایک ایک ستارہ کی تصویر لگا رکھی تھی۔ان کی عبادت کرتے تھے اور وہاں میلے لگاتے تھے اور بھینٹ اور نذرانے چڑھاتے تھے (کواکب سبعہ سے شمس،قمر،زحل،عطارد،مریخ،مشتری اور زہرہ مراد ہیں)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے اپنے علاقے سے ہجرت کرنے کے بعد دمشق کے آس پاس کہیں پیش آیا واقعہ یہ ہے کہ ان کو ایک چمکدار ستارہ نظر آیا۔صاحب روح المعانی نے ص۱۹۸ج ۷ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ ستارہ مشتری تھا اور حضرت قتادہؒ کی طرف یوں منسوب کیا ہے کہ یہ ستارہ زہرہ تھا۔بہر حال جو بھی ستارہ ہو خوب چمکدار اور روشن تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھ لیا تو اس وقت جو ستارہ پرست موجود تھے ان سے بطور فرض بحیثیت ایک الزام دینے والے مناظر کے یوں فرمادیا کہ یہ میرا رب ہے خود تو موحد تھے،غیر اللہ کو رب نہیں مانتے تھے لیکن ان کو آخر میں قائل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا۔وہ ستارہ کچھ دیر بعد چھپ گیا تو آپ نے فرمایا کہ چھپ جانیوالوں اور غروب ہونے والوں سے میں محبت نہیں کرسکتا۔جو چھپ گیا وہ کہاں اس قابل ہوسکتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

ابھی صاف بات نہ کہی حقیقت کی طرف اشارہ فرمادیا اس کے بعد چاند نظر آیا جو بہ نسبت ستاروں کے بڑا تھا اور خوب زیادہ روشنی والا تھا۔اس کو دیکھ کر اسی پہلے انداز کے مطابق فرمادیا۔کہ یہ میرا رب ہے۔پھر وہ بھی غروب ہوگیا تو اس مرتبہ فرمایا کہ اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں گمراہوں میں سے ہوجاتا۔جب ستارہ غروب ہوا تھا تو فرمایا تھا کہ میں چھپ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔یعنی جو غائب ہوجائے اور ذاتی طور پر ایک حال پر باقی نہ رہ سکے میں اسے معبود نہیں مان سکتا،بات کو اپنے اوپر رکھ کر کہا جو گمراہوں کو دعوت دینے کا بلیغ طریقہ ہے اس میں ان لوگوں پر تعریض تھی کہ تم عجیب ہو جسے اپنے اوپر اختیار نہیں اس کو معبود بنائے ہوئے ہو،چونکہ پہلی مرتبہ ستارہ کے غروب ہونے پر لوگ کسی درجہ میں قائل ہوچکے تھے اس لئے چاند غروب ہوجانے پر بات کا رخ بدل دیا۔

اس مرتبہ لَآ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَ نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا لَئِنۡ لَّمۡ يَهۡدِنِىۡ رَبِّىۡ لَاَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّيۡنَ ۝ اس میں بھی بات کو اپنے اوپر رکھا اور فرمایا میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں گمراہوں میں سے ہوتا۔اس میں اشارۃً یہ بیان فرمادیا کہ تم لوگ ستارہ پرستی کی وجہ سے گمراہ ہو پھر جب سورج نکلا وہ اپنی چمک اور روشنی سے چاند سے بڑھ کر تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ میرا رب ہے یہ پہلے دونوں چمکدار ستاروں سے بڑا ہے۔چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی دنیا میں رہتے تھا اور روزانہ آفتاب کو بھی دیکھتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ آفتاب سے بڑا دوسرا کوئی ستارہ اپنے وجود مادی اور چمک دمک کے اعتبار سے نہیں ہے،اور اس کے بعد کوئی بڑا ستارہ طلوع ہونے والا نہیں ہے لہٰذا انہوں نے هٰذَا رَبِّىۡ کے ساتھ هٰذَآ اَكۡبَرُ بھی کہہ دیا اور چونکہ یہاں پہنچ کر بحث ختم ہونے والی تھی اور تیسری مرتبہ ستارہ پرستوں کو قائل کرنے کا موقع تھا اس لئے سورج کے غروب ہونے کا انتظار فرمایا،جب سورج غروب ہوگیا تو بہت زوردار طریقہ پر فرمادیا۔

یَا قَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ (اے میری قوم! جن چیزوں کو تم شریک بناتے ہو میں ان چیزوں سے بری ہوں بیزار ہوں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حاضرین کو بتایا کہ جن چیزوں کو تم معبود بناتے ہو ان کو تم نے حقیقی معبود کی خدائی میں شریک کر رکھا ہے۔ تمہارا یہ طریقہ غلط ہے جن چیزوں کو تم پوجتے ہو یہ اسی خدا وحدہ لاشریک کی مخلوق ہیں جس کی مشیت اور ارادہ سے انکا وجود ہے اور جس کی مشیت وارادہ سے یہ آتے جاتے ہیں نکلتے اور چھپتے ہیں۔

نیز یہ بھی بتادیا کہ میں شرک سے بری ہوں جس میں تم لگے ہوئے ہو تمہیں بھی شرک سے بیزار ہو جانا چاہے کیونکہ خالق جل مجدہٗ کے علاوہ کسی کو پوجنا راہ ہدایت کے خلاف ہے۔ اس بات کی طرف لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ (فرما کر اشارہ کر چکے تھے کنایہ اور اشارہ کے بعد تصریح کا راستہ اختیار فرمایا اور واضح طور پر فرمادیا کہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ میں نے اپنا رخ پھیر دیا اس ذات پاک کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ میں باطل معبودوں کی طرف متوجہ نہیں ہوں میں ان سے منہ موڑے ہوئے ہوں اور شرک کرنے والا نہیں ہوں۔

قوم کی حجّت بازی کا جواب............ باوجود یکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں کو دلیل سے عاجز کر دیا اور بتادیا کہ جس کے قبضہ قدرت میں ان چھوٹے بڑے ستاروں کا تصرف ہے جس کے حکم سے یہ طلوع اور غروب ہوتے ہیں صرف وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے اور کسی بھی مخلوق کی عبادت کرنا یہ خالق و مالک کے ساتھ شرک کرنا ہے جو عقلی طور پر بھی بدترین چیز ہے اور اپنے بارے میں موحد ہونے اور شرک سے بیزار ہونے کا اعلان فرمادیا تب بھی ان کی قوم نے حجت بازی جاری رکھی۔ وہ کہنے لگے کہ تم یہ کیسے کہتے ہو یہ چیزیں عبادت کے لائق نہیں۔ ہم تو اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے دیکھتے آئے ہیں تم ہم سے ہمارا دین چھڑوانا چاہتے ہو حالانکہ تم کو بھی ہمارے دین میں آجانا چاہئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ (کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت دی) جب مجھے ہدایت مل گئی جس کو میں پوری بصیرت سے ہدایت سمجھتا ہوں تو اب معبود حقیقی کو کیسے چھوڑوں اسی نے مجھے ہدایت دی اور اسی سے میں ہر طرح کی خیر کی امید رکھتا ہوں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے معبودوں سے ڈرایا ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح طور پر فرمادیا کہ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ (کہ جن چیزوں سے مجھے ڈراتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا) یہ تو خود بے جان ہیں نفع وضرر کے مالک نہیں۔ مزید فرمایا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْئًا۔ تمہارے یہ معبودان باطلہ کچھ بھی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتے ہاں میرا رب اگر چاہے تو ایسا کر سکتا ہے کہ کوئی نقصان یا تکلیف پہنچ جائے۔ میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) دلیل سے عاجز ہو جانے کے بعد اور یہ جاننے کے بعد کہ تمہارے معبودان باطلہ کچھ بھی نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے شرک پر اڑے ہوئے ہو تمہاری سمجھ میں آجانا چاہئے اور نصیحت قبول کرنی چاہئے۔

قال صاحب الروح ۲۰۵ ج۷ ای تعرضون بعد ما اوضحته لکم عن التامل فی ان الهتکم بمعزل عن القدرة علی شیٔ ما من النفع او الضرر فلا تتذکرون انها غیر قادر علی اضراری. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کیا تم میرے واضح کر دینے کے بعد بھی اس بات پر غور کرنے سے بھاگتے ہو کہ تمہارے معبود کسی قسم کا کچھ بھی نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے کیا اب بھی تم نہیں سمجھتے کہ وہ مجھے نقصان دینے پر قادر نہیں۔

پھر فرمایا وَ كَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شرک بنایا ہے۔ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا (حالانکہ تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شرک بنالیا جن کے شریک ہونے کی اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی) تمہارے معبود تو بے قدرت ہیں۔ میں ان کی طرف سے بے خوف ہوں اور پرامن ہوں۔ میں ان سے کیوں ڈروں۔ تم پر لازم ہے کہ معبود حقیقی سے ڈرو جسے نفع وضرر پہنچانے کی پوری قدرت ہے اور تم نے اس کے جو شریک تجویز کر لئے ہیں یہ سب اپنے پاس سے تجویز کئے ہیں جس کی کوئی سند اور دلیل اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اپنی اس حرکت بد کی وجہ سے تمہیں معبود حقیقی سے ڈرنا لازم ہے۔

قال صاحب الروح ص ۲۰۲ ج۷ ای کیف اخاف انا مالیس فی حیز الخوف اصلا وانتم لا تخافون غائلة ما هو اعظم المخوفات واهولها واشراككم بالله تعالىٰ الذى فطر السمٰوات والارض ماهو من جملة مخلوقاته. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس چیز سے کیسے ڈروں جو کہ بالکل ڈرنے کے قابل نہیں ہے اور تم اس شر سے نہیں ڈرتے۔ جو کہ سب سے زیادہ ڈرنے کی چیز ہے اور سب سے زیادہ اندوہناک ہے اور وہ ہے تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا جو اس کی مخلوقات میں سے ہیں)

فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سو دونوں فریقوں میں کون سا فریق امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو) مطلب یہ ہے کہ میں تو معبود حقیقی کا پرستار اور عبادت گذار ہوں اور تم نے اس کے ساتھ شریک بنا رکھے ہیں تم غور کرلو کہ لائق امن وامان کون ہے میں ہوں یا تم ہو؟ مجرم تو تم ہو، شرک کرتے ہو اور معبود حقیقی سے نہیں ڈرتے اور مجھے باطل معبودوں سے ڈراتے ہو۔ اپنی صحیح سمجھ سے کام لیتے تو تمہارا علم تمہیں صحیح راہ پر ڈال دیتا۔

پھر فرمایا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے ساتھ ان کا مکالمہ اور مباحثہ بیان فرمانے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مستقل قانون بتادیا اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں ظلم یعنی شرک کی ملاوٹ نہ کی تو ان کے لیے یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ امن سے رہیں گے اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ وہ ہدایت پر ہیں۔ اہل ایمان کے بارے میں بامن ہونے کی بشارت دے دی جو ایمان اللہ کے ہاں معتبر ہے اس کے علاوہ جو عقائد و اعمال ہوں ان کے بارے میں کوئی کیسا ہی ہدایت پر ہونے کا دعویدار ہو وہ ہدایت پر نہیں۔ اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو خدا کو مانتے ہیں لہٰذا ہم بھی عذاب سے بے خوف ہونے کے مستحق ہیں۔ اور ہدایت پر ہیں اس آیت میں جواب دے دیا کہ ان لوگوں کا اللہ کو ماننا اور اللہ پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ومعتبر نہیں ہے جو اپنے ایمان میں شرک کو ملاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے شریک تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ایمان معتبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کتابوں پر آخرت کے دن پر اور ان تمام چیزوں پر ایمان لائے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بتائی ہیں خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد تو آپ پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن ہو ہی نہیں سکتا۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی۔ ہم جس کو چاہیں مرتبوں کے اعتبار سے بلند کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب

حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٨٣﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ

حکمت والا ہے علم والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ایک کو ہم نے ہدایت دی۔ اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی

ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَ

اور ان کی ذریت سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو۔ اور ہم اسی طرح نیک کاروں کو جزا دیتے ہیں۔

زَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ

اور زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو، سب صالحین میں سے ہیں۔ اور اسماعیل کو اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ

اور سب کو ہم نے فضیلت دی جہانوں پر۔ اور ان کے کچھ باپ دادوں اور کچھ اولاد اور کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان کو ہدایت دی

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ

سیدھے راستے کی طرف۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اگر یہ حضرات شرک اختیار کر لیتے

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا

تو جو اعمال کیا کرتے تھے وہ سب حبط ہو جاتے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکمت اور نبوت عطا کی، سو اگر زمانہ موجودہ کے لوگ نبوت کا انکار

هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ

کریں تو ہم نے اس کے لیے بہت سے لوگ ایسے مقرر کر دیے ہیں جو اس کا انکار کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی سو آپ

فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾

ان کی ہدایت کا اقتداء کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تو اس پر تم سے کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا یہ تو صرف نصیحت ہے جہانوں کے لیے۔

ع ۱۸ / ۱۶

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ اور ان کی اقتداء کرنے کا حکم

او پر حجت بیان کی جو ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں کو پیش کی اور انہیں بتایا کہ غروب ہونے والا معبود نہیں ہو سکتا اور یہ کہ میں تمہارے معبودانِ باطلہ سے نہیں ڈرتا۔ یہ دلیل اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بتادی اور ان کے دل میں ڈال دی۔ جس سے انہوں نے قوم کو سمجھایا اور قائل کر دیا اور جواب سے عاجز کر دیا وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ میں اسی کو بیان فرمایا ہے اس کے بعد فرمایا۔

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ (ہم درجات کے اعتبار سے جس کو چاہیں بلند کر دیتے ہیں) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب ہی درجات عالیہ والے تھے اور ان میں اللہ پاک نے بعض کو بعض پر رفعت و فضیلت دی ہے جیسا کہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ میں بیان فرمایا ہے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بلند درجات والے تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں اور

اپنی قوم سے بڑے بڑے مقابلے کئے اور نمرود کے ساتھ بحث ومناظرہ کیا جس سے وہ لاجواب ہوکر رہ گیا۔ اور ان کے بعد جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے سب ان کی نسل میں ہیں آپ ابوالانبیاء ہیں، صلی اللہ علیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد ان کے بیٹے اسحٰق اور ان کے بیٹے یعقوب علیہما السلام کا ذکر فرمایا اور فرمایا کُلًّا هَدَيْنَا کہ ہم نے ان سب کو ہدایت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنی اولاد کو تعلیم دی۔ ان حضرات نے اس کو اپنایا اور باقی رکھا اور اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی۔

پھر فرمایا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی، حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے زمانہ کے طوفان میں ہلاک ہونے کے بعد زمین پر جو دوبارہ آبادی ہوئی وہ ان کی اولاد سے پھیلی۔ روح المعانی ص ۱۱ جلد ۷، بحوالہ معجم طبرانی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انبیاء کرام علیہم السلام میں سب سے پہلے کون تھے؟ تو فرمایا نوح علیہ السلام تھے ان کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان دس قرن کا فاصلہ تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کو سب سے پہلا نبی بتایا۔ یہ اولیت اضافیہ پر محمول ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے نبی ہونے کی تصریح حدیث میں موجود ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۳)

حضرت نوح علیہ السلام کا نام جو نوح مشہور ہے اس کو بعض حضرات نے عجمی یعنی غیر عربی بتایا ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ سریانی ہے سریانی زبان میں اس کا معنی ساکن کا ہے لیکن حاکم نے مستدرک میں فرمایا ہے کہ ان کا نام عبدالغفار تھا۔ اور ان کا نام نوح اسی لئے مشہور ہوا کہ وہ خوف وخشیت کی وجہ سے اپنے نفس کے بارے میں زیادہ رونے والے تھے۔

اگر نوح لفظ عجمی ہو تو اس لئے غیر منصرف نہ ہوا کہ متحرک الاوسط نہیں ہے۔ پھر فرمایا وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُوْنَ۔ اور ابراہیم کی ذریت سے ہم نے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو طریق حق کی ہدایت کی حضرت داؤد علیہ السلام وہی ہیں جنہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا اور اللہ نے ان کو نبوت اور حکومت عطا فرمائی تھی، ان کے بعد ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہوئے اور نبی بھی۔ انہوں نے بیت المقدس کی تعمیر کی تھی، اور حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ابن جریر نے کہا ہے کہ وہ ابن موص ابن روم ابن عیص ابن اسحاق تھے۔

اس کے اعتبار سے حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے جد رابع ہوئے۔ مؤرخ ابن عساکر سے منقول ہے کہ ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو مشہور ہی ہیں۔ وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔ (رواہ البخاری ص ۴۹۷ ج۱)

پھر حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا ذکر فرمایا اور ان دونوں کا تذکرہ قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اس کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے (هٰرُوْنَ اَخِى اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِىْ) لیکن حقیقی بھائی تھے یا ماں شریک اس میں دونوں قول ہیں۔ موسیٰ اور ہارون دونوں غیر عربی لفظ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کو بچپن میں درختوں کے درمیان ڈال دیا گیا تھا جہاں پر پانی بھی تھا۔ قبطی زبان میں پانی کو مُوْ اور درخت کو شَا کہا جاتا ہے اس لئے ان کو مُوْشَا کہا جانے لگا پھر عربی میں ش، س سے بدل گیا چونکہ الف مقصورہ کی صورت میں لکھا اور

پڑھا جاتا ہے اس لئے اس پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ قانون نحوی کے اعتبار سے غیر منصرف ہونا چاہئے۔ لفظ ہارون کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ عبرانی زبان میں اس کا معنی مُحبّ کا ہے یعنی جو سب کو محبوب ہو۔

اس کے بعد فرمایا وَ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ o (اور اسی طرح ہم اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں) یعنی جیسے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اور ان کے بعد والے حضرات کو نوازا اور ان کے اعمال پر ان کو اچھا بدلہ عطا کیا ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں اور ہماری یہی عادت ہے۔ (روح المعانی بزیادة)

اس کے بعد فرمایا وَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰی وَ عِیْسٰی وَ اِلْیَاسَ یہ بھی وَوَهَبْنَا کے ماتحت ہے یعنی یہ حضرات بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحیٰی علیہ السلام کے والد تھے۔ انہوں نے اللہ پاک سے دعا کی تھی کہ مجھے ذریت طیبہ عطا فرمائیں۔ باوجود ان کی بیوی کے بانجھ ہونے کے اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا جس کا نام یحیٰی رکھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بتول بھی ان کی والدہ کے دعا مانگنے پر پیدا ہوئیں۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ میرے لڑکا پیدا ہو تو میں بیت المقدس کی خدمت میں لگا دوں گی لیکن وہاں لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مریم رکھا اور یہ لڑکی جلدی جلدی بڑی ہوتی چلی گئی۔ اور پھر اس کے بطن سے بغیر کسی مرد کے واسطہ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ سارا واقعہ سورۂ آل عمران کے چوتھے پانچویں رکوع میں گذر چکا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے تھے اور ان کا یہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صرف والدہ کے توسط سے ملتا ہے۔ اس اعتبار سے وَمِنْ ذُرِّیَّتِہٖ کے عموم میں وہ بھی شامل ہیں اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ ذریت کا لفظ بیٹیوں کی اولاد کو شامل ہے۔ وفیہ خلاف بین العلماء (راجع روح المعانی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر فرمایا ان کو بعض حضرات نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بتایا ہے۔

پھر فرمایا کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ o (یہ حضرات صالحین میں سے تھے) یعنی صالحیت میں کامل تھے۔ ہر وہ کام جس کا کرنا مستحسن ہو اور ہر اس کام سے بچنا جس سے بچنے کا حکم ہو یہ سب صالحیت کے مضمون میں شامل ہیں۔

سب سے بڑے صالحین حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر فرمایا وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَ لُوْطًا ۔ اگر اس کو ومن ذریته کے بعد ذکر کئے جانے والے حضرات پر معطوف کیا جائے تو یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے نہیں تھے۔ نیز حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے نہیں تھے۔

اس اشکال کے رفع کرنے کے لئے یہاں اَرْسَلْنَا یا بَعَثْنَا یا هَدَیْنَا محذوف مان لینے سے یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ اور ان کی نسل سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ جن کے لیے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام دونوں نے یوں دعا کی تھی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الآیة)۔ حضرت اسمٰعیل کے بعد الیسع کا تذکرہ فرمایا۔ ان کو ابن اخطوب بن العجوز بتایا گیا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ کلمہ عجمی ہے اس پر الف لام خلاف قیاس داخل ہوا۔ وقرء حمزة والکسائی اللَّیْسَعُ عَلٰی وزنِ ضَیْغَم اور ایک قول یہ ہے کہ یوشع کا معرب ہے وَاللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت یونس علیہ السلام کے والد کا نام مَتّٰی تھا یہ نینوی علاقہ کے رہنے والے تھے اور وہاں کے رہنے والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان کا تذکرہ سورۂ انبیاء (ع ٦) میں اور سورۂ صافات (ع ٥) میں اور سورۂ نون والقلم (ع ٢) میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا

ہے ہم اس کو انشاء اللہ سورۂ صافات کی تفسیر میں بیان کریں گے۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا آپ لوط بن ہاران بن آزر ہیں حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر انہوں نے بھی لبیک کہا۔ اور ان کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام میں تشریف لے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا اور چند بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا جن کا تذکرہ سورۂ اعراف (رکوع ۹) میں اور سورۂ شعراء وغیرہ میں فرمایا ہے تفصیل جاننے کے لیے سورۂ اعراف کا مطالعہ فرمائیں۔

پھر فرمایا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ اور ہم نے ان سب کو جہانوں پر فضیلت دی۔ چونکہ خاتم النبیین ﷺ ان سب سے افضل ہیں اس لئے مفسرین لکھتے ہیں **علی عالمی عصرھم** یعنی اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر ان کو فضیلت دی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔

پھر فرمایا وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ یعنی اوپر جن حضرات کا ذکر ہوا ان کے آباء اور ان کی ذریتوں اور ان کے بھائیوں میں سے بھی بہت سوں کو ہدایت دی۔ یہ معنی اس صورت میں ہے جبکہ هَدَيْنَا محذوف مانا جائے اور فَضَّلْنَا سے بھی متعلق ہوسکتا ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ ان حضرات کے آباؤ اور ذریات اور اخوان میں سے بھی بہت سوں کو فضیلت دی۔

قال صاحب الروح ومن ابتدائیة والمفعول محذوف ای وهدینا من اٰباء هم وابناء هم واخوانهم جماعات کثیرة اومعطوف علی کلا فضلنا ومن تبعیضیة ای فضلنا بعض اٰباء هم الخ. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور مِنْ ابتدائیہ ہے اور مفعول محذوف ہے یعنی ہم نے ان اباء واجداد اور ان کے بیٹوں اور ان کے بھائیوں میں سے بہت سی جماعتوں کو ہدایت دی اور عطف **کلا فضلنا** پر ہے اور **من** تبعیضیہ ہے یعنی ان کے بعض اباء کو)

پھر فرمایا وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان کو ہدایت دی) اس میں مضمون سابق کی تقریر اور تاکید ہے۔ پھر فرمایا ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ یہ صراط مستقیم کی ہدایت اللہ کی ہدایت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کی ہدایت فرما دے، اس میں یہ بتایا کہ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے کسی کو گھمنڈ نہیں ہونا چاہئے کہ میں صاحب ہدایت ہوں۔ حضرات انبیاء ہوں یا اولیاء سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں سب کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور صراط مستقیم پر باقی رکھا۔

پھر فرمایا وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل کیا کرتے تھے وہ سب ثواب کے اعتبار سے باطل ہو جاتے) کیونکہ شرک اور کفر تمام اعمال کو باطل کر دیتا ہے .... حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک اور کفر کا صدور نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ان سے گناہ بھی سرزد نہیں ہوتے کیونکہ وہ معصوم ہیں، بطور فرض یہ بات فرمائی اور اس سے دوسروں کو سبق مل گیا کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ حال ہے تو دوسرا کوئی شخص جو مشرک ہوگا اس کے اعمال صالحہ (جو بظاہر دیکھنے میں اعمال صالحہ ہیں) کا ثواب کیسے مل سکتا ہے کافر اور مشرک کے اعمال باطل ہیں اور اگر کسی نے اسلام کے زمانہ میں اعمال کئے اور پھر مرتد ہو گیا تھا اس کے اعمال بھی باطل ہیں۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکم دیا اور نبوت عطا کی) اس میں جو لفظ الکتاب ہے اس سے جنس مراد ہے۔ جس جس نبی کو جو کتاب ملی عموم جنس میں ان سب کا ذکر آ گیا اور **الحکم** جو فرمایا اس

سے حکمت یعنی حقائق الاشیاء کی معرفت مراد ہے اور لوگوں کے درمیان صحیح صحیح فیصلے کرنا بھی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے درمیان فیصلے بھی فرماتے تھے۔ ان حضرات کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہاں لفظ نبوت وارد ہوا ہے لفظ رسالت نہیں ہے نبی تو ہر پیغمبر ہے لیکن رسول کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ رسول وہ ہے جسے نئی شریعت اور نئی کتاب دی گئی ہو۔

لفظ نبوۃ لا کر سب کو مضمون بالا میں شریک فرمالیا۔ پھر فرمایا فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ (سو اگر یہ لوگ یعنی اہل مکہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ ان حضرات کی نبوت کا انکار کریں) جس میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کا انکار بھی ہے کیونکہ ان حضرات کی نبوت کی خبر رسول اللہ ﷺ نے اور قرآن مجید نے دی ہے) سو ہم نے اس کے لیے ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے جو اس کے منکر نہیں۔ یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کی نبوت پر ایمان لانے والے اور خاتم الانبیاء اور آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان لانے والے لوگوں کو کثیر تعداد میں ہم نے مقرر کر دیا ہے ایمان لانے والے کثیر تعداد میں ہیں۔

حضرات مفسرین نے فرمایا اس سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں جتنے بھی اہل ایمان ہیں وہ سب مراد ہیں اس قول میں جامعیت ہے جو اولین اور آخرین تمام اہل ایمان کو شامل ہے۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ط یہ وہ حضرات ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ سو آپ ان کی ہدایت کا اتباع کریں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اصول ایمان یعنی توحید اور ایمان بالملائکہ اور ایمان بکتب اللہ و رسلہ اور ایمان بالیوم الآخر میں ان حضرات کی اقتداء کا حکم ہے۔

نیز حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی جو صفات تھیں (عبادت زہد، شکر، تواضع اور تضرع) ان چیزوں میں ان کا اقتداء کرنا مراد ہے۔ ان حضرات نے اپنی قوموں کے انکار اور ایذاء رسانی پر صبر کیا۔ حلم سے کام لیا آپ بھی اس کو اختیار کریں۔ سورۂ صٓ کے سجدہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرات شوافع کے نزدیک سورۂ صٓ میں سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔ صحیح بخاری (۷۰۹ ج۲) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ صٓ کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ پر سجدہ کیا۔ تو حضرت مجاہد تابعی جو ان کے شاگرد ہیں انہوں نے دریافت کیا کہ آپ نے کس دلیل سے یہاں سجدہ کیا تو انہوں نے فرمایا کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِلٰى قوله تعالٰى اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ط حضرت داؤد علیہ السلام ان حضرات میں تھے جن کی اقتداء کا تمہارے نبی کو حکم دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں سجدہ کیا (لہٰذا ہم بھی سجدہ کرتے ہیں) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورۂ صٓ کا سجدہ واجب ہے۔

پھر فرمایا قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ط کہ میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ (یہ جو تبلیغ اور دعوت کا کام ہے یہ سب اللہ کی رضا کے لئے ہے اس کا ثواب مجھے اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ سورۂ سبا میں فرمایا قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ط اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ٥ (آپ فرما دیجئے کہ میں نے تم سے جو معاوضہ طلب کیا تو وہ تمہارے ہی لیے ہے بس میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور وہ ہر چیز کی اطلاع رکھتا ہے) مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کسی معاوضے کا طلب گار نہیں ہوں۔ بالفرض میں نے تم سے کبھی طلب کیا تو مجھے نہیں چاہئے وہ تم خود ہی رکھ لو۔

آخر میں فرمایا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ٥ (یہ قرآن جو میں تمہیں سناتا ہوں یہ جہانوں کے لیے محض ایک نصیحت ہے) اس میں

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عمومی کا ذکر ہے۔ جب قرآن سارے جہانوں، سارے جنات اور سارے انسانوں کے لئے ہے اور کسی خاص قوم کے لیے مخصوص نہیں ہے تو قرآن لانے والا بھی ان سب کے لئے اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔

قال صاحب الروح واستدال بالآية على عموم بعثته صلى الله عليه وسلم . (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور اس آیت میں حضور ﷺ کی بعثت کے عام ہونے پر استدلال کیا ہے)

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ

اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسے پہچانی تھی جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نازل نہیں فرمائی، آپ فرما دیجئے کہ کس نے اتاری

الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ

وہ کتاب جسے موسیٰ لے کر آئے جو نور تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت تھی۔ تم نے اسے الگ الگ ورقوں میں کر رکھا ہے جنہیں تم ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ

كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

چھپاتے ہو اور تم کو وہ باتیں بتائی گئی ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں جانا۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمایا۔ پھر ان کو چھوڑ دیجئے اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے۔

یہودیوں کی ضد اور عناد کا ایک واقعہ

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ لوگوں نے اللہ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننا چاہئے تھا بہت سے لوگ تو ذات باری تعالیٰ کے منکر ہی رہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو مانا ان میں سے بہت سوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیئے اور اللہ کی صفات کمالیہ علم وقدرت وغیرہ کو ماننے کی طرح نہ مانا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں بہت سے لوگ ان کے منکر ہو گئے۔

اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ط (جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں کیا) حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا اس سے مشرکین مکہ مراد ہیں جنہوں نے یہ بات کہی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یہودی مراد ہیں۔ درمنثور ص ۲۹ ج ۳ میں ہے کہ مالک بن صیف ایک یہودی تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ سے جھگڑا کرنے لگا، یہ علماء یہود میں سے تھا اور بھاری بدن والا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی کیا تو توریت میں یہ مضمون پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھاری جسم والے عالم سے بغض رکھتا ہے یہ سن کر وہ غصہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا وہ ضد میں آ کر یہ بات کہہ گیا۔ اور الفاظ کے عموم سے توریت شریف کے نازل ہونے کی بھی نفی ہو گئی اس کے ساتھی جو موجود تھے انہوں نے احساس بھی دلایا کہ افسوس ہے تو ایسی بات کہہ رہا ہے، کیا موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ نازل نہیں ہوا؟ اس نے پھر وہی اپنی بات دہرا دی کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ یہ عناد کی حد ہے کہ ضد میں آ کر انسان اپنے مسلمہ عقائد کا بھی انکار کر بیٹھے اور اپنے دین وایمان کا بھی منکر ہو جائے۔

بعض لوگ بہت ہی نڈر ہوتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن اللہ کی بطش شدید اور مواخذہ سے نہیں ڈرتے۔ جوشِ غضب میں کفریہ باتیں کہہ جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (کہ انہوں نے اللہ کی ذات وصفات کو ایسا

نہیں مانا جس طرح ماننا تھا) اللہ کی ناراضگی اور گرفت کا اندیشہ انہیں بالکل نہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ اللہ نے کتابیں نازل فرمائی ہیں پھر بھی جرأت جاہلانہ کر کے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا ان لوگوں کی تردید میں فرمایا۔ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّ هُدًی لِّلنَّاسِ (آپ فرما دیجئے کس نے اتاری وہ کتب جسے موسیٰ لائے جو نور تھی اور لوگوں کے لئے ہدایت تھی)۔ اس میں بطور استفہام تقریری ان لوگوں سے سوال فرمایا جو منکر ہو رہے تھے اور عناد میں یوں کہہ گئے کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ ان سے سوال فرمایا کہ اب تک تو تم یہ کہتے اور مانتے رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت شریف نازل فرمائی اور اب کہہ رہے ہو کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا کیا یہ حق اور حقیقت کا انکار نہیں ہے؟

ساتھ ہی علماء یہود کے ایک بدترین کردار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا کہ تم نے توریت کو بجائے اکٹھی مجموعی یکجا کتاب بنانے کے مختلف اوراق میں رکھ چھوڑا ہے۔ جس میں سے کچھ ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو) جب ان کے عوام کچھ بات پوچھنے کے لیے آتے تھے تو صندوق وغیرہ میں ہاتھ ڈال کر کوئی سا بھی ایک ورق نکال لیتے تھے اور سائل کے مطلب کے مطابق پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ تاکہ اس سے کچھ مال مل جائے نیز توریت شریف میں جو حضور اقدس ﷺ کی نعت وصفت بیان کی گئی تھی جسے وہ جانتے تھے اپنے عوام سے اس کو چھپاتے تھے۔ توریت شریف کے احکام جو اس وقت تک ان کے پاس موجود تھے۔ ان کو بھی چھپاتے تھے اور ان کے بجائے دوسرا حکم بتا دیتے تھے۔ جیسا کہ زانیوں کے رجم کے بیان میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

پھر فرمایا وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ (اور تم کو وہ باتیں بتائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے) قُلِ اللّٰهُ آپ فرما دیجئے اللہ نے نازل فرمائی، اس کی تفسیر میں اور ترکیب نحوی میں متعدد اقوال ہیں جو صاحب روح المعانی نے ذکر کئے ہیں اقرب ترین تفسیر ہمارے نزدیک وہ ہے جو صاحب بیان القرآن نے اختیار کی۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس توریت کی یہ حالت ہے کہ اس کو اولاً تم مانتے ہو دوسرے بوجہ نور اور ہدیٰ ہونے کے ماننے کے قابل بھی ہے۔ تیسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے گو استعمال شرم ناک ہے لیکن اس کی وجہ سے گنجائش انکار تو نہیں رہی۔ چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت اور منت کی چیز ہے۔ اس کی بدولت عالم بنے بیٹھے ہو۔ اس حیثیت سے بھی اس میں گنجائش انکار کی نہیں۔ یہ بتلاؤ کہ اسکو کس نے نازل کیا ہے اور چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہ دیتے اس لئے خود ہی جواب دینے کے لیے حضور کو حکم ہے کہ (قُلِ اللّٰهُ) کہ آپ ہی کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مذکور کو نازل فرمایا ہے۔

پھر فرمایا ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ (پھر ان کو چھوڑ دیجئے اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے) مطلب یہ ہے کہ جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی یہ لوگ اسے مانتے بھی ہیں اور پھر عناد میں یوں بھی کہہ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ ان سے یہ سوال فرمانے کے بعد کہ توریت کس نے نازل فرمائی خود ہی جواب دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمائی۔ پھر یہ جواب سنا کر ان کو چھوڑ دیجئے یعنی ان کے پیچھے نہ لگئے آپ کا فرض منصبی بتا دینا ہے منوانا نہیں ہے وہ اپنی خرافات میں لگے رہیں گے۔ اپنا انجام دیکھ لیں گے اور انہیں پتہ چل جائے گا کہ حسن عاقبت مؤمنین متقین کے لیے ہے۔ **قال ابن کثیر ای ثم دعهم فی جهلهم و ضلالهم یلعبون حتی یاتیهم من الله الیقین فسوف یعلمون الهم العاقبة ام لعباد الله المتقین** ۔ (علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں یعنی پھر ان کو ان کی جہالت اور گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یقین آئے گا تو عنقریب جان لیں گے کہ حسن انجام ان کے لئے ہے یا اللہ تعالیٰ کے متقین بندوں کے لئے ہے۔)

فائدہ............ رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میری امت پر وہ دور آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا تھا جو بنی اسرائیل نے کیا۔

یہ لوگ وہ وہ سب کچھ کریں گے (حذو النعل بالنعل) (مشکوٰۃ المصابیح:۳۰) آپ کی اس پیشین گوئی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے مسلمان بنی اسرائیل کے طور طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں اور بہت سے وہ لوگ جو مذہب کی طرف منسوب ہیں وہ پیری مریدی کی گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں ان کا وہی کسب دنیا والا ڈھنگ ہے جو بنی اسرائیل کے لوگوں کا تھا۔ خود ہدایت سے دور، اتباع سنت سے بعد۔ مریدوں کو کیا ہدایت دیں؟ صرف جلب زر کے لیے گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں اور قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں۔

جو دنیا کے طلب گاروں پیروں کا حال ہے وہی جھوٹے مدعیان علم کا طریقہ ہے جنہیں جاہ و مال کی طلب ہے۔ ایسے لوگ جانتے بوجھتے ہوئے صحیح مسئلہ بتانے سے گریز کرتے ہیں تا کہ عوام سے نہ کٹ جائیں۔ اہل حق سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں اور اپنے باطل دعوے کو باطل سمجھتے ہوئے حجت بازی کرتے رہتے ہیں اور قرآن و حدیث سے اپنے مطلب کے موافق تحریف کر کے استدلال کر لیتے ہیں۔ جیسے ایک مدعی علم نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بھرے مجمع میں کہہ دیا کہ قرآن مجید میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہیں ہے۔

اس پر ایک حافظ صاحب اٹھ کر چل دیئے تو اسٹیج سے کہنے لگا کہ دیکھو وہ چلا وہابی! حافظ صاحب موصوف نے کہا کہ میں اس لئے جا رہا ہوں کہ تو نے غلط بیانی کی ہے کہ قرآن مجید میں لا الٰہ الا اللہ نہیں ہے حالانکہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

مقرر کہنے لگا کہ قرآن میں لا الٰہ الا اللہ کہاں ہے؟ حافظ صاحب نے کہا قرآن مجید لاؤ میں نکال کر بتا دوں۔ قرآن مجید لایا گیا۔ حافظ صاحب نے نکال کر دکھا دیا (سورۂ صافات رکوع ۲) اور سورۂ محمد رکوع ۲ میں لا الٰہ الا اللہ موجود ہے) جب قرآن مجید میں نکال کر دکھا دیا تو مقرر کہنے لگا کہ یہ وہابیوں کا قرآن ہے۔ ان لوگوں نے اپنے پاس سے لکھ دیا ہوگا۔

اپنی بات کی پچ میں ایسی جسارت کرنا بالکل اسی طرح کی بے باکی ہے جیسے مالک بن صیف یہودی نے نفسیات کی وجہ سے یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔

روافض میں تو یہ بات بہت ہی زیادہ رواج پذیر ہے کہ خود سے جو اپنا دین تراش لیا ہے اس کے مقابلے میں احادیث شریفہ کی تصریحات کو تو کیا مانتے۔ قرآن مجید کے صریح اعلانات کے منکر ہیں۔ اپنی بات رکھنے کے لیے قرآن کی تحریف کے قائل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ توبہ میں سابقین مہاجرین اولین اور ان کے متبعین بالاحسان کے لیے جو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کا اعلان فرما دیا۔ یہ لوگ اس سے راضی نہیں اور مہاجرین وانصار کو کافر کہتے ہیں جب ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وستائش ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بدا ہو گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کو پتہ نہ تھا کہ یہ لوگ بعد میں کافر ہو جائیں گے۔ (العیاذ باللہ)

کیسی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اپنی خود تراشیدہ بات کو غلط کہنے کو تیار نہیں۔ جتنے بھی گمراہ فرقے گذرے ہیں یا اب موجود ہیں سب کا یہی حال ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ

اور یہ کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اور تا کہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں

حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

کو ڈرائیں، اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

قرآن مجید مبارک کتاب ہے سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے

یہود نے یہ جو کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا اس سے قرآن مجید کا انکار بھی لازم آ گیا۔ لہٰذا قرآن مجید کے نازل فرمانے کا متصلاً ہی تذکرہ فرمایا۔ اور قرآن مجید کی دو صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ مبارک ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اللہ کی دوسری کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔

صاحب روح المعانی ص ۲۲۱ ج ۷ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای **کثیر الفائدۃ والنفع لا شتماله علی منافع الدارین و علوم الاولین والأخرین** یعنی یہ کتاب بہت زیادہ فائدہ والی ہے اس لئے کہ اس میں دونوں جہاں کے منافع ہیں اور اولین اور آخرین کے علوم ہیں۔

قرآن مجید کی دوسری صفت یہ بیان کی کہ اس سے پہلے جو اللہ کی کتابیں ہیں ان سب کی تصدیق کرنے والا ہے، اس میں یہودیوں کو تنبیہ ہے کہ اس کتاب سے منحرف نہ ہوں جو کتاب تمہارے پاس ہے یہ کتاب اس کے معارض نہیں ہے بلکہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ توریت شریف پر بھی ایمان لاؤ اور اس کتاب پر بھی۔ پھر فرمایا وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا اور تا کہ آپ ڈرائیں ام القریٰ کے رہنے والوں کو اور جو اس کے آس پاس کے رہنے والے ہیں۔ ام القریٰ مکہ معظمہ کا ایک نام ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں چونکہ آس پاس کی بستیوں میں یہ بڑی بستی تھی اور اپنی ضرورتوں کے لئے لوگ یہاں آتے جاتے تھے۔ اس لئے اس کو ام القریٰ (بستیوں کی ماں) کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس میں قرآن مجید کا مقصدِ نزول بیان فرمایا اور وہ یہ کہ اس کے ذریعہ اہل مکہ اور وہاں کی آس پاس کی بستیوں کو حق کی دعوت دی جائے اور مخالفتِ حق سے ڈرایا جائے۔

لفظ وَمَنْ حَوْلَهَا کا مصداق مکہ مکرمہ کے آس پاس کی بستیاں ہیں۔ اور بعض حضرات نے پوری دنیا مراد لی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت تمام جنات اور انسانوں کے لیے ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا۔ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ ۢ بَلَغَ ط یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں انہیں آخرت کی نجات کا فکر ہے اور وہاں کے عذاب کا ڈر ہے۔ اس لئے ان کا غور و فکر انہیں قرآن پر ایمان لانے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور یہ لوگ ایمان لا کر نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ کیونکہ نماز میں بار بار ایمانی تقاضوں پر عمل کا مظاہرہ ہوتا ہے اور نماز ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے اور دین کا ستون ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا یوں کہے کہ میری طرف وحی کی گئی۔ حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کی گئی۔ اور اس سے بڑھ کر

شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ

زیادہ ظالم کون ہو گا جو یوں کہے کہ میں ایسا کلام نازل کروں گا جیسا اللہ نے نازل کیا اور اگر تو اس منظر کو دیکھے جبکہ ظالم لوگ موت کی سختیوں

الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ

میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس وجہ سے کہ تم اللہ

تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى

کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور اس کی آیتوں کے ماننے سے تکبر کرتے تھے، اور البتہ تم ہمارے پاس آؤ گے الگ الگ

كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى

جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ اور تم نے اپنے پیٹھ پیچھے وہ چھوڑ دیا جو ہم نے تمہیں عطا کیا تھا، اور ہم نہیں دیکھ رہے

مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ

تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو جن کے بارے میں تم نے خیال کیا تھا کہ وہ تمہارے بارے میں شریک ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا آپس کا

بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع ۱۱ ۱۷

تعلق منقطع ہو گیا اور تمہارے وہ دعوے گئے گذرے ہو گئے جو تم کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والوں اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟

اس سے پہلی آیت میں بعض یہودیوں کا ذکر تھا جنہوں نے ضد اور عناد کے جوش میں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ اب اس شخص کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے اور اللہ کی طرف یہ بات منسوب کرے کہ اس نے مجھے نبی بنایا یا کسی اور طرح سے اللہ پر افتراء کرے مثلاً یوں کہے کہ اللہ نے اپنے شریک بنا لئے ہیں یا اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے یا یوں کہے کہ میں بھی ایسا کلام نازل کروں گا جیسا اللہ نے نازل کیا...... مفسر ابن کثیر ص ۱۵۷ ج ۲ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ای من ادعی انه یعارض ما جاء من عند الله من الوحی

یعنی اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو یہ دعوے کرے کہ اللہ نے جو کچھ وحی بھیجی ہے میں اس کا معارضہ کروں گا اور اسی جیسی عبارت بنا لوں گا۔

علماء نے فرمایا ہے کہ یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی جس نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ شخص تک بندی کے طور پر کچھ جملے بنا لیتا تھا اور کچھ شعبدہ بازی بھی کر لیتا تھا جب لوگوں کے سامنے قرآن مجید کا چیلنج آیا کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ تو اس پر بعض لوگوں نے اپنی جہالت سے کچھ جملے بنائے تھے لیکن خود ہی آپس میں ان کو نا قابل معارضہ تسلیم کر لیا تھا۔

مسیلمہ کذاب نے بھی کچھ جملے بنا لئے تھے وہ بھی ایسے ہی جاہلانہ اور احمقانہ تھے۔ قرآن مجید کے مقابلے میں نہ کوئی لا سکا ہے اور نہ لا سکے گا...... بعض لوگوں کو قائد بننے اور...... مشہور ہونے اور عوام الناس کو اپنا معتقد بنانے کا شوق ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں نے خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبوت کے دعوے کئے۔ آپ کے بعد جتنے بھی مدعیانِ نبوت گذرے ہیں سب ذلیل وخوار ہوئے...... بعض لوگوں نے مسیح موعود ہونے کا اور کسی نے مہدی بننے کا دعویٰ کیا۔ جھوٹ کا سہارا کہاں تک لیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کے سب لوگ ذلیل ہو کر ناپید ہو گئے۔

کافروں کی ذلت موت کے وقت...... جھوٹے مدعیان نبوت کو سب سے بڑا ظالم بتانے کے بعد ظالموں کی ذلت اور بدحالی اور موت کے وقت کی تکلیف کا تذکرہ فرمایا وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا

اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○ (اور اگر تو دیکھے اس موقعہ کو جب کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ نکالوں اپنی جانوں کو۔ آج تم کو اس کے بدلہ ذلت کا عذاب دیا جائے گا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ بات لگاتے تھے جو ناحق تھی اور تم اس کی آیات کے قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے)

یعنی آیات قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور تمہارے نفسوں کو آیات کے قبول کرنے میں عار اور ذلت محسوس ہوتی تھی۔ اور تم یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی آیات کے سامنے جھکنا ہماری خودداری کے خلاف ہے۔ جس نے اللہ کے ذمہ جھوٹ لگایا اور یہ کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں فرمائی اور جس نے اللہ کے کلام کا معارضہ اور مقابلہ کرنے کی بات کہی اور جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ان لوگوں کا یہ سب عمل دنیاوی بڑائی اور جاہ اقتداء حاصل کرنے اور حاصل شدہ قیادت اور پیشوائی اور بڑائی کی حفاظت کے لئے تھا ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے جو موت کے وقت سے شروع ہوگا۔

کافروں کو موت کے وقت جو عذاب ہوتا ہے اس کا ذکر سورۂ محمد میں بھی فرمایا ہے ارشاد فرمایا فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ (پس کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جانیں نکال رہے ہوں گے، مار رہے ہوں گے ان کے چہروں اور پشتوں کو) موت کے وقت جو کافروں کو عذاب ہوتا ہے اس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں .... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب کافر کے دنیا سے جانے کا اور آخرت کی طرف پہنچنے کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ وہ اس کے پاس آ کر وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک نظر پہنچتی ہے۔ پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں وہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! تو نکل اللہ کی ناراضگی کی طرف، وہ روح اس کے جسم میں متفرق ہو جاتی ہے (یعنی جسم میں ادھر ادھر پھرتی ہے کیونکہ نکلنا نہیں چاہتی) حضرت ملک الموت (زبردستی) اس کی جان کو اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اون سیخ پر لپٹا ہوا اور طاقت کے ذریعہ اس اون سے نکالا جائے۔ جب اس کی روح ملک الموت نکال لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے جو وہاں موجود ہوتے ہیں وہ پلک جھپکنے کے برابر ذرا سی دیر بھی ان کے ہاتھ نہیں چھوڑتے ان کے ہاتھ سے لے کر ان ٹاٹوں میں رکھ دیتے ہیں جو ساتھ لے کر آئے تھے اور روح سے ایسی بدبو نکلتی ہے جیسے زمین پر سب سے زیادہ سڑی ہوئی نعش سے کبھی بدبو آئی ہو۔ اس روح کو لے کر وہ آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گذرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا برے سے برا نام لے کر جس سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔ یہاں تک کہ قریب والے آسمان تک لے جاتے ہیں وہاں پہنچ کر دروازہ کھلواتے ہیں تو وہ دروازہ نہیں کھولا جاتا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سورۂ اعراف کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ (نہیں کھولے جائیں گے ان کے لیے آسمان کے دروازے اور نہیں داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے) اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہیں ہوسکتا لہٰذا کافر بھی جنت میں داخل نہیں ہوسکتے۔

یہ حدیث طویل ہے جس میں اس کے بعد عذاب قبر کا ذکر ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح ۱۴۲ بحوالہ مسند احمد مذکور ہے۔ پوری حدیث انشاء اللہ تعالیٰ ہم سورۂ اعراف کی مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں لکھیں گے .... معلوم ہوگیا کہ کافر کا عذاب موت کے وقت سے شروع ہو جاتا

ہے اور پھر قبر میں بھی عذاب ہے۔حشر میں بھی ہے اور اس کے بعد دوزخ میں بھی ہے جو دائمی ہے کافر کے عذاب کی ابتداء تو موت کے وقت سے ہی ہوگی اور اس کی انتہا نہیں ہے۔ابدال آباد ہمیشہ ہمیشہ عذاب ہی میں رہے گا ثبتنا الله علی الایمان و اماتنا عَلَی الْهُدٰی .

قیامت کے دن ہر ایک علیٰحدہ علیٰحدہ آئے گا.........اس کے بعد فرمایا وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی ۔اس میں قیامت کے دن کی حاضری کی حالت بتائی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا (کہ تم ہمارے پاس تنہا آئے ہو) اور ہر ایک اپنے قبیلے سے اور احباب واصحاب سے اور ہر جماعت سے علیٰحدہ علیٰحدہ ہوکر بالکل تنہا حاضر ہوگا۔سورۂ مریم میں فرمایا لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ○ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ○ (بے شک اس نے سب کو شمار کر رکھا ہے اور ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا) دنیا میں جو اپنے قبیلوں، جماعتوں لشکروں اور قوموں اور برادریوں پر بھروسہ کرکے زندگیاں گزارتے ہیں اور کفر وشرک ومعاصی پر آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ان کے آپس کے یہ تعلقات ختم ہو جائیں گے۔اور وہاں کوئی کسی کا نہ ہوگا۔(اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ)

پھر فرمایا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (یعنی جیسے ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی حالت میں قیامت کے دن آؤ گے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن تم اس حال میں جمع کئے جاؤ گے کہ تن پر کپڑے نہ ہوں گے اور سب بے ختنہ ہوں گے اس کے بعد آپ نے سورۂ انبیاء کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○ (جیسا کہ ہم نے ابتداء میں پیدا کیا تھا اسی طرح ہم لوٹائیں گے۔ہمارے ذمہ یہ وعدہ ہے بے شک ہم اس کے مطابق کرنے والے ہیں) پھر فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائیں جائیں گے (رواہ البخاری ص ۶۹۳ ج ۲)

سب مال ودولت دنیا ہی میں چھوڑ گئے.........پھر فرمایا وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ (اور تم نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا) اوپر یہ بتایا کہ دنیا میں جو جماعت اور قبیلوں پر بھروسہ ہوتا ہے اور جو جماعتیں اپنی مدد کے لئے بنائی جاتی ہیں اور جاہ واقتدار کے لیے اپنے ماننے والے بنائے جاتے ہیں یہ سب کچھ آخرت میں کام دینے والے نہیں کیونکہ وہاں ہر ایک فرداً فرداً آئے گا۔

اب یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے دنیا میں تمہیں جو کچھ (مال ودولت آل واولاد حشم وخدم) عنایت فرمایا تھا تم وہ سب دنیا ہی میں چھوڑ کر آگئے۔دنیا میں لوگ مال کماتے ہیں ایک کے دس بناتے ہیں، تھوڑے مال کو بہت زیادہ کر لیتے ہیں۔بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مال میں آخرت کا حصہ رکھتے ہیں۔اور مال کے شرعی حقوق ادا کرتے ہیں۔عموماً مال ہی کو مقصود بنا لیتے ہیں۔اسی کے لئے مرتے ہیں اور اسی کے لیے جیتے ہیں، کماتے ہیں، کھانے کے لیے اور کھاتے ہیں کمانے کے لیے۔ایسے لوگوں کا مال آخرت میں وبال ہو گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں۔اور دنیا کے لیے وہ شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں۔(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مرنے والا مر جاتا ہے تو فرشتے آپس میں پوچھتے ہیں (کہ اپنے مال اور اعمال سے) کیا لے کر آیا جو اس نے آگے بھیجا تھا اور دنیا کے لوگ یہ پوچھتے ہیں کیا چھوڑ کر گیا۔(رواہ البیہقی فی شعب الایمان فی المشکوٰۃ ص ۴۴۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن انسان کو اس حالت میں لایا جائے گا کہ گویا وہ

بھیڑ کا بچہ ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا اس سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہو گا کہ میں نے تجھے مال عطا کیا۔ اور تجھ پر انعام کیا سو تو نے کیا کیا؟ وہ جواب دے گا کہ اے رب! میں نے اسے جمع کیا اور خوب بڑھایا اور جتنا تھا اس سے خوب زیادہ کر کے چھوڑ آیا۔ مجھے واپس بھیج دیجئے میں سب آپ کے پاس لے آتا ہوں۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہو گا کہ مجھے وہ دکھا جو تو نے پہلے سے یہاں بھیجا تھا پھر وہی عرض کرے گا کہ میں نے جمع کیا اور اسے بڑھایا اور جتنا تھا اس سے زیادہ کر کے چھوڑ آیا لہٰذا مجھے واپس بھیج دیجئے میں سب آپ کے پاس لے کر آ جاؤں گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ ایسا شخص نکلے گا جس نے کوئی بھی خیر نہیں بھیجی ہو گی لہٰذا اس کو دوزخ کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۳)

پھر فرمایا وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَ کُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّھُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا (ہم نہیں دیکھ رہے ہیں تمہارے ان سفارشیوں کو جن کی نسبت تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں) لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ (البتہ تمہارا آپس کا تعلق منقطع ہو گیا اور جو تم دعوے کیا کرتے تھے وہ آئے گئے ہو گئے)۔

قیامت کے دن اہل دنیا کے آپس کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اور جن لوگوں کے بارے میں جھوٹا خیال تھا کہ یہ ہماری سفارش کریں گے ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا وہ سب ایک دوسرے سے بیزاری ظاہر کریں گے اور اس وقت علانیہ طور پر واضح ہو جائے گا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے خلاف جو عقائد تھے اور خود ساختہ خیالات سب باطل تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی

بے شک اللہ دانوں اور گٹھلیوں کا پھاڑنے والا ہے، اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے، یہ اللہ ہے پھر تم کہاں الٹے چلے

تُؤْفَکُوْنَ ۝۹۵ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ

جا رہے ہو۔ وہ پھاڑنے والا ہے صبح کا اور اس نے بنایا رات کو آرام کی چیز، اور اس نے چاند اور سورج کو ایک خاص حساب سے رکھا ہے، یہ مقرر کرنا ہے اس کا جو

الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝۹۶ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا

غالب ہے علم والا ہے، اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا فرمایا تاکہ تم انکے ذریعہ خشکی اور دریا کی اندھیریوں میں ہدایت پاؤ۔ ہم نے آیات

الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۹۷ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ

کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا سو ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ تھوڑے سے

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ۝۹۸ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ

وقت رہنے کی ہے، ہم نے ان لوگوں کیلئے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں جو سمجھتے ہیں۔ جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اسکے ذریعہ ہر قسم کی اگنے والی چیزیں نکالیں، پھر ہم نے نکالا اس سے سبزہ

نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا

والی چیزوں کو۔ ہم نکالتے ہیں اس سے دانے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور کھجور کے درخت یعنی اس کے

قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا

گچھوں سے خوشے نکالے جو جھکے ہوئے ہیں، اور انگوروں کے باغ اور زیتوں کے باغ نکالے اور انار جو آپس میں ملتے جلتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ملتے جلتے نہیں ہیں۔ اس کے پھلوں

اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

کی طرف دیکھ لو اور اس کے پکنے کی طرف۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔

مظاہرِ قدرتِ الٰہیہ اور دلائلِ توحید

اس عالم میں اللہ جل شانہٗ کے جو تصرفات ہیں ان آیات میں ان میں سے بعض تصرفات کا تذکرہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جو بندوں پر نعمتیں ہیں ان میں سے بعض یاد دلائی ہیں۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں بھی ہیں، اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دانوں اور گٹھلیوں کو پھاڑ دیتا ہے ذرا سا دانہ اور چھوٹی سی گٹھلی ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ کوئی دانہ تخم بن جائے جس سے کھیتی کے پودے نکل آئیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ دانہ پھٹ جاتا ہے اس سے پودا نکل آتا ہے۔

اسی طرح جب گٹھلی سے کوئی درخت نکالنا منظور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ گٹھلی پھٹ جاتی ہے اور اس سے بڑے بڑے درخت نکل آتے ہیں۔ جن کے پھلوں سے زمین پر بسنے والے مستفید اور متمتع ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ ط کہ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ط اور وہ مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ ان دونوں باتوں کی تشریح میں جو مختلف اقوال ہیں ان کا ذکر سورۂ آل عمران کے رکوع ۳ میں گذر چکا ہے۔ اس کی ایک بہت زیادہ معروف مثال یہ ہے کہ زندہ جانور سے انڈا نکلتا ہے جو بے جان ہوتا ہے پھر اس بے جان انڈے سے بچہ نکلتا ہے جو زندہ ہوتا ہے۔ درختوں سے خشک دانے نکلنا اور دانوں سے ہرے بھرے درختوں کا وجود میں آجانا یہ بھی زندہ کو میت سے اور میت کو زندہ سے نکالنے کا مصداق ہے۔

پھر فرمایا ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ۔ (یہ قادر مطلق اللہ ہے سو تم کہاں الٹے پھرے جا رہے ہو) اس کی عبادت کو چھوڑ کر شرک میں کیوں مبتلا ہو۔

پھر فرمایا فَالِقُ الْاِصْبَاحِ (اللہ صبح کا پھاڑنے والا ہے) اس کی مشیت اور ارادہ سے رات کی تاریکی چلی جاتی ہے روشنی پھٹتی ہے جس سے صبح نمودار ہو جاتی ہے وجعل الیل سکنا (اور اس نے رات کو آرام کی چیز بنایا) دن میں کام کاج کرنے والے محنت کوٹنے والے تھکے ماندے رات کو آرام کرتے ہیں۔ نیند تو دن کو آ جاتی ہے لیکن رات کی نیند میں جو آرام ہے اور تھکن اترنے کا جو فطری انتظام ہے وہ دن کی نیند میں نہیں ہے، دن بھر میں زیادہ سو بھی نہیں سکتے۔ کام کاج اور کاروبار کے تقاضے بعض مرتبہ آنکھ لگنے بھی نہیں دیتے آنکھ لگ بھی گئی تو کاروبار کا ہجوم جو دماغ پر سوار ہوتا ہے وہ بار بار جگا تا دیتا ہے۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ط (اور اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج کو ایک خاص حساب سے مسخر فرما دیا) ان کی گردش سے رات دن اور ہفتے اور مہینے بنتے چلے جاتے ہیں۔ جن سے عبادات کے اوقات اور معاملات کی تاریخیں معلوم ہوتی ہیں۔ جمعہ کا دن کب ہے رمضان المبارک کب آئے گا حج کی تاریخ میں کیا دیر ہے۔ جو کچھ کسی سے قرض لیا ہے اس کی ادائیگی میں کتنی مدت ہے ان سب امور کا جواب چاند اور سورج کی گردش سے معلوم ہوتا رہتا ہے۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ (یہ مقرر فرمانا ہے ایسی ذات پاک کا جو عزیز یعنی غالب ہے اور علیم یعنی پوری طرح سے جاننے والا ہے) پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (اور اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا فرمایا تا کہ تم ان کے ذریعہ راہ پاؤ خشکی کی تاریکیوں میں اور سمندر کی تاریکیوں میں) رات کو جب سفر میں ہوتے ہو اور راستہ بھول جاتے ہو یا سمندر میں ہو اور راستہ بھول جاؤ تو ستاروں کی طرف دیکھ کر پتہ چلا لیتے ہو کہ مشرق کدھر ہے اور مغرب کدھر ہے پھر اپنے اسی علم کی روشنی میں آگے بڑھتے ہو اور صحیح راستہ پا کر منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہو۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (بے شک ہم نے نشانیاں بیان کری ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں) جو آیات مذکورہ کو سمجھتے ہیں اور آیات تکوینیہ میں غور کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا) یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے انسانوں کی ابتداء ہوئی اور نسلاً بعد نسل ان کی اولاد بڑھتی ہوئی چلی آئی ہے جس کا سلسلہ توالد اس طرح سے ہے کہ اول نطفہ باپ کی پشت میں ہوتا ہے پھر ماں کے رحم میں آجاتا ہے پھر وہاں سے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے جیتی جاگتی...... تصویر باہر آجاتی ہے

مُسْتَقَرٌّ سے باپ کی پشت اور مُسْتَوْدَعٌ سے ماں کا رحم مراد ہے۔ باپوں کی پشتیں تو اصل مستقر یعنی ٹھہرنے کی جگہیں ہیں کیونکہ مادۂ منویہ وہاں اور کہیں سے نہیں آیا۔ اور ماؤں کے رحموں کو مُسْتَوْدَعٌ فرمایا کیونکہ ان میں نطفہ مرد کی طرف سے آتا ہے اور کچھ مدت کے لیے بطور ودیعت وہاں رکھ دیا جاتا ہے۔

بعض مفسرین نے مستقر اور مستودع کے وہ معنی لکھے ہیں جو ہم نے ابھی کئے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ مستودع سے باپ کی پشت اور مستقر سے ماں کا رحم مراد ہے۔ رحم مادر کو مستقر کہنا تو اس اعتبار سے سمجھ آتا ہے کہ رحم میں نطفہ داخل ہونے کے بعد وہاں ٹھہر جاتا ہے اور مختلف ادوار سے گذر کر انسانی صورت میں باہر آجاتا ہے لیکن باپ کی پشت کو جو مستودع فرمایا یعنی ودیعت رکھنے کی جگہ، اس کے بارے میں صاحب روح المعانی ص ۲۳۶ ج ۷ میں فرماتے ہیں کہ اس کی تقریر اس طرح ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ساری ذریت کو نکالا تھا اور پھر عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے بعد ان کو واپس کردیا تھا تو گویا ان کا واپس کرنا ایک طرح ودیعت رکھنا ہوا اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس ودیعت کو واپس نکال دے گا۔

مستقر و مستودع کی تیسری تفسیر یوں کی گئی ہے کہ مستقر سے زمین پر ٹھہرنا اور رہنا مراد ہے اور مستودع سے قبر مراد ہے۔ یہ تفسیر بھی الفاظ قرآن سے بعید نہیں۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ (کہ تحقیق ہم نے آیات بیان کی ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں نجوم کے تذکرہ میں يَعْلَمُوْنَ فرمایا اور اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کا تذکرہ فرما کر آخر میں لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ فرمایا کیونکہ نفس واحدہ سے پیدا فرمانا اور پیدا ہونے والوں کے احوال مختلفہ میں تصرف فرمانا زیادہ لطیف اور دقیق ہے

پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (اور اللہ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل فرمایا) فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا ط پھر ہم نے نکالا اس کے ذریعہ ہر چیز کے پودوں کو پھر ہم نے نکالا ان سے ہرے بھرے درختوں کو نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ہم اس سے دانے نکالتے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ اور کھجور کے درختوں سے یعنی اس کے گپھوں سے خوشے نکالے جو قریب قریب ہیں وَجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ اور ہم نے انگوروں کے باغیچے نکالے وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ط اور زیتون اور انار نکالے جو آپس میں دیکھنے میں متشابہ ہیں اور غیر متشابہ۔ یہ زیتون

اور رمان دونوں سے متعلق ہے یعنی ان میں سے ایسے پھل ہیں جو دیکھنے میں ایک دوسرے کے متشابہ ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ایک دوسرے کے متشابہ نہیں ہیں اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِہٖ ط دیکھلو ان کے پھلوں کی طرف اور ان کے پکنے کی طرف اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ٥ (بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے درختوں کے پیدا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے جن میں دلائل توحید ہیں اور بندوں پر انعام بھی۔ آسمان سے پانی کا نازل فرمانا پھر اس کے ذریعہ بیل والے اور تنے والے پودے نکالنا اور بالوں میں دانوں کا ایک دوسرے پر چڑھا ہوا ہونا اور کھجوروں کے خوشوں کا جھکا ہوا ہونا اور انگور اور زیتون اور انار کے درخت پیدا فرمانا اور کچے پھلوں کے بعد ان کا پک جانا یہ سب توحید کے دلائل ہیں اور ان میں بندوں کا انتفاع بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، جو بندے مؤمن ہیں اور جو دلائل آنے کے بعد حق سے منہ نہیں موڑتے ایمان کو قبول کر لیتے ہیں ان سب کے لیے مذکورہ بالا چیزوں میں دلائل توحید ہیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَھُمْ وَ خَرَقُوْا لَہٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ط سُبْحٰنَہٗ

اور ان لوگوں نے جنات اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں حالانکہ اس نے ان کو پیدا فرمایا ہے، اور اس کے لئے انہوں نے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے تراش رکھے ہیں، وہ ان باتوں سے

وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ع ۝۱۰۰ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ ط

پاک ہے اور برتر ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، وہ آسمانوں کا اور زمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے کہاں ہو سکتی ہے اس کی اولاد حالانکہ اس کی بیوی نہیں ہے،

وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ۚ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۱۰۱ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ ۚ

اور اس نے پیدا فرمایا ہر چیز کو، اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، یہ اللہ تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے

وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ۝۱۰۲ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ ز وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ ۚ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝۱۰۳

اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے نگاہیں اسے محیط نہیں ہو سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہے اور وہ بڑا باریک بین خبردار ہے۔

ع ۱۲ ۱۸

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا وہ معبود برحق ہے اولاد ہونا اس کے لیے عیب ہے

اوپر اللہ تعالیٰ شانہٗ کی الوہیت اور خالقیت پر دلائل قائم کئے ہیں، اب ان آیات میں مشرکین کی بد اعتقادی کی تردید فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے جنات کو یعنی شیاطین کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے جنات کے اور شیاطین کے توجہ دلانے سے بتوں کی عبادت کرنے لگے اور شیاطین کی ایسی اطاعت کرنے لگے جیسی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے نیز شیاطین مشرکین کے پاس بری بری صورتوں میں آتے ہیں اور ان کو خواب اور بیداری میں ڈراتے ہیں لہٰذا وہ ان کے شر اور ضرر کے بچنے کے خیال سے ان کی تصویریں اور مجسمے بنا لیتے ہیں اور پھر ان کی پوجا کرتے ہیں۔

صاحب روح المعانی نے ص ۲۴۱ ج ۸ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں نقل فرمایا ہے کہ یہ ان زندیقوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور حیوانوں کو پیدا کیا اور ابلیس نے درندے اور سانپ بچھو اور شرور پیدا کئے۔ لہٰذا جن سے ابلیس اور اس کے اتباع مراد ہیں۔ یہ قول اختیار کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے لیکن احقر کے نزدیک جنات کی

عبادت بالمعنی المعروف مراد لی جائے تو یہ زیادہ اقرب ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔

سورۂ جنّ میں فرمایا وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ مشرکین کی یہ کیسی جہالت اور حماقت ہے کہ پیدا تو کیا اللہ نے اور الوہیت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کرنا چاہئے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ خَلَقَهُمْ کی ضمیر منصوب جنّ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے جنات کو کیسے اللہ کا شریک ٹھہرایا حالانکہ ان جنات کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط کہ ان لوگوں نے اللہ کے لیے گھڑ لئے بیٹے اور بیٹیاں، نصاریٰ نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنایا اور یہودیوں نے حضرت عزیز علیہ السلام کو اور مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا، ان لوگوں نے جہالت کے سبب یہ سب کچھ تجویز کیا اور انہوں نے یہ نہ جانا کہ ہم جس ذات کی طرف اولاد منسوب کر رہے ہیں اس کے لیے اولاد کا ہونا عیب اور نقص ہے اور اس کی شان اس سے بہت برتر بلند اور بالا ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کو فرمایا سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (کہ اللہ تعالیٰ اس چیز سے پاک ہے اور بلند و بالا ہے جو یہ لوگ اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں)

مشرکین کے عقائد شرکیہ اور اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد تجویز کرنے والوں کی تردید فرماتے ہوئے مزید فرمایا بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے اس نے عالم سفلی اور عالم علوی کو پیدا فرمایا۔ آسمان و زمین کا مادہ پیدا فرمایا اور آسمان کو سات طبق بنا دیا اور زمین کو پھیلا دیا۔ ایسے خالق اور بے مثال صانع اور مبدع کو اولاد کی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ اولاد کی ضرورت مدد کے لیے ہوتی ہے۔ آسمان و زمین کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ سورۂ سبا میں فرمایا:

مَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ۔ مزید فرمایا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ط یعنی اس کی اولاد کیسے ہوگی حالانکہ اس کے ساتھ والی یعنی بیوی نہیں ہے۔ اولاد بیوی سے پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بیوی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں احتیاج الی الغیر ہے، جب اس کی بیوی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے تو اولاد کیسے ہو سکتی ہے۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ اور اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں وہ مخلوق بھی ہے جسے اللہ کی اولاد بتاتے ہیں۔ خالق اور مخلوق کے درمیان رشتہ ولادت کہاں ہو سکتا ہے اور مخلوق اپنے خالق کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے لوگوں نے جو اولاد تجویز کی ہے انہوں نے خالق کا مرتبہ نہیں پہچانا اور اپنی جہالت سے اللہ پاک کے لئے اولاد تجویز کر بیٹھے وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اسے مشرکین کے عقائد شرکیہ کا علم ہے، اور وہ ان کے اعمال شرکیہ سے بھی باخبر ہے وہ ان سب کا مؤاخذہ فرمائے گا اور سزا دے گا۔

پھر فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ط (یہ اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے لہٰذا تم اس کی عبادت کرو) ان صفات جلیلہ سے جو ذات متصف ہو وہی لائق عبادت ہے۔ مخلوق میں نہ شانِ ربوبیت ہے نہ شانِ خالقیت ہے پھر وہ کیسے شریک الوہیت ہو سکتے ہیں۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے) تمام چیزوں میں جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اسے تصرف فرمانے کا پورا پورا اختیار ہے۔ پھر یہ مخلوق کیسے عبادت کی مستحق ہو سکتی ہے؟ جو ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز میں تصرف فرمانے والا ہے صرف وہی عبادت کے لائق ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی ان صفات سے متصف نہیں اور لائق عبادت نہیں۔

پھر فرمایا لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ (آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرتیں وہ سب نگاہوں کو محیط ہے اور وہ لطیف ہے باخبر ہے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی ایک خاص صفت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں

کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا احاطہ فرماتا ہے اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں دنیا میں اس کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے لَنْ تَرَانِیْ فرمادیا (کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے) وہ نگاہوں کو بھی دیکھتا ہے اور نگاہیں جس چیز کو دیکھتی ہیں وہ ان کو بھی دیکھتا ہے۔ اور جو چیزیں مرئی (دکھائی دینے والی) نہیں ہیں ان کو بھی اس کا علم محیط ہے۔ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا جیسا کہ سورۂ قیامہ میں فرمایا وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے) اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے پھر بھی اسے دیکھیں گے اور جب دیکھیں گے تو وہ کسی جگہ میں نہیں ہوگا اور یہ بات وہیں سمجھ میں آئے گی۔ خالق کی رؤیت کو مخلوق کی رؤیت پر قیاس نہ کیا جائے۔

پھر فرمایا وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (اور وہ لطیف ہے) جسے حواس کے ذریعہ مشاہدہ میں لایا جا سکتا ہے اور (وہ باریک بین ہے) ہر چیز کو دیکھتا ہے) (اور وہ خبیر ہے) جو چیز سے باخبر ہے۔

قَدْ جَآءَکُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت والی چیزیں آ چکی ہیں سو جو شخص دیکھے گا سو وہ اپنے ہی لیے، اور جو اندھا بنے گا اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا

وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَکَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ

اور میں تم پر نگران نہیں ہوں اور ہم اسی طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں اور تاکہ یہ لوگ یوں کہیں کہ آپ نے پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم اسے ان لوگوں کے لئے

یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

بیان کریں جو جانتے ہیں، آپ اس کا اتباع کیجئے جس کی آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی، کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی، اور آپ مشرکین سے روگردانی کیجئے،

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ ﴿۱۰۷﴾

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا اور آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصیرت کی چیزیں آ چکی ہیں

توحید کے دلائل اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان فرمانے کے بعد اب ان دلائل میں غور کرنے کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔ اولاً ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس بصیرت کی چیزیں آ چکی ہیں اگر اپنی عقل کو متوجہ کرو گے اور ان بصیرت کی چیزوں میں غور و فکر کرو گے تو حقائق کو پہنچ جاؤ گے۔ دلائل توحید بھی سمجھ میں آئیں گے اور توحید بھی سمجھ میں آ جائے گی۔

جو شخص غور و فکر کرے گا بینا بنے گا تو اس کا نفع اسی کی جان کو ہوگا۔ اور جو شخص اندھا بنا رہے گا دلائل و بصائر میں غور کرنے سے گریز کرے گا تو اس کا نقصان اسی کو ہوگا، پھر رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ کی ذمہ داری صرف پہنچانے کی ہے عمل کروانا آپ کے ذمہ نہیں، آپ ان سے فرما دیں کہ میں تم پر نگران نہیں ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم اسی طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں پر حجت پوری ہو جائے اور تاکہ وہ یوں کہیں گے کہ اے محمد (ﷺ) تم نے پڑھ لیا۔ یعنی جو کچھ تم بیان کرتے ہو دوسروں سے سیکھ لیا (اور کہتے ہو کہ اللہ کی طرف سے ہے) اور تاکہ ہم اس کو بیان کریں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تا کہ آپ ان کو پہنچا دیں اور تا کہ منکرین ضد وعناد کی وجہ سے یوں کہیں کہ آپ نے ان مضامین کو کسی سے پڑھ لیا ہے اور تم دوسروں سے سیکھ کر ہم سے خطاب کرتے ہو۔ (کمافی سورۃ النحل اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ) اس طرح سے وہ لوگ اور زیادہ مجرم بنتے ہیں اور ان دلائل کے بیان کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ہم علم والوں کے لیے اچھی طرح کھول کر بیان کردیں (کیونکہ جو اہل علم ہیں وہ ہی منتفع ہوتے ہیں)

پھر فرمایا اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ کہ آپ اس کا اتباع کیجئے جس کی آپ کے رب کی طرف سے آپ کو وحی کی گئی، اس کا آپ فکر نہ کیجئے کہ کون راہ راست پر آتا ہے اور کون نہیں آتا۔ تکوینی طور پر کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہیں مانیں گے اور کچھ ایسے ہیں جو مان لیں گے یہ تکوینی فیصلے اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق ہیں اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے لیکن سب کچھ اسکی مشیت اور ارادہ حکمت کے موافق ہے آپ اپنا کام کریں یعنی پہنچا دیں وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا عمل کریں نہ کریں یہ جانیں وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ○ آپ ان پر داروغہ بنا کر مسلط نہیں کئے گئے۔ لہٰذا آپ کو اس فکر میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ منکرین بات نہیں مانتے اور حق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ

اور ان کو برا مت کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں سو وہ اللہ کو برا کہیں گے براہ جہالت حد سے گزر کر، ہم نے ایسے ہی مزین کر دیا ہر امت کے

عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۸ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ

لیے ان کے عمل کو، پھر اپنے رب کی طرف ان کا لوٹنا ہے۔ سو وہ انہیں ان کاموں کو جتلا دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور انہوں نے اپنی قسموں میں خوب زور لگا کر اللہ کی قسم

لَىِٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا یُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ

کھائی کہ اگر انکے پاس کوئی نشانی آجائے گی تو وہ ضرور ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ نشانیاں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور تمہیں اسکی کیا خبر کہ جب وہ نشانی آجائے گی تب بھی

لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۹ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ

یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پلٹ دیں گے جیسا کہ وہ اس پر پہلی بار ایمان نہ لائے اور ہم ان کو اس حال

فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝۱۱۰

میں چھوڑے رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں۔

ع ۱۳/۱۰ ۱۹

مشرکین کے معبودوں کو برا مت کہو

ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کے معبودوں کو برے الفاظ میں یاد مت کرو، چونکہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو اور انہیں تم سے دشمنی ہے اس لئے ضد میں آکر اپنی جہالت سے اللہ پاک کو برے الفاظ سے یاد کریں گے، ضد وعناد والے کو یہ ہوش نہیں ہوتا کہ میری بات کہاں لگے گی، یوں تو مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو ماننے کا دعویٰ کرتے اور اس کے بارے میں خالق کائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن جب ضد میں آئیں گے تو صرف یہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں

نے ہمارے معبودوں کو برا کہا ہے لہٰذا ہمیں بھی ان کے معبود کو برا کہنا چاہئے، یہ لوگ ضد اور عناد کے سبب حدِّ ادب کو پھاند جائیں گے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کریں گے، چونکہ یہ حرکتِ بداُن کی تمہارے عمل کے جواب میں ہوگی۔ اس لئے ان کے معبودانِ باطلہ کو برے الفاظ میں یاد کرکے اس کا سبب نہ بنو کہ وہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ سبحانہٗ وتقدس کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کریں۔

لباب النقول ص۱۰۳ میں مصنف عبدالرزاق سے نقل کیا ہے کہ کافروں کے بتوں کو اہل ایمان برے الفاظ میں یاد کرتے تھے تو وہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شان میں نازیبا کلمات کہہ جاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ نازل فرمائی۔

حضرات علماء کرام نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جو کام خود کرنا جائز نہیں اس کا سبب بننا بھی جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے گا؟ فرمایا کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا اور کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا (اس طرح سے وہ اپنے ماں باپ کو گالی دینے والا بن جائے گا) (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۱۹ از بخاری ومسلم)

پھر فرمایا كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (ہم نے اسی طرح ہر امت کے لیے ان کے عمل کو مزین کردیا) جو لوگ کافر ہیں کفر ہی سے چپکے ہوئے ہیں کفر کو اچھا سمجھتے ہیں دنیاوی زندگی ختم ہوگی تو میدان قیامت میں سب پروردگار عالم جل مجدہٗ کی طرف لوٹیں گے سو وہ انہیں جتادے گا کہ وہ کیا کام کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کی جزا بھی دے دے گا، یہ مزین کرنا تکوینی طور پر ہے اس سے تشریعی اوامر پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ لوگ کافر ہیں اپنے اختیار سے کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔

جب حقانیت اسلام کے دلائل ان کے سامنے آتے ہیں تو اپنے اختیار سے اسلام سے دور بھاگتے ہیں اور قبول نہیں کرتے۔

کافروں کی جھوٹی قسمیں کہ فلاں معجزہ ظاہر ہوجائے تو ایمان لے آئیں گے.......... اس کے بعد فرمایا وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ (اور انہوں نے بہت زوردار طریقہ پر اللہ کی قسم کھائی کہ ہمارے کہنے کے مطابق فرمائشی معجزہ ظاہر ہوجائے تو ہم ایمان لے آئیں گے) ان لوگوں کی یہ تاکیدی قسمیں سن کر مسلمانوں کو خیال ہوا کہ جن معجزات کی فرمائش کررہے ہیں وہ ظاہر ہوجاتے تو اچھا تھا تاکہ یہ لوگ ایمان لے آتے لیکن انہیں تو ایمان لانا نہیں ہے معجزات کی فرمائش ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ ہے۔

تفسیر ابن کثیر ص۱۶۴ ج۲ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ سے ایمان لانے کے بارے میں بات کی تو کہنے لگے کہ اے محمد (ﷺ) آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ موسیٰ کے پاس ایک لاٹھی تھی جسے پتھر میں مارتے تھے تو بارہ چشمے پھوٹ پڑتے تھے اور آپ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور یہ بھی بتایا ہے کہ قوم ثمود کے لیے بطور معجزہ ایک اونٹنی ظاہر کی گئی تھی، آپ ہمارے لیے بھی کوئی ایسی ہی نشانی ظاہر کریں آپ نے فرمایا کہ تم کون سی نشانی چاہتے ہو؟ کہنے لگے کہ صفا پہاڑ سونا بن جائے آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوجائے تو میری تصدیق کروگے کہنے لگے اگر ایسا ہوگیا تو ہم سب آپ کا اتباع کرلیں گے آپ اللہ جل شانہٗ سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے کہا کہ آپ غور فرمالیجئے دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمالیں آپ چاہیں کہ پہاڑ صفا کا سونا بن جائے تو ایسا ہوجائے گا لیکن اگر ان لوگوں نے تصدیق نہ کی تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے دے گا۔ اور اگر آپ چاہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں تاکہ کفر سے توبہ کرکے ایمان لے آئیں (گو اس میں دیر لگے گی) آپ نے فرمایا کہ میں

ان کو اسی حال میں چھوڑ دیتا ہوں .... (جنہیں توبہ کرنا ہو تو بہ کر کے ایمان لے آئیں) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ سے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ○ تک نازل فرمائی۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ط (آپ فرما دیجئے کہ معجزات سب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں) وہ چاہے تو ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزات ظاہر فرمائے اور اگر اس کی مشیت نہ ہو تو کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہو وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ یہ اہل ایمان کو خطاب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تمہیں کیا خبر ہے کہ ان کی مطلوبہ نشانی آجائے گی جب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے، ان کی قسمیں جھوٹی ہیں خواہ کیسی ہی زوردار ہوں۔ آخر میں فرمایا۔

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پلٹ دیں گے نہ حق کے طالب ہوں گے نہ حق پر نظر کریں گے كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ جیسا کہ یہ لوگ اس قرآن پر پہلی مرتبہ ایمان نہ لائے وَنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ اور ہم ان کو اس حال میں چھوڑے رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں۔

قال القرطبی فی تفسیرہ ص ٦٥ ج ٧ هذہ اٰية مشكلة ، ولا سيماو فيها وَنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ○ قيل المعنى وَ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَنْظَارَهُمْ يوم القيٰمة على لهب النار وحرا لجمر ، كما لم يؤمنوا فى الدنيا ، ونذرهم فى الدنيا اى نمهلهم ولا نعاقبهم ، فبعض الاب فى الأخرة، وبعضها فى الدنيا و نظيرها "وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ :فهٰذا فى الأخرة "عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ "فى الدنيا.

وقيل : ونقلب فى الدنيا : اى نحول بينهم وبين الايمان لو جآء تهم تلك الاٰية، كما حُلنا بينهم وبين الايمان اوّل مرة لما دعوتهم واظهرت المعجزة ، وفى التنزيل "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ "والمعنىٰ كان ينبغى ان يؤمنوا اذا جاء تهم الاٰية فرأوها بابصارهم ورعرفوها بقلوبهم ، فاذا لم يُؤمنوا كان ذٰلك بتقليب الله قلوبهم وابصارهم (كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ) ودخلت الكاف على محذوف اى فلا يؤمنون كما لم يؤمنوا به اوّل مرة . اى اول مرّة اتتهم الايات التى عجزوا عن معارضتها مثل القراٰن وغيرہ ۔علامہ قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ آیت مشکل ہے اور خصوصاً یہ حصہ کہ وَنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ ہم قیامت کے دن ان کے دل اور ان کی آنکھیں آگ کے شعلوں اور انگاروں کی تپش پر بدلتے رہیں گے جیسا کہ یہ دنیا میں ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں دنیا میں چھوڑ رہے ہیں یعنی ہم انہیں مہلت دے رہے ہیں اور دنیا میں پوری سزا انہیں دے رہے پس کچھ عذاب آخرت میں ہو گا اور کچھ دنیا میں ہے اس کی مثال یہ آیت ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ کہ ("کئی چہرے اس دن جھکے ہوئے ہوں گے") تو یہ آخرت میں ہو گا عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (کام کرنے والے تھکے ہوئے) یہ دنیا میں ہے۔

اور بعض نے کہا اس کا مطلب ہے ہم انہیں دنیا میں بدلتے رہتے ہیں یعنی ان کے پاس نشانی آتی ہے تو ہم ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں جیسا کہ پہلی دفعہ جب آپ نے انہیں دعوت دی اور معجزہ دکھلایا تو ہم ان کے اور ان کے ایمان میں حائل ہو گئے اور قرآن کریم میں ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (جان لو کہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے) مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس نشانی آئی تو انہوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے دلوں سے پہچانا تو انہیں ایمان

لانا چاہئے تھا۔ جب یہ ایمان نہیں لائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دینے کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ یہ اس پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے۔ اور کاف محذوف پر داخل ہے یعنی پس وہ ایمان نہیں لائیں گے جس طرح پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے یعنی پہلی مرتبہ جب ان کے پاس نشانیاں آئیں جن کے مقابلے سے وہ عاجز تھے جیسا کہ قرآن کریم اور دیگر نشانیاں۔

☆☆☆..................☆☆☆
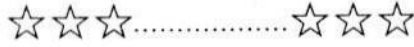
(پارہ نمبر ۸)

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتار دیں اور ان سے مردے بات کر لیں اور ہم جمع کر دیں ان پر ہر چیز ان کے آمنے سامنے تب بھی وہ ایسے نہیں

لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ

ہیں کہ ایمان لے آئیں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور لیکن ان میں اکثر وہ ہیں جو جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن

نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِىْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا

مقرر کر دیئے ہیں جو شیاطین ہیں انسانوں میں سے اور جنات میں سے ان میں بعض بعض کو ایسی باتوں کا وسوسہ ڈالتے ہیں جو بظاہر اچھی لگتی ہیں وہ یہ کام دھوکہ دینے کیلئے کرتے ہیں

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ

اور اگر تیرا رب چاہے تو یہ لوگ یہ کام نہ کریں، سو چھوڑ دیجئے ان کو اور ان باتوں کو جو وہ جھوٹ بناتے ہیں۔ اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل مائل

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ہو جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور تاکہ وہ اسے پسند کریں، اور تاکہ وہ مرتکب ہو جائیں ان کاموں کے جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔

معاندین کا مزید تذکرہ اور شیاطین کی شرارتیں

ان آیات میں معاندین کا مزید عناد بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ فرمائشی معجزے طلب کرنا حق قبول کرنے کے لئے نہیں۔ محض باتیں بنانے اور بہانے تراشنے کے لیے ہے۔ اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیں اور مردے ان سے باتیں کر لیں اور ہم ہر چیز ان کے سامنے لے آئیں یعنی غیب کی چیزیں ان کے سامنے ظاہر کر دیں مثلاً جنت دوزخ دکھا دیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ ایمان لانا مقصود نہیں ہے پھر بھی فرمائشیں کرتے ہیں جو سراپا جہالت ہے۔

پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (الآیۃ) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ یہ لوگ جو دشمنی میں لگے ہوئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ سے پہلے جو نبی آئے ہم نے ان کے لئے انسانوں میں اور جنات میں سے دشمن بنا دیئے تھے۔

یہ دشمن ایک دوسرے کو ایسی ایسی باتیں سجھاتے ہیں جو بظاہر بہت اچھی مزین معلوم ہوتی تھیں۔ جیسے کسی بدصورت چیز پر ملمع کر کے بظاہر خوب صورت بنا دی جائے یہ لوگ ایسی باتیں سامنے لا کر اپنے لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے تاکہ ایمان قبول نہ کریں۔ جو حال انبیاء سابقین علیہم السلام کے دشمنوں کا تھا وہی ان لوگوں کا حال ہے جو آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لہٰذا آپ غم نہ کیجئے ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ (اگر آپ کا رب چاہتا تو یہ لوگ ایسا نہ کرتے) ان لوگوں کا وجود اور ان کی مخالفت حکمتوں پر مبنی ہے فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ (سو جب اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں تو آپ فکرمند نہ ہوں ان کو یہ جو کچھ افترا کر رہے ہیں اس کو چھوڑیے) یعنی اس غم میں نہ پڑیئے کہ یہ لوگ مخالفت میں لگے ہوئے ہیں۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اور وہ لوگ فریب دینے والی باتوں کے وسوسے اس لئے ڈالتے ہیں کہ ان کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وَلِيَرْضَوْهُ تاکہ وہ اسے پسند کرلیں۔ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۝ اور تاکہ ان کاموں کے مرتکب ہوتے رہیں جن کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ

تو کیا اللہ کے سوا کسی دوسرے فیصلہ کرنے والوں کو تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی ہے، اور جن لوگوں کو

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝۱۱۴

ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ آپ کے رب کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۱۵

اور آپ رب کے کلمات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پورے ہو گئے اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور وہ سننے جاننے والا ہے۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ

اور اگر آپ بات مان لیں ان میں سے اکثر لوگوں کو جو زمین میں ہیں تو آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے۔ وہ نہیں اتباع کرتے مگر گمان کا اور وہ صرف اٹکل

هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۱۱۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۱۷

پچو باتیں کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکتا ہے اور اللہ ہدایت پر چلنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

اللہ کی کتاب مفصّل ہے اور اس کے کلمات کامل ہیں

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی آیات سناتے تھے اور اس کے احکام بتاتے تھے۔ اس کی ذات وصفات کے متعلق عقائد کی تلقین فرماتے تھے، وہ خالق ہے، مالک ہے، قادر مطلق ہے، سمیع بصیر ہے، علیم خبیر ہے اس کا ہر فیصلہ حق ہے لیکن مشرکین چاہتے تھے کہ آپ ان باتوں کو چھوڑ دیں اور وہ خود اپنے باطل معبودوں کو چھوڑنے کو تیار نہ تھے اور آپ کو بھی اپنی گمراہی کی طرف کھینچنا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان سے یوں فرمائیں کہ میں اللہ کو چھوڑ کر اور کس کو فیصلہ کرنے والا مان لوں۔ اس کی ذات تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے جب اس جیسا کوئی ہے ہی نہیں تو میں اسے چھوڑ کر اور کس کو حَکَم (فیصلہ کرنے والا) بناؤں، میں تو اسی کو مانتا ہوں اور اسی کے فیصلہ پر راضی ہوں اور کوئی نہیں جس کے فیصلہ پر راضی ہونے کا فیصلہ کروں اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تفصیل کے ساتھ ہدایت بیان فرما دی ہے۔ جن لوگوں کو اس کتاب سے پہلے اللہ نے کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ واقعی آپ کے رب کی طرف سے ہے لیکن جو معاند ہیں وہ عناد کی وجہ سے شک کرتے ہیں سو آپ شک کرنے والوں سے نہ ہوں۔ چونکہ کسی نبی کو اپنی نبوت میں شک

ہونے کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا اس لئے یہ خطاب گو بظاہر آپ کو ہے لیکن دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ کتاب اللہ کی حقانیت میں شک نہ کرو۔

پھر فرمایا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط (اور آپ کے رب کے کلمات کامل ہو گئے صدق اور عدل کے اعتبار سے) اس میں رب تعالیٰ شانہٗ کے کلمات یعنی کلمات قرآن کے کامل ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

کلمات سے وہ مضامین مراد ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ قرآن مجید میں بہت سے احکام ہیں جو تفصیل سے بتادیئے ہیں اور بہت سے احکام رسول اللہ ﷺ کو مفوض کر دیئے ہیں۔ آپ کا بتانا اللہ تعالیٰ کا بتانا ہے، آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ یہ سب احکام سچے ہیں اور عدل پر مبنی ہیں ان میں انصاف ہے، کسی پر ظلم وزیادتی اور کسی کی حق تلفی ان احکام میں روا نہیں رکھی گئی اور بعض حضرات نے عدل کو اعتدال کے معنی میں لیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے احکام میں اعتدال ہے نہ ہر چیز مباح ہے اور نہ ہر چیز حرام اور ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں بہت سی چیزیں حلال اور بہت سی حرام اور ممنوع ہیں۔ کچھ مکروہات بھی ہیں ایسا بھی نہیں کہ سارا دین لوگوں کی خواہش کے مطابق ہو۔ اور ایسا بھی نہیں کہ انسانوں کی خواہشوں اور نفس کے تقاضوں کا بالکل ہی لحاظ نہ کیا گیا ہو۔ اللہ کے دین میں بنی آدم کے نفسوں کے تقاضوں کی بھی رعایت ہے اور کچھ بندشیں بھی ہیں۔ ان بندشوں میں بنی آدم کی خیر مضمر ہے۔ اگر کوئی بھی چیز ممنوع نہ ہو تو انسانوں میں اور چوپاؤں میں کوئی فرق نہ رہے، پھر جو احکام ہیں ان میں استطاعت کی قید ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ بھی فرمایا اور لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا بتا کر یہ فرمادیا کہ کسی جان کو وسعت اور طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ یہ عدلا کی تفسیر ہوئی۔

اور 'صِدْقًا' جو فرمایا یہ قرآن کریم کے بیان فرمودہ واقعات اور قصص اور وعد اور وعید سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بیان فرمایا بالکل سچ ہے اس میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔

پھر فرمایا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں) اس کا کلام لفظی اور معنوی تحریف سے محفوظ ہے اس نے خود اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ جب اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے تو اسے کون بدل سکتا ہے اور کس میں طاقت ہے کہ اس میں تحریف کر دے؟ دشمن تک یہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن وہی ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا اس وقت سے لے کر اب تک چودہ سو سال ہو چکے ہیں اور وہ ہو بہو اسی طرح موجود ہے جس طرح نازل ہوا تھا۔

پھر فرمایا وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے، وہ سب کی باتیں سنتا ہے، اسے مخالفوں اور معاندوں کی باتوں کی خبر ہے اور سب باتوں کا علم ہے۔ قرآن کے موافق اور مخالف جو بھی ہیں وہ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اپنے علم کے مطابق سب کے فیصلے فرمائیں گے۔

زمین کے اکثر رہنے والے گمراہ کرنے والے ہیں .... اس کے بعد فرمایا وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ (الآية) اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ زمین پر جو لوگ بستے ہیں ان میں اکثر گمراہ ہیں۔ ان اکثریت والوں کی اطاعت کرو گے تو یہ تمہیں راہ حق سے ہٹا دیں گے۔ معلوم ہوا کہ اکثریت دلیل حقانیت نہیں ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں فرمایا قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ط دنیا میں اکثریت گمراہوں کی ہے جو اللہ کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں ان کی بات مانو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ حق والوں کے پاس اٹھو بیٹھو اور ان سے حق سیکھو۔

سورۂ توبہ میں فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اللہ کے یہاں محبوبیت کا مدار ایمان اور تقویٰ پر ہے اکثریت پر نہیں ہے۔

پھر فرمایا اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ اکثر لوگ محض اپنے گمان کے پیچھے چلتے ہیں وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۝ اور محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ لہٰذا اکثریت والوں کی اطاعت اور ان کا اتباع تباہ و برباد کرنے والا ہے۔

پھر فرمایا اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ط (بلاشبہ آپ کا رب اچھی طرح جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پر چلنے والوں کو۔ وہ قیامت کے دن اپنے علم کے مطابق فیصلے فرمائے گا۔ اہل ضلال کو ضلال کی سزا اور اہل ہدایت کو ہدایت کی جزا ملے گی۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا

سو اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اگر تم اس کی آیات پر ایمان لائے ہو، اور تمہارے لئے اس کا کیا باعث ہو سکتا ہے کہ اس میں

مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ

سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا حالانکہ اس نے تمہیں تفصیل سے بتا دیا ہے جو تم پر حرام کیا گیا۔ مگر اس صورت میں کہ تمہیں سخت

اِلَیْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۱۹﴾

مجبوری ہو۔ بلاشبہ بہت سے لوگ اپنی خواہشوں کے ذریعہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے حد سے آگے بڑھنے والوں کو،

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور باطنی گناہ، بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی

اور مت کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ اور بے شک وہ گناہ ہے اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں

اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو بے شک تم مشرک ہو جاؤ گے۔

حلال ذبیحہ کھاؤ اور حرام جانوروں کے کھانے سے پرہیز کرو

درمنثور ص ۴۱ ج ۳ میں ان آیات کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بطور اعتراض یوں کہا کہ جس جانور کو ہم قتل کر دیں (یعنی ذبح کر دیں) اسے تو آپ کھا لیتے ہیں اور جس جانور کو اللہ تعالیٰ قتل کر دے (یعنی اسے موت دے دے اور وہ بغیر ذبح کے مر جائے) آپ اس کو نہیں کھاتے۔

ایک روایت یوں بھی ہے جسے ابن کثیر نے ص ۱۶۹ ج ۲ میں نقل کیا ہے کہ فارس کے لوگوں نے قریش مکہ کو آدمی بھیج کر یہ سمجھایا کہ تم

محمد ﷺ سے یوں بحث کرو کہ آپ اپنے ہاتھ میں چھری لے کر جس جانور کو ذبح کرتے ہیں وہ تو آپ کے نزدیک حلال ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے ذبح کرتے ہیں وہ آپ کے نزدیک حرام ہے۔

امام ترمذیؒ نے تفسیر سورۃ الانعام میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم جسے خود قتل کرتے ہیں اسے کھا لیتے ہیں اور جسے اللہ قتل کرتا ہے اسے نہیں کھاتے (یہ انہوں نے بطور اعتراض کے کہا) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ نازل فرمائی (قال الترمذی هذا حدیث حسن غریبٌ)

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ یہ اعتراض یہود نے کیا تھا اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اہل فارس کے سمجھانے اور بجھانے پر قریش مکہ نے کیا تھا۔ مفسر ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہودیوں سے اس اعتراض کا صادر ہونا بعید ہے کیونکہ وہ خود میتہ یعنی غیر ذبیحہ کو نہیں کھاتے تھے لیکن اس بات کی وجہ سے روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ معترض اندھا تو ہوتا ہی ہے جسے اعتراض کرنا ہو وہ کہاں سوچتا ہے کہ یہ بات مجھ پر بھی آ سکتی ہے۔ اعتراض کرنے والے جاہلوں نے صرف موت کو دیکھ لیا اور ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کے درمیان جو فرق ہے اس کو نہیں دیکھا لہٰذا اعتراض کر بیٹھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ سبحانہ، وتعالیٰ نے ہر جانور کے کھانے کی اجازت نہیں دی۔ قرآن میں اجمالاً ارشاد فرمایا کہ پاکیزہ جانور حلال ہیں اور خبیث جانور حرام ہیں۔

سورۂ اعراف میں ارشاد ہے يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ط کہ رسول اللہ ﷺ پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں نیز بھیمۃ الانعام کے کھانے کے اجازت دے دی سوائے ان جانورں کے جن کا استثناء فرما دیا (اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ) اور مزید تفسیر کا بیان رسول اللہ ﷺ کی طرف سپرد فرما دیا۔ آپ نے حلال اور حرام جانوروں کی تفسیر بتا دی لیکن جن جانوروں کو حلال قرار دیا ہے ان کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان کو ذبح کر دیا جائے۔

ذبح کا مطلب یہ ہے کہ گلے کی رگیں کاٹ دی جائیں جن سے جانور سانس لیتا ہے اور کھاتا پیتا ہے۔ اور جن میں خون گذرتا ہے۔ ذبح کرنے سے بھی کسی جانور کا کھانا اس وقت حلال ہوگا جبکہ ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو۔ (یعنی اللہ کا نام ذکر کیا گیا) ذبح کرنے والا جو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے مسلمان یا کتابی یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔ ان کے علاوہ اور کسی کا ذبیحہ حلال نہیں۔ ذبح کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جانور کے اندر جو خون ہے وہ رگیں کٹنے سے نکل جاتا ہے خون کا کھانا پینا حرام ہے۔ جب خون نکل گیا تو اب گوشت بغیر خون کے رہ گیا لہٰذا ذبیحہ کھانا حلال ہو گیا۔

اعتراض کرنے والوں نے فرق کو تو دیکھا نہیں اور اس بات کو سمجھا نہیں کہ ذبح کرنے میں کیا حکمت ہے اور ذبح کرنے سے جانور کیوں حلال ہوتا ہے اور اپنی موت مر جانے سے کیوں حرام ہوتا ہے یہ خون نکلنے والی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی جو ذبیحہ اور غیر ذبیحہ میں فرق کرنے والی چیز ہے۔

اگر کوئی مسلم یا کتابی کسی جانور کو لاٹھی مار مار کر ہلاک کر دے اگرچہ بسم اللہ پڑھ لے تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ لاٹھیوں سے مارنے سے خون نہیں نکلا جو گلے کی رگوں سے نکل جاتا ہے ایسے جانور کا نام "موقوذہ" ہے جس کا ذکر سورۂ مائدہ کے شروع میں گزر چکا۔

جب معترضین نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو خطاب فرمایا کہ جس حلال جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو یعنی اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا اسے کھاؤ اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اسے مت کھاؤ، دشمنوں کی باتوں

میں نہ آؤ اور ان کے اعتراض کو کوئی وزن نہ دو اللہ نے تمہیں حلال حرام کی تفصیل بتادی، اللہ کے حلال کئے ہوئے جانور نہ کھانا اور دشمنوں کی باتوں میں آجانا اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔

اسی کو فرمایا وَ اِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ اِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُوۡنَ o اور اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو شرک کرنے والے ہوجاؤ گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بات ماننے کے بجائے دوسروں کی بات مان کر مشرکوں کے زمرہ میں آجاؤ گے۔

جس جانور کو اللہ کا نام لے کر مسلم یا کتابی نے ذبح کیا ہو بشرطیکہ وہ جانور حلال ہو اس کے کھانے کی اجازت دے دی اور جو جانور میتہ ہو (یعنی اپنی موت مرگیا ہو یا جسے اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کیا گیا ہو) اس کے کھانے کو حرام قرار دے دیا گیا اور اسے فسق یعنی حکم عدولی بتایا۔ ہاں حالت مجبوری میں غیر باغ ولا عاد کے ساتھ مشروط کر کے مردار کھانے کی اجازت دے دی۔

وَ اِنَّ كَثِیۡرًا لَّیُضِلُّوۡنَ بِاَهۡوَآئِهِمۡ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ط اور بلاشبہ بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشات کے ذریعہ گمراہ کرتے ہیں یعنی جو بھی کوئی بغیر سند بات ان کے خواب وخیال میں آجاتی ہے اس کے ذریعہ لوگوں کو بہکاتے اور گمراہ کرتے ہیں اللہ کے حکم کے پابند نہیں ہوتے۔ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُعۡتَدِیۡنَ o (بے شک تیرا رب حد سے نکلنے والوں کو خوب جانتا ہے) وہ ان کو سزا دے گا۔

ظاہری اور پوشیدہ تمام گناہوں سے بچنے کا حکم............ وَ ذَرُوۡا ظَاهِرَ الۡاِثۡمِ وَ بَاطِنَهٗ ط (اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور باطنی گناہ) اس میں ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے گناہ چھوڑنے کا حکم فرمایا ہے۔ جو گناہ ظاہری طور پر علانیہ ہو وہ بھی چھوڑو اور جو پوشیدہ ہو اسے بھی چھوڑو۔ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو جانتا ہے اور وہ گناہوں کی سزا دینے پر پوری طرح قادر ہے گناہ گار یہ نہ سمجھیں کہ تنہائی میں جو گناہ کر لیا اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَكۡسِبُوۡنَ الۡاِثۡمَ سَیُجۡزَوۡنَ بِمَا كَانُوۡا یَقۡتَرِفُوۡنَ o بلاشبہ جو لوگ گناہ کرتے ہیں انہیں عنقریب ان کے اعمال کی جزا دے دی جائے گی۔

وَ اِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـئِهِمۡ لِیُجَادِلُوۡكُمۡ اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ اہل فارس مشرک تھے اور قریش مکہ بھی مشرک تھے انہوں نے مشرکین مکہ کو یہ بات سمجھائی کہ تم محمد ﷺ پر یہ اعتراض کرو اور یہودیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو سمجھایا کہ تم یہ اعتراض لے کر جاؤ اور مسلمانوں سے جھگڑا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتا دیا کہ تم ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم مشرک ہوجاؤ گے یعنی مشرکوں والا کام کرلو گے۔ یعنی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی اور غیروں کی اطاعت کر کے شرک کرنے والے بن جاؤ گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر دوسروں کے حکم کو ماننا اور ان کو تحلیل وتحریم کا مختار سمجھنا مشرکوں کا کام ہے (فی معالم التنزیل قال الزجاج فیه دلیل علی من احل شیئا مما حرم الله او حرم ما احل الله فهو مشرک) (معالم التنزیل میں ہے کہ زجاج کہتے ہیں اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ جس شخص نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے حلال ہونے کا اعتقاد کیا یا اللہ کی حلال کردہ چیزوں کے حرام ہونے کا اعتقاد کیا تو وہ مشرک ہے)

مسئلہ.......... اگر ذبح کرتے وقت قصداً اللہ کا نام لینا چھوڑ دیا تو اس جانور کا کھانا حلال نہیں اگرچہ ذبح کرنے والا مسلم یا کتابی ہو۔ اور جس جانور پر ذبح کرنے والا بسم اللہ پڑھنا بھول گیا اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ ذبح کرنے والا مسلم یا کتابی ہو مذبوحہ اور میتہ جانوروں کے بارے میں متعدد مسائل سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ

جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اس کے لیے ایسا نور مقرر کر دیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا یہ اس شخص کی

مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا

طرح ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیریوں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں، کافر جو عمل کرتے ہیں وہ ان کے لیے اسی طرح

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ

مزین کر دیئے گئے۔ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا۔ تاکہ وہ اس میں مکر کریں اور وہ صرف اپنی ہی

اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

جانوں کے ساتھ مکر کرتے ہیں اور شعور نہیں رکھتے۔

مؤمن زندہ ہے اس کے لئے نور ہے اور کافر اندھیریوں میں گھرا ہوا ہے

علامہ بغویؒ معالم التنزیل ص ۱۲۸ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت دو خاص آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ پھر ان دو آدمیوں کے تعین میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب (رسول اللہ ﷺ کے چچا) مراد ہیں، اور مَثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ سے ابوجہل مراد ہے واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ابوجہل نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر گھوڑے کی لید پھینک دی تھی۔ حضرت حمزہ کو اس کا پتہ چلا جو شکار کر کے ہاتھ میں کمان لئے ہوئے آ رہے تھے اور ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ابوجہل کی حرکت کا علم ہوا تو غصہ میں بھر گئے اور ابوجہل کے پاس آ کر اس کے سر پر کمان ماردی وہ عاجزی کرنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ کیسا دین لے کر آئے ہمیں بے وقوف بتاتے ہیں اور ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں اور ہمارے باپ دادوں کے مخالف ہیں۔ اس پر حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ تم سے بڑھ کر بے وقوف کون ہوگا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ پھر انہوں نے اسی وقت اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس پر آیت کریمہ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ط نازل ہوئی۔ سبب نزول جو بھی ہو۔ آیت کا عموم ہر کافر اور ہر مؤمن کو شامل ہے۔

جو لوگ پہلے کافر تھے وہ کفر کی وجہ سے مردہ تھے۔ جس نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ زندوں میں شمار ہو گیا اور اسے نورِ ایمان مل گیا۔ وہ اسی نورِ ایمان کو لے کر لوگوں میں پھرتا ہے اور یہ نورِ ایمان اسے خیر کا راستہ بتاتا ہے اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا جو مردہ تھا اسے ہم نے زندہ کر دیا ایمان کا نور دے دیا وہ اس جیسا کہاں ہو سکتا ہے جو اندھیریوں میں ہے۔ برابر نہیں میں گھرا ہوا ہے وہاں سے نکلنے والا نہیں۔

پھر فرمایا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ جس طرح اہلِ ایمان کے لیے ایمان مزین کر دیا گیا ہے اسی طرح کافروں کے لیے ان کے اعمال کفریہ مزین کر دیئے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے اور وہ اپنی حرکتِ بد کو اچھی سمجھ رہے ہیں۔

ہر بستی میں وہاں کے بڑے مجرم ہوتے ہیں .... اس کے بعد فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ

مُجْرِمِيْهَا ط (اوراسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا) مطلب یہ ہے کہ جیسے اہل مکہ میں دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگ مجرم بنے ہوئے ہیں اسی طرح ہم نے ہر بستی میں آپ سے پہلے ایسے لوگ مقرر کئے ہیں جوان لوگوں کے سردار تھے اور گناہوں میں پیش پیش تھے۔

لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا، تا کہ یہ لوگ مکر کریں یعنی اللہ کی ہدایت نہ پھیلنے دیں اوراس کے خلاف شرارتیں کریں۔ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اوران کا مکران کی جانوں ہی کے ساتھ ہے۔اورانہیں اس کا شعور نہیں ہے۔اسلام کے خلاف شرارتیں کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس کا وبال انہیں پر پڑتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اہل مکہ نے مکہ کے اطراف وجوانب میں ہر راستہ پر چار چار آدمی بٹھا دئیے تھے۔تا کہ وہ لوگوں کو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے روکتے رہیں۔جو شخص باہر سے آتا اور مکہ میں داخل ہونا چاہتا تھا اس سے یہ لوگ کہتے تھے کہ دیکھنا اس شخص سے بچ کر رہنا کیونکہ وہ جادوگر ہے جھوٹا ہے۔

درحقیقت ہر بستی اور ہر علاقہ کے رئیس اور چودھری اور اہلِ اقتدار اور اہل مال ہی عوام الناس کو ہدایت پر نہیں آنے دیتے۔ نہ خود ہدایت قبول کرتے ہیں نہ اپنے عوام کو حق قبول کرنے دیتے ہیں۔جیسا کہ پورے عالم میں اس کا مظاہرہ ہے۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ

'اور جب انکے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو ایسی چیز نہ دی جائے جیسی کہ اللہ کے رسولوں کو دی گئی،

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ

اللہ جانتا ہے جہاں اپنے پیغام کو بھیجے۔ عنقریب ان لوگوں کو اللہ کے یہاں ذلت اور سخت

شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝۱۲۴

عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے'۔

وقف لازم، وقف منزل

ولید بن مغیرہ کی اس جہالت کی تردید کہ ہمیں رسالت ملنی چاہئے

معالم التنزیل ص ۱۲۸ ج ۲ میں آیت بالا کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اگر نبوت واقعی کوئی چیز ہے تو میں تم سے زیادہ اس کا اہل ہوں کیونکہ میری عمر بھی تم سے زیادہ ہے اور میرا مال بھی کثیر ہے اور دوسرا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ بنو عبد مناف نے شرافت کے سلسلے میں ہم سے مقابلہ بازی کی یہاں تک کہ ہم گھوڑ دوڑ کے گھوڑے بن کر رہ گئے اب وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اللہ کی قسم ہم اس مدعی نبوت پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک ہمارے پاس بھی اس طرح وحی نہ آجائے جیسی اس کے پاس آتی ہے۔

اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں ولید بن مغیرہ کا بھی جواب ہو گیا اور ابوجہل کا بھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسالت ونبوت سے سرفراز کرنا یہ اللہ جل شانہٗ کے انتخاب اور اختیار سے متعلق ہے وہ جسے چاہتا ہے اس عہدہ سے سرفراز فرماتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ رسالت اور نبوت کا اہل کون ہے اور اس عہدۂ جلیلہ کا تحمل کس میں ہے یہ کہنا کہ میں مستحق رسالت ہوں اللہ تعالیٰ پر

اعتراض کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جہل کی طرف منسوب کرنا ہے۔ جنہوں نے یہ اعتراض کیا ہے انہیں اللہ کے یہاں ذلت پہنچے گی اور انہیں سخت سزا ملے گی۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ

سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے اس کے سینہ کو ہدایت کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کے بارے میں یہ ارادہ فرمائے کہ اس کو گمراہ

يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ

فرمائے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے ۔ گویا کہ وہ بڑی تکلیف کے ساتھ آسمان میں چڑھ رہا ہے ایسے ہی ان لوگوں پر اللہ

الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

عذاب بھیج دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

صاحبِ ہدایت کا سینہ کشادہ اور گمراہ کا سینہ تنگ ہوتا ہے

آیت قرآنیہ سنکر اور آیات تکوینیہ دیکھ کر بہت سے لوگ مسلمان ہو جاتے تھے اور اکثر کفر سے چمٹے رہتے تھے اس آیت میں اللہ رب العزت تعالیٰ شانہٗ نے یہ بتایا کہ اللہ جل شانہٗ جس شخص کو ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ اس کے دل میں اسلام کی طرف سے کوئی شک اور شبہ باقی نہیں رہتا۔ اور بلا پس و پیش سچے دل سے پورے اخلاص کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جسے گمراہی میں باقی رکھنا چاہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے اسلام کی دعوت سن کر اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور اسلام قبول کرنے کی بات سامنے آتی ہے تو یہ اسے ایسا دوبھر اور دشوار معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ بڑی مصیبت کے ساتھ آسمان پر چڑھ رہا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا کہ جب نور سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا ایسی کوئی نشانی ہے جس کے ذریعہ اس کو پہچان لیا جائے۔ آپ نے فرمایا ہاں اس کی نشانی یہ ہے کہ دار الغرور (دنیا) سے دور رہے اور دار الخلود (ہمیشہ رہنے کی جگہ) کی طرف رجوع کرے اور موت سے پہلے اس کی تیاری کر لے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۶)

سینہ کی تنگی کا مطلب بتاتے ہوئے حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو دل میں انقباض ہونے لگے اور گھبراہٹ محسوس ہو اور اگر بتوں کی عبادت کا ذکر آئے تو دل میں خوشی کی کیفیت طاری ہو۔ (ذکرہ فی معالم التنزیل)

معلوم ہوا کہ مؤمن کو اپنے ایمان پر شاداں فرحاں خوب خوش رہنا چاہئے ایمان اور ایمانیات کی وجہ سے دل میں خوشی کی لہریں دوڑتی رہیں۔

پھر فرمایا كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اللہ ایسے ہی عذاب بھیج دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔

علماء تفسیر نے رجس کے کئی معنی کئے ہیں۔ روح المعانی میں اولاً عذاب اور خذلان کا ترجمہ کیا ہے۔ پھر حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل

کیا ہے کہ الرجس ما لا خیر فیہ یعنی جس میں کوئی خیر نہ ہو وہ رجس ہے۔ پھر علامہ راغب اصفہانی سے نقل کیا ہے کہ الرجس الشیٔ القذر یعنی گھناؤنی چیز۔ اور زجاج سے نقل کیا ہے ھو اللعنۃ فی الدنیا و العذاب فی الاخرۃ۔ یہاں پر سب معانی مراد ہو سکتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ پاک گمراہ شخص کا سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح ان لوگوں پر رجس ڈال دیتا ہے جنہیں ایمان لانا نہیں ہوتا۔

وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ

اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے، بے شک ہم نے واضح طور پر ان لوگوں کے لیے آیات بیان کر دی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ان کے لیے

دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ

سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے پاس، اور وہ جو اعمال کرتے ہیں ان کے سبب اللہ ان کا مددگار ہے۔ اور جس دن ان سب کو جمع کرے گا۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَ قَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا

اے جنات کی جماعت تم نے انسانوں میں سے کثیر تعداد کو اپنا تابع کر لیا۔ اور انسانوں میں جو ان کے دوست تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب!

اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ

ہم میں بعض نے بعض سے نفع حاصل کیا۔ اور ہم پہنچ گئے اس مقررہ میعاد کو جو آپ نے ہمارے لیے مقرر فرمائی۔ فرمان خداوندی ہوگا کہ دوزخ تمہارا

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ

ٹھکانہ ہے۔ اس میں ہمیشہ رہو گے۔ سوائے اس کے جسے اللہ چاہے، بے شک تیرا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔ اور اسی طرح ہم بعض

الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

ظالموں کو بعض کا ولی بناتے ہیں بہ سبب ان کے اعمال کے جو وہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا راستہ سیدھا ہے

مؤمن اور کافر کا فرق بیان فرمانے کے بعد اب صراط مستقیم کی دعوت دی جا رہی ہے۔

(دین اسلام) تیرے رب کا راستہ ہے جو سیدھا راستہ ہے اس میں کوئی کجی اور ٹیڑھا پن نہیں ہے اس کی دعوت بھی واضح ہے، جو لوگ نصیحت حاصل کرنے والے ہیں ان کے لیے واضح طور پر آیات بیان کر دیں۔ پھر صراط مستقیم پر چلنے والوں کے لیے دو انعام ذکر فرمائے اوّل یہ کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس دار السلام ہے۔

اہل ایمان کے لیے دار السلام کا وعدہ......... دار السلام کا معنی ہے سلامتی کا گھر۔ اور اس سے جنت مراد ہے جنت میں ہر طرح کے مصائب اور تکالیف سے سلامتی ہوگی۔ نہ جسمانی کوئی تکلیف ہوگی نہ روحانی۔ نہ آپس میں بغض ہوگا نہ کینہ ہوگا نہ حسد ہوگا نہ دشمنی ہو

گی، اور نہ نعمتوں کے ختم ہونے یا چھیننے کا اندیشہ ہوگا۔ جب جنت میں داخل ہوں گے تو فرمایا جائے گا اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ کہ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ امن و امان کے حالت میں۔ اہل جنت کو اللہ کی طرف سے سلام آئے گا۔ جس کا تذکرہ کرتے ہوئے سورۂ یٰسین میں فرمایا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ فرمایا ہے۔ الحاصل! جنت دار السلام ہے وہاں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ جعلنا اللہ من اهلها۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے............ دوسرے انعام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی اللہ ان کا ولی ہے بسبب ان کے عمل کے جو وہ کرتے تھے۔

صاحب معالم التنزیل ص ۱۳۰ ج ۷ میں لکھتے ہیں یتو لا هم فی الدنیا با لتوفیق و فی الاخرۃ بالجزاء یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کا ولی یعنی دوست ہے اور مددگار ہے۔ جس نے ایمان کی توفیق دی اور آخرت میں بھی ان کا دوست ہوگا وہ انہیں ایمان کا بدلہ دے گا۔

قیامت کے دن جنّات سے اور انسانوں سے سوال......... اس کے بعد قیامت کے دن جو سوالات ہوں گے ان میں سے ایک سوال کا ذکر فرمایا وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا کہ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو یعنی جنات اور انسانوں کو محشر میں جمع فرمائے گا اور جنات سے اللہ تعالیٰ کا یوں خطاب ہوگا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ط کہ اے جنات کے گروہ تم نے کثیر تعداد میں انسانوں کو اپنے تابع کر لیا۔ جنات سے شیاطین مراد ہیں۔ جب ابلیس مردود ہوا تھا اس نے کہا تھا لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ (کہ میں تیرے بندوں میں سے حصہ مقررہ اپنا بنالوں گا) یہ بھی کہا تھا لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ (کہ میں ان کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان کے پاس ان کے سامنے اور پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پائیں گے)

ابلیس نے جو کہا تھا وہ برابر اپنی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اس کی ذریت بھی اس کی کوششوں میں اس کی معاون و مددگار ہے۔ اور انسانوں کی غفلت کی وجہ سے شیاطین اپنی محنت میں کامیاب ہیں انہوں نے اکثر انسانوں کو اپنا بنالیا ہے اور صراط مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کر دیا شیاطین الجن سے اللہ جل شانہ، فرمائیں گے کہ انسانوں میں سے کثیر تعداد کو تم نے اپنا بنالیا۔ اور ان کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کا یہ خطاب توبیخ کے طور پر ہوگا یعنی بطور ڈانٹ ڈپٹ ان سے یہ خطاب ہوگا۔

انسانوں کا جواب اور اقرار جرم......... وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا (اور شیاطین کے دوست جو انسانوں میں سے تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم میں بعض سے بعض نے انتفاع کیا) یعنی انسان جنات سے اور جنات انسانوں سے منتفع ہوئے۔

صاحب روح المعانی ص ۲٦ ج ۸ نے حضرت حسن اور ابن جریج وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ انسانوں کا جنات سے نفع حاصل کرنا یوں تھا کہ جب ان میں سے کوئی شخص سفر پر جاتا اور جنات کا خوف ہوتا تو جس منزل پر اترنا ہوتا تو یوں کہتے کہ اَعُوْذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الوادی (کہ میں اس وادی کے سردار کی پناہ لیتا ہوں) اللہ کی پناہ لینے کی بجائے شیاطین کی پناہ لیتے تھے۔ اور شیاطین کا انسانوں سے نفع حاصل کرنا یہ تھا کہ جب یہ لوگ اَعُوْذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الوادی کہتے تھے تو جنات خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ دیکھو انہوں نے ہم کو پناہ دینے پر قادر سمجھا اور جو پناہ اللہ سے مانگنی چاہئے تھی ہم سے مانگی۔ انسانوں کا گروہ آپس میں ایک دوسرے سے نفع حاصل کرنے کا اقرار کرنے کے بعد یوں کہے گا

کہ وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ط (اور ہم پہنچ گئے اس مقرر میعاد کو جو ہمارے لیے آپ نے مقرر فرمائی تھی) اس اجل یعنی مقررہ میعاد سے بعض حضرات نے موت اور بعض نے قیامت کا دن مراد لیا ہے انسانوں کا گروہ یہ بات بطور اقرار جرم کہے گا جس میں اظہار ندامت بھی ہے کہ ہم نے ایسا کیوں کیا! حسرت بھی ہے کہ اگر ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰکُمْ ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ دوزخ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ابلیس کو خطاب کر کے بتادیا تھا لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ o (کہ میں ضرور دوزخ کو بھر دوں گا تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے جو تیرا اتباع کریں گے) یہ اعلان اسی وقت فرمادیا تھا جب ابلیس نے تکبر کیا اور اس نے بنی آدم کو بہکانے کی قسم کھا کر اپنا مضبوط ارادہ ظاہر کیا ...... اللہ تعالیٰ نے اس کے دعوے پر اسے اور اس کے ماننے والوں کو دوزخ میں بھیجنے کا فیصلہ صادر فرمایا اسی کے مطابق آج دوزخ میں شیطان کے ماننے والوں میں ٹھکانہ ہوگا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے) اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (مگر یہ کہ جو اللہ چاہے) یعنی وہ چاہے تو دوزخ سے نکال سکتا ہے۔ مگر کافروں کو نہیں نکالے گا جیسا کہ دوسری آیت میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا فرمایا۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ o (بے شک تیرا رب حکمت والا جاننے والا ہے) پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا م بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ o (اور اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا ولی بناتے ہیں بسبب ان کے اعمال کے جو وہ کرتے تھے)

نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ کی تفسیر .... نُوَلِّيْ کا یہ ترجمہ جو ابھی لکھا گیا حضرت قتادہؓ سے منقول ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے ان سے نقل کیا ہے نَجْعَلُ بَعْضَهُمْ اَوْلِيَآءَ بَعْضٍ کہ ہم ظالموں کو آپس میں ایک دوسرے کا دوست بناتے ہیں۔ یہ معنی بھی صحیح ہے دنیا میں ہر وقت اس کا مظاہرہ ہے اور اسی دوستی کی وجہ سے آپس میں مل کر اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی میں ایک دوسرے کی معاونت کرتے رہتے ہیں۔

اور بعض حضرات نے نُوَلِّيْ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ظالموں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیں گے۔ یعنی قیامت کے دن ایک ہی قسم کے لوگوں کی جماعتیں بنادی جائیں گی۔ پھر یہ جماعتیں دوزخ میں چلی جائیں گی۔ جیسا کہ سورۂ صافات میں فرمایا:

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ o مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ o (ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے جمع کرو پھر ان کو دوزخ کا راستہ دکھاؤ اور سورۂ زمر میں فرمایا وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا (اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا)

آیت کا ایک اور معنی بھی بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے ای تسلط بعض الظالمین علی بعض کہ بعض ظالموں کو بعض دوسرے ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں اور ایک ظالم کو دوسرے ظالم کے ہاتھ سے سزا دلوادیتے ہیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے وہ میرے احکام بیان کرتے تھے اور تم کو اس دن

لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ط قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

کی ملاقات سے ڈراتے تھے، وہ جواب دیں گے کہ ہم جانوں پر گواہی دیتے ہیں، اور ان کو دنیا والی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا۔ اور وہ اپنی جانوں پر گواہی

اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾

دیں گے کہ بلاشبہ وہ کافر تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم کے سبب ہلاک کرنے والا نہیں ہے اس حال میں کہ وہاں کے لوگ بے خبر ہوں،

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ

اور ہر ایک کیلئے ان کے اعمال کے سبب درجات ہیں، اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو کام وہ کرتے ہیں۔ اور تیرا رب غنی ہے رحمت والا ہے

ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ

اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور تمہارے بعد تمہارے پیچھے جس کو چاہے آباد کر دے جیسا کہ اس نے تمہیں دوسری

ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٣٤﴾ قُلْ يٰقَوْمِ

قوم کی نسل سے پیدا فرمایا۔ بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والی چیز ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔ آپ فرما دیجئے

اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ

اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بلاشبہ میں عمل کر رہا ہوں، سو عنقریب جان لو گے کہ کس کے لیے ہے اس عالم کا انجام کار،

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٥﴾

بے شک کامیاب نہیں ہوتے ظالم لوگ۔

جنّ وانس سے سوال! کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے؟ اور ان کا اقرارِ جرم

ان آیات میں اوّل تو اللہ جل شانہٗ نے اپنے اس خطاب کا ذکر فرمایا جو جنات کی جماعت سے اور انسانوں سے قیامت کے دن ہوگا۔ دونوں جماعتوں کے مجرمین کافرین جو میدانِ حشر میں موجود ہوں گے ان سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے جنات اور اے انسانو! کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر نہیں آئے جو تمہیں میرے احکام بتاتے تھے اور تمہیں آج کے دن کی حاضری اور اعمال کے نتائج سامنے آنے سے باخبر کرتے تھے اور تمہیں ڈراتے تھے کہ دیکھو ایک دن ایسا آنے والا ہے تم اس کے لیے فکرمند ہو جاؤ اور ایمان لاؤ۔

اوّل تو مجرمین اقرارِ جرم سے گریز ہی کریں گے۔ اور اپنے کفر و شرک کا انکار ہی کر بیٹھیں گے جیسا کہ دوسری آیت میں ان کا قول وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ذکر فرمایا ہے۔ پھر بعد میں اپنے ہاتھ پیروں کی گواہی سے اور اپنے نبیوں کی گواہی کی وجہ سے مجبور ہو کر اقرار کر لیں گے۔ جس کا تذکرہ اوپر آیت بالا میں فرمایا۔

قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وہ کہیں گے کہ اپنی جانوں کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں کہ واقعی ہم مجرم تھے اور واقعی ہم کافر تھے۔ درمیان کلام ان لوگوں کی گمراہی کا اور کفر و شرک پر جمنے کا سبب بھی ذکر فرمایا۔

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۔ یعنی دنیا والی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ دنیاوی زندگی کو انہوں نے اصل سمجھا اور اس کے منافع اور ثمرات اور شہوات و لذات ہی کے پیچھے پڑے رہے۔ ایمان کی دعوت دینے والوں اور یوم آخرت کی یاد دہانی کرانے والوں کی باتوں پر دھیان نہ دیا۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى یعنی یہ رسولوں کا بھیجنا اس وجہ سے ہے کہ تیرا رب بستیوں کو یعنی ان کے رہنے والوں کو ان کے ظلم کے سبب اس طرح ہلاک نہیں فرماتا تا کہ وہ لوگ اپنے ظلم کے انجام سے بے خبر ہوں۔

اللہ جل شانہٗ پیغمبر بھیجتا ہے جو لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔ توحید اختیار کرنے والوں کا اچھا انجام اور مشرکوں و کافروں کا برا انجام بتاتے تھے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ سب کچھ بتا دینے کے بعد جب لوگ باز نہیں آتے تو اللہ پاک کی طرف سے ان لوگوں کی ہلاکت کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ہلاکت کا سبب بھی بتا دیا کہ وہ ظلم ہے۔ ہر گناہ ظلم ہے اور کفر بھی ظلم ہے اور سب سے بڑا ظلم ہے۔

اعمال کے اعتبار سے لوگوں کے درجات مختلف ہیں.......... پھر فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (اور ہر ایک کے لیے اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے مختلف درجات ہیں) ثواب والوں کے بھی مختلف درجات ہیں اور عقاب والوں کے بھی، اور جس نے جو کچھ کیا اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے جزا اور سزا پالے گا۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○ (اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو وہ کرتے ہیں) اس میں یہ بات بتا دی کہ حساب لینے والا اور جزا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے علم سے کسی کا کوئی عمل باہر نہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میرے سارے اعمال کا بدلہ کیسے ملے گا۔ کسے خبر ہے کہ میں نے کیا کیا کیا؟ خوب سمجھ لیں کہ جسے جزا دینا ہے اسے سب کچھ معلوم ہے۔

اللہ تعالیٰ غنی ہے رحمت والا ہے.......... پھر فرمایا وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ (تیرا رب غنی ہے بے نیاز ہے، رحمت والا ہے) اسے کسی چیز کی اور کسی کے عمل کی حاجت نہیں۔ ہاں! ساری مخلوق اس کی محتاج ہے وہ اپنی مخلوق پر رحم کرتا ہے اس نے مخلوق کو وجود بھی بخشا، ان کو رزق بھی بخشتا ہے اور انکی حاجتیں بھی پوری فرماتا ہے، دنیا میں تو سب ہی پر اس کی رحمت ہے اور آخرت میں اہل اطاعت کے لیے مخصوص ہے۔

اللہ چاہے تو تمہیں ختم کر کے دوسرے لوگوں کو لے آئے.......... اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ (اگر پروردگار عالم جل مجدہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور تمہارے بعد دوسروں کو اپنی زمین پر آباد فرما دے) كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ○ (جیسا کہ اس نے تمہیں ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا فرما دیا) آج وہ تمہارے دادے پردادے کہاں ہیں جن کی نسل سے تم ہو۔ جس طرح تدریجی طور پر پرانی ایک نسل کے بعد دوسری نسل لانے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اسی طرح سے وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ دفعتاً سب کو ختم کر دے پھر اس کی جگہ دوسروں کو آباد کر دے وہ تو بے نیاز ہے تم تو بے نیاز نہیں ہو تم اپنی بقا میں اس کے محتاج ہو اور حاجات پوری کرنے کے لیے تمہیں اس کی رحمت کی ضرورت ہے۔

دنیا میں بھی تم اس کے محتاج ہو اور موت کے بعد بھی۔ لہٰذا اپنی ضرورت سے ایمان قبول کرو اور اعمال صالحہ اختیار کرو۔

قیامت ضرور آنے والی ہے.......... پھر فرمایا اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ (بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور آنے والی چیز ہے) یعنی قیامت اور حساب و کتاب اور عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کی جو خبریں تمہیں دی جا رہی ہیں اور تمہیں جو یہ بتایا جا رہا ہے کہ مؤمنین کی جزا ہے اور کافروں کی یہ سزا ہے یہ سب کچھ ہونے والا ہے سامنے آ جانے والا ہے۔ دیر لگنے کی وجہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ یونہی باتیں ہیں۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ (اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے) اور موت سے اور قیامت کے دن پیش آنے والے حالات سے جان

چھپا کر نہیں جا نہیں سکتے۔ سورۂ مریم میں فرمایا لَقَدْ اَحْصٰھُمْ وَ عَدَّھُمْ عَدًّا ۝ وَ کُلُّھُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ۝ (اللہ تعالیٰ نے سب کو خوب اچھی طرح شمار میں رکھا ہے اور سب اس کے پاس ایک ایک ہو کر حاضر ہوں گے) بہت سے جاہل قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ ہزاروں سال ہو گئے اب تک تو قیامت آئی نہیں یہ احمقانہ بات ہے خالق و مالک جل مجدہٗ کا وعدہ سچا ہے اس کے علم میں اس کا وقت مقرر ہے وہ اپنے وقت مقررہ پر آئے گی۔ کسی چیز کے وجود میں آنے میں دیر لگنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود نہ ہوگا۔

اپنی اپنی جگہ عمل کرتے رہو انجام کا پتہ چل جائے گا .... پھر فرمایا قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ (آپ فرما دیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں بھی اپنے طور پر عمل کرتا ہوں) میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ کفر و شرک کا انجام برا ہے اس وقت تم نہیں مانتے فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ (سو عنقریب تم جان لو گے کہ اس عالم میں انجام کار کس کے لئے نفع مند ہوا) جب آنکھیں میچیں گی اس وقت آنکھیں کھلیں گی کہ نفع والا ہم اپنے کو سمجھ رہے تھے لیکن اب پتہ چلا کہ نفع والے ایمان اور اعمال صالحہ والے تھے لیکن وہاں سمجھ میں آنا بے فائدہ ہوگا اسی دنیا میں سمجھ لیں اور ایمان لے آئیں تو نفع والے ہو جائیں اور آخرت کے خسارہ سے بچ جائیں گے۔

ظالم کامیاب نہیں ہوتے .... اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (بلاشبہ بات یہ کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے) اس میں قاعدہ کلیہ کے طور پر بتا دیا کہ ظالمین یعنی کافر، مشرک کامیاب نہ ہوں گے۔ کفر و شرک والے سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے فائدہ میں ہیں لیکن وہ حقیقت میں نقصان میں جا رہے اور خسارے میں پڑ رہے ہیں قیامت کے دن جب تباہ حال ہوں گے اسی وقت حقیقت حال کا پتہ چلے گا۔

کیا جنات میں سے رسول آئے ہیں؟ .... فائدہ آیت شریفہ میں یہ جو فرمایا اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں بھی رسول انہی میں سے آتے رہے ہیں کیونکہ یہ خطاب انسانوں اور جنوں دونوں جماعتوں کو فرمایا ہے۔

حضرات مفسرین نے اس بارے میں علماء سلف کے مختلف اقوال نقل کئے۔ مفسر ابن کثیر نے ص ۱۷۷ ج ۲ بحوالہ ابن جریر، ضحاک بن مزاحم سے نقل کیا ہے کہ جنات میں بھی رسول گذرے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کا استدلال اسی آیت کریمہ سے ہے پھر لکھا کہ آیت اس معنی میں صریح نہیں ہے ہاں محتمل ہے۔ کیونکہ مِنْكُمْ کا معنی مِن جُملتكم بھی ہو سکتا ہے جس کا معنی ہوگا کہ مجموعہ انس و جن سے رسول بھیجے گئے جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں فرمایا یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ اس میں مِنْهُمَا کی ضمیر بحرین کی طرف راجع ہے۔ حالانکہ لؤلؤ اور مرجان صرف شور سمندر سے نکلتے ہیں۔ اس اعتبار سے مِنْهُمَا یعنی مِنْ جملتهما ہوا اور رُسُلٌ مِّنْكُمْ سے بھی یہ معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

مفسر ابن کثیر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جنات میں رسول نہیں آئے اور اس قول کو مجاہد اور ابن جریج وغیرہ واحد من السلف والخلف کی طرف منسوب کیا ہے اور روح المعانی ص ۲۸ ج ۸ میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ رُسُلٌ مِّنْكُمْ میں جو لفظ رُسل آیا ہے یہ لفظ عام ہے یعنی حقیقی رسولوں کو اور رسولوں کے رسولوں کو شامل ہے، مطلب یہ ہے کہ جو حضرات اللہ کے رسول تھے (ﷺ) وہ اپنے طور پر دین حق کے پہنچانے کے لیے جن افراد کو امتوں کے پاس بھیجا کرتے تھے ان کو بھی رسول فرمایا یعنی جنات کی طرف جنات میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو مبلغ بھیجا کرتے تھے ان پر یہ لفظ رسولوں کا فرستادہ ہونے کے اعتبار سے صادق آتا ہے، رسول تو بنی آدم ہی میں سے تھے لیکن رسولوں کے ارسال فرمودہ نمائندے جنات میں سے بھی تھے۔

یہ تو معلوم ہے کہ بنی آدم سے پہلے اس دنیا میں جنات رہتے اور بستے تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ قوم بھی احکام خداوندی کی

مکلف ہے۔ جب یہ قوم مکلف ہے تو تبلیغ احکام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس رسول نہ بھیجے ہوں سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ○ کا عموم اس بات کو بتاتا ہے کہ بنی آدم سے پہلے جنات میں انہیں میں سے رسول آتے ہوں گے۔
بنی آدم کے زمین پر آباد ہو جانے کے بعد جنات کو انہیں انبیاء اور رسل کے تابع فرما دیا ہو جو بنی آدم میں سے آتے رہتے تو یہ ممکن تو ہے لیکن قطعی ثبوت کے لیے کوئی دلیل نہیں۔

بہر حال جو بھی صورت ہو اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خاتم النبیین سرور دو عالم ﷺ رسول الثقلین ہیں اور رہتی دنیا تک جس طرح انسانوں کی طرف مبعوث ہیں جنات کی طرف بھی مبعوث ہیں۔

سورۂ احقاف کے آخر رکوع میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں جنات کی حاضری کا تذکرہ پھر ان کا اپنی قوم کی طرف جانا اور ان کو اسلام کی دعوت دینا اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ مذکور ہے۔

اور سورۃ الرحمٰن میں جنات سے بار بار خطاب ہونا اور آنحضرت ﷺ کا جنات کو سورۃ الرحمٰن سنانا اور ان کی دعوت پر ان کی جائے سکونت پر تشریف لے جا کر تعلیم دینا۔ اور تبلیغ فرمانا (جس کا احادیث شریف میں ذکر ہے) اس سے یہ بات خوب ظاہر اور بہت واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ جنات کی طرف بھی مبعوث ہیں جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ بنی آدم کے دنیا میں آباد ہو جانے کے بعد جنات کی ہدایت کے لیے بھی وہی رسول مبعوث تھے جو بنی آدم کی طرف بھیجے گئے ان کے اس قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ جب جنات کی جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر واپس ہوئی تو انہوں نے اپنی قوم سے جو باتیں کیں ان میں یہ بھی تھا۔ يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ان کا اپنی قوم سے یہ کہنا کہ ہم نے ایسی کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس کے سامنے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنات توریت شریف پر عمل کرتے تھے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں خود ان میں سے کوئی رسول ہوتا تو وہ اسی کا اتباع کرتے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا

اور ان لوگوں نے اللہ کے لیے ایک حصہ کھیتیوں اور مویشیوں میں سے مقرر کر دیا جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں، سو انہوں نے اپنے خیال سے

لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا

یوں کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے سو جو ان کے معبودوں کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا

كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور جو اللہ کے لیے ہے سو وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے یہ لوگ برا فیصلہ کرتے ہیں۔

مشرکین نے کھیتیوں اور جانوروں کو شرک کا ذریعہ بنایا

مشرکین میں جو طرح طرح سے شرک پھیلا ہوا ہے۔ جسکی کئی صورتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اپنے شرکاء یعنی اپنے باطل معبودوں کے نام پر کچھ مال نامزد کر دیتے تھے۔ اور بہت سا مال ان پر بھینٹ کے طور پر چڑھاتے تھے انکے ناموں پر جانوروں کے

کان کاٹ دیتے تھے اور ان کے نام سے بہت سے جانوروں کو آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ مشرکین میں اب بھی ایسے طریقے رائج ہیں۔

آیت بالا میں مالیاتی سلسلہ کے ایک شرک کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے کھیتیاں اور مویشی پیدا فرمائے ہیں اور یہ سب اسی کی ملکیت ہے۔ مشرکین یہ کرتے تھے کہ ان میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کر دیتے تھے کہ اسے صرف مسکین اور محتاج اور مسافر کھائیں گے اور کچھ حصہ اپنے معبودانِ باطلہ کے لیے مقرر کر دیتے تھے۔ اس کے مصارف بھی انہوں نے تجویز کر رکھے تھے۔

اب ہوتا یہ تھا کہ جو حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا تھا اس میں کچھ حصہ اگر معبودانِ باطلہ کے حصہ میں مل گیا تو اسے تو ملا ہی رہنے دیتے تھے۔ اور اگر معبودان باطلہ والے حصہ میں کچھ حصہ اس حصہ میں مل جاتا جو اللہ کے لیے مقرر کیا تھا تو اسے جھٹ الگ کر لیتے تھے۔ پہلی حماقت اور ضلالت تو یہ کہ اللہ کے علاوہ معبود تجویز کر لئے پھر دوسری گمراہی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمودہ چیزوں میں بہت سا مال معبودانِ باطلہ کے لیے نامزد کر دیا۔ پھر تیسری گمراہی یہ کہ اپنے بتوں اور باطل معبودوں کو خالق و مالک جل مجدہٗ کے مقابلہ میں فضیلت دے دی کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ اگر ان کے حصہ میں مل جائے تو ملا ہی رہے .... اور ان کے لیے جو حصہ مقرر کر لیا تھا اس میں سے اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کچھ مل جائے تو فوراً جدا کر لیتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ٥ کہ یہ لوگ برا فیصلہ کرتے ہیں۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ امت حاضرہ کا بھی کچھ ایسا ہی طریقہ کار ہے کہ جو وقت عبادت ذکر و تلاوت کے لیے مقرر کرتے ہو اس وقت میں دنیوی کام تو کر لیتے ہو اور جو وقت دنیا کے لیے مقرر کیا ہے اس میں سے ذکر و تلاوت میں لگانے کو تیار نہیں ہوتے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ

اور اسی طرح مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے اولاد کا قتل کرنا مزین کر دیا تاکہ وہ ان کو ہلاک کر دیں اور تاکہ وہ ان پر ان کے

دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳۷ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ

دین کو رلا ملا دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ سو آپ ان کو اور جو کچھ وہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ یئے۔ اور ان لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق یوں کہا کہ یہ مویشی ہیں

وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا

اور کھیتی ہے جس پر پابندی ہے اس کو بس وہی لوگ کھائیں گے جن کو ہم چاہیں۔ اور کچھ جانور ایسے ہیں جن کی پشتیں حرام کی گئی ہیں۔ اور کچھ جانور ایسے

يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳۸ وَقَالُوْا

ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے عنقریب وہ انہیں سزا دے گا۔ بسبب اس کے کہ وہ افتراء کرتے ہیں، اور انہوں نے کہا

مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً

کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کیلئے خالص ہے اور ہماری بیویوں پر حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ اور اگر وہ مردار ہو تو وہ سب اس میں

فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۱۳۹ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا

شریک ہیں۔ سو وہ انہیں عنقریب اس بات کی سزا دے گا جو بیان کرتے ہیں، بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے، بے شک وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے

اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا

اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بغیر علم کے قتل کیا اور اللہ نے انہیں جو رزق عطا فرمایا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اسے حرام قرار دے دیا بے شک وہ لوگ گمراہ ہوئے اور

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

وہ ہدایت پر چلنے والے نہیں ہیں۔

مشرکین کا اپنی اولاد کو قتل کرنا اور کھیتوں اور جانوروں کے بارے میں اپنی طرف سے تحریم اور تحلیل کے قواعد بنانا

اس دنیا میں ہادئ عالم رحمۃ للعالمین ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے پوری دنیا جہالت، ضلالت، سفاہت کفر وشرک سے بھری ہوئی تھی۔ عرب کے لوگ مشرک بھی تھے اور جاہل بھی، ان میں جہالت اور جاہلیت دونوں پوری طرح جگہ پکڑے ہوئی تھی طرح طرح کی شرکیہ رسمیں نکال رکھی تھیں۔

جانوروں اور ان کے بچوں اور کھیتیوں کے بارے میں طرح طرح کے افعال قبیحہ میں مبتلا تھے اور یہ افعال اور رسوم انہیں شیاطین الجن اور شیاطین الانس نے سمجھا رکھی تھیں جن میں بعض کا ذکر فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ میں اور بعض کا ذکر مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں اور بعض کا ذکر مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ (الآیۃ) میں اور بعض کا ذکر آیت وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا میں گذر چکا ہے ان آیات میں بھی ان کے چند افعال قبیحہ اور رسوم ذمیمہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ بہت سے مشرکین کو ان کے شرکاء یعنی شیاطین نے اس پر آمادہ کر دیا کہ اپنی اولاد کو قتل کریں اور ان کے اس عمل کو ان کی نظر میں مزین اور مستحسن کر دیا۔ اہل عرب بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور رزق کی تنگی کے ڈر سے بھی اولاد کو قتل کر دیتے تھے جیسا کہ دو رکوع کے بعد یہ مضمون آرہا ہے۔

شیاطین نے ان کی نظروں میں اولاد کے قتل کرنے کو ایسا مزین کر دیا تھا کہ وہ اس عمل میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے اور ذرا سی بھی ممتا ان کے دل میں نہیں آتی تھی جو قتل اولاد سے مانع ہو۔ شیاطین نے ان کو اس کام پر ڈالا تاکہ ان کو برباد کریں اس میں سب سے بڑی بربادی یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کے مستحق ہوئے اور ایک طرح سے دنیاوی بربادی بھی ہے کیونکہ جب اولاد زندہ نہ چھوڑی جائے گی تو آئندہ نسلیں بھی نہ چلیں گی اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے اس میں نسل انسانی کی بربادی بھی ہے۔

لِيُرْدُوْهُمْ (تاکہ انہیں برباد کریں) کے ساتھ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ بھی فرمایا (تاکہ وہ ان پر ان کے دین کو رلا ملا دیں)

معالم التنزیل ص ۱۲۴ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ لیدخلوا علیهم الشک فی دینهم و کانوا علٰی دین اسماعیل علیه السلام فرجعوا منه بلبس الشیاطین۔ (تاکہ وہ انہیں اپنے دین کے بارے میں شک میں ڈالیں چنانچہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے شیطان کی تلبیس کی وجہ سے اس سے ہٹ گئے)

مطلب یہ ہے کہ ان کو شیاطین نے ان کے دین کے بارے میں شک میں ڈال دیا یہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے۔ شیاطین کی تلبیس کی وجہ سے اس دین کو چھوڑ بیٹھے۔ اس کے بعد مشرکین عرب کی ایک اور مشرکانہ حرکت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے

مویشیوں اور کھیتیوں کے بارے میں پابندیاں لگا رکھی تھیں وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں مویشی اور فلاں کھیتی کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں، وہ کہتے تھے کہ ان کو صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جو کو ہم چاہیں۔ اپنے خیال باطل کے موافق انہوں نے حرام حلال کے کچھ قوانین بنا رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو چیز سب کے لیے حلال فرمائی اس کو بعض کے لیے حرام قرار دے دینا ظلم اور تعدی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قوانین میں دخل دینا ہے اس کی قباحت بیان فرمائی .... مشرکین عرب نے یہ بھی کر رکھا تھا کہ بعض جانوروں کو سواری کے لیے استعمال کرنا حرام قرار دے رکھا تھا جس کی کچھ تفسیر آیت کریمہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ م بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ یہ لوگ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان پر سوار ہونے اور بار برداری کرنے کو حرام سمجھتے تھے اسی کو وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا میں بیان فرمایا۔

کچھ جانور ایسے بھی تھے۔ جن کے بارے میں انہوں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ جب ان کو ذبح کریں گے ان کے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیں گے اور ایسی باتوں کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ حالانکہ یہ سب ان کے اپنے خود تراشیدہ خیالات تھے اسی کو فرمایا۔ وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ پھر ان کی سزا کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ (اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب سزا دے گا اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں)

مشرکین عرب نے جو حرام حلال کے خود ساختہ قوانین بنا رکھے تھے ان میں سے یہ بھی تھا کہ بعض جانوروں کے پیٹوں میں جو حمل ہوتا تھا اس کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب بچہ زندہ پیدا ہو جائے اور اگر بچہ مردہ پیدا ہو جاتا تو کہتے کہ اس کو مرد عورت سب کھا سکتے ہیں۔ یعنی دونوں فریق کو اس کے کھانے کی اجازت ہے اس تحلیل اور تحریم کا قانون بھی انہوں نے خود ہی تجویز کر رکھا تھا جسے وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا ط میں بیان فرمایا۔ ان کے ان باطل خیالات کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ط اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ ط (وہ انہیں عنقریب اس بات کی سزا دے گا جو وہ بیان کرتے ہیں بے شک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے)

آخر میں فرمایا: قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًام بِغَيْرِ عِلْمٍ ط (بے شک خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بغیر علم کے قتل کیا) وَحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ (اور انہیں اللہ نے جو رزق عطا فرمایا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اسے حرام قرار دے دیا) قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ (بے شک یہ لوگ گمراہ ہوئے اور ہدایت پر چلنے والے نہیں ہیں) اوپر جو مشرکین کے شرکیہ خیالات اور رسوم و اعمال اور خرافات مذکور ہوئے آخر میں ان کی گمراہی اور اُخروی سزا کا اجمالی تذکرہ فرما دیا کہ یہ لوگ بالکل خسارہ میں پڑ گئے دنیا میں گمراہ ہوئے اور آخرت کے عذاب کے مستوجب ہوئے ان کا کوئی حق نہیں تھا کہ اپنی اولاد کو قتل کریں۔ گو یہ باپ تھے لیکن اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے۔ قتل کرنے والے اور مقتول بچے سب اسی کی ملکیت ہیں۔ قاتلین نے اللہ کی مخلوق کو ناحق قتل کرنے کا پاپ اپنے ذمہ لیا۔

نیز انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام قرار دیا اور اس تحریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ سب عذاب آخرت میں مبتلا ہونے کی باتیں ہیں۔

فائدہ .... لفظ شرکاء مشرکین کے معبودانِ باطلہ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے کیونکہ مشرکین نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اور عبادت میں شریک کیا (العیاذ باللہ) اور شیاطین الجن اور شیاطین الانس کو بھی شرکاء فرمایا ہے۔ جن کے کہنے پر مشرکین چلتے ہیں اور یہ سمجھتے

ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کرتے ہیں۔

سورۂ انعام میں ایک خطاب کا ذکر فرمایا جو مشرکین سے کیا جائے گا وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ط لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○ اور سورۂ یونس میں فرمایا وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○

قال البغوی فی معالم التنزیل سمیت الشیاطین شرکاء بانهم اطاعوهم فی معصیة الله واضیف الشرکاء الیهم لانهم اتخذوها ۔ (بغویؒ معالم التنزیل میں کہتے ہیں کہ شیاطین کو شرکاء اس لئے کہا کہ مشرکین نے اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کی تھی اور شرکاء کی نسبت مشرکین کی طرف اس لئے کی کہ مشرکین ہی نے انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تھا)۔

فائدہ.......... آیت بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ تمام اشیاء واجناس کی تحلیل وتحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اسی نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا اور ان کے لیے استمتاع اور انتفاع کے لیے مختلف اشیاء پیدا فرمائیں اسے اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہے جس کے لیے حلال قرار دے اور جس کے لیے چاہے حرام قرار دے۔ بندوں کو کسی چیز کے حرام یا حلال قرار دینے کا اختیار نہیں جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خدائی اختیارات کو اپنے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس مشرکانہ افعال میں شمار فرمایا اسمبلیوں میں قانونِ خداوندی کے خلاف جو لوگ قانون پاس کرتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں۔

اہل بدعت مشرکین کی راہ پر.......... مشرکین نے جو یہ تجویز کر رکھا تھا کہ فلاں چیز مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے حرام ہے اسی طرح کا رسم ورواج آج بھی بہت سے اہلِ بدعت میں پایا جاتا ہے۔ ایک بزرگ کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے جو نیاز دی جاتی ہے اس سے آپ منع کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ (قطع نظر اس بات کے کہ یہ بہت سی بدعات پر مشتمل ہے اور دوسری نیازوں کا بھی یہی حال ہے) اس میں جو یہ قانون ہے کہ اس میں سے لڑکے نہیں کھا سکتے صرف عورتیں ہی کھا سکتی ہیں یہ وہی پابندی ہے جو مشرکین عرب نے جانوروں کے بارے میں تجویز کر رکھی تھی جو چیز اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے حلال کی اس کو بعض کے لیے حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کے قانون کی سخت خلاف ورزی ہے اور شرک ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ

اور وہ وہی ہے جس نے باغیچے پیدا فرمائے جو چڑھائے جاتے ہیں چھپریوں پر، اور ایسے بھی ہیں جو چھپریوں پر نہیں چڑھائے جاتے، اور پیدا فرمائے کھجور کے درخت اور کھیتی جس میں

مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا

مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہیں اور پیدا فرمایا زیتوں کو اور انار کو جو ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور غیر مشابہ بھی ہیں۔ کھاؤ ان کے پھلوں سے جبکہ پھل لائیں اور کٹائی کے

حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً

دن اسکا حق دے دو اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا اور اس نے چوپاؤں میں سے ایسے جانور پیدا فرمائے جو بوجھ اٹھانے

وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

والے ہیں، اور ایسے جانور بھی جو زمین سے لگے ہوئے ہیں۔ اللہ نے جو تمہیں عطا فرمایا اس میں سے کھاؤ، شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

باغات اور کھیتیاں اور چوپائے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات ہیں

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے ان انعامات کا تذکرہ بیان فرمایا جو اپنی مخلوق پر پھلوں اور کھیتیوں کے ذریعے فرمائے ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے باغ پیدا فرمائے کچھ باغ ایسے ہیں جو معروشات ہیں یعنی ان کی بیلیں جو چھپریوں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ جیسے انگوروں کی اور بعض سبزیوں کی بیلیں، اور بہت سے باغ ایسے ہیں جن کی شاخیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں۔ اس دوسری قسم میں کچھ درخت ایسے ہوتے ہیں جن کا تنا ہوتا ہے ان کی بیل ہی نہیں ہوتی جیسے زیتون، انار، انجیر، کھجور، آم اور جیسے گیہوں وغیرہ جو اپنے مختصر سے تنے پر کھڑے رہتے ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی بیلیں تو ہوتی ہیں لیکن انہیں چھپریوں پر چڑھایا نہیں جاتا جیسے کدو، خربوزہ، تربوزہ وغیرہ اللہ تعالیٰ نے کسی درخت کو تنے والا بنایا اور کسی کو بیل والا اس سب میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

جو سبزیاں بیل والی ہیں عموماً وہ بھاری ہوتی ہیں جیسے تربوز خربوزہ۔ کھیتی کے بارے میں فرمایا: وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ کہ اللہ تعالیٰ نے کھیتی پیدا فرمائی جس میں طرح طرح کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ہی آب و ہوا اور ایک ہی زمین سے نکلنے والے غلوں میں کئی قسم کا تفاوت ہوتا ہے پھر انکے فوائد اور خواص اور ذائقے بھی مختلف ہیں۔ صاحب معالم التنزیل ص ۱۳۵ ج ۲ پر لکھتے ہیں: **ثمرہ وطعمہ منها الحلو والحامض والجید والردی.**

یعنی کھیتیوں کے پھل مختلف ہیں کوئی میٹھا ہے، کوئی کھٹا ہے، کوئی بڑھیا ہے، کوئی ردی ہے۔ پھر فرمایا وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے زیتون اور انار پیدا فرمائے ان میں سے ایک جنس کے پھل دیکھنے میں دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن مزے میں متشابہ نہیں ہوتے رنگ ایک اور مزہ مختلف ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ الخ کہ اس کے پھلوں میں سے کھاؤ۔ جب وہ پھل لائے۔ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ اور کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس حق سے پیداوار کی زکوٰۃ مراد ہے جو بعض صورتوں میں عشر یعنی ۱/۱۰ اور بعض صورتوں میں نصف العشر ۱/۲۰ واجب ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ آیت کریمہ مکیہ ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی اس لئے اس سے زکوٰۃ کے علاوہ محتاجوں پر خرچ کرنا مراد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ شروع میں کھیتی کاٹنے کے وقت غیر معین مقدار غریبوں کو دینا واجب تھا۔ پھر یہ وجوب زکوٰۃ کی فرضیت سے منسوخ ہو گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مذکورہ بالا آیت مدنیہ ہے (اگرچہ سورۃ مکیہ ہے) اس صورت میں پیداوار کی زکوٰۃ مراد لینا بھی درست ہے۔ (من روح المعانی ص ۳۸ ج ۸)

پیداوار کی زکوٰۃ کے مسائل سورۂ بقرہ کی آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

پھر فرمایا وَلَا تُسْرِفُوْا (اور حد سے آگے مت بڑھو) بے شک حد سے آگے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا) عربی میں اسراف حد سے آگے بڑھنے کو کہتے ہیں۔ عام طور پر سے اس لفظ کا ترجمہ فضول خرچی سے کیا جاتا ہے اور چونکہ اس میں بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے اس لیے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

اور فضول خرچی کے علاوہ جن افعال اور اعمال میں حد سے آگے بڑھا جائے ان سب کے بارے لفظ اسراف مستعمل ہوتا ہے۔ اگر

سارا ہی مال فقراء کو دے دے اور تنگ دستی کی تاب نہ ہو تو یہ بھی اسراف میں شمار ہوتا ہے۔

صاحب روح المعانی نے ص ۳۸ ج ۸ پر حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے ایک دن کھجوروں کے باغ میں پھل توڑے اور کہنے لگے کہ آج جو بھی شخص آئے گا اسے ضرور دے دوں گا، لوگ آتے رہے اور یہ دیتے رہے حتی کہ شام کے وقت ان کے پاس کچھ بھی نہ بچا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

حضرت ابو مسلم نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کٹائی سے پہلے پیداوار میں سے مت کھاؤ کیونکہ اس سے فقراء کے حق میں کمی آئے گی۔ حضرت ابن شہاب زہری نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ پیداوار کو گناہوں میں خرچ نہ کرو۔ پھر اس انعام کو ذکر فرمایا جو انسانوں پر مویشیوں کے ذریعہ فرمایا ہے اول تو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ جانور ایسے پیدا فرمائے جو حمولہ ہیں یعنی بار برداری کا کام کرتے ہیں اور ان کے قد بھی بڑے ہیں اور دوسری قسم کے جانور وہ ہیں جن کے قد چھوٹے ہیں گویا کہ وہ زمین پر بچھے ہوئے ہیں ان پر بوجھ نہیں لادا جا سکتا۔ جیسے کہ بھیڑ بکری اور دنبہ، ان چھوٹے قسم کے جانوروں پر سامان تو نہیں لادا جا سکتا لیکن ان کے دوسرے فائدے ہیں۔ ان کا دودھ پیا جا سکتا ہے گوشت کھایا جاتا ہے۔ اور بڑے جانوروں کی نسبت ان کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اور ان کے بالوں سے اوڑھنے پہننے اور بچھانے کے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا:

كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (اللہ نے جو رزق دیا ہے اسے کھاؤ) اور اللہ کے قانون میں دخل نہ دو۔ جو اللہ کی شریعت میں حلال ہے اسے حلال رہنے دو۔ اور جو حرام ہے اسے حرام رہنے دو اور اپنے باپ دادوں کی طرح شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو) جانوروں اور کھیتیوں کے سلسلہ میں جو انہوں نے رسوم قبیحہ شرکیہ نکال رکھی تھیں انہیں اختیار مت کرو۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

آٹھ طرح کے نر اور مادہ پیدا فرمائے کیا بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو، آپ فرمایئے کہ اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام

الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

قرار دیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہوں، تم مجھے کسی دلیل سے بتاؤ اگر سچے ہو،

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ

اور اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو پیدا فرمائے آپ فرمایئے! کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام قرار دیا ہے یا دونوں مادہ

عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ کیا تم حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں اس کی وصیت فرمائی۔ سو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جس

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع ۱۷

نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا، تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں بتاتا۔

جانوروں کی آٹھ قسمیں ہیں ان میں مشرکین نے اپنے طور پر تحریم اور تحلیل کر دی

مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے ان جانوروں کی آٹھ قسمیں پیدا فرمائیں جنہیں تم استعمال کرتے ہو جن کا دودھ پیتے ہو، گوشت کھاتے ہو۔ ان میں سے دو قسمیں بھیڑ سے پیدا فرمائیں یعنی نر اور مادہ، اور دو قسمیں بکری سے پیدا فرمائیں یعنی نر اور مادہ، اور دو قسمیں اونٹ کی پیدا فرمائیں یعنی نر اور مادہ، اور دو قسمیں گائے کی پیدا فرمائیں۔ یعنی نر اور مادہ اب ان جانوروں کی تحلیل و تحریم تم نے اپنے پاس سے کر لی تم نے کوئی شرط اور قید لگا کر نروں کو حرام قرار دے دیا۔ کبھی ان کے جوڑوں یعنی مادہ جانوروں کو حرام قرار دے دیا۔ پھر اپنی اس حرکت کو اللہ جل شانہٗ کی طرف منسوب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ تحلیل اور تحریم اللہ کی طرف سے ہے۔ بتلاؤ اللہ نے ان کے نروں کو حرام قرار دیا ہے یا ان کی مادوں کو یا اس چیز کو جس پر مادوں کے رحم مشتمل ہوتے ہیں یعنی نر اور مادہ دونوں کو اس تحریم کی نسبت تم نے اللہ کی طرف کیسے کی؟ اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل لاؤ، کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیان کے مطابق ان کو حرام قرار دیا اور تم سے فرمایا کہ یہ چیزیں حرام ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہ اللہ نے ان کو حرام قرار دیا اور نہ تمہارے پاس اس کی دلیل ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بتایا ہے کہ یہ چیز تم پر حرام ہے۔ تم نے خود ہی شرطیں اور قیدیں لگا کر بعض جانوروں کو بعض صورتوں میں بعض افراد کے لیے حرام قرار دیا اور ساتھ ہی اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بولے؟ یہ جھوٹا شخص بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو صریح ظلم ہے، اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو آخرت میں جنت کی راہ نہیں دکھائے گا کیونکہ دنیا میں کفر اختیار کر کے دوزخ کے مستحق ہو گئے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا

آپ فرما دیجئے جو کچھ میری طرف وحی بھیجی گئی میں اس میں کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ سوائے اس کے کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا

مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ

گوشت ہو۔ کیونکہ بلاشبہ وہ ناپاک ہے یا ایسی چیز کو حرام پاتا ہوں جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو سو جو شخص حالت اضطراری میں ہو اس حال میں کہ باغی

وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ

اور حد سے آگے بڑھنے والا نہیں سو تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا اور گائے اور بکری میں

وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ

سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیاں حرام کر دیں۔ سوائے اسکے جو ان کی پشت پر یا انکی آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا جو ہڈی کے ساتھ مل جائے یہ ہم نے انکی بغاوت کی وجہ سے انکو جزا دی۔

ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ

اور بے شک ہم سچے ہیں۔ سو اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔

وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور اس کا عذاب مجرموں سے نہیں ٹالا جائے گا۔

کیا کیا چیزیں حرام ہیں

مشرکین عرب نے جانوروں کے کھانے پینے اور استعمال کرنے میں جو اپنی طرف سے تحریم وتحلیل کا معاملہ کرلیا تھا جس کا اوپر کی آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔اس کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے رب نے میری طرف جو وحی بھیجی ہے میں اس میں صرف ان چیزوں کو حرام پاتا ہوں۔

اول: مردار (جو جانور خود اپنی موت سے مرجائے)

دوم: دم، مسفوح یعنی بہنے والا خون (یہ قید اس لئے لگائی کہ ذبح شرعی کے بعد جو خون گوشت میں لگا رہ جاتا ہے اس کا کھانا جائز ہے۔ نیز تلی اور جگر کا کھانا جائز ہے، یہ دونوں اگرچہ خون ہیں لیکن منجمد ہونے کی وجہ سے دم مسفوح نہیں رہے)

سوم: خنزیر کا گوشت۔اس کے بارے میں فَاِنَّهٗ رِجْسٌ فرمایا کہ وہ پورا کا پورا بجمیع اجزائہ ناپاک ہے۔اس کا گوشت چربی ہڈی بال کوئی چیز بھی پاک نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نجس العین ہے اس لئے ذبح کردینے سے بھی اس کی کوئی چیز پاک نہ ہوگی۔ برخلاف دوسرے جانوروں کے اگر وہ بلا ذبح بھی مرجائیں تب بھی ان کے بال اور ہڈی پاک ہیں۔

چہارم: وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ چار چیزوں کی حرمت بیان فرما کر حالت اضطراری میں ذرا سا کھا لینے کی اجازت دے دی جس سے دو چار لقمے کھا کر وقتی طور پر جان بچ جائے اور وہاں سے اٹھ کر حلال کھانے کی جگہ تک پہنچ سکے۔

ان چیزوں کی توضیح اور تشریح سورۂ بقرہ کی آیت اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ ط (رکوع ۲۱) اور سورۂ مائدہ کی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (رکوع اوّل) کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

آیت بالا میں یہ بتایا ہے کہ کسی چیز کی حرمت وحلت کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوسکتا ہے اور وحی صرف انبیاء کرام علیہم السلام پر ہی آتی تھی۔ آنحضرت ﷺ آخر الانبیاء تھے۔اس لئے اللہ کی وحی کا انحصار صرف آپ پر ہو گیا اور آپ پر اس وقت تک جو وحی آئی تھی اس کے موافق صرف مذکورہ بالا چار چیزیں حرام تھیں بعد میں دوسری چیزوں کی حرمت بھی نازل ہوئی جو سورۂ مائدہ میں مذکور ہیں۔

حلت اور حرمت کا اصول اجمالی طور پر سورۂ اعراف میں يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ فرما کر بیان فرما دیا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص آیت بالا سے یہ استدلال نہیں کرسکتا کہ مذکورہ بالا چار چیزوں کے علاوہ باقی سب حلال ہیں کیونکہ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اور اس کے بعد بہت سے احکام نازل ہوئے۔

یہودیوں پر ان کی بغاوت کی وجہ سے بعض چیزیں حرام کر دی گئی تھیں............ پھر بعض ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا جو یہودیوں پر حرام کر دی گئی تھیں اور امت محمدیہ کے لیے حلال ہیں۔ان حرام کردہ چیزوں میں اول تو وہ جانور تھے جو ناخن والے ہیں۔ناخن والے جانوروں سے وہ جانور مراد ہیں جن کا پنجہ یا کھر پھٹا ہوا نہ ہو۔جیسے اونٹ اور شتر مرغ، مرغابی اور بطخ۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت قتادہؒ اور حضرت مجاہدؒ نے اس کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔اونٹ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ ملت ابراہیمیہ میں یہ حلال تھا پھر حضرت اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کو اپنے نفس پر حرام قرار دے دیا تھا۔ پھر روایتی طور پر ان کی اولاد میں اونٹ کی حرمت چلی آئی۔

پھر شریعتِ موسویہ میں بھی بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام رہا قال النسفی فی المدارک فلما نزلت التورا ة علی موسٰی حرم علیهم فیها لحوم الابل والبانها لتحریم اسرائیل ذالک علی نفسه. (راجع تفسیر قوله تعالیٰ

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِ يْلَ الآية) (تفسیر مدارک میں علامہ نسفی فرماتے ہیں پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی تو اس میں بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کردیا گیا تھا کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ چیزیں اپنے اوپر حرام کی تھیں) پھر فرمایا وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَا (قيل جمع حاوية كزاوية و زوايا ووزنه فواعل. واصله حواوى فقلبت الواوالتى هى عين الكلمة همزة لا نها ثانى حرفى لين. اكتنفامدة مفاعل ثم قلبت الهمزة المكسورة ياء ثم فتحت لثقل الكسرة على الياء فقلبت الياء الاخيرة الفالتحركها بعد فتحة فصارت حوايا اوقلبت الواوهمزة مفتوحة ثم الياء الاخيرة الفاثم الهمزة ياء لوقوعها بين الفين كما فعل بخطايا. (بعض نے کہا حوایا۔ حاویۃ کی جمع ہے جیسے زوایا، زاویۃ کی جمع ہے بروزن فواعل اور اصل میں حواوی تھا پھر واو جو عین کلمہ ہے اسے ہمزہ سے تبدیل کیا گیا کیونکہ وہ لین کا دوسرا حرف ہے تو اس طرح وہ مدہ بن گیا۔ پھر ہمزہ مکسورہ کو یاء سے تبدیل کیا پھر آخری یاء کو متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے تبدیل کیا تو وہ حوایا بن گیا یا واو کو ہمزہ مفتوحہ سے تبدیل کیا پھر آخری یاء کو الف سے تبدیل کیا پھر دو الفوں کے درمیان ہونے کی وجہ سے یاء کیا گیا جیسا کہ خطایا کے ساتھ کیا گیا) (ذکرہ صاحب الروح ص ۴۸ ج ۸)) اَوْمَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ۔ گایوں اور بکریوں کا گوشت تو یہودیوں کیلیے حلال تھا البتہ ان کی چربیاں حلال نہ تھیں۔ صرف وہ چربی حلال تھی جو ان کی پشت پر ہو یا ان کی آنتوں میں لگی ہوئی ہو یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ۔ کہ ہم نے ان کو یہ سزا ان کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے دی وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ٥ اور بلاشبہ ہم سچے ہیں یہ مضمون سورۂ نساء میں بھی گذر چکا ہے² وہاں ارشاد ہے فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ (سو ہم نے یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ان پر حرام کردیں پاکیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کرنا اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنا پاکیزہ چیزوں سے محرومی کا سبب ہے یہودیوں پر تو تشریعی طور پر پاکیزہ چیزیں حرام کردی تھیں لیکن خاتم النبیین ﷺ پر نبوت ختم ہوجانے کی وجہ سے اب تشریعی طور پر کوئی حلال چیز حرام نہیں ہوسکتی لعدم احتمال النسخ البتہ تکوینی طور پر طیبات سے محرومی ہوسکتی ہے۔ اور ہوتی رہتی ہے۔ جس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اس کے اسباب مختلف بن جاتے ہیں۔ اسکے بعد فرمایا فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ط یعنی اگر وہ آپ کی تکذیب کریں اور تکذیب کے لیے بہانہ بنائیں کہ اگر آپ سچے ہیں اور ہم مجرم ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب کیوں نہیں آتا تو آپ ان کو جواب دے دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہتا ہے عذاب بھیجتا ہے اس کی طرف سے سزا دینے میں ڈھیل دیا جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ تمہارا مؤاخذہ نہ ہوگا۔ جب اس کا عذاب آتا ہے تو وہ ٹالا نہیں جاسکتا۔ مجرمین جب گرفتار عذاب ہوتے ہیں تو ان کا چھٹکارہ نہیں ہوتا۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ط

جن لوگوں نے شرک کیا وہ عنقریب یوں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے،

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ط قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ

اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا۔ آپ فرما دیجئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے۔ سو تم اسے

فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ط اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ

ہمارے سامنے ظاہر کرو۔ تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور صرف اٹکل سے باتیں کرتے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے لیے ہے

الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ

حجت بالغہ۔ سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ آپ فرما دیجئے کہ لے آؤ اپنے گواہوں کو جو اس بات کی گواہی دیتے ہوں کہ بے شک

اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا۔ سو اگر وہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں، اور آپ ان لوگوں کی خواہش کا اتباع نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع

اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

مشرکین کی کٹ حجتی

انسان کا کچھ ایسا مزاج ہے کہ گناہ بھی کرتا ہے اور اس کے ساتھ حجت بازی بھی، اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی رائے اور اپنی طبیعت کے مطابق کام بھی کرتا رہوں اور جو شخص گناہگاری پر تنبیہ کرے جواب دے کر اس کا منہ بھی بند کر دوں، اور اس کے لیے طرح طرح کی دلیلیں تراشتا ہے اور حجتیں نکالتا ہے۔ مشرکین کو جب بتایا گیا کہ تم خالق و مالک جل مجدہٗ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ حالانکہ وہی خالق و مالک اور رازق ہے اور تم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تحریم کی رسمیں جاری کرتے ہو اور حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہو تو اس کے جواب میں مشرکین نے یہ حجت نکالی کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے۔ ہم نے اور ہمارے باپ دادوں نے جو شرک کیا اور جو حلال چیزوں کو حرام قرار دے دیا یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوا، اگر وہ ہمارے اس عقیدہ و عمل سے ناراض ہوتا تو ہمیں کیوں کرنے دیتا۔

ان کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ان عقائد اور اعمال سے ناراض ہے تو ہمیں ان کاموں کو کرنے ہی نہ دیتا۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے حجت نکالی اور رسولوں کی تکذیب کی یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھ لیا اسی طرح یہ لوگ بھی تکذیب کر رہے ہیں ان کو بھی عذاب کا منتظر رہنا چاہیے۔

ان لوگوں نے جو اپنے عمل اور عقیدہ کے بارے میں دلیل دی ہے کہ اللہ راضی نہ ہوتا تو ہمیں شرک پر کیوں قائم رہنے دیتا اس کے جواب میں فرمایا۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا (آپ فرما دیجئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے تم ہمارے لیے ظاہر کرو) یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے جس پر تمہاری حجت کی بنیاد ہو۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو۔ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ اور اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ تم اٹکل سے بات کرتے ہو۔

یہ جو تم نے دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوتا تو ہمیں دین شرک پر کیوں قائم رہنے دیتا اور ہم اپنی طرف سے چیزوں کو کیوں حرام قرار دیتے؟ یہ دلیل جاہلانہ ہے محض تمہارا ایک خیال ہے اور محض ایک اٹکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا میں ابتلاء اور امتحان کے لیے بھیجا اور امتحان اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ عمل کرنے والوں کو احکام دے دیئے جائیں اور اوامر و نواہی پہنچا دیئے جائیں ان کو عمل کرنے کا اختیار بھی ہو اور نہ کرنے کا بھی۔ اگر انسان کو تکوینی طور پر مجبور کر دیا جاتا کہ خواہی نخواہی فلاں عمل ضرور ہی کرے اور عمل کرنے نہ

کرنے کا اختیار نہ ہوتا بلکہ عمل کرنے پر مجبور ہوتا تو ابتلاء اور امتحان کیسے ہوتا؟

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ ہوا کہ اس نے عقل اور ہوش دے دیا عمل کرنے کی قوت دے دی اور کرنے نہ کرنے کا اختیار بھی دے دیا۔ اب جو شخص شرک اختیار کرتا ہے اور اپنے پاس سے تحلیل وتحریم کرتا ہے وہ اپنے اختیار سے کرنے کی وجہ سے ماخوذ ہے۔ ہوتا تو سب کچھ اللہ کی مشیت وارادہ سے ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ وجود میں آئے اللہ اس سے راضی بھی ہے۔ راضی ان اعمال سے ہے جن کے بارے میں اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ صاف صاف بتادیا کہ یہ عقائد اور اعمال میری رضا کے ہیں، جو عقائد غلط ہیں اور جو افعال ممنوع ہیں وہ ان سے راضی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حجت بالغہ ہے .... پھر فرمایا قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (آپ فرما دیجئے! کہ اللہ ہی کے لیے حجت بالغہ ہے) یعنی اللہ ہی کی حجت پوری ہے اور تمہاری کٹ حجتی غلط ہے۔

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر لے آتا) لیکن چونکہ حق اور باطل دونوں کے وجود میں آنے اور باہمی ایک دوسرے کے مقابل چلنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں اس لئے اس نے ایصال الی المطلوب والی ہدایت سے سب کو نہیں نوازا، البتہ راہ حق بتانے والی ہدایت سب کے لیے عام ہے۔

پھر فرمایا قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا (آپ فرما دیجئے کہ اپنے گواہوں کو لے آؤ جن کا تم اتباع کرتے ہو اور جن کی باتوں پر چلتے ہو اور ان سے کہو کہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ چیزیں جو تم نے حرام قرار دے رکھی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے لیکن وہ گواہی نہیں دے سکتے۔

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ۔ سو بالفرض اگر یہ لوگ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیجئے۔ یعنی ان کی تصدیق نہ کیجئے کیونکہ ان کی گواہی محض جھوٹ ہوگی وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ○ (آپ ان لوگوں کی خواہش کی اتباع نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں) اس میں اپنی خواہشوں کا اتباع کرنے والوں کا یعنی کافروں اور مشرکوں کے اتباع سے منع فرمایا۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ

آپ فرما دیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر بتاؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں، یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا

اپنے والدین کے ساتھ احسان کرو، اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم تم کو رزق دیں گے اور ان کو بھی، اور مت قریب جاؤ

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ

بے حیائی کے کاموں کے جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور مت قتل کرو اس جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا مگر حق کے ساتھ۔

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اسی طریقہ سے جو اچھا ہو۔ یہاں تک

يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا

کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ اور جب تم

قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

بات کرو تو انصاف کرو اگر چہ وہ تمہارا قرابت دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ

تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور بلاشبہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کا اتباع کرو۔ اور مت اتباع کرو دوسرے راستوں کا سو وہ راستے تمہیں

بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں تاکیدی حکم دیا تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

دس ضروری احکام

معالم التنزیل ص ۱۴۰ ج ۲ میں لکھا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں وہ بتایئے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا الآية.

ان آیات میں دس چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں بعض اوامر ہیں اور بعض نواہی ہیں جن چیزوں کو بہ صورت امر بیان فرمایا چونکہ ان کے مقابل چیزیں حرام ہیں اس لئے یوں فرمایا کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں

(۱) اوّل یہ فرمایا کہ اپنے رب کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۲) یہ کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(۳) اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو (عرب کے بے رحم جاہل اپنی اولاد کو دو وجہ سے قتل کر دیتے تھے۔ اول اس لیے کہ یہ بچے کہاں سے کھائیں گے؟ ان کو ساتھ کھلانے سے تنگ دستی آ جائے گی یہ نہیں سمجھتے تھے کہ رازق اللہ تعالیٰ شانہٗ ہے وہ خالق بھی اور رازق بھی ہے اس نے پیدا کیا تو رزق بھی دے گا اسی کو فرمایا نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ کہ ہم تمہیں رزق دیں گے اور انہیں بھی، اولاد کو قتل کرنے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ عرب کے بعض علاقوں اور بعض خاندانوں میں جس کسی شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہو جاتی تو وہ مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہیں آتا چھپا چھپا پھرتا تھا۔ جیسا کہ سورۂ نحل میں فرمایا يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَابُشِّرَبِهٖ جب بچی پیدا ہوتی تھی تو اسی وقت اسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسی کو سورۃ التکویر میں فرمایا وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (اور جبکہ زندہ دفن کی ہوئی بچی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی)

بے حیائی کے کاموں سے بچو .... (۴) بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ۔ جو ظاہر ہیں اور جو باطن ہیں اس میں ہر طرح کی بے حیائی کے کاموں کی ممانعت آ گئی زنا اور اس کے لوازم، اور ننگا رہنا، ستر دکھانا، لوگوں کے سامنے ننگے نہانا۔ ان چیزوں کی ممانعت الفاظ قرآنیہ سے ثابت ہو گئی۔

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے طریقہ زندگی والی ہیں۔ اول حیاء،

دوسرے عطر لگانا، تیسرے مسواک کرنا، چوتھے نکاح کرنا۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھلے میدان میں غسل کر رہا ہے۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرم والا ہے چھپا ہوا ہے شرم کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ سو تم میں سے جب کوئی شخص غسل کرے تو پردہ کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ حیا و ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں سو جب ان میں سے ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)

ناجائز طور پر خون کرنے کی ممانعت............ (۵) کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔ ہاں اگر حق کے ساتھ قتل کیا جائے تو اس کی اجازت ہے۔ آج کل قتل کی گرم بازاری ہے ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان دنیاوی دشمنی کی وجہ سے یا دنیا کے حقیر نفع کے لیے قتل کر دیتا ہے قتل مسلم کا وبال بہت زیادہ ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آسمان زمین والے سب مل کر اگر کسی مؤمن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۰۰)

مسلمان کی تو بہت بڑی شان ہے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں جنہیں ذمی کہا جاتا ہے اور جن کافروں سے حفاظت جان کا معاہدہ ہو جائے ان کو بھی قتل کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری امت پر تلوار لے کر نکلا جو نیک اور بد کو مارتا چلا جاتا ہے اور ان کے قتل سے پرہیز نہیں کرتا اور جو معاہدہ والے کا عہد پورا نہیں کرتا تو ایسا شخص مجھ سے نہیں اور نہ میں اس سے ہوں۔ (رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۳۱۹ ج ۲)

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا **ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ** ○ (کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو اور عقل سے کام لو)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی مسلمان آدمی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے اس کا خون کرنا حلال نہیں ہے ہاں اگر تین کاموں میں سے کوئی ایک کام کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ (۱) شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرلے (تو اسے سنگسار کر دیا جائے گا)۔ (۲) جو کسی کو (عمداً) قتل کر دے (جس کا قتل کرنا جائز نہ ہو) اسے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ (۳) جو شخص دین اسلام کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔ (رواہ مسلم ص ۵۹ ج ۲)

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ............ (٦) یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ سوائے اس صورت کے جو اچھی ہو۔ یعنی جس میں یتیم کی خیر خواہی اور بھلائی ہو۔ یتیم کے مال کو ناحق نہ اڑاؤ۔ اور ظلماً نہ کھاؤ جس کا ذکر سورۂ بقرہ (رکوع ۲۶) اور سورۂ نساء (رکوع ۱) میں ہو چکا ہے۔

ناپ تول میں انصاف کرو............ (۷) انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو۔ بہت سے لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اپنے لیے ناپ تول کریں تو ناپ تول پوری کر کے لیں اور دوسروں کو ناپ تول کر دیں تو کم ناپیں اور کم تولیں۔ اسی کو فرمایا: **وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ** ○ (ہلاکت ہے کمی کرنے والوں کے لیے جو لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں)۔

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (کیا یہ لوگ یہ یقین نہیں رکھتے کہ اٹھائے جائیں گے بڑے دن کے لیے جس میں لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) کم ناپنے اور کم تولنے کا رواج حضرت شعیب علیہ

السلام کی قوم میں تھا انہوں نے انہیں بہت سمجھایا نہ مانے اور الٹا حضرت شعیب علیہ السلام پر اعتراضات کرنے لگے اور کٹ حجتی پر اتر آئے پھر اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے اور ایک چیخ کے ذریعے سے سب ہلاک ہو گئے۔ جیسا کہ سورۂ ہود میں مذکور ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال...........حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم لوگ ایسی دو چیزوں میں مبتلا کئے گئے جن کے بارے میں تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۰ از ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔ اس حرکت بد کی وجہ سے گذشتہ امتوں پر عذاب آ چکا ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ: جس قوم میں خیانت کا رواج ہو جائے اللہ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا۔ اور جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے ان میں موت زیادہ ہوگی اور جو ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق منقطع ہو جائے گا اور جو لوگ ناحق فیصلے کریں گے ان میں قتل وخون عام ہو جائے گا۔ اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیئے جائیں گے۔

ساتھ یہ بھی فرمایا لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کہ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ لہٰذا ان احکام کے بجالانے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل ص ۱۴۲ ج ۲ مفسرالم یکلف المعطی اکثر مما اوجب علیه ولم یکلف صاحب الحق الرضا باقل من حقهٖ حتی لا تضیق نفسه عنه بل امر کل واحدٍ منهما بما یسعه مما لا حرج علیه فیه اھ (بغویؒ معالم التنزیل میں کہتے ہیں یعنی دینے والے کو واجب سے زیادہ دینے کا مکلّف نہیں بنایا گیا اور صاحب حق کو اپنے حق سے کم پر راضی ہونے کا مکلّف نہیں بنایا گیا بلکہ دونوں کا معاملہ وسعت پر ہے کسی پر بھی تنگی نہیں)

فائدہ...........جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح وقت کم دینا تنخواہ پوری لینا یا کام کئے بغیر جھوٹی خانہ پری کر دینا یا رشوت کی وجہ سے اس کام کو نہ کرنا جس کی ملازمت کی ہے۔ یہ سب حرام ہے اور جن محکموں میں ملازمت کرنا حرام ہو ان کی تنخواہ بھی حرام ہے اگرچہ ڈیوٹی پوری دیتا ہو۔

انصاف کی بات کرنا...........(۸) جب تم بات کہو تو انصاف کی بات کہو۔ اور یہ نہ دیکھو کہ ہماری انصاف کی بات کس کے مخالف پڑے گی۔ گواہی دینا ہو تو حق کے موافق گواہی دو۔ انصاف کرنا ہو تو حق کے موافق فیصلہ کرو اگر تمہارا قریبی عزیز ہو اور اس کے مخالف سچی گواہی دینی پڑے اور اس کے خلاف حق کا فیصلہ کرنا پڑے تو کر ڈالو...........اس کی تشریح اور توضیح سورۂ نساء کی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

اللہ کے عہد کو پورا کرو...........(۹) اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ مضمون سورۂ بقرہ کے تیسرے رکوع اور سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گذر چکا ہے، جو بندے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ وہ احکام کی تعمیل کریں گے۔ اوامر کے مطابق چلیں گے۔ اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے اجتناب کریں گے لہٰذا ہر مومن بندہ اپنے عہد پر قائم رہے۔ اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا جو عہد لیا تھا وہ تو سارے ہی انسانوں سے لیا گیا تھا اور سب ہی نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ پھر اس اقرار کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے یاد دلایا لہٰذا ہر انسان پر لازم ہے کہ اس عہد کی پاسداری کرے۔ اور اپنے عقیدہ اور عمل سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرے اور اس دین کو قبول کرے جو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ٥ (یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا

ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو)

صراط مستقیم کا اتباع کرو............ (۱۰) بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سوتم اس کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں کا اتباع نہ کرو کیونکہ یہ راستے تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ سے ہٹادیں گے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے قرآن نازل فرمایا اور آنحضرت ﷺ کو قرآن کا مبلغ اور معلم اور مُبَیِّنْ (بیان کرنے والا) بنایا۔ اور آپ کی اطاعت فرض کی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع یہ سیدھا راستہ ہے جو صحابہ کرام اور تابعین عظام سے لے کر ہم تک پہنچا ہے جو لوگ دین اسلام کے متبع نہیں جیسے یہود و نصاریٰ اور جو لوگ دین اسلام کے مدعی ہیں لیکن اصحاب اہواء ہیں اپنی خواہشوں کے مطابق دین بناتے ہیں اور الحاد زندقہ کی باتیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگ رسول اللہ ﷺ کے راستہ پر نہیں ہیں

ان لوگوں کے راستے پر جو شخص چلے گا وہ صراطِ مستقیم سے ہٹ جائے گا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی راہ پر نہ رہے گا، آخرت میں اسی کی نجات ہے جو آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے راستہ پر ہو۔

صراطِ مستقیم کے علاوہ سب راستے گمراہی کے ہیں............ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے اور اس کے دائیں بائیں خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ الایة (رواہ احمد والنسائی والدارمی کمافی المشکوٰۃ ص ۳۰) پھر ارشاد فرمایا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ o کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو تقویٰ اختیار کرنے میں ہر بات آ گئی اوامر کی بھی پابندی کی جائے اور جن چیزوں سے منع فرمایا ان سے بھی اجتناب کیا جائے۔ برے اعمال، عقائد باطلہ، افکار باطلہ، کفر شرک سب سے بچنا تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔

فائدہ............ آیات بالا میں دس باتوں کا حکم دیا ہے۔ یہ دس باتیں بہت اہم ہیں جن میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے اور آخر میں صراطِ مستقیم سے ہٹنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو دیکھنا چاہے جس پر آپ کی مہر ہے تو یہ آیات قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ سے لے کر لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ o تک پڑھ لے۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الانعام)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سورۂ انعام میں یہ آیاتِ محکمات ہیں جوام الکتاب ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے آیات بالا تلاوت کیں۔ (ابن کثیر ص ۱۸۷ ج ۲)

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے اچھے عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہوگئی۔ اور جس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے اور جو ہدایت ہے اور رحمت ہے

لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ

تا کہ وہ اپنے رب کی ملاقات کا یقین کریں۔ اور یہ کتاب ہم نے نازل کی جو با برکت ہے سو اس کا اتباع کرو اور ڈرتے رہو تا کہ تم

تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ

پر رحمت ہو۔ اس واسطے کہ کبھی تم کہنے لگو کہ کتاب جو اتری تھی سو انہیں دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور ہم ان کے

ع ۱۹

دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ج

پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے یا تم یوں کہنے لگتے کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان لوگوں سے بڑھ کر زیادہ ہدایت پر چلنے والے ہوتے۔

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ج فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

سو تمہارے رب کی طرف سے دلیل اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہے سو اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ کی آیات

وَصَدَفَ عَنْهَا ط سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

کو جھٹلائے اور ان سے روکے ہم عنقریب ان کو بڑے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیات سے روکتے ہیں اس سبب سے کہ وہ روکا کرتے تھے۔

توریت شریف کامل کتاب تھی رحمت اور ہدایت تھی

ثُمَّ ترتیب ذکری کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ مذکورہ باتوں کے بعد یہ بات جان لو کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی تھی اور اس میں ان لوگوں کے لیے نعمت کی تکمیل ہے جو نیکوکار ہیں جو اس کتاب پر اچھی طرح عمل کریں اور یہ کتاب ایسی تھی جس میں ہر چیز تفصیل سے بیان کی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے متعلق تھی۔ اور وہ کتاب ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی۔ اس کتاب سے توریت شریف مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تا کہ بنی اسرائیل اس کتاب پر ایمان لائیں اور آخرت کی تصدیق کریں۔

قرآن مبارک کتاب ہے............ اس کے بعد قرآن مجید کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے یہ کتاب نازل کی جو مبارک ہے یعنی دین و دنیا کے اعتبار سے اس میں خیر ہی خیر ہے لہٰذا تم اس کا اتباع کرو اور تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اہل عرب کی کٹ حجتی کا جواب .... اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جو یہ کتاب نازل کی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے دو جماعتوں پر کتاب نازل ہوئی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ پر) اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے وہ ہماری زبان میں نہ تھی لہٰذا ہم اس سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرما کر اس عذر کو ختم کر دیا اور یہ بھی ممکن تھا کہ تم یوں کہتے کہ ہمیں کتاب نہیں دی گئی۔ اگر ہم پر یہ کتاب نازل ہوتی تو ہم خوب اچھی طرح عمل کرتے اور ہم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی عمل کرنے میں ان سے بڑھ چڑھ کر ثابت ہوتے۔ اور ان کے مقابلہ میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے یعنی قرآن کریم اور وہ ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی (اب اس پر عمل کرنا اور ہدایت پر چلنا تمہارا کام ہے)

اس کے بعد فرمایا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور جو شخص اس پر عمل کرنا چاہے اس کو عمل سے روکے اور باز رکھے (اللہ کی کتاب نازل ہونے کے بعد اس پر عمل کرنے کی بجائے تکذیب کرنا خود بھی عمل نہ کرنا اور دوسروں کو روکنا یہ خود کی ہلاکت اور عذاب میں ڈالنے کا سبب ہے۔

سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ○ جو لوگ ہماری آیات سے روکتے ہیں ہم ان کے اس عمل کی وجہ سے انہیں برا عذاب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اہل عرب کی اس کٹ حجتی کو ختم فرما دیا کہ ہم سے پہلے اہل کتاب کو کتاب دی گئی تھی ہم ان کی لغت کو نہیں جانتے تھے۔ اب جب اہل عرب کی لغت میں کتاب نازل ہو گئی تو یہ عذر ختم ہو گیا۔

اسی طرح یہ بات کہ ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ایسا ایسا کرتے اور یوں عمل کر کے جوہر دکھاتے اور خوب بڑھ چڑھ کر ہدایت میں آگے بڑھتے اس بارے میں بھی ان پر حجت پوری ہوگئی، شاید کوئی شخص یہ اشکال پیش کرے کہ قرآن تو عربی زبان میں نازل ہوا جو قوم عربی زبان نہیں جانتیں ان کی حجت کا کیا جواب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب کی زبان میں نازل فرمانا یہ ان کے ساتھ خصوصی انعام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی اور زبان میں نازل فرما دیتا اور سارے انسانوں کو اس کے اتباع کا حکم دیتا جن میں اہلِ عرب بھی تھے تو یہ بھی صحیح ہوتا، ساری مخلوق اس کی مملوک ہے وہ کسی کا پابند نہیں اس نے عربی میں قرآن مجید نازل فرمایا اور خاتم النبیین ﷺ کو عرب سے مبعوث فرمایا اور سارے عالم کے انسانوں کو اپنے آخری رسول اور آخری کتاب پر ایمان لانے کا مکلف فرمایا۔

قرآن مجید کو هُدًى لِّلنَّاسِ (سب لوگوں کے لیے ہدایت) فرمایا، اور سید المرسلین ﷺ کے بارے میں فرمایا "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۝" (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر) اس سے آپ کی عمومی بعثت کا اعلان فرما دیا۔ سارے انسانوں کو آپ کی دعوت پہنچ چکی ہے۔ اب جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ایمان نہ لائے اپنا برا خود کرے گا اس لئے کہ تم یوں کہنے لگتے کہ ہم سے پہلے دو فرقوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور ہم پر اگر اللہ تعالیٰ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں اپنی آخری کتاب نازل فرماتا اور عربوں کو حکم دیتا کہ تم اس کا اتباع کرو تو اس پر بھی کسی کو کچھ اعتراض کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ جب اللہ جل شانہٗ نے سارے انسانوں کو قرآن کے اتباع کا حکم دے دیا تو سب پر لازم ہے کہ اس کے احکام کو سیکھیں۔

قرآن مجید کو پڑھیں اور پڑھائیں پورے عالم میں بیسیوں زبانیں ہیں جس جس نے اسلام قبول کر لیا وہ سب پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی تفسیریں زیادہ تر غیر عرب ہی نے لکھی ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ

یہ لوگ بس اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا آپ کا رب آ جائے یا آپ کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آ جائے

يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ

جس دن آپکے رب کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آ جائے گی۔ تو کسی شخص کو اسکا ایمان نفع نہیں دے گا جو پہلے سے ایمان نہیں لایا تھا یا جس نے اپنے ایمان میں

فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

کوئی نیک عمل نہ کیا ہو آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کرو۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔

جب مغرب سے سورج طلوع ہوگا کسی کا ایمان اور توبہ قبول نہ ہوں گے

پہلی آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس جو واضح حجت آ چکی ہے قرآن نازل ہو چکا ہے جو ہدایت ہے اور رحمت ہے، اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ حق واضح ہونے کے بعد اور ہدایت سامنے آ جانے کے بعد اب کسی انتظار کی ضرورت نہیں حق قبول کرو اور ہدایت پر آؤ۔ اب بھی حق قبول نہیں کرتے تو کیا انتظار ہے (ان کا ڈھنگ ایسا ہے) جیسے اسی انتظار میں ہیں کہ فرشتے ان کے پاس آ جائیں یا اللہ تعالیٰ ہی ان کے پاس پہنچ جائے یا اللہ تعالیٰ کی کسی بڑی نشانی کے انتظار میں ہیں، لیکن جس دن اس کی ایک نشانی ظاہر ہو جائے گی تو کسی کافر کو اس وقت اس کا ایمان لانا نفع نہ دے گا، اور جو کوئی صاحبِ ایمان بداعمالیوں میں مبتلا ہو جس نے اپنے ایمان میں کوئی عمل خیر نہ

کیا ہو اس کی بھی توبہ قبول نہ ہوگی۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان بالغیب معتبر ہے جب آنکھوں سے دیکھ لیا تو اس کے بعد ایمان معتبر نہ ہوگا جب قیامت ہوگی تو اس وقت سب مؤمن ہو جائیں گے مگر اس وقت ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ پچھم سے سورج نکلنا بہت بڑی نشانی ہے۔ اس وقت جو شخص ایمان لائے گا قبول نہ ہوگا۔ جو شخص گناہوں میں مبتلا ہو اور موت کے فرشتے نظر آنے لگیں اس وقت کی توبہ قبول نہیں اس سے پہلے جو توبہ کی جائے وہ مقبول ہے پچھم سے سورج نکل آنے کے بعد جس طرح کسی کا ایمان قبول نہیں اسی طرح توبہ بھی قبول نہیں ہوگی۔

صحیح بخاری ص ۶۶۷ ج ۲ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ پچھم سے سورج طلوع نہ ہو۔ سو جب سورج (پچھم سے) نکلے گا اور لوگ اسے دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے اور اس وقت کسی شخص کو ایمان نفع نہ دے گا اس کے بعد آپ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک دروازہ بنایا ہے جو اتنا چوڑا ہے کہ اس کی دونوں جانبوں کے درمیان ستر سال تک چل سکتے ہیں یہ دروازہ توبہ کا دروازہ ہے۔ جب تک اس کی جانب سے سورج نہیں نکلے گا اس وقت تک بند نہ کیا جائے گا (اور اس وقت تک توبہ قبول ہوتی رہے گی) اللہ عزوجل نے **یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیَاتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ** ط میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک توبہ منقطع نہ ہوگی۔ اور توبہ منقطع نہ ہوگی جب تک پچھم سے سورج نہ نکلے گا۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی) پچھم سے سورج کا نکلنا قیامت کے قریب ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظاہر ہونے کے اعتبار سے سب سے پہلی نشانی پچھم سے سورج کا نکلنا اور دابۃ الارض کا ظاہر ہونا ہے جو چاشت کے وقت لوگوں پر ظاہر ہوگا۔ ان دونوں میں سے جو بھی ظاہر ہوگی دوسری نشانی اس کے بعد قریب ہی زمانہ میں ظاہر ہو جائے گی۔ (رواہ مسلم ص ۴۰۴ جلد ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں جب ان کا ظہور ہوگا تو کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو۔ اور جس نے اپنے ایمان میں کسی خیر کا کام نہ کیا ہوگا (۱) پچھم سے سورج کا نکلنا۔ (۲) دجال کا ظاہر ہونا۔ (۳) دابۃ الارض کا نکلنا۔ (رواہ مسلم ص ۸۸ جلد ۱)

دابۃ الارض کے بارے میں ان شاء اللہ تعالیٰ سورۃ النمل کی آیت **وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ** (الآیۃ) کے ذیل میں احادیث نقل کی جائیں گی۔ آخر میں فرمایا **قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ**O اس میں تہدید ہے کہ وضوحِ حق کے بعد ایمان نہیں لاتے تو کب ایمان لائیں گے؟ جب پچھم کی طرف سے سورج نکلنے والی نشانی ظاہر ہوگی کیا اس وقت ایمان لائیں گے لیکن اس وقت ایمان لانا مقبول نہ ہوگا لہٰذا اس سے پہلے ابھی ایمان لے آؤ۔ اگر ایمان نہیں لاتے تو انتظار کرتے رہو ہم بھی انتظار کرتے ہیں بالآخر وہ دن آجائے گا کہ کفر کی وجہ سے اہل کفر عذابِ نار میں گرفتار ہوں گے اور مؤمن جنت میں جائیں گے۔

فائدہ .... ہیئت و ریاضی پر ایمان رکھنے والے بعض لوگ مغرب سے سورج نکلنے کو محال سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی جہالت کی باتیں ہیں۔ اللہ جل شانہٗ ہر چیز کا خالق و مالک ہے سورج کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس کو مسخر فرمایا ہے اور اسی نے سورج کا نظام مقرر

فرمایا ہے کہ وہ اس طرف سے نکلے اور اس طرف سے چھپ جائے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ سورج کو غروب والی جہت پر پہنچا کر واپس اسی جانب لے آئے جدھر سے وہ گیا ہے اس حقیقت کو فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ میں بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں چھپا دیتا ہے۔ بلکہ دونوں جہات کا نام مشرق مغرب اسی طلوع وغروب کی وجہ سے رکھا گیا اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ آفتاب کی گردش کا نظام ایسا مقرر فرماتے کہ جس جانب میں غروب ہوتا اس جانب سے نکلا کرتا تو طلوع ہونے والی جانب کو مشرق اور اس کی مقابل جانب کو مغرب کہا جاتا۔

فائدہ........مفسر ابن کثیر ص ۱۹۴ جلد ۲ نے بحوالہ ابن مردویہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ پچھم سے سورج نکلنے سے پہلے ایک رات تین راتوں کے برابر ہو جائے گی۔ لوگ گھبرا اٹھیں گے کہ صبح ہوتی ہی نہیں۔ اور چیخنے لگیں گے۔ گھبرا کر مسجدوں کی طرف چلے جائیں گے۔ اچانک پچھم کی جانب سے سورج نکل آئے گا اور آسمان کے درمیان تک پہنچ کر واپس ہو جائے گا اور اس کے بعد اپنے اسی مطلع سے نکلے گا جہاں سے نکلا کرتا تھا۔

مفسر ابن کثیر نے روایت نقل کر کے کوئی کلام نہیں کیا صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور صحاح ستہ میں نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کر دی اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، بس ان کا معاملہ

اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اللہ ہی کے حوالے ہے۔ پھر ان کے وہ کام ان کو جتا دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

دین میں تفریق کرنے والوں سے آپ بری ہیں

انسان میں سب سے بڑی بیماری تو یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو نہ مانے یا مانے لیکن اس کے ساتھ شرک کرے اور اس نے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اپنا دین بھیجا اس کی تکذیب کرے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اور اس کے دین کو جھٹلائے۔ اور دوسری گمراہی یہ ہے کہ وہ اللہ کو بھی مانے اس کے بھیجے ہوئے دین کے ماننے کا دعویدار بھی ہو لیکن اللہ کے دین میں اپنی طرف سے ایسی باتیں داخل کر دے جو اللہ تعالیٰ کے دین میں نہیں ہیں۔ شیطان کی یہ بہت بڑی چالاکی ہے۔ بہت سے لوگ جو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے دین کو قبول کیا جو اس نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ بھیجا۔ ان میں بعض لوگوں پر شیطان اپنا یہ داؤ چلاتا ہے اور ان کو ایسے افکار و آراء اور اوہام و ہواء پر ڈال دیتا ہے جن کی وجہ سے وہ خداوند قدوس کے بھیجے ہوئے دین کے دائرہ سے باہر ہو جاتے ہیں، وہ اپنے خیال میں دین کے دائرہ میں ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں دین سے خارج ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں لیکن وہ بارگاہِ خداوندی سے مردود ہوتے ہیں، اس امت سے پہلے جو امتیں گذری ہیں انہوں نے ایسی حرکتیں کیں۔ یہود و نصاریٰ کی گمراہی معروف ہی ہے۔ یہودیوں کا دعویٰ تھا اور اب بھی ہے کہ ہم اللہ کے مقرب بندے ہیں لیکن اللہ کے دین کو چھوڑ کر جس کی بنیاد ہی توحید پر ہے مشرک ہو گئے اور حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔

پھر سیدنا حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے نیز نصاریٰ بھی دین حق سے ہٹ گئے اور انہوں نے اپنے دین میں شریک ملا دیا۔ انہیں میں سے کسی نے حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ بنالیا کہ ابن مریم اور اللہ ایک ذات کا نام ہے اور بعض لوگوں نے انہیں اللہ کا بیٹا بتایا۔ اور بعض لوگوں نے یوں کہا معبود تین ہیں یعنی اللہ کے ساتھ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ بھی معبود ہیں۔ پھر بعض یہود نے انہیں عقیدۂ تکفیر پر ڈال دیا اب وہ اس بات کے معتقد ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قتل (العیاذ باللہ) ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوگیا، ان کے نزدیک اتوار کے دن چرچ میں جانے سے بعض گناہ پوپ کے سامنے بیان کردینے سے اور بعض یوں ہی عام طور سے معاف ہوجاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

مشرکین عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہونے کے مدعی تھے سب کو معلوم ہے ان کا دین توحید خالص پر مبنی تھا۔ انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں آگ میں ڈالے جانے تک منظور کیا مگر توحید کی دعوت نہ چھوڑی۔ لیکن ان کے دین کے ماننے والوں نے (جن میں مشرکین عرب بھی تھے) بت پرستی شروع کردی اور عین کعبہ شریف میں بت رکھ دیئے۔ جب ان کے سامنے توحید کی دعوت رکھی گئی تو ان کو اچنبا معلوم ہوا اور کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ط اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ اور جب ان پر بت پرستی کی نکیر کی گئی اور بتایا گیا کہ یہ شرک ہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے تو کہنے لگے کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے نزدیک کرتے ہیں)

کبھی کہتے تھے هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُ نَا عِنْدَ اللّٰهِ (ہم نے جو یہ معبود بنا رکھے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کردیں گے) یہ ساری باتیں خود تراشیں شرک کیا گمراہ ہوئے (اور پھر بھی اسی خیال میں غرق کہ اللہ ہم سے راضی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں یعنی اس کے وجود کا یقین رکھتے ہیں ان میں بہت سے لوگوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانا اور جنہوں نے مانا انہوں نے اللہ کے دین میں اللہ کی ناراضگی کی باتوں کو شامل کردیا اور دین حقیقی میں تفریق کی صورتیں نکال دیں اور بہت سی جماعتوں میں بٹ گئے۔

صاحب روح المعانی (ص ٦٨ ج ٨) نے حضرت ابن عباس اور قتادہ سے نقل کیا کہ آیت بالا یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے ہر فرقے نے کچھ لیا اور کچھ چھوڑ دیا۔

پھر لکھتے ہیں کہ یہ لوگ مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہر فرقے نے اپنا مستقل پیشوا بنالیا اسی کے پیچھے چلے اور اسی کی تائید و حمایت میں لگے رہے اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول ﷺ کو خطاب فرما کر فرمایا 'لَسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ' آپ ان سے بری ہیں آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے بارے میں آپ سے سوال نہ ہوگا اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ (ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلے فرمادے گا اور گمراہوں کو سزا دے گا۔

اہل بدعت کی توبہ نہیں.........صاحب روح المعانی ص ٦٨ ج ٨ نے سنن ترمذی اور حلیہ ابونعیم اور شعب الایمان للبیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ جن لوگوں نے اپنے دین سے جدائی اختیار کی اور فرقے فرقے بن گئے یہ بدعتوں والے لوگ ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں اور جو اس امت کے گمراہ لوگ ہیں ان کے لیے کوئی توبہ نہیں۔ اے عائشہ! ہر گناہ والے کے لیے توبہ ہے سوائے اہل بدعت اور اصحاب اہواء کے۔ کیونکہ ان کے لیے توبہ نہیں، میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس روایت کے پیش نظر اب یوں کہا جائے گا کہ مشرکین کا حال بیان

کرنے کے بعد اہل بدعت کا حال بیان فرمایا کہ اہل بدعت کا حال اہل شرک سے بعید نہیں ہے۔

گمراہ فرقوں کا تذکرہ......... شیطان اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ انسانوں کو کیسے گمراہی پر لگاؤں اوّل تو ایمان قبول کرنے نہیں دے گا۔ دوم جو لوگ مؤمن ہیں ان کے دلوں میں ایمان کی طرف سے شکوک ڈالتا ہے۔

پھر جو لوگ استقامت کے ساتھ ایمان پر رہیں اور شکوک و شبہات سے متاثر نہ ہوں ان کو ایسی ایسی باتیں بجھا دیتا ہے جو ایمان کے خلاف ہوتی ہیں۔ پہلی امتوں کے ساتھ جو اس نے حرکتیں کی۔ اس امت کے ساتھ اس کا وہی طرز عمل ہے۔ اہل ایمان کے دلوں میں ایسی چیزیں ڈالتا ہے جو گمراہی کی چیزیں ہیں اور ان چیزوں کے اختیار کرنے سے ایمان جاتا رہتا ہے جتنے ملحد اور زندیق اس امت میں گذرے ہیں اور اب موجود ہیں ایمان کا نام لیتے ہوئے بھی کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو صحیح راہ پر سمجھتے ہیں اس لئے توبہ بھی نہیں کرتے، جو لوگ اپنے امام کے اندر اللہ تعالیٰ کا حلول مانتے ہیں اور جو لوگ قرآن کی تحریف کے قائل ہیں اور جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بتاتے رہے۔ اور جو لوگ خاتم النبیین ﷺ پر نبوت ختم ہونے کے منکر ہیں اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کو حجت نہیں مانتے اور جو لوگ عقیدۂ بدا کے قائل یہ سب لوگ سیدنا محمد ﷺ کے دین سے بری ہیں۔ اسلام سے خارج ہیں اور آنحضرت ﷺ ان سے بیزار ہیں۔

پھر اگر کوئی شخص ایسی بدعت اعتقادیہ میں مبتلا نہ ہو جو اسلام سے نکال کر کفر میں داخل کر دے۔ تو شیطان اسے اعمال بدعت میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اہل بدعت نے طرح طرح کی بدعتیں نکال رکھی ہیں۔ اور ان بدعات کی وجہ سے بہت سے فرقے بنے ہوئے ہیں جو لوگ بدعت کے اعمال میں مبتلا ہیں ان کو بھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ کیونکہ اعمالِ بدعت کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور جس عمل کو نیکی سمجھتے ہیں اس سے توبہ کیوں کرنے لگے۔

بدعت اعتقادی ہو یا عملی اس کے ایجاد کرنے والوں کو اور اس پر عمل کرنے والوں کو اصحاب الاہواء کہا جاتا ہے۔ **اَھْـوَاء ھَـوٰی** کی جمع ہے ہر خواہش نفس کو عربی میں ہوا کہتے ہیں جو لوگ بدعتیں نکالتے ہیں وہ قرآن حدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے جو اپنی سمجھ میں آتا ہے اور جو اپنا نفس چاہتا ہے اسے دین میں داخل کر لیتے ہیں۔ انہیں لاکھ سمجھاؤ کہ یہ عمل قرآن و حدیث سے ثابت نہیں لیکن وہ برابر اسی میں لگے رہتے ہیں۔ سنتوں پر چلنے سے ان کے دل خوش نہیں ہوتے۔ بدعتیں ان کے اندر رچ بس جاتی ہیں۔ ان بدعتوں کی وجہ سے بہت سے فرقے وجود میں آجاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت پر ضرور ایسا زمانہ آئے گا جیسا بنی اسرائیل پر آیا تھا (پوری طرح ان کے مطابق عمل کریں گے) جیسا کہ ایک جوتا دوسرے جوتا کے موافق بنایا ہوا ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا تھا تو میری امت میں سے بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا کریں گے۔ (پھر فرمایا) کہ بنی اسرائیل کے ۷۲ فرقے ہو گئے تھے۔ اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ یہ سب فرقے دوزخ میں ہوں گے۔ سوائے ایک ملت کے! صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ملت کون سی ہے جو جنت والی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا **'مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِیْ'** (کہ جس ملت اور دین پر میں اور میرے صحابہ ہیں وہ جنت والی ہے) (رواہ الترمذی)

اب سارے فرقے غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کس دین پر تھے؟ اور جو لوگ اس طریقہ سے ہٹے ہوئے ہیں وہ اپنا انجام سوچ لیں۔ اور خاص طور پر وہ لوگ غور کریں جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسلمان ہی نہیں مانتے۔ اور جو لوگ ان میں کیڑے ڈالتے ہیں اور ان

کی بشری کمزوریوں کو تاریخ کی کتابوں سے نکال کر اچھالتے ہیں (جبکہ تاریخی روایات بے سند ہوتی ہیں)

اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (انکا معاملہ بس اللہ ہی کے حوالہ ہے وہ انہیں جتادے گا جو کام وہ کرتے تھے)

فائدہ........ بعض لوگ جنہیں قرآن وحدیث کا علم نہیں اور اجتہاد واستنباط کی شرعی ضرورت سے ناواقف ہیں وہ لوگ ائمہ اربعہ کے چاروں مذہبوں کو چار فرقے بتاتے ہیں اور اپنی جہالت سے ان مذاہب کے ماننے والوں کو انہیں بہتّر فرقوں میں شمار کرتے ہیں جو گمراہ ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ کے مقلدین سب ایک ہی فرقہ ہیں اور ایک ہی جماعت ہیں اور اسی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے امام کا ادب سے نام لیتے ہیں اور ایک مذہب کے مقلدین دوسرے مذہب کے علماء کو رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ان میں اعتقادیات میں اختلاف نہیں فروعی مسائل میں اختلاف ہے چونکہ یہ اختلاف حضرات صحابہ میں بھی تھا اس لئے نجات پانے والی جماعت (جس کے بارے میں ما انا علیہ اصحابی فرمایا) اس سے خارج نہیں ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے اور صحابۂ کرامؓ کے طریق کو اپنانے والے عموماً مذاہب اربعہ ہی کے متبعین رہے ہیں اور ہیں۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

جو شخص نیک کام کرے سو اسے اس جیسے دس حصے ملیں گے اور جو شخص برائی کا کام کرے تو اسے صرف اس کے برابر ہی سزا ملے گی۔ اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔

ایک نیکی پر کم از کم دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے

اس آیت میں نیکیوں کی جزا اور برائیوں کی سزا کا قانون بتایا ہے اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنے بندوں پر یہ کرم فرمایا کہ ایک نیکی کرنے پر اس جیسی کم از کم دس نیکیاں کرنے کا ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور اپنی کتاب میں اس کا اعلان عام فرما دیا۔ اور جو شخص کوئی گناہ کرلے تو اس میں اضافہ نہیں ہے بلکہ ایک گناہ پر ایک ہی گناہ کی سزا ملے گی۔

پھر یہ کوئی ضروری نہیں کہ گناہ پر سزا مل ہی جائے۔ توبہ واستغفار سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیوں سے بھی معاف ہوتے رہتے ہیں۔ اور نیکی کا جو دس گنا ثواب بتایا ہے یہ کم سے کم ہے اس سے زیادہ بھی ثواب ملتا ہے۔

سورۂ بقرہ میں (رکوع ۳۶) اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا ثواب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کی ایسی مثال ہے جیسے ایک دانہ ہو اس دانہ سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں پھر اخیر میں وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے چند در چند اضافہ فرماتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سات سو پر بھی منحصر نہیں اس سے زیادہ بھی اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اضافہ فرمادیتا ہے متعدد صحابہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی راہ میں خرچہ بھیج دیا اور وہ اپنے گھر ہی میں رہا تو اسے ہر درہم کے بدلہ سات سو درہم کا ثواب ملے گا اور جس نے اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کیا اس کے لیے ہر درہم کے بدلہ سات لاکھ درہم کا ثواب ہوگا پھر آپ نے آیت کریمہ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ تلاوت فرمائی۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں (کے قانون) کو لکھ دیا ہے سو جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے پھر اسے نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس سے ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر ارادہ کرنے کے بعد اس نیکی کو بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اس جیسی دس نیکیاں سات سو گنا تک (بلکہ) اس سے بھی زیادہ چند در چند کر کے لکھ دیتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے پھر وہ (اللہ کے ڈر سے اسے چھوڑ دیتا ہے) اور اپنے ارادہ پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر برائی کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک گناہ لکھ دیتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۶۱ و مسلم ص ۷۸ ج ۱)

دوسری روایت میں ہے کہ جب گناہ کا ارادہ کر کے چھوڑ دیتا ہے اور گناہ کو نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا تَرَکَهٗ مِنْ جَرَّاءِ یْ یعنی اس کے گناہ چھوڑنے کی وجہ سے نیکی لکھی گئی کیونکہ اس نے گناہ میری وجہ سے چھوڑا ہے۔ (رواہ مسلم ص ۷۸ ج ۱)

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ

آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دی ہے یہ مستحکم دین ہے جو ابراہیم کی ملت ہے جو حق کی راہ

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ

اختیار کرنے والا تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری سب عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں ماننے والوں میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔

میری سب عبادتیں اور مرنا جینا سب اللہ ہی کے لیے ہے

مشرکین کی تردید فرمانے کے بعد اللہ جل شانہ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ اپنے بارے میں ان لوگوں کو بتا دیں کہ میرے رب نے مجھے ہدایت دی ہے سیدھا راستہ بتا دیا ہے اور مجھے اسی پر چلا دیا ہے۔ یہ سیدھا راستہ ہے مضبوط دین ہے مستحکم ملت ہے اور اسی ملت پر ابراہیم علیہ السلام بھی تھے وہ تمام دینوں سے کٹ کر توحید ہی کو اختیار کئے ہوئے تھے اور توحید ہی کی دعوت دیتے تھے (اس میں مشرکین پر تعریض ہے کیونکہ وہ بھی ملت ابراہیم کے دعویدار تھے لیکن شرک میں غرق تھے۔ حالانکہ ابراہیم علیہ السلام موحد تھے مشرک نہیں تھے)۔

اس کے بعد اس ہدایت کی تفصیل بیان فرمائی۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کو نوازا ہے اور فرمایا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ۔ کہ آپ یہ بھی فرما دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری دوسری تمام عبادتیں اور میرا جینا میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

اس میں دو باتیں بتائی گئیں۔ اول یہ کہ ہر کام اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہئے۔ دوم یہ کہ مؤمن کی زندگی بھی قیمتی ہے اور موت بھی قیمتی ہے۔ اللہ ہی کے لیے جئے اور اللہ ہی کے لیے مرے پوری زندگی اللہ کے احکام کی پابندی میں گذارے اور فرائض و واجبات کے علاوہ بھی انہیں کاموں میں لگائے جن سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جب مرنے لگے تو ایمان ہی پر مرے اس کی یہ موت قیمتی ہو جائے گی

کیونکہ موت ہی اخروی نعمتوں کے درمیان حائل ہے۔ جب مؤمن بندہ موت کی پل سے پار ہو جائے اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اگر عام مؤمنانہ زندگی گذارتے ہوئے کسی جہاد شرعی میں شریک ہو گیا اور دشمنانِ دین کے ہاتھوں شہید ہو گیا تو شہادت کی وجہ سے اس کی موت اور زیادہ قیمتی ہو جائے گی۔

ہر مؤمن بندہ اپنی موت اور زندگی کو قیمتی سمجھے اور اپنے مقام کو پہچانے اور قیمتی زندگی کو ضائع نہ کرے۔ مؤمن اپنا سب کچھ جان اور مال اوقاتِ حیات اور اپنی موت اللہ ہی کی رضا کے لیے خرچ کرے کیونکہ اللہ رب العالمین ہے پروردگار ہے اس کا حق اس سے بہت زیادہ ہے کہ تھوڑی سی زندگی اس کی راہ میں خرچ ہو جائے۔

وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (اور مجھے اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ یہ اولیت اس امت کے اعتبار سے ہے یعنی میں امت موجودہ میں جو آخر الامم ہے سب سے پہلا مسلم ہوں اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوں)۔

دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی اپنی امتوں میں سب سے پہلے مسلم اور فرمانبردار تھے۔ وھذا شأن کل نبی بالنسبة الیٰ اُمته (روح المعانی ص ۷۱ جلد ۸) اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میں صرف دعوت دینے والا ہی نہیں عمل کرنے والا بھی ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کیا تھا سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر نبی ایمان لانے کا اور اپنی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے کا مکلّف ہوتا تھا۔ اور امت کی نسبت ایمان اور اعمال میں اسے اولیت حاصل ہوتی تھی قربانی کی دعا میں بھی آیت بالا کے الفاظ اِنَّ صَلَاتِيْ سے لے کر الْمُسْلِمِيْنَ تک وارد ہوئے ہیں لیکن اس میں اول المسلمین نہیں بلکہ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ہے۔ چونکہ امت کو دعا کی تعلیم دینا تھا اور قربانی کے وقت پڑھوانا تھا اس لیے اول المسلمین کی بجائے خود بھی وانا من المسلمین پڑھا۔ (کمارواہ ابوداؤد ص ۳۰ ج ۲)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ

آپ فرما دیجئے! کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے، اور جو بھی کوئی شخص کوئی گناہ کرے اس کا وبال اسی پر ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور نہ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ، پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں وہ چیزیں جتا دیگا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔

میں اللہ کے سوا کوئی رب تلاش نہیں کر سکتا

یہاں پھر مشرکین سے خطاب کرنے کا حکم فرمایا اور یہ نہ صرف مشرکین بلکہ وہ تمام لوگ اس کے مخاطب ہیں جو اعتقادی یا عملی طور پر غیر اللہ کو رب بناتے ہیں اور ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں جو رب جل شانہٗ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ارشاد فرمایا: قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ (آپ فرما دیجئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے)

یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں تو ایسا نہیں کر سکتا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ سب کا رب ہے، اپنی بے وقوفی سے تم جن چیزوں کو رب بنائے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کا بھی رب ہے۔ اپنی جیسی مخلوق کو بلکہ اپنے سے بھی کمتر چیزوں کو معبود بنانا حماقت اور سفاہت ہے۔ میں تمہاری حماقت کا کیسے ساتھ دے سکتا ہوں؟ پھر فرمایا: وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ یعنی جو

شخص کوئی بھی عقیدہ رکھے گا یا کوئی بھی گناہ کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ کوئی دوسرا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ جو لوگ دنیا میں کہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ ہمارے گناہوں میں شریک ہو جاؤ اور ہمارے غیر اسلامی رسم ورواج میں شریک ہو جاؤ اس کا وبال ہم پر ہوگا یہ اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی وعیدوں پر یقین نہیں ہے۔ قیامت کے دن کوئی کسی کا وبال اپنے سر نہیں لے گا اور کوئی جان کسی کی طرف کچھ بدلہ نہیں دے گی، پھر آخرت کی حضوری یاد دلائی اور فرمایا۔

ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ پھر تم کو اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے سو وہ تمہیں جتلا دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو۔ وہاں ان لوگوں کی نجات ہو جائے گی جو اللہ کے دین پر تھے اور سب پر عیاں ہو جائے گا کہ حق بات کون سی تھی اور کس کی تھی۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ

اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور درجات کے اعتبار سے تم میں ایک کو دوسرے پر فوقیت دی تاکہ وہ تمہیں ان چیزوں کے بارے میں

فِیْ مَآ اٰتٰىکُمْ ؕ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾

آزمائے جو تم کو عطا فرمائیں، بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔

ع ۲۰ / ۷ النصف

اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک کو دوسرے پر فوقیت دی

سورۂ انعام ختم ہو رہی ہے اس میں بار بار دین حق کی دعوت دی، توحید کی طرف بلایا، مشرکین کی بے وقوفی بیان فرمائی، اور ان کے عقائدِ باطلہ اور شرکیہ رسم ورواج کی تردید فرمائی اور توحید پر دلائل قائم کئے۔ اب آخر میں اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کی تذکیر فرمائی اور وہ یہ کہ اللہ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا پہلی امتیں چلی گئیں ایک دوسرے کے بعد آتی رہیں۔ اب تم ان کے بعد زمین میں آئے ہو۔

زمین میں تمہیں اقتدار سونپ دیا اور سب کو ایک حالت میں نہیں رکھا غنی بھی ہیں فقیر بھی ہیں، قوی بھی ہیں ضعیف بھی ہیں، حاکم بھی ہیں محکوم بھی ہیں۔ یہ اقتدار سپرد کرنا اور فرقِ مراتب رکھنا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے کہ جو کوئی فوقیت کسی کو مال کے اعتبار سے یا منصب ومرتبہ یا کسی بھی حیثیت سے دی۔ کہ وہ اس کو کس کام میں لگاتا ہے انصاف کرتا ہے یا ظلم کرتا ہے، بیکسوں پر رحم کھاتا ہے یا انہیں ستاتا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے یا نہیں۔

یہ سب چھوٹے بڑے طبقات قیامت کے دن حاضر ہوں گے، ظالم مظلوم کے درمیان انصاف ہوگا۔ ظالموں کو سزا ملے گی، حقوق العباد کی ادائیگی نیکیوں کے ذریعہ ہوگی، جو حقوق اللہ ضائع کئے اللہ جل شانہٗ چاہے۔ ان کی اضاعت پر عذاب دے چاہے معاف فرما دے وہ سریع العقاب ہے، اور بلاشبہ وہ غفور ہے۔

قال القرطبی (ص ۱۵۸ ج۷) فی تفسیر قال اللہ تعالیٰ !(وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ) "خلائف "جمع خلیفةٍ ، ککرائم جمع کریمة ، و کل من جاء بعد من مضی فهو خلیفه ای جعلکم خلفا للامم الماضیة و القرن السالفة . (وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ) فی الخلق و الرزق و القوة و البسطة و الفضل و العلم . (درجٰتٍ) نصب با سقاط الخافض ، ای الی درجات (لِیَبْلُوَکُمْ) نصب بلامِ کَیْ. و الا بتلاء الاختبار ، ای لیظهر منکم ما یکون غایتهٗ الثواب و العقاب ، و لم یزل بعلمه غنیًا ، فابتلی الموسر بالغنی و طلب منه

الشکر، وابتلي المعسر بالفقر واطلب منه الصبر ويقال (لِيَبْلُوَكُمْ) اى بعضكم ببعض، ثم خوفهم فقال (اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ) لمن عصاه . (وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) لِمَنْ اطاعهٗ ، وقال "سَرِيْعُ الْعِقَابِ "مع وصفه سبحٰنه بالامهال ومع ان عقاب النّارفي الاٰخرة ، لان كل اٰت قريب فهو سريع علىٰ هٰذا ، كما قال تعالىٰ ! وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ وقال ! "وَيَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا "ويكون ايضاً سريع العقاب لمن استحقه فى دارالدنيا فيكون تحذيرًا لمواقع الخطيئة على هٰذه الجهة والله اعلم. (علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ اس میں خلائف جمع ہے خلیفة کی جیسا کہ کرائم جمع ہے کریمۃ کی اور ہر وہ جو ایک کے گذر جانے کے بعد آئے وہ خلیفہ ہے۔مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پچھلی امتوں کا خلیفہ اور سابقہ زمانوں کا پیش رو بنایا۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ اور تم میں سے بعض کو بعض پر بلند کیا یعنی خلق میں ،رزق میں ،قوۃ و صلاحیت میں اور علم و فضل میں "دَرَجٰتٍ" حرف جر کے حذف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی الی درجات "لِيَبْلُوَكُمْ" یہ لام کی وجہ سے منصوب اور ابتلاء کا معنی امتحان ہے یعنی تا کہ تم سے وہ اعمال ظاہر کر دے جن کا انجام انعام یا سزا ہے اور اللہ تعالیٰ تو اس طرح آزمائش کر کے علم حاصل کرنے سے غنی ہے۔پس اللہ تعالیٰ نے خوشحال کا امتحان خوشحالی سے لیا اور اس سے شکر کا تقاضا کیا اور تنگدست کا امتحان بے سروسامانی سے کیا اور اس سے صبر مطلوب ہے،اور بعض نے کہا "لِيَبْلُوَكُمْ" کا مطلب یہ ہے تمہیں ایک دوسرے کے ذریعہ آزمائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ڈرایا کہ بے شک تیرا رب جلدی سزا دینے والا ہے،نافرمانی کرنے والے کو،اور وہ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہے اس کے لیے جس نے اس کی اطاعت کی اور باوجود یکہ حق تعالیٰ کی صفت مہلت دینا بھی ہے اور سزا آخرت میں ہوگی فرمایا جلد سزا دینے والا،اس لئے کہ ہر آنے والی قریب ہوتی ہے اور وہ اس طرح پر جلدی آنے والی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اور قیامت کا معاملہ تو بس آنکھ جھپکنے کی طرح ہے یا اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔اور فرمایا يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا ۔کہ وہ اسے دور سمجھتے ہیں حالانکہ ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔اور جو دنیا میں سزا کا مستحق ہے اس کے لئے بھی جلد سزا دینے والا ہے۔اس لحاظ سے گناہ کے مواقع کے لئے یہ جملہ دھمکی ہے۔

وقال صاحب الروح ص ١٧ ج ٥ (وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ) اى يخلف بعضكم بعضا كلما مضى قرن جاء قرن حتى تقوم الساعة ولا يكون ذالك الامن عالم مدبر، والى هٰذا ذهب الحسن او جعلكم خلفاء الله تعالىٰ فى ارضه تتصرفون فيها كما قيل ، والخطاب عليهما عام و قيل : الخطاب لهٰذا الأمة ، وروى ذالك عن السدى اى جعلكم خلفاء الامم السالفة (وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ)فى الفضل والغنى كما روى عن مقاتل (دَرَجَات) كثيرة متفاوتة (لِيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ) اىْ ليعملكم معاملة من يبتليكم لينظر ما ذا تعملون مما يرضيه وما لا يرضيه وَاِنَّ رَبَّكَ) تجريد الخطاب لرسول الله صلى الله عليه وسلم مع اضافة اسم الربّ اليه عليه الصلوٰة والسلام لا براز مزيد اللطف به صلى الله عليه وسلم (سَرِيْعُ الْعِقَابِ) أى عقابه سبحانه الاخروى سريع الاتبان لمن لم يراع حقوق ما آتاه لان كل اٰتٍ قريب ، او سريع التمام عند ارادته لتعاليه سبحانه عن استعمال المبادى والاٰلات اهـ ۔(صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ یعنی تم میں سے بعض بعض کا خلیفہ بناتے ہیں۔جب ایک دور گذرتا ہے تو دوسرا آجاتا ہے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی،اور یہ سب ایک صاحب علم اور صاحب تدبیر کی طرف سے ہی ہو رہا ہے۔حضرت حسنؒ کی یہی رائے ہے۔یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے جس میں تصرف کرتے ہو۔جیسا کہ بعض نے کہا کہ دونوں پر خطاب عام ہے۔بعض نے

کہا خطاب اس امت سے ہے اور حضرت سدی سے مروی ہے یعنی تمہیں گذشتہ امتوں کا خلیفہ بنایا اور بعض کو بعض پر فضیلت وخوشحالی میں بلندی عطا فرمائی ہے جیسا کہ حضرت مقاتلؒ سے مروی ہے "درجات "بہت سارے مختلف درجوں میں "لِيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ" یعنی تمہارے ساتھ آزمائش کا معاملہ کرے کہ دیکھے تم اس کو راضی کرنے والے کام کرتے ہو یا ناراض کرنے والے "وَاِنَّ رَبَّكَ "رب کی اضافت کر کے خالص حضور ﷺ کو خطاب کرنا آپ ﷺ کو مزید الطافات سے نوازنے کی طرف اشارہ ہے۔"سَرِيْعُ الْعِقَابِ" یعنی اللہ تعالیٰ کی اخروی گرفت اس کے لئے جلدی آنے والی ہے جس نے اس کی طرف سے ملنے والے احکام کے حقوق ادا نہ کئے۔ کیونکہ ہر آنے والی چیز قریب ہے، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتے ہیں تو وہ بہت جلدی سے تمام ہونے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب و آلات کے استعمال کی محتاجی سے پاک ہیں۔

فائدہ......... دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نے فرق مراتب رکھا ہے اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جس کسی کے پاس کوئی نعمت ہے وہ اس نعمت پر شکر ادا کرے اور جو اس سے کم حیثیت کے لوگ ہیں ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور بار بار مراقبہ کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہمیں تنگدست بے اختیار اپاہج لولا لنگڑا نابینا بنا دیتا۔ اگر اس طرح غور کریں گے تو نہ دوسروں کو حقیر جانیں گے اور نہ اللہ کی ناشکری کریں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال اور شکل صورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اس کو بھی دیکھ لے جو اس سے کم ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۷ ج ۲) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم اس کو دیکھو جو تم سے کم ہے اور اس کو نہ دیکھو جو تم سے زیادہ ہے ایسا کرو گے تو تم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کو حقیر نہ جانو گے۔ (رواہ مسلم ص ۴۰۷ ج ۲)

اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جس شخص میں دو باتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اسے صابر اور شاکر لکھ دے گا۔ دین میں اسے دیکھے جو اس سے بڑھ کر ہے پھر اس کا اقتداء کرے اور دنیا میں اسے دیکھے جو اس سے کمتر ہو پھر اللہ کی حمد بیان کرے کہ اللہ نے اسے اس شخص پر فضیلت دی ہے، ایسے شخص کو اللہ شاکر اور صابر لکھ دے گا۔ اور جس نے اپنے دین میں ایسے شخص کو دیکھا جو اس سے کم ہے اور دنیا میں اسے دیکھا جو اس سے بڑھ کر ہے پھر اسے اس بات سے رنج ہوا کہ دنیا میں مجھے اتنا اتنا نہیں ملا تو اللہ اسے نہ شاکر لکھے گا اور نہ صابر لکھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۸ از ترمذی)

ولقد تم تفسیر سورۃ الانعام والحمدللہ اولاً واٰخرًا و باطنا و ظاھراً

☆☆☆.................☆☆☆

۲۰۶ آیتیں ۲۴ رکوع	سورۂ اعراف	مکی

اٰیَاتُہَا ۲۰۶ (۷) سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ مَکِّیَّۃٌ (۳۹) رُکُوْعَاتُہَا ۲۴

سورۂ اعراف مکہ میں نازل ہوئی ہے اس کی ۲۰۶ آیتیں ہیں اور ۲۴ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓصٓ ۝۱ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى

الٓمّٓصٓ، یہ کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی۔ سو آپ کے سینہ میں کوئی تنگی نہ ہو، تاکہ آپ اس کے ذریعہ ڈرائیں، اور ایمان والوں کے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ

لیے نصیحت ہے، اس چیز کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف اتاری گئی، اور اسکو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع نہ کرو، تم کم نصیحت حاصل کرتے ہو،

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴

اور کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ سو ان پر ایسے وقت میں ہمارا عذاب آیا جب کہ وہ رات گذار رہے تھے یا ایسی حالت میں عذاب آیا کہ وہ دوپہر کے وقت سوئے ہوئے

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵

تھے، سو جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کی پکار اس کے علاوہ کچھ نہ تھی کہ بلاشبہ ہم ظالم تھے۔

یہ کتاب مؤمنین کے لیے نصیحت ہے

ان آیات میں اوّلاً تو یہ فرمایا کہ آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی گئی ہے تاکہ آپ اسکے ذریعہ لوگوں کو ڈرائیں، ایمان کی دعوت دیں، اور جو لوگ نہ مانیں ان کو بتائیں کہ اس کتاب پر ایمان نہ لانے سے عذاب میں مبتلا ہوں گے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: فَلَا يَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ کہ آپ کے سینہ میں ذرا بھی تنگی نہ ہو۔ مخاطبین آپ کی دعوت کا جو تکذیب سے مقابلہ کریں اس کی آپ ذرا پرواہ نہ کریں آپ اپنا کام کرتے رہیں۔ اس کے بعد لوگوں سے خطاب فرمایا کہ جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کیطرف سے نازل ہوا ہے اس کا اتباع کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو ولی نہ بناؤ۔ تمہارے سامنے ہدایت کی باتیں آتی ہیں مگر تمہارا حال یہ ہے کہ کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

پھر فرمایا کہ ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر دیا جن پر ہمارا عذاب رات کے وقت میں آیا اور بعض کے پاس ایسے وقت عذاب پہنچا

جب کہ وہ قیلولہ کر رہے تھے یعنی دوپہر کے وقت سو رہے تھے، جو لوگ ہدایت سے روگردانی کرتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے ان پر دنیا میں بھی عذاب آتا ہے اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گے اور عذاب دائمی میں مبتلا ہوں گے، ان لوگوں پر جب عذاب آیا تو بس یہی کہنے لگے کہ ہم ظالم تھے، عذاب آجانے کے بعد اپنے ظلم کا اعتراف اور اقرار کرنے سے عذاب واپس نہیں ہوتا لہٰذا باوجود اقرارِ ظلم کے وہ لوگ ہلاک ہوگئے۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا

سو جن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے ہم ان سے ضرور سوال کریں گے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے، سو ہم ان کے روبرو علم کے مطابق بیان کر دیں گے اور

كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

ہم غائب نہ تھے، اور اس دن وزن واقع ہونے والا ہے۔ سو جن کے وزن بھاری ہوئے ایسے لوگ کامیاب ہوں گے

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝

اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کر لیا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔

قیامت کے دن رسولوں سے اور ان کی امتوں سے سوال اور اعمال کا وزن

ان آیات میں آخرت کے سوال و جواب اور عقائد و اعمال کے تولے جانے کا پھر اوزان کے ہلکا بھاری ہونے کا اور اس کے مطابق کامیاب اور ناکام ہونے کا ذکر فرمایا۔ قیامت کے دن امتوں سے سوال ہوگا کہ تمہارے پاس رسول آئے تھے تو تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا کما فی سورۃ القصص وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

اور حضرات رُسُل عظام و انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی سوال ہوگا کہ کیا آپ حضرات نے ہمارا پیغام پہنچایا اور یہ بھی سوال ہوگا کہ امتوں نے اس کا کیا جواب دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا (اور متعدد نصیحتیں فرمائیں) اور آخر میں فرمایا کہ میرے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے (اللہ کا پیغام) پہنچایا اور اپنی ذمہ داری پوری کی اور (امت کی) خیر خواہی کی، آپ نے اپنی انگوٹھے کے پاس والی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف جھکایا اور تین بار اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ اے اللہ! تو گواہ ہو جا، اے اللہ! تو گواہ ہو جا، اے اللہ! تو گواہ ہو جا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب! میں نے واقعۃً تبلیغ کی تھی، ان کی امت سے سوال ہوگا کہ انہوں نے تمہیں احکام پہنچائے تھے؟ وہ کہیں گے نہیں ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا تمہارے دعویٰ کی تصدیق کے گواہ کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کے امتی ہیں۔ یہاں تک واقعہ نقل کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو تبلیغ کی تھی اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا یہ صحیح بخاری ص ۶۴۵ ج ۲ کی روایت ہے، اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی، ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے تبلیغ کی تھی، ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو گواہی میں پیش کر دیں گے۔ چنانچہ یہ حضرات عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں ان سے سوال ہوگا کہ تمہیں اس معاملے کی کیا خبر؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی۔ لہٰذا ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ (درمنثور ص ۱۴۴ ج ۱)

پھر فرمایا۔ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ سو ہم ان کے روبرو ضرور بیان کر دیں گے علم کے مطابق، اور ہم غائب نہ تھے) مفسر ابن کثیر ص ۲۰۱ ج ۲ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یوضع الکتٰب یوم القیامۃ فیتکلم بما کانوا یعملون

کہ اعمال نامے رکھ دیئے جائیں گے وہ تمام اعمال کو ظاہر کر دیں گے پھر وَمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ o کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی انہ **تعالٰی یخبر عبادہ یوم القیامۃ بما قالوا اوبما عملوا من قلیل و کثیر وجلیل وحقیر لانہ تعالیٰ شھید علیٰ کل شی ء الخ.**

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے اقوال اور اعمال سب بتا دے گا چھوٹے اعمال ہوں یا بڑے اعمال ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔

اعمال کا وزن، بھاری اوزان والوں کی کامیابی .... اللہ رب العزت ہمیشہ سے ساری مخلوق کے اعمال سے واقف ہے اگر قیامت کے میدان میں صرف اپنی معلومات کی بناء پر اعمال کی جزاء وسزا دے تو ان کو اس کا بھی حق ہے، لیکن میدان حشر میں ایسا نہ کیا جائے گا بلکہ بندوں کے سامنے ان کے اعمال نامے پیش کئے جائیں گے وزن ہوگا۔ گواہیاں ہوں گی، اور مجرمین انکاری بھی ہوں گے اور دلیل سے جرم کا اثبات بھی کیا جائے گا تاکہ سزا بھگتنے والے یوں نہ کہہ سکیں کہ ہم کو ظلماً بلاوجہ عذاب میں ڈالا گیا۔ اسی کو فرمایا وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ اور اس دن وزن کرنا حق ہے سو جن کی تولیں بھاری پڑیں وہی لوگ بامراد ہوں گے، اور جن کی تولیں ہلکی پڑیں سو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کیا، اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے وزن اعمال کا ذکر یہاں اعراف میں بھی ہے اور سورۂ مؤمنون رکوع ۶ میں بھی ہے اور سورۃ القارعہ میں بھی ہے وہاں فرمایا ہے: فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ o فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ o وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (سو جس کے وزن بھاری ہوئے وہ خوشی کی زندگی میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے ہوئے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ یعنی دوزخ ہے) .... حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز (اعمال تولنے کی) ترازو رکھ دی جائے گی (اور وہ اس قدر لمبی چوڑی ہوگی کہ) اگر اس میں سارے آسمان وزمین رکھ کر وزن کئے جائیں تو سب اس میں آجائیں۔ اس کو دیکھ کر فرشتے بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گے کہ یہ کس کے لیے تولے گی؟ اللہ جل شانہٗ فرمائیں گے کہ میں اپنی مخلوق میں سے جس کے لیے (حساب کرنے کے واسطے) تول قائم کروں (اس کے لیے یہ تولے گی) یہ سن کر فرشتے عرض کریں گے کہ اے اللہ! آپ پاک ہیں جیسا عبادت کا حق ہے، ہم نے ایسی عبادت آپ کی نہیں کی۔ (الترغیب والترہیب ص ۴۲۵ ج ۴ رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (قیامت کے روز) ترازو پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا (اعمال کو وزن کرنے کے لیے) انسان اس ترازو کے پاس لائے جاتے رہیں گے، جو آئے گا ترازو کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا۔ پس اگر اس کے تول بھاری ہوئے تو وہ فرشتہ ایسی بلند آواز سے پکار کر اعلان کر دے گا جسے ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں ہمیشہ کے لئے سعادت مند ہو گیا، اب اس کے بعد بدنصیب نہ ہوگا اور اگر اس کے تول ہلکے رہے تو وہ فرشتہ ایسی بلند آواز سے پکار کر اعلان کر دے گا جسے ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں ہمیشہ کے لیے نامراد ہو گیا۔ اب کبھی اسکے بعد خوش نصیب نہ ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ص ۴۲۵ از بزار و بیہقی)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ ہر شخص کے عمل وزن کے موافق لکھے جاتے ہیں ایک ہی کام ہے اگر اخلاص و محبت سے حکم شرعی کے موافق کیا اور برمحل کیا تو اس کا وزن بڑھ گیا اور دکھاوے یا ریس کو کیا یا موافق حکم نہ کیا یا ٹھکانے پر نہ کیا تو وزن گھٹ گیا آخرت میں وہ کاغذ تلیں گے جس کے نیک کام بھاری ہوئے تو برائیوں سے درگذر ہوا اور (جس کے نیک کام) ہلکے ہوئے تو پکڑا گیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ قیامت کے روز اعمال کو جسم دے کر حاضر کیا جائے گا اور یہ جسم تلیں گے اور ان جسموں کے وزنوں کے ہلکا یا بھاری ہونے پر فیصلے ہوں گے۔ کاغذوں کا تلنا یا اعمال کو جسم دے کر تولا جانا بعید نہیں ہے اور اعمال کو بغیر وزن دیئے یونہی تول دینا بھی قادر مطلق کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

آج جبکہ سائنس کا دور ہے اور ایجادات روز افزوں ترقی پر ہیں اعمال کا تول میں آجانا بالکل سمجھ میں آجاتا ہے۔ یہ عاجز بندے جن کو اللہ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ نے تھوڑی سی سمجھ دی ہے تھرمامیٹر کے ذریعے جسم کی حرارت کی مقدار بتا دیتے ہیں اور اسی طرح کے بہت سے آلات ہیں جو اجسام کے علاوہ دوسری چیزوں کی مقدار معلوم کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں تو اس وحدہٗ لاشریک کی قدرت سے یہ کیسے باہر مانا جائے کہ عمل تول میں نہ آسکیں۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ اعمال تو حسی وجود نہیں رکھتے اور وجود میں آنے کے ساتھ ہی فنا ہوتے رہتے ہیں پھر آخرت میں کیونکر جمع شدہ ملیں گے؟ اس شبہ کی موجودہ دور میں کوئی حیثیت نہیں رہی کیونکہ اب تو ٹیلی ویژن اور وی سی آر نے بتا دیا کہ حرکات سکنات اور آواز کو ریکارڈ کیا جا سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے الفاظ و کلمات اور حرکات و سکنات کو گرفت میں لا کر اکٹھا کرنے اور ریکارڈ میں لانے کی طاقت دی ہے تو وہ خود اس پر ضرور قادر ہے کہ اپنی مخلوق کے اعمال و افعال کا مکمل ریکارڈ تیار رکھے۔ جس میں سے ایک ذرہ اور شوشہ بھی غائب نہ ہو۔ اور حسی طور پر قیامت کے روز ان کا وزن سب کے سامنے عیاں اور ظاہر ہو جائے لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ o

صاحب تفسیر مظہری علامہ سیوطیؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ مؤمنین کے اعمال کا صرف وزن ہوگا، یا کافروں کے اعمال بھی تولے جائیں گے؟ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ صرف مؤمنین کے اعمال تولے جائیں گے (کیونکہ) کافروں کی نیکیاں تو اکارت جائیں گی۔ پھر جب نیکی کے پلڑہ میں رکھنے کے لیے کچھ نہ رہا تو ایک پلڑا سے کیا تولا جائے گا اس جماعت نے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا o سے استدلال کیا ہے۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ کفار کے اعمال بھی تولے جائیں گے (لیکن وہ بے وزن نکلیں گے ان کا استدلال آیت وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ سے ہے اور جن کی تول ہلکی نکلی سو یہ وہ لوگ ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان،

یہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے استدلال هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ سے ہے (یہ سورۂ مؤمنون کی آیت ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں ہلکی تول نکلنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے اعمال بھی تولے جائیں گے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مؤمن کوئی بھی دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔

اس کے بعد صاحب تفسیر مظہری علامہ قرطبیؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ہر ایک کے اعمال نہیں تولے جائیں گے (بلکہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ) جو لوگ بغیر حساب جنت میں جائیں گے یا جن کو دوزخ میں بغیر حساب میدان حشر قائم ہوتے ہی جانا ہوگا۔ ان دونوں جماعتوں کے اعمال نہ تولے جائیں گے اور ان کے علاوہ باقی مؤمنین و کفار کے اعمال کا وزن ہوگا۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ علامہ قرطبی کا یہ اشارہ دونوں جماعتوں کے مسلکوں اور دونوں آیتوں (آیت سورۂ کہف اور آیت سورۂ مؤمنون) کے مطالب کو جمع کر دیتا ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ (بیان القرآن میں) سورۂ اعراف کے شروع میں ایک تمہید مفید کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ 'پس اس میزان میں ایمان و کفر بھی وزن کیا جائے گا اور اس وزن میں ایک پلہ خالی رہے گا۔ اور ایک پلہ میں اگر وہ مؤمن ہے تو ایمان اور اگر کافر ہے تو کفر رکھا جائے گا۔ جب اس تول سے مؤمن و کافر متمیز ہو جائیں گے (تو) پھر خاص مؤمنین کے لیے ایک پلہ میں ان کے حسنات اور دوسرے پلہ میں ان کے سیئات رکھ کر ان اعمال کا وزن ہوگا اور جیسا کہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اگر (مؤمن کے) حسنات غالب ہوئے تو جنت اور اگر سیئات غالب ہوئے تو دوزخ اور اگر دونوں برابر ہوئے تو اعراف تجویز ہوگی پھر خواہ شفاعت سے قبل سزا خواہ سزا کے بعد مغفرت ہو جائے گی (اور سیئات غالب ہونے والے مؤمن بندے اور اعراف والے جنت میں داخل ہو جائیں گے)

کفار کی نیکیاں بے وزن ہوں گی .... سورۂ کہف کے آخری رکوع میں ارشاد ہے کہ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝

'آپ فرما دیجئے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بڑے گھاٹے میں ہیں (یہ) وہ لوگ ہیں جن کی کوشش اکارت گئی دنیاوی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ اچھے کام کر رہے ہیں .... (یہ) وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی آیتوں کے اور اس کی ملاقات کے، سو اکارت گئے ان کے عمل پس ہم قیامت کے دن ان کے لیے تول قائم نہ کریں گے'۔

یعنی سب سے زیادہ ٹوٹے اور خسارہ والے حقیقت میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے برسا برس دنیا میں گذارے اور محنت و کوشش کر کے نفع کماتے رہے اور دنیا جوڑ کر خوش ہوئے اور یہ یقین کرتے رہے کہ ہم بڑے کامیاب اور بامراد ہیں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ضرور ایسا ہوگا کہ بعض بھاری بھرکم موٹے بدن والے آدمی اس حال میں آئیں گے کہ اللہ کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا (پھر فرمایا کہ تم لوگ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ کو پڑھ لو)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۴ از بخاری و مسلم)

صاحب تفسیر مظہری فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافروں کے اعمال کا کوئی اعتبار یا قدر و منزلت نہ ہوگی۔ پھر حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل فرمایا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین و کفار جو دنیا کی زندگی میں اپنے خیال میں نیک کام کرتے ہیں مثلاً پانی پلانے کا انتظام کرتے ہیں اور مجبور کی

مدد کر گزرتے ہیں، یا اللہ کے ناموں کا ورد رکھتے ہیں الیٰ غیر ذالک۔ اس قسم کے کام بھی آخرت میں ان کو نجات نہ دلائیں گے۔
سادھو اور سنیاسی جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں اور مجاہدہ کر کے نفس کو مارتے ہیں، اور یہود و نصاریٰ کے راہب اور پادری جو نیکی کے خیال سے شادی نہیں کرتے ان کے اس قسم کے تمام افعال بے سود ہیں، آخرت میں کفر کی وجہ سے کچھ نہ پائیں گے۔ کافر کی نیکیاں مردہ ہیں۔ وہ قیامت کے روز نیکیوں سے خالی ہاتھ ہوں گے۔
پھر صاحب تفسیر مظہری آیت کے ان الفاظ کی دوسری تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یا یہ معنی ہیں کہ ان (کافروں) کے لیے ترازو نصب ہی نہ کی جائے گی اور تولنے کا معاملہ ان کے ساتھ ہونا ہی نہیں کیونکہ ان کے عمل وہاں اکارت ہو جائیں گے لہٰذا سیدھے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔
آیت کے الفاظ مذکورہ کے تیسرے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ کفار اپنے جن اعمال کو نیک سمجھتے ہیں قیامت کے ترازو میں ان کا کچھ وزن نہ نکلے گا (کیونکہ وہاں اسی نیک کام کا وزن ہوگا جو ایمان کی دولت سے مشرف ہوتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے دنیا میں کیا گیا تھا)۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ

اور بلاشبہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی، اور ہم نے تمہارے لیے اس میں زندگی کا سامان پیدا کیا تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور بلاشبہ ہم نے

خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ

تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے،

لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ

وہ سجدہ کرنے والوں میں نہیں تھا۔ اللہ کا فرمان ہوا کہ تجھے کس چیز نے اس بات سے روکا کہ تو سجدہ کرے جبکہ میں نے تجھے حکم کیا، اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں،

خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ

مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو پیدا کیا کیچڑ سے۔ فرمایا پس تو یہاں سے اتر جا، سو تجھے کوئی حق نہیں کہ اس میں تکبر کرے

فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ

سو تو نکل جا! بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے، وہ کہنے لگا کہ مجھے اس دن تک مہلت دیجئے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا بے شک تو

اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ

ان لوگوں میں سے ہے جنہیں مہلت دی گئی، وہ کہنے لگا سو اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور ضرور ان لوگوں کے لیے آپ کے سیدھے راستہ

الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ

پر بیٹھوں گا، پھر ضرور آؤں گا ان کے پاس ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی داہنی

شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝۱۷ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ

جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے، اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پائیں گے فرمایا تو یہاں سے نکل جا ذلیل اور خوار ہو کر،

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۸

اس میں شک نہیں کہ جو شخص ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

بنی آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور شیطان کی ملعونیت کا تذکرہ

یہ متعدد آیات ہیں پہلی آیت میں (جو بعد میں آنے والی آیات کی تمہید ہے) فرمایا کہ ہم نے تمہیں زمین میں جگہ دی اور نہ صرف جگہ دی بلکہ تمہارے لیے معیشت کا سامان بھی پیدا کیا کھانے پینے کی چیزیں پیدا فرمائیں۔ پہننے اور اوڑھنے بچھانے کے لیے کپڑے پیدا کئے۔ زمین کو نرم پیدا کیا اس کو کھودو بنیادیں ڈالو، عمارتیں بناؤ درخت لگاؤ، کھیتیاں بوؤ جانوروں کو چارہ کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ۔ طرح طرح کا سامان تمہارے لیے پیدا کر دیا۔ ان سب نعمتوں کو استعمال کرو اور خالق کائنات جل شانہٗ کا شکر ادا کرو، لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

اس تمہید کے بعد جس میں یہ بتا دیا کہ پیدا کرنے والے کا شکر کرنا لازم ہے مزید دو نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں (تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو) پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی (اولاً مٹی کا وہ مادہ جمع کیا جس سے حضرت آدم کو پیدا فرمانا تھا۔ پھر اس مادہ سے ان کی صورت بنائی جو آدم کی صورت بنی وہی صورت ان کی ذریت کی بھی ہوگئی۔

یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں سورۂ والتین میں فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ اور حدیث میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ پھر اس صورت میں روح پھونک دی۔ کیا تو وہ ایک مجسمہ کی شکل تھی پھر جیسے ہی اس میں روح پھونک دی وہ جیتی جاگتی دیکھتی بھالتی عقل اور سمجھ رکھنے والی ایک جاندار چیز بن گئی اس جاندار کو چیزوں کے نام سکھا دیئے پھر فرشتوں پر پیش کیا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ وہ نہ بتا سکے۔ اس طرح آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت ظاہر ہوگی۔

ابلیس کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار اور اللہ رب العزت پر اعتراض کرنا.......... پھر فرشتوں سے فرمایا ان کو سجدہ کرو (جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا) سب فرشتوں نے سجدہ کر لیا (یہ سجدۂ تعظیمی تھا سجدۂ عبادت نہیں تھا) وہیں ابلیس بھی تھا۔ یہ تھا تو جنات میں سے لیکن زیادہ عبادت کرنے کی وجہ سے وہیں فرشتوں کے ساتھ آسمان میں رہتا تھا۔ اس کو بھی حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کر، اس نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ حکم عدولی کی بلکہ باری تعالیٰ شانہٗ نے جب سوال فرمایا کہ میں نے تجھے ان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ اس پر وہ کٹ حجتی کرنے لگا اور اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کو غلط بتا دیا وہ کہنے لگا کہ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (کہ میں اس سے بہتر ہوں) جو بہتر ہے اسے حکم دینا کہ اپنے سے کم تر کو سجدہ کرے یہ تو حکمت کے خلاف ہے۔ پھر بہتر ہونے کی یہ دلیل بیان کی کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا اور آگ مٹی سے بہتر ہے لہٰذا میں اس سے افضل ہوں ان نے غلط دلیل دی کیونکہ آگ کی طبیعت میں فساد ہے اور اس کا زیادہ تر کام یہی ہے اور مٹی کی طبیعت میں تعمیر ہے اس میں آبادکاری کی طبیعت ہے تواضع ہے اس کے اندر غذائیں ہیں معادن ہیں، اشجار ہیں اور بہت سی خوبی کی صفات ہیں۔

ابلیس کا نکالا جانا.......... ابلیس کو اس کی انا (میں) لے ڈوبی۔ اگر وہ واقعۃً آدم علیہ السلام سے افضل ہوتا تب بھی احکم الحاکمین کا حکم بجالانا ضروری تھا۔ لیکن اللہ کے حکم کو غلط قرار دیا اور حجت بازی پر اتر آیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ

تَتَكَبَّرَ فِيهَا (تو یہاں سے اتر جا تیرے لیے یہ درست نہیں تھا کہ تو اس میں تکبر کرے) فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ٥ (تو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے) مِنْهَا اور فِيهَا کی ضمیر کس طرف راجع ہے اسکے بارے میں صاحب روح المعانی (ص۹۰ ج ۸) لکھتے ہیں۔

یہ ضمیر جنت کی طرف راجع ہے اور ابلیس پہلے سے وہاں رہتا تھا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد دنیا کا ایک باغیچہ ہے جو عدن میں تھا حضرت آدم علیہ السلام وہیں پیدا کئے گئے تھے (ابلیس کو وہیں سجدہ کرنے کا حکم ہوا) اس نے سجدہ نہ کیا اور تکبر کیا تو وہاں سے نکل جانے کا حکم فرمادیا۔

پھر لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے سماء یعنی آسمان کی طرف ضمیر راجع کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک جماعت کا قول ہے لیکن اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ ابلیس کے مردود اور ملعون ہونے کے بعد حضرت آدم اور ان کی بیوی کو جنت عالیہ میں ٹھہرایا گیا اور اس کے بعد ابلیس نے وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکایا۔ اگر وہ اس سے پہلے ہی آسمان سے اتار دیا گیا تھا تو پھر اس نے کیسے وسوسہ ڈالا۔ اور یہ اشکال اس صورت میں بھی ہوتا ہے جبکہ سجدہ کا واقعہ عدن والے باغ میں مانا جائے، سجدہ کا انکار کرنے کے بعد عدن والے باغ سے نکال دینے کے بعد اس نے کیسے وسوسہ ڈالا؟ سیدھی اور صاف بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ ابلیس عالم بالا میں یعنی اوپر ہی رہتا تھا اور سجدہ کا حکم جو ہوا وہ بھی وہیں عالم بالا ہی میں ہوا تھا۔ جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو ابلیس وہاں سے نکال دیا گیا اور آدم و حوا علیہما السلام کو جنت میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔ ابلیس عالم بالا سے نکالا تو گیا لیکن ابھی زمین پر نہیں آیا تھا کہ اس نے دونوں میاں بیوی کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکا کر شجرہ ممنوعہ کھلانے پر آمادہ کر دیا وسوسہ کس طرح ڈالا اس کا کوئی جواب یقینی طور پر نہیں دیا جاسکتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو کر دور سے آواز دے دی تھی۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بہر حال ابلیس ذلت کے ساتھ نکالا گیا ملعون ہوا۔ اللہ کی رحمت سے دور ہوا۔ اس پر پھٹکار پڑی۔ دھتکارا گیا۔

ابلیس کا زندہ رہنے کے لیے مہلت طلب کرنا........ چونکہ اسے یہ پہلے سے معلوم تھا کہ یہ نئی مخلوق زمین میں آباد کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انہیں خلافت ارضی سونپی جائے گی اور اسے جو ملعونیت کا داغ لگا وہ بھی نئی مخلوق کی وجہ سے لگا اس لئے اس نے اوّل تو اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھے مہلت دی جائے یعنی میری عمر اتنی لمبی کر دی جائے کہ جس دن لوگ قبروں سے اٹھیں گے اس وقت تک جیتا رہوں اللہ تعالیٰ نے یوں تو نہیں فرمایا کہ قبروں سے اٹھنے کے دن تک تجھے مہلت ہے البتہ یوں فرمایا فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ٥ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ٥ تجھے وقت معلوم کے دن تک مہلت دی گئی۔ (سورۂ حجر اور ص میں یہی الفاظ ہیں)

ابلیس کا قسم کھانا کہ بنی آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا........ جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے لمبی عمر دینے کا وعدہ فرمایا تو ابلیس نے اپنے کینہ اور دشمنی کا اظہار کیا۔ بنی آدم سے اپنی ملعونیت کا بدلہ لینے کا اعلان کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میں آپ کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں ان سب کو ضرور ضرور گمراہ کروں گا (یہ الفاظ سورۂ ص میں ہیں) اور یہاں سورۂ اعراف میں اس کا قول ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ٥ (کہ اس سبب سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا اور ان کی راہ ماروں گا اس نے مزید کہا: ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ط وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ٥ (کہ ان کے پاس ضرور آؤں گا ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی داہنی جانب سے اور انکی

بائیں جانب سے اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے) ابلیس نے بنی آدم کو بہکانے کے لیے چار جہات کا ذکر کیا کیونکہ ان چار جہات سے کوئی کسی کے پاس آسکتا ہے۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ بقدر امکان جہاں تک ہو سکے گا میں ان کو بہکانے کی کوشش کروں گا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جہت فوق (اوپر کی جانب) سے رحمت مانع ہوتی ہے اس لئے ادھر سے شیطان کے آنے کا راستہ نہیں اور نیچے کی جانب سے بھی نہیں آسکتا اس لیے ان دونوں جہتوں کو چھوڑ دیا۔ یہ ابلیس کی دوسری ڈھٹائی ہے کہ گمراہی کی نسبت اب بھی اس نے اپنی طرف نہیں کی بلکہ اس نے یوں کہا کہ اے اللہ! آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ان کی راہ ماروں گا۔

سورۂ نحل میں ہے کہ اس نے انسانوں کو بہکانے کے لئے قسم کھاتے ہوئے یوں کہا لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ ابلیس نے کہا اَهٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ (کیا یہ ہے جسے آپ نے میرے مقابلہ میں عزت دے دی) لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا (اگر آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دی تو بجز قدر قلیل کے میں اس کی ساری ذریت کو اپنے قابو میں کرلوں گا)۔

ابلیس تو اپنی قسم کو نہیں بھولا اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہے۔ بنی آدم کو بہکانے ورغلانے اور گمراہ کرنے میں اس نے اور اس کی ذریت نے کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی بنی آدم کو کفر پر شرک پر اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ گمراہ زیادہ ہیں اہلِ ہدایت کم ہیں۔ صالحین مخلصین بہت کم ہیں اس نے پہلے ہی اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ کہہ کر مخلصین کا استثناء کر دیا تھا اور جو اس نے وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۝ کہا تھا اس کے قول کو بنی آدم نے اس کا اتباع کر کے سچ کر دکھایا۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا ذلیل و خوار ہو کر (یہ حکم دوسری بار ہے اس سے پہلے بھی یہ حکم ہو چکا تھا۔ لیکن وہ سجدہ نہ کرنے اور تکبر کرنے کی بنیاد پر تھا اور یہ دوبارہ اس کی اس بات پر ہے کہ اس نے بنی آدم کو ورغلانے کی قسم کھائی) اللہ جل شانہٗ نے یہ بھی فرمایا۔

ابلیس اور اس کا اتباع کرنے والوں کے لئے دوزخ کے داخلہ کا اعلان .... لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ (بنی آدم میں جو تیرا اتباع کریں گے تم سب سے میں دوزخ کو بھر دوں گا) ابلیس نے قسم کھا کر اپنی بات بتادی کہ میں ان سب کا ناس ماروں گا راہ حق سے ہٹاؤں گا۔ اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اعلان فرمادیا کہ تجھے اور تیرے ماننے والوں سب کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔ ابلیس کی بات اور احکم الحاکمین جل شانہٗ کا اعلان لوگوں کے سامنے ہے لیکن پھر بھی شیطان ہی کا اتباع کرتے ہیں لا جعلنا اللہ منہم۔

وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ

اور اے آدم! رہ تو اور تیری عورت جنت میں، پھر کھاؤ جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا

پھر ہو جاؤ گے گنہگار۔ پھر بہکایا ان کو شیطان نے تا کہ ان دونوں کے جسم کا وہ حصہ ظاہر کر دے جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا یعنی وہ حصہ جو ڈھانک کر رکھنے کا تھا۔

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ

اور کہنے لگا کہ اس درخت سے تمہارے رب نے تمہیں اسی لیے روکا ہے کہ تم دونوں اسے کھا کر فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ اسی میں رہنے

الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا

والے ہو جاؤ گے۔ اور اس نے انکے سامنے قسم کھائی کہ بلاشبہ میں تمہاری خیر خواہی کرنے والوں میں سے ہوں۔ سو فریب دے کر ان دونوں کو نیچے لے آیا۔ سو جب ان دونوں

ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادٰىهُمَا

نے اس درخت کو چکھ لیا تو ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے، اور ان دونوں کو ان کے

رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾

رب نے پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا۔ اور کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ بلاشبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے،

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

وہ دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو ضرور ہم تباہ کاروں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ

میں سے ہو جائیں گے، فرمایا تم اتر جاؤ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لئے زمین میں رہنے کی جگہ ہے، اور نفع حاصل

اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿٢٥﴾ ع ۲ ۱۵ ۹

کرنا ہے ایک وقت تک، فرمایا تم اسی میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔

حضرت آدم اور ان کی بیوی کا جنت میں رہنا
اور شیطان کے ورغلانے سے شجرۂ ممنوعہ کو کھانا پھر وہاں سے دنیا میں اتارا جانا

شیطان تو مردود اور ذلیل ہو کر نکالا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں رہو اور خوب بلا روک ٹوک اس میں سے کھاؤ بس اتنی پابندی ہے کہ فلاں درخت کے پاس نہ جانا اس میں نہی کو مؤکد فرمایا کہ کھانا تو کجا اس کے پاس بھی نہ جانا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان دونوں سے پہلے فرمایا تھا کہ یٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ؕ شیطان اس فکر میں تھا کہ خود تو جنت سے نکالا ہی ہے ان کو بھی وہاں سے نکلوائے چنانچہ وہ تاک میں لگا رہا اور ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ دیکھو تمہیں اس درخت کے کھانے سے جو منع فرمایا ہے اس کا اصلی سبب یہ ہے اس درخت میں سے جو شخص کھا لے گا وہ فرشتہ بن جائے گا اور اسے یہاں ہمیشہ رہنے کی دولت مل جائے گی۔ اور اس نے قسم کھائی کہ میں تمہاری خیر خواہی کی بات کر رہا ہوں جھوٹی قسم کھائی اور فرشتہ بن جانے کی اور ہمیشہ رہنے کی بات ان کے سامنے رکھی وہ اس کی باتوں میں آ گئے اور فریب خوردہ ہو کر اس درخت میں سے کھا بیٹھے، ابھی ٹھیک طرح سے کھانے بھی نہ پائے تھے اس درخت کو چکھا ہی تھا کہ ان کے جسم سے کپڑے گر گئے اور ایک دوسرے کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اپنی شرم کی جگہوں کو ڈھکنے کے لیے جنت کے پتے لے کر اپنے جسموں پر جوڑنے لگے (جس سے اسی وقت ظاہر ہو گیا کہ یہاں ہمیشہ رہنا تو کجا اس درخت کو کھا کر یہاں کے کپڑے تک جسم پر نہیں رہ سکتے)۔

حضرت آدم وحواء کا گناہ پر نادم ہونا اور توبہ کرنا...... اللہ جل شانہٗ نے دونوں کو پکارا کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا بلا شبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے دونوں حضرات سچے مؤمن تھے بغیر کسی حیل وحجت کے اپنا قصور مان لیا اور گناہ کا اقرار کر لیا۔ اور مغفرت طلب کی اور رحمت کی درخواست پیش کر دی اور کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری بخشش نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے) اللہ جل شانہٗ نے انکی توبہ قبول فرمائی، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے: فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کی خطا تو معاف ہو گئی لیکن چونکہ انسان کی تخلیق اسی لیے تھی کہ اسے زمین کی خلافت سونپی جائے گی اور زمین پر اسے آنا ہی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنت سے اتار کر دنیا میں بھیج دیا قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ تم یہاں سے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک وقت تک نفع حاصل کرنا ہے چنانچہ زمین میں آ گئے اور بود و باش شروع ہو گئی۔

ہر شخص آتا ہے اور مدت مقررہ تک رہتا ہے اور کچھ نفع حاصل کرتا ہے پھر مر جاتا ہے اور زمین کے اندر چلا جاتا ہے۔ پھر جب قیامت کا دن ہو گا تو اسی زمین سے سب نکل کھڑے ہوں گے اور حساب و کتاب کے لیے جمع ہوں گے اسی کو فرمایا: فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے قصہ اور ابلیس کی شرارت اور شقاوت کے واقعات کے متعلق بہت سی چیزیں سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکی ہیں اور وہاں فوائد ضروریہ متعلقہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام لکھ دیئے گئے ہیں من شاء فلیراجع۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ

اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا جو تمہاری شرم کی جگہوں کو چھپاتا ہے اور وہ سبب زینت ہے اور تقویٰ کا لباس

خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ

یہ بہتر ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں اے آدم کی اولاد! تمہیں شیطان ہرگز فتنہ میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے

اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ

ماں باپ کو جنت سے ایسی حالت میں نکالا کہ وہ ان کا لباس اتروا رہا تھا۔ تاکہ دکھا دے ان دونوں کو ان کی شرمگاہیں بے شک وہ اور اس کی قوم تمہیں

قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

ایسے طور دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے بنا دیا شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست جو ایمان نہیں لاتے۔

لباس اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس سے پردہ پوشی بھی ہے اور زینت بھی

گذشتہ رکوع میں شیطان کی انسان دشمنی کا ذکر ہے اس نے بہت جم کر یہ اعلان کیا تھا کہ میں اولادِ آدم کو بہکاؤں گا اور ورغلاؤں گا اور ان میں سے بہت تھوڑے ہی بندے خدائے پاک کے شکر گذار ہوں گے، اور اس کا بھی ذکر ہے کہ اس نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو

جنت سے نکلوادیا۔ اب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے خطاب ہورہا ہے، جس میں انعاماتِ خداوندیہ کا بھی ذکر ہے اور اولادِ آدم کو تنبیہ بھی ہے کہ شیطان کی طرف سے چوکنے رہیں۔

اوّل تو اولادِ آدم کو اللہ جل شانہٗ نے اپنی ایک بہت بڑی نعمت یاد دلائی اور وہ نعمت لباس ہے، اس کو لفظ اَنْزَلْنَا سے تعبیر فرمایا لباس کا مادہ روئی وغیرہ محض اللہ کا عطیہ ہے جیسے بحکم خداوندی آسمان سے بارش اترتی ہے ایسے ہی لباس کا مادہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے پیدا ہوتا ہے اگر وہ پیدا نہ فرمائے تو بندے کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر لباس کے دو فائدے بتائے۔ اوّل یہ کہ وہ شرم کی جگہوں کو ڈھانکتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ لباس سے انسان کی زینت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ذریعے انسان حسین اور جمیل بن جاتا ہے۔

سورۂ نحل میں لباس کا فائدہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا **وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ** کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسے کرتے بنائے جو گرمی سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں اور ایسے کرتے بنائے جو تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ (علماء نے فرمایا ہے کہ **تَقِيْكُمُ الْحَرَّ** جو فرمایا یہ بر سبیل کفایت ہے یعنی گرمی کا ذکر فرمادیا چونکہ سردی اس کے مقابل ہے اس لئے ایک کے ذکر کرنے سے دوسرے کا تذکرہ بھی ہو گیا)۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سردی سے بچنے کا ذکر سورۂ نحل کے شروع میں فرمادیا ہے **وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ** ۝ اس لئے دوسری جگہ ذکر نہیں فرمایا بہر حال لباس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس سے ستر بھی چھپتا ہے، سردی گرمی سے بھی حفاظت ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ انسان حسین وجمیل بھی نظر آتا ہے یہ لباس پہلے تو روئی اور اون تک ہی منحصر تھا لیکن اب تو بہت سی چیزوں سے بنایا جاتا ہے۔ یہ سب اشیاء واجناس اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں جن سے لباس بھی بنایا جاتا ہے اور دوسرے کاموں میں بھی آتی ہیں۔ جسم چھپانے والے لباس کی نعمت کا ذکر فرمانے کے بعد ایک عظیم لباس کی طرف توجہ دلائی اور ارشاد فرمایا **وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ** اور تقویٰ کا لباس یہ بہتر چیز ہے۔ تقویٰ گناہوں سے بچنے کا نام ہے جو شخص گناہوں سے بچنے اور اعمالِ صالحہ فرائض وواجبات کی بجا آوری کرے منکرات سے بچے۔ وہ شخص تقویٰ والا ہے انسان میں جتنے عیوب ہیں ان سے تقویٰ بچاتا ہے فواحش ومنکرات سے دور رکھتا ہے بے حیائی سے باز رکھتا ہے۔

جس میں تقویٰ ہوگا وہ ستر ڈھانکنے کی بھی کوشش کرے گا اور جس میں تقویٰ نہیں وہ زینت کے لیے لباس پہنے گا لیکن ستر عورت کا اس میں کوئی جذبہ نہ ہوگا اسی لیے دیکھا جاتا ہے کہ جن قوموں میں ایمان نہیں ان میں تقویٰ بھی نہیں تقویٰ نہیں تو ستر پوشی کا بھی اہتمام نہیں۔

حیاء انسان کا فطری تقاضا ہے .... چونکہ تقویٰ ہی ستر پوشی کرواتا ہے اس لئے تقویٰ کے لباس کی اہمیت بیان فرمادی۔ پہلے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ستر ڈھانکنا انسانیت کا فطری تقاضا ہے اس لیے تو حضرت آدم اور حوا علیہما السلام نے جب شجرہ ممنوعہ کھالیا اور ان کے جسم سے کپڑے گر گئے تو فوراً جنت کے پتے جوڑ کر ستر ڈھانکنے لگے حالانکہ دونوں آپس میں میاں بیوی تھے۔ شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ انسانوں کو فواحش ومنکرات میں مبتلا کرے اور ننگا پہناوا پہننے کی ترغیب دے اس نے ننگوں کے کلب کھلوا ہی دیئے اور ایسے لباس رواج پاگئے جس میں عریانی ہے اور جن اعضاء کو چھپانا چاہئے تھا ان کا ابھار ہے۔ اگر کسی کی کسی ہوئی پتلون نہ ہو تو اس بات سے شرماتا ہے کہ اپنی سوسائٹی میں جاؤں گا تو لوگ یہ سوچیں گے کہ دیکھو یہ کیسا دقیانوسی ہے اس کا دھڑ بھی ظاہر نہیں ہورہا ہے۔ عورتوں کا عریان لباس، چست لباس اور باریک لباس اسی بے حیائی کا نتیجہ ہے جسے شیطان اور اس کے اہل کار رواج دینے پر کمر باندھے ہوئے ہیں۔

باریک لباس جس سے جسم نظر آئے اس کا پہننا نہ پہننا برابر ہے جو مرد، عورت ایسا لباس پہنے وہ شرعاً ننگوں میں شمار ہے اور خاص

کہ عورتوں کے لیے اس بارے میں وعید شدید وارد ہوئی ہے۔

ان عورتوں کے لئے وعید جو کپڑا پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں .... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخیوں کی دو جماعتیں ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا (کیونکہ وہ میرے بعد ظاہر ہوں گے) اول تو وہ لوگ جن کے پاس بیلوں کی دموں کی طرح کوڑے ہوں گے ان سے لوگوں کو مارا کریں گے۔ اور دوسری جماعت ایسی عورتوں کی ہوگی جو کپڑے پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں گی، مردوں کو مائل کرنے والی اور خود ان کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔ ان کے سر خوب بڑے بڑے اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے جو جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو سونگھیں گی۔ (رواہ مسلم ص ۲۰۵)

اس حدیث میں ایسی عورتوں کے بارے میں پیش گوئی فرمائی جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی پھر بھی ننگی ہوں گی یعنی ایسے باریک کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی جس سے کپڑے پہننے کا فائدہ نہ ہو اور ایسا چست کپڑا جو بدن کی ساخت پر کس جائے یہ بھی ایک طرح سے ننگا پن ہے۔

عریاں لباس کی مذمت .... نیز بدن پر کپڑا ہوتے ہوئے ننگے ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بدن پر صرف تھوڑا سا کپڑا ہو اور بدن کا بیشتر حصہ خصوصاً وہ اعضاء کھلے رہیں جن کو باحیا عورتیں چھپاتی ہیں بہت سی عورتیں یورپ اور امریکہ کے بے دین لیڈیوں کی تقلید میں ایسے لباس میں باہر آجاتی ہیں جو عریانی والا لباس ہوتا ہے۔ گھٹنوں تک فراک جس میں آستین بھی نہیں پنڈلیاں ننگی سر پر دوپٹہ نہیں اور فراک کا ایسا کاٹ کہ نصف کمر اور نصف سینہ کھلا ہوا ہوتا ہے یہ سب عریانی ہے۔

قرآن مجید میں تو لباس کی صفت بتاتے ہوئے یوں فرمایا **لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا** یعنی ایسا لباس جو شرم کی جگہوں کو ڈھانک دے اور زینت ہو۔ اب تو ننگا ہونے کو زینت سمجھا جاتا ہے اور ننگے پہناوے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ قرآن پر ایمان لانے والے مرد عورتیں غور کریں کہ قرآن کیا بتاتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔

اسلام میں ستر کے ڈھانکنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ تنہائی میں ننگا رہنے کی اجازت نہیں۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ننگے ہونے سے بچو کیونکہ تمہارے ساتھ ایسے افراد ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے (یعنی فرشتے) لہٰذا تم ان سے شرم کرو، ان کا اکرام کرو۔ البتہ بیت الخلاء میں جانے کے وقت اور جب انسان اپنی بیوی کے پاس جائے اس وقت (بقدر ضرورت) برہنہ ہونے کی اجازت ہے۔ سنن ترمذی میں یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنی شرم کی جگہ کی حفاظت کر۔ الا یہ کہ اپنی بیوی یا مملوکہ (یعنی حلال باندی) سے استمتاع کے لیے استعمال کرے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص تنہائی میں ہو تو شرم کی جگہ کھولنے میں کیا حرج ہے اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ کہ اس سے شرم کیا جائے۔

مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے کتنا پردہ ہے اور عورت کا اپنے محرموں سے کتنا پردہ ہے اور مرد کا اپنی محرم عورتوں سے کتنا پردہ ہے۔ یہ سب تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اور عورت کا نامحرموں سے پردہ ہے وہ تو سب کو معلوم ہی ہے۔

پھر فرمایا **ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ** ۞ کہ یہ لباس کا پیدا فرمانا اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اور کرم عمیم کا پتہ چلتا ہے لوگ اگر اس میں غور کریں تو اللہ کی نعمتوں کو پہچان سکتے ہیں اور نصیحت حاصل کر سکتے ہیں اس کے بعد بنی آدم کو متنبہ فرمایا کہ شیطان کے بہکانے میں نہ آجانا ارشاد ہے۔

بنی آدم کو تنبیہ کہ شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے .... یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ (اے بنی آدم! ہرگز شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے) کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ (جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا) یعنی ان سے ایسا کام کروادیا جو ان کے جنت سے نکالے جانے کا سبب بن گیا۔ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا (وہ اتروار ہا تھا ان کا لباس تا کہ انہیں دکھادے ان کی شرم کی جگہیں) اس میں بنی آدم (اولادِ آدم) کو نصیحت فرمائی ہے کہ وہ ہوشیار رہیں شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں۔

شیاطین کی حرکتیں .... پھر فرمایا اِنَّہٗ یَرٰکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ بے شک وہ اور اس کی جماعت تمہیں ایسے طور سے دیکھتی ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ شیاطین عموماً انسانوں کو نظر نہیں آتے وسوسے ڈالتے ہیں اور طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں جو دشمن نظر نہ آئے اس سے بچاؤ مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے تنبیہ فرمائی کہ تم انہیں نہیں دیکھتے وہ تمہیں دیکھتے ہیں لہٰذا ان سے ہوشیار رہو۔

قال صاحب الروح ص ۱۰۵ ج ۸ لان العدو اذا اتیٰ من حیث لا یریٰ کان اشد واقویٰ.

شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور گناہ کراتا ہے اور کفر و شرک پر ڈالتا ہے اور اس کے علاوہ بھی اس کی بہت سی حرکتیں ہیں جن کا ذکر احادیث شریفہ میں آتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اولادِ آدم میں جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے تولد کے وقت شیطان اسے چھوتا ہے اور وہ شیطان کے ہاتھ لگانے سے چیخ اٹھتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ دونوں اس سے محفوظ رہے)۔ (رواہ البخاری ص ۴۸۸ ج۱)

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قضاءِ حاجت کی جگہیں (شیاطین کے) حاضر ہونے کی جگہیں ہیں۔ اس لئے جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے جائے تو (اللہ تعالیٰ سے ان کلمات کے ساتھ) یوں دعا مانگے: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ (میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں شیاطین سے ان کے مردوں سے اور عورتوں سے)۔ (رواہ ابو داؤد ص ۲ ج۱)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی انسان بیت الخلاء میں داخل ہو تو اس کی شرمگاہ اور شیاطین کی آنکھوں کے درمیان پردہ یہ ہے کہ (داخل ہونے سے پہلے) بِسْمِ اللّٰہِ کہہ لے۔ (رواہ الترمذی وقال ھٰذا حدیث غریب واسنادہٗ لیس بقوی)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وضو کا ایک شیطان ہے جسے ولہان کہا جاتا ہے اس لیے تم پانی کے (متعلق) وسوسہ ڈالنے والے سے بچو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص سونے لگتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ لگاتے ہوئے لوری دیتا ہے کہ ابھی رات لمبی ہے سو جا۔ پس اگر وہ بیدار ہوا اور بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد اگر اس نے وضو کیا تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد جب نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ خوش طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتا ہے ورنہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کی طبیعت گندی ہوتی ہے اس پر سستی چھائی ہوتی ہے۔ (رواہ البخاری ص ۱۵۳ ج۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک آدمی کا ذکر ہوا کہ وہ صبح تک سوتا رہا اور نماز کے لیے نہ اٹھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص ایسا ہے جس کے کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ (صحیح بخاری ۴۶۳ ج۱)

شیطان کس پر قابو پاتا ہے .... پھر فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ (بے شک ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنادیا ہے جو ایمان نہیں لاتے) اگر ایمان بالکل نہیں تو دوستی پکی ہے اور اگر ایمان ہے لیکن ساتھ ساتھ عصیان بھی ہے تو اسی حد تک شیطان کی دوستی بھی ہے۔ رہے کامل مؤمن تو ان سے شیطان کی دوستی نہیں ہے ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

سورۂ نحل میں فرمایا اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○ (یقیناً ان لوگوں پر اس کا قابو نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا قابو انہیں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں)۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ

اور جب کوئی کام فحش کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس پر پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے، آپ فرما دیجئے! کہ بے شک

اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ

اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔ آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔

وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ

اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو۔ اور اس طور پر اللہ کی عبادت کرو کہ اس عبادت کو اللہ ہی کیلئے خالص کرنے والے ہو۔ جیسا اس نے تمہیں شروع میں پیدا

تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ

فرمایا اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے۔ ایک جماعت کو ہدایت دی اور ایک جماعت ایسی ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔ بلاشبہ ان لوگوں نے

اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنایا اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ بے شک وہ راہ راست پر ہیں۔

جاہلوں کی جہالت جو فحش کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ان کا حکم دیا ہے

شیطانوں کی تعلیم و تلبیس کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ حال تھا جو اوپر بیان فرمایا اور جو لوگ نبی ﷺ کے پیرو نہیں ہیں ان کا اب بھی یہی حال ہے کہ فواحش کے مرتکب ہوتے ہیں اور بے حیائی کے کام کرتے ہیں، جب انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ یہ کام برا ہے تو وہ اپنی بدعملی اور بے حیائی کے جواز کے لیے یوں کہہ دیتے ہیں کہ اجی! ہمارے باپ دادے ایسا ہی کرتے آئے ہیں کیا ہمارے باپ دادوں کو اچھے برے کی تمیز نہ تھی (اس کا جواب سورۂ مائدہ میں دے دیا گیا اور وہ یہ کہ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ (کیا اپنے باپ دادوں کی اقتداء کریں گے اگرچہ وہ کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں) اور ایسے منچلے بھی ہیں جو فحش کام کرتے ہیں اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے یہ کتنی بڑی ڈھنائی ہے کہ برے کام کریں اور اللہ کے ذمہ لگا دیں کہ اس نے ان کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ (بے شک اللہ تعالیٰ برے کام کا حکم نہیں دیتا) اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (کیا تم

اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں) بلا سند اٹکل پچو باتیں کرتے ہو۔

پھر فرمایا قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (آپ فرمادیجئے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے اپنی جہالت سے یوں کہا کہ اللہ نے ہمیں فحش کاموں کا حکم دیا پہلے تو سلبی طور پر ان کی تردید فرمائی کہ اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا، پھر ایجابی طور پر ان کی تردید کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے ان کو تو نہیں کرتے اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کو کرتے ہو اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب بھی کرتے ہو۔ یہ سراپا گمراہی ہے۔ اب تم سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کا حکم دیا ہے اوّل تو یوں فرمایا اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے ہر معاملہ میں انصاف کو سامنے رکھو۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو کیونکہ یہ بہت بڑی بے انصافی ہے کہ خالق و مالک قادر و رازق کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کر دیا جائے۔

انصاف میں سب احکام شرعیہ یعنی اللہ کے حقوق کی ادائیگی اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی دونوں باتیں داخل ہوگئیں...... مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ہر طرح کے اخلاص کو شامل ہے غیر اللہ کی عبادت اخلاص فی العبادۃ کے خلاف ہے اور عبادت میں ریاکاری کرنا اخلاص فی رضاءِ اللہ کے خلاف ہے غیر اللہ کی عبادت شرکِ جلی اور ریاکاری شرکِ خفی ہے۔

پھر فرمایا وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو یعنی صرف معبود برحق ہی کی عبادت کرو۔ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ مزید فرمایا وَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ یعنی اللہ کی اس طور پر عبادت کرو کہ عبادت کو اللہ ہی کے لیے خالص کرنے والے ہو اس میں بھی مضمون سابق مذکور ہے اور توحید فی العبادت کی تاکید ہے۔

پھر فرمایا كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ یعنی اس نے جس طرح تمہیں ابتداءً پیدا فرمایا تھا۔ اسی طرح تم دوبارہ لوٹ جاؤ گے۔ اس سے مشرکین کا یہ وسوسہ دور فرمادیا کہ اس دنیا میں رہیں گے اور مر جائیں گے آباؤ اجداد کے طریقے پر رہے تو کیا حرج ہے؟ انہیں بتادیا کہ یہاں ہمیشہ رہنا نہیں ہے مرو گے پھر جیو گے اور کفر و شرک پر عذاب ہوگا۔

پھر فرمایا فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ کہ اللہ نے ایک جماعت کو ہدایت دی اور ایک جماعت ایسی ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔

پھر فرمایا: اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ (بلاشبہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو دوست بنالیا اور یہ گمان کر رہے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں) اول تو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے پھر شیاطین کو دوست بنایا جن کا کام ہی گمراہ کرنے کا ہے پھر اپنے بارے میں یہ خیال کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ سب گمراہی در گمراہی ہے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ

اے اولاد آدم! تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنی آرائش لے لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے آگے مت بڑھو، بے شک

لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ

اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ آپ فرما دیجئے! اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت نکالی ہے اور جو کھانے پینے کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں

ع ۳ / ۱۰

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

انہیں کس نے حرام قرار دیا، آپ فرما دیجئے کہ یہ چیزیں دنیاوی زندگی میں اہل ایمان کے لیے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے لیے خالص ہوں گی۔ ہم اسی طرح ان لوگوں کے لیے

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲

آیات بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔

بے حیائی کی مذمت، اور طواف و نماز کے وقت سترِ عورت کا خصوصی حکم

مشرکین عرب طرح طرح کے شرکیہ عقائد و افعال اور بے شرمی کے اعمال میں مبتلا تھے ان کی یہ بے شرمی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ کعبہ شریف کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے مرد بھی ننگے اور عورتیں بھی ننگی۔ البتہ عورتیں یہ کرتی تھیں کہ اپنی شرم کی جگہ پر چھوٹا سا چیتھڑا لپیٹ لیتی تھیں اور طواف کرتے ہوئے یوں کہتی ہوئی جاتی تھیں: **الیوم یبدو بعضه او کله وما بدا منه لا احله**

ان کی اس حرکت سے منع کرنے کے لیے آیت کریمہ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اور اس کے بعد والی آیت قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ نازل ہوئی۔ (رواہ مسلم عن ابن عباسؓ)

علامہ ابو بکر جصاص نے احکام القرآن ص ۲۱ ج ۳ میں لکھا ہے کہ یہ لوگ اپنے اس خیال خام میں مبتلا تھے کہ جن کپڑوں میں گناہ کئے ہیں ان میں طواف کرنا صحیح نہیں اور بعض حضرات نے بتایا کہ یہ لوگ تفاؤلاً ایسا کرتے تھے کہ جیسے ہم کپڑوں سے ننگے ہو گئے اسی طرح سے ہمارے اوپر کوئی گناہ بھی باقی نہیں رہا۔ (شیطان اپنے لوگوں کو کیسی کیسی پٹی پڑھاتا ہے)

اسباب النزول للواحدی ص ۲۲۲ میں ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب نے اپنے دین میں یہ بات نکال رکھی تھی کہ منٰی سے واپس ہو کر جب طواف کرتے تھے تو دونوں کپڑے اتار کر رکھ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آیت شریفہ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ سے لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ تک آیات نازل فرمائیں۔

لفظ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کا عموم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طواف کے لیے مسجد میں جائیں (جو صرف مسجد حرام میں ہوتا ہے) یا نماز کے لیے جائیں (خواہ کسی بھی مسجد میں پڑھیں) تو لباس پہن کر جائیں۔ سترِ عورت جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں اس کا اہتمام کرنا تو فرض ہی ہے (خواہ گھر میں نماز پڑھے) لیکن سترِ عورت سے زیادہ جو لباس زینت کے لیے پہنا جاتا ہے اس کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔

لباسِ زینت کا حکم .... میلے کچیلے بدبودار کپڑے پہن کر نماز پڑھنے لگے تو یہ نماز کی شان کے خلاف ہے اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ جو کپڑے پہن کر بازار میں اور احباب و اصحاب میں جانے سے دل منقبض ہوتا ہو اور نفس اپنی بے آبروئی محسوس کرتا ہو ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ سترِ عورت بھی ہو اور نظافت بھی ہو مرغوب لباس ہو (جو خلاف شرع نہ ہو) ایسے لباس میں نماز پڑھیں۔ لفظ زِيْنَتَكُمْ میں ان سب امور کی طرف اشارہ ہے۔

فضول خرچی کی ممانعت .... پھر فرمایا وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اور کھاؤ اور پیو اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا) حد سے آگے بڑھنے میں فضول خرچی، خلاف شرع لباس پہننا، حرام چیزیں کھانا اور استعمال کرنا سب داخل ہے چونکہ مشرکین طواف کرتے وقت ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور اس

وقت کپڑے پہننے کو گناہ سمجھتے تھے نیز انہوں نے اور بھی بہت سی چیزیں اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں جن کی کچھ تفصیل سورۂ انعام میں گذر چکی ہے اس لئے ان کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو زینت اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی (جس میں لباس بھی شامل ہے) اور اس کے علاوہ کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں پیدا فرمائیں ان کو کس نے حرام قرار دیا؟

اللہ تعالیٰ نے ان کو حلال قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو تحلیل وتحریم کا اختیار ہے تم نے اپنی طرف سے تحریم کر کے اللہ کے قانون میں جو دخل دیا ہے یہ گمراہی کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اہلِ ایمان کے لیے ہیں.......... پھر فرمایا **قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ** آپ فرما دیجئے کہ یہ طیبات اور پاکیزہ چیزیں جو اللہ پاک نے پیدا فرمائیں ہیں دنیاوی زندگی میں اصالۃً مؤمنین کے لیے ہیں گو کافر بھی ان کو استعمال کر لیتے ہیں اور قیامت کے دن خالص مؤمنین کے لیے ہوں گی۔ آخرت میں کافروں کے لیے ان کا ذرا سا حصہ بھی نہیں ہے دنیا میں بھی نعمتوں کے حقدار اہلِ ایمان ہی ہیں ان کے طفیل میں کافر بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

قال صاحب الروح ای هی لهم بالاصالة لمزید کرامتهم علی الله تعالیٰ والکفرة وان شارکوهم فیها فبا لتبع فلا اشکال فی الاختصاص المستفادمن اللام وانتصاب (خالصة) علی الحال من الضمیر المستترفی الجار والمجرورو العامل فیه متعلقه و قرا نافع بالرفع علی انه خبر بعد خبر اوهو الخبر وللذین متعلق به قدم تاکیدالخلوص والاختصاص. (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں: یعنی ان کے لئے نعمتیں ہیں اصل کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مرتبہ کی وجہ سے اور کافر اگرچہ نعمتوں میں ان کے شریک ہیں مگر مؤمنوں کے تابع ہو کر لہٰذا لام سے مؤمنین کی جو خصوصیت معلوم ہوتی ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور خالصۃ جار مجرور میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل اس کا متعلق ہے امام نافع نے خالصۃ کو مرفوع پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ دوسری خبر ہے یا یہ کہ خالصۃ خبر ہے۔

اور بعض حضرات نے آیت کا یہ معنی بتلایا ہے کہ دنیا میں جو نعمتیں ہیں اہلِ ایمان ان سے منتفع ہوتے ہیں لیکن ان میں کدورتیں ملی ہوئی ہیں دکھ تکلیف اور رنج وغم بھی ساتھ لگا ہوا ہے آخرت میں ان کو جو نعمتیں ملیں گی وہ خالص نعمتیں ہوں گی ان میں کسی قسم کی کدورت نہ ہوگی۔

قال صاحب معالم التنزیل ص ۱۵۷ ج ۲ فیه حذف تقدیره هی للذین اٰمنوا وللمشرکین فی الحیٰوة الدنیا فان اهل الشرک یشارکون المؤمنین فی طیبٰت الدنیا وهی فی الاٰخرة خالصة للمؤمنین لا حظ للمشرکین فیها و قیل هی خالصة یوم القیامة من التنغیض والغم للمؤمنین فانها لهم فی الدنیا مع التنغیض والغم. (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں۔ اس عبارت میں حذف ہے تقدیر اس طرح ہے هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلِلْمُشْرِكِيْنَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کہ یہ نعمتیں دنیا کی زندگی میں مؤمنوں کے لئے بھی ہے اور کافروں کے لئے بھی۔ کیونکہ دنیا میں تو مشرک بھی مؤمنوں کے ساتھ ان پاکیزہ نعمتوں میں شریک ہیں۔ اور **وهی فی الآخرة خالصة للمؤمنین** اور وہ آخرت میں خالص مؤمنین کے لیے مشرکین کا ان میں وہاں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا قیامت کے دن مؤمنین کیلئے یہ نعمتیں دکھ اور رنج سے خالی ہوں گی کیونکہ دنیا میں تو یہ نعمتیں دکھ اور رنج کے ساتھ ملتی ہیں)

درحقیقت کافر اس لائق نہیں ہے کہ کوئی بھی نعمت اسے دی جائے اور کسی بھی نعمت سے منتفع ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا بے حیثیت ہے اس لئے کافروں کو بھی دے دیتا ہے حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی حیثیت رکھتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ ص ۴۴۱)

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا

آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے فحش کاموں کو جو ظاہر ہوں اور جو چھپے ہوئے ہوں اور گناہ کو اور ظلم کو جو ناحق ہوتا ہے حرام قرار دیا ہے

بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ

اور اس بات کو حرام قرار دیا کہ اللہ کے ساتھ شریک کریں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی اور یہ بھی حرام قرار دیا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جنہیں تم نہیں جانتے

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ

اور ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے سو جب ان کی اجل آ گئی تو اس سے ذرا دیر بھی پیچھے نہ ہٹیں گے اور مقدم بھی نہ ہوں گے، اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں

مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾

جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں سو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کی سو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا وہ لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فحش کاموں اور ظاہری گناہوں کو حرام قرار دیا ہے

اوپر یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا پھر فرمایا کہ میرے رب نے انصاف کا حکم فرمایا ہے اس نے فواحش سے بچنے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

یہاں بطور تاکید پھر اس مضمون کا اعادہ فرمایا جس میں قدرے تفصیل بھی آ رہی ہے ارشاد فرمایا ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ط (آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے فحش چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تمام فحش باتیں اور فحش کام حرام ہیں خواہ ظاہری طور پر ہوں خواہ پوشیدہ طور پر۔ ننگے ہو کر طواف کرنا، لوگوں کے سامنے ستر کھول کر آ جانا، عورتوں کو بے پردہ پھرانا، علانیہ طور پر فحش کام کرنا سب اسی مَا ظَهَرَ میں داخل ہے اور وَمَا بَطَنَ (خفیہ طور) میں وہ سب فحش کام اور فحش کلام داخل ہیں جو در پردہ پوشیدہ طور پر کئے جاتے ہیں۔ زنا اور اس کے دواعی جو چھپ کر ہوتے ہیں ان سب کے حرام ہونے کی تصریح ان لفظوں میں ہو گئی۔ (میاں بیوی والے تعلقات چونکہ حلال ہیں اس لئے فحش ممنوع میں داخل نہیں ہیں)

پھر فرمایا وَالْاِثْمَ اور اللہ نے گناہ کو بھی حرام قرار دیا اس میں ہر گناہ کی ممانعت آ گئی وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ اور اللہ نے ظلم و زیادتی کرنے کو حرام قرار دیا جو ناحق ہی ہوتا ہے۔

پھر فرمایا وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ اور اللہ نے یہ بھی حرام قرار دیا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرو۔ جو لوگ شرک کرتے تھے وہ اپنے باپ دادوں کی تقلید کو حجت بناتے تھے اور بعض جہالت کے مارے یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہیں یہ ہمیں اللہ کے نزدیک پہنچا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں فرمایا مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا کہ یہ تمہارا شرک کرنا وہ چیز ہے جس کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی

تمہارے پاس کوئی دلیل حجت اور سند نہیں۔ نیز فرمایا وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور اللہ نے یہ بھی حرام کیا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جو تم نہیں جانتے۔ چونکہ اپنے برے کاموں کے بارے میں یوں بھی کہہ دیتے تھے کہ اللہ نے ہمیں ان کا حکم دیا اس لئے تنبیہ فرمائی کہ تم اپنی جہالت سے جو باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہو یہ بھی اللہ نے حرام قرار دیا۔

ہر امت کے لیے ایک اجل مقرر ہے .... پھر فرمایا وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ط (کہ ہر امت کے لیے ایک اجل مقرر ہے) سب ایک مدت مقررہ تک کھاتے پیتے رہیں گے اور جس امت پر عذاب آتا ہے اس کا بھی وقت مقرر ہے۔

قال فی معالم التنزیل (ص ۱۸۵ ج ۲) مدة اکل وشرب وقال ابن عباس وعطاء والحسن یعنی وقتا لنزول العذاب بھم فاذا جاء اجلھم وانقطع اکلھم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون ای لا یتقدمون. (معالم التنزیل میں ہے ان کے کھانے پینے کی مدت مقرر ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں ان پر عذاب کے نازل ہونے کا وقت مراد ہے پس جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا اور ان کا رزق ختم ہو جائے گا تو نہ ایک گھڑی مؤخر ہوں گے اور نہ مقدم۔)

جب ان کی اجل آپہنچے گی تو ذرا بھی دیر مؤخر نہ ہوں گے اور مقدم ہونے کا تو موقع رہا ہی نہیں، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب لوگوں نے عذاب کا سوال کیا یعنی یوں کہا کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں بھیجتا اور ہلاک کیوں نہیں کر دیتا۔

بنی آدم کو خطاب کہ رسولوں کا اتباع کرنا .... اس کے بعد پھر بنی آدم سے خطاب فرمایا اور مؤمنین اور کافرین کے انجام سے باخبر فرمایا ارشاد ہے يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں یعنی میرے فرائض اور احکام بتائیں (کما فسرہ ابن عباسؓ) تو جن لوگوں کے پاس میرے رسول آئے اور انہوں نے ان کی بات مانی اور شرک اور کفر سے بچے اور اپنے اعمال کو درست کیا تو (آخرت) میں ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور رنجیدہ بھی نہ ہوں گے۔

کافروں، متکبروں کے لئے عذاب .... وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے اعراض کیا اور ان کے قبول کرنے میں اپنی ہتک سمجھی اور اپنے کو بڑا سمجھا تو یہ لوگ دوزخ والے ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا جو فرمایا اس میں ان کافروں کی شرارت نفس کا بیان ہے جو اللہ پر ایمان لانے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے اور اس کے احکام ماننے میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں اور نہ ماننے میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں۔

سورۃ الصافات میں فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (بلاشبہ ان کا یہ حال تھا کہ جب انکو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی دعوت دی جاتی تھی تو تکبر کرتے تھے) اور سورۂ قیامہ میں فرمایا فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۝ (سو نہ اس نے تصدیق کی نہ نماز پڑھی لیکن جھٹلایا اور منہ پھیر کر چل دیا پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چلا گیا) بڑا بننے والوں کا تکبر نے ناس کھویا اور ان کے متبعین کو بھی لے ڈوبا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ

سو اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا لکھا ہوا حصہ مل جائے گا۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا

یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرستادہ انکی جان قبض کرنے کیلئے آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے؟ جواب میں

ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ

کہیں گے کہ وہ سب ہم سے غائب ہو گئے اور اس وقت یہ لوگ اپنے بارے میں اقرار کر لیں گے کہ ہم کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو گا کہ دوزخ میں ان جماعتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ

مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا

جو جنات میں سے اور انسانوں میں سے تم سے پہلے ہو گزریں۔ جب ایک جماعت داخل ہو گی تو اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں

فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا

جمع ہو جائیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں خوب زیادہ بڑھتا چڑھتا دوزخ کا

مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ

عذاب دیجئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ سب ہی کا دوگنا ہے لیکن تم جانتے نہیں ہو، اور جو پہلے لوگ تھے وہ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

ع ۸ ۱۱

پھر تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔ سو چکھ لو عذاب اپنے اعمال کے بدلہ میں۔

موت کے وقت کافروں کی بدحالی اور دوزخ میں ایک دوسرے پر لعنت کرنا

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ طرز تو سوال کا ہے لیکن بتانا یہ ہے کہ ایسے لوگ ظلم میں سب ظالموں سے بڑھ کر ہیں۔

پھر یہ فرمایا کہ جو ان کا رزق مقدر ہے اور جو ان کی عمر مقرر ہے وہ تو اس دنیا میں ان کو مل جائے گی۔ ہاں موت کے وقت اور موت کے بعد ان کا برا حال ہو گا اور برا انجام ہو گا۔ موت کے وقت جو فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگیں گے ان سے سوال کریں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ اس موقع پر مذکورہ سوال کا باعث یہ ہو سکتا ہے کہ اب تم دنیا سے جا رہے ہو موت آ رہی ہے اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارا کرتے تھے اس وقت تم انہیں کیوں نہیں پکارتے اگر وہ مدد کر سکتے ہیں تو تمہیں موت سے بچا لیں۔ یہ سوال سرزنش کے لیے ہو گا تا کہ موت کے وقت انہیں اپنے شرک اور کفر کی قباحت اور شناعت معلوم ہو جائے۔ وہ بے بسی کے عالم میں جواب دیں گے کہ جن لوگوں کو ہم پکارا کرتے تھے۔ وہ سب غائب ہو گئے۔ اور ساتھ ہی وہ اقرار کریں گے کہ واقعی ہم کافر تھے۔ اس طرح کا سوال قیامت کے دن بھی ہو گا جیسا کہ سورۂ انعام (رکوع ۳) میں گزر چکا ہے برزخ کے عذاب

میں مبتلا رہ کر جب قیامت کے دن اٹھیں گے، اور سوال جواب وحساب وکتاب کے بعد کافروں کے بارے میں دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہوگا تو جماعتیں بن بن کر دوزخ میں جاتے رہیں گے کچھ جماعتیں پہلے داخل ہوں گی اور کچھ بعد میں، جو لوگ بعد میں داخل ہوں گے ان سے اللہ کا فرمان ہوگا کہ تم سے پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے جو جماعتیں دوزخ میں جا چکی ہیں تم بھی دوزخ کے عذاب میں ان کے ساتھی ہو جاؤ۔

اسی کو فرمایا قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ط ...... پھر فرمایا كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۝ کہ جب ایک جماعت دوزخ میں جائے گی تو اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ دنیا میں جو آپس میں ایک دوسرے سے تعلق تھا اور باہمی تعاون تھا وہ سب ختم ہو جائے گا اور ہر بعد والی جماعت اپنی جیسی پہلی جماعت پر لعنت کرے گی اور وہاں بغض کی شان پیدا ہوگی۔

اور بعد میں داخل ہونے والے اپنے سے پہلے داخل ہونے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں بڑھتا چڑھتا دوزخ کا عذاب دیجئے۔

یہ تفسیر اس صورت میں ہے کہ اُخْرٰهُمْ سے اتباع مراد لیے جائیں اور اُوْلٰـهُمْ سے ان کے سردار مراد لیے جائیں اور ساتھ یہ بھی مانا جائے کہ سرداران قوم دوزخ میں اپنی قوم سے پہلے جائیں گے۔ جیسا کہ معالم التنزیل اور تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے اور بعض حضرات نے اُخْرٰهُمْ سے نیچے درجے کے لوگ اور اُوْلٰـهُمْ سے سردارانِ قوم مراد لئے ہیں اور اس میں دخول نار کی اولیت اور اخرویت کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یہ قول روح المعانی میں لکھا ہے۔

دنیا میں تو اپنے بڑوں کی بات مانتے تھے اور انکے کہنے پر چلتے تھے اللہ کی طرف سے جو ہدایت پہنچانے والے ہدایت کی طرف بلاتے تھے تو الٹا ان کو برا کہتے تھے اور اپنے بڑوں ہی کی باتوں پر چلتے تھے اور انہیں سے چپکے رہتے تھے اور جب آخرت میں عذاب دیکھیں گے تو گمراہ کرنیوالوں پر لعنت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ان کو ہمارے عذاب سے بڑھ کر خوب زیادہ عذاب ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ ہر ایک کے لیے خوب زیادہ عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ یعنی تم میں سے ہر ایک کو جس قدر عذاب ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ اسے کہا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر یہ عذاب ایک حالت پر نہیں رہے گا بلکہ اس میں اضافہ ہوتا جائے گا جیسا کہ سورۂ نحل میں فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝ (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب بڑھا دیں گے بسبب اس کے کہ وہ فساد کرتے تھے)

فسر صاحب الجلالين الضعف بمعنى المضعف قال الشيخ الجمل في حاشيته اشار به الى ان المراد بالضعف هنا تضعيف الشئ وزيادته الى ما لا ينتهى لا الضعف بمعنى مثل الشئ مرة واحدة ۔(صاحب جلالین نے ضعف کی تفسیر مضعف سے کی ہے شیخ جمل جلالین کے حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں کہ صاحب جلالین نے اس تفسیر سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں ضعف سے مراد کسی شی کی لامتناہی زیادت ہے ضعف سے مراد دوگنا نہیں ہے)

اس میں یہ بات بھی آ گئی کہ جب دونوں ہی فریق کا عذاب بہت زیادہ ہے تو دوسروں کا عذاب دیکھ کر کیا تسلی ہو سکتی ہے جب خود بھی سخت عذاب میں مبتلا ہیں۔

پھر فرمایا وَقَالَتْ اُولٰـھُمْ لِاُخْرٰھُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ کہ پہلے لوگ بعد والوں سے کہیں گے کہ جب اس کی سزا کا یہ حال ہے تو پھر ہم پر کوئی فوقیت نہ ہوئی نہ عذاب کی تخفیف ہمارے لیے ہے نہ تمہارے لیے فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ٥ (سو تم اپنے اعمال کے بدلہ عذاب چکھ لو)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ

الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝٤٠ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ

جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے۔ اور ہم ایسے ہی مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔ ان کے لیے دوزخ کا

مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝٤١

بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر سے اوڑھنے کا سامان ہوگا اور ہم اسی طرح ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

مکذبین ومتکبرین جنت میں نہ جاسکیں گے اُن کا اوڑھنا، بچھونا آگ کا ہوگا

پہلی آیت میں مکذبین یعنی آیات کے جھٹلانے والوں اور متکبرین یعنی آیات الٰہیہ کے ماننے سے تکبر کرنے والوں کے مردود ہونے کی ایک حالت بتائی اور وہ یہ کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔

حدیث شریف میں مؤمن اور کافر کی موت کا تذکرہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب حضرت ملک الموت علیہ السلام مؤمن کی روح کو قبض کرتے ہیں تو وہ ایسی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے (پانی کا) بہتا ہوا قطرہ مشکیزہ سے باہر آ جاتا ہے جب وہ اس روح کو لے لیتے ہیں تو ان کے پاس جو دوسرے فرشتے جنتی کفن اور جنتی خوشبو لئے ہوئے بیٹھے ہوتے ہیں پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں اس کی روح کو نہیں چھوڑتے پھر وہ اسے جنتی کفن اور جنت کی خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف لے کر چل دیتے ہیں جب اس روح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھنے لگتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر ان کا گذر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ یہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے۔

اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے (اور وہ اس روح کو لے کر اوپر چلے جاتے ہیں) حتی کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک رخصت کرتے ہیں (جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کی کتاب علّیین میں رکھ دو۔ اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ کیونکہ میں نے ان کو زمین ہی سے پیدا کیا اور اسی میں اس کو لوٹا دوں گا۔ اور اسی سے اس کو دوبارہ نکالوں گا۔ چنانچہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کر دی جاتی ہے (اس کے بعد قبر میں جو سوال و جواب ہوگا اور صحیح جواب کے بعد قبر میں جو اس کا اکرام ہوگا اس کا تذکرہ فرمایا) پھر کافر کی موت کا تذکرہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ بلاشبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی

طرف نکل۔ ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں ادھر ادھر بھاگی پھرتی ہے۔ لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے بوٹیاں بھوننے کی سیخ بھیگے ہوئے اون سے صاف کی جاتی ہے (یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے) پھر اس کی روح کو ملک الموت (اپنے ہاتھ میں) لے لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پل جھپکنے کے برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے اور ان سے فوراً لے کر اس کو ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں (جو ان کے پاس ہوتے ہیں) اور ٹاٹوں میں ایسی بدبو آتی ہے جیسے کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نعش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹی ہو، وہ فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا برے سے برا نام لے کر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسے لے کر قریب والے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ط (ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ کبھی جنت میں داخل ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ چلا جائے)

اس حدیث سے لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کا مطلب واضح ہوگیا کہ کفار کی ارواح کو آسمان کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں تو ان کے لیے دروازے نہیں کھولے جاتے اور ان کو وہیں سے پھینک دیا جاتا ہے (مفصل حدیث المشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲ اور ص ۱۴۳ پر مذکور ہے۔ ۱۲ منہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ کافروں کے اعمال اوپر نہیں اٹھائے جاتے اور نہ ان کی دعا اوپر اٹھائی جاتی ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۳ ج ۱) یہ جو فرمایا وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ط (اور یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہ ہو جائے)

یہ تعلیق بالمحال کے طور پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہوسکتا ہے اور نہ یہ لوگ جنت میں داخل ہوسکتے ہیں۔

حضرت علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: ذالک مما لا یکون و کذا ما یتوقف علیه۔

مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (اور ان کے ڈھانپنے والی چیزیں بھی دوزخ سے ہوں گی) یعنی ان کا اوڑھنا بچھونا سب آگ ہی آگ ہوگا۔

پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (اور اس طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں) ظالموں سے کافر مراد ہیں کیونکہ کفر سب سے بڑا ظلم ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم کسی جان کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی طاقت کے موافق، یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ

میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ ان کے سینوں میں کدورت ہو گی ہم اسے نکال دیں گے۔ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ

اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچا دیا۔ اور ہم راہ پانے والے نہ تھے اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا بلاشبہ ہمارے پاس

رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط وَ نُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے اور ان کو آواز دی جائے گی کہ یہ جنت ہے جو تمہیں دی گئی ان اعمال کا بدلہ جو تم کیا کرتے تھے۔

اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری اور جنت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا

ان آیات میں اہلِ ایمان کی جزا کا ذکر فرمایا جو اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جنت والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ درمیان میں بطور جملہ معترضہ فرمایا کہ ہم کسی شخص کو ایسا حکم نہیں دیتے جو اس کی قوت و طاقت سے باہر ہو جس شخص کو حکم دیا گیا وہ اس کو کر سکتا ہے۔

یہ مضمون پہلے بھی لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔ اہلِ جنت جن نعمتوں میں ہوں گے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کا ذکر ہے۔

یہاں ایک خاص نعمت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ دنیا میں ان کے دلوں میں جو تھوڑا بہت کینہ تھا اور جو کچھ کدورت تھی ان کے سینوں سے اسے باہر نکال دیا جائے گا۔ جنت کا ماحول بغض، کینہ کپٹ لڑائی بھڑائی کو برداشت کرنے والا نہیں۔ جنت میں جانے والے سب میل محبت سے آمنے سامنے مسہریوں پر ہوں گے۔ (کما قال تعالیٰ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ)

صحیح بخاری (ص ۴۶۰ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جو پہلی جماعت داخل ہوگی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے۔ پھر جو لوگ ان کے بعد داخل ہوں گے ان کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے کوئی بہت روشن ستارہ ہو۔ ان سب کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے نہ ان کے درمیان کوئی اختلاف ہوگا اور نہ آپس میں کچھ بغض ہوگا (یہ جو فرمایا کہ ان کے دل ایک ہی شخص کے دل پر ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قلوب میں ایسی یگانگت ہوگی کہ گویا سب شخص واحد ہیں۔ ان کے درمیان باہمی کسی طرح کی کوئی رنجش نہ پائی جائے گی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مؤمنین دوزخ سے چھوٹ جائیں گے (یعنی پل صراط سے پار ہو جائیں گے) تو ان کو جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک دیا جائے گا اور آپس میں ایک دوسرے پر دنیا میں جو کوئی ظلم اور زیادتی ہو گئی تھی اس کا بدلہ دیا جائے گا (تاکہ جنت میں رنجش اور کدورت کے ساتھ داخل نہ ہوں) یہاں تک کہ جب (حقوق کی ادائیگی سے) صاف ستھرے ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت ہو جائے گی (یہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا) قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے یہ لوگ اپنے جنت والے گھر کو اس سے زیادہ پہچاننے والے ہوں گے جو ان کا گھر دنیا میں تھا۔ (رواہ البخاری ص ۹۶۷)

اہل جنت کی نعمتوں کا اجمالی تذکرہ فرمانے کے بعد ان کے تشکر کا تذکرہ فرمایا کہ جنت میں جنتی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ط (سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ہم راہ پانے والے نہ تھے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا)

دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ کی ہدایت دی یہ اس کا فضل ہے۔ اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو کسی کو بھی ہدایت نہ ملتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس دنیاوی ہدایت کو دخولِ جنت کا ذریعہ بنا دیا۔ اللہ کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے۔

ایمان اور اعمال صالحہ پر جو اس کی دنیاوی و اخروی عطائیں اور بخششیں ہیں یہ سب اس کا فضل ہے۔ اہلِ جنت اسی فضل کا مذاکرہ کریں گے اور یوں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں نہ پہنچاتا تو ہم یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہیں گے لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (بلاشبہ ہمارے رب کے پیغمبر حق لیکر ہمارے پاس آئے) ہم نے دنیا میں ان کی تصدیق کی اور اب ان کی باتوں کا سچ ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

پھر فرمایا وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ندا دی جائے گی کہ یہ جنت تم کو ان اعمال کے بدلہ دی گئی جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کی قدردانی فرمائی اور تم کو جنت میں داخل فرمایا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّة۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ

اور جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے ہمارے رب نے جو ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے حق پایا سو کیا تم نے بھی اسے حق پایا

مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ فرمایا تھا وہ کہیں گے کہ ہاں! پھر ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان اعلان کرے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔

وقف لازم باختلاف

اہل جنت کا اہلِ دوزخ کو پکارنا اور دوزخیوں پر لعنت ہونے کا اعلان ہونا

اہلِ جنت دوزخیوں کو آواز دیں گے اور ان کو خطاب کرتے ہوئے یوں پکاریں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے ایمان اور اعمال صالحہ پر جو عنایات اور مہربانی اور بخششوں کا وعدہ فرمایا تھا دنیا میں ہم نے بغیر دیکھے اس سب کی تصدیق کر دی تھی۔ آج ہم نے یہاں ان سب وعدوں کے مطابق انعامات پا لئے جو وعدے ہم سے فرمائے گئے تھے ان سب کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب تم کہو کہ کفر پر جو تمہارے رب نے تم کو اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ وعیدوں سے آگاہ فرمایا تھا کیا وہ وعیدیں سچی نکلیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کفر کی سزا سے دنیا ہی میں باخبر فرما دیا تھا ان خبروں کو تم نے صحیح پایا؟

اس پر وہ لوگ جواب دیں گے "نَعَمْ" کہ ہاں! ہم نے ان سب باتوں کو صحیح پایا۔ واقعی کتابوں اور رسولوں کے واسطہ سے جو اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبریں دی تھیں وہ سب ٹھیک نکلیں۔ جب وہ لوگ اس کا اقرار کر لیں گے کہ ہمیں جو کچھ بتایا گیا تھا وہ سب سچ تھا ہم نے نہ مانا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اس پر ایک پکارنے والا دونوں فریق کے درمیان کھڑے ہو کر پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے یعنی دینِ حق سے روکتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بھیجا تھا نہ خود قبول کرتے تھے نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اور اسی پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ بزعم خود اس میں کجی تلاش کرتے تھے یعنی ایسی باتیں ڈھونڈتے تھے جن کے ذریعہ دینِ حق میں عیب نکالیں اور اعتراض کریں۔

یہ لوگ نہ دینِ حق کو مانتے تھے نہ یومِ آخرت پر ایمان رکھتے تھے ان کی ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے ملعون ہو گئے ان پر

اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار پڑ گئی اور دوزخ کے دائمی عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

یہ جوفرمایا کہ "وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا" کہ اللہ کے دین میں کجی تلاش کرتے ہیں یہ ان کی انتہائی ضد اور عناد کی ایک صورت بیان فرمائی۔ مشرکین مکہ ایسا ہی کرتے تھے دین اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات اٹھاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں سے واسطہ پڑا وہ لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار نہیں کرتے تھے اور ایسی ایسی باتیں نکالتے تھے جو حقیقت میں قابل اعتراض نہ تھیں لیکن انہیں بطور اعتراض عوام کے سامنے لاتے تھے تاکہ وہ اسلام قبول نہ کریں۔

آج تک یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار اس کام میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلام میں عیب نکالیں حتیٰ کہ وہ مشرک جو گائے کا پیشاب پیتے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو پوتر اور مسلمانوں کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ انہیں مسلمانوں کی پاکیزہ شریعت پاکیزہ زندگی پر اعتراض ہے اور اپنے پیشاب پینے سے ذرا بھی نفرت نہیں۔ جن قوموں میں غسل جنابت نہیں وہ بھی اپنے آپ کو مسلمانوں سے اچھا سمجھتی ہیں۔ اور جن قوموں میں زنا کاری عام ہے اور نکاح کرنا عیب ہے انہیں اسلام پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں تعدد ازواج کی اجازت ہے یہ کیسی الٹی سمجھ ہے کہ دوستیاں تو جتنی چاہے رکھ لے لیکن ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا جو اللہ کی شریعت میں حلال ہے اس پر اعتراض ہے۔

یہود و نصاریٰ نے آج کل مستشرقین تیار کر رکھے ہیں یہ لوگ بظاہر اسلامی علوم میں اپنا اشتغال رکھتے ہیں اور نادان مسلمان خوش ہیں کہ کافر ہمارا دین پڑھ رہے ہیں وہ لوگ قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ خود کافر ہیں بلکہ اہل اسلام جو ان کے یہاں اسلامیات کی ڈگری لینے جاتے ہیں ان کو اسلامی عقائد میں مذبذب کر کے مرتد بنا دیتے ہیں ان سادہ لوح طلبا کو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہم دین اسلام سے خارج ہو گئے۔ مستشرقین ان کو اسلام اور داعی اسلام ﷺ پر اعتراضات سجھاتے اور سمجھاتے ہیں ان لوگوں کے پاس چونکہ علم نہیں ہوتا، علماء اسلام کی کتابوں اور صحبتوں سے محروم ہوتے ہیں اس لئے جواب دینے سے قاصر ہوتے ہیں اور خود بھی اسلام کے بارے میں بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔ مستشرقین ایسے ایسے اعتراضات سجھاتے ہیں جن کے منہ توڑ جوابات دیئے جا چکے ہیں اور علماءِ اسلام ان کو مناظروں میں شکست دے کر بارہا ذلیل کر چکے ہیں یہ لوگ اپنے دین کو باطل جانتے ہوئے اسی پر جمے ہوتے ہیں اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا٥

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا ۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ

اور دونوں کے درمیان پردہ حائل ہو گا اور اعراف پر بہت سے لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اس کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے اور وہ جنت والوں

الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝٤٦ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ

کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو۔ یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور امید کر رہے ہوں گے، اور جب ان کی نظریں دوزخ والوں کی طرف

اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝٤٧ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا

پھیر دی جائیں گی تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کے ساتھ شامل نہ فرمائیے۔ اور اعراف والے بہت سے آدمیوں کو پکاریں گے جنہیں

يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝٤٨

وہ ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے کہ تمہارے کام نہ آئی تمہاری جماعت اور نہ تمہارا تکبر کرنا۔

ع ۸ ۱۲

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ

کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ اللہ ان پر رحمت نہیں فرمائے گا ان کو یوں حکم ہو گیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں تم پر کوئی خوف نہیں

وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور نہ تم رنجیدہ ہو گئے۔

اصحابِ اعراف کا اہلِ جنت کو سلام پیش کرنا اور اہلِ دوزخ کی سرزنش کرنا

اہل جنت اور اہلِ دوزخ دو جماعتیں ہوں گی اور ہر جماعت اپنے اپنے مقام اور مستقر پر ہوگی۔ ان دونوں کے درمیان پردہ حائل ہو گا۔ یہ پردہ ایک دیوار کی صورت میں ہوگا جس کو وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ سے تعبیر فرمایا۔ اس پردہ کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو خطاب کرنے کا موقع دیا جائے گا جس کا ذکر اوپر وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ میں ہوا اور عنقریب ہی دوسری آیت میں دوزخیوں کا جنتیوں سے خطاب کرنے کا اور ان سے پانی طلب کرنے کا ذکر آرہا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کے درمیان کچھ جھروکے ہوں گے جن سے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اور بات کر سکیں گے۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ پردہ ایسا ہوگا جو جنت کا اثر اہلِ دوزخ کی طرف اور دوزخ کا اثر اہل جنت کی طرف نہیں پہنچنے دے گا۔ البتہ آپس میں ایک دوسرے کی آواز پہنچے گی۔

پھر اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہ دیوار درمیان میں حائل ہوتے ہوئے آواز کیسے پہنچے گی تحریر فرماتے ہیں کہ امور الاٰخرۃ لا تُقَاسُ بِاُمُوْرِ الدنیا (یعنی آخرت کی چیزیں دیناوی چیزوں پر قیاس نہیں کی جاتیں) یہ تو صاحبِ روح المعانی نے درست فرمایا لیکن اب تو دنیا میں بھی لاسلکی نظام نے یہ ثابت کر دیا کہ آواز پہنچنے اور باتیں کرنے کے لیے درمیان میں کسی چیز کا حائل ہونا اور ایک دوسرے سے بعید ہونا مانع نہیں۔

ایک شخص ایشیا میں بیٹھے ہوئے بے تکلف امریکہ کے کسی بھی فرد سے بات کر سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اعراف پر بہت سے لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو یعنی اہلِ جنت و اہلِ نار کو ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے۔ لفظ اَعْرَاف عَرَف کی جمع ہے ہر چیز کے بلند حصے کو عرف کہا جاتا ہے۔

آیت بالا میں جس اعراف کا ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان جو دیوار ہوگی جسے حجاب سے تعبیر فرمایا ہے وہ اعراف ہوگی۔ آیت بالا میں اس کی تصریح ہے کہ اعراف میں بہت سے لوگ ہوں گے جو اہلِ جنت کو پہچانتے ہوں گے اور اہلِ دوزخ کو بھی اور یہ پہچاننا ہر ایک کی علامتوں سے ہوگا۔ میدانِ حشر میں بھی اہلِ جنت اہلِ دوزخ سے ممتاز ہوں گے۔

اہلِ جنت کے چہرے سفید روشن ہوں گے اور اہلِ دوزخ کے چہرے سیاہ ہوں گے اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور جنت و دوزخ کے داخلہ کے بعد ہر فریق کی صورتوں کا ممتاز ہونا تو ظاہر ہی ہے اعراف والے اہلِ جنت کو اور اہلِ دوزخ کو ان کی نشانیوں سے پہچان لیں گے خود تو ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے البتہ اس کے امیدوار ہو رہے ہوں گے۔ کہ انہیں بھی جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے گا۔

اسی طمع اور آرزو کے حال میں وہ جنت والوں سے خطاب کریں گے کہ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (تم پر سلام ہو) ان کا یہ کہنا بطور تحیہ یا بطور اخبار کے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تکلیفوں سے بچادیا اور آئندہ بھی تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔

یہ اصحاب اعراف کون ہوں گے؟ اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے حضرات سلف سے متعدد اقوال نقل کئے ہیں مشہور ترین قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نیکیوں کی وجہ سے پل صراط سے گزر کر دوزخ سے تو بچ گئے لیکن ان کی نیکیاں اس قدر نہ تھیں کہ جنت میں داخلہ کا ذریعہ بن جائیں ان کو اعراف پر لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک چھوڑ دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی رحمت و فضل سے ان کو جنت میں داخل فرمادیں گے۔

اعراف والے حضرات اہل جنت سے بھی خطاب کریں گے (جس کا ذکر ابھی ہوا) اور اہل دوزخ سے بھی خطاب کریں گے، جب اہل دوزخ پر نظریں پڑیں گی تو ان کی بدحالی دیکھ کر اللہ پاک سے عرض کریں گے کہ اے اللہ! ہمیں ظالموں میں شمار نہ فرمانا یعنی دوزخ میں داخل نہ فرما۔ نیز یہ حضرات دوزخیوں میں ان لوگوں کو بھی دیکھیں گے جنہیں ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اہل کفر کے سردار تھے جنہیں اپنی جماعت پر گھمنڈ تھا اور تکبر کرتے تھے نہ دین حق قبول کرتے تھے اور نہ اپنے ماننے والوں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ اور اہل ایمان کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اور نہ صرف یہ کہ ان کو اپنے طور پر حقیر جانتے تھے بلکہ یوں کہتے تھے کہ ان لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہو ہی نہیں سکتی۔

اصحاب اعراف ان متکبروں سے کہیں گے کہ تمہاری جماعت نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا جن کے تم چودھری بنے ہوئے تھے، اور جو کچھ تم تکبر کرتے تھے اس نے بھی تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا یہ لوگ (یعنی اہل ایمان) کیا وہی نہیں ہیں؟ جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت میں شامل نہ فرمائے گا۔ دیکھو! وہ کیسے کامیاب ہوئے ان کو جنت میں داخلہ دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمائی اور فرمایا:

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ (جنت میں داخل ہو جاؤ) لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ○ (نہ تم پر اب کچھ خوف ہے نہ آئندہ تم کبھی رنجیدہ ہو گے) وہ تو اپنے ایمان کی وجہ سے کامیاب ہو گئے اور تمہارا تکبر تمہیں کھا گیا تم کفر پر اڑے رہے لہٰذا تمہیں دوزخ میں داخل ہونا پڑا۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا

اور دوزخ والے جنت والوں کو آواز دیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہا دو یا ان نعمتوں میں سے جو اللہ نے تمہیں دی ہیں، وہ جواب میں کہیں گے کہ بلاشبہ

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ

اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے، جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنایا اور انہیں دنیا والی زندگی نے دھوکہ دیا، سو آج ہم انہیں

الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝

ان کے حال پر چھوڑ دیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کی ملاقات کو بھول گئے اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے،

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے انہیں ایسی کتاب دی ہے جسے علم کے مطابق کھول کر بیان کر دیا جو ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ یہ لوگ بس اس انتظار میں ہیں

اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا

کہ اس کا انجام ان کے سامنے آ جائے۔ جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا تو وہ لوگ کہیں گے جو اس کو پہلے بھول گئے تھے کہ ہمارے رب کے پیغمبر

بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ

حق لے کر آئے سو کیا ہمارے سفارش کرنے والے ہیں جو ہمارے لئے سفارش کریں یا ہم واپس لوٹا دیئے جائیں سو ہم اس عمل کے علاوہ عمل کریں جو کیا کرتے تھے،

قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۟

ان لوگوں نے اپنی جانوں کو تباہی میں ڈالا اور جو کچھ افتراء پردازی کیا کرتے تھے وہ سب بے کار چلی گئی۔

ع ۱۳

دوزخیوں کا اہلِ جنت سے پانی طلب کرنا اور دنیا میں واپس آنے کی آرزو کرنا

اہلِ جنت اور اہلِ اعراف جو دوزخیوں سے خطاب کریں گے گذشتہ آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا۔ اس آیت میں اہلِ دوزخ کے خطاب کا ذکر ہے وہ اہلِ جنت سے اپنے عذاب کی تخفیف کے لیے سوال کریں گے اور ان سے اپنے لیے کچھ مانگیں گے، وہ کہیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہا دو۔ یا دوسری چیزیں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہیں ان میں سے کچھ ہماری طرف بھی بھیج دو۔ اہلِ جنت جواب دیں گے کہ جنت کا پانی اور جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں۔ ہم تمہارا سوال کیسے پورا کر سکتے ہیں؟

کافروں نے اپنے دین کو (جو اللہ نے ان کے لیے بھیجا تھا) لہو ولعب کھیل تماشا بنا دیا تھا اس کو قبول نہیں کرتے تھے اور الٹا اس کا مذاق بناتے تھے۔ دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا اسی کے لیے عمل کرتے رہے اور سب کچھ اسی کو سمجھتے رہے آخرت کے لیے فکرمند نہ ہوئے اور جس دین کے ذریعے آخرت میں نجات ہوتی اسے قبول کرنے سے دور رہے۔

فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ آج ہم بھی انہیں بھلا دیں گے یعنی ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں گے جو ایسے لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن کی طرف رحمت کے ساتھ بالکل توجہ نہ کی جائے اور جنہیں ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے چونکہ انہوں نے آج کے دن یعنی یوم قیامت کو بھلا دیا تھا اور ہماری آیات کا انکار کرتے تھے اس لئے ان پر بالکل رحم نہ کیا جائے گا اور ان کی کوئی درخواست قبول نہ کی جائے گی اور ان کو دوزخ ہی میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (اور ہم نے انہیں کتاب پہنچا دی ہے یعنی قرآن مجید جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے خوب واضح طور پر بیان کر دیا۔ (بیان تو سب ہی کے لیے ہے۔ لیکن) ہدایت و رحمت انہیں لوگوں کے لیے ہے جو اس کو سن کر ایمان لے آتے ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ (الآية) قرآن مجید میں مؤمن بندوں کا ثواب بتایا ہے ان کو بشارتیں دی ہیں اور اہلِ کفر کو عذاب سے ڈرایا ہے اور یوم قیامت میں جو ان کو عذاب ہوگا اس کی وعیدیں سنائی ہیں۔ مؤمنین کے حق میں قرآن مجید کے بتائے ہوئے اعمال خیر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن نجات پائیں گے اور جنت میں جائیں گے اور کافروں کو جو قرآن مجید نے وعیدیں سنائی ہیں وہ ان وعیدوں کے مطابق اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

اسی عاقبت اور انجام کو لفظ تاویل سے تعبیر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اور دعوت حق کو قبول نہیں کرتے ان کی

حالت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو بس یہی انتظار ہے کہ قرآن نے کافروں کے بارے میں جو وعیدیں بتائی ہیں یعنی عذاب کی خبریں دی ہیں ان کے مطابق ان پر عذاب آ جائے۔ جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو وہ لوگ جو قرآن کی دعوت کو بھولے ہوئے تھے اور ایمان سے منحرف تھے یوں کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر ہمارے پاس حق لے کر آئے تھے دنیا میں ہم نے حق قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے یہاں عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اب عذاب سے نکلنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہماری کوئی سفارش کر دے جس کی سفارش قبول ہو جائے اور ہم عذاب سے بچ جائیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہم دنیا میں واپس بھیج دیئے جائیں اور اب وہاں جا کر ان کاموں کے علاوہ دوسرے کام کریں جو گذشتہ زندگی میں کیا کرتے تھے۔ یعنی کفر اور شرک کے عقائد اور اعمال سے پرہیز کریں اور ایمان و ایمانیات میں مشغول ہوں۔

قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (انہوں نے اپنی جانوں کو تباہ کر ڈالا) وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ (اور جو جھوٹی باتیں جھوٹے وعدے لئے پھرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کرتے تھے اور ان شرکاء کو بارگاہ خداوندی میں شفعاء یعنی سفارشی سمجھتے تھے۔ یہ سب غائب ہو جائے گا اور اس کا باطل ہونا ظاہر ہو گیا۔

سورۂ فاطر میں ہے کہ جب دوزخ میں یہ درخواست کریں گے کہ اے رب! ہمیں دوزخ سے نکال دیجئے اب ہم ان اعمال کے علاوہ دوسرے اعمال کریں گے جو اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔ تو اس کے جواب میں ارشاد ہوگا اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ○ (کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آئے لہٰذا تم چکھ لو، سو ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں) چونکہ موت کے بعد برزخ سے اور میدان حشر سے دنیا میں واپس آنے کا قانون نہیں ہے اس لئے واپس نہیں ہو سکتے اور کافروں کو ابد الآباد تک عذاب چکھنا ہی ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ پھر عرش پر استواء فرمایا،

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ

ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو رات اسے طلب کر لیتی ہے جلدی سے، اور پیدا فرمایا چاند کو اور سورج کو اور ستاروں کو اس حال میں کہ اس کے حکم سے وہ مسخر ہیں

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۵۴

خبردار! پیدا فرمانا اور حکم دینا اللہ کے لیے خاص ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

آسمان و زمین کی پیدائش، شمس و قمر اور ستاروں کی تسخیر کا تذکرہ

یہاں سے پھر توحید کا بیان شروع ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو بندوں کے سامنے بڑی بڑی مخلوقات ہیں ان کی تخلیق اور تسخیر کا تذکرہ فرمایا۔ یہ چیزیں توحید کی نشانیاں ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔

اللہ جل شانہٗ آنِ واحد میں ساری کائنات کو پیدا فرمانے پر قادر ہے پھر آسمان و زمین کو چھ دن میں کیوں پیدا فرمایا؟ ہمیں اس کی حکمت معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ اپنی مخلوق کو تعلیم دینے کے لیے دفعۃً پیدا فرمانے کے بجائے چھ دن میں فرمایا تا کہ وہ سمجھ لیں کہ جب قادر مطلق نے چھ دن میں آسمان و زمین پیدا فرمائے حالانکہ وہ آن واحد میں دفعۃً پیدا فرما سکتا ہے تو مخلوق کو اپنے کام میں ضرور تدریج اور ترتیب کی ضرورت ہوگی۔

قال صاحب الروح وقال غیر واحد ان فی خلقها مدرجًا مع قدرتہ سبحانہ علٰی ابداعها دفعة دلیل علی الاختیار واعتبار للنُّظَّار (ص ۱۳۳ ج ۸) وفیہ ایضًا ان التعجیل فی الخلق ابلغ فی القدرة والتثبت ابلغ فی الحکمة فاراد اللہ تعالٰی اظهار حکمتہ فی خلق الاشیاء بالتثبت کما اظهر قدرتہ فی خلق الاشیاء بکُن (ص ۱۳۴ ج ۸) (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: کئی حضرات نے کہا ہے اللہ کو ایک ہی دفعہ میں زمین و آسمان کو پیدا کرنے کی قدرت ہونے کے باوجود اس کا تدبیر سے پیدا کرنے میں کسی کام کو غور سے کرنے کی دلیل اور عقل والوں کے لئے عبرت ہے اور یہ بات بھی ہے کہ پیدائش میں جلدی کمالِ قدرت کی دلیل ہے اور تدبیر سے پیدا کرنا کمالِ حکمت کی دلیل ہے تو تدبیر سے پیدا کرنے میں اللہ تعالٰی کا مقصود اپنی حکمت کا اظہار ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی نے کُن کے ذریعہ چیزوں کو پیدا کر کے اپنی قدرت ظاہر فرمائی۔

وفی معالم التنزیل (ص ۱۶۴ ج ۲) قال سعید بن جبیر کان اللہ عزوجل قادرًا علی خلق السمٰوت والارض فی لمحة واللحظة فخلقهن فی ستة ایام تعلیما لخلقه التثبت والتانی فی الامور وقد جاء فی الحدیث التانی من الرحمن والعجلة من الشیطان (تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالٰی آسمان اور زمین کو ایک لمحہ اور ایک لحظہ میں پیدا کرنے پر قادر تھا۔ لیکن انہیں چھ دنوں میں پیدا کر کے اپنی مخلوق کو تدبیر کی تعلیم دی ہے اور معاملات میں غور و فکر کی تعلیم دی ہے اور حدیث پاک میں بھی آیا ہے کہ غور و تدبر اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اور جلدی شیطان کی طرف سے)

سورۂ فرقان (ع ۵) اور سورۂ حٰم سجدہ (ع ۱) اور سورۂ ق (ع ۳) میں سمٰوٰت اور ارض کے ساتھ وَمَا بَيْنَهُمَا بھی فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا فرمایا اس کی تفصیل سورۂ حٰم سجدہ (ع ۲) میں بیان فرمائی ہے وہاں انشاء اللہ تعالٰی اس بارے میں تفصیل سے لکھا جائے گا۔

یہاں یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ دن تو سورج کی حرکت سے وجود میں آتا ہے اس وقت نہ آسمان تھے نہ زمین تھی نہ سورج تھا تو چھ دن کا وجود کیسے ہوا؟ اس کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ ستة ایام سے مقدار ستة ایام مراد ہے یعنی چھ دن کی مقدار میں تخلیق فرمائی۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (پھر عرش پر استواء فرمایا) اِستواء قائم ہونے کو اور عرش تخت شاہی کو کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالٰی شانہٗ نے جو اپنے بارے میں ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ فرمایا اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى فرمایا اس کو سمجھنے کے لیے بعض لوگوں نے مختلف تاویلیں کی ہیں۔ اس کے بارے میں حضرات سلف صالحین صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے جو بات منقول ہے وہ یہ ہے کہ انسانی عقل اللہ جل شانہٗ کی ذات و صفات کو پوری طرح سمجھنے اور احاطہ کرنے سے عاجز ہے لہٰذا جو کچھ فرمایا ہے اس سب پر ایمان لائیں اور سمجھنے کے لیے کھوج کرید میں نہ پڑیں۔

یہی مسلک بے غبار اور صاف و صحیح ہے حضرت امام مالکؒ سے کسی نے اِستواء علی العرش کا معنی پوچھا تو ان کو پسینہ آ گیا اور تھوڑی دیر سر جھکانے کے بعد فرمایا کہ استواء کا مطلب تو معلوم ہے اور اس کی کیفیت سمجھ سے باہر ہے اور ایمان اس پر لانا واجب ہے۔ اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

پھر سائل سے فرمایا کہ میرے خیال میں تو گمراہ شخص ہے اس کے بعد اسے اپنی مجلس سے نکلوا دیا۔ (معالم التنزیل ص ۱۶۵ ج ۲)
اس بارے میں سوال کرنے کو بدعت اس لئے فرمایا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی آیات متشابہات تھیں لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے بارے میں کیفیت اور حقیقت سمجھنے کے لیے کوئی سوال نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی ان امور کو واضح نہیں فرمایا۔ جس طرح وہ حضرات آیات متشابہات پر اجمالاً ایمان لے آئے اسی طرح بعد والوں کے لیے بھی اسی میں خیر ہے کہ بغیر سمجھے ہوئے ایمان لے آئیں۔
سورۂ آل عمران کے پہلے رکوع میں گذر چکا ہے کہ جن کے دلوں میں زَیْغ یعنی کجی ہے وہ فتنہ تلاش کرنے کے لیے متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں۔ اوران کا مطلب معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ط (الاٰیة)
پھر فرمایا یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ (اللہ تعالیٰ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر یعنی شب کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیتا ہے اس کو سورۂ زمر میں یوں فرمایا یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَ یُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ ط (وہ رات کو دن پر لپیٹ دیتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے) اور یہ سب کے سامنے ہے اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں کہ رات اور دن کے نظام کو بدل دے نیز فرمایا یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا (یعنی کہ رات جلدی جلدی چل کر دن کو طلب کر لیتی ہے) دن آنا فانا گذرتا ہوا معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ رات آجاتی ہے اور دن غائب ہو جاتا ہے۔
پھر فرمایا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ ۢ بِاَمْرِهٖ ط (یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند اور تمام ستاروں کو پیدا فرمایا اس حالت پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں اور اس کی مشیت وارادہ کے مطابق چل رہے ہیں۔ ہزاروں سال گذر گئے جوان کی رفتاریں مقرر فرما دیں اور جو کام ان کے ذمہ لگائے ہیں ان میں لگے ہوئے ہیں صرف خداوند قدوس کے حکم سے چلتے ہیں کسی آلہ یا انجن کے بغیر محض امر الٰہی ہی کی وجہ سے رواں دواں ہیں۔
آسمان، زمین، شمس وقمر اور ستاروں کی تخلیق بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط (خبردار اللہ ہی کے لیے ہے پیدا فرمانا اور حکم دینا)
قال صاحب الروح (ص ۱۳۸ ج ۸) و فسر بعضهم الامر هنا بالارادة ایضاً وفسر اٰخرون الا مربما هو مقابل النهی والخلق بالمخلوق ای له تعالٰی المخلوقون لا نهٗ خلقهم وله ان یأ مرهم بما اراد ھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہاں بعض نے تو اَمر کی تفسیر ارادہ سے بھی کی ہے اور دوسرے بعض نے نہی کے مقابلہ میں جو امر ہوتا ہے وہ مراد لیا ہے اور خلق کو مخلوق کے معنی میں لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسی کی مخلوقات ہے کہ اسی نے انہیں پیدا کیا ہے اور اسی کو اپنے ارادہ کے مطابق انہیں حکم کرنے کا اختیار ہے)
خالق ہونا اور حاکم ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اس کے علاوہ کوئی نہ ادنیٰ چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ تکوینی اور تشریعی طور پر اس کے علاوہ کسی کو حکم دینے کا اختیار ہے۔
آخر میں فرمایا تَبٰرَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ (بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے)
صاحب معالم التنزیل (ص ۱۶۵ ج ۲) نے اولاً تو تبارک کا معنی تعالٰی الله و تعظم لکھا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ برتر ہے باعظمت

ہے) اور ایک قول یوں بھی لکھا ہے کہ تَبَارَکَ بمعنی تَقَدَّسَ ہے۔ پھر محققین کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

معنی ھٰذہ الصفة ثبت و دام بما لم یزل ولا یزال

(یعنی اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی ذات اور صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا) تمام اقوال کو سامنے رکھ کر لفظ تَبَارَکَ کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے باعظمت ہے ہر عیب سے پاک ہے وہ اپنی صفات عالیہ سے ہمیشہ متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا اس کی ذات وصفات کو کبھی بھی زوال نہیں۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي

تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو ناپسند فرماتا ہے جو حد سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ اور فساد نہ کرو زمین میں

الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

اس کی اصلاح کے بعد، اور پکارو اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔ بے شک اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں سے قریب ہے

دعا کرنے کے آداب

اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور حاکمیت بیان فرمانے کے بعد حکم فرمایا کہ اسی کی طرف متوجہ ہو اسی کو پکارو، اسی سے مانگو اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو۔ ساتھ ہی دعا کا ادب بھی بتا دیا اور وہ یہ کہ تضرع یعنی عاجزی کے ساتھ دعا کیا کرو دعا میں اپنی عاجزی اختیار کرو اور دل سے مانو کہ واقعی ہم عاجز ہیں، نیز یہ بھی بتایا کہ چپکے چپکے دعا کرو۔ بعض مواقع میں زور سے دعا کرنا بھی ثابت ہے جیسا کہ استسقاء اور قنوت نازلہ وغیرہ میں زور سے دعا کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن عام حالت میں چپکے چپکے ہی دعا کرنا چاہئے۔

سورۂ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَاۗءً خَفِيًّا ○ (جبکہ زکریا نے اپنے رب کو پکارا پوشیدہ طریقہ سے) بات یہ ہے کہ خفیہ دعا کرنے میں حضوریٔ قلب کا موقع زیادہ ہوتا ہے۔ اگر زور سے دعا کی جائے تو اونچی آواز کرنے کی طرف بھی دھیان رہتا ہے اور اس میں توجہ بٹ جاتی ہے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ! کیا ہمارا رب قریب ہے اگر ایسا ہے تو ہم اس سے مناجات کریں یعنی خفیہ طریقہ پر مانگیں یا وہ دور ہے جسے ہم زور سے پکاریں اس پر آیت کریمہ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ (الاٰية) نازل ہوئی۔ (درمنثور ص ۱۹۴ ج ۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**انا عند ظن عبدی بی و انا معه اذا ذکرنی**" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۶) میں (میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں وہ میرے بارے میں جو گمان کرلے، اور میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **انا مع عبدی اذا ذکرنی و تحرکت بی شفتاه**. (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹) (میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور جب اس کے ہونٹ میری یاد میں حرکت کرتے ہوں)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تمہارا رب تم سے اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنی تمہاری سواری والی اونٹنی کی گردن تم سے قریب ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ از بخاری و مسلم)

پس جب اللہ جل شانہٗ بندوں سے اس قدر قریب ہے تو دعا میں چیخنے اور پکارنے کی ضرورت نہیں آہستہ دعا کریں اور دل لگا کر مانگیں۔

پھر ارشاد فرمایا **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ** (بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا) اس میں عمومی طور پر تمام اعمال میں اعتداء اور اسراف اور حد سے آگے بڑھ جانے کی ممانعت فرما دی۔ یہ اعتداء حد سے بڑھ جانا دعا میں بھی ہوتا ہے۔

حضرات مفسرین نے بطور مثال کے لکھا ہے کہ دعا میں ایک اعتداء یہ ہے کہ (مثلاً) اپنے لئے یہ سوال کرے کہ مجھے جنت میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی منازل عطا کی جائیں۔ اگر گناہ کرنے یا قطع رحمی کی دعا کی جائے تو یہ بھی اعتداء کی ایک صورت ہے۔ سنن ابوداؤد (ص۱۳ ج۱) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا **اللّٰهُمَّ انی اسئلک القصر الابیض عن یمین الجنة** (اے اللہ! میں آپ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں) یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بیٹا! تو اللہ سے جنت کا سوال کر اور دوزخ سے پناہ مانگ (اپنی طرف سے سفید محل تجویز نہ کر) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہور (وضو، غسل وغیرہ میں) اور دعاء میں اعتداء یعنی زیادتی کریں گے۔

زندگی کے دوسرے شعبوں میں جو حدود شرعیہ سے آگے بڑھ جاتے ہیں اس کی ممانعت بھی آیت کریمہ کے عموم الفاظ میں داخل ہے۔ نیکی تو بہت بڑی چیز ہے لیکن شرعاً اس کی بھی حدود مقرر ہیں کوئی شخص راتوں رات نماز پڑھے اپنی بیوی اور مہمانوں کی خبر نہ لے یا رات دن ذکر و تلاوت میں لگا رہے اور بیوی بچوں کی معاش کے لیے فکرمند نہ ہو اور ان کے لیے اتنی روزی نہ کمائے جس سے واجبات ادا ہوں یہ بھی اعتداء اور زیادتی ہے۔

پھر فرمایا **وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا** (اور زمین کی اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ کرو) اس سے زمین کی ظاہری اصلاح اور باطنی اصلاح دونوں مراد ہو سکتی ہیں۔ ظاہری اصلاح تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش برسادی درخت نکال دیئے۔ کھیتی اگا دی اور اس میں طرح طرح کے فوائد رکھ دیئے اس کو خراب نہ کرو۔ اللہ کی پیدا فرمودہ چیزوں کو نہ اجاڑ دو۔ اور ان سے انتفاع کی جو جائز صورتیں ہیں ان میں رخنہ پیدا نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ان سے منتفع ہونے دو۔ اور باطنی اصلاح مراد لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا کتابیں نازل فرمائیں دلائل سے حق کو واضح فرمایا اعمال صالحہ کا حکم دیا اور برے کاموں سے منع فرمایا کثیر تعداد میں انسانوں نے ایمان قبول کیا اب اس سدھار کو خراب نہ کرو، ہدایت کی راہ اختیار کرو، اسی پر خود رہو اور دوسروں کو اسی پر رہنے دو۔

مذکورہ بالا آیات سے چند آداب معلوم ہوئے۔ اوّل: یہ کہ دعا میں زیادتی نہ کرو۔ دوم: یہ کہ خفیہ طریقہ پر دعا کرو۔ سوم: یہ کہ ڈرتے ہوئے دعا مانگو کہ ممکن ہے قبول نہ ہو۔ چہارم: خوب للچاتے اور امید کرتے ہوئے دعا مانگو پانچواں: ادب **وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا** سے معلوم ہوا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ فساد فی الارض جو تمام معاصی پر صادق آتا ہے اس سے بھی پرہیز کرو۔ کیونکہ فساد فی الارض بھی دعاؤں کی قبولیت کے روکنے کا ذریعہ ہے۔

صحیح مسلم (ص۳۲۶ ج۱) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جس کا سفر لمبا ہو بال بکھرے ہوئے ہوں۔ غبار سے اٹا ہوا ہو وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر **یَا رَبِّ یَا رَبِّ** کہتا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہو، پینا حرام ہو، اور لباس حرام ہو اور اسے حرام سے غذا دی گئی ہو۔ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے اس کی دعا کہاں قبول ہوگی؟

پھر فرمایا **اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ**ｏ (بلاشبہ اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں سے قریب ہے) اس میں مطلقاً

اچھے کام کی فضیلت بتادی، جتنے بھی اچھے کام ہیں وہ سب اللہ کی رحمت شامل حال ہونے کا ذریعہ ہیں۔

اسی عموم میں دعا کا احسان بھی ہے۔ دعا کے جو آداب بتائے ہیں ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے اگر دعا کی جائے تو اللہ کی رحمت نازل ہوگی اور دعا کی قبولیت کا ذریعہ بن جائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا

اور اللہ وہ ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے ۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادل کو اٹھا لیتی

ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ

ہیں تو ہم اس کو مردہ زمین کے لیے روانہ کرتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ پانی نازل کرتے ہیں ۔ پھر ہم اس کے ذریعہ نکالتے ہیں ہر طرح کے پھلوں سے

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۵۷ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ

اسی طرح ہم زندہ کریں گے مردوں کو، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے

وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ۝۵۸ ع ۷ / ۱۴

اور جو زمین خراب ہے اس کا سبزہ نہیں نکلتا مگر ناقص ہم اسی طرح لوگوں کے لیے طرح طرح سے آیات بیان کرتے ہیں جو شکر گذار ہوتے ہیں۔

بارش اور اس کے ذریعہ پیداوار اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت یعنی بارش اور اس کے فوائد کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو اس کی رحمت یعنی بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں جن میں پانی بھرا ہوا ہوتا ہے جو زمین بے آب و گیاہ ہوتی ہے اور سبزی کے اعتبار سے مردہ ہو چکی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو ایسی زمین کی طرف بھیج دیتا ہے وہاں بارش برستی ہے جس سے پانی جمع ہو جاتا ہے سبزہ نکل آتا ہے، کھیتیوں اور باغوں میں جان پڑ جاتی ہے جس سے پھل میوے غلے پیدا ہوتے ہیں پھر ان سے انسان اور جانور غذا پاتے ہیں اور منتفع ہوتے ہیں۔

بارش بنجر زمین پر بھی ہوتی ہے اور پہاڑوں پر برستی ہے لیکن ایسی زمین کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ فرمایا جس میں پانی برسنے کے بعد کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، اور سبزیوں ترکاریوں کی پیداوار ہوتی ہے کیونکہ یہ انسان اور اس کے پالتو جانوروں کی معاش کا سبب ہے اور مؤمن کافر سب ہی اس سے منتفع ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سب کو اپنا انعام یاد دلایا۔

زمین سے پھلوں کے نکالنے کا انعام ذکر فرمانے کے بعد كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى فرمایا کہ ہم اسی طرح مردوں کو نکالیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس سے درخت اور پھل پھول نکالے اسی طرح قیامت کے دن مردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکالیں گے۔

سورۂ حٰم سجدہ میں فرمایا وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب! تو زمین کو دیکھتا ہے کہ

وہ دبی ہوئی ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر پانی وہ لہلہانے لگتی ہے اور بڑھنے لگتی ہے بلا شبہ جس نے اس کو زندہ فرمایا وہ مردوں کو زندہ کر دے گا بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)

قیامت کے دن جب پہلا صور پھونکا جائے گا اور لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ بارش بھیج دے گا وہ شبنم کی طرح ہوگی اس سے لوگوں کے جسم اگ جائیں گے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ سب کھڑے ہوئے دیکھتے ہوں گے۔ (مشکوۃ شریف ص ۴۸۱ از مسلم)

آیت کے ختم پر لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ فرمایا جس میں نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہوائیں بھیجتا ہے جو بارش آنے کی خوش خبری دیتی ہیں پھر یہ ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بھاری بادلوں کو مردہ زمین کی طرف لے جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہاں بارش برستی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو تو پانی سے بھرے ہوئے بادل گذرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور ضرورت کی جگہ ایک قطرہ بھی نہ برسے جب پانی برس جاتا ہے تو وہاں زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ سبزیاں کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ پھل اور میوے پیدا ہو جاتے ہیں انسان پر لازم ہے کہ اس سب کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے اور اس ذات پاک کی طرف متوجہ ہو جس کے حکم سے یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی منکرین بعث کو بھی سمجھنے کی دعوت دی کہ وہ زمین سے مردوں کے نکلنے کو مستبعد سمجھتے ہیں وہ نظروں کے سامنے دیکھ لیں کہ زمین بار بار مردہ ہوتی رہتی ہے اور زندہ ہوتی رہتی ہے۔ پھر فرمایا:

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ط .... (اور اچھی زمین کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو خراب زمین ہے اس میں سے نہیں نکلتا مگر ناقص، نکدا اس چیز کو کہتے ہیں جو بے فائدہ بھی ہو اور مقدار میں بھی کم ہو۔ بارش تو جگہ جگہ ہوتی ہے اچھی زمین پر بھی برستی ہے اور بنجر شور زمین پر بھی اس کا فیضان ہوتا ہے لیکن اچھی زمین بارش کی وجہ سے باغ و بہار بن جاتی ہے اور خراب زمین میں جو کوئی چیز پیدا ہو جاتی ہے بے فائدہ ہوتی ہے اور تھوڑی سی ہوتی ہے (بے فائدہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ غذا کے کام نہیں آتی)

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں مؤمن اور کافر کی مثال بیان فرمائی ہے مؤمن کا دل طیب ہے پاکیزہ ہے اس کے سامنے جو اللہ کی ہدایتیں آتی ہیں اور جو قرآن کی آیات سنتا ہے وہ اس کے دل پر اثر کر جاتی ہے اور ان سے منتفع ہوتا ہے اور اس کے دل میں خوبیوں اور خوشیوں کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔

اور کافر کے پاس جب ہدایت پہنچتی ہے اور قرآن کی آیات سنتا ہے تو قبول نہیں کرتا اس کا دل خبیث ہے۔ ہدایت سے منتفع نہیں ہوتا ذرا بہت ہدایت کا خیال آتا ہے تو اس کو آگے نہیں بڑھنے دیتا۔

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝ (یعنی ہم طرح طرح سے آیات بیان کرتے ہیں یہ ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو شکر گزار ہیں اور قدر شناس ہیں) بیان تو سب کے لیے ہوتا ہے لیکن نفع وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جنہیں اپنے خالق کی نعمتوں کی قدر دانی ہے۔ ان کے قلوب پاکیزہ ہیں خیر کو قبول کرتے ہیں۔ اور ظاہری باطنی نعمتوں کے لیے شکر گزار ہوتے ہیں۔

قال صاحب الروح (ص ۱۴۸ ج ۸) لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ نعم الله تعالىٰ ومنها تصريف الأيات وشكر ذالك بالتفكر فيها والاعتبار بها، وخص الشاكرين لا نهم المنتفعون بذلك، وقال الطيبي ذكر لقوم يشكرون بعد لعلكم تذكرون من باب الترقي لان من تذكر الآء الله تعالىٰ عرف حق النعمة فشكر ا ھ۔ (صاحب روح المعانی فرماتے

ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اور نعمتوں کا شکر ان میں غور وفکر اور سبق آموزی سے کرتے ہیں اور شکر کرنے والوں کو اس لئے خاص کیا ہے کیونکہ نفع اٹھانے والے وہی ہیں۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں تَذَكَّرُوْنَ کے بعد یَشْكُرُوْنَ فرمانا ترقی کے باب سے ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرے گا تو وہی نعمت کا حق پہچان کر اس کا شکر بھی ادا کرے گا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم ! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود

غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰكَ

نہیں ہے - بے شک میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں ۔ ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم

فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾

تجھے کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم! میرے ساتھ کوئی گمراہی نہیں ہے لیکن میں سارے جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ

میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہے

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ

کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک شخص کے پاس نصیحت کی باتیں آگئیں تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ، اور تاکہ تم

تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا

پر رحم کیا جائے۔ سو ان لوگوں نے نوح کو جھٹلایا۔ سو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دے دی، اور ہم نے ان

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ بلاشبہ وہ لوگ اندھے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا سرکش ہو کر ہلاک ہونا

امت حاضرہ کی یاد دہانی اور عبرت دلانے کے لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے اور ان کی امتوں کے واقعات ذکر فرمائے ہیں کہیں ایک ہی نبی کا تذکرہ فرمایا اور کہیں متعدد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ فرمایا۔ کہیں تذکرے مختصر ہیں کہیں مفصل ہیں۔

یہاں سورۂ اعراف میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ و تذکیر اور ان کی امتوں کے انکار و تکذیب پھر اس پر ان کی سزا و تعذیب کا تذکرہ فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے دشمن فرعون کا

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ فرمایا۔

سورۂ ہود میں بھی اسی ترتیب سے ان حضرات کے واقعات ذکر فرمائے ہیں پھر اسی ترتیب سے سورۂ شعراء میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے چونکہ عبرت دلانا مقصود ہے اس لیے یہ تکرار نہایت ہی مفید ہے۔ منکرین کی یہ نادانی ہے کہ ان واقعات سے عبرت لینے کی بجائے یوں سوال کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے؟ جسے شفقت ہوتی ہے بار بار تنبیہ وتذکیر کرتا ہے۔

اللہ جل شانہٗ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنے غافل بندوں کی بار بار تذکیر فرمائی تو اس پر اعتراض کرنا جہالت وحماقت نہیں ہے تو کیا ہے؟ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی تذکیر وتبلیغ کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ صرف اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا واقعی اور حقیقی معبود کوئی نہیں۔ ان لوگوں نے بت بنا رکھے تھے جن میں سے بعض کے نام سورۂ نوح میں مذکور ہیں۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی تو آپس میں کہنے لگے لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ (کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو اور مت چھوڑو ود کو اور سواع کو اور یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو) حضرت نوح علیہ السلام ان کے اندر ساڑھے نو سو سال رہے (جیسے کہ سورۂ عنکبوت کے دوسرے رکوع میں بیان فرمایا ہے) اور ان لوگوں کی تفہیم وتذکیر میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی۔ وہ لوگ بہت بری طرح پیش آتے تھے طرح طرح کے طنز کرتے تھے اور ان کے سردار اور چودھری ان باتوں میں پیش پیش تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ تم تو ہمارے جیسے آدمی ہو اور جو تمہارے ساتھ لگے ہیں وہ تو ہماری نظر میں گھٹیا قسم کے لوگ ہیں۔ (سورۂ ہود)

کبھی آپس میں یوں کہتے تھے کہ یہ ہمارے جیسا آدمی ہے یہ تم پر سرداری کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے مقابلہ میں بڑا بن کر رہے (جیسا کہ سورۂ مؤمنون میں ہے يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ) نیز حضرت نوح علیہ السلام دعوت دیتے تھے تو یہ لوگ کپڑے اوڑھ لیتے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے دیتے تھے (جیسے کہ سورۂ نوح میں مذکور ہے) اور نہ صرف یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام سے دور بھاگتے تھے بلکہ الٹا انہیں گمراہ بتاتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں گمراہ نہیں ہوں میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور مجھے ان باتوں کا پتہ ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں۔ تمہیں اس بات سے تعجب ہو رہا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نصیحت آ گئی اور اس کا واسطہ تم میں کا ایک شخص بن گیا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جس شخص کے واسطہ سے تمہارے پاس یہ نصیحت آئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں پروردگار کے عذاب سے ڈرائے جو تکذیب کرنے والوں اور نافرمانوں کے لیے مقرر ہے۔ تم ڈرو اور کفر سے بچو اس میں تمہاری بھلائی ہے یہ رب العالمین جل مجدہٗ تم پر رحم فرمائے گا۔ ان لوگوں نے جو عذاب آنے کی بات سنی تو اس کو ماننے کی بجائے یوں ہی ایک دھمکی سمجھی اور کہنے لگے کہ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو) ان کی تکذیب ضد اور عناد کے باعث پانی کا زبردست طوفان آیا، حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی جو اہل ایمان تھے اور تعداد میں تھوڑے تھے کشتی میں سوار ہو گئے تھے وہ نجات پا گئے اور سب کا فر غرق کر دیئے گئے۔

ان لوگوں نے ہدایت کو نہ مانا۔ نصیحت پر کان نہ دھرا۔ گمراہی کو ہی اختیار کیا اندھے بنے رہے۔ عقل وفہم کو بالائے طاق رکھ کر ضد اور عناد پر تلے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا مفصل قصہ ان شاء اللہ العزیز سورۂ ہود (ع ۴) میں آئے گا۔

فائدہ..........تفسیر درمنثور (ص ۲۱۲ ج ۱) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح

علیہ السلام کے درمیان دس قرنیں تھیں (ہر قرن سو سال کی ہوتی ہے) اور یہ قرون سابقہ سب ملت اسلام پر تھیں بعد میں اختلاف ہوا۔ اور کفر و شرک کی راہیں لوگوں نے اختیار کر لیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی امت پہلی امت ہے جس نے کفر اختیار کیا اور بُت پرستی شروع کی۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا

کیا تم ڈرتے نہیں۔ ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا جواب میں کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم تجھے بے وقوفی میں دیکھ رہے ہیں۔ اور بلاشبہ ہم

لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

یہ سمجھ رہے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے۔ ہود نے کہا اے میری قوم! مجھ میں بے وقوفی نہیں ہے لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ

عالم کا۔ پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں، امانت دار ہوں، کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ

طرف سے نصیحت آ گئی تم ہی میں سے ایک شخص کے واسطہ سے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور یاد کرو جبکہ اس نے تمہیں

خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ

قوم نوح کے بعد خلیفہ بنا دیا۔ اور جسمانی طور پر تمہارے ڈیل ڈول میں پھیلاؤ زیادہ کر دیا لہٰذا تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ تاکہ تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ

کامیاب ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں اور ہمارے باپ دادا جس کی عبادت کرتے تھے اسے چھوڑ دیں۔

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

سو ہمارے پاس وہ چیز لے آ جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔ ہود نے کہا تم پر تمہارے رب کی طرف

رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ

سے عذاب اور غصہ نازل ہو چکا۔ کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو ان ناموں کے بارے میں جو نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود سے تجویز کر لیے ہیں۔

مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی سو تم انتظار کرو۔ بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَالَّذِیۡنَ مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا

پھر ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا

وَمَا كَانُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۷۲﴾

اور وہ لوگ ایمان والے نہ تھے۔

ع ۹ ۸ ۱۶

حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور قوم کا ہلاک ہونا

ان آیات میں قوم عاد اور ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے قوم عاد بڑی قوت وطاقت والی تھی۔ یہ لوگ بڑے قدآور تھے ان کا ڈیل ڈول بھی بڑا تھا۔ ان کے بارے میں سورۂ فجر میں فرمایا اَلَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ ٥ (ان جیسی قوم شہروں میں پیدا نہیں کی گئی) عاد ایک شخص تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی پانچویں پشت میں سے تھا۔ اسی کے نام پر اس کی نسل قوم عاد کے نام سے مشہور ہوگئی۔ حضرت ہود علیہ السلام جو اسی نسل میں سے تھے وہ ان کی طرف مبعوث ہوئے قوم عاد کو اپنی قوت بازو اور طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب ہود علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور عذاب سے ڈرایا تو وہ اپنی قوت اور طاقت جتلانے لگے اور کہنے لگے کہ مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ط (کہ ہم سے طاقت کے اعتبار سے زیادہ سخت کون ہے) ان کو خالقِ کائنات جل مجدہ کی طاقت پر نظر نہ تھی اسی لیے ایسے بے ہودہ الفاظ کہہ گئے ان کے جواب میں فرمایا۔

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ط (کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس ذات نے انہیں پیدا فرمایا وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے) ان لوگوں کو حضرت ہود علیہ السلام نے سمجھایا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اللہ نے تمہیں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد اس دنیا میں بسا دیا۔ اور تمہیں بہت سی نعمتوں سے مالا مال فرما دیا اس نے تمہیں چوپائے دیئے، بیٹے عطا فرمائے، باغات دیئے، چشمے دیئے (اَمَدَّكُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّبَنِیۡنَ وَجَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ) تم کفر سے باز آؤ ورنہ تم پر بڑا عذاب آجائے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو یہ بھی سمجھایا کہ تم نے جو معبود تجویز کر رکھے ہیں اور ان کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں یہ سب تمہاری اپنی تراشیدہ باتیں ہیں تم ان کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، خود ہی معبود تجویز کرتے ہو۔ خود ہی ان کے نام رکھتے ہو اور خود ہی ان کی طرف تصرفات کی نسبت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ خالق و مالک اللہ ہے۔ وہی دین اور عقیدہ قابل قبول ہے جو اس کی طرف سے اس کے رسولوں نے بتایا ہو۔ چونکہ ان لوگوں کو حضرت ہود علیہ السلام کی باتوں پر اعتماد نہ تھا اور ان کو سچا نہیں سمجھتے تھے اس لئے کہا کہ تم بے وقوف ہو اور یہ بھی کہا کہ ہمارے خیال میں ہمارے معبودوں نے تم پر کچھ کر دیا ہے اسی لیے ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو (اِنۡ نَّقُوۡلُ اِلَّا اعۡتَرٰىكَ بَعۡضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ ط) اور کہنے لگے تمہارے وعظ سے ہم پر کوئی اثر ہونے والا نہیں (سَوَآءٌ عَلَیۡنَآ اَوَعَظۡتَ اَمۡ لَمۡ تَكُنۡ مِّنَ الۡوٰعِظِیۡنَ) جب انہوں نے تکذیب کی اور یوں بھی کہا کہ عذاب لا کر دکھاؤ۔ تو حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب تو تم پر اللہ کا عذاب اور غصہ نازل ہو ہی چکا۔ یعنی اس کے آنے میں دیر نہیں ہے تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں پھر جب اللہ کا عذاب آیا تو حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھی (جنہوں نے ایمان قبول کیا تھا) سب کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے محفوظ رکھا۔ اور باقی پوری قوم کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔ قوم عاد پر جو عذاب آیا تھا سورۂ حٰمٓ سجدہ، سورۂ احقاف، سورۂ ذاریات، سورۂ حاقہ اور سورۂ قمر میں اس کا ذکر ہے۔

سورۂ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ اور سورۂ قمر میں فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۙ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ○

اور سورۂ حآقہ میں فرمایا وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ○ (اور لیکن عاد سو وہ ہلاک کئے گئے ٹھنڈی تیز ہوا کے ذریعہ، اللہ نے ان پر اس ہوا کو سات رات اور آٹھ دن لگا تار مسخر فرمادیا۔ اے مخاطب! تو دیکھے قوم کو کہ اس ہوا میں پچھاڑے ہوئے پڑے ہیں گویا کہ وہ کھوکھلے تنے ہیں کھجور کے، کیا تو ان میں دیکھتا ہے کہ کوئی باقی رہا)

سورۂ ذاریات میں فرمایا وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ○ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ (اور قوم عاد میں عبرت ہے جبکہ ہم نے بھیجی ان پر ایسی ہوا جو بانجھ تھی یعنی خیر سے بالکل خالی تھی وہ جس چیز پر پہنچتی تھی اسے ایسا بنا کر رکھ دیتی تھی جیسے چورا ہو)

سورۂ احقاف میں ہے کہ جب لوگوں پر عذاب آنا شروع ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی وادیوں کی طرف بادل آرہا ہے (وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے) اور کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا (برسنے والا بادل کہاں تھا) بلکہ وہ تو عذاب ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے۔ وہ تو ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا ہم اسی طرح مجرمین کو سزا دیتے ہیں (یہ سورۂ احقاف کی آیات کا ترجمہ ہے ۱۲)۔

عناصر اربعہ آگ، خاک، آب اور ہوا سب اللہ کے مامور ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور اس کی مخلوق کے لیے نفع یا ضرر کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ (کہ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور قوم عاد دبور کے ذریعے ہلاک کی گئی۔ (رواہ البخاری ص ۱۴۱ ج ۱) صبا وہ ہوا ہے جو مشرق سے مغرب کو چلتی ہے اور دبور وہ ہوا ہے جو مغرب سے مشرق کو چلتی ہے۔

غزوۂ احزاب کے موقعہ پر جب مختلف قبائل اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے مدینہ پر چڑھ آئے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا بھیجی جس نے دشمن کے خیمے اکھاڑ دیئے اور ان کے چولہے الٹ دیئے اور انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

حدیث بالا میں اسی کا تذکرہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب آسمان میں کوئی بادل دیکھتے تھے تو آپ کا رنگ بدل جاتا تھا اور آپ کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر آتے جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ کیفیت جاتی رہتی تھی۔ میں نے اس بات کو پہچان لیا اور اس بارے میں آپؐ سے سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اے عائشہ! میں ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو جیسا قوم عاد نے بادل کو دیکھ کر کہا جو اُن کی وادیوں کی طرف آرہا تھا کہ یہ بادل بارش برسانے والا ہے (لیکن بارش برسانے والا بادل نہ تھا) بلکہ ہوا کی صورت میں عذاب تھا جو ان پر نازل ہوا۔ (رواہ مسلم ص ۲۹۴، ۲۹۵ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی چیز ہے وہ رحمت لاتی ہے اور عذاب بھی لاتی ہے لہٰذا تم اسے برا نہ کہو۔ اللہ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے پناہ مانگو (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۰ از ابی داؤد و ابن ماجہ)۔

وقف لازم

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اسکے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تمہارے رب کی

بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

طرف سے تمہارے پاس دلیل آ چکی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے سو تم اسے اللہ کی زمین میں چھوڑے رکھو کھاتی پھرا کرے۔ اور اس کو برائی

بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ

کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا، اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں عاد کے بعد زمین میں رہنے کا ٹھکانہ دے دیا۔ تم اس

فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ

زمین کے نرم حصہ میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ سو اللہ کی نعمتوں کو

وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ

یاد کرو اور زمین میں فساد مت کرو۔ ان کی قوم کے جو متکبر سردار تھے انہوں نے ضعیفوں سے کہا

اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ

جو ان میں سے ایمان لائے تھے کیا تم اس بات کا یقین کرتے ہو کہ صالح اس کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے؟ انہوں نے جواب دیا بے شک جو کچھ ان کو

بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا

دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ متکبر سرداروں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اسکے منکر ہیں۔ سو انہوں نے

النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۷۷﴾

اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کا حکم ماننے سے سرکشی کی، اور کہنے لگے کہ اے صالح! اگر تم پیغمبروں میں سے ہو تو جس چیز کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ لے آؤ۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ

سو ان کو پکڑ لیا زلزلہ نے سو وہ اوندھے منہ ہو کر اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے پھر صالح نے ان سے منہ موڑا۔ اور فرمایا کہ اے میری قوم! بلاشبہ میں

اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾

نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ اور تمہاری خیر خواہی کی۔ لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور سرکشی اختیار کر کے قوم کا ہلاک ہونا

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے وہ قوم ثمود تھی۔ عاد اور ثمود دونوں ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ یہ دونوں دو

شخصوں کے نام تھے۔ بنو عاد قوم عاد کے نام سے اور بنو ثمود قوم ثمود کے نام سے معروف و موسوم ہوئے۔ قوم ثمود عرب کے شمال مغرب میں رہتے تھے ان کے مرکزی شہر کا نام حجر تھا۔ جس کو سورۂ حجر کے چھٹے رکوع میں بیان فرمایا ہے۔ قوم عاد کی بربادی کے بعد یہ لوگ زمین میں بسے اور پھلے پھولے۔ یہ لوگ بھی قوت اور طاقت والے تھے زمین پر بڑے بڑے مکانات بناتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر اپنے لیے گھر بنا لیتے تھے جس کو تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ط میں بیان فرمایا ہے۔ ان لوگوں کے تراشے ہوئے پہاڑ اور پہاڑوں کے اندر بنائے ہوئے گھر آج تک موجود ہیں۔ جو مدائن صالح کے نام سے معروف و مشہور ہیں اور شہر العلاء سے چند میل کے فاصلہ پر ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے (جو انہی کی قوم میں سے تھے) ان کو تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اور فرمایا يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط (اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے) قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو بے تکے جواب دیئے، سورۂ قمر میں ہے کہ وہ یوں کہنے لگے اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ (کیا ایسے شخص کا ہم اتباع کرلیں جو ہم میں سے ہے اگر ہم ایسا کرلیں تو کھلی گمراہی میں اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے کیا ہم سب کے درمیان سے اس پر نصیحت نازل کی گئی؟ ایسا نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے شیخی بگھارتا ہے)

سورۂ ہود میں فرمایا کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو توحید کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ ط (اے صالح اس سے پہلے تم ہمارے اندر بڑے ہونہار تھے) تم سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں اَتَنْهٰنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ○ (کیا تو ہم کو اس سے منع کرتا ہے کہ پرستش کریں جن کی پرستش کرتے رہے ہمارے باپ دادے اور ہم کو اس میں شبہ ہے جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے یہ شبہ تردد میں ڈالنے والا ہے)

حضرت صالح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ زیادہ تر دنیاوی اعتبار سے کمزور تھے۔ (عام طور پر یوں ہی ہوتا رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت پر اولاً وہی لوگ لبیک کہتے ہیں جو دنیاوی اعتبار سے نیچے کے طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں) ان کی قوم میں جو بڑے لوگ تھے یعنی دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے تھے انہوں نے غریب مسلمانوں سے کہا کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں انہوں نے جواب میں کہا۔

اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (کہ بلاشبہ ہم تو اس پر ایمان لائے جو وہ لے کر بھیجے گئے) متکبرین نے کہا کہ ہم تو اس کو نہیں مانتے اور جس پر تم ایمان لے آئے ہم اس کے منکر ہیں۔ یہ تکبر اور دنیا کی چودھراہٹ اور بڑائی ہمیشہ بڑا بننے والوں کا ناس کھو دیتی ہے۔ اور حق کو قبول کرنے سے باز رکھتی ہے۔

قوم ثمود کے لوگ بھی بڑے ضدی تھے کہنے لگے کہ ہم تو جب جانیں جب تم پہاڑ میں سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔ اگر پہاڑ میں سے اونٹنی نکل آئی تو ہم مان لیں گے کہ تم اللہ کے نبی ہو۔ ان کو ہر چند سمجھایا کہ دیکھو اپنے منہ سے مانگا ہوا معجزہ فیصلہ کن ہوتا ہے اگر اونٹنی تمہارے مطالبہ پر پہاڑ سے نکل آئی اور پھر بھی ایمان نہ لائے تو سمجھ لو کہ پھر جلدی ہی عذاب آجائے گا۔

وہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے اور یہی مطالبہ کرتے رہے کہ اونٹنی پہاڑ سے نکال کر دکھاؤ۔ اگر اونٹنی پہاڑ سے نکل آئی تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اسی وقت ایک پہاڑی پھٹ گئی اور اس کے اندر سے اونٹنی

نکل آئی۔

یہ ماجرا دیکھ کر جندع بن عمرو (جوثمود کا سردار تھا) اور اس کے ساتھ تھوڑے سے اور لوگ مسلمان ہو گئے۔قوم کے جو بڑے لوگ تھے انہوں نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کیا لیکن ان کے بتوں کے جو پجاری تھے انہوں نے ایمان نہ لانے دیا۔اب تو منہ مانگا معجزہ سامنے آ گیا یہ معجزہ کیا تھا نَاقَةُ اللهِ یعنی اللہ کی اونٹنی تھی اسے ناقۃ اللہ فرمایا جیسے کعبۃ اللہ کو بیت اللہ کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ مالک حقیقی سبھی کا اللہ تعالیٰ ہے اور بعض چیزوں کے مجازی مالک بھی ہیں اور اس اونٹنی کا کوئی مالک مجازی نہ تھا اس لئے ناقۃ اللہ فرمایا۔اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کو ناقۃ اللہ اس لئے فرمایا کہ وہ قوم صالح پر اللہ کی حجت تھی۔مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اونٹنی جب پہاڑ سے نکلی اس کے ساتھ ہی اس کا بچہ بھی نمودار ہوا تھا جب اونٹنی کو قتل کر دیا (جس کا ذکر آگے آتا ہے) تو اس بچہ نے تین بار آواز نکالی پھر ایک اونچے پہاڑ پر چڑھ گیا۔چونکہ یہ اونٹنی دیگر اونٹنیوں جیسی نہ تھی اس لئے اس کا کھانا اور پینا بھی دوسری اونٹنیوں سے مختلف تھا۔حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا فَذَرُوْهَا تَأْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللهِ (اسے چھوڑے رکھو تا کہ اللہ کی زمین سے کھاتی پیتی رہے) وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (اور اسے برے خیال سے مت چھوؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا) نیز انہوں نے ان سے یہ بھی فرمایا لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (اس کے لیے پانی پینے کا حصہ مقرر ہے اور تمہارے لیے ایک مقررہ دن کا پینا ہے) یہ اونٹنی جنگلوں میں چلتی پھرتی تھی ایک دن چھوڑ کر پانی پیتی تھی جب یہ پانی پینے لگتی تھی تو کنوئیں میں سر لٹکا کر سارا پانی پی جاتی تھی۔

ان لوگوں کو یہ بات کھلی اور چونکہ اس اونٹنی کی وجہ سے ان کے مویشی خوف زدہ ہو کر دور دور بھاگ جاتے تھے۔اس وجہ سے ان لوگوں کو اونٹنی کا وجود ناگوار ہوا۔ان میں دو عورتیں زیادہ مالدار تھیں جن کے بہت مویشی تھے انہوں نے قوم میں سے دو آدمیوں کو اونٹنی کے قتل کر دینے پر آمادہ کیا۔یہ دونوں آدمی جن میں ایک کا نام مصدع اور دوسرے کا نام قدار تھا چھپ کر بیٹھ گئے جب اونٹنی ادھر سے گذری تو مصدع نے اس کی پنڈلی میں تیر مارا پھر قدار نے اس کو ذبح کر دیا بستی کے لوگ نکلے اور اس کا گوشت تقسیم کر لیا جب وہ ایسی حرکت کرنے کو نکلے تھے تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو متنبہ کر دیا تھا کہ ایسا نہ کرو۔

سورۂ والشمس میں فرمایا اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ○ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ نَاقَةَ اللهِ وَسُقْيٰهَا (جب اٹھ کھڑا ہوا ان کا سب سے بڑا بدبخت، سو ان سے اللہ کے رسول نے کہا کہ خبردار اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کے بارے میں اپنی جانوں کو بچا کر رکھو) ان لوگوں نے بات نہ مانی اور بالآخر اونٹنی کو مار ہی ڈالا، جب انہوں نے ایسا کیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ○ (کہ تم لوگ اپنے گھروں میں تین دن فائدہ اٹھالو۔یہ وعدہ ہے جو جھوٹا ہونے والا نہیں) جب حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا تین دن کے بعد عذاب آ جائے گا تو ان کا مذاق بنانے لگے۔

وہ کہتے تھے کہ يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (کہ اے صالح وہ عذاب لے آؤ جس کا تم وعدہ کرتے ہو اگر تم پیغمبروں میں سے ہو) وہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے درپے بھی ہوئے جس کا ذکر سورۂ نمل میں فرمایا قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ (الآیۃ)

عذاب تو آنا ہی تھا پہلے دن ان کے چہرے پیلے ہو گئے دوسرے دن سرخ ہو گئے تیسرے دن سیاہ ہو گئے۔اور چوتھے دن ان پر عذاب آ گیا (از تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۷ تا ص ۲۲۹ ج ۲۔البدایہ والنہایہ ص ۱۳۴ تا ص ۱۳۷ جلد ۱) سورۂ اعراف میں فرمایا فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ○ (ان کو پکڑ لیا سخت زلزلہ نے لہٰذا وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے)

اور سورۂ ہود میں فرمایا وَاَخَذَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الصَّیۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ○ كَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوۡدَاۡ كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّثَمُوۡدَ ○ (اور پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا چیخ نے، سو وہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے جیسے ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ خبردار ثمود نے اپنے رب کی ناشکری کی، خبردار دوری ہے ثمود کے لیے)

دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ قوم ثمود پر دونوں طرح کا عذاب آیا زلزلہ بھی آیا اور چیخ بھی حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ زلزلہ نیچے سے آیا اور چیخ کی آواز انہوں نے اوپر سے سنی اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ زلزلہ سے جب زمین پھٹتی ہے تو اس سے آواز نکلتی ہے اور یہ آواز بھیانک ہوتی ہے جسکی وجہ سے سننے والوں کے دل لرز جاتے ہیں اور ہوش کھو بیٹھتے ہیں اس لئے زلزلہ کو صَیۡحَةً (یعنی چیخ) سے تعبیر کیا۔

سورۂ حٰمٓ سجدہ میں بھی قوم ثمود کی سرکشی اور بربادی کا ذکر ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَیۡنٰهُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰی عَلَی الۡهُدٰی فَاَخَذَتۡهُمۡ صٰعِقَةُ الۡعَذَابِ الۡهُوۡنِ بِمَا كَانُوۡا یَكۡسِبُوۡنَ ○ (اور جو ثمود تھے ہم نے ان کو راستہ بتلایا سو انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو پسند کیا پس ان کو عذاب نے پکڑ لیا جو سراپا ذلت تھا)

اس آیت میں ثمود کے عذاب کو صٰعِقَةُ الۡعَذَابِ الۡهُوۡنِ سے تعبیر فرمایا۔ لفظ صاعقہ ایسی سخت آواز کے لیے بولا جاتا ہے جو اوپر سے سنائی دے۔

امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں کہ اس سے کبھی آگ پیدا ہوتی ہے۔ کبھی یہ عذاب بن کر آتی ہے اور کبھی موت کا سبب بن جاتی ہے اس لئے اس کو تینوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اھ چونکہ قوم ثمود کی ہلاکت رجفة یعنی زلزلہ اور چیخ کے ذریعہ ہوئی تھی اس لئے سورۂ حٰمٓ سجدہ میں جو لفظ صاعقہ وارد ہوا ہے بعض حضرات نے اسے مطلق عذاب کے معنی میں لیا ہے لیکن اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے کہ رجفة، صیحه، صاعقه (اوپر سے سنائی دینے والی سخت آواز) تینوں طرح کا عذاب آیا ہو۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (ص ۱۳۶ ج ۲) میں لکھا ہے کہ قوم ثمود کی پوری قوم عذاب میں ہلاک ہوگئی البتہ ان میں ایک عورت تھی جس کا نام کلبہ تھا وہ حضرت صالح علیہ السلام سے بہت زیادہ عداوت رکھتی تھی اس نے جب عذاب دیکھا تو وہاں سے تیزی سے دوڑی اور عرب کے ایک قبیلہ کو جا کر خبر دی اور ان لوگوں سے پانی طلب کیا پھر پانی پی کر مرگئی۔ پھر ص ۱۳۷ پر بحوالہ مصنف عبدالرزاق ابورغال کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ ابورغال کی قبر پر گذرے اور فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں! آپ نے فرمایا یہ ابورغال کی قبر ہے یہ شخص قوم ثمود میں تھا جب ان لوگوں پر عذاب آیا تو یہ شخص حرم مکہ میں تھا حرم میں ہونے کی وجہ سے اس پر عذاب نہ آیا جب حرم سے باہر آیا تو یہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہو کر مر گیا جو اس کی قوم پر آیا تھا اور اسے یہاں دفن کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ سونے کی ایک ٹہنی بھی دفن کر دی گئی۔ حضرات صحابہؓ سواریوں سے اترے اور جلدی سے آگے بڑھے قبر کھودی اور اس میں سونے کی ٹہنی نکل آئی۔ یہ واقعہ طائف کو جاتے ہوئے پیش آیا تھا (یہ قصہ حضرت امام ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں نقل کیا ہے (راجع آخر حدیث من کتاب الخراج)۔

فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَقَالَ یٰقَوۡمِ الآیۃ (سو صالح (علیہ السلام) نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور وہاں سے منہ موڑ کر چلے گئے اور فرمایا کہ اے میری قوم! بلاشبہ میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) یہ خطاب حضرت صالح علیہ السلام نے کب فرمایا؟ بعض مفسرین نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ جب قوم پر عذاب آنے کے آثار دیکھ

لیے اور محسوس فرمالیا کہ عذاب آنے ہی کو ہے تو حضرت صالح علیہ السلام ان کو چھوڑ کر روانہ ہوگئے اور ان سے یہ آخری خطاب فرمایا جو حسرت بھرے انداز میں ہے۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جب ان کی قوم ہلاک اور برباد کی گئی تو ان سے یہ خطاب فرمایا۔ یہ خطاب ایسا ہی ہے جیسا بدر میں مقتول ہونے والے کافروں سے حضور اکرم ﷺ نے خطاب فرمایا تھا جن کی نعشیں ایک کنوئیں میں پڑی ہوئی تھیں یہ فرما کر حضرت صالح علیہ السلام اہل ایمان کو لے کر فلسطین کی طرف چلے گئے اور وہیں قیام پذیر ہوئے، چونکہ قوم ثمود کی بستیوں پر عذاب آچکا تھا اس لئے یہاں رہنا گوارا نہ فرمایا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ جب تبوک تشریف لے جا رہے تھے تو اس وادی سے گذرے اس وقت آپ چہرۂ انور پر کپڑا ڈالے ہوئے تھے۔ آپ تیزی سے گذرے اور اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ یہاں سے تم روتے ہوئے گذرو ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی وہ عذاب پہنچ جائے جو ان لوگوں کو پہنچا تھا۔ نیز آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ عذاب کی جگہ پر کوئی نہ جائے اور نہ وہاں کے کنوئیں کا پانی استعمال کرے۔ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم نے تو یہاں کے کنوؤں کے پانی کو استعمال کیا ہے اور اس پانی سے آٹا گوندھا ہے آپ نے فرمایا کہ پانی گرا دو جو آٹا گوندھا ہے اسے اونٹوں کو کھلا دو (صحیح بخاری ص ۴۷۸ و ص ۴۷۹ ج ۱ و ص ۶۳۷ جلد ۲)

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو جسے تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا،

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ

بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت رانی کے لیے مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے گذر جانے والے ہو، اور ان کی

جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ

قوم کا جواب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ بے شک یہ ایسے لوگ ہیں جو پاکباز بنتے ہیں سو ہم نے

وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

نجات دی لوط کو اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ رہ جانے والوں سے تھی اور ہم نے ان پر ایک بڑی بارش برسا دی۔ سو دیکھ!

عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

کیسا انجام ہے مجرمین کا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو احکام پہنچانا اور قوم کا اپنے افعال سے باز نہ آنا اور انجام کے طور پر ہلاک ہونا

ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بدکرداری کا اور تھوڑا سا اس سوال و جواب کا ذکر ہے جو حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان ہوا نیز جو ان پر عذاب آیا اس کا بھی ذکر ہے۔ مفصل قصہ سورۂ ہود اور سورۂ حجر اور سورۂ شعراء اور سورۂ عنکبوت میں مذکور ہے اور

تھوڑا تھوڑا دیگر مواقع میں بھی ہے۔
یہ لوگ ایمان بھی نہ لائے اور جن برے کاموں میں مبتلا تھے ان سے حضرت لوط علیہ السلام نے روکا تو الٹے الٹے جواب دیتے رہے۔ یہاں سورۂ اعراف میں ان کی طرف ایک بدکرداری کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ مرد، مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے سیدنا لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ بے حیائی کا ایسا کام ہے جسے تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔ اس بدکرداری اور بدفعلی کی تم نے بنیاد ڈالی ہے۔ یہ خالق و مالک کی شریعت کے خلاف ہے اور فطرت انسانی کے بھی۔ ان کی دوسری بدکرداری یہ تھی کہ راہزنی کرتے تھے جسے سورۂ عنکبوت میں وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ سے تعبیر فرمایا ہے۔

سورۂ شعراء میں فرمایا اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ o وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ (کیا تم سارے جہانوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو اور وہ جو اللہ نے تمہارے لیے پیدا کیا یعنی تمہاری بیویاں ان کو چھوڑتے ہو بلکہ تم حد سے گذر جانے والے لوگ ہو) سیدنا حضرت لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو سمجھایا برے کام سے روکا لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور بے ہودہ جواب دینے لگے۔ کہنے لگے کہ اجی! ان لوگوں کو بستی سے نکالو۔ یہ لوگ پاکباز بنتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ خود پاکباز بنتے ہیں اور ہمیں گندہ بتاتے ہیں گندوں میں پاکوں کا کیا کام؟ یہ بات انہوں نے ازراہِ تمسخر کہی تھی۔

سورۂ شعراء میں ہے لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ (ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہیں نکال دیا جاتا ہے) قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ (حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے اعمال سے بغض رکھنے والا ہوں) وہ لوگ برابر اپنی بے ہودگی اور بے حیائی پر اڑے رہے اور کمال بے ہودگی اور ڈھٹائی کے ساتھ انہوں نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ کا عذاب لے آ جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں فرمایا۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ آخر ان پر عذاب آ گیا اور انہیں منہ مانگی مراد مل گئی۔ سورۂ انعام میں فرمایا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا اور سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں بھی ایسا ہی فرمایا یعنی ہم نے ان پر بڑی بارش برسادی اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا:

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ o (کہ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اس سبب سے کہ وہ بدکاری کرتے تھے) یہ کیا عذاب تھا اور کیسی بارش تھی اس کے بارے میں سورۂ ہود میں فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ط (سو جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے زمین کے اوپر والے حصے کو نیچے والا حصہ کر دیا اور ہم نے اس زمین پر کنکر کے پتھروں کی بارش برسادی جو لگاتار گر رہے تھے جو آپ کے رب کے پاس سے نشان لگے ہوئے تھے)

سورۂ حجر میں بھی یہ مضمون ہے وہاں فرمایا ہے

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ o فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ o ط (سو پکڑ لیا ان کو چیخ نے سورج نکلتے نکلتے سو کر دیا ہم نے اس کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا حصہ اور برسا دیئے ہم نے ان پر کنکر کے پتھر)

ان سب آیات کو ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا چیخ نے بھی پکڑا، ان کی سرزمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا، اور ان پر پتھر بھی برسا دیئے گئے ان بستیوں کو سورۂ براءت (ع ۹) میں اَلْمُؤْتَفِكٰتُ سے تعبیر کیا ہے یعنی الٹی بستیاں سورۂ

ہود اور سورۂ ذاریات اور سورۂ عنکبوت میں ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے فرشتے آئے تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے ان کی مہمانی کا انتظام کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا آپ حضرات کیوں بھیجے گئے۔ سورۂ ذاریات میں ہے

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں جن پر نشان لگے ہوئے ہیں تیرے رب کے پاس حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے، سو نکال دیا ہم نے جو ان میں ایمان والے تھے پس ہم نے اس میں ایک گھر کے سوا کوئی گھر مسلمانوں کا نہیں پایا)

حضرت لوط علیہ السلام نے بہت محنت کی، حق کی طرف بلایا اور ایمان لانے کی دعوت دی لیکن قوم سے کوئی شخص بھی مسلمان نہ ہوا اور اپنی بے ہودہ حرکتوں میں لگے رہے البتہ ان کے گھر کے لوگ مسلمان ہو گئے لیکن ان کی بیوی مسلمان نہ ہوئی تھی۔ مسلمان ہونے والی ان کی لڑکیاں تھیں اسی کو فرمایا کہ ایک گھر کے سوا کسی کو مسلمان نہ پایا۔ ان کی بیوی بھی چونکہ مسلمان نہ ہوئی تھی اس لئے وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل کر لی گئی۔

اسی کو فرمایا فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ﳲ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (سو ہم نے نجات دی لوط کو اور اس کے گھر کے لوگوں کو سوائے اس کی بیوی کے۔ یہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی) یعنی جو اہلِ ایمان بستیوں سے نکال دیئے گئے تھے تا کہ عذاب میں مبتلا نہ ہوں ان کے علاوہ جو لوگ تھے وہ انہی میں رہ گئی۔

سورۂ ہود میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ﻁ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ﻁ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ﻁ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﻁ (سو تم رات کے ایک حصہ میں نکل جاؤ۔ اور تم میں سے کوئی بھی مڑ کر نہ دیکھے سوائے تمہاری بیوی کے، بے شک اسے عذاب پہنچنے والا ہے جو ان لوگوں کو پہنچے گا۔ ان کی ہلاکت کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے کیا صبح قریب نہیں ہے)

مفسرین لکھتے ہیں یا تو ان کی بیوی ان کے گھر والوں کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی یا ساتھ تو نکلی لیکن پیچھے مڑ کر دیکھ کر اپنی قوم کی ہلاکت پر افسوس ظاہر کرنے لگی۔ ایک پتھر آیا اور اسے وہیں قتل کر دیا۔ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ فرمایا اور سورۂ ذاریات میں حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ فرمایا۔

دونوں جگہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ جو پتھر ان لوگوں پر برسائے گئے وہ یہ عام پتھر یعنی پہاڑوں کے ٹکڑوں میں سے نہ تھے بلکہ ایسے پتھر تھے جو مٹی سے پکا کر بنائے گئے ہوں جس کا ترجمہ کنکر سے کیا گیا اور مُسَوَّمَةً بھی فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ہر پتھر پر نشان لگا ہوا تھا کہ یہ فلاں شخص پر ہی گرے گا۔ اور سورۂ ہود میں جو مَنْضُوْدٍ ہے اس کا معنی ہے کہ لگا تار پتھر برسائے گئے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا۔ اس خطہ کو اوپر اٹھا کر لے گئے اور وہاں سے الٹا کر کے زمین کی طرف پھینک دیا۔

حضرت لوط علیہ السلام جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ چار بستیاں تھیں جن کے نام مؤرخین و مفسرین نے سدوم، امورا، عامورا، اور صبویر بتائے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی بستی سدوم تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام اسی میں رہتے تھے۔ یہ بستیاں نہر اردن کے

قریب تھیں ۔ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا گیا اور ان کی جگہ بحرمیت جاری کر دیا گیا جو آج بھی موجود ہے پانی کہیں دوسری جگہ سے نہیں آتا ہے صرف ان بستیوں کی حدود میں رہتا ہے۔ یہ پانی بد بودار ہے جس سے کسی قسم کا انتفاع انسانوں کو یا جانوروں کو یا کھیتوں کو نہیں ہوتا۔

سورۂ صافات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (اور تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گذرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے)۔

اہلِ عرب تجارت کے لیے شام جایا کرتے تھے راستے میں یہ بستیاں پڑتی تھیں جن کا تختہ الٹ دیا گیا تھا کبھی صبح کے وقت اور کبھی رات کے وقت وہاں سے گذر ہوتا تھا ان لوگوں کو یاد دلایا کہ دیکھو کافروں، بدکاروں کا کیا انجام ہوا۔ تم وہاں سے گذرتے ہو اور نظروں سے دیکھتے ہو پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے۔

فائدہ .... قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس فاحشہ کام یعنی مردوں کے ساتھ شہوت رانی کا عمل کرنے میں لگی ہوئی تھی یہ عمل ان سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا۔ یہ عمل عقلاً و شرعاً و فطرۃً نہایت ہی شنیع اور قبیح ہے اور کبائر میں سے ہے۔ اس کی سزا کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرات صاحبین امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ بھی ایک طرح کا زنا ہے اس کی سزا بھی وہی ہے جو زنا کی سزا ہے۔ یعنی بعض صورتوں میں سو کوڑے مارنا۔ اور بعض صورتوں میں سنگسار کر دینا (یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا) ان دونوں سزاؤں کی تفصیلات کتب فقہ کی کتاب الحدود میں لکھی ہیں حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ان کا ایک قول یہ ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں کو سنگسار کر دیا جائے۔

حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی ایک قول ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی کوئی ایسی سزا مقرر نہیں کہ ہمیشہ اسی کو اختیار کیا جائے بلکہ امیر المؤمنین اس کو مناسب جانے تو دونوں کو قتل کر دے۔ اور مناسب جانے تو سخت سزا دے کر جیل میں ڈال دے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کی موت ہو جائے یا توبہ کر لیں۔ اور اگر اس عمل کو دوبارہ کر لیں تو قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا کہ یہاں ایک ایسا آدمی ہے جس سے لوگ اسی طرح شہوت پوری کرتے ہیں جس طرح عورت سے شہوت پوری کی جاتی ہے اس بارے میں حکم شرعی بتایا جائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کو جمع فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایسا گناہ ہے جسے صرف ایک ہی امت نے کیا ہے ان کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے معاملہ کیا وہ آپ سب کو معلوم ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ اس فعل بد کی کیا سزا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آبادی میں جو سب سے اونچی عمارت ہو وہاں سے اوندھے منہ کر کے پھینک دیا جائے پھر پیچھے سے پتھر مارے جائیں یہ تفصیل فتح القدیر اور بحر الرائق میں لکھی ہے

مشکوٰۃ المصابیح (ص ۳۱۳) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاعل اور مفعول کو جلا دیا تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں پر دیوار گروا کر ہلاک کر دیا تھا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَآءَتْكُمْ

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے

بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي

رب کی طرف سے دلیل آ گئی ہے۔ سو ناپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو، اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد

الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا

فساد مت کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مؤمن ہو، اور مت بیٹھ جاؤ،

بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ج

ہر راستہ میں کہ تم لوگوں کو دھمکیاں دیتے ہو اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہو جو اس پر ایمان لائے۔ اور اس میں کجی تلاش کرتے ہو۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑے سے تھے سو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا۔ اور دیکھ لو فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا

اور اگر تم میں سے ایک جماعت اس حکم پر ایمان لائی جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہ لائی تو صبر کرو

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ سب حاکموں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی امت کو تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے ان لوگوں کا ہلاک ہونا

جو امتیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت قبول نہ کرنے اور ضد وعناد پر کمر باندھنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں ان میں سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام کی امت بھی تھی۔ ان لوگوں میں کفر وعناد تو تھا ہی کیل اور وزن میں کمی کرنا بھی ان میں رواج پذیر تھا بیچتے تھے تو کیل میں یعنی ناپ کر دینے میں اور وزن میں کمی کر دیتے تھے۔ اور راستوں میں بیٹھ جاتے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے بھی تھے یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے اور ایمان لانے سے منع کرتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آ چکی ہے لہٰذا تم ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ کرو اس کے بعد اس کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ اور راستوں میں مت بیٹھو جہاں تم لوگوں کو دھمکیاں دیتے ہو اور جو اللہ پر ایمان لے آئے اسے اللہ کی راہ سے روکتے ہو۔

یہ لوگ راستوں پر بیٹھ جاتے تھے اور جو لوگ بستی میں آنے والے ہوتے ان کو ڈراتے اور دھمکاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو شعیب کی بات مانو گے تو ہم تمہیں مار ڈالیں گے اور ساتھ ہی حضرت شعیب علیہ السلام کے بتائے ہوئے دین میں کجی تلاش کرتے تھے اور سوچ سوچ کر اعتراض نکالتے تھے۔ جس کو وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا سے تعبیر فرمایا۔ ''کجی تلاش کرنے'' کا مطلب سورۂ اعراف کے پانچویں رکوع میں بیان ہو چکا ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے اللہ کی نعمت یاد دلائی اور فرمایا ''

وَاذْكُرُوٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ (اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے اس کے بعد اللہ نے تمہیں کثرت دے دی) نیز فرمایا:
وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○ (اور دیکھ لو فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا)
چونکہ اس سے پہلے دیگر امتیں ہلاک ہو چکی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔ اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں توجہ دلائی کہ گذشتہ ہلاک شدہ امتوں سے عبرت لے لو۔
سورۂ ہود میں ہے وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ○ (اے میری قوم! مجھ سے ضد کرنا تمہارے لیے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم پر بھی اس طرح کی مصیبتیں آ پڑیں۔ جیسے قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر پڑی تھیں۔ اور قوم لوط تم سے دور نہیں ہے)
یہ لوگ برابر ضد اور عناد پر اڑے رہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو بے ہودہ اور بے تکے جواب دیتے رہے جن کا تذکرہ آئندہ آیات میں ہے انہوں نے یوں بھی کہا کہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اِلَّا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ جس کا ذکر ابھی ایک آیت کے بعد آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔
ان لوگوں کو جب یہ بتایا گیا کہ کفر پر جمے رہو گے تو اللہ کی طرف سے عذاب آ جائے گا۔ اس پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ ایک جماعت ایمان لے آئی ہے اور ہم لوگ ایمان نہیں لے آئے جو ایمان نہیں لائے ان پر تو کوئی عذاب نہیں آیا۔ اور وہ سب عیش و آرام میں ہیں۔ لہٰذا یہ عذاب کی باتیں بے اصل معلوم ہوتی ہیں۔
اس کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ عذاب کا فوراً اور جلدی آنا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جب چاہتا ہے عذاب بھیجتا ہے تم ذرا ٹھہرو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔
وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○ وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے چنانچہ کافروں پر عذاب آیا اور ان کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔ جیسا کہ اسی رکوع کے آخر میں آ رہا ہے اور اہلِ ایمان کو بچا دیا گیا جیسا کہ سورۂ ہود میں مذکور ہے۔

☆☆☆..................☆☆☆
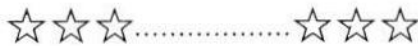
(پارہ نمبر ۹)

الجزء ۹

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ان کی قوم کے سردار جو تکبر کرنے والے تھے کہنے لگے کہ اے شعیب ضرور ضرور ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے اپنی بستی سے نکال دیں

مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا

گے، یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کیا (ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں گے) اگر چہ دل سے برا جانتے ہوں؟ اگر ہم تمہارے دین میں واپس

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ

ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اللہ پر جھوٹی تہمت لگانے والے بن جائیں اسکے بعد کہ اللہ نے اس سے ہم کو نجات دی، اور ہم سے یہ نہیں ہو سکتا

اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ

کہ ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں الا یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ

ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا، اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور کہا ان کی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا

قوم کے سرداروں نے جو کفر پر تھے کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلنے لگو گے تو بلاشبہ بڑے نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ سو پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے سو وہ صبح کے وقت اس حال

مغ

فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا

میں ہو گئے کہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے تھے۔ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا کہ وہ ان گھروں میں رہے ہی نہیں تھے، جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی

كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ

نقصان میں پڑنے والے ہیں۔ سو پشت پھیری انکی طرف سے اور کہا کہ اے میری قوم بے شک میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی

ع ۱۱ ۹ ۱

فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

سو پھر میں کفر اختیار کرنے والی قوم پر کیوں رنج کروں؟

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا اہلِ ایمان کو کفر میں واپس آنے کی دعوت دینا اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہونا

جوقوم کے سردار ہوتے ہیں وہ متکبر بھی ہوتے ہیں ان متکبر سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے دین میں کیسے آ سکتے ہیں جبکہ ہم اسے برا جانتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی یعنی اگر ہم پھر تمہارا دین اختیار کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا یہ اعتقاد غلط ہے کہ شعیب اللہ کے نبی ہیں اور جو دین اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں یہ حق ہے۔ اس طرح سے تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے۔ کفر کا عقیدہ رکھنا اور کفر کو دین حق سمجھنا یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرنا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے العیاذ باللہ اور جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دے دی اور ہم نے سوچ سمجھ کر قبول کر لیا تو اس کو چھوڑ دینا اور زیادہ تہمت کی چیز ہوگئی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھیوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے لئے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ تمہارے دین میں واپس ہو جائیں، ہاں! اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو تو اور بات ہے (اس میں یہ بتایا کہ ہدایت پانا، اور گمراہ ہونا اللہ تعالیٰ ہی کے مشیت اور قضاوقدر سے ہوتا ہے اور ایمان پر جمنا ہمارا کوئی کمال نہیں، جو استقامت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطاء کی ہوئی ہے)

ہمارا رب علم کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا (اللہ تعالیٰ سے ہمیں امید ہے کہ وہ تمہارے مکروفریب سے ہمیں بچادے گا اور ہمیں اپنے محبوب دین پر استقامت سے رکھے گا) بستی والوں کو یہ جواب دے کر وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا کی اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما دیجئے اور آپ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں۔

قوم کے سرداروں نے اپنے عوام سے یہ بھی کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے (اس میں انہوں نے اپنے ان عوام کو بھی حضرت شعیب علیہ السلام کے اتباع سے روکا جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا تھا اور اہلِ ایمان پر بھی تعریض کی کہ تم نقصان میں پڑ چکے ہو فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ۔ (سوان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا۔ سو وہ اپنے گھروں میں صبح کے وقت اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے) اس میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ جیسے قوم ثمود کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے اور وہیں کے وہیں ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا بھی حال ہوا۔ سورۂ ہود میں ہے اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (خبردار! مدین کے لئے رحمت سے دوری ہے، جیسا کہ قوم ثمود رحمت سے دور ہوئی)

پھر فرمایا اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا۔ (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا وہ اپنے گھروں میں رہے ہی نہ تھے) اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ۔ (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارہ میں پڑنے والے ہوئے) کہ اپنی جانوں کو تباہی میں ڈالا، نہ دنیا کے رہے نہ آخرت ملی۔ اہلِ ایمان کو وہ خسارہ میں بتا رہے تھے اور حقیقت میں خود خسارہ میں پڑ گئے۔

فوائد

فائدہ نمبر۱ .... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحب زادہ کا نام مدین تھا۔ ان ہی کے نام پر اس بستی کا یہ نام مشہور ہو گیا جس

میں حضرت شعیب علیہ السلام کا قیام تھا۔ سورۂ اعراف، سورۂ ہود اور سورۂ عنکبوت میں حضرت شعیب السلام کی امت کو اصحاب مدین بتایا ہے جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے اور سورۂ شعراء میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اصحاب الایکہ کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ ان کو حضرت شعیب علیہ السلام نے ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا۔ دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ دونوں ہی قوموں کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے۔ البتہ بعض مفسرین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم ہو لیکن قرآن کے سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قومیں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اہل مدین کے بارے میں لفظ اخاھم کا اضافہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل مدین ہی کے قوم کے فرد تھے اور اصحاب الایکہ کے بارے میں لفظ اخاھم استعمال نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب الایکہ کی طرف مبعوث تو ہوئے لیکن وہ خود ان میں سے نہ تھے، اور دونوں ہی قوموں میں ناپ تول میں کم کر کے دینے کا رواج تھا۔

اصحاب مدین پر کون سا عذاب آیا؟............ یہاں سورۂ اعراف میں اہل مدین کے بارے میں بتایا کہ وہ رجفہ یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے اور سورۂ عنکبوت میں بھی ایسا ہی فرمایا ہے اور سورۂ ہود میں فرمایا کہ وہ صیحہ یعنی چیخ سے ہلاک ہوئے۔ اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ دونوں ہی طرح کا عذاب آیا تھا اور اصحاب الایکہ کے بارے میں سورۂ شعراء میں فرمایا فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ (کہ انہوں نے شعیب کو جھٹلایا لہٰذا ان کو سایہ والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا) ان کی بربادی اس طرح ہوئی کہ ان کی پوری بستی میں سخت گرمی پڑی جس سے سب بلبلا اٹھے پھر قریب ہی میں انہیں گہرا بادل نظر آیا۔ گرمی سے گھبرائے ہوئے تو تھے ہی اس بادل کے سایہ میں جمع ہو گئے۔ جب سب وہاں پہنچ گئے تو بادل سے آگ برسی اور یہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ ایکہ جنگل کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ جنگل نما بستیوں میں رہتے تھے اس لئے ان کو اَصْحٰبُ الْاَيْكَه کہا جاتا ہے۔ اصحاب الایکہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب فرمانا اور ان کا الٹے الٹے جواب دینا ان پر عذاب آنا سورۂ شعراء (رکوع ۱۰) میں مذکور ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال

فائدہ نمبر ۲............ حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید کی دعوت دیتے ہوئے ان سے بھی فرمایا کہ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ کہ ناپ تول میں کمی نہ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ کہ لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال بیچتے وقت گاہک کو مال کم دینا صرف یہی منع نہیں ہے بلکہ کسی بھی طرح سے کسی کا مال رکھ لینا، حق مارنا حلال نہیں۔ جو لوگ ملازمتیں کرتے ہیں ان میں جو لوگ تنخواہ پوری لے لیتے ہیں کام پورا نہیں کرتے یا وقت پورا نہیں دیتے۔ آیت کا عمومی مضمون ان لوگوں کو بھی شامل ہے۔ ناپ تول کی کمی سورۂ مطففین میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ۔ (بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے جب یہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپ تول کا کام کرنے والوں سے فرمایا کہ ایسے دو کام تمہارے سپرد کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ۲۵۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت کا رواج پا گیا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا اور جن لوگوں میں زنا کی کثرت ہو جائے گی ان میں موت کی کثرت ہو جائے گی، اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا اور جو لوگ ناحق فیصلے کریں گے ان میں خون ریزی

پھیل جائے گی اور جولوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا (رواہ مالک فی الموطا)۔

ہر گناہ سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ آخرت کی فکر دامن گیر ہو اور وہاں کے مؤاخذہ اور محاسبہ اور عذاب کا استحضار ہو۔ ناپ تول میں کمی کرنے کا جو گناہ ہے اس کے بارے میں سورۂ مطففین میں فرمایا اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) ناپ تول میں کمی کر کے دینے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی بھی ہے اور بندوں کے حقوق مارنے کا گناہ بھی ہے۔ قیامت کے دن دونوں باتوں کا مؤاخذہ ہوگا، اور بندوں کے جو حقوق مارے ہیں ان کے عوض نیکیاں دینی ہوں گی اور نیکی نہ ہوئی تو اصحابِ حقوق کے گناہ اپنے سر لینے ہوں گے۔ جیسا کہ حقوق العباد کی ادائیگی کے بارے میں حدیث میں وارد ہوا ہے۔

عبادات میں کمی اور کوتاہی .... جس طرح حقوق العباد میں تطفیف کی جاتی ہے عبادات میں بھی لوگ ایسا کرتے ہیں۔ لیکن اس کا احساس نہیں ہوتا۔ دنیاوی کوئی نقصان ہو جائے تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور عبادات میں کوئی نقصان ہو جائے تو دل پر اثر نہیں ہوتا۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو عصر کی نماز میں موجود نہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ تمہیں نماز سے کس چیز نے روکا؟ انہوں نے کوئی عذر بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "طففت" کہ تو نے نقصان کا کام کیا۔ اس کے بعد امام مالکؒ نے فرمایا۔ "لکل شیء وفاء و تطفیف" یعنی ہر چیز کے لئے پورا کرنا بھی ہے اور کم کرنا بھی (مؤطا جامع الوقوت)

مطلب یہ کہ کسی بھی چیز کو قاعدہ کے مطابق مکمل کرو تو یہ وفاء ہے یعنی پوری ادائیگی ہے اور اگر کمی کر دی جائے تو یہ تطفیف ہے یعنی نقصان کی بات ہے۔ نمازوں کو صحیح طریقہ پر نہ پڑھنا رکوع و سجدہ میں سے کٹوتی کرنا یہ سب تطفیف ہے۔

قوم کی بربادی کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب

فَتَوَلّٰی عَنْھُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ فَکَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ ○ (پھر ان لوگوں سے منہ پھیرا اور کہنے لگے کہ اے میری قوم میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کر چکا۔ سو اب کافروں پر کیسے افسوس کروں) جب حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی بربادی ہو گئی تو انہوں نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم میں نے تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی۔ لیکن تم نے سب سنی ان سنی کر دی۔ برابر کفر پر جمے رہے تو اب میں کافر لوگوں پر کیسے رنج کروں؟ تم نے خود ہی اپنی بربادی کا سامان کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی بربادی کے بعد بطور حسرت فرضی خطاب فرمایا اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب عذاب آنے کے آثار نمودار ہوئے ہوں اس وقت حضرت شعیب علیہ السلام نے زندوں ہی کو خطاب فرمایا ہو اور یہ خطاب فرما کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے اہلِ ایمان کے ساتھ مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور وہیں وفات ہوئی، حضرت ابن عباسؓ سے ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ مسجدِ حرام میں صرف دو قبریں ہیں۔ ایک قبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جو حطیم میں ہے اور ایک قبر شعیب علیہ السلام کی جو حجر اسود کے مقابل کسی جگہ پر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (روح المعانی صفحہ ۸ جلد ۹)

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ اس کے رہنے والوں کو ہم نے سختی اور تکلیف کے ساتھ نہ پکڑا ہو تا کہ وہ عاجزی کریں۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ

پھر ہم نے بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی یہاں تک کہ وہ بڑھتے چلے گئے اور کہنے لگے ہمارے باپ دادوں کو تکلیف اور خوشی پہنچ چکی ہے۔

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ

سو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اس حال میں کہ انہیں خبر بھی نہ تھی۔ اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان

مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی

پر آسمان کی اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا۔ کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف

اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىٕمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّهُمْ

ہیں کہ ہمارا عذاب ان کے پاس رات کے وقت اس حال میں آجائے کہ وہ سو رہے ہیں۔ یا بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے جبکہ

یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

وہ کھیل رہے ہوں۔ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے نڈر ہو گئے۔ سو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جن کا برباد ہونا ہی طے پا چکا ہو۔

جن بستیوں میں نبی بھیجے گئے ان کو خوشحالی اور بدحالی کے ذریعہ آزمایا گیا

گزشتہ چند رکوع میں متعدد قوموں کی تکذیب اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا۔ ان بستیوں کا حال بنی اسرائیل کو معلوم تھا اور قریش بھی تجارت کے لئے ملک شام کی طرف جاتے تھے وہ بھی ان میں سے بعض بستیوں پر گزرتے تھے اور اگر کسی کو ان کے حالات معلوم نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمادیئے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے پڑھ کر سنادیا۔ ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ وہاں کے رہنے والوں کو تنبیہ کرنے کے لئے پکڑا۔ یہ گرفت سختی اور دکھ تکلیف کے ذریعہ تھی بـأسـاء سے سختی اور عام مصائب اور ضراء سے جسم و جان کی تکلیفیں مراد ہیں۔ ان کی یہ گرفت اس لئے تھی کہ یہ لوگ کفر و نافرمانی کی زندگی کو چھوڑ دیں اور اپنے خالق و مالک کے سامنے گڑگڑائیں اور عاجزی کریں اور کفر سے اور نافرمانیوں سے توبہ کریں۔ لیکن یہ لوگ برابر طغیانی اور سرکشی پر تلے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بدحالی کو اچھے حال سے بدل دیا۔ نعمتوں سے نوازا۔ خوشحالی عطا فرمائی۔ تندرستی دی۔ مال دیا، یہاں تک کہ جان و مال میں کثرت ہوگئی، پہلے تو تنگدستی و بدحالی کے ذریعہ آزمائے گئے تھے اب انہیں نعمتیں دے کر آزمایا گیا۔ پہلے امتحان میں تو فیل ہونے ہی تھے دوسرے امتحان میں بھی فیل ہو گئے۔ نہ بدحالی میں مبتلا ہو کر راہ راست پر آئے نہ خوشحالی سے عبرت حاصل کی بلکہ الٹا یہ نتیجہ نکالا کہ اجی! یہ خوشحالی اور بدحالی کچھ ایمان اور کفر اور اچھے کاموں اور برے کاموں سے متعلق نہیں ہے۔ یہ دنیا کا الٹ پھیر ہے۔ کبھی خوشحالی کبھی بدحالی، ہمارے باپ دادوں پر بھی یہ دونوں حالتیں گزری ہیں۔ لہٰذا ہم اپنا دین کیوں چھوڑ دیں۔ ہمارے باپ دادے بھی اپنے دین پر جمے رہے، ہم بھی مضبوط

ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ تنگ دستی اور سختی سے عبرت لی اور نہ خوشحالی اور نعمتوں سے نوازے جانے پر شکر گزار ہوئے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اچانک ان کی گرفت فرمائی۔نزولِ عذاب کا پتہ بھی نہ چلا،اور مبتلائے عذاب ہو کر ہلاک ہو گئے۔

اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے تو ان کے لئے آسمان و زمین کی برکات کھول دی جاتیں .... اس کے بعد فرمایا وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اور اگر ان بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیز کرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے) وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (اور لیکن انہوں نے جھٹلایا لہٰذا ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کی گرفت کر لی) اس آیت میں ایک عمومی تکوینی قانون بتایا ہے اور وہ یہ کہ جب لوگوں میں ایمان ہوگا اعمال صالحہ ہوں گے کفر و شرک اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہوں گے تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں کھول دی جائیں گی۔آسمان سے بھی برکتیں نازل ہوں گی اور زمین سے بھی نکلیں گی بہت ہی زیادہ خوشحال زندگی گزاریں گے،اور اگر ایمان نہ ہوگا اور اعمال صالحہ نہ ہوں گے تو گرفت ہوگی نعمتیں چھن جائیں گی اور عذاب آئیں گے۔شاید کسی کو یہ وسوسہ آئے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ کافر خوشحال رہتے ہیں نعمت و دولت ان کے پاس وافر مقدار میں ہوتی ہے نزول عذاب کے ذریعہ ان کی گرفت نہیں ہوتی،یہ وسوسہ غلط ہے کیونکہ آیت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ سارے عالم کے کافروں اور نافرمانوں پر ایک ہی وقت میں عذاب آئے گا،اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق دنیا کے مختلف علاقوں میں عذاب آتے رہتے ہیں،جنہیں جاننے والے جانتے ہیں۔پھر عذابوں کی بھی کئی قسمیں ہیں۔زلزلے آنا،آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا،سیلابوں سے برباد ہونا۔ٹڈی کا آجانا اور کھیتیاں صاف کر دینا،نئے نئے امراض پیدا ہونا۔یہ سب عذاب کی صورتیں ہیں،اور اللہ تعالیٰ کا ایک قانون استدراج کا بھی ہے اور وہ یہ کہ کافروں کو ڈھیل دے دی جاتی ہے وہ نعمتوں میں پڑ کر اور زیادہ بغاوت پر اتر آتے ہیں۔پھر اچانک پکڑ لئے جاتے ہیں اور موت کے بعد جو مؤاخذہ اور عذاب ہے وہ اس کے علاوہ ہے جو کافروں کے لئے دائمی ہے۔

اللہ کے عذاب سے نڈر نہ ہوں .... اس کے بعد آنحضرت سرور عالم ﷺ کے زمانے کے کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پرانی قوموں پر عذاب بھیجا ان پر بھی عذاب آسکتا ہے۔کیا یہ لوگ اس بات سے نڈر ہیں کہ ان کے پاس ہمارا عذاب رات کے وقت آجائے جب کہ یہ سوتے ہوں یا اس بات سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب دن کے شروع حصہ میں آجائے جبکہ یہ لوگ کھیل رہے ہوں۔مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے عذاب سے نڈر نہ ہوں۔پہلی امتوں سے عبرت حاصل کریں اور نبی اکرم ﷺ کی تکذیب سے باز آئیں۔پھر فرمایا اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ (کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے نڈر بنے ہوئے ہیں) یہ استفہام انکاری ہے،مطلب یہ ہے کہ نڈر نہ بنیں اللہ کا عذاب آنے سے ڈریں اور ایمان قبول کریں فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔(کیونکہ اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہو جاتے ہیں جن کو تباہ ہی ہونا ہے) عذاب کی تاخیر سے یہ نہ سمجھیں کہ عذاب نہیں آئے گا،جب عذاب آئے گا تو دیکھتے ہی رہ جائیں گے اور عذاب سے بچ نہ سکیں گے۔صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۱۸۲ جلد ۲) فرماتے ہیں۔ومکر الله استدراجه اياهم بما أنعم عليهم في دنياهم يعنی مکر اللہ (اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر) سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا فرماتا ہے اور عذاب بھیجنے میں اس کی طرف سے تاخیر ہوتی ہے۔اس ڈھیل سے لوگ دھوکہ میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اور زیادہ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ

جو لوگ زمین کے وارث ہوتے ہیں کیا انہیں مذکورہ اقوام کے واقعات نے یہ نہیں بتایا کہ ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیں،

وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ

اور ان کے دلوں پر ہم مہر لگائے ہوئے ہیں سو وہ نہیں سنتے۔ یہ بستیاں ہیں ان کی بعض خبریں ہم آپ کو سناتے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے پیغمبر

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ

معجزات لے کر آئے تو جس چیز کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لانے والے نہ تھے اللہ ایسے ہی مہر لگا دیتا ہے کافروں کے دلوں

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

پر اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا۔

زمین کے وارث ہونے والے سابقہ امتوں سے عبرت حاصل کریں

ہلاک ہونے والی چند امتوں کے جو واقعات گزشتہ چند رکوع میں بیان کئے گئے ان سے عبرت دلانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ جو امتیں ہلاک کی گئیں ان کی جگہ جو لوگ زمین پر آباد ہوئے کیا ان بعد میں آنے والوں کو ان واقعات سے عبرت حاصل نہ ہوئی اور کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیں اور بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ لہٰذا وہ سنتے ہی نہیں۔ کانوں سے سن لیتے ہیں لیکن قبول کرنے کی نیت سے نہیں سنتے۔ لہٰذا سنا بے سنا برابر ہو جاتا ہے اور یہ مہر لگانا ایسا ہی ہے، جیسا کہ سورۂ نساء میں فرمایا بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے مہر لگا دی ہے) اور اسی کو سورۂ صف میں فرمایا فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (سو جب وہ ٹیڑھے رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا) جب انسان کفر کو اختیار کر لیتا ہے اور اسی پر جمار ہتا ہے اور دلائل واضحہ کے ہوتے ہوئے حق قبول نہیں کرتا تو اللہ کی طرف سے یہ سزا بھی دی جاتی ہے کہ دل پر مہر لگا دی جاتی ہے جس کی وجہ سے حق قبول کرنے کا موقعہ ختم ہو جاتا ہے تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا (یہ بستیاں ہیں جن کے قصے ہم آپ کو سناتے ہیں) وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ۔ (اور انکے پاس ان کے پیغمبر واضح معجزات لے کر آئے) فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ۔ (اور وہ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کو انہوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا اس پر ایمان لے آتے) ان کے پاس حق آیا تو اس کی تکذیب جو پہلے کر دی تھی اسی تکذیب پر جمے رہے لہٰذا ایمان نہ لائے۔ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكَافِرِيْنَ (ایسے ہی اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے) اس مہر لگانے کا سبب اوپر بیان ہوا ہے۔ اس مہر کے سبب اپنے کفر پر اڑے رہتے ہیں۔

کافر اقوام کا یہی طریقہ ہے کہ جب پہلی بار منکر ہو گئے تو ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کے باعث حق کو ہرگز قبول نہیں کرتے۔ اگرچہ دلائل عقلیہ سمعیہ آیات تکوینیہ کھل کر سامنے آ جائیں۔

پھر فرمایا: وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ۔ (اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا) انسان کا یہ عجیب مزاج ہے کہ جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے اور بہت پکا مشرک بھی اپنے باطل معبودوں کو بھول جاتا ہے اور یہ وعدے کرنے لگتا ہے کہ یہ مصیبت دور ہو گئی تو ایمان قبول کر لوں گا اور شرک سے پرہیز کروں گا لیکن مصیبت دور ہونے کے بعد وہ اپنے عہد کو بھول جاتا ہے اور پھر شرک اور کفر پر ہی جمار ہتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی پاسداری نہیں پائی۔

پھر فرمایا وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ـ (اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر کو فاسق پایا) جو اطاعت و فرمانبرداری سے دور ہی رہے۔ لفظ 'اکثر' سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے ایمان قبول کیا اور اپنے عہد کو پورا کیا۔

عہد کو پورا نہ کرنا اور بار بار توڑ دینا، اس کا کچھ بیان فرعون اور اس کی قوم کی بدعہدیوں کے ذیل میں دو رکوع کے بعد مذکور ہے۔ وَهُوَ قوله تعالٰی لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ (الٰی قوله) اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۔

جو لوگ مصیبتوں کو اللہ کی طرف سے سمجھتے ہی نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسا ہی ہوتا رہتا ہے ہمارے باپ دادا بھی تکلیفوں میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کا بیان اس رکوع سے پہلے رکوع میں تھا۔ یہ لوگ اللہ کی طرف سے مصائب کو سمجھتے تو وعدہ کرتے، اس رکوع میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مصائب کے وقت وعدے کرتے ہیں پھر مصیبت ٹل جانے کے بعد وعدہ فراموش ہو جاتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ

پھر ہم نے ان کے بعد اپنی آیات کے ساتھ موسٰی کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا سو انہوں نے ان آیات کے ساتھ ظلم والا معاملہ کیا

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

سو تو دیکھ لے فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا؟ اور کہا موسٰی نے کہ اے فرعون بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں،

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِىَ

میرے لئے بھی شایان شان ہے کہ سچ کے علاوہ اللہ کی طرف کسی بات کو منسوب نہ کروں، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل لایا ہوں،

بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ فرعون کہنے لگا کہ اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اسے پیش کر دے اگر تو سچا ہے۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

موسٰی نے اپنی لاٹھی ڈالی تو اچانک وہ بالکل واضح طور پر اژدھا بن گئی اور اپنا ہاتھ نکالا تو یکایک وہ دیکھنے والوں کو سفید نظر آ رہا ہے۔

حضرت موسٰی علیہ السلام کا فرعون کے پاس تشریف لے جانا اور اس کو معجزے دکھانا

سیدنا حضرت موسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالٰی نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور ان کو معجزات دے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا جن میں اس کی قوم کے سردار بھی تھے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے ان سب کو توحید کی دعوت دی اور فرعون سے یہ بھی فرمایا تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے، فرعون نے حضرت موسٰی علیہ السلام سے بے تکی جاہلانہ باتیں کیں اور مختلف قسم کے سوالات کئے اس مکالمہ کا ذکر سورۂ طٰہٰ اور سورۂ شعراء ع ۲ میں ہے۔

جب حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرعون سے خطاب کیا اور اپنا نبی ہونا ظاہر کیا تو فرمایا:

يَا فِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ـ (اے فرعون بے شک میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں) حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (میرے لئے یہی شایان شان ہے کہ سچ کے علاوہ کسی چیز کی نسبت اللہ کی طرف نہ کروں) :قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ

مِنْ رَّبِّكُمْ (میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں) اس دلیل یعنی معجزہ کو سمجھ لو دیکھ لو میری نبوت کا اقرار کرو۔ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (اے فرعون بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے) تا کہ یہ قوم قبط کے مظالم سے چھوٹ جائیں اور اپنے وطن سابق میں جا کر آباد ہو جائیں۔ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (فرعون نے کہا اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو اس کو پیش کر دے اگر تو سچا ہے) فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ (سوانہوں نے اپنی لاٹھی ڈال دی سووہ اچانک بالکل واضح طور پر اژدھا بن گئی) یہ ایک معجزہ ہوا وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ (اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو یکا یک دیکھنے والوں کو سفید نظر آ رہا ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ پہلے گریبان میں ڈالا پھر گریبان سے نکالا تو خوب روشن اور چمکدار ہو کر نکلا۔

روح المعانی (صفحہ ۲۱ ج ۹) میں لکھا ہے۔ أی بیضاء بیاضًا نورانیًا غلب شعاعه شعاع الشمس (کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرعون کو اپنا ہاتھ دکھایا وہ اس وقت اتنا زیادہ روشن ہو گیا تھا کہ اس کی شعاعیں سورج کی شعاعوں پر غالب آ گئیں۔ دونوں معجزے دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم کے سردار ایمان نہ لائے اور سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر بتانے لگے، اور جادوگروں کو بلا کر مقابلہ کرایا جس کے نتیجہ میں جادوگر ہار مان گئے اور مسلمان ہو گئے جس کا تذکرہ ابھی آئندہ آیات میں آ رہا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۹﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ

سرداروں نے کہا جو فرعون کی قوم میں سے تھے کہ بلاشبہ یہ ایک جادوگر ہے جو بڑا ماہر ہے یہ چاہتا ہے کہ تمہاری سرزمین سے تمہیں نکال دے سو تم

فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ

کیا مشورہ دیتے ہو؟ کہنے لگے کہ اس کو اور اس کے بھائی کو ڈھیل دے دے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دے جو تیرے پاس ہر ماہر

سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۳﴾

جادوگر کو لے آئیں، اور جادوگر فرعون کے پاس آئے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب ہوئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

فرعون نے کہا ہاں بے شک تم لوگ مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔ ان جادوگروں نے کہا کہ اے موسیٰ یا تو آپ ڈالیں یا ہم ڈالنے والے ہو جائیں، موسیٰ نے کہا کہ تمہی ڈالو،

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۱۶﴾

سو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور بڑا جادو لے کر آئے۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو، سو وہ اچانک ان کی بنائی ہوئی جھوٹی چیزوں کو نگلنے لگی۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور وہ

مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

باطل ہو گیا جو انہوں نے بنایا تھا سو وہ اس جگہ مغلوب ہو گئے اور جادوگر سجدہ میں ڈال دیئے گئے

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ

کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ کا اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا کیا تم اس سے پہلے اس پر ایمان لے آئے کہ

اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

میں تمہیں اجازت دوں، بلاشبہ یہ ایک بڑا مکر ہے جو تم سب نے مل کر اس شہر میں کیا ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ شہر والوں کو نکال دو سو عنقریب تم جان لو گے،

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى

ضرور بالضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم

رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ

اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور تو جو ہم سے انتقام لے رہا ہے اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس پہنچ

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۴ / ۱۸

گئیں۔ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں اس حالت میں موت دے کہ ہم اسلام پر ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا جادوگر بتانا اور مقابلہ کے لئے جادوگروں کو بلانا، اور جادوگروں کا ہار مان کر اسلام قبول کر لینا

جب فرعون اور اس کی جماعت نے ید بیضا دیکھا اور لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اژدھا بن گئی تو انہوں نے ان دونوں معجزوں کو جادو پر محمول کیا، سورۃ الذاریات میں فرمایا ہے کَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ۔ (اسی طرح سے ان سے (یعنی امت محمدیہ سے) پہلے جو بھی کوئی رسول آیا تو لوگوں نے کہا جادوگر ہے یا دیوانہ ہے) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کے معجزات کو دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ ابھی تو یہاں شاہی دربار میں یہ دونوں باتیں سامنے آئی ہیں کہ یکا یک ان کا ایک ہاتھ بہت زیادہ روشن اور چمکدار ہو گیا اور ان کی لاٹھی اژدہا بن گئی اگر انہوں نے اسی طرح کا کوئی مظاہرہ عوام کے سامنے کر دیا تو لوگ انہیں کے معتقد ہو جائیں گے، اور ہماری ساری حکومت جاتی رہے گی اور اس سرزمین میں انہیں دونوں بھائیوں (موسیٰ اور ہارون) کا راج ہو جائے گا۔ (فرعون کا دعویٰ تو خدائی کا بھی تھا۔ لیکن دنیاوی حکومت ہی کے باقی رہنے کے لالے پڑ گئے خدائی تو بہت دور کی چیز ہے) لہٰذا اس سے پہلے کہ عوام پر ان کا کوئی اثر ہو ان کا علاج کر دینا چاہیے۔ لہٰذا آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ فرعون کے درباریوں نے کہا کہ جادو کا کاٹ جادو سے ہو گا۔ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ اپنی حدود مملکت سے تمام ماہر جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرا دیا جائے۔ جب لوگوں نے یہ رائے دی تو یہ بات فرعون کی سمجھ میں آ گئی کہ ہاں یہ بڑا ماہر جادوگر ہے، جیسا کہ سورۂ شعراء میں ہے قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۔ درباریوں نے کہا کہ ابھی اس شخص کو اور اس کے بھائی کو مہلت دے دی جائے اور جادوگروں کے فراہم کرنے کا انتظام کیا جائے، چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے اور ان کو بھی نبوت دی گئی تھی اور فرعون کی طرف وہ بھی

مبعوث تھے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى اسی لئے مشورہ میں ان کا نام بھی شامل کرلیا گیا (کہ موسیٰ اور ان کے بھائی کو مہلت دو) چنانچہ اول تو مقابلہ کا وقت مقرر کیا گیا جس کا ذکر سورۃ طٰہٰ میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان لوگوں نے کہا فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۔ (کہ ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کرلو جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں گے۔ نہ تم کرنا، کوئی ہموار میدان مقرر کرلو) قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے لیے میلہ کا دن مقرر ہے اور یہ بات بھی کہ چاشت کے وقت لوگ جمع کیے جائیں) مقابلہ کے لیے دن اور وقت مقرر ہو گیا اور فرعون کے درباریوں نے فرعون سے کہا کہ اپنے اہل کاروں کو شہروں میں بھیج دے جو بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو لے کر آئیں سورہ شعراء میں ہے فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ (سو جمع کیے گئے جادوگر مقررہ دن میں جو معلوم تھا۔ اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہو گے تا کہ ہم جادوگروں کا اتباع کریں اگر وہ غالب ہو جائیں) چنانچہ شہروں میں اہل کار بھیجے گئے اور فرعون کی قلم رو سے جادوگر جمع کیے گئے اہل دنیا، دنیا ہی کے لیے سوچا کرتے ہیں ان کو اپنی حکومت کی فکر پڑ گئی۔ اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی دعوت توحید اور اس کی محنت کو حکومت چھیننے اور خود اپنی حکومت قائم کرنے پر محمول کیا۔ (کما فی سورۃ یونس وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ) جادوگروں نے بھی (جو اس وقت دنیا کے طالب تھے) اپنی دنیا بنانے کی بات سوچی اور فرعون سے کہا کہ ہم غالب ہو گئے تو کیا ہمیں کوئی بڑا انعام دیا جائے گا اور کیا ہمارے عمل پر کوئی صلہ ملے گا؟ فرعون نہ کہا ہاں ضرور ملے گا اور صرف انعام ہی نہیں ملے گا بلکہ تم میرے مقربین میں ہو جاؤ گے!

مقابلہ کے لیے جادوگر میدان میں آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں یا پہلے آپ ڈالیں گے (کما فی سورۃ طٰہٰ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَلْقُوْا (پہلے تم ہی ڈالو) چنانچہ ان لوگوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم ضرور غالب ہوں گے (کما فی سورۃ شعراء) ان کی لاٹھیاں اور رسیاں لوگوں کی نظروں کے سامنے سانپ بن کر دوڑنے لگیں، یہ رسیاں کثیر تعداد میں تھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم اپنی لاٹھی ڈالو انہوں نے لاٹھی ڈالی تو اژدھا بن گئی۔ ان لوگوں نے نظر بندی کی تھی جس کی وجہ سے ان کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اژدھا ان سب کو نگلنے لگا۔ اور ساحروں نے جو کھیل بنایا تھا جس کے ذریعہ لوگوں کو خوف زدہ کر دیا تھا وہ سب کھیل بنا بنایا ختم ہو گیا۔ اسی کو فرمایا فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سو حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ لوگ کر رہے تھے، سب باطل ہو گیا) فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ (سو وہ لوگ وہاں پر مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو گئے)

اب آگے ہوا یہ کہ جادوگروں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے جس سے مقابلہ کیا یہ جادوگر نہیں ہے، یہ واقعی اللہ کا رسول ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ جب حق واضح ہو گیا تو ان سے رہا نہ گیا اور وہ فوراً سجدے میں گر گئے اور یہ اعلان کر دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے چونکہ ایمانیات کا تفصیلی علم نہ تھا اس لیے انہوں نے اجمالی ایمان کا اعلان کر دیا۔ قرآن مجید میں لفظ سجدوا یا خروا سجدا کے بجائے وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ فرمایا جس میں یہ بتا دیا کہ ان کے دل میں حق نے اس قدر گھر کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر کے فرعون سے انعام لینے کے متمنی تھے اور ہوا یہ کہ حضرت موسیٰ کی غلامی کے گن گانے لگے قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۔ (فرعون نے کہا کہ تم میری اجازت سے پہلے ایمان لے

آئے) بادشاہوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ عوام کے قلوب پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں اور پختہ وفاداری اسی کو سمجھتے ہیں کہ عوام اسی دین پر رہیں جو شاہان مملکت ان کے لیے تجویز کریں۔ اسی بنیاد پر فرعون نے یہ کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم کیسے مسلمان ہو گئے۔

جب فرعون نے دیکھا کہ عوام کو اپنی خدائی اور حکومت کا وفادار رکھنے اور موسیٰ علیہ السلام سے دور رکھنے کے لیے جو جادوگروں سے مقابلہ کا مظاہرہ کروایا تھا اس کا نتیجہ برعکس نکلا۔ اور جادوگر ہی موسیٰ پر ایمان لے آئے تو اب تو لینے کے دینے پڑ گئے اور عوام کو اپنی طرف کرنے کے لیے اس نے جادوگروں سے خطاب کیا کہ تم میری اجازت سے پہلے اس شخص پر ایمان لے آئے اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ (بلاشبہ یہ ایک مکر ہے جو تم سب نے مل کر اس شہر میں کیا ہے اور میری سمجھ میں آ گیا کہ یہی شخص ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا۔ استاد اور شاگردوں کی ملی بھگت ہے لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا (تاکہ تم اس شہر سے اس کے رہنے والوں کو نکال دو) فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (سو تم سب عنقریب جان لو گے) پھر ان کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرعون نے کہا لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ (میں ضرور بالضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا) ظالموں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب دلیل سے عاجز ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ماروں گا اور قتل کر ڈالوں گا۔ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (جادوگروں نے جواب دیا کہ بلاشبہ ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) مطلب یہ تھا کہ ہمیں تیری دھمکی کی کوئی پرواہ نہیں قتل کر یا کچھ بھی کر اب تو ہم اپنے رب کے ہو گئے اگر تو قتل کر دے گا تو ہمارا کچھ نقصان نہ ہو گا۔ ہمارا رب ہمیں ایمان لانے پر جو انعامات عطا فرمائے گا ان کے مقابلہ میں یہ دنیا کی ذرا سی زندگی اور تیری رضامندی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب دلوں میں ایمان جگہ کر لیتا ہے تو دنیا کی ہر مصیبت ہیچ ہو جاتی ہے اور ظالموں سے مقابلہ کرنا اور دلیری کے ساتھ جواب دینا آسان ہو جاتا ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں جادوگروں کا ایک اور جواب بھی ذکر فرمایا ہے۔ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ط اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ط وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (وہ کہنے لگے کہ ہم ان دلائل کے مقابلہ میں جو ہمارے پاس پہنچ گئے اور اس ذات کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا فرمایا تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے سو تو فیصلہ کر دے جو بھی تجھے فیصلہ کرنا ہے۔ تو اسی دنیا والی زندگی ہی میں تو فیصلہ کرے گا، بلاشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے اور جو کچھ تو نے جادو کروانے کے بارے میں ہم پر زبردستی کی وہ بھی ہمیں معاف فرما دے اور اللہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے)۔

جادوگروں نے فرعون سے مزید کہا وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا کہ یہ جو تو ہم سے ناراض ہو رہا ہے اور ہم سے انتقام لینے کا اعلان کر رہا ہے اس کا سبب کچھ نہیں ہے نہ ہم نے چوری کی نہ ڈاکہ ڈالا نہ کسی کو قتل کیا بس یہی بات تو ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی دلیلیں آ گئیں تو ہم ایمان لے آئے۔ یہ بات نہ کوئی عیب کی ہے نہ جرم کی ہے۔ نہ اس پر ہم سزا کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرعون کی طرف سے اعراض کر کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا میں عرض کیا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے) اگر یہ واقعی اپنے قول کے مطابق عمل کرنے لگے تو ہمیں صبر عطا فرما دیجئے اور اتنا زیادہ صبر دیجئے جیسا کہ کوئی چیز انڈیل دی جاتی ہے اور ہمیں اس حال میں وفات دیجئے کہ ہم مسلمان ہوں۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ فرعون کی طرف سے قتل کے فیصلہ پر عمل ہونے لگے تو ہم اپنے ایمان والے فیصلہ میں ڈھیلے پڑ جائیں (والعیاذ باللہ من ذالک)۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس وغیرہؓ سے نقل کیا ہے کہ فرعون نے جو قتل وغیرہ کی دھمکی دی تھی یہ اس نے کر دیا اور بعض

حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اس پر قادر نہیں ہوسکا۔ تفسیر درمنثور (ص ۲۰۷ ج ۳) میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ذُکر لنا انھم کانوا اول النھار سحرۃً واٰخرہ شھدآء (کہ جادوگر دن کے اول حصے میں جادوگر تھے اور آخر حصے میں شہید تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان کو شہید کر دیا تھا۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَ قَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَ یَذَرَكَ

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رہے گا تا کہ وہ زمین میں فساد کریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو

وَ اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

چھوڑے رہیں۔ اس نے کہا کہ ابھی ہم ایسا کریں گے ان کے بیٹوں کو مار ڈالیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر پوری طرح غلبہ حاصل ہے۔

قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون کو بھڑکایا کہ تو موسیٰ اور ان کی قوم کو کب تک یوں ہی چھوڑے رہے گا

تفسیر: فرعون نے جو جادوگروں کو دھمکی دی تھی اس کا علم تو درباریوں کو ہو ہی گیا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے بطور خوشامد اور چاپلوسی کے فرعون کو ابھارا اور اس سے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو (جو اس کے ماننے والے ہیں خواہ بنی اسرائیل میں سے ہوں خواہ جادوگر ہوں خواہ وہ لوگ ہوں جو قوم فرعون میں سے مسلمان ہو گئے تھے) اس طرح چھوڑے رکھے گا کہ وہ زمین میں فساد کرتے رہیں اور تجھ سے اور تیرے تجویز کئے ہوئے معبودوں سے علیحدہ رہیں؟ مطلب ان لوگوں کا یہ تھا کہ اس کا کچھ انتظام کرنا چاہئے۔ ان لوگوں کے ساتھی بڑھتے رہیں گے اور ان کی جماعت زور پکڑ جائے گی جب سر سے پانی اونچا ہو جائے گا تو پھر بغاوت کو دبانا دشوار ہو جائے گا لہٰذا ابھی سے کچھ کرنا چاہئے۔ فرعون کی سمجھ میں اور تو کچھ نہ آیا اس نے وہی قتل کی سزا تجویز کرتے ہوئے کہا کہ ہم سر دست یہ کریں گے کہ ان کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیں گے تا کہ ہماری خدمت میں لگی رہیں اور ان کے زندہ رہنے سے بغاوت کا کوئی ڈر نہیں۔ بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ جب جادوگر مسلمان ہو گئے تو انہیں دیکھ کر قوم قبط سے بھی چھ لاکھ آدمی مسلمان ہو گئے تھے جو فرعون کی قوم تھی۔ اس سے فرعون کو اور اس کے درباریوں کو فرعون کی حکومت کے بالکل ختم ہو جانے کا پورا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس لئے آپس میں مذکورہ بالا سوال جواب ہوا۔ اخیر میں فرعون کی یہ جو بات ذکر فرمائی۔ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ ان لوگوں کی کچھ بات آگے بڑھی ہے لیکن ابھی ہم کو طاقت اور قوت کی برتری حاصل ہے ہم نے جو اُن کے بیٹوں کے قتل کا فیصلہ کیا ہے واقعی ہم اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ فرعون کے درباریوں نے جو یہ کہا وَیَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے اگر چہ انا ربکم الاعلی کا دعویٰ کیا تھا اور لوگوں سے اس نے یہ بھی کہا تھا کہ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ (کما فی سورۃ القصص) لیکن خود اس نے اپنے لیے معبود تجویز کر رکھے تھے جن کی عبادت کرتا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کا یہ اعتقاد تھا کہ ستارے عالم سفلی کے مربی ہیں اور وہ خود نوع انسانی کا رب ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کے لیے بت تجویز کیے تھے اور ان سے کہا تھا کہ ان بتوں کی عبادت کرو ممکن ہے کہ یہ اس کی اپنی ہی مورتیاں ہوں۔ روح المعانی میں ہے کہ اس نے ستاروں کی ان مورتیوں کو اٰلِهَتَكَ سے تعبیر کیا کیونکہ یہ اس کے تجویز کردہ معبود تھے۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بلاشبہ یہ اللہ کی زمین ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنائے

مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا

اور عاقبت متقیوں کے لئے ہی ہوتی ہے وہ کہنے لگے کہ ہم کو آپ کے آنے سے پہلے تکلیفیں دی جاتی رہی ہیں اور آپ کے آنے

جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

کے بعد بھی، انہوں نے جواب میں کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دے، پھر وہ دیکھے گا کیسے عمل کرتے ہو؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو نصیحت فرمانا اور صبر و دعا کی تلقین کرنا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر جا کر بس گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد مصریوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے اور پرائے کا معاملہ شروع کر دیا، بنی اسرائیل غیر ملکی تھے ان کو فرعون کی قوم نے خوب دبا کر رکھا، ان کو خوب ستاتے تھے بیگاریں لیتے تھے اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ ان کے مجبور و مقہور ہونے کا یہ عالم تھا کہ مصری ان کے بچوں کو قتل کر دیتے تھے اور یہ اف تک نہیں کر سکتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام مبعوث ہوئے تو قوم فرعون کی دشمنی اور زیادہ بڑھ گئی خصوصاً جب فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور جادوگر مسلمان ہو گئے تو فرعونیوں کی طرف سے ظلم و ستم کا مظاہرہ اور بڑھ چڑھ کر ہونے لگا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم تو مصیبت ہی مصیبت میں ہیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے بھی دکھ ہی دکھ میں مبتلا تھے اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی تکلیف ہی تکلیف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا صبر کرو اور اللہ سے مدد مانگو صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے مظالم سے کوئی چھٹکارا دینے والا نہیں صبر کے ساتھ دعائیں کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتے رہو۔ یہ نہ سوچو کہ فرعون کی اتنی بڑی حکومت ہے اور اس کا مضبوط تسلط ہے، ہم اس کے چنگل سے کہاں چھوٹ سکتے ہیں، بظاہر تو تم عاجز ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے۔ وہ زمین کا مالک ہے۔ اسے اختیار و قدرت ہے وہ جسے چاہے اس پر تسلط عطا فرما دے۔ دنیا میں حق و باطل کی جنگ رہتی ہے اور جو لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں اچھا انجام انہیں کا ہوتا ہے۔ تم اللہ سے ڈرتے رہو تقویٰ اختیار کرو تا کہ حسن عاقبت کے انعام سے نوازے جاؤ۔ تم اپنے رب سے دعا مانگتے رہو۔ اسی سے لو لگاؤ، عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک فرما دے گا اور تمہیں زمین کی خلافت عطا فرمائے گا۔ لیکن خلافت ملنے کے بعد تم دوسرے امتحان میں پڑ جاؤ گے۔ اب تو صبر کا امتحان ہے۔ اس وقت شکر کا امتحان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ زمین پر تسلط ہو جانے کے بعد تم کیا طریقہ اختیار کرتے ہو اور کیسے اعمال میں لگتے ہو۔ اس خلافت ارضی کو شکر کا ذریعہ بناتے ہو یا گناہوں میں پڑ کر ناشکری میں مبتلا ہوتے ہو۔ اطاعت اور فرمانبرداری کی ترغیب دینے کے لیے اور گناہوں سے بچنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو پیشگی آگاہ فرما دیا تھا کہ دیکھو تمہیں ابھی اقتدار نہیں ملا جب اقتدار ملے گا تو زمین میں فساد نہ کرنا اور اللہ کے نیک بندے بن کر رہنا سورۃ یونس میں ہے وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے لوگوں کے لیے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی

جگہ بنالو اور نماز قائم رکھو اور اہل ایمان کو بشارت دو) چونکہ بنی اسرائیل بہت زیادہ مقہور تھے۔ کھلے طور پر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اس لیے حکم فرمایا کہ گھروں ہی میں نماز پڑھتے رہو۔ اس کے بعد سورۃ یونس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مذکور ہے جو فرعون اور فرعونیوں کے حق میں بددعا تھی اور ان کی دعا مقبول ہونے کا تذکرہ ہے۔ اس سے تمام اہل ایمان کو سبق مل گیا کہ اگر کسی جگہ کافروں کے ماحول میں ہوں اور مغلوبیت کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوں اور دشمن کے سامنے عبادت کرنے میں مشکلات ہوں تو اپنے گھروں میں عبادت کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی کے ذریعہ اور پھلوں میں کمی کے ذریعہ پکڑ لیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى

پھر جب آجاتی ان کے پاس خوشحالی تو کہتے تھے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونی ہی چاہئے اور اگر انہیں کوئی بدحالی پہنچ جاتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی

وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا

نحوست بتاتے تھے۔ خبردار ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن ان میں بہت سے لوگ نہیں جانتے، اور وہ کہنے لگے

مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

تو جب کبھی بھی کوئی نشانی ہمارے سامنے لائے گا تاکہ تو اس کے ذریعہ ہم پر جادو کرے سو ہم تیری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

قوم فرعون کی قحط سالی وغیرہ کے ذریعہ گرفت ہونا اور ان کا الٹی چال چلنا

تفسیر: مصر میں فرعونیوں کی حکومت تھی خوب عیش و عشرت اور تنعم میں تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ایمان کی دعوت دی تو انہوں نے ایمان قبول نہ کیا اور ساتھ ہی بنی اسرائیل پر مزید ظلم و ستم ڈھانے کا فیصلہ کر لیا، اور اللہ تعالیٰ کی بھرپور نعمتیں ہوتے ہوئے شکر ادا کرنے کے بجائے کفر ہی پر جمے رہے۔ لہٰذا بطور تنبیہ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان پر قحط سالی بھیج دی۔ اہل مصر کو دریائے نیل کے پانی پر بھروسہ رہا ہے وہ سمجھتے رہے ہیں کہ ہمارے کھیتوں کی آب پاشی کے لیے یہ میٹھا اور عمدہ پانی خوب زیادہ کافی اور وافی ہے۔ لیکن وہ لوگ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ پیداوار پانی سے نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے سارے کام کر لیے جائیں، زمین کو سینچ دیا جائے اس میں بیج ڈال دیا جائے اور خوب آبپاشی کر دی جائے لیکن ضروری نہیں کہ کھیتی اگ جائے اور اگر اگ جائے تو ضروری نہیں کہ آفات سے محفوظ رہے اور دانے پیدا ہونے تک قائم رہے۔ اور اگر پھر محفوظ ہو جائے اور غلہ بھی پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ غلہ ضائع ہونے سے محفوظ رہ جائے اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اس غلہ کو کیڑے مکوڑوں کے ذریعہ ختم فرما دے اور کاشت کرنے والے دیکھتے ہی رہ جائیں۔

سورۂ واقعہ میں فرمایا: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ (بتاؤ تم جو کچھ بوتے ہو کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا بنا دیں۔ پھر تم تعجب کرتے ہوئے رہ جاؤ کہ بلاشبہ ہم پر تاوان پڑ گیا، بلکہ ہم محروم رہ گئے) کیا دھرا سب ضائع ہوا جو بیج ڈالا وہ بھی گیا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لیست السنہ بان لا تمطروا ولکن السنہ ان تمطروا ولا تنبت الارض شیئا (قحط یہ نہیں کہ بارش نہ ہو لیکن قحط یہ ہے کہ بارش خوب ہو اور زمین میں کچھ بھی نہ اگائے)۔ (رواہ مسلم ص۳۹۳ ج۲)

اللہ جل شانہ نے مصریوں پر قحط بھیج دیا جو کھیتیاں نہ اگنے کی صورت میں ظاہر ہوا اور پھلوں میں بھی کمی فرما دی جسے ونقص من الثمرات سے تعبیر فرمایا۔ ان کے کھیتوں کی پیداوار بھی گئی اور باغوں میں جو پھل پیدا ہوتے تھے ان میں بھی خوب کمی آ گئی۔ ان کو اس میں اس لیے مبتلا فرمایا کہ نصیحت حاصل کر لیں اور عبرت لیں۔ سختی کی بجائے قلب نرم ہونے چاہئیں۔ انہیں کفر سے توبہ کرنا اور ایمان قبول کرنا تھا لیکن وہ الٹی ہی چال چلے اور وہ یہ کہ جب خوشحالی ہوتی تو کہتے تھے کہ ہم تو اسی کے مستحق ہیں۔ ہم اس لائق ہیں کہ ہمارا یہی حال ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام سمجھ کر شکر گزار ہونے کے بجائے اپنا ہی کمال سمجھتے تھے اور جب کسی طرح کوئی مصیبت پہنچتی جیسے قحط میں مبتلا ہو گئے یا اور کسی طرح کی آفات و بلیات سے دوچار ہوئے تو کہتے تھے کہ ہم تو خوشحالی کے اور آرام و راحت کے مستحق ہیں اور اسی کے لائق ہیں۔ اب یہ جو مصیبت آئی ہے یہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ ان کی نحوست کی وجہ سے ہم بھی مصیبت میں پھنس گئے اپنے کفر اور ناشکری کو مصیبتوں کا سبب سمجھنے کے بجائے صالحین اور شاکرین اور ذاکرین کے وجود کو اور ان کی دعوت توحید کو اور ان کے اعمال صالحہ کو مصیبت آنے کا سبب بتاتے تھے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا: اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ (خبردار ان کی نحوست کا سبب اللہ کے علم میں ہے) یعنی اللہ کی طرف سے ہے۔ اسے اسباب اور مسببات کا علم ہے اور جو کچھ مخلوق کو پیش آتا ہے۔ اللہ کی قضاء و قدر سے ہے اور اسی کی طرف سے ہے اسباب کے اعتبار سے یہ نحوست ان کو اس لیے درپیش ہوئی کہ وہ کفر پر جمے ہوئے تھے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ قوم فرعون کے بعض افراد سمجھتے تو تھے کہ یہ مصیبت کفر کی وجہ سے ہے لیکن اکثریت سے مغلوب تھے۔ نہ حق بات کہہ سکتے تھے اور نہ حق قبول کرتے تھے۔ قوم فرعون کا یہ طریقہ تھا کہ نہ صرف یہ کہ آیات اور معجزات کو دیکھ کر ایمان قبول نہیں کرتے تھے بلکہ جو بھی کوئی معجزہ سامنے آتا تھا موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ تمہارا دھندہ جادو ہے تمہارے جادو کے ذریعہ ایسی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ تم کچھ بھی کر لو ہم تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد مزید عذابوں کا تذکرہ فرمایا جن کے ذریعہ قوم فرعون کی گرفت ہوئی۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا

سو ہم نے ان پر طوفان بھیج دیا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون، یہ نشانیاں تھیں کھلی ہوئی۔ سو انہوں نے

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ

تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ اور ان پر جب عذاب واقع ہوتا تو کہتے تھے کہ اے موسیٰ اپنے رب سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے

عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا

عہد کر رکھا ہے۔ اگر تو نے ہم سے عذاب کو ہٹا دیا تو ہم ضرور تیری تصدیق کریں گے اور تیرے ساتھ ضرور بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے، پھر جب ہم ان

كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ

سے عذاب کو ایک مدت تک ہٹا دیتے جس مدت تک ان کو پہنچنا تھا تو وہ اس وقت عہد شکنی کر دیتے تھے۔ پھر ہم نے ان سے انتقام لے لیا سو ان کو اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو

بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ

جھٹلایا سمندر میں غرق کر دیا، اور وہ ان سے غافل تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو زمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا

مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۥ

دیا جو ضعیف شمار کئے جاتے تھے۔ اور آپ کے رب کی نیک بات بنی اسرائیل پر پوری ہو گئی۔ اس سبب سے کہ

بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝

انہوں نے صبر کیا۔ اور ہم نے برباد کر دیا ان کارروائیوں کو جو فرعون اور اس کی قوم کے لوگ کیا کرتے تھے۔ اور جو کچھ وہ اونچی عمارتیں بنایا کرتے تھے۔

قوم فرعون پر طرح طرح کے عذاب کا آنا اور ایمان کے وعدے کر کے پھر جانا

تفسیر .... فرعون اور قوم فرعون جب برابر بغاوت اور سرکشی پر جمے رہے بلکہ عناد اور طغیانی میں ترقی کرتے چلے گئے اور ان پر قحط بھیج کر جو تنبیہ کے لیے اور سرکشی کی سزا کے طور پر ایسی چیزیں بھیج دیں جو ان کے لیے وبال جان بن گئیں۔ اَلطُّوْفَانَ اور اَلْجَرَادَ اور اَلْقُمَّلَ اور الضَّفَادِعَ اور اَلدَّمَ فرما کر ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا، لفظ اَلطُّوْفَانَ فُعلان کے وزن پر ہے اور یہ عام طور سے پانی کے سیلاب کے لیے مستعمل ہوتا ہے اگر یہی معنی لیے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ قوم فرعون کی کھیتیوں اور رہنے کی جگہوں میں سیلاب بھیجے جس کی وجہ سے وہ لوگ سخت عذاب میں مبتلا ہو گئے۔

طوفان سے کیا مراد ہے؟ .... صاحب روح المعانی (ص ۳۳ ج ۸) لکھتے ہیں کہ لفظ طوفان پانی کے طوفان کے لیے مشہور ہے اور جس طوفان کا یہاں ذکر ہے اس کی تفسیر متعدد روایات میں جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں پانی کے طوفان ہی سے کی گئی ہے اور حضرت عطاؒ نے فرمایا کہ اس سے موت مراد ہے، مفسر ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مرفوعاً اس کی روایات کی ہے۔ اگر یہی روایت لی جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ان لوگوں میں وباء کے طور پر موت کی کثرت ہو گئی۔ وھب بن منبہ سے منقول ہے کہ اہل یمن کی لغت میں طوفان بمعنی طاعون آتا ہے۔ اور حضرت ابو قلابہ نے فرمایا کہ اس سے چیچک مراد ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ چیچک کا عذاب سب سے پہلے انہی لوگوں پر آیا تھا، یہ دونوں قول بھی کثرت موت ہی کی طرف راجع ہے جسے حضرت عطاؒ اور مجاہد نے اختیار فرمایا۔

ٹڈی اللہ کا لشکر ہے .... والجراد یہ جرادۃ کی جمع ہے جو عربی زبان میں ٹڈی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ٹڈی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اکثر جنود اللّٰہ تعالٰی لا اکلہ ولا احرمہ یعنی یہ اللہ کے لشکروں میں تعداد کے اعتبار سے سب سے زیادہ ہے میں نہ اسے کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں، اخرجہ ابو داؤد فی کتاب الأطعمہ (باب فی اکل الجراد) وابن ماجہ فی کتاب الصید (باب صید الحیتان والجراد) مطلب یہ ہے کہ (اللہ کے لشکروں) میں تعداد کے اعتبار سے زیادہ ٹڈی والا لشکر ہے۔ میں اسے نہ کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں۔ اس کے کھانے سے چونکہ لشکر میں کمی آتی ہے اس لیے خود کھانا پسند نہیں کرتا دوسروں کو منع نہیں کرتا۔ واقعی ٹڈی بہت بڑا لشکر ہے۔ بظاہر زمین پر نظر نہیں آتا اور جب اللہ تعالیٰ اپنے اس لشکر کو بھیج دیتا ہے تو میلوں تک یہ لشکر کھیتوں کو صاف کر دیتا ہے۔ اور کسی فوج اور لشکر کے قابو میں نہیں آتا۔ بھگانے سے بھاگتا نہیں اور ختم کرنے سے ختم ہوتا نہیں، سڑکوں اور گھروں میں پہنچ جائے تو سب کے لیے آفت جان بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس لشکر کے ذریعہ فرعونیوں کی سرکوبی

فرمائی۔اوران کو بہت بڑی مصیبت میں مبتلا فرمایا۔

قمل کی تفسیر .... وَالْقُمَّلَ، یہ لفظ عام طور سے جوؤں کے معنی میں معروف ہے (کماذکر المجد فی القاموس) لیکن صاحب روح المعانی نے مفسرین سے اس کے مصداق میں چند قول لکھے ہیں۔اول یہ کہ اس سے چھوٹی چھوٹی ٹڈی مراد ہے جس کے ابھی پر نہ آئے ہوں۔یہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مراد ہیں جو اونٹ اور دیگر جانوروں کے جسم میں ہوجاتے ہیں۔یہ کیڑے فرعونیوں کے جسموں میں ہو گئے تھے۔اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں مراد ہیں،اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ اس سے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مراد ہیں جو گیہوں کے دانوں میں پڑ جاتے ہیں (اوپر جو ترجمہ میں جوگھن کا کیڑا مذکور ہے یہ ترجمہ اس قول کے موافق ہے)۔

مینڈکوں کا عذاب .... وَالضَّفَادِعَ۔یہ ضفدع کی جمع ہے۔عربی میں ضفدع مینڈک کو کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی سزا کے لیے کثیر تعداد میں مینڈک بھیج دیئے تھے۔ان کے برتنوں میں اور گھروں کے سامانوں میں اور گھر کے باہر میدانوں میں مینڈک بھر گئے۔جو بھی برتن کھولتے اس میں مینڈک پاتے۔ان کی ہانڈیوں میں بھی مینڈک بھر گئے تھے۔جب بھی کھانا کھانے لگتے تو مینڈک موجود ہوجاتے۔آٹا گوندھنے بیٹھتے تو اس میں مینڈک بھر جاتے۔

خون کا عذاب .... وَالدَّمَ۔دم عربی زبان میں خون کو کہا جاتا ہے قوم فرعون پر خون کا عذاب بھی آیا تھا۔نیل خون سے بھرا ہوا دریا ہوگیا۔اوران کے پینے کھانے پکانے کے جو پانی تھے وہ بھی سب خون ہی خون ہوگئے۔جب کسی برتن سے فرعونی قوم کا آدمی پانی لیتا تو خون نکلتا اور اسی برتن سے اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا کوئی فرد پانی لیتا تو پانی ہی نکلتا۔

اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (یہ کھلی کھلی نشانیاں تھیں) جن سے صاف ظاہر تھا کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے عذاب ہے جادو نہیں ہے۔ حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ یہ نو نشانیاں تھیں جو نو سال میں ظاہر ہوئیں ہر سال میں ایک نشانی ظاہر ہوتی تھی۔(آیت مذکورہ بالا میں پانچ عذاب مذکور ہیں) بعض روایات میں ہے کہ جادوگروں کے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم فرعون کے پاس ۲۰ سال رہے اور برابر اس قسم کی چیزیں پیش آتی رہتی تھیں جو قوم فرعون کے لیے عذاب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے معجزہ ہوتی تھیں۔

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ (سوان لوگوں نے تکبر کی راہ اختیار کی اور ایمان قبول نہ کیا) ایمان قبول کرنے میں اپنی خفت محسوس کی اور کفر پر جمے رہے۔یہ لوگ مجرمین تھے۔ان کو ایمان قبول کرنا ہی نہ تھا۔اس کے بعد فرمایا **وَلَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ** (الایۃ)۔اور جب ان پر عذاب واقع ہوا تو کہنے لگے کہ اے موسیٰ اپنے رب سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کیا ہے اور وہ یہ کہ جب آپ دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا اور مصیبت کو دور فرمائے گا۔**لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ** (اگر تو نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم تیری تصدیق کریں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے)

صاحب روح المعانی نے حضرت حسن قتادہ اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس میں انہی عذابوں کا تذکرہ ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔اور مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا عذابوں میں سے جو بھی عذاب ان پر آتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ تم اپنے رب سے دعا کرکے اسے ہٹا دو اگر تم نے ایسا کر دیا تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ بھیج دیں گے لیکن جب ایک عذاب ہٹ جاتا اور وہ مطمئن ہو جاتے تو کہتے ہم تو ایمان نہیں لاتے اور ہر عذاب کو جادو بتا دیتے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ

الرجز سے مستقل عذاب مراد ہے جو طاعون کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ بہر حال قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس شرط پر اسلام لانے کا وعدہ کیا کہ عذاب رفع ہو جائے لیکن رفع ہو جانے کے بعد ایمان نہ لائے۔ قال تعالیٰ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (پھر جب ہم نے عذاب کو اس مدت تک ہٹا دیا جس مدت تک وہ پہنچنے والے تھے تو اچانک وہ عہد کو توڑ رہے ہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ الی اجل سے ان کے غرق کرنے کا وقت مراد ہے جو اللہ کے علم میں متعین تھا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے موت کا وقت مراد ہے۔ قوم فرعون نے کسی عہد کو پورا نہ کیا اور کفر پر جمے رہے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ ۔ (پھر ہم نے ان سے انتقام لیا سو ہم نے ان کو سمندر میں ڈبو دیا) بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا (اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا) وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (اور وہ لوگ ان سے غافل تھے) یعنی جو نشانیاں ان کے پاس آتی تھیں ان سے غفلت برتتے تھے اور ان کے ساتھ بے پرواہی کا معاملہ کرتے تھے نہ فکرمند ہوتے نہ نصیحت حاصل کرتے۔ بنی اسرائیل کے نجات پانے اور قوم فرعون کے غرق ہونے کا تذکرہ (سورۃ بقرہ رکوع ۶) میں گزر چکا ہے نیز سورہ شعراء (رکوع ۴) اور سورہ قصص (رکوع ۱) اور سورہ دخان (رکوع ۱) میں بھی مذکور ہے اور سورہ شعراء میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہونا.........قوم فرعون کی ہلاکت کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۔ کہ جن لوگوں کے ساتھ ضعف اور کمزوری کا معاملہ کیا جاتا تھا (یعنی بنی اسرائیل جنہیں قوم فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور وہ اس حد تک مقہور تھے کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جاتا تھا) ان کو اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جن میں ہم نے برکت دی۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے شام کی سرزمین مراد ہے۔ فرعون کی گرفت سے نجات پا کر سمندر پار کرنے کے بعد وہ ملک شام آگئے اگرچہ میدان تیہ میں چالیس سال گم گشتہ راہ ہو کر پھرتے رہے۔ لیکن پھر چالیس سال کے بعد انہیں اس سرزمین میں تمکن اور اقتدار حاصل ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اللہ پاک نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ وہ پورا فرما دیا۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى (اور تیرے رب کی نیک بات پوری ہو گئی) یعنی جو ان کی نصرت کا وعدہ تھا وہ پورا ہو گیا جس میں تمکین فی الارض بھی داخل ہے۔ جس کا ذکر سورہ قصص کے پہلے رکوع میں ہے۔ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ مزید فرمایا بِمَا صَبَرُوْا یعنی بنی اسرائیل کو جو سرزمین عطا کی گئی اور نصرت اور تمکین کا وعدہ کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا ہوا یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے مصیبتوں پر صبر کیا اور تکلیفوں کو جھیلا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص بے صبری کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرے اللہ تعالیٰ اسے بے صبری ہی کی طرف سپرد فرما دیتا ہے اور جو شخص صبر کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرے اللہ تعالیٰ اسے چھٹکارا دینے کا ضامن بن جاتا ہے۔

يَعْرِشُوْنَ کی تفسیر.........وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (اور ہم نے برباد کر دیا ان کارروائیوں کو جو فرعون اور اس کی قوم کیا کرتے تھے اور جو اونچی عمارتیں بناتے تھے) مَا كَانَ يَصْنَعُ اور وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ سے عمارات اور محلات و قصور مراد ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مَا كَانَ يَصْنَعُ سے فرعون اور اسکی قوم کے اعمال بد مراد ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو زک دینے کے لیے اختیار کرتے تھے اور وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ سے بلند عمارات مراد ہوں۔ بلند عمارات میں وہ قصر بھی شامل ہے جس کے بنانے کا فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کا پتہ چلاؤں گا۔

(کما ذکر تعالیٰ شانہ من قول فرعون)

یٰھَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ الایۃ (سورۃ غافر)

فائدہ......... اَلَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا ۔ سرزمین شام کے لیے فرمایا اس سرزمین کو برکتوں سے نوازنے کا تذکرہ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں مسجد اقصیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ ۔ اور سورۂ انبیاء میں فرمایا۔ وَنَجَّیْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا لِلْعٰلَمِیْنَ۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا سو وہ ایک ایسی قوم پر آئے جو اپنے بتوں پر دھرنا دیئے ہوئے تھے۔ کہنے لگے اے

یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ

موسیٰ ہمارے لئے معبود تجویز کر دیجئے جیسا کہ ان کے معبود ہیں۔ انہوں نے کہا بے شک تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت کی باتیں کرتے ہو بلاشبہ یہ لوگ جس شغل میں ہیں

فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰھًا وَّ هُوَ فَضَّلَکُمْ

وہ تباہ ہونے والا ہے۔ اور یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ باطل ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا اللہ کے سوا تمہارے لئے کسی کو معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے

عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ

تمہیں جہانوں پر فضیلت دی، اور جب ہم نے تمہیں نجات دی آل فرعون سے جو تمہیں بری تکلیفیں دیتے تھے

یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ﴿۱۴۱﴾

تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش ہے۔

سمندر سے پار ہو کر بنی اسرائیل کا بت پرست بننے کی خواہش کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کو جھڑکنا

تفسیر......... گزشتہ آیات میں فرعونیوں کے دنیاوی عذابوں اور ان کی ضد وعناد اور بالآخران کے غرق ہونے کا ذکر تھا، ان آیات میں بنی اسرائیل کی ناشکری اور کج روی کا اور اس مظلومیت کا ذکر ہے جس میں یہ لوگ مصر کے زمانہ قیام میں مبتلا تھے۔ جب یہ لوگ سمندر پار ہو گئے اور فرعون اور اس کے لشکروں کو اپنی نظر سے ڈوبتا ہوا دیکھ لیا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور زیادہ پختگی کے ساتھ جمتے اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت میں مشغول رہتے اور توحید کی دعوت جو برسہا برس سے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ کانوں میں پڑ رہی تھی اس کو دل میں جماتے اور پورے رسوخ کے ساتھ موحد بنتے۔ لیکن انہوں نے عجیب رویہ اختیار کیا۔ جب سمندر سے پار ہو کر آگے بڑھے تو دیکھا کہ کچھ لوگ بتوں کی پرستش میں مشغول ہیں۔ اور وہیں دھرنا دیئے ہوئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود تجویز کر دو جو ہمارے سامنے مجسمہ کی صورت میں ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا کہ تم لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہو ان کے یہ معبود باطل ہیں ان کا شغل تباہ ہونے والا ہے اور جو عمل کر رہے

ہیں وہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ شرک ہے شرک کو تو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشے گا۔ مشرکوں کی کیوں ریس کرتے ہو، تم توحید پر جمے رہو، تمہیں معبود حقیقی کی عبادت کی تلقین کی گئی ہے جو مجسم ہو کر تمہارے سامنے نہیں آ سکتا۔ کیا اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود تجویز کر دوں جس نے تمہیں تمہارے زمانہ کے جہانوں پر فضیلت دی؟ تم حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نبی بھیجا جس کے ذریعہ تم نے فرعون سے نجات پائی۔ اب تم ایسی بے وقوفی کی باتیں کرتے ہو کہ اسی رب العالمین جل مجدہ کے ساتھ پتھروں کو شریک بنانے کو تیار ہو۔

فرعون سے نجات دینا بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے .... وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کو خطاب فرما کر ان بدترین تکلیفوں کی یاددہانی فرمائی جو فرعونیوں کی طرف سے بنی اسرائیل کو پہنچا کرتی تھیں۔ یہ آیت تھوڑے سے اختلاف الفاظ کے ساتھ سورۂ بقرہ (رکوع ۷) میں گزر چکی ہے۔ (انوار البیان ج۱) وہاں اس کی تفصیل اور تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔ وہاں یُذَبِّحُوْنَ فرمایا اور یہاں یُقَتِّلُوْنَ فرمایا ہے۔ یہ لفظ کثرت قتل پر دلالت کرتا ہے اسی لیے ترجمہ یوں لکھا ہے کہ تمہارے بیٹوں کو کثرت کے ساتھ قتل کرتے تھے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَقَالَ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتوں کے ذریعہ ان کی تکمیل کر دی، اور

مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾

موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میرے بعد میری قوم میں میرے خلیفہ بن کر رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کی راہ کا اتباع نہ کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا اور وہاں چالیس راتیں گزارنا

تفسیر .... مصر میں بنی اسرائیل بہت ہی زیادہ مقہور اور مجبور تھے وہاں ان کو حکم تھا کہ ایمان لائیں اور گھروں میں نماز پڑھ لیا کریں۔ جب فرعونیوں سے نجات پا گئے تو اب عمل کرنے اور احکام خداوندیہ کے مطابق زندگی گزارنے کیلئے شریعت کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف دینے کے لیے پہاڑ پر بلایا اور وہاں تیس دن تک اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا لیکن تیس راتیں گزارنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کر لی جس سے وہ خاص قسم کی مہک جاتی رہی جو روزہ دار کے منہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مزید دس راتیں وہیں گزارنے کا حکم دیا۔ جب چالیس راتیں پوری ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں توریت شریف عطا فرما دی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جانے کے لیے روانہ ہونے لگے تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے پیچھے بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کرنا اور ان کی اصلاح کرتے رہنا اور ان میں سے جو مفسد ہیں ان کا اتباع نہ کرنا یعنی ان کی رائے پر مت چلنا۔ حضرت ہارون علیہ السلام بھی نبی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ وہ خود بھی اپنی پیغمبرانہ ذمہ داری کو پورا کرنے والے تھے لیکن قوم کے مزاج اور طبیعت کی کجروی کو دیکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مزید تاکید فرمائی۔ جب دریا پار ہوئے تھے تو بنی اسرائیل نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنا دو۔ اب خطرہ تھا کہ اس طرح کی کوئی اور حرکت نہ کر بیٹھیں اس لیے ان کی نگرانی کے لیے تاکید فرمائی۔ آخر وہی ہوا جس کا

خطرہ تھا۔ ان میں ایک شخص سامری تھا اس نے زیورات کا ایک بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل نے اسے معبود بنالیا، جیسا کہ چند آیات کے بعد یہاں سورۃ اعراف میں آرہا ہے۔ اور سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ (انوار البیان ج۱) نیز سورۃ طٰہٰ میں بھی مذکور ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے دکھا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں،

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ

فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو، سو اگر پہاڑ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی

جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ

تو پہاڑ کو چورا کر دیا۔ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہنے لگے آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔

اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ

اور میں ایمان لانے والوں میں پہلا شخص ہوں۔ فرمایا، اے موسیٰ بلاشبہ میں نے اپنی پیغمبری اور اپنی ہم کلامی کے ساتھ لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں چن لیا،

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا

سو میں نے تمہیں جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔ اور ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی

لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

تفصیل لکھ دی، سو آپ قوت کے ساتھ اسے پکڑیں اور اپنی قوم کو حکم دیں کہ اسکے اچھے اچھے اعمال کو پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھا دوں گا۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ

میں عنقریب اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ ساری نشانیاں دیکھ لیں تو ان پر ایمان لائیں

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنا طریقہ بنالیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ

آیات کو جھٹلایا اور ان سے غافل تھے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال

اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع ۱۷/۶/۷

اکارت ہو گئے۔ ان کو انہیں اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الٰہی کے لیے درخواست کرنا اور پہاڑ کا چورا چورا ہو جانا

تفسیر...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے طور پر جانے کا جو وقت مقرر ہوا تھا وہ اس کے مطابق وہاں پہنچے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ان راتوں کی ابتدا ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے تھی پھر مزید دس راتیں ماہ ذی الحجہ کے شروع کی بڑھا دی گئیں اور دس ذی الحجہ کو توریت شریف عطا کی گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچے تو اللہ رب العزت جل مجدہ سے ہمکلامی ہوئی اور اسکے بعد ان کو اشتیاق ہوا کہ اپنے رب کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھیں، لہٰذا درخواست پیش کر دی کہ اے رب مجھے اپنا دیدار کرا دیجئے، میں آپ کی ذات پر یقین بھی رکھتا ہوں اور ہم کلام بھی ہوا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ دیدار بھی کر لوں، اللہ تعالیٰ شانہ کو اہل جنت دیکھیں گے۔ جن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہوں گے اور ان کی امتیں بھی ہوں گی۔ لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ جنت میں جو قوت اور طاقت برداشت دی جائے گی۔ وہ دنیا میں نہیں دی گئی۔ اسی لیے سورۂ انعام میں فرمایا لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن پانچ باتیں بیان کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

۱)...... بے شک اللہ نہیں سوتا اور اس کی شایان شان نہیں کہ وہ سوئے۔

۲)...... وہ ترازو کو بلند کرتا ہے اور پست کرتا ہے (یعنی اعمال کا وزن فرماتا ہے۔ جن کا وزن کمال اور نقص اور اخلاص کے اعتبار سے کم و بیش ہوتا ہے)

۳)...... اس کی طرف دن کے اعمال سے پہلے رات کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔

۴)...... اور رات کے اعمال سے پہلے دن کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔

۵)...... اس کا حجاب نور ہے اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کی ذات گرامی کے انوار اس سب کو جلا دیں۔ جہاں تک مخلوق پر اس کی نظر پہنچتی ہے (یعنی ساری مخلوق جل کر ختم ہو جائے)۔ (رواہ مسلم ص ۹۹ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے چھپنے چھپانے کے لیے مادی پردے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا پردہ نہیں، اس کا پردہ عزت وجلال کا پردہ ہے اگر اس کی ذات عالی کی تجلی ہو جائے تو ساری مخلوق جل کر رہ جائے (قال النووی والتقدیر لو ازال المانع من رؤیته وھو الحجاب المسمی نورا او نارا و تجلی لخلقه لاحرق جلال ذاته جمیع مخلوقاته و اللہ تعالیٰ اعلم. ا ھ) (علامہ نوویؒ فرماتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے رکاوٹ ہٹ جائے اور وہ پردہ ہے جسے نور یا نار کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر تجلی فرمائے تو اس کی ذات کا جلال تمام مخلوقات کو جلا دے)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن تم ایسا کرو کہ پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو تم مجھے دیکھ سکو گے، انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا۔ جب پہاڑ پر اللہ جل شانہ کی تجلی ہوئی تو پہاڑ چورا چورا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا (بیہوشی میں کتنا وقت گزرا اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے) تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ تیری ذات پاک ہے واقعی تو اس دنیا میں دیکھے جانے سے منزہ اور بالا و برتر ہے۔ میں نے جو دیدار کی درخواست کی تھی اس سے توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے اس بات کا یقین کرنے والا ہوں کہ واقعی آپ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں کے مقابلہ میں پیغمبری اور ہمکلامی کے ساتھ چن لیا (یعنی جو لوگ تمہارے زمانہ میں موجود ہیں ان کے مقابلہ میں تمہیں یہ شرف عطا فرمایا) لہٰذا جو کچھ میں نے تمہیں عطا کیا اس کو لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو

جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس راتیں گزر جانے کے بعد توریت شریف عطا فرمائی جو تختیوں میں لکھی ہوئی تھی اس میں احکام شرعیہ تفصیل سے لکھے ہوئے تھے اور ہر طرح کی نصیحتیں بھی تھیں۔ حلال وحرام کو واضح طریقہ پر بیان فرما دیا تھا۔ اور محاسن ومساوی (اچھے برے کاموں) کو تفصیل سے بتا دیا تھا۔ اسی کو فرمایا: وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ کتاب عطا فرمانے کے ساتھ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ بھی فرمایا کہ اسے قوت اور مضبوطی کے ساتھ لے لو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا کہ اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ اس کے احکام کو پکڑے رہیں جو اچھے اچھے کام ہیں۔ قال صاحب الروح (ص ۵۹ ج ۹) ومعنی احسنیتها اشتمالها علی الاحسن فانه احسن کالصبر بالاضافه الی الانتصار۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں احکام کے احسن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی پر مشتمل ہوں پھر وہ اپنے کرنے والے کے انتصار کی بناء پر احسن بنتے ہیں)

سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ (میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھا دوں گا) نافرمانوں کے گھر سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مصر مراد ہے جہاں بنی اسرائیل کو (ایک قول کی بناء پر) فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد جانا نصیب ہوا تھا۔ اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس سے جبابرہ عمالقہ کی سرزمین مراد ہے جس کے بارے میں سورہ مائدہ میں فرمایا: یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (الآیہ)۔

حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل عمالقہ کی سرزمین میں داخل ہو گئے اور وہاں انہیں اقتدار حاصل ہوا۔ یہ علاقہ فلسطین کا تھا جو شام میں ہے۔ صاحب روح المعانی نے دار الفاسقین کی تفسیر میں ایک تیسرا قول بھی لکھا ہے اور وہ یہ کہ اس سے عاد وثمود کے منازل اور ان قوموں کے مساکن مراد ہیں جو ان سے پہلے ہلاک ہو چکے تھے۔ اور چوتھا قول حضرت حسن اور حضرت عطا سے یوں نقل کیا ہے کہ دار الفاسقین سے جہنم مراد ہے۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ توریت کے احکام پر عمل کرو۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

جب توریت شریف تختیوں پر لکھی ہوئی یکجا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مل گئی تو آپ ان تختیوں کو لے کر اپنی قوم میں تشریف لائے۔ قوم کا مزاج عجیب تھا۔ اطاعت اور فرمانبرداری سے دور تھے اس لیے سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ کے بعد مزید یوں فرمایا کہ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (کہ میں اپنی آیات سے ایسے لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو دنیا میں شرعی احکام پر عمل کرنے سے تکبر کرتے ہیں اور ان کا یہ تکبر ناحق ہے)۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیات سے برگشتہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی جائے گی وہ آیات میں تفکر نہ کریں گے اور تکبر وتجبر کی وجہ سے کوئی عبرت حاصل نہ کریں گے ان کے برگشتہ ہونے اور برگشتہ رہنے کا سبب ان کا تکبر ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے آیات الٰہیہ سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ وھذا کقولہ تعالیٰ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ۔ اس کے بعد متکبرین کی مزید بدحالی بیان فرمائی۔ وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا (اور اگر ہر نشانی کو دیکھ لیں خواہ انبیاء کے معجزات ہوں یا آیات تکوینیہ ہوں۔ وہ ایمان نہیں لاتے)

وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا (اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھتے ہیں تو اس راستے کو اختیار نہیں کرتے)

وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا اور گمراہی کا راستہ دیکھتے ہیں تو اسے اختیار کر لیتے ہیں اور اسی پر چلتے ہیں۔ اس میں متکبرین کو نصیحت ہے کہ وہ تکبر پر رہتے ہوئے آیات الٰہیہ سے منتفع نہ ہو سکیں گے اور ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی میں لگے رہیں گے۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (کہ ان لوگوں کا تکبر کرنا اور آیات پر ایمان نہ لانا اور راہ ہدایت سے اعراض کرنا اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان آیات کی طرف سے غافل رہے) لاپرواہی اختیار کی اور ان آیات میں تفکر نہ کیا اور تدبر سے کام نہ لیا۔

آخر میں فرمایا وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۔ جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کے دن کی ملاقات کو جھٹلایا۔ یعنی آخرت پر ایمان نہ لائے ان کے اعمال اکارت ہو گئے)

دنیا میں جو کام کئے آخرت میں بالکل کام نہ آئیں گے اگرچہ بظاہر نیک کام تھے۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی دنیا بنانے اور دنیاوی ترقی کرنے کے لیے جو کچھ کیا وہ سب برباد ہو گیا کیونکہ آخرت میں یہ چیزیں بالکل کام نہ آئیں گی۔

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ان کو ان کے اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا) کفر پر جو اڑے رہے اس کا بدلہ دائمی عذاب کی صورت میں مل جائے گا۔

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کو معبود بنا لیا جو ایک ایسا جسم تھا کہ اس میں سے گائے کی آواز آرہی تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا

اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَ لَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَ لَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ

کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا اور نہ انہیں کوئی راستہ بتلاتا ہے۔ انہوں نے اسکو معبود بنا لیا اور وہ ظلم کرنے والے تھے۔ اور جب وہ پچھتائے اور انہوں نے سمجھ لیا

وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ يَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

کہ بلاشبہ وہ گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہمیں بخش نہ دے تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔

وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف اس حال میں واپس ہوئے کہ وہ غصہ میں اور رنج میں تھے تو انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے میرے بعد میری بری نیابت کی۔

اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ

کیا اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے تم نے جلدی کر لی؟ اور موسیٰ نے تختیوں کو ڈال دیا اور بھائی کے سر کو پکڑ لیا جسے اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے

الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖؗ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ

میرے ماں جائے بلاشبہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں، لہٰذا مجھ پر دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور مجھے

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِاَخِيْ وَ اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖؗ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

ظالموں میں شمار نہ کرو۔ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔

بنی اسرائیل کا زیوروں سے بچھڑا بنا کر اسکی عبادت کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضبناک ہونا

تفسیر.......... بنی اسرائیل مصر میں بت پرستی اور گاؤ پرستی دیکھتے آئے تھے اسی لیے جب سمندر پار کر کے مصر کے علاوہ دوسرے علاقہ میں آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لیے بھی اسی طرح کا معبود بنا دیجئے جو مجسم ہو صورت و شکل والا سامنے ہو۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لیے طور تشریف لے گئے تو ان کے پیچھے گو سالہ پرستی شروع کر دی۔ جس کا واقعہ یہ ہوا کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلنے والے تھے اس وقت انہوں نے قبطی قوم سے (جو مصر کے اصلی باشندے تھے) زیور مانگ لیے تھے۔ یہ زیورات ان لوگوں کے پاس تھے۔ ان میں ایک آدمی سامری تھا جو سنار کا کام کرتا تھا۔ اس نے ان زیوروں کو جمع کر کے بچھڑے کی شکل بنا لی اور اس کے منہ میں مٹی ڈال دی (یہ مٹی وہ مٹی تھی جو اس نے حضرت جبرائیلؑ کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے نکالی تھی) اللہ تعالیٰ نے اس مٹی میں ایسا اثر ڈالا کہ اس مجسمے سے گائے کے بچے کی آواز آنے لگی۔ یہ لوگ شرک سے مانوس تو تھے ہی۔ کہنے لگے هٰذَآ اِلٰـهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ (کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے جو کوہ طور پر معبود سے ہم کلام ہونے کیلئے گئے ہیں) حضرت ہارون علیہ السلام جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام خلیفہ بنا کر تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے ان کو سمجھایا کہ تم فتنے میں پڑ گئے ہو، تمہارا رب رحمٰن ہے تم میرا اتباع کرو، اور میرا حکم مانو۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم برابر اس بچھڑے کے پیچھے لگے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل سے اور سامری سے سوال و جواب فرمانا سورہ طٰہٰ (رکوع ۴، ۵) میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ جل شانہ نے پہلے ہی مطلع فرما دیا تھا۔ تمہاری قوم تمہارے بعد گمراہی میں پڑ گئی ہے اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے اور گو سالہ پرستی کا منظر دیکھا تو بہت سخت غضبناک اور رنجیدہ ہوئے اور فرمایا: بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ (کہ میرے بعد تم نے میری بری نیابت کی) اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ کیا تم نے اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے جلد بازی کی۔

وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کا بھی مواخذہ فرمایا توحید کے خلاف جو منظر دیکھا تو غیرت دینی کے جوش میں توریت شریف کی تختیاں ایک طرف کو ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیے۔ انہیں یہ گمان ہوا کہ ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی تعلیم میں کوتاہی کی، سورہ طٰہٰ میں حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑنے کا بھی ذکر ہے۔ توریت شریف کی تختیوں کا ڈالنا اور بھائی کے سر کے بالوں کو پکڑنا غضب کی وجہ سے پیش آیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میرے ماں جائے آپ میرے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو نہ پکڑیں۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ لہٰذا آپ مجھ پر سختی کر کے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کریں۔ (میں ان کے کام میں ان کے ساتھ نہیں ہوں لہٰذا میرے ساتھ برتاؤ بھی وہ نہ ہونا چاہئے جو ظالموں کے ساتھ کیا جاتا ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ واقعی مجھ سے خطا ہوئی (اگرچہ خطا اجتہادی تھی) لہٰذا بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میری مغفرت فرما دے اور میرے بھائی کی بھی، اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گو سالہ پرستی دیکھ کر دینی حمیت کے جوش میں اور غضب و تأسف میں تھے اس لیے اپنے بھائی سے دارو گیر کرتے ہوئے ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے تھے پھر جب احساس ہوا تو اپنے لیے اور بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے۔

ظلم اور زیادتی کی معافی مانگنا........اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی پر زیادتی ہو جائے تو جہاں اس کی تلافی کا یہ طریقہ کہ اس سے معافی مانگ لی جائے۔ یہ طریقہ بھی ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔لیکن ہر حال میں اس کو راضی کرنا ضروری ہے، بعض مرتبہ اس سے معافی مانگنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ پہلے ہی دل سے معاف کر چکا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ تعلقات کی وجہ سے ناگواری ہوتی ہی نہیں ،لیکن جس کی طرف سے زیادتی ہوگئی ہو اسے پھر بھی اپنے لیے اور اس کے لیے دعائے مغفرت کر دینی چاہئے۔

لیس الخبر کا لمعاینة..........امام احمد نے اپنی مسند میں (ص ۲۷۱ ج ۱) حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے (دیکھنے سے انسان جتنا متاثر ہوتا ہے خبر سے اتنا متاثر نہیں ہوتا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو (پہلے ہی) خبر دے دی تھی کہ تمہاری قوم نے بچھڑے کو معبود بنالیا ہے۔ اس وقت تو توریت کی تختیوں کو نہ پھینکا پھر جب اپنی آنکھ سے انکی حرکت کو دیکھا تو تختیوں کو ڈال دیا جس کی وجہ سے ٹوٹ گئیں۔

القاء الواح پر سوال و جواب........یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا بھی احترام کرنا چاہئے تھا۔ توریت شریف کی تختیوں کو ڈال دینا ایک طرح کی سوءادبی ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام نے دو باتیں لکھی ہیں۔

اول.......... یہ کہ ان تختیوں کو جلدی میں اس طرح سے رکھ دیا تھا کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کو ڈال دے۔

دوم.......... یہ کہ دینی حمیت اور شدت غضب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے بے اختیار ہوئے کہ وہ تختیاں ان کے ہاتھ سے گر پڑیں۔ اگرچہ گری تھیں بلا اختیار لیکن بے احتیاطی کی وجہ سے اس کو القاء اختیاری کا درجہ دے دیا گیا۔ اس لیے **القی الالواح** سے تعبیر فرمایا۔ **فان حسنات الابرار سیئات المقربین** ۔ (کیونکہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے برائیاں ہیں)۔ (من روح المعانی ص ۶۷ ج ۹)

بنی اسرائیل کا نادم ہونا اور توبہ کرنا...... وَلَمَّا سُقِطَ فِیْٓ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا (الایۃ) جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کر لی تھی انہیں اپنی گمراہی کا احساس ہوا اور توبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں سب سے بڑا دخل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دارو گیر اور سختی کا تھا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ کچھ لوگوں کو ان کے تشریف لانے سے ہی اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا ہو۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری بخشش نہ فرمائے تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ لیکن ان کی توبہ کی قبولیت کے لیے اللہ پاک کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ اپنی جانوں کو قتل کریں۔ جیسا کہ سورہ بقرہ (رکوع ۶) کی آیت وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ ۔ کے ذیل میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے (انوار البیان جلد ۱) ان کی توبہ کی صورت یہ تجویز ہوئی تھی کہ جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی وہ ان کو قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت کی تھی چنانچہ ایسا کیا گیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ

بلاشبہ جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا انہیں ان کے رب کی طرف سے ضرور غصہ پہنچے گا اور ذلت پہنچے گی دنیا والی زندگی میں،

وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ؗ

اور اسی طرح ہم افتراء کرنے والوں کو سزا دیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے گناہ کئے پھر ان کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖۚ

بلاشبہ آپ کا رب اس توبہ کے بعد ضرور بخش دینے والا ہے۔ مہربان ہے۔ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انہوں نے ان تختیوں کو اٹھا لیا

وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور ان تختیوں میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

بچھڑے کی پرستش کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور دنیا میں ان لوگوں کی ذِلّت

تفسیر......... جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا اور بارگاہِ الٰہی سے اپنے اور اپنے بھائی کے لیے مغفرت کا سوال پیش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی کہ انہیں عنقریب ان کے رب کی طرف سے غصہ پہنچے گا اور دنیا والی زندگی میں ذلت پہنچے گی اس غضب اور ذلت سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ غضب سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جس میں قبولیت توبہ کے لیے ان لوگوں کے قتل کا حکم ہوا اور ذلت سے مراد ہے ان لوگوں کا یہ اقرار کر لینا کہ واقعی ہم نے گمراہی کا کام کیا اور پھر اپنی جانوں کو قتل کے لیے پیش کر دینا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ذلت سے وہ حالت اور کیفیت مراد ہے جو ان لوگوں کو اس وقت پیش آئی جبکہ اس بچھڑے کو جلایا گیا اور سمندر میں پھینک دیا گیا جس کی انہوں نے عبادت کی تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ ذلت سے وہ مسکنت مراد ہے جو انہیں اور ان کی اولاد کو دنیا میں پیش آتی رہی اور بحالت سفر برسوں زمین میں گھومتے رہے۔

اور عطیہ عوفی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو یہودی تھے اور آیت کریمہ میں ان کا ذکر ہے۔ غضب اور ذلت سے بنی نضیر کا جلا وطن کر دینا اور بنی قریظہ کا قتل کیا جانا یہودیوں پر جزیہ مقرر کرنا مراد ہے اور یہ بات اس بنیاد پر کہی جا سکتی ہے کہ عہد رسالت میں جو یہودی تھے وہ اپنے آباء واجداد کے اعمال سے بیزاری ظاہر نہیں کرتے تھے وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ (اور ہم اسی طرح افتراء کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اس سے افتراء علی اللہ مراد ہے۔ سامری اور اس کے ساتھیوں نے بچھڑے کے بارے میں یہ جو کہا تھا هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى (یہ تمہارا معبود اور موسیٰ کا بھی معبود ہے) یہ بہت بڑا افتراء ہے اس کی سزا سامری کو بھی دی گئی اور ان لوگوں کو بھی دی گئی جو اس کے ساتھی تھے۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا کہ ہر صاحب بدعت ذلیل ہے۔ یہ فرما کر انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مطلب یہ ہے کہ دین خداوندی میں جو شخص بدعت نکالے گا وہ دیر سویر ذلیل ہوگا۔ دنیا میں اس کا ظہور نہ ہوا تو آخرت میں ضرور ہی ذلیل ہوگا)

اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے......... وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ (الأيه) (اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے (جن میں گوسالہ پرستی بھی ہے) پھر ان گناہوں کے بعد توبہ کر لی اور کفر کو چھوڑ کر ایمان لے آئے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد ان کو معاف فرمانے والا اور ان پر رحم فرمانے والا ہے)

واقعی پختہ توبہ کرنے کے بعد ان کی مغفرت ہوگئی۔ کفر و شرک کے بعد اسلام قبول کرنے سے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ (بے شک اسلام لانا پہلے کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے) (رواہ مسلم عن عمرو بن العاصؓ) اوپر سے گو بنی اسرائیل کا ذکر ہو رہا ہے۔ لیکن آیت کے عمومی الفاظ میں ہمیشہ کے لیے توبہ کی قبولیت کا اعلان فرما دیا اور یہ

بتادیا کہ اللہ غفور اور رحیم ہے۔

تو ریت شریف ہدایت اور رحمت تھی .... پھر فرمایا وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ (جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہو گیا تو انہوں نے توریت شریف کی تختیوں کو لے لیا) جنہیں غصہ میں ڈال دیا تھا۔ کیونکہ مقصود تو انہیں پر عمل کرنا اور عمل کرانا تھا درمیان میں مشرکین کی حالت دیکھ کر جو غصہ آ گیا تھا اس کی وجہ سے تختیوں کو ڈال دیا تھا پھر ان کو اٹھالیا تا کہ تعلیم و تبلیغ کا کام دوبارہ شروع کیا جائے۔

وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ (اور اس توریت میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں)

اور ڈرنے والے وہی ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ وذلک مثل قوله تعالٰى فى التنزيل العزيز هدًى للمتقين الذين يؤمنون بالغيب (الآية)

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ

اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وقتِ معین کے لئے چن لئے پھر جب ان کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب

لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا

اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک فرما دیتے۔ کیا آپ ہمارے چند بیوقوفوں کی حرکت کے سبب ہمیں ہلاک فرماتے ہیں۔ یہ محض آپ کی

فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

طرف سے آزمائش ہے آپ اس کے ذریعہ جس کو چاہیں گمراہی میں ڈالیں اور جس کو چاہیں ہدایت پر رکھیں۔ تو ہی ہمارا ولی ہے۔ لہٰذا ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما

وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا

اور بخش دینے والوں میں تو سب سے بہتر ہے اور لکھ دیجئے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی، بے شک ہم نے

هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ

تیری طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب ہے میں اسے پہنچاتا ہوں جسے چاہوں اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

سو میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ستر افراد کو اپنے ہمراہ لے جانا اور وہاں ان لوگوں کی موت واقع ہو جانا

تفسیر .... بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ بے تکی باتیں کیا کرتے تھے اور شبہات نکالتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ توریت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں۔ جو عمل کرنے کے لیے نازل فرمائے ہیں۔ تم ان پر عمل کرو، تو بنی اسرائیل کہنے

لگے کہ ہم کیسے یقین کریں کہ اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے فرما دے کہ یہ میری کتاب ہے اور میرے احکام ہیں تو ہم مان لیں گے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی منتخب فرمائے تا کہ ان کو ہمراہ لے جائیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام سنوائیں۔ جب یہ لوگ حاضر ہوئے اور کلام الٰہی سنا تو کہنے لگے ہمیں کیا معلوم کون بول رہا ہے ہم تو جب یقین کریں گے جبکہ بالکل اپنے سامنے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ یہ ان کی گستاخی کی بات تھی۔ ان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہیں دھرے رہ گئے۔ جب ان لوگوں کا یہ حال ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی بیہودگی اور بدگمانی کا خیال آیا کہ یہ لوگ پہلے ہی سے بدگمان ہیں اب تو اور زیادہ بری بدگمانی کریں گے اور یوں کہیں گے کہ ہمارے آدمیوں کو لے جا کر وہیں ہلاک کر دیا۔ لہٰذا بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ان کو اور مجھے ہلاک فرما دیتے جب آپ نے ایسا نہیں کیا (اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا اس وقت ہلاک کرنا آپ کو منظور نہیں کیونکہ اس میں میری بدنامی ہے) تو آپ ان کو دوبارہ زندگی عطا فرمائیں تا کہ میں بنی اسرائیل میں مطعون اور بدنام نہ ہو جاؤں۔

"اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں معروض پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ کیا آپ چند بیوقوفوں کی حرکت سے جو ہم میں سے ہیں ہمیں ہلاک فرما دیں گے۔ یعنی امید ہے کہ آپ ایسا نہ کریں گے۔ مزید عرض کیا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ کہ یہ جو واقعہ پیش آیا کہ ان لوگوں کو رجفہ یعنی زلزلہ نے اور صاعقہ یعنی بجلی کی کڑک نے (کما فی سورۃ البقرۃ) پکڑ لیا۔ یہ آپ کی طرف سے ایک امتحان ہی ہے۔ وَتُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ آپ اس کے ذریعہ گمراہی میں ڈالیں جسے چاہیں اور جس کو چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر وہ لوگ صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ شانہ سے مزید مغفرت اور رحمت طلب کرتے ہوئے عرض کیا اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا (اے رب آپ ہمارے ولی ہیں لہٰذا ہماری مغفرت فرما دیجئے) وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرمائیے وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ اور آپ معاف کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ (اور ہمارے لیے اس دنیا میں نیک حالت پر ہونا) لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی۔ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ (بلاشبہ ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں)

قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میرا عذاب ہے جسے چاہوں پہنچا دوں۔ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ سو عنقریب میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں اللہ کی رحمت اگر چہ ہر چیز کو شامل ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب پر رحمت فرما سکتے ہیں اور رحمت فرماتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑی رحمت جو آخرت کی نجات ہے اور عذاب دائمی سے بچا دینا ہے وہ ان ہی لوگوں کے لیے ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی کفر و شرک اور ہر قسم کے گناہ سے بچتے ہیں (اس میں قلب اور جوارح کے سب اعمال داخل ہیں) اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (اس میں احکام متعلقہ اموال داخل ہو گئے)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ادائے زکوٰۃ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے فرمایا کہ بنی اسرائیل پر زکوٰۃ کی ادائیگی بہت شاق تھی یہ لوگ حُبِّ دنیا میں بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے اس لیے مال خرچ کرنا ان کے نفسوں کے لیے بہت دشوار تھا۔

آخر میں فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ۔اس میں یہ بتادیا کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں اور رحمت دائمہ اہل ایمان ہی کے لیے مخصوص ہے اور اس میں بنی اسرائیل پر تعریض بھی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ کی تکذیب کی اور جانتے پہچانتے ہوئے آخر الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منکر ہوئے۔اس لیے متصلاً ہی وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ فرمایا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہودی جو اپنے کو مؤمن سمجھتے ہیں اور نبی ﷺ امی کا اتباع نہیں کرتے وہ اللہ کے نزدیک مؤمن نہیں ہیں اور رحمت دائمہ کے مستحق نہیں جو آخرت میں مؤمنین کو نصیب ہوگی۔

فائدہ .... حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اپنی قوم کو اللہ کا کلام سنوانے کے لیے ساتھ لے گئے۔ یہ کتنی مرتبہ ہوا؟ علمائے تفسیر نے اس کے بارے میں تین مرتبہ جانا لکھا ہے۔

اول .... یہ کہ جب توریت شریف لینے کے لیے طور پر جارہے تھے اس وقت ایک جماعت کو ہمراہ لے گئے تھے اور اس کا ثبوت سورۂ طٰہٰ کی آیت وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى سے ہوتا ہے۔ دوسرے: جب بنی اسرائیل نے ان کے پیچھے بچھڑے کی عبادت کر لی تو اس وقت بارگاہِ الٰہی میں معذرت پیش کرنے اور قبولیت توبہ کی درخواست کرنے کے لیے ایک جماعت کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ تیسرے: جب ان پر توریت شریف پیش کی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم کیسے مانیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ اللہ ہم سے خود فرمائیں کہ یہ میری کتاب ہے تو ہم تسلیم کرلیں گے۔ لہٰذا ان کو تسلیم کرانے کے لیے اپنی قوم کے منتخب افراد کو ساتھ لے گئے۔ صاحب روح المعانی (ص۷۲ ج۹) نے اس میں لمبی بحث کی ہے اس کو ملاحظہ کرلیا جائے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے سورۂ بقرہ کی آیت فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور سورۂ اعراف کی یہ آیت فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ کا محمل ایک ہی قرار دیا ہے۔ یعنی دونوں جگہ اسی ایک واقعہ کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ ہم اس کتاب کو اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ کو نہ دیکھ لیں۔ ہم نے بھی انہیں کی اتباع میں تفسیر لکھ دی ہے والعلم عند اللہ الکریم۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے .... آیت بالا میں اللہ کی رحمت کے وسیع ہونے کا ذکر ہے اس کی رحمت سب کو شامل ہے۔ دنیا میں جو مخلوق ایک دوسرے پر رحم کھاتی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ رحمت کا اثر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کی رحمت سو حصے ہے۔ اس میں سے ایک رحمت دنیا میں اتاری ہے جو جن وانس اور چوپایوں میں اور زہریلے جانوروں میں تقسیم فرمادی۔ اسی کے ذریعہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں اور اللہ نے ننانوے رحمتوں کو قیامت کے دن کے لیے مؤخر فرمادیا ہے۔ اس دن وہ اپنی ان رحمتوں کے ذریعہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (رواہ البخاری ومسلم کمافی المشکوٰۃ ص۲۰۷)

اللہ کی رحمت بڑی ہے دنیا میں ہر نیک وبد کو شامل ہے یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ مؤمن اور کافر نیک اور بد بلکہ خدائے تعالیٰ کے منکر اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہیں آرام کی زندگی گزارتے ہیں، کھاتے پیتے اور پہنتے ہیں اور نعمتوں میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے رحم کرے اور جس کو چاہے عذاب دے، یہ اسکی مشیت سے متعلق ہے۔ وہ کسی پر رحم کرنے یا کسی کو عذاب دینے پر مجبور نہیں ہے یعنی اس کی رحمت ماں باپ کی مامتا کی طرح نہیں ہے کہ وہ طبعی طور پر اولاد پر رحم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

صاحب روح المعانی (ص۷۶ ج۹) لکھتے ہیں ای شانها انها واسعة كل شيئ ما من مسلم ولا كافر ولا مطيع ولا عاص الا وهو منقلب في الدنيا بنعمتي ...... والمشية معتبرة في جانب الرحمة ايضا و عدم التصرح بها قيل تعظيما لامر الرحمة وقيل للإشعار بغاية الظهور اھ (یعنی رحمت الٰہی کی شان یہ ہے کہ وہ ہر ایک کو شامل ہے خواہ کوئی مسلمان ہو یا کافر،

فرمانبردار ہو یا نافرمان البتہ دنیا میں رحمت نعمتوں کی شکل میں ہے اور رحمت کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اعتبار ہے اور یہاں پر اس بات کی تصریح نہ کرنا رحمت الٰہی کی عظمت کے اظہار کے لیے ہے، بعض نے کہا رحمت الٰہی کے بے انتہا ظہور کی وجہ سے حرمت نہیں کی)

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ

جو لوگ رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا

وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ

پاتے ہیں وہ انہیں اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں۔ اور خبیث

الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ

چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں، اور وہ طوق ہٹاتے ہیں جو ان پر تھے۔

نبی اُمی ﷺ کا ذکر یہود و نصاریٰ توریت و انجیل میں پاتے ہیں

تفسیر: یہ آیت سابقہ آیت کے آخری جملہ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دائمی رحمت کے مستحق متقی اور اہل ایمان ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں جو اہل ایمان تھے اور اب جو اہل ایمان ہیں ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ رحمت دائمہ لکھ دے گا، اب اہل ایمان وہ لوگ ہیں جو نبی اُمی آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو لوگ ان کی رسالت اور نبوت کے منکر ہیں وہ کیسا ہی ایمان کا دعویٰ کریں اللہ کے نزدیک ان کا ایمان معتبر نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور نبی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ آپ اُمی ہیں۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول بھی ہیں اور اللہ کے نبی بھی ہیں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ رسول وہ ہے جو اللہ کی طرف سے مستقل کتاب اور شریعت لے کر آیا ہو۔ اور نبی کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے ہر پیغمبر پر ہوتا ہے۔ اگر چہ اس کے ساتھ کتاب یا شریعت نہ ہو۔

جس نبی کے ساتھ مستقل کتاب اور مستقل شریعت نہ تھی وہ اپنے سے سابق رسول کی کتاب اور شریعت کی تبلیغ کرتا تھا۔ یہ فرق اگر تسلیم کر لیا جائے تو بعض انبیاء کے تذکرہ میں جو رسول اور نبی ایک ساتھ فرمایا ہے اور مشہور ہے کہ وہ مستقل کتاب اور مستقل شریعت والے نہیں تھے (جیسا حضرت اسماعیل علیہ السلام) تو اس میں رسول کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہوگا۔ الامی اور الرسول اور النبی سے آیت بالا میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ آپ کو الامی سے ملقب فرمایا۔ عرب کے محاورہ میں اُمی اسے کہتے ہیں جس نے کسی مخلوق سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو (اور آپ ﷺ نے بھی کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا)۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و قدرت سے آپ کو وہ علوم عطاء فرمائے جو کسی کو نہیں دیئے۔ مخلوق میں آپ سے بڑھ کر کوئی بھی صاحب علم نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علوم دیئے تھے ان ہی میں سے وہ سب خبریں ہیں جو آپ نے عالم کی ابتداء آفرینش سے لے کر جنت میں سب سے آخر تک داخل ہونے والے شخص کے داخلہ تک بتا دیں اور اہل دوزخ کے احوال بتا دیئے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے احوال اور واقعات بیان کیے جن میں سے کسی ایک کی بھی یہودی تکذیب نہ کر سکے ایسے اُمی پر کروڑوں اہل علم قربان اس کو فرمایا ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست کتبخانۂ چند ملت بشست

اس سب تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ اُمّی ہونا آپ کی ذات گرامی کے لیے عیب کی بات نہیں بلکہ سراپا مدح اور خیر وخوبی کی چیز ہے۔
سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی مزید صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَ ھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ (نبی اُمّی ﷺ کو وہ لوگ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور خاص کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کی بعثت کی بشارت دینا یہود ونصاریٰ میں معروف ومشہور تھا۔ سورۂ صف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ۔ (اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں میرے سامنے جو توریت ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے) احمد، محمد دونوں رسول اللہ ﷺ کے اسماء گرامی ہیں۔

توریت شریف میں آپ ﷺ کی صفات .... حضرت عطاءؒ بن یسار تابعی نے بیان فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ملاقات کی تو میں نے کہا کہ توریت میں جو رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کی گئی ہے وہ مجھے بتایئے، انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو آپ کی صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صفات توریت شریف میں بھی ہیں۔ یعنی یہ کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اُمّیین (یعنی عرب) کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا تو میرا بندہ ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا جو درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہے اور بازاروں میں شور مچانے والا نہیں اور جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا۔ لیکن معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے اور اللہ اسے نہیں اٹھائے گا جب تک اس کے ذریعے کجی والی ملت کو سیدھا نہ کر دے۔ اس طرح سے کہ وہ لوگ لاالٰہ الا اللہ کہیں گے اور اسکے ذریعے ان کی اندھی آنکھوں کو کھول دے گا اور بہرے کانوں کو اور غلاف چڑھے ہوئے قلوب کو کھول دے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ بیان صحیح بخاری سے مشکوٰۃ المصابیح (ص ۵۱۲) میں نقل کیا ہے سنن دارمی (ص ۱۴ ج ۱) میں بھی یہ مضمون ہے۔ اس میں یوں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے مذکورہ بالا مضمون کی روایت کی۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی حق شناسی .... حضرت عبداللہ بن سلامؓ پہلے یہودی تھے اور ان کے علماء میں سے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو دیکھتے ہی انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہوسکتا اور آپ کی نبوت کی وہ علامات دیکھ کر جو انہیں پہلے سے معلوم تھیں آپ کو پہچان لیا اور اسلام قبول کر لیا۔ ان کے علاوہ عموماً یہودیوں نے آپؐ کو پہچان کر اور آپکی نبوت کو حق جان کر ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی اور چند افراد کے علاوہ وہ لوگ مسلمان نہ ہوئے۔ ان کی جہالت وضلالت نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا ساتھ نہ دیا۔ یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کے ذریعہ کجی والی ملت کو سیدھا فرمائے گا۔ اس سے ملت ابراہیمی مراد ہے جسے مشرکین عرب نے بگاڑ دیا تھا۔

یہودیوں نے آپؐ کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائیں گے اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور آپکے ساتھ مل کر مشرکین سے جنگ کریں گے۔ لیکن جب آپؐ تشریف لائے اور آپ کو پہچان بھی لیا کہ واقعی یہ وہی نبی ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے تو اس کے باوجود منکر ہو گئے۔ اسی کو فرمایا: فَلَمَّا جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِہٖ فَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ۔

نصاریٰ بھی انجیل شریف میں آنحضرت ﷺ کی علامات پڑھتے چلے آرہے تھے انہوں نے آپ کو پہچان لیا۔ لیکن عام طور سے وہ بھی منکر ہو گئے۔ نصاریٰ نجران کے ساتھ جو مکالمہ ہوا اور آپؐ نے جو انہیں مباہلہ کی دعوت دی اور وہ مباہلہ سے منحرف ہوئے اس سے صاف ظاہر تھا وہ لوگ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ آپؐ واقعی اللہ کے نبی ہیں ایمان نہ لائے۔

قیصر روم کا اقرار.......... ہرقل (قیصر روم) نے بھی یہ مان لیا کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ اسکا ذکر صحیح بخاری (ص۴ ج۱) باب بدءالوحی میں موجود ہے۔ جانتے پہچانتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار یہود و نصاریٰ دونوں قوموں نے کیا۔ دور حاضر کے نصاریٰ کی ڈھٹائی دیکھو کہ موجودہ بائبل میں (جو پہلے سے بھی محرف ہے) بھی انہوں نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پیشن گوئی پائی تو اس کی تحریف پر اتر آئے۔

توریت شریف کی پیشین گوئی اور اس میں بائبل شائع کرنے والوں کی تحریف

کتاب استثناء باب ۳۳ میں اس طرح پیشین گوئی موجود ہے۔ خداوند سیناء (خداوند تعالیٰ کے سیناء سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا فرمائی اور کوہ شعیر سے طلوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی (شعیر شام میں ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے) اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا۔ (فاران مکہ معظمہ کے پہاڑ کا نام ہے)) سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشیں شریعت تھی۔ وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ اور اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیری باتوں کو مانیں گے۔

چونکہ اس پیشن گوئی میں لفظ فاران موجود ہے جو مکہ مکرمہ کے پہاڑ کا نام ہے اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران پر جلوہ گر ہونے کا تذکرہ ہے اور یہ دس ہزار وہ صحابہ ؓ تھے جو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے فتح مکہ کے موقع پر گئے تھے۔ لہٰذا تحریف کے مجرمین کو یہ دونوں باتیں بھاری پڑیں۔ اس لیے انہوں نے سابقہ تحریفات میں اضافہ کر دیا (جب تحریف پر ہی دین اور دیانت کی بنیاد رکھ لی تو اب آگے تحریف کرنے میں خوف خدا لاحق نہ ہوا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے) اول تو فاران کا مصداق بدلنے کی کوشش کی اور یہ کہہ دیا کہ یہ بیت المقدس کا نام ہے۔ حالانکہ قدیم و جدید جغرافیہ نویسوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ بیت المقدس کا نام فاران ہے۔ خود توریت سامری کے عربی ترجمہ میں لفظ فاران کے سامنے بریکٹ میں لفظ الحجاز موجود ہے (یہ ترجمہ آرکوئیٹس نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا تھا) دوسری تحریف ان مجرموں نے یہ کی کہ دس ہزار کی جگہ کسی ترجمہ میں ہزاروں لکھ دیا اور کسی میں لاکھوں لکھ دیا اور بعض ترجموں میں پورا جملہ ہی ختم کر دیا۔ بائبل کا انگریزی ترجمہ جو کنگ جیمس ورجن نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا تھا اس میں بھی دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنے کا ذکر ہے۔ لیکن بعد میں تحریف کے دلیروں نے اس کو بدل کر رکھ دیا۔ تفصیلات کے لیے اظہار الحق عربی اور اس کے تراجم اور سیرت النبی ﷺ از سید سلیمان ندویؒ کا مطالعہ کیا جائے۔ یہود و نصاریٰ کا عجیب طرز فکر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ تحریف کر کے جو لفظ اور معنی ہم اپنی طرف سے مقرر کر دیں گے۔ وہی روز قیامت ہمارے لیے حجت بن جائے گا اور نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت اور رسالت کا انکار کرنے کے لیے جو تدبیریں سوچی جائیں گی وہ بارگاہ خداوندی میں کام دیں گی اور دوزخ سے بچا دیں گی۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ مسئلہ مسلمانوں کو جواب دینے کا نہیں ہے۔ آخرت میں نجات پانے کا ہے۔ یہود نے یقین کر لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

توریت شریف میں آپ کا تذکرہ پڑھتے تھے۔ آپس میں اس کا ذکر بھی کرتے تھے۔ اور جب ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے اقراری ہو جاتا تو اسے برا کہتے اور یوں کہتے تھے اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ (کیا تم اس سے وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دیں تاکہ یہ لوگ تمہارے رب کے پاس تم پر حجت قائم کر لیں۔

ایک یہودی کا اپنے لڑکے کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دینا

صحیح بخاری (ص ۱۸۱ ج ۱) میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوئے آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا (جو وہیں موجود تھا اس کا مقصد مشورہ لینا تھا) اس کے باپ نے کہا کہ ابوالقاسم کی بات مان لو لہٰذا اس نے اسلام قبول کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ یوں فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ **الحمدللہ الذی انقذہ من النار** (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اسے آتش دوزخ سے بچالیا)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۷)

جو یہودی عہد نبوت میں مسلمان ہو گئے تھے اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے وہ توریت شریف سے آنحضرت ﷺ کی علامات اور صفات بیان کیا ہی کرتے تھے ان کے بعد علماء یہود میں سے جو لوگ مسلمان ہوئے جن کو تابعیت کا شرف نصیب ہوا وہ بھی توریت سے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی علامات اور صفات بیان کیا کرتے تھے۔

کعبِ احبار کا بیان .... کعب احبار پہلے یہودی تھے۔ پھر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانہ میں اسلام قبول کیا وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم توریت میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں میرے برگزیدہ بندے ہیں نہ درشت خو ہیں نہ سخت مزاج ہیں وہ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن معاف کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں انکی پیدائش مکہ میں ہوگی اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ منورہ) ہے۔ اور ان کا ملک شام میں ہوگا۔ (ملک شام اولین وہ سرزمین ہوگی جہاں ان کے اصحاب کی حکومت ہوگی) اور ان کی امت کے لوگ خوب زیادہ حمد بیان کرنے والے ہوں گے یہ لوگ اللہ کی حمد بیان کریں گے خوشحالی میں بھی اور سختی میں بھی وہ ہر منزل میں اللہ کی تعریف کریں گے اور ہر بلندی پر اللہ کی بڑائی بیان کریں گے یہ لوگ آفتاب کی نگرانی کریں گے۔ جب نماز کا وقت ہو جائے گا نماز ادا کریں گے آدھی پنڈلیوں پر تہبند باندھیں گے۔ وہ وضو میں اپنے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں دھوئیں گے۔ ان کا مؤذن فضاء آسمانی میں اذان دے گا اور ان کی ایک صف قتال میں اور ایک صف نماز میں ہوگی، دونوں صفیں (اخلاص اور عزیمت میں) برابر ہوں گی۔ رات کو ان (کے ذکر) کی آواز ایسی ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت بحوالہ مصابیح السنہ نقل کی ہے، پھر لکھا ہے کہ دارمی نے تھوڑی سی تغییر کے ساتھ روایت کی ہے۔

مصابیح میں یہ روایت صفحہ ۱۷۰ پر اور سنن دارمی میں صفحہ ۱۵ جلد ۱ پر موجود ہے اس کے بعد صاحب مصابیح نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ توریت میں محمد ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام کی صفت بیان کی ہے (اس میں یہ بھی ہے) کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کے ساتھ دفن ہونگے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا یہ بیان سنن ترمذی میں بھی ہے۔

بعض یہود کا اقرار کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں لیکن قتل کے ڈر سے اسلام نہیں لاتے

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہودی حاضر ہوتے رہتے تھے اور بہت سی باتیں پوچھا کرتے تھے (جن کے بارے میں جانتے تھے کہ یہ نبی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا)

اس میں اپنے سوالوں کا صحیح جواب پاتے اور بار بار ان کے یقین میں پختگی آتی جاتی تھی اور آپ ﷺ کا ہر جواب ان کو چیلنج کرتا تھا لیکن حق جانتے ہوے مانتے نہیں تھے اور قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دو یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آیات

بینات کے بارے میں سوال کیا آپ نے جواب دے دیا تو انہوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں چومے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں میرا اتباع کرنے سے کیا چیز روکتی ہے؟ کہنے لگے کہ ہمیں خوف ہے کہ اگر ہم اتباع کرلیں تو ہمیں یہودی قتل کردیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۷) (یہ جان اور مال کا خوف انہیں اسلام قبول کرنے سے باز رکھتا تھا) جن یہودیوں نے آپ کو آزمایا اور آپ کی نشانیوں کو دیکھا اور دنیوی مفاد کو ٹھوکر ماری انہوں نے اسلام قبول کرلیا لیکن یہ معدودے چند ہی تھے۔

ایک یہودی کا آپ ﷺ کو آزمانا پھر مسلمان ہونا .... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عالم کے چند دینار آنحضرت ﷺ پر قرض تھے وہ تقاضے کے لئے آیا آپ نے فرمایا کہ اے یہودی میرے پاس اس وقت انتظام نہیں ہے جو تیرا قرض ادا کروں اس پر اس یہودی نے کہا کہ اے محمد میں آپ (ﷺ) سے جدا نہ ہوں گا جب تک میرا قرض ادا نہ کریں، آپ ﷺ نے فرمایا تو میں بھی تیرے ساتھ بیٹھا رہوں گا، آپ ﷺ اس کے ساتھ بیٹھے رہے اور اسی دوران آپ ﷺ نے ظہر سے لے کر سب نمازیں ادا کرلیں۔ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اسے دھمکی دیتے تھے اور ڈراتے تھے آپ نے محسوس فرمالیا اور استفہام انکاری کے طریقہ پر فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول ایک یہودی نے آپ ﷺ کو روک رکھا ہے (جو ہم سے نہیں دیکھا جاتا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی معاہد (ذمی یا مستامن) پر ظلم کروں۔ دوسرے دن جب دن چڑھ گیا تو اس یہودی نے کہا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اور ساتھ یہ بھی کہ میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہوں اور میں نے جو کچھ کیا اسی لئے کیا کہ میں آپ ﷺ کو ان اوصاف کے موافق دیکھ لوں جو توریت میں بیان کئے گئے ہیں۔ توریت میں ہے کہ محمد بن عبداللہ کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ ہے اور ان کا ملک شام ہوگا۔ وہ درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہوں گے اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہوں گے وہ فحش کلامی کو اختیار نہ کریں گے اور برے الفاظ سے بچیں گے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ میرا یہ مال ہے آپ ﷺ اس میں جس طرح چاہیں حکم فرمائیں۔ (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۵۲۰)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا عجیب واقعہ .... حضرت سلمان فارسیؓ بھی جانچ پڑتال کے بعد مسلمان ہوئے یہ فارس کے رہنے والے تھے ان کا گھرانہ مشرک تھا ان کا باپ انہیں کھیت کیاری دیکھنے کے لیے بھیجا کرتا تھا۔ مشغلہ کاشت کاری اور زمینداری تھا۔ مذہباً آتش پرست تھا۔ اس کا نام بودخشان بن مورسلان تھا اور اپنے گاؤں کا چودھری تھا۔ حضرت سلمان اس کو سب سے زیادہ پیارے تھے حتیٰ کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر میں رکھتا تھا اور قدم باہر نہ نکالنے دیتا تھا۔ حضرت سلمان کی پیدائش ہوئی تو ان کا نام مابہ رکھا اور ہوش سنبھالنے پر ان کو بھی آتش پرستی پر لگادیا۔ یہاں تک کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آتش کدہ کی خدمت میں انہماک سے لگے کہ ہر وقت آگ روشن رکھتے تھے اور آتش کدہ کے پجاری اور مندر کے نگراں بن گئے تھے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے تھے کہ ایک روز میرا باپ مکان بنوانے میں مشغول ہوگیا اور فرصت نہ ہونے کی وجہ سے مجھے کاشت کی خیر خبر لینے کے لئے بھیج دیا اور ساتھ ہی جلد آنے کی بھی وصیت کردی اور یہ بھی کہا کہ اگر تو نے واپس ہونے میں دیر کی تو تیری جدائی کی فکر میرے لئے سارے فکروں سے بڑھ جائے گی۔ والد کے کہنے پر میں گھر سے نکلا، راستہ میں عیسائیوں کے گرجا گھر پر میرا گزر ہوا اور اس کو دیکھنے کے لئے اندر چلا گیا۔ وہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے ان کی نماز پسند آگئی اور دل میں

کہا کہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے میں نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے دین کا مرکز کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ملک شام میں ہے، میں شام تک وہیں رہا اور سورج چھپنے پر گھر واپس آیا تو باپ نے سوال کیا، اب تک کہاں تھا؟ میں نے باپ کو اپنا پورا حال سنا دیا اور یہ بتا دیا کہ مجھے نصاریٰ کا دین پسند ہے اور ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ باپ نے کہا بیٹا! یہ تم نے غلط سمجھا، ان کا دین ٹھیک نہیں ہے۔ سچا دین وہی ہے جو تیرا اور تیرے باپ دادوں کا دین ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔

جب باپ نے میری گفتگو سنی تو اسے کھٹکا ہوا اور اس ڈر سے کہ کہیں میں ان سے نہ جا ملوں...... مجھے گھر میں بند کر دیا اور پاؤں میں بیڑی ڈال دی۔ میں نے اس قید و بند کی حالت میں عیسائیوں کو خبر بھیج دی کہ جب شام سے سوداگر آئیں تو مجھے خبر کر دینا میں ان کے ساتھ تمہارے دین کے مرکز میں پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ کچھ دن کے بعد کچھ شامی تاجر آ گئے انہوں نے مجھے خبر کر دی، جب وہ تاجر واپس جانے لگے تو میں نے بیڑیاں کاٹ ڈالیں اور ان کے ساتھ ہو گیا۔ جب میں ان کے ساتھ شام پہنچ گیا تو وہاں کے لوگوں سے کہا کہ بتاؤ تمہارے یہاں عیسائیوں میں سب سے افضل کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ گرجا میں جاؤ، وہاں کا جو پاپائے اعظم ہے وہی سب سے افضل ہے۔ میں گرجا گھر میں جا پہنچا اور اس سے کہا میں تمہارے دین کو پسند کر چکا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ تمہاری خدمت میں رہوں اور تعلیم حاصل کروں۔ اس نے کہا بہتر ہے رہنے لگو۔ میں اس کے ساتھ رہنے لگا اور رہتے رہتے اس کے کچے چٹھے سے خوب واقف ہو گیا۔ یوں تو بڑا بزرگ بنا ہوا تھا۔ مگر تھا بڑا خراب آدمی لوگوں کو صدقہ خیرات کا حکم دیتا اور جب اس کے کہنے سے لوگ صدقات و خیرات لے کر آتے تو ان سب کو اپنے پاس جمع کر لیتا اور مسکینوں کو کچھ بھی نہ دیتا، جب مر گیا تو اس کے معتقد دفن کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ میں نے ان سے کہا کہ (اسے دفن نہ کرو) یہ تو بڑا خراب آدمی تھا تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا تھا اور جب تم اس کے پاس صدقات و خیرات کی رقم جمع کر دیتے تھے تو نہ کسی فقیر کو دیتا نہ کسی مسکین کو، بلکہ اپنے ہی خزانہ میں بھر دیتا تھا لوگوں نے کہا تمہیں کیا پتہ؟ میں نے کہا آؤ تمہیں اس کا خزانہ بتا دوں! یہ سن کر وہ میرے ساتھ ہو لئے، میں نے ان کو اس کا خزانہ دکھایا تو انہوں نے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے سات مٹکے رکھے دیکھے۔ مٹکے دیکھ کر ان کو میری بات کا یقین آ گیا تو بڑے برہم ہوئے اور ان کے دلوں میں اس پادری کی ذرا بھی وقعت نہ رہی اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم ہم اسے ہرگز دفن نہ کریں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس کی نعش کو سولی پر چڑھا کر پتھر مارتے مارتے چورا بنا دیا۔

اس کے بعد وہ لوگ اس کی جگہ دوسرے شخص کو لائے جسے انہوں نے گرجا کا پادری بنا دیا یہ دوسرا شخص اس پہلے شخص سے بہت افضل تھا اور دنیا سے بہت بے رغبت تھا مجھے اس سے محبت ہو گئی اور ایک عرصہ تک اس کے ساتھ گرجا میں رہا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے کہا کہ اب آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں اور کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے علم میں اب کوئی شخص اصل دینِ مسیح پر نہیں ہے سوائے فلاں صاحب کے جو شہر موصل میں رہتے ہیں تم ان ہی کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ میں موصل پہنچا اور اس شخص کو تلاش کیا جس کا نام اور پتہ مجھے بتایا گیا تھا جب اس سے ملاقات ہو گئی تو میں نے اس کو اپنا قصہ سنایا اور ساتھ رکھ لینے کی درخواست کی اس نے درخواست منظور کر لی اور میں اس کے ساتھ رہنے لگا۔ یہ بھی اچھا آدمی تھا۔ جب اس کی موت آ پہنچی تو میں نے کہا کہ آپ کا میرے متعلق کیا ارشاد ہے؟ بتائیے اب کس کے پاس جاؤں؟ اس نے کہا کہ شہر نصیبین میں فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ میں نے نصیبین کا سفر کیا اور اس شخص کو ڈھونڈ لیا جس کے پاس بھیجا گیا تھا اس کو میں نے اپنا قصہ سنایا اور ساتھ رکھ لینے کی درخواست کی۔ اس نے مجھے ساتھ رکھ لیا۔ یہ بھی اچھا آدمی تھا مگر دنیا والی زندگی ہمیشہ کے لئے کسی کو بھی نہیں ملی۔ وہ شخص بھی مرنے لگا تو میں نے کہا اب

میرے لئے کیا ارشاد ہے؟ بتائیے اب کہاں جاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ اب تم عموریا میں فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ چنانچہ میں اس کے پاس پہنچا اور ساتھ رہنے کی درخواست کی اس نے مجھے اپنے ساتھ رکھ لیا، یہ بھی اچھا آدمی تھا۔ عموریا کے دوران قیام میں نے کمانے کا دھندہ کرلیا اور میرے پاس گائے اور بکریاں بھی جمع ہوگئیں۔ جب اس عموریا والے پادری کو موت نے آگھیرا تو میں نے اس سے کہا بتائیے میں اب کہاں جاؤں؟ اس پر اس نے جواب دیا کہ اے بیٹا! اللہ کی قسم اب میرے علم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ہمارے دین پر پوری طرح پابند ہو اب تمہیں کس کے پاس بھیجوں؟ بس اب تم نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتظار کرو ان کے تشریف لانے کا زمانہ قریب ہے۔ وہ دین ابراہیم لے کر آئیں گے۔ عرب سے ظاہر ہوں گے وہ ایسے شہر کو ہجرت کریں گے جس کے دونوں طرف کنکریلی زمین ہوگی اور جہاں کھجوروں کے باغ ہوں گے۔ ان کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہدیہ کھائیں گے اور صدقہ نہ کھائیں گے اور یہ نشانی بھی ہے کہ ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اب اگر تم سے ہو سکے تو عرب چلے جاؤ، یہ کہہ کر یہ پادری بھی دنیا سے سدھارا۔ میں عرب پہنچنے کی تدبیر سوچنے میں لگا رہا۔ حتیٰ کہ قبیلہ بنی کلب کے کچھ لوگ عموریا پہنچ گئے جو عرب سے تجارت کے لئے آئے تھے ان سے میں نے کہا کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ مجھے اپنے ساتھ عرب لے چلو اور اس احسان کے بدلہ میں یہ بکریاں اور گائیں لے لو، اس بات کو انہوں نے منظور کرلیا اور مجھے ساتھ لے کر چل دیئے۔ میں نے اپنی بکریاں اور گائیں ان کو دے دیں، وہ مجھے وادی القریٰ لے گئے (جو عرب ہی کا علاقہ ہے) مگر انہوں نے میرے ساتھ غداری کی اور مجھے اپنا غلام ظاہر کرکے فروخت کردیا، جس شخص کے ہاتھ مجھے بیچا تھا اس نے مجھے مدینہ کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کردیا۔ جو قبیلہ بنی قریظہ میں سے تھا، وہ مجھے مدینہ لے گیا مدینہ کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ بس یہی وہ شہر ہے جہاں میری اصل مراد حاصل ہوگی۔ کیونکہ یہاں کھجوروں کے باغ بھی ہیں اور شہر کے دونوں طرف کنکریلی زمین بھی ہے۔

میں مدینہ میں اپنے آقا کے کام میں لگا رہا اور اسی اثناء میں سید عالم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ ایک روز میں ایک درخت پر اپنے آقا کے باغ میں کام کر رہا تھا کہ اس کا چچازاد بھائی آیا اور کہنے لگا کہ خدا بنی قیلہ کو غارت کرے (بنی قیلہ سے انصار مراد ہیں) ابھی ابھی میں ان کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ ایک شخص کے اردگرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور اپنے کو نبی بتاتا ہے۔ یہ سنتے ہی مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور بے ہوشی کا سا عالم ہوگیا۔ حتیٰ کہ میں درخت سے گرنے کے قریب ہوگیا۔ بڑی عجلت کے ساتھ میں درخت سے اتر کر اپنے آقا کے پاس جا کھڑا ہوا اور اس سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ اس نے میرے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہنے لگا چل تو اپنا کام کر تجھے ان باتوں سے کیا غرض؟ چنانچہ میں واپس ہوا اور اپنے کام میں لگ گیا، میرے دل میں بے چینی اور بیقراری تھی جس نے مجھے مجبور کردیا کہ صبح جو بات سنی تھی اس کی حقیقت معلوم کروں اور جس شخص کو میرے آقا کے چچازاد بھائی نے مدعی نبوت بتایا ہے اس کو چل کر دیکھوں اور اس کی نبوت کو ان نشانیوں کے ذریعہ جانچوں جو عموریا والے پادری نے بتائی تھیں چنانچہ جب شام ہوگئی اور مجھے کام سے فرصت ملی تو میں ایک خوان میں تازہ کھجوریں لے کر سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ قبا میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا یہ صدقہ ہے جو آپ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے لایا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا میرے سامنے سے اٹھا لو کیونکہ ہم (یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) صدقہ نہیں کھاتے۔ یہ فرما کر آپ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا (جن کے لئے صدقہ حلال تھا) کہ تم کھالو چنانچہ صحابہؓ نے کھالیا اور آپ ہاتھ روکے ہوئے بیٹھے رہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک نشانی تو میں نے دیکھ لی اس کے بعد میں چلا گیا اور پھر موقعہ پا کر کچھ کھجوریں جمع کرکے لایا اس وقت آپ قبا سے روانہ ہو کر مدینہ شہر میں تشریف لے جاچکے تھے میں نے عرض کیا یہ ہدیہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، یہ سن کر آپ نے اس میں سے کھالیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری نشانی

ہے۔ اب میں نے خاتم النبوۃ کے دیکھنے کا ارادہ کیا تو تیسری بار پھر حاضر خدمت ہوا اس وقت آپ بقیع میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے ساتھ صحابہؓ بھی تھے میں نے آپ کو سلام کیا اور خاتم النبوۃ دیکھنے کے لئے گھوم کر آپ کے پیچھے پہنچ گیا، جب آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا دیکھا تو میرا مقصد سمجھ لیا اور خودبخود اپنی مبارک چادر اٹھا کر مجھے خاتم النبوۃ دکھلا دی میں اس پر جھک گیا اور اسے چومنا شروع کر دیا اور (چونکہ نشانیاں دیکھ کر آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور اپنی مراد پالی تو فرط خوشی میں) رونے لگا۔ آپ نے فرمایا سامنے آؤ میں سامنے آیا اور اپنا پورا قصہ سنایا تو آپ کو ایسا عجیب معلوم ہوا کہ صحابہ کو بھی سنوایا۔

اس کے بعد میں غلامی کے مشغلوں میں پھنسا رہا۔ حتیٰ کہ جنگ بدر میں بھی شریک نہ ہو سکا۔ (اس دوران میں بارگاہ رسالت میں آتا جاتا رہا) ایک روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے آقا سے کتابت کرلو (یعنی اس سے اپنی جان کو خرید لو) چنانچہ میں نے اس کی کوشش شروع کر دی اور اپنے آقا سے یہ معاملہ کر لیا کہ جب میں کھجور کے ۳۰۰ درخت لگا دوں اور ان کی پرورش کر دوں حتیٰ کہ ان میں کھجوریں آجائیں جو کھانے کے قابل ہو جائیں اور اس کے ساتھ چالیس اوقیہ سونا بھی ادا کر دوں تو میں آزاد ہو جاؤں گا۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا) معاملہ کر کے سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ چنانچہ صحابہؓ نے ۳۰۰ درخت چندہ کر کے میرے لئے جمع کر دیئے، جب پودے جمع ہو گئے تو سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے درخت ہم لگائیں گے تم ایک پودا بھی مت لگانا۔ لہٰذا میں نے ۳۰۰ کیاریاں بنا دیں اور آپ میرے ساتھ اس یہودی کے باغ میں تشریف لے گئے اور ان کیاریوں میں پودے لگا دیئے۔ ہم آپ کو پودے دیتے جاتے تھے اور آپ اپنے دست مبارک سے کیاریوں میں رکھ رکھ کر مٹی بھرتے جاتے تھے۔ آپ نے جتنے بھی درخت لگائے تھے (جو ۲۹۹ تھے) ان میں سے ایک بھی خراب نہ ہوا اور مزید براں آپ کا معجزہ دیکھنے میں آیا کہ اسی سال سب درخت پھل لے آئے، مگر ایک درخت نہ پھلا جسے حضرت عمرؓ نے لگا دیا تھا۔ آپ نے اسے اکھاڑ کر دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگا دیا۔ آپ کا دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ وہ درخت بھی اسی سال پھل لے آیا۔

یہ تو درختوں کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد سونے کی ادائیگی کی مشکل اس طرح حل ہوئی کہ رسول ﷺ کی خدمت میں ایک کان میں سے تھوڑا سا سونا لایا گیا۔ جو مرغی کے انڈے کے برابر تھا۔ اسے لے کر آپ نے فرمایا کہ وہ فارسی غلام کہاں ہے جس نے اپنے آقا سے کتابت کی ہے؟ بلاؤ اسے چنانچہ میں بلایا گیا، جب میں حاضر خدمت ہوا تو آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! جتنا سونا مجھ پر واجب ہے اس کے سامنے اس ڈلی کی کیا حقیقت ہے۔ اس میں اتنا وزن کہاں؟ آپ نے فرمایا یقین رکھو۔ اللہ اسی سے تمہیں سبکدوش کر دے گا، چنانچہ میں اسے لے کر اپنے آقا کے پاس پہنچا اور اس ڈلی کو تلوایا تو اسی سے چالیس اوقیہ سونا ادا ہو گیا اور مجھے آزادی مل گئی، اب میں آزاد ہو گیا تو اسلام کے کاموں میں حصہ لینے لگا اور آزادی کے بعد سب سے پہلا جو معرکہ پیش آیا یعنی غزوۂ خندق اس میں شریک ہوا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ برابر ہر غزوہ میں شریک رہا۔ غزوۂ خندق میں خندق بھی انہیں کے مشورہ سے کھودی گئی تھی (از جمع الفوائد وشمائل الترمذی وطبقات ابن سعد ۱۲)۔

اللہ رب العزت جس کو ہدایت سے نوازتے ہیں ہر حال میں اور فضا میں نوازتے ہیں، خدا کی شان حضرت سلمانؓ کیا تو آگ کے پجاری تھے اور کیا پکے موحد اور نبی آخر الزماں ﷺ کے اونچے درجہ کے صحابی بن گئے۔ ٹھوکریں بہت کھائیں مگر اللہ کے پیارے بن گئے اور صحابہ میں ان کو ممتاز درجہ نصیب ہوا۔ آج تک ان کو امت کی طرف سے کروڑوں مرتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعائیں پہنچ چکی ہیں اور خدا ہی جانے کہ قیامت تک کتنی پہنچیں گی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ غلامی کے زمانہ میں دس سے کچھ اوپر آقاؤں کے مملوک بن کر رہے اور ہدایت کی طلب اور تلاش میں یہ سب مصیبت اور تکلیف برداشت کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کی ظل عاطفت میں پہنچا ہی دیا۔ مجموعی طور پر ان سب واقعات اور حالات سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ دونوں قومیں نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کی منتظر تھیں اور آپ کی علامات اور نشانیاں ان لوگوں میں معروف و مشہور تھیں۔

موجودہ انجیل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشگوئی .... بہت سی تحریفات و تغیرات کے باوجود اب بھی انجیل یوحنا میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں بعض بشارتیں موجود ہیں۔ باب ۱۴ میں ہے کہ "میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن وہ مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا"۔

پھر باب ۱۶ میں ہے لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (پھر چند سطر کے بعد ہے)

لیکن جب وہ روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کے راہ دکھائے گا۔ اس لئے وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا۔

(پھر چند سطر کے بعد ان کے رفع الی السماء کی پیشین گوئی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں)

"اور پھر تھوڑی دیر میں مجھے دیکھ لو گے اور یہ اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں"۔

(یہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کی طرف اشارہ ہے)

(پھر چند سطر کے بعد دنیا میں تشریف لانے کا ذکر ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: میں نے تم سے یہ باتیں اس لئے کہیں کہ تم مجھ پر اطمینان پاؤ، دنیا میں مصیبتیں اٹھاتے ہو لیکن خاطر جمع رکھو، میں دنیا پر غالب آیا ہوں (ہم نے یہ حوالے نصرانیوں ہی کی مرتب کردہ اور شائع کردہ انجیل سے نقل کئے ہیں جو عہد نامہ جدید کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا پبلشر بائیلس فوردی ورلڈ ۱۴۱۵ ابل ایونیو وائی ٹن (امریکہ) ہے، یہ ایڈیشن ۱۹۷۵ میں شائع کیا گیا ہے۔)۔

چونکہ عہد قدیم اور عہد جدید سب انہیں لوگوں کے مرتب کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے تحریف کرتے رہتے ہیں اور ترجموں میں بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے اور اصل کتاب پاس نہیں جس سے میلان کیا جائے۔ اس لئے تحریف کرنے میں آزاد ہیں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جو یہ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا باپ کہہ کر پکارا اور اسی عنوان سے ذکر کیا۔ یہ سب باتین ان کے اپنے تراشیدہ عقیدۂ تثلیث اور تکفیر کا نتیجہ ہیں۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں۔ تم مجھے دوسرا معبود مانو (العیاذ باللہ) انہوں نے تو یہ فرمایا تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ

(بلاشبہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے)

ہم نے جو بائبل سے عبارتیں نقل کی ہیں ان پر حجت قائم کرنے کے لئے لکھ دی ہیں، کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ہم نے ان کی تحریف کردہ کتاب کی تصدیق کردی۔ ہاں ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو کتاب ہے تحریفات سے پُر ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ ﷺ کے اوصاف میں سے ہیں........... نبی امی ﷺ کی دوسری صفت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ. (وہ اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں)

رسول ﷺ نے اس فریضہ کو بھی پوری طرح انجام دیا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء علماء صلحاء مبلغ وداعی حضرات نے تحریر وتقریر سے اور بڑی بڑی محنتیں کر کے اسفار کی مشقتیں اٹھا کر اس فریضہ کی ادائیگی میں آپ کی نیابت کی ذمہ داری کو پورا کیا۔ احادیث شریفہ کا مطالعہ کیا جائے تو معروف اور منکر کی تفصیلات پوری طرح معلوم ہو جائیں معروفات پر عمل کرنے کے فضائل اور اجر وثواب اور منکرات کی وعیدیں اور برے کاموں کی سزاؤں کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

منکرات کی تفصیل کسی قدر ہم نے آیت کریمہ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ کے ذیل میں لکھ دی ہیں۔

رسول ﷺ محلل طیبات اور محرم خبائث ہیں........... آنحضرت ﷺ کی تیسری صفت یوں بیان فرمائی: وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔

(کہ نبی امی ﷺ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں) اس میں اجمالی طور پر حلال وحرام چیزوں کو بیان فرما دیا۔ پاکیزہ چیزیں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں حلال ہیں اور خبیث وگندی چیزیں حرام ان کی تفصیلات بہت ہیں، جس شخص کا ذوق صحیح ہو وہ طبعی طور پر ان چیزوں کو پاکیزہ سمجھتا ہے جو حلال قرار دی گئی ہیں اور ان چیزوں کو گندی اور خبیث سمجھتا ہے جو شریعت اسلامیہ میں حرام قرار دی گئی ہیں۔ لَهُمْ کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف راجع ہے اس میں بتایا کہ بعض پاکیزہ چیزیں جو ان کی شریعت میں حرام تھیں (جن کا بیان سورۂ مائدہ کی آیت) فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ، اور سورہ انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ۔ میں فرما دیا) ان کے لئے حلال ہو جائیں گی اسلام قبول کر لیں تو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ اختیار کرنے کی وجہ سے ان پاکیزہ چیزوں کو بھی استعمال کر لیں گے جو ان کی شریعت میں حرام قرار دے دی گئی تھیں۔ نبی امی ﷺ کا اتباع کرنے سے جہاں راہ ہدایت پر آنا نصیب ہو گیا وہاں پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔

شریعت اسلامیہ میں جن جانوروں کا کھانا حلال بتلایا ہے سب جانتے ہیں کہ وہ پاکیزہ چیزیں ہیں پھر ان میں یہ شرط لگا دی ہے کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کئے گئے ہوں۔ خون نکل گیا ہو، جانور اپنی موت نہ مرا ہو۔ یہ سب شرطیں اسی لئے لگائی گئی ہیں کہ پاکیزہ چیز کھائیں۔ خنزیر، مردہ جانور، خون، شراب اور ان جانوروں کو حرام قرار دیا گیا ہے جو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کئے گئے ہوں کیونکہ یہ سب خبیث اور ناپاک ہیں نیز وہ جانور جو درندے ہیں ان کے کھانے سے بھی منع فرمایا جیسے شیر، چیتا، کتا، بلی، شکرہ بھیڑیا کیونکہ ان کے کھانے سے انسانوں میں درندگی کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

یاد رہے کہ یہاں ان لوگوں کا ذکر نہیں جن کی طبیعتیں اصل انسانی فطری طبائع کو چھوڑ چکی ہیں اور وہ الا بلا ہر چیز کھاتے ہیں اور کوئی بھی چیز ان کے نزدیک خبیث نہیں ہے۔ جیسے چائنا کے لوگ کہ وہ کسی بھی چیز کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

منکرین حدیث کی تردید........... دور حاضر میں انکار حدیث کا فتنہ بھی اٹھا ہوا ہے یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی وہ حیثیت ماننے کو تیار نہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی ہے، اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو حلال قرار دینے والا اور حرام قرار دینے والا بتایا ہے اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو یہ عہدہ دیا کہ آپ کی زبان مبارک سے جس چیز کی حلت کا اعلان ہو گیا وہ حلال اور جس کو آپ نے حرام فرمایا وہ حرام ہے۔ لیکن منکرین حدیث کو یہ گوارا نہیں۔ ان کو خداوند قدوس پر یہ اعتراض ہے کہ رسول ﷺ کو صرف چھٹی رساں (ڈاکیہ) کا عہدہ کیوں نہیں دیا؟ اس سے

بڑھ کر اس کی حیثیت کیوں بڑھائی ؟ آپ کے ذمہ قرآن کی تفہیم وتشریح کیوں کی؟ آپ کو تحریم وتحلیل کا اختیار کیوں دیا گیا؟ یہ ہیں اپنے خیال میں قرآن کے ماننے اور جاننے والے اللہ تعالیٰ ان ملحدوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ فرمائیے۔

رسول ﷺ کے دین میں وہ احکام نہیں جو بوجھ ہوں ....سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی چوتھی صفت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ** ۔

(کہ وہ ان سے یعنی اہل کتاب سے وہ احکام ہٹاتے ہیں جو ان کے لئے بوجھ تھے اور طوق بنے ہوئے تھے۔ چونکہ آپ آخر الانبیاء ہیں (ﷺ) اس لئے سابقہ تمام شریعتیں آپؐ کے تشریف لانے پر منسوخ ہوگئیں۔ جو بھی کوئی شخص آپؐ کے دین کو قبول کرے گا وہ ان سب سہولتوں اور آسانیوں سے منتفع ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری شریعت میں اپنے آخری نبی کے ذریعہ آخر الامم کے لئے بھیجی ہیں اور اس امت کو تلقین فرمائی ہے کہ یوں دعا کریں **رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ** ۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے دعا قبول فرمائی اور آسان شریعت عطا فرمادی۔ یہودیوں کے لئے جو سخت احکام مقرر فرمائے گئے تھے وہ اس شریعت میں نہیں ہیں اور نصاریٰ نے رہبانیت اختیار کر لی تھی جنگلوں میں رہتے تھے اپنے نفسوں کو تکلیف دیتے تھے کھانے پینے میں عمدہ چیزوں سے بچتے تھے وہ سب ہماری شریعت میں نہیں ہے۔

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے نفسوں پر سختی نہ کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی فرمائے گا۔ کیونکہ کچھ لوگوں نے اپنے نفسوں پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی فرمائی۔ یہ ان لوگوں کی بقایا ہیں جو نصاریٰ کے گرجا گھروں میں اور یہودیوں کے عبادت خانوں میں باقی رہ گئے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱۳۱ از ابوداؤد)

حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا ہوں۔ لیکن میں ایسا دین دے کر بھیجا گیا ہوں جو گمراہی سے ہٹا ہوا ہے اور اس پر عمل کرنا آسان ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۳۴ ج ۱۲۱ از بخاری۔)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ **اَلدِّيْنُ يُسْرٌ** (کہ دین آسان ہے) اس کے احکام پر ہر شخص چل سکتا ہے اس میں معذوروں کی رعایت رکھی گئی ہے اور کوئی ایسا حکم نہیں جو طاقت سے باہر ہو، اسی آسانی کی وجہ سے عبادت میں مشقت اٹھانا جو برداشت نہ ہو مثلاً راتوں رات عبادت کرنا یا روزانہ روزہ رکھنا اس سے منع فرمایا۔

تین صحابیوں کا ایک واقعہ........حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ تین شخص رسول ﷺ کی بیویوں کے پاس حاضر ہوئے یہ لوگ آنحضرت سرور عالم ﷺ کی عبادت کا خانگی حال دریافت کر رہے تھے جب انہیں بتادیا گیا تو انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہنے لگے کہ ہم کہاں اور رسول اللہ ﷺ کہاں؟ آپ کو تو اللہ نے سب کچھ بخش دیا (ہمیں تو زیادہ محنت کی ضرورت ہے) لہٰذا ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ راتوں رات نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں روزانہ روزہ رکھوں گا اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا، خبردار! اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے بڑھ کر پرہیزگار ہوں ..... لیکن میں (نفلی) روزے رکھتا ہوں اور بے روزہ بھی ہوتا ہوں اور (رات کو) نماز پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں سو جس شخص نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں خصی ہونے کی اجازت دے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو، میری امت کا خصی ہونا (یعنی نکاح نہ کر سکنے کی مجبوری میں شہوت کو دبانا) یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں۔ عرض کیا ہمیں سیر و سیاحت کی اجازت دیجئے، فرمایا میری امت کی سیاحت فی سبیل اللہ جہاد کرنا ہے۔ عرض کیا ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے رہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۶۹)

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ

سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور ان کی تکریم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ اتارا گیا یہی

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۵۷

لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی توقیر اور اتباع کرنے والے کامیاب ہیں

پہلے تو نبی امی ﷺ کے اوصاف بیان فرمائے کہ وہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور منکرات سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور پہلے لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں اس کے بعد یہ فرمایا کہ جو لوگ نبی عربی ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی تکریم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا یہ لوگ پوری طرح فلاح پانے والے ہیں۔ جب شرائع سابقہ منسوخ ہو گئیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت و رسالت ختم کر دی گئی تو اب فلاح اور نجاح اور ہر طرح کی کامیابی کا واسطہ آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے کوئی شخص کیسا ہی عبادت گزار ہو، ریاضت کرتا ہو، تارک دنیا ہو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگا رہتا ہو بارگاہ الٰہی میں مقبول بندہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضرت خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ خاتم النبیین ﷺ کا دامن تھامے بغیر اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بن جائے اور آخرت کی نعمتیں مل جائیں تو اس کا یہ خیال باطل ہے۔ ایسا شخص دوزخی ہوگا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بُعِثْتُ اِلَى الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ (رواہ احمد فی سنہ صفحہ ۱۴۵ جلد ۵) (کہ میں ہر گورے اور ہر کالے کی طرف بھیجا گیا ہوں) پس جب خالق کائنات جل مجدہ نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا دیا اور آپ پر ایمان لانے کو نجات کی شرط قرار دے دیا تو تمام انسانوں پر فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائیں۔ جب کوئی شخص آپ پر ایمان لے آئے آپ کو اللہ کا رسول مان لے تو عقلاً ونقلاً اس کے ذمہ یہ بات فرض ہو گئی کہ آپ کی تعظیم و تکریم بھی کرے اور آپ کی مدد بھی کرے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب یعنی قرآن مجید کا اتباع بھی کرے۔ جو شخص ان اوصاف سے متصف ہوگا وہ پوری طرح کامیاب ہوگا۔

رسول ﷺ سے محبت اور آپ کی تعظیم و تکریم کے مظاہرے......... عقلی و طبعی طور پر آنحضرت سرور عالم ﷺ سے بھرپور محبت کرنا آپ کا اسم گرامی ادب سے لینا، آپ کے احکام کو خوش دلی سے قبول کر کے عمل پیرا ہونا اور آپ کے ساتھ بات کرنے میں ادب کے ساتھ پیش آنا یہ تعزیر و توقیر اور تعظیم و تکریم میں داخل ہے۔ بہت سے لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی محبت ہمارے دل میں ہے لیکن انہیں آپ کی صورت مبارک اور آپ کے لباس سے عملاً نفرت ہے۔ نصرانیوں کی صورت اور ان کا لباس اختیار کرتے ہیں اور دعویٰ

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور محبت والے ہیں ان لوگوں کا دعویٰ سراسر غلط ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَo

(تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں (رواہ فی شرح السنۃ)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ ۔

(تم میں کوئی شخص مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش اس کے مطابق نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

جب رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف رکھتے تھے اس وقت مجلس میں بیٹھنے اور بات کرنے میں حاضرین کو ادب اور تعظیم کا لحاظ رکھنا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ۔ (کہ اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَo

(اور آپ سے بات کرنے میں اونچی آواز نہ نکالو جیسا کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز سے بات کرتے ہو، کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ ہو۔)

آیت بالا سورۂ حجرات میں ہے اور سورۂ نور میں ارشاد فرمایا: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا.

(تم اپنے درمیان رسول کا بلانا اس طرح نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت سرور عالم ﷺ کا بہت زیادہ اکرام کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح بیٹھتے تھے کہ جیسے ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے نہیں بولتے تھے اور آپ سے کچھ دریافت کرتے تو ادب کے ساتھ معلوم کرتے تھے۔ آپ وضو فرماتے تو صحابۂ کرامؓ پانی نیچے نہیں گرنے دیتے تھے جلدی سے جھپٹ کر اپنے اعضاء پر لے لیتے تھے اور بہت زیادہ ادب سے پیش آتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب قریش نے عروہ بن مسعود کو بطور نمائندہ گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تو اس نے قریش کو واپس جا کر بتایا کہ دیکھو میں شاہِ فارس کسریٰ کے پاس بھی گیا ہوں اور شاہِ روم قیصر کے پاس بھی گیا ہوں اور شاہ حبشہ نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں قسم بخدا میں نے کسی بھی بادشاہ کو اپنے لوگوں میں ایسا معظم ومکرم نہیں دیکھا جیسا کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کو اپنے اصحاب میں معظم ومکرم دیکھا ہے۔ اگر جنگ کا موقعہ آ گیا تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں نہیں چھوڑیں گے (رواہ فی شرح السنۃ)۔

دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد......... آنحضرت سرور عالم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی تعظیم وتکریم کا برتاؤ واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کی حدیث کو ادب سے سنے آپ کے طریقہ کا اتباع کرے آپ کا اسم گرامی ادب سے لے کر آپ کا ذکر خود کرے یا دوسرے سے سنے تو درود پڑھے۔ آپ کے اہل اولاد وازواج اور حضرات صحابہؓ کی عزت کرے ان کے نام ادب سے لے اور انہیں رضی اللہ عنہ کی دعا سے یاد کرے۔ آپ ﷺ نے جو احکام دیئے ہیں ان پر رضا اور رغبت کے ساتھ عمل پیرا ہو۔

نَصَرُوْهُ کا مطلب.......... آیت شریفہ میں وَعَزَّرُوْهُ کے بعد وَنَصَرُوْهُ فرمایا جس میں اہل ایمان کی ایک یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں اور آپ کے دین کو

تقویت پہنچاتے ہیں اور اپنی کوششوں سے ابقاءِ دین واحیاءِ دین میں لگے رہتے ہیں۔ یہ صفت بھی صفات ایمانیہ میں سے ہے جو بھی کوئی مؤمن ہو جہاں کہیں بھی ہو وہ دین اسلام کو بڑھانے اور پھیلانے اور زندہ رکھنے کیلئے فکر مند رہے اور عملی طور پر اس کام میں لگے۔

آپ ﷺ کے ساتھ جو نور نازل ہوا اس کا اتباع کرنا لازم ہے .... پھر فرمایا: وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ۔
(اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ اتارا گیا)

اس نُور سے قرآن مجید مراد ہے جس کا نور سب پر عیاں ہے۔ پہلے تو یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ فرمایا پھر یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ فرما کر آپ کا مرتبہ بیان فرمایا۔ پھر اہل ایمان کی صفات میں وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ فرما کر قرآن حکیم پر عمل کرنے کا حکم فرمایا۔

حدیث نبوی ﷺ حجت شرعیہ ہے ...... آیت شریفہ کے پورے مضمون کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ دونوں کا اتباع لازم ہے اور جس طرح قرآن کریم حجت شرعیہ ہے حدیث نبوی بھی حجت شرعیہ ہے۔ مستشرقین یہود و نصاریٰ سے متأثر ہو کر بعض پڑھے لکھے جاہل بھی یوں کہنے لگے کہ حدیث حجت نہیں ہے۔ ان لوگوں کا یہ قول باطل ہے۔

اگر حدیث کو نہ مانیں تو دین اسلام پر نہیں چل سکتے .... اگر حدیثِ نبوی ﷺ کو حجت نہ مانیں تو نماز پڑھنے اور وضو کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہ ہوگا قرآن مجید میں نہ نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا ہے نہ بالتصریح پنجوقتہ اوقات بتائے ہیں نہ رکعات کی تعداد بتائی ہے نہ یہ بتایا ہے کہ زکوٰۃ میں کتنا مال دینا فرض ہے، نہ یہ بتایا ہے کہ مال پر کتنا وقت گزر جانے سے زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ کا قول و عمل حجت شرعی نہیں، وہ کفر یہ بات کہتے ہیں۔ دعویٰ ان کا قرآن دانی کا ہے، لیکن اگر واقعی قرآن کو جانتے اور سمجھتے تو رسول ﷺ کا مرتبہ پہچان لیتے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ واللہ الھادی الی سبیل الرشاد۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ۨالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ جس کے لئے بادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ

اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے۔ جو ایمان لاتا ہے

بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اللہ پر اور اس کے کلمات پر، اور اس کا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

رسول ﷺ پر ایمان لانے کا حکم اور آپؐ کی بعثت عامہ کا اعلان

اس آیت کریمہ میں نبی امی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپؐ تمام انسانوں کو خطاب کر کے فرما دیں کہ بلاشبہ مجھے اللہ نے تم سب کی طرف بھیجا ہے۔ میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے اس میں جو کچھ ہے سب اللہ کی مخلوق و مملوک ہے تم سب بھی اللہ کی مخلوق و مملوک ہو۔ اس کے ملک سے، اور اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، لہٰذا اس پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تصدیق کرو۔ یہ رسول اللہ کا نبی ہے جو

امی ہے، یعنی اس نے کسی انسان سے نہیں پڑھا، وہ خود بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اسکے کلمات پر یعنی اس کے احکام کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا اس کا اتباع کرو تا کہ ہدایت پا جاؤ۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا دیگر مواضع میں بھی قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا ہے سورۂ سبا میں فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

(اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے انسانوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔)

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خصوصی امتیازات اور فضائل عطا فرمائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت عام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

۱)...... رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی۔ ایک ماہ کی مسافت تک دشمن مجھ سے ڈرتے ہیں۔

۲)...... پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنادی گئی (کہ مسجد کے علاوہ بھی ہر پاک جگہ نماز ہو جاتی ہے، پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے حدث اصغر اور حدث اکبر دور ہو جاتے ہیں) سو میری امت کے جس شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے۔

۳)...... میرے لئے غنیمت کے مال حلال کر دئے گئے اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کئے گئے۔

۴)...... اور مجھے شفاعت عطا کی گئی (یعنی شفاعت کبریٰ جو قیامت کے دن ساری مخلوق کے لئے ہوگی)

۵)...... اور مجھ سے پہلے نبی خاص کر اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں عامۃً انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۴۸ جلد ۱)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: **والذی نفس محمد بیده لا یسمع بی احد من هٰذه الامة یهودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار** (رواہ مسلم فی کتاب الایمان)

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت میں جس کسی کو بھی میری بعثت کا علم ہو خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی پھر وہ اس حالت میں مرجائے کہ جو دین لے کر بھیجا گیا ہوں اس کو نہ مانا تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا)

چونکہ آپ کی بعثت عامہ ہے اس لئے ہر فرد و بشر کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔ آپ کا دامن پکڑے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ کتنی ہی عبادت کرتا ہو اس کو وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ میں بیان فرمایا۔ (اس نبی کا اتباع کرو ان کا اتباع کرو گے تو ہدایت پر رہو گے) جو ہدایت اللہ کے یہاں معتبر ہے وہ خاتم النبیین رسول الانس والجان (ﷺ) کے اتباع میں مرکوز اور منحصر ہے اس سے وحدت ادیان کے نظریہ کی بھی تردید ہوگئی۔ جو لوگ اپنی جہالت سے یوں کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اور کسی بھی طریقہ اور دین کے مطابق اللہ کی عبادت کرلے اس کی نجات ہو جائے گی۔ (العیاذ باللہ) یہ ان لوگوں کی گمراہی کی بات ہے۔ شیطان انسان کو خدا کا منکر رکھنا چاہتا ہے اور اگر کوئی شخص اللہ کو مان لے اور اللہ کے دین پر آنا چاہے تو اسے ایسی باتیں سمجھاتا ہے جن کی وجہ سے وہ اس دین پر نہ آسکے جو اللہ کے ہاں معتبر ہے۔ وہ اپنے خیال میں دھرمی بھی رہے اور مذہبی بھی رہے اور پھر آخرت میں نجات نہ پائے اور جہنم میں جائے یہ شیطان کی خواہش رہتی ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ

اور موسیٰ کی قوم میں ایک ایسی جماعت ہے جو حق کی ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں ، اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر

اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

کے الگ الگ جماعتیں بنا دیں ، اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جب ان کی قوم نے پانی مانگا کہ اپنی لاٹھی کو پتھر میں مارو

فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۚ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ

سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر قبیلہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ جان لی اور ہم نے ان پر

الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۚ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُوْنَا

بادلوں کا سایہ کیا اور ان پر من اور سلویٰ اتارا ، کھاؤ، پاکیزہ چیزیں اس رزق میں سے جو ہم نے تمہیں دیا، اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ

لیکن اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور جب ان سے کہا گیا کہ سکونت کرو اس بستی میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں سے

شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۚ سَنَزِيْدُ

چاہو، اور کہو کہ ہمارے گناہ معاف ہوں اور دروازہ میں جھکے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو، ہم عنقریب اچھے کام کرنے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ سو ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا اس قول کو بدل دیا۔ اس قول کے علاوہ جو ان سے کہا گیا۔ سو ہم نے ان پر

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع

عذاب بھیج دیا اس سبب سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔

ع ۲۰ / ۱۰

بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے بادلوں کا سایہ کیا اور من وسلویٰ نازل فرمایا

اوپر چار آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں اچھے لوگ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس زمانے میں توریت اور انجیل پر عمل کیا جب ان کتابوں پر عمل کرنے کا حکم تھا اور منسوخ نہیں کی گئیں تھیں۔ پھر جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ کو انہوں نے توریت وانجیل میں بیان فرمودہ علامات سے پہچان لیا تو آپ پر ایمان لے آئے اور...... عامل بالقرآن ہو گئے۔ پھر دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے رہے اور اسی کے موافق فیصلے کرتے رہے۔ کج بحثی اور کج روی اختیار نہ کی۔ قرآن مجید میں بعض دیگر مواقع میں بھی ان لوگوں کی تعریف وارد ہوئی ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے۔

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ.

(اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر۔ وہ اللہ کی آیتوں کو رات کے وقت پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں) سورۂ قصص میں فرمایا:
وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ
(اور جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے رب کا بھیجا ہوا ہم اس سے پہلے حکم بردار ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی قوم میں مسلم اور کافر سب ہوں تو اہل ایمان کے ایمان اور صلاح و نیکی کا معترف ہونا چاہئے اور یکسر کسی قوم کو یوں کہہ دینا کہ سب کافر ہیں، فاسق ہیں جبکہ ان میں ایمان والے اور صالحین موجود ہوں۔ اس سے پرہیز کرنا لازم ہے، مؤمن بندے اعتدال پر قائم رہیں۔

دوسری آیت میں بنی اسرائیل کے قبیلوں کی تعداد بتائی اور فرمایا کہ ہم نے ان کے بارہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ قبیلے بنادیئے تھے۔ اسباط، سبط کی جمع ہے، سبط لڑکے کو کہتے ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے۔ ہر لڑکے کی اولاد ایک ایک قبیلہ تھی اس کے بعد ان انعامات کا ذکر فرمایا جو بنی اسرائیل پر میدان تیہ میں ہوئے تھے، جب یہ لوگ مصر سے نکلے اور سمندر پار کیا تو انہیں اپنے وطن فلسطین پہنچنا تھا لیکن اپنی شرارتوں اور احکام کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے چالیس سال تک میدان تیہ میں ہی گھومتے رہے۔ اس صحرا نوردی اور گردش کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ جب کوئی تکلیف آتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ اس مصیبت کو رفع کیجئے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا حکم ہوا کہ اے موسیٰ پتھر میں اپنی لاٹھی مارو۔ انہوں نے لاٹھی ماری تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر قبیلہ نے اپنے پینے کی جگہ کو پہچان لیا اور پانی لے لیا ضرورتیں پوری کرلیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ خاص قسم کا پتھر تھا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے تھیلے میں رکھتے تھے۔ جب پانی کی ضرورت ہوتی تھی اس میں لاٹھی مارتے تھے جس میں سے پانی نکلنے لگتا تھا۔

انہی انعامات میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک یہ انعام عطا فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے گرمی سے محفوظ ہونے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل بھیج دیئے۔ اسی کو فرمایا: وَظَلَّلْنَا عَلَیْھِمُ الْغَمَامَ اور تیسرا انعام یہ ہوا کہ ان کے کھانے کے لئے من اور سلوٰی (بٹیروں جیسے جانور) بڑی تعداد میں بھیج دیئے یہ لوگ ان میں سے کھاتے تھے۔ اس کو وَاَنْزَلْنَا عَلَیْھِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی میں بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ اور عمدہ چیزیں کھاؤ انہوں نے حکم عدولی کی اور نعمتوں کی ناشکری کی۔ حکم تھا کہ آئندہ وقت کے لئے اٹھا کر نہ رکھیں۔ لیکن نہ مانے اور خلاف ورزی کی اور ناشکری یوں کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ایک ہی کھانے پر ہم سے صبر نہیں ہوتا۔ ہمیں سبزیاں، کھیرے، پیاز، لہسن اور دال چاہئے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کیا تم اچھی چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیز لینا چاہتے ہو۔ تفصیل کے ساتھ یہ واقعات سورۂ بقرہ (رکوع چھ اور سات) میں بیان ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں نے جو جو حرکتیں کیں ان کی سزا پائی۔ اسی کو فرمایا وَمَا ظَلَمُوْنَا (اور ان لوگوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا) یعنی ہمارا کچھ نہیں بگاڑا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ۔ (لیکن وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے) یعنی ان کی حرکتوں سے ان کا اپنا نقصان ہوتا تھا۔

ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کی نافرمانی .... تیسری اور چوتھی آیت میں ذکر ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک بستی میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا کہ اس بستی میں خشوع کے ساتھ جھکے ہوئے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا۔ ان ظالموں نے قولاً و عملاً دونوں طرح سے نافرمانی کی اور اس بات کو بدل دیا جس کا حکم فرمایا گیا تھا۔ عملاً تو یہ کیا کہ بجائے جھکے ہوئے داخل ہونے کے بچوں کی طرح گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے جس میں ایک طرح کا استہزاء ہے اور معافی مانگنے کا جو حکم ہوا تھا اس کی خلاف ورزی یوں کی

حِطَّۃٌ کی جگہ حَبَّۃٌ فِیْ شَعِیْرَۃٍ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس بستی سے بیت المقدس مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اریحا مراد ہے۔ مفسر ابن کثیر نے کہا ہے کہ پہلا قول ہی صحیح ہے کیونکہ یہ لوگ مصر سے آ کر اپنے علاقہ ارض مقدس میں جا رہے تھے اور اریحا ان کے راستہ میں نہیں پڑتا تھا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا نہیں ہے بلکہ چالیس سال میدان تیہ میں حیران و سرگرداں پھرنے کے بعد جب حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانے میں بیت المقدس جانا نصیب ہوا اس وقت کی بات ہے جب ان لوگوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیج دیا جسے رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ سے تعبیر فرمایا۔ سورۂ بقرہ میں بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ فرمایا اور سورۂ اعراف میں بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ فرمایا یعنی یہ عذاب ان کی نافرمانیوں اور ان کے ظلم کی وجہ سے بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نتیجہ کے اعتبار سے اپنی جانوں پر ظلم ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے گرفت ہو جاتی ہے۔ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں پر جو عذاب بھیجا گیا تھا وہ طاعون تھا مفسر ابن کثیر نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ الطاعون رجز عذاب عذب به من كان قبلكم (یعنی طاعون رجز ہے جو کہ ایسا عذاب ہے کہ اس کے ذریعہ تم سے پہلی امتوں کو عذاب دیا گیا۔)

من و سلویٰ اترنے اور پتھر سے چشمے پھوٹنے اور ایک بستی میں جھکے ہوئے داخل ہونے اور معافی مانگنے کا حکم پھر بنی اسرائیل کی قولاً و فعلاً خلاف ورزی پر عذاب نازل ہونا سورۂ بقرہ (رکوع ۶، ۷) میں گزر چکا ہے۔ وہاں ہم نے کچھ زیادہ تفصیل لکھ دی ہے اس کی مراجعت کر لی جائے۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ

اور آپ اس بستی کے بارے میں ان سے پوچھ لیں جو دریا کے قریب آباد تھی، جبکہ وہ لوگ سنیچر کے دن میں زیادتی کرتے تھے۔ جبکہ ان کے

حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ يَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ

پاس ان کی مچھلیاں سنیچر کے دن اوپر کو ظاہر ہو کر آتی تھیں اور جس دن سنیچر کا دن نہ ہوتا اس دن ان کے پاس نہ آتی تھیں۔ اسی طرح ہم انہیں آزماتے تھے

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ

اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک فرمانے والا ہے

اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا

یا انہیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب، انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے حضور معذرت پیش کرنے کیلئے اور اس لئے کہ شاید یہ لوگ گناہ سے بچ جائیں۔ سو جب وہ لوگ بھول گئے

مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ

اس بات کو جس کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو پکڑ لیا، جنہوں نے ظلم کیا اس

بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا

سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، پھر جب اس کام کے بارے میں وہ حد سے نکل گئے جس سے منع کئے گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ تم ہو جاؤ

وقف لازم معانقة ٦ النصف

قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ

بندر ذلیل، اور آپ کے رب نے یہ بات بتا دی کہ وہ قیامت کے دن تک ضرور ان پر ایسے اشخاص کو بھیجتا رہے گا جو انہیں

سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۚۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۷﴾

برا عذاب چکھائیں گے، بے شک تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سنیچر کے دن یہودیوں کا زیادتی کرنا اور بندر بنایا جانا

بنی اسرائیل کی حرکتیں بھی بہت بُری تھیں ان کا نافرمانی کا مزاج تھا۔ ان پر آزمائش بھی طرح طرح سے آتی رہتی تھی، حکم تھا کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کریں اس دن سے متعلق جو احکام تھے ان میں یہ بھی تھا کہ اس دن مچھلیاں نہ پکڑیں۔ لیکن یہ لوگ باز نہ آئے سنیچر کے دن ان کی آزمائش اس طرح ہوتی تھی کہ مچھلیاں خوب ابھر ابھر کر سامنے آجاتی تھی اور دوسرے دنوں میں اس طرح نہیں آتی تھیں۔ ان لوگوں نے مچھلیوں کے پکڑنے کے حیلے نکالے اور یہ کیا کہ سنیچر کے دن سے پہلے جال اور مچھلی کے کانٹے پہلے سے پانی میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ مچھلیاں ان میں پھنس کے رہ جاتی تھیں، جب سنیچر کا دن گزر جاتا تھا تو ان کو پکڑ لیتے تھے اور اپنے نفسوں کو سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے سنیچر کے دن ایک مچھلی بھی نہیں پکڑی، وہ تو خود بخود جالوں میں اور کانٹوں میں آگئیں اور جال اور کانٹے تو ہم نے جمعہ کے دن ڈالے تھے۔ لہٰذا ہم سنیچر کے دن پکڑنے والوں کی فہرست میں نہیں آتے، اسی طرح کا ایک حیلہ انہوں نے مردار کی چربی کے ساتھ بھی کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں پر اللہ لعنت کرے جب اللہ نے ان پر مردار کی چربی حرام قرار دے دی تو اس کو انہوں نے اچھی شکل دے دی (مثلاً اس کو پگھلا کر اس میں کچھ خوشبو وغیرہ ملا کر کیمیکل طور پر کچھ اور بنا دیا) پھر اس کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گئے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۲۹۸ جلد ۱)

ان لوگوں میں تین جماعتیں تھیں کچھ لوگ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑتے تھے اور کچھ لوگ ایسے تھے جو انہیں منع کرتے تھے اور ایک جماعت ایسی تھی جو خاموش تھی، جو لوگ خاموش تھے انہوں نے ان لوگوں سے کہا جو منع کرتے تھے کہ آپ لوگ ان کو کیوں نصیحت کرتے ہیں ان کا بات ماننے کا ارادہ نہیں ہے۔ نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گرفت ہونے والی ہے یا تو اللہ تعالیٰ ان کو بالکل ہی ہلاک فرما دے گا یا سخت عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ جو لوگ منع کیا کرتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیشی کے وقت ہم معذرت پیش کر سکیں کہ ہم نے نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تھا اور ممکن ہے کہ یہ لوگ مان ہی جائیں اپنے رب سے ڈرنے لگیں اور اپنے گناہوں سے بچنے لگیں، لیکن ان لوگوں نے نہ مانا بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمالی۔ ان پر اس طرح عذاب آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر بنا دیا، جو لوگ سنیچر کے دن میں زیادتی کرتے تھے وہ تو بندر بنا دیئے گئے اور جو لوگ انہیں منع کیا کرتے تھے، انہیں نجات دی گئی جن کو اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ میں بیان فرمایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جو لوگ خاموش تھے ان کا کیا حال ہوا؟ ان کے شاگرد حضرت عکرمہ نے عرض کیا میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ وہ عذاب سے بچا لئے گئے۔ کیونکہ انہیں بھی شکار کرنے والوں کا عمل ناگوار تھا اور اسی ناگواری کو انہوں نے اپنے ان الفاظ میں یوں ظاہر کیا تھا لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ، اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دینے کا تذکرہ نہیں فرمایا اور ہلاک کرنے کا ذکر بھی نہیں فرمایا، عکرمہ کی یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بہت پسند آئی اور بہت خوش ہوئے اور انہیں دو چادریں انعام میں عطا کیں۔

(معالم التنزیل ص۲۰۹ جلد۲)

سنیچر کے دن زیادتی کرنے والوں کو بندر بنادیا گیا جس کا ذکر یہاں سورۂ اعراف میں بھی اور سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ (انوار البیان ص جلد۱)

جس بستی کے رہنے والے حیلہ باز یہودیوں کا قصہ اوپر مذکور ہوا اس کے بارے میں علماء تفسیر نے کئی قول نقل کئے ہیں۔۱۔ایلہ۔ ۲۔طبریہ،۳۔مدین،۴۔مقنا، متعین طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔عبرت حاصل کرنے کے لئے تعین کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

بنی اسرائیل پر دنیا میں عذاب آتا رہے گا......... بنی اسرائیل اپنی حرکتوں کی وجہ سے بندر بنادیئے گئے یہ تو اس وقت ہوا اور اس کے بعد ان پر برابر ایسے لوگوں کا تسلط رہا جو ان کو تکلیفیں دیتے رہے اور یہودی بری بری تکلیفوں میں مبتلا ہوتے رہے اس کو وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ (الآیہ) میں بیان فرمایا ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے پھر بخت نصر کے ذریعہ جوان کی بربادی ہوئی ہے۔اور نبی آخر الزماں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور پھر حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جوان کی ذلت ہوئی تاریخ دان اس سے ناواقف نہیں ہیں۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد بھی دنیا میں مقہور ہی رہے ذلت اور خواری کے ساتھ ادھر ادھر دنیا میں کبھی آباد اور کبھی برباد ہوتے رہے، پچاس سال پہلے نازیوں نے جوان کا قتل عام کیا تھا تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس سے واقف ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بھی یہودی مارے جائیں گے۔وہ دجال کو قتل کریں گے اور اس وقت دجال کے ساتھیوں کی بربادی ہوگی۔دنیا کی قومیں ظاہری اقتدار دیکھ کر دجال کے ساتھ ہوجائیں گی جن میں یہودی بھی ہوں گے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصفہان کے یہودیوں میں سے ستر ہزار یہودی دجال کا اتباع کریں گے جو چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔(صحیح مسلم ص۴۰۵ ج۲)

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرزمین شام میں دجال کو قتل کریں گے اور اسکے ساتھیوں سے وہیں معرکہ ہوگا اس لئے تکوینی طور پر دنیا بھر سے اپنے رہنے کے علاقے چھوڑ چھوڑ کر یہودی شام کے علاقہ میں جمع ہو رہے ہیں اور ان کی جھوٹی حکومت جو نصاریٰ کے بل بوتے پر قائم ہے وہ ان کے ایک جگہ جمع ہونے کا سبب بن گئی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مسلمان یہودیوں سے قتال نہ کرلیں مسلمان ان کو قتل کریں گے یہاں تک کہ کوئی یہودی کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپ جائے گا تو درخت یا پتھر کہے گا کہ اے مسلم اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اسے قتل کردے البتہ غرقد کا درخت ایسا نہ کرے گا کیونکہ وہ یہودیوں کے درختوں میں سے ہے۔(رواہ مسلم صفحہ ۳۹۶ جلد۲)

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ

اور ہم نے زمین میں ان کی متفرق جماعتیں کردیں۔ان میں نیک لوگ تھے اور ان میں دوسری طرح کے بھی تھے اور ہم نے ان کو خوشحالیوں اور بدحالیوں کے ذریعہ

وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ

آزمایا تاکہ باز آجائیں، پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آگئے جو کتاب کے وارث بنے جو اس گھٹیا چیز کے

عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ

سامان کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری مغفرت کردی جائے گی اور اگر ان کے پاس اسی جیسا اور سامان آجائے تو اسے لے لیتے ہیں،

اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ

کیا ان سے کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف حق کے سوا کسی بات کی نسبت نہ کرو اور انہوں نے اس کو پڑھ لیا جو کتاب میں ہے

وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ

اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ڈرتے ہیں کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟ اور جو لوگ مضبوطی سے کتاب کو پکڑتے ہیں

وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ

اور نماز قائم کرتے ہیں بے شک اصلاح کرنے والوں کا ثواب اللہ ضائع نہیں فرماتا، اور جب ہم نے ان پر اکھاڑ دیا پہاڑ گویا کہ وہ سائبان ہے

ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْا اَنَّهٗ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۲۱ ۹ ۱۱

اور انہوں نے یقین کر لیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے، جو ہم نے تمہیں دیا مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور اس میں جو کچھ ہے یاد کرو تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

بنی اسرائیل کی آزمائش اور ان کی حب دنیا کا حال

ان آیات میں اول تو یہودیوں کے اس حال کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں منتشر فرما دیا۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے کچھ یہاں کچھ وہاں سکونت اختیار کرتے گئے۔ ان کی جمعیت اور جماعت منتشر رہی۔ اجتماعیت جو اللہ کا انعام ہے اس سے محروم رہے۔ پھر فرمایا مِنْهُمُ الصَّالِحُوْنَ (ان میں کچھ لوگ نیک تھے) وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ (اور کچھ لوگ دوسری طرح کے یعنی برے لوگ تھے) اچھے لوگ توریت اور انجیل پر قائم رہے اور پھر اللہ کے آخری رسول ﷺ اور آخری کتاب پر ایمان لائے اور برے لوگ شرپسند کفر پر جمے رہے اور اپنے اس شر پسندی کے مزاج کی وجہ سے آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔

(اور ہم نے ان کی آزمائش کی انہیں خوشحالیوں میں بھی رکھا اور بدحالیوں میں بھی، تا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشحالی کے ذریعے بھی امتحان ہوتا ہے اور بدحالی کے ذریعے بھی، سمجھدار لوگ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہر حال میں رجوع کرتے ہیں اور آزمائش میں کامیاب ہوتے ہیں۔ لیکن یہودیوں نے کچھ اثر نہ لیا ہر طرح کے امتحان میں فیل ہوئے۔

فَخَلَفَ مِنْ ۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ (الآية) پھر ان میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو ناخلف تھے۔ ان لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اللہ کی کتاب کے وارث تو بن گئے یعنی جو لوگ ان سے پہلے تھے ان سے کتاب تو پڑھ لی لیکن اس کتاب کو انہوں نے حقیر دنیا کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا اور وہ بھی اس طرح سے کہ اللہ کی کتاب میں ادل بدل کرتے تھے اور سوال کرنے والے کی مرضی کے مطابق مسئلہ بتا دیتے تھے۔ اسطرح سے اس سے مال مل جاتا تھا۔ جب دل میں کچھ احساس ہوتا اور اس بات کی ٹیس ہوتی کہ حرام طریقہ پر دنیا حاصل کر لی تو یوں کہہ کر اپنے ضمیر کو مطمئن کر لیتے تھے سَيُغْفَرُ لَنَا (اللہ ہماری مغفرت فرما دے گا) اور چونکہ یہ واقعی اور اصل توبہ نہیں ہوتی تھی اس لئے اپنی حرکت سے باز نہیں آتے تھے سَيُغْفَرُ لَنَا بھی کہہ دیا جس مین گناہ کا اقرار ہے اور اس کے بعد پھر اس جیسا مال آ گیا تو اسے بھی لے لیا، جن لوگوں کا نافرمانی کا مزاج ہوتا ہے وہ سچے دل سے توبہ تو نہیں کرتے گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور یوں کہتے رہتے ہیں کہ اللہ معاف فرمانے والا ہے

جاہل کی توبہ توبہ رہی گھونٹ گھونٹ پر
سو بوتلیں چڑھا کر بھی ہوشیار ہی رہا

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں بھی ایسے افراد کثیر تعداد میں ہیں جو برابر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں، خاص کر وہ لوگ جنہیں حرام کمانے اور حرام کھانے کی عادت ہے۔ کبھی ذرا سا گناہ کا خیال آتا ہے تو بخشش کا سہارا لے کر برابر گناہ میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں۔ اہل ایمان تو اللہ کے حضور میں سچے دل سے توبہ کرتے ہیں اور گناہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر توبہ کے بعد پھر گناہ ہو جائے تو پھر سچی توبہ کر لیتے ہیں۔ توبہ کا جز و اعظم یہ ہے کہ آئندہ نہ کرنے کا پختہ عہد ہو۔ جب یہ نہیں تو توبہ بھی نہیں، مؤمن کا طریقہ یہ ہے کہ ڈرتا بھی رہے اور امید بھی رکھے۔ خالی امید ہو خوف وخشیت نہ ہو گناہوں کی بہتات ہو، یہ طریقہ صحیح نہیں۔ اسی کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے کہ جیسے کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کے اوپر نہ گر پڑے اور فاجر آدمی اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے جیسے اس کی ناک پر مکھی بیٹھی ہو اور اس نے اسے ہاتھ کے اشارہ سے دفع کر دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۰۶)

اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتَابِ. (الأية)

کیا ان سے توریت شریف میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب نہ کریں گے جو حق نہ ہو؟ انہیں اس عہد کا علم بھی ہے اور توریت شریف کو پڑھتے بھی رہے ہیں۔ جانتے بوجھتے اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور حقیر دنیا لینے کے لئے اپنی طرف سے مسئلہ بتا کر یوں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا

(پھر کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں)

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو عقائد باطلہ اور اعمال قبیحہ سے پرہیز کرتے ہیں) پتہ انہیں اس بات کا بھی ہے۔ لیکن ناسمجھوں والے کام کرتے ہیں ایمان قبول نہیں کرتے اور گناہوں کو نہیں چھوڑتے۔

مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا ۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۔ (اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں بے شک ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے)

اس آیت میں عام قانون بیان فرمادیا کہ جو شخص اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے گا یعنی اس پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا۔ البتہ طرز بیان ایسا اختیار فرمایا ہے جس میں اَجْرَهُمْ کے بجائے اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ فرمایا۔ جس سے یہ واضح ہو گیا کہ کتاب اللہ کا مضبوطی سے پکڑنا جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ایمان کی بھی اصلاح ہو یعنی ایمان خالص ہو نفاق سے بری ہو اور وہ ایمان ہو جو اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے۔ اگر بعض انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہو اور بعض پر نہ ہو تو وہ ایمان اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے اور ایسا شخص مصلح بھی نہیں لہٰذا مستحق اجر بھی نہیں، کتاب کو مضبوط پکڑنے کے ساتھ نماز کو قائم رکھنے کا بھی تذکرہ فرمایا کیونکہ نماز ایمان کے بعد سب سے بڑی عبادت ہے۔ معلوم ہوا کہ تمسک بالکتاب کے ساتھ بالخصوص نماز کو قائم کرنے کا اہتمام بھی لازم ہے۔ نماز کو شرائط اور آداب کا لحاظ

رکھتے ہوئے پابندی سے پڑھیں۔ اگر نماز کی اصلاح ہوگی تو زندگی کے دوسرے اعمال کی بھی اصلاح ہوجائے گی۔ کما قال تعالیٰ: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔

بنی اسرائیل کے اوپر پہاڑ کا ٹھہر جانا اور ان کا یہ سمجھنا کہ یہ گرنے والا ہے..........اس کے بعد بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اسے قبول کرو اور اس پر عمل کرو، یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ احکام بھاری ہیں ان پر عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں، اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو اس کی جگہ سے اٹھا کر ان لوگوں پر معلّق کردیا اور فرمایا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو انہوں نے پہاڑ کو دیکھا کہ سائبان کی طرح ان کے اوپر معلّق ہے اور انہیں یہ یقین ہوگیا کہ ہم پر گرنے والا ہے یہ منظر دیکھ کر اس بات کا عہد کرلیا کہ ہم توریت کے احکام کی پابندی کریں گے لیکن بعد میں پھر روگردانی کی اور اپنے عہد سے منحرف ہوگئے۔ سورۂ بقرہ (رکوع ۸) میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ وہاں واقعہ ذکر فرمانے کے بعد فرمایا۔ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ۔ (پھر تم نے اس کے بعد روگردانی کی یعنی اس وقت جو پہاڑ گرنے کے ڈر سے عہد کرلیا تھا اس سے پھر گئے اور پھر وہی حرکتیں کرنے لگے جو نافرمانوں اور گنہگاروں کی ہوتی ہیں نیز یہ واقعہ سورۂ بقرہ کے رکوع گیارہ میں بھی ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں: خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاسْمَعُوْا (جو کچھ ہم نے تم کو دیا قوت کے ساتھ لے لو اور سن لو) اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا (ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں)

تینوں جگہ قرآن مجید کے الفاظ کو ملا کر معلوم ہوا کہ انہوں نے پہاڑ گرنے کی وجہ سے اس وقت تو عمل کرنے کا عہد کرلیا تھا لیکن بعد میں قول و قرار سے پھر گئے اور نافرمانی پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ سن تو لیا ہے لیکن عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں ہے۔ کوہ طور کو سائبان کی طرح معلّق کر کے عہد لینے اور لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ میں جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے ہم نے اس کو سورۂ بقرہ رکوع آٹھ میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے رفع کردیا ہے ملاحظہ کرلیا جائے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ ج

اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور انہیں ان کی جانوں پر گواہ بنایا

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ط قَالُوْا بَلٰی ج شَھِدْنَا ج اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ (۱۷۲)

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں آپ ہمارے رب ہیں، ہم نے اقرار کرلیا، کبھی تم قیامت کے دن کہنے لگو کہ بیشک ہم اس سے غافل تھے

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْۢ بَعْدِھِمْ ج اَفَتُھْلِکُنَا

یا یوں کہو کہ پہلے سے ہمارے باپ دادوں نے شرک کیا اور ہم ان کے بعد میں آنے والی اولاد تھے کیا آپ ہم کو باطل عمل والوں کے فعل کی وجہ

بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (۱۷۳) وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ (۱۷۴)

سے ہلاک کرتے ہیں اور ہم ایسے ہی واضح طور پر آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ رجوع ہو جائیں۔

معانقۃ ۷

عہدِ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا تذکرہ

احادیث شریفہ میں اس کی تفصیل یوں وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وادی نعمان میں (جو عرفات کے قریب ہے) حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا جو چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی صورت میں تھے اور پشت در پشت ان کی نسل سے جو مخلوق پیدا ہونے والی تھی سب کو پیدا فرمایا اور ان کی وہی صورتیں بنادیں جو بعد میں عالم ظہور میں پیدا ہونے والی تھیں...... پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بولنے کی قوت دی اس کے بعد ان سے عہد لیا اور انہیں ان کے نفسوں پر گواہ بنایا۔ ان سے فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) ان سب نے کہا "بَلٰی" ہم گواہی دیتے ہیں کہ واقعی آپ ہمارے رب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سے یہ عہد اس لئے لیا گیا کہ قیامت کے دن یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس توحید سے بے خبر تھے یا یوں کہنے لگو کہ اصل شرک تو ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں تھے ان کے تابع ہو کر ہم نے بھی ان کے اعمال اختیار کر لئے۔ سو کیا ان گمراہوں کے فعل پر آپ ہمیں ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے تمام بنی آدم سے اس بات کا اقرار لے لیا کہ واقعی اللہ ہی ہمارا رب ہے انہوں نے اقرار کر لیا اور اپنی جانوں پر گواہ بن گئے اس لئے قیامت کے دن کسی کے لئے کوئی عذر نہیں رہا اور اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ کوئی شخص توحید سے منہ موڑ کر اور شرک کے اعمال اختیار کر کے یوں کہنے لگے کہ مجھے تو کوئی پتہ نہ تھا۔ مسند احمد میں ہے کہ سب نے "بَلٰی" کہہ کر اقرار کر لیا تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ میں تمہارے اوپر ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو تم پر گواہ بناتا ہوں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم یوں کہنے لگو کہ ہمیں اس کا پتہ نہ تھا تم جان لو کہ بیشک میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا میں تمہاری طرف رسولوں کو بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور تمہارے اوپر کتابیں نازل کروں گا۔ اس پر سب نے کہا کہ بیشک ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں اور ہمارے معبود ہیں آپ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں اس موقع پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لیا گیا (جو سورۂ احزاب کی آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ میں مذکور ہے)

مذکور بالا حدیث مشکوٰۃ المصابیح (صفحہ۲۴ جلد۱) میں مسند احمد سے نقل کی ہے اس سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ عہد کیا تھا وہ ہمیں یاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب عہد لیا تھا اس وقت فرما دیا تھا کہ میں تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و میثاق یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔

جب سے انسان دنیا میں آیا ہے سلسلہ نبوت بھی اسی وقت سے جاری ہے۔ سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے پیغمبر تھے۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہے جب ایک نبی جاتا تو دوسرا نبی آجاتا تھا۔

سورۂ فاطرہ میں فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ۔ (اور کوئی جماعت ایسی نہیں جن میں کوئی نذیر نہ گزرا ہو)

آخر میں سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سارے انسانوں کے لئے سارے زمانوں کے لئے اور سارے جہانوں کے لئے ہے۔

آپ کی دعوت ہر شخص کو پہنچی ہوئی ہے۔ آپ کے دین کی خدمت کرنے والے علماء مبلغ اور داعی سارے عالم میں تحریر و تقریر اور دیگر

ذرائع سے توحید کی دعوت دے چکے ہیں اور دیتے رہتے ہیں اور عہد اَلَسْتُ کی تذکیر پوری طرح ہوتی رہتی ہے اور برابر ہوتی رہی ہے۔ اگر بالفرض کوئی شخص دور دراز پہاڑوں کے غاروں میں رہتا ہو اور اسے دعوت نہ پہنچی ہو تب بھی عقل وفہم خالق و مالک نے اس کو عطا فرمائی ہے اس کا تقاضا ہے کہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کو وحدہ لاشریک مانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

عقل وفہم بھی ہے اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں ''بلیٰ'' بھی کہا تھا اس واقعہ کی کیفیت یاد ہو یا نہ ہو اس کا اثر ضرور ہے کہ انسان یہ ضرور سمجھتا ہے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے مجھے اس کی عبادت ضرور کرنی چاہئے اسی وجہ سے فطری طور پر انسان عبادت کے لئے کسی ایسی ذات کو تلاش کرتا ہے جس کی وہ عبادت کرے۔ شیطان کے ورغلانے سے بہت سے لوگوں نے شرک اختیار کرلیا اور اصحاب توحید جب انہیں ملامت کرتے ہیں اور شرک کی قباحت ظاہر کرتے ہیں تو وہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ غیر اللہ کی عبادت بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے ہے، یہ جواب وہ اس لئے دیتے ہیں کہ وہ خود بھی شرک کو برا سمجھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ عقیدہ ہے کہ ہمیں اپنے خالق کی عبادت کرنی چاہئے۔ اس کی عبادت میں کسی کے شریک کرنے کو برا جاننا یہ اسی عہد الست کا نتیجہ ہے۔ جس کا آیت کریمہ میں اور احادیث شریفہ میں ذکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے وہ فطرت (اسلامیہ) پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جیسے تم چوپائے کو دیکھتے ہو کہ اس کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم اس میں کوئی عضو کٹا ہوا پاتے ہو (نہیں اس کا کوئی عضو ناقص نہیں ہوتا۔ لیکن جن لوگوں کے قبضہ میں ہوتا ہے وہ اس کا کان یا کوئی عضو کاٹ دیتے ہیں۔ اسی طرح فطرت اسلامیہ پر پیدا ہونے والے بچہ کو اس کے ماں باپ یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں) اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۱ از بخاری ومسلم ۱۲) وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (اور ہم اسی طرح اپنی آیات واضح طور پر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ رجوع ہو جائیں)

فائدہ .... انسانوں کو ترتیب وار ان کے باپوں کی پشتوں سے نکال کر چیونٹیوں کے جثہ میں جو ظاہر فرمایا تھا، آج کل جدید آلات اور ایٹمی توانائی کے ذریعہ جو چیزیں ذرات کی صورت میں بن رہی ہیں اور کمپیوٹر میں بڑی ہو کر سامنے آرہی ہیں۔ انہوں نے بتا دیا ہے کہ بڑی سے بڑی چیز کو ایک نقطہ کی سی شکل دی جاسکتی ہے اور اس میں اس کے سب اعضاء موجود ہو سکتے ہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ

اور آپ ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے جسے ہم نے اپنی آیات دیں پھر وہ ان سے نکل گیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ

مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ج

گمراہوں میں سے ہو گیا، اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اس کو بلند کر دیتے لیکن وہ بالکل ہی زمین کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ج اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ط ذٰلِكَ مَثَلُ

سو اس کی ایسی حالت ہے جیسے کتے کی حالت ہوتی ہے۔ اگر تو اس پر بوجھ لاد دے تب بھی ہانپے اور اگر اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلًا

کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ قصوں کو بیان کیجئے تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔ بری مثال ہے ان

الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

ایک ایسے شخص کا تذکرہ جو اتباع ہوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات کو چھوڑ بیٹھا

جس شخص کا ان آیات میں ذکر ہے یہ کون شخص تھا اس کے بارے میں تفسیر در منثور (صفحہ ۱۴۵ جلد ۳) میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی ہیں اور انکے علاوہ تابعین میں سے سعید بن مسیّب اور مجاہد اور قتادہ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ حضرت قتادہ نے تو یہ فرمایا کہ جس شخص پر ہدایت پیش کی جائے اور وہ اس کے قبول کرنے سے انکار کردے اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ لیکن قرآن مجید کا سیاق بتاتا ہے کہ یہ واقعہ بھی ہے۔ واقعہ بیان فرما کر عبرت حاصل کرنے کے لئے فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ جو فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا واقعی قصہ ہے محض مثال نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس شخص کا اس آیت کریمہ میں واقعہ بیان فرمایا ہے اس کا نام بلعم بن باعوراء ہے۔ یہ شخص جبارین یعنی عمالقہ میں سے تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور ان کے شہروں میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا تو بلعم کے چچا کے بیٹے اور قوم کے دوسرے افراد اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ موسیٰ قوت و شوکت والے آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں وہ ان لشکروں کے ذریعہ ہم پر غلبہ پانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ کو اور اس کے ساتھیوں کو ہم سے دفع کردے۔ بلعم نے جواب دیا کہ میں تو ایسا نہیں کرسکتا۔ اگر میں اللہ سے یہ وعدہ کروں کہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو تم سے ہٹادے تو میری دنیا و آخرت دونوں ہی برباد ہوجائیں گی۔ لیکن وہ لوگ برابر اصرار کرتے رہے۔ لہٰذا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے بددعا کردی اس طرح اللہ تعالیٰ کی آیات سے نکل گیا۔ آیات الٰہیہ کے جاننے پر جو اس کی ذمہ داری تھی اس کو پس پشت ڈال دیا اور ان آیات سے بے تعلق ہوگیا اور شیطان اس کے پیچھے لگ گیا جس کی وجہ سے وہ بالکل ہی گمراہ ہوگیا اور بعض روایات میں ہے کہ جب بلعم نے بددعا کرنے سے انکار کردیا اور لوگ برابر اصرار کرتے ہی رہے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددعا کرنی شروع کی لیکن زبان سے اپنی قوم کے لئے بددعا نکل رہی تھی۔ اس کی قوم نے کہا کہ یہ کیا کررہے ہو؟ کہنے لگا میں کیا کروں میری زبان سے تمہارے ہی لئے بددعا نکلتی ہے اور اگر میں موسیٰ اور اس کی قوم کے لئے بددعا کروں تو وہ قبول نہیں ہوگی بلعم اپنی قوم سے ہدیہ کے عنوان سے رشوت لے چکا تھا۔ اب اس نے اپنی قوم کو یہ رائے دی کہ تم اپنی عورتوں کو سنگھار کے ساتھ بنی اسرائیل میں بھیج دو۔ وہ لوگ ان سے زنا کریں گے تو ان پر اللہ کی طرف سے عذاب آجائے گا چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، بنی اسرائیل زنا میں مبتلا ہوگئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیج دیا، جس میں ستر ہزار بنی اسرائیل مرگئے۔ (تفسیر در منثور صفحہ ۱۴۷ جلد ۳)

اس روایت میں یہ اشکال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں بنی اسرائیل نے عمالقہ پر حملہ کرنے اور ان کے شہر میں داخل ہونے کا ارادہ ہی نہیں کیا پھر یہ واقعہ کیسے پیش آیا؟ عمالقہ پر حملہ کرنے کا واقعہ تو حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا

تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت یوں بھی ہے کہ بلعم اہل یمن سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی آیات عطا فرمائیں اور اس نے اس کو چھوڑ دیا اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا، بہر حال یہ سب باتیں اسرائیلیات ہیں کوئی پائے ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جو حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ یہ آیت امیہ بن ابی الصلت کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور اسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۔ پڑھ کر سنایا تو اس کا ارادہ ہوا کہ اسلام قبول کرے۔ لیکن اسے بدر کے واقعات کی خبر ملی تو اسلام کا ارادہ چھوڑ دیا اور طائف میں جا کر مر گیا۔

یہ روایت درمنثور (صفحہ ۱۴۶ جلد ۳) میں نسائی ابن جریر، ابن المنذر اور طبرانی وغیرہم کے حوالہ سے نقل کی ہے نیز صاحب درمنثور نے مجاہد سے یہ نقل کیا ہے کہ بلعم کو نبوت عطا کی گئی تھی اس نے اپنی قوم سے رشوت لے لی اور ان لوگوں نے یہ شرط کر کے رشوت دی کہ وہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور خاموش رہے یعنی **امر بالمعروف اور نهی عن المنكر** نہ کرے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

یہ بات تو بالکل ہی غلط ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے اس قسم کے امور کا صادر ہونا شرعی اصول کے مطابق ناممکن ہے۔ بہر حال صاحب قصہ جو بھی ہو۔ اس کی تعین پر آیت کی تفسیر موقوف نہیں ہے، جس شخص کا یہ واقعہ ہے وہ اللہ پاک کی طرف سے آزمائش میں ڈالا گیا اور وہ ناکام ہوا، اس نے دنیاوی زندگی کو ترجیح دی اور اللہ کی آیات کو چھوڑ دیا اور خواہشات کے پیچھے پڑ گیا لہٰذا گمراہ ہوا اسی کو فرمایا وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ.

صاحب جلالینؒ لکھتے ہیں کہ جب بلعم بن باعوراء نے رشوت لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے بددعا کر دی تو اس کی زبان نکل کر سینے پر آ گئی اور اس کا حال ایسا ہو گیا جیسے کتے کا حال ہے کتے پر حملہ کرو تب بھی وہ زبان کو نکال کر ہلاتا ہے اور اس کو چھوڑے رہو یعنی حملہ نہ کرو جب بھی وہ اپنی زبان کو ہلاتا رہتا ہے۔ بلعم کا بھی ایسا ہی حال ہو گیا۔ زبان نکلنے کی وجہ سے کتے کی طرح ہلاتا رہتا تھا اور بعض مفسرین نے بلعم کی زبان باہر نکلنے کا ذکر نہیں کیا بلکہ یوں فرمایا ہے کہ آیت شریفہ میں اسے کتے کی ذلت سے تشبیہ دی ہے۔

کتے کو جھڑکو، مارو، بھگاؤ تب بھی زبان نکالے ہوئے ہلاتا رہتا ہے اور اس سے کچھ نہ کہو تب بھی اس کی زبان باہر ہے اور ہل رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خواہش کے اتباع اور طلب دنیا کی وجہ سے شخص مذکور جس کا آیت میں ذکر ہے کتے کی طرح سے ہو گیا کہ ہر حال میں ذلیل ہی ذلیل ہے خسّت اور ذلت میں کتے کی مثال دی گئی ہے۔

آیت شریفہ میں ہر اس شخص کی مذمت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ اپنی آیات عطا فرمائے اور انہیں چھوڑ کر دنیا کا طلب گار ہو جائے اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ جائے اور کفر کو اختیار کرے اسی لئے فرمایا: ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے۔ پھر فرمایا:

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (کہ قصہ بیان کیجئے تا کہ لوگ غور و فکر کریں)

مذکورہ واقعات میں عبرت اور موعظت تو سب ہی کے لئے ہے لیکن خاص کر یہودیوں کے لئے اس اعتبار سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کا موقعہ زیادہ ہے کہ انہیں بنی اسرائیل کے پرانے واقعات معلوم تھے اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کو یہ واقعات کسی انسان نے نہیں بتائے تھے وہ واقعات آپ نے بتا دیئے تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کو وحی کے ذریعہ بتائے گئے ہیں، یہودیوں کو یہ بات سوچنا چاہئے اگر واقعی سوچیں اور ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں تو ان کا ضمیر انہیں ایمان لانے پر مجبور کر دے گا۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ

جسے اللہ ہدایت دے، سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور وہ جسے گمراہ کرے تو یہ لوگ ہیں نقصان میں پڑنے والے اور تحقیق ہم نے پیدا کیا جہنم

كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ

کے لئے بہت سے جنات کو اور بہت سے انسانوں کو، ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ

بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بڑھ کر بے راہ ہیں، ایسے لوگ غفلت والے ہی ہیں۔

انسانوں اور جنوں میں ایسے لوگ ہیں جو چوپایوں سے زیادہ گمراہ ہیں

اس سے پہلی آیات میں ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جسے اللہ نے اپنی آیات دی تھیں اس نے عالم ہوتے ہوئے دنیا کی محبت میں ان آیات کو چھوڑ دیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گیا، اس آیت میں عمومی طور پر ہدایت اور گمراہی کے بارے میں حقیقت واضح فرمادی (دیگر آیات میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا ہے) اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے ہدایت اور گمراہی اور ہر خیر وشر کا خالق ہے۔ اس نے بندوں کو اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ ہدایت اور ضلالت دونوں کے راستے واضح فرمادیئے ہیں اور بندوں کو اختیار بھی دیا وہ اپنے اس اختیار کو خیر میں بھی لگا سکتے ہیں اور شر میں بھی، جو اپنے اختیار کو غلط استعمال کرتے ہیں اور گمراہی کے راستے پر چل دیتے ہیں ان کے لئے آخرت میں عذاب شدید ہے، جو لوگ اپنے اختیار کا غلط استعمال کرتے ہیں ان کو جتنا بھی سمجھایا جائے بات سمجھنے کا ارادہ نہیں کرتے اس لئے ہدایت کی بات کو سمجھتے ہی نہیں اور جو ہدایت کی باتیں کان میں پڑتی ہیں ان کو سننے کے طریقہ پر نہیں سنتے، اگر ہدایت اور رشد وحق کی کوئی بات کان میں پڑ جائے تو ساری سنی ان سنی کر دیتے ہیں اور ہدایت قبول کرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے، سننے کی قوت تو برباد کر ہی دی دیکھنے کی قوت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے، جب دلائل تکوینیہ سامنے آتے ہیں اور معجزات کو نظروں سے دیکھتے ہیں تو قصداً و ارادۃً اندھے بن جاتے ہیں اور ہدایت سے دور بھاگتے ہیں۔ گو خالق ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن بندے اپنے اختیار سے خیر وشر اور ہدایت وضلالت والے بنتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ جن لوگوں کا اوپر ذکر ہوا ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنی بصیرت وبصارت اور فہم وادراک سے کام نہیں لیتے۔ ہدایت سامنے ہوتے ہوئے قبول نہیں کرتے اسی لئے یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ گمراہی میں چوپایوں سے بھی بڑھ کر ہیں، جانور اپنی ضرورت کو تو سمجھتا ہے۔ کھانے اور پینے کی ضرورت ہوتی ہے تو اسکے لئے آوازیں نکالتا ہے اور اپنی حاجت پوری کرلیتا ہے۔ جانوروں کی حاجت اتنی ہی سی ہے، ان کے لئے جنت اور دوزخ نہیں ہے اگر جانوروں نے جنت میں جانے اور دوزخ سے بچنے کی فکر نہ کی تو ان سے کوئی ملامت نہیں، لیکن انسان اور جنات جن کے سامنے اصلی اور واقعی ضرورت درپیش ہے۔ یعنی انہیں دوزخ کے دائمی عذاب سے بچنے اور جنت کی دائمی نعمتوں میں رہنے کی حاجت ہے اپنی اس ضرورت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ پیدا کرنے والے نے نبی بھیجے کتابیں نازل فرمائیں، جنات اور انسانوں کو ان کی واقعی اور اصلی ضرورت بتائی اور یہ بھی بتایا کہ تمہاری حاجت روائی اور کامیابی ایمان میں اور اعمال صالحہ میں ہے اور بربادی اور ناکامی کفر اور معصیت میں ہے۔ اس سب کو جانتے ہوئے بھی دھیان نہ

دینا اور کفر پر جمے رہنا بہت بڑی گمراہی ہے ایسے لوگ گمراہی میں جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ آخر میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ (یہ لوگ غفلت والے ہی ہیں) آخرت سے بھی غافل ہیں اور آخرت کی ضرورتوں سے بھی۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ

اور اللہ کے لئے اچھے نام ہیں سو تم اسے ان ناموں سے پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

عنقریب ان کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں ان کے ذریعہ اس کو پکارو

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں (صفحہ ۳۲۵ جلد ۷) آیت بالا کا سبب نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں ایک شخص نماز میں یَا رَحْمٰنُ یَارَحِیْمُ کہہ رہا تھا۔ مکہ مکرمہ کے ایک مشرک نے سن لیا تو کہنے لگا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی یوں کہتے ہیں کہ ہم ایک ہی رب کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ شخص ایسے الفاظ کہہ رہا ہے جن سے دو رب کو پکارنا سمجھ میں آ رہا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں ان کے ذریعہ اسے پکارو پکارو لفظ فَادْعُوْهُ کا ترجمہ ہے اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ اللہ کو ان ناموں سے موسوم کرو۔ دونوں طرح ترجمہ کرنا درست ہے اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں۔ یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل کے ختم پر مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اسمائے حسنیٰ کے ذریعے پکارنا۔ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور ان اسماء کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا یہ سب فَادْعُوْهُ بِهَا کے عموم میں آ جاتا ہے۔ صحیح بخاری (صفحہ ۹۴۹ جلد ۲) میں ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: للّٰہ تسعة و تسعون اسمًا مائة الّا واحدًا لا یحفظها احدٌ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ...... (یعنی اللہ کے ایک کم سو یعنی ننانوے نام ہیں۔ جو شخص انہیں یاد کرے گا ضرور جنت میں داخل ہوگا اور صحیح مسلم (صفحہ ۳۴۲ جلد ۲) میں ہے۔ مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (یعنی جس نے ان ناموں کو شمار کر لیا وہ جنت میں داخل ہوگا)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ من احصا ھا ،من حفظها کے معنی میں ہے، سنن ترمذی میں ننانوے نام مذکور ہیں اور سنن ابن ماجہ میں بھی لیکن ان میں بعض اسماء وہ ہیں جو ترمذی کی روایت میں نہیں ہیں اور دیگر کتب حدیث میں بھی بعض اسماء مذکور ہیں، جو ترمذی کی روایت کے علاوہ ہیں۔ اسی لئے حضرات محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ حدیث کا مقصود یہ نہیں کہ اللہ کے صرف ننانوے نام ہیں بلکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص کوئی سے ننانوے اسمائے حسنیٰ کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالٰی فی فتح الباری فالمراد الاخبار ان دخول الجنة با حصاء ھا لا الاخبار بحصر الاسماء ۔ (حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ جنت کا داخلہ اسماء مبارکہ یاد کرنے پر ہے یہ مطلب نہیں کہ صرف شمار کر لینے سے جنت میں داخلہ کی فضیلت ہے) حضرات محدثین کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ اسمائے حسنیٰ جو کتب حدیث میں یکجا ہیں خود حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں یا بعض رواۃ حدیث نے قرآن شریف کی آیات کا اور احادیث کا انتخاب کر کے ان اسماء کو جمع کر دیا ہے اور حدیث کے ساتھ ملا کر روایت کر دیا ہے اگر ایسا ہے تو ان اسماء عالیہ کا ذکر حدیث میں مدرج ہوگا لیکن چونکہ ان اسماء میں اکثر ایسے ہیں جو قرآن اور حدیث میں بالتصریح موجود ہیں اور بعض

ایسے ہیں جو آیات اور احادیث کے مضامین سے مستفاد ہوتے ہیں اس لئے ان کو یاد کرنا اور دعاء سے پہلے حمد وثناء کے طور پر ان کو پڑھ لینا قبولیت دعاء کا وسیلہ ضرور ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں بحوالہ حلیۃ الاولیاء حضرت علیؓ سے حدیث نقل کی ہے۔ اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًامائة غير واحدة اِنَّهٗ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ وَمَامِنْ عَبْدٍ يَدْعُوْابِهَا اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ (اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں اور ننانوے یعنی طاق عدد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود طاق ہیں اور طاق عدد کو ہی پسند کرتے ہیں۔ جو شخص ان ناموں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا اس کے لئے جنت واجب ہو جائیگی) اس میں بھی یدعوبها کا ایک مطلب تو وہی ہے کہ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگے یعنی ان اسماء کو پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

علامہ جزریؒ نے الحصن الحصین میں اس طرح کی احادیث نقل کی ہیں جن سے اسماء الٰہیہ کو ذکر کرنے کے بعد دعا کی جائے تو دعا قبول ہونے کا وعدہ ہے۔ بحوالہ سنن ترمذی علامہ جزری نے نقل کیا ہے کہ رسول ﷺ نے ایک شخص کو یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ کہتے ہوئے سنا تو آپؐ نے فرمایا کہ تیری دعا قبول ہوگئی تو سوال کرلے، پھر بحوالہ متدرک حاکم نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک شخص پر گزر ہوا جو یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کہ سوال کر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے تیری طرف (رحمت کی) نظر فرمائی اور ایک شخص یہ پڑھ رہا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْاَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ آپ ﷺ نے اس کے الفاظ سن کر فرمایا کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا کی ہے اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے تو قبول فرما لیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۹۹ از ترمذی)

درمنثور (صفحہ ۱۴۹ جلد ۳) میں امام بیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرنے لگیں تو انہوں نے یوں کہا: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْاَلُكَ بِجَمِيْعِ اَسْمَآءِكَ الْحُسْنٰى كُلِّهَا مَا عَلِمْنَا مِنْهَا وَمَالَمْ نَعْلَمْ وَاَسْاَلُكَ بِاسْمِكَ الْعَظِيْمِ الْاَعْظَمِ الْكَبِيْرِ الْاَكْبَرِ الَّذِيْ مَنْ دَعَاكَ بِهٖٓ اَجَبْتَهٗ وَمَنْ سَالَكَ بِهٖٓ اَعْطَيْتَهٗ (اے اللہ میں آپ سے آپ کے تمام اسماء حسنیٰ کے ذریعہ سوال کرتی ہوں خواہ وہ اسماء ہمیں معلوم ہوں یا نہ ہوں، اور میں آپ سے آپ کے اسم اعظم کے ذریعے سوال کرتی ہوں وہ اسم اعظم کہ جو شخص اس کے ذریعے آپ سے دعا کرتا ہے آپ اس کی دعا قبول کر لیتے ہیں اور جو اس کے ذریعے آپ سے کچھ مانگتا ہے آپ اسے عطا کر دیتے ہیں)

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے ٹھیک طریقہ اختیار کیا دو بار ایسا ہی فرمایا۔ علامہ قرطبی نے فَادْعُوْهُ بِهَا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ای اطلبوا منه باسمائه فيطلب بكل اسم ما يليق به يارحيم ارحمني يا حكيم احكم بي يا رزاق ارزقني يا هادي اهدني يا فتاح افتح لي يا تواب تب علي هٰكذا (یعنی اللہ تعالیٰ سے اسماء کے ذریعے مانگا کرو اور چاہئے کہ ہر اسم سے اس کی مناسبت سے مانگے اور یوں کہے کہ اے رحیم مجھ پر رحم فرما، اے حکیم مجھے دانائی عطا فرما۔ اے رازق مجھے رزق عطا فرما، اے ہادی مجھے ہدایت دے، اے فتاح میرے لئے کھول دے، اے تواب میری دعا قبول فرما)

اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ اللہ کو یاد کرنے اور اللہ سے مانگنے کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا: وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ط سَيُجْزَوْنَ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝

(اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ ان کاموں کا بدلہ پالیں گے جو وہ کیا کرتے تھے)

اسماء الٰہیہ میں کج روی اختیار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بارے میں تفسیر قرطبی اور تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے ناموں سے مشتق کر کے اپنے بتوں کے نام رکھ دیئے تھے مثلاً لفظ اللہ سے اللات نکالا اور لفظ العزیز سے العزیٰ نکالا اور المنان سے منات نکالا اور ان ناموں سے اپنے بتوں کو موسوم کر دیا اور درمنثور میں حضرات اعمش سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ یدخلون فیھا مالیس منھا یعنی اللہ کے ناموں میں ان ناموں کا اضافہ کر دیتے ہیں جو اس کے نام نہیں ہیں۔

علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔ قرآن وحدیث میں جو اسماء وارد ہوئے ہیں ان کے سوا دوسرے ناموں سے اللہ کو موصوف نہ کیا جائے، بہت سے لوگ اللہ کے نام مخلوق کے لئے استعمال کر دیتے ہیں اور وہ اس طرح سے کہ لفظ عبد کو چھوڑ کر مسمّی کا نام لیتے ہیں مثلاً عبدالرحمٰن کو رحمٰن صاحب اور عبدالغفار کو غفار صاحب اور عبدالغفور کو غفور صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا لازم ہے۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا

اور جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ

ہم ان کو اس طرح ڈھیل دیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔ کیا ان لوگوں نے

یَتَفَكَّرُوْا ٜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ

غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب کو کوئی جنون نہیں ہے۔ وہ تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ

اور زمین کی بادشاہت میں اور دوسری چیزوں میں غور نہیں کیا جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں اور اس بات میں کہ ان کی اجل قریب آ پہنچی ہو۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَ یَذَرُهُمْ

سو اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔ اللہ جسے گمراہ کرے سو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ انہیں

فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔

مکذبین کو ڈھیل دی جاتی ہے، اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں

ان آیات میں اول تو یہ بیان فرمایا کہ ہم نے جن لوگوں کو پیدا کیا ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کی ہدایت دینے والی ہے۔ یہ لوگ حق کی راہ بتاتے ہیں اور حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ الفاظ کا عموم جنوں اور انسانوں سب کو شامل ہے۔ ان میں بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں دوزخ کے لئے پیدا فرمایا ان کا ذکر قریب ہی گزر چکا ہے اور یہاں بالتصریح یہ بیان فرمایا کہ ان میں حق کی راہ بتانے والے

اور حق کے موافق انصاف کرنے والے بھی ہیں۔

پھر آیات کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کی جو فوری پکڑ نہیں ہوتی اس سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اللہ کے محبوب بندے ہیں مسلمان بھی ان کے ظاہری حال دیکھ کر ان پر رشک نہ کریں۔ دنیا میں اچھے حال میں ہونا عنداللہ مقبولیت کی دلیل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ایک تکوینی قانون استدراج بھی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے کفر اور بداعمالی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ ڈھیل اس کے لئے مزید سرکشی کا باعث بنتی ہے اور پھر کبھی دنیا میں بھی گرفت ہو جاتی ہے اور آخرت میں تو اہل کفر کی سخت گرفت ہے ہی جس میں کوئی شک نہیں۔ اسلام کے دعویداروں میں جو معاصی میں غرق ہیں ان کے ساتھ بھی استدراج ہو جاتا ہے۔ وہ اس ڈھیل سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو برا فائدہ ہے۔ کیونکہ اس کے پیچھے سخت گرفت آنے والی ہوتی ہے۔ اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں یہ گرفت فرمانے کے لئے ایک تدبیر ہے اسی کو فرمایا: وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ۔ (اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، بیشک میری تدبیر مضبوط ہے)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو یہ دیکھے کہ اللہ کسی بندے کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا میں سے اس کی محبوب چیزیں دے رہا ہے تو وہ استدراج ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے (سورۂ انعام کی آیت) فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْھِمْ اَبْوَابَ کُلِّ شَیْءٍ (آخر تک) تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۳)۔ لفظ استدراج کا مادہ درج ہے (جو اوپر چڑھنے کے معنی میں آتا ہے نافرمان آدمی کو نعمتیں ملتی رہتی ہیں تو وہ خوف خدا اور فکر آخرت سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اچانک پکڑ لیا جاتا ہے، چونکہ ڈھیل ملتی رہتی ہے اور درجہ بدرجہ مصیبتوں میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اس لئے اسکو استدراج سے تعبیر فرمایا ہے، اسکے بعد فرمایا: اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِھِمْ مِّنْ جِنَّةٍ کہ دعوت توحید دینے والا شخص جو ان کے اندر موجود ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کیا اس کے بارے میں ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ یہ جو محنت اور مجاہدہ کرتے ہیں لوگوں کو حق کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں اور اس کے عمل پر لوگوں کی طرف سے تکلیفیں پہنچتی ہیں اور اس محنت پر انہیں دنیا کا کچھ نفع حاصل نہیں یہ غور کرنے کی بات ہے جسے اس محنت کا دنیا میں کچھ پھل نہیں ملتا اور الٹا لوگوں کو معتوب بھی رہتا ہے اسے کیا ضرورت ہے ایسی محنت کرے، وہ کوئی دیوانہ نہیں اس کی سب باتیں حکمت کی ہیں اس کے افعال و اعمال سب درست ہیں، اس کے اخلاق و آداب کی خوبی کے سب معترف ہیں پھر اس کی دعوت کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ بعض لوگ ضد میں آکر دیوانہ بھی کہہ دیتے تھے ارشاد فرمایا کہ غور تو کرو کیا یہ شخص دیوانہ ہو سکتا ہے؟ چونکہ آپ ان ہی میں سے تھے ان کے ساتھ رہتے تھے اس لئے آپ کے بارے میں صاحبھم (ان کا ساتھی) فرمایا۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (بس وہ تو واضح طور پر ڈرانے والا ہے) حق کی دعوت کی یاد دہانی کراتا ہے۔

یہ باتیں مشرکوں کو ناگوار ہیں حق کو مانتے نہیں اور داعی حق کو دیوانہ کہتے ہیں یہ ان کی اپنی دیوانگی ہے۔ داعی حق دیوانہ نہیں ہے اس کے بعد فرمایا: اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں غور نہیں کیا) وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ...... (اور آسمان و زمین کے علاوہ دوسری چیزیں جو پیدا فرمائی ہیں ان میں غور نہیں کیا) وَاَنْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُھُمْ۔

(اور کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ممکن ہے اجل قریب ہی آ پہنچی ہو) اگر زمین کے بارے میں غور کرتے اور اللہ کی بادشاہت کے مظاہرے دیکھتے اور دوسری مصنوعات و مخلوقات میں تدبر اور تفکر کرتے تو سمجھ لیتے کہ ان چیزوں کا خالق و مالک وحدہ لاشریک ہے حکیم

ہے اور مدبر ہے اور اگر یہ غور کرتے کہ ممکن ہے ہماری موت کا وقت قریب ہے تو موت کے بعد کے حالات کے لئے فکر مند ہوتے اور مابعد الموت کی زندگی کے لئے عمل کرتے لیکن بے فکری نے انہیں توحید کے ماننے سے غافل رکھا نہ اقراری ہوئے اور نہ اس کے لئے فکر مند ہوئے۔ آخر میں فرمایا فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ۝

ان کو قرآن صاف صاف باتیں بتاتا ہے حق کا اعلان کرتا ہے اس کی دعوت میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے اس کی فصاحت و بلاغت مسلم ہے اس سب کے باوجود جو لوگ اسے نہیں مانتے آگے انہیں کیا انتظار ہے۔ اب اس کے بعد کون سی ایسی بات ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے۔ اگر ماننا چاہتے تو ہٹ دھرمی نہ کرتے اور ابتک مان گئے ہوتے، چونکہ ماننے کا ارادہ نہیں ہے اس لئے برابر حق سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا: مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ۔ (جسے اللہ گمراہ کرے سوا سے کوئی ہدایت دینے والا نہیں) ...... وَیَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (اور اللہ نے انہیں چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اپنی گمراہی میں بھٹک رہے ہیں) گمراہی میں پڑے ہیں اگر اسی پر مریں گے تو دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ

وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا واقع ہونا کب ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اسے اس کے وقت

اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ

پر وہی ظاہر فرمائے گا، وہ آسمانوں میں اور زمین میں بھاری پڑ جائے گی، تمہارے پاس اچانک ہی آجائے گی وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ اس کے بارے میں مکمل

عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۝۱۸۷

معلومات حاصل کر چکے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

وقف لازم، وقف منزل

قیامت کے آنے کا وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے وہ اچانک آجائیگی

چونکہ نبی اکرم ﷺ توحید کی دعوت کے ساتھ قیامت کے بارے میں بھی خبر دیتے تھے اور اس کے احوال واہوال بتاتے تھے اس لئے مشرکین قیامت کے بارے میں بھی طرح طرح کی باتیں نکالتے تھے وہ کہتے تھے کہ جب گل سڑ کر ہماری ہڈیوں کا چورا ہو جائے گا تو کیا ہم دوبارہ زندہ ہونگے؟ اور اس کی تکذیب کے لئے یوں کہتے تھے: مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ،(کہ قیامت آنے کا جو وعدہ ہے کب پورا ہوگا) اس کا مطلب وقت پوچھنا نہیں تھا۔ بلکہ وقوع کا انکار کرنا تھا امتداد اجل سے عدم وقوع اور عدم امکان پر استدلال کرتے تھے یہ ان کی حماقت تھی کسی چیز کا دیر میں آنا عدم امکان اور عدم وقوع کی دلیل نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ بتایئے قیامت کب واقع ہوگی؟ اور اس طرح سوال کرتے تھے کہ جیسے آپ کو اس کے بارے میں پورا علم ہے ان کے جواب میں فرمادیا:

اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے)

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم صرف اپنے ہی لئے رکھا ہے کسی نبی یا فرشتہ کو نہیں دیا۔

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام انسانی صورت میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سوال کئے جن میں

ایک سوال یہ تھا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے فرمایا: مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَابِاَعْلَمَ مِنَ السَّآئِلِ (جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اس سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے جس نے سوال کیا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

یعنی اس بارے میں، میں اور تم برابر ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سوال کرنے والوں کے سوال کا یہ مقصد ہوسکتا ہے کہ اگر واقعی رسول ہیں تو متعین طور پر آپ بتادیں گے کہ قیامت کب آئے گی۔ کیونکہ ان کے خیال میں نبوت کے لوازم میں سے یہ بات بھی تھی کہ رسول کو قیامت کا علم ہونا چاہئے ،اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور بتایا کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے رسول کا نہ جاننا منصب رسالت کے خلاف نہیں ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: وَبَعْضُهُمْ يَزْعَمُ اَنَّ الْعِلْمَ بِذٰلِكَ مِنْ مُّقْتَضَيَاتِ الرِّسَالَةِ فَيَتَّخِذُ السُّؤالَ ذَرِيْعَةً اِلَى الْقَدْحِ فِيْهَا ۔ (اور بعض کا گمان یہ تھا کہ قیامت کا علم ہونا رسالت کے لوازمات میں سے ہے اس لئے وہ قیام قیامت کے متعلق سوال کر کے رسالت کی صداقت جانچنا چاہتے تھے)۔ (صفحہ ۱۲۴ جلد ۹)

یہ جو فرمایا قیامت اچانک آجائے گی اس کی تفصیل حدیث میں اس طرح وارد ہوئی ہے کہ قیامت اس حال میں آجائے گی کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان میں کپڑا کھول رکھا ہوگا اور ابھی خرید وفروخت کرنے نہ پائیں گے اور کپڑا لپیٹنے نہ پائیں گے کہ قیامت آجائے گی اور قیامت اس حال میں آجائے گی کہ کوئی شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر چلے گا اور وہ ابھی پینے بھی نہ پائے گا کہ قیامت آجائے گی اور کوئی شخص اپنا حوض لیپ رہا ہوگا کہ قیامت آجائیگی اور وہ اس میں (اپنے جانوروں کو پانی بھی) نہ پلا پائے گا اور کسی شخص نے اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھا رکھا ہوگا وہ اسے کھانے بھی نہ پائے گا کہ قیامت آجائے گی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۹۶۳ جلد ۲)

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ

آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا، اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو بہت سے منافع

مِنَ الْخَيْرِ ۚۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی ناگوار چیز نہ پہنچتی، میں تو ان لوگوں کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں جو ایمان رکھتے ہیں۔

ع ۲۳ معانقہ ۸

آپ ﷺ فرمادیجئے کہ میں اپنے لئے کسی نفع وضرر کا مالک نہیں ہوں اور نہ غیب جانتا ہوں

اس آیت میں اول تو نبی اکرم ﷺ کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں کو بتادیں کہ میں اپنے لئے ذرا بھی نفع یا کسی ضرر کا مالک نہیں ہوں اللہ کی مشیت اور اس کی قضاء وقدر کے موافق ہی مجھے نفع وضرر پہنچتا ہے۔ مجھے اپنے نفع اور ضرر کے بارے میں کوئی اختیار نہیں ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ اعلان کرادیا تا کہ لوگ آپ کو اللہ کا بندہ سمجھیں اور یہ بھی یقین کریں کہ آپ کو جو نفع ونقصان پہنچتا ہے وہ صرف اللہ کی مشیت سے پہنچتا ہے اور نقصان کے بارے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں۔ بندوں کو اللہ تعالیٰ نے جو علم وفہم اور تدبیر محنت اور کوشش کا اختیار دیا ہے جس کے ذریعہ کچھ فائدہ ہوجاتا ہے یا کسی ضرر سے بچ جاتے ہیں اس طرح کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو بھی تھا ان تدابیر اور اسباب کے اختیار کرنے اور اعضاء وجوارح کو حرکت دینے سے جو کچھ نفع حاصل ہوجاتا ہے یا بعض مرتبہ کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے تو یہ سب اللہ کی مشیت کے تابع ہے خود مختاری نہیں ہے لفظ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کی یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ استثناء متصل ہو۔ قال فی الروح اَیْ وَقْتَ مَشِيَّتِهٖ سُبْحَانَهٗ بِاَنْ يُّمَكِّنَنِيْ مِنْ ذٰلِكَ فَاِنَّنِيْ حِيْنَئِذٍ اَمْلِكُهٗ بِمَشِيَّتِهٖ.

اور اگر استثناء منقطع لیا جائے تو اس کا یہ معنی ہوگا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے بس وہی ہوگا، میرا اختیار کچھ بھی نہیں۔ (راجع روح المعانی صفحہ ۱۲۶ جلد ۹)

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ . (یعنی آپ یہ بھی فرمادیں کہ اگر میں غیب کا علم جانتا ہوتا تو میں بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی ناگوار چیز پیش نہ آتی) نفع یا ضرر پہنچنے سے پہلے ہی آ کر علم ہو جائے کہ ان میں سے کوئی امر پیش آنے والا ہے تو پہلے ہی سے ایسی صورتیں اختیار کر لی جائیں کہ نفع زیادہ سے زیادہ ہو اور کثرت منافع کے مواقع میں رکاوٹ ڈال دی جائے اور آنے والے ضرر کے دفعیہ کے لئے پوری کوشش کام میں لائی جائے لیکن حال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچ جاتی تھیں جس کا پہلے سے علم نہ ہوتا تھا جس کے واقعات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥

(یعنی آپ یہ بھی فرمادیجئے کہ میں تو بس ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں)

انذار و تبشیر کا کام امر شرعی ہے دنیا میں نفع و ضرر سے اس کا تعلق نہیں ہے اور تشریعی اوامر و نواہی اور تبلیغی احکام کا تعلق منصب نبوت سے ہے جو شخص نبی اور رسول ہوا سے کوئی تکلیف نہ پہنچے یہ کوئی شرعی یا تکوینی قانون نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب کلی ثابت کرنے والوں کی تردید............ آیات بالا میں واضح طور پر تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا اور قیامت کا علم بھی نہ تھا کہ کب آئے گی اور سورۂ انعام میں بھی اس کی تصریح گزر چکی ہے وہاں فرمایا قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ۔

(آپ فرمادیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ غیب کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں) اس میں شک نہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ کو علوم غیبیہ عطا فرمائے تھے اور آپ کو ساری مخلوق سے زیادہ علم عطا فرمایا لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ رسول اللہ ﷺ تمام غیبوں کو جانتے تھے اور قیامت کب آئے گی۔ اس کا بھی آپ کو علم تھا یہ دعویٰ باطل ہے قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔ ملا علی قاریؒ الموضوعات الکبیر میں حافظ جلال الدین سیوطی سے نقل کرتے ہیں: وقد جاهر بالكذب بعض من يدعى فى زماننا العلم وهو متشبع بمالم يعط ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعلم متى تقوم الساعة قيل له فقدقال فى حديث جبريل ما المسئول عنها باعلم من السائل فحرفه عن موضعه وقال معناه انا وانت تعلمها وهذا من اعظم الجهل واقبح التحريف (الى ان قال) ثم قوله فى الحديث ما المسئول عنها باعلم من السائل يعم كل سائل ومسئول عن الساعة هذا شانهما ولكن هولاء الغلاة عنهم ان علم رسول الله منطبق على الله سواء بسواء فكل ما يعلمه الله يعلم رسوله والله تعالى يقول وممن حولكم من الا عراب منافقون ومن اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم و هذا فى براء ة وهى من اواخر ما نزل من القران هذا والمنافقون جيرانه فى المدينة انتهى بحذف.

ترجمہ .... ہمارے زمانہ میں بعض ایسے لوگ جو عالم نہیں ہیں علم کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے ہیں انہوں نے برملا یہ جھوٹی بات کہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قیامت کا وقت معلوم تھا ان سے کہا گیا کہ حدیث میں تو یوں ہے کہ ماالمسئول عنها با علم من السائل تو اس شخص نے اس کا معنی پلٹ دیا اور یہ مطلب بتادیا کہ میں اور تو دونوں قیامت کے وقت کو جانتے ہیں۔ یہ بہت بڑا جہل ہے اور بدترین تحریف ہے حدیث ماالمسئول عنها باعلم من السائل ہر سائل اور ہر مسئول کو شامل ہے قیامت کے بارے میں جو بھی کوئی سائل

ہوگا یا جس سے سوال کیا جائے گا سب کے بارے میں یہی بات ہے کہ وہ قیامت کے آنے کا وقت نہیں جانتے لیکن یہ غلو کرنے والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا علم پوری طرح اللہ تعالیٰ کے علم پر منطبق ہے ان کے نزدیک ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کا رسول بھی جانتا ہے ان لوگوں کی اس بات کی تردید سورۂ براءت کی آیت سے واضح طور پر ہو رہی ہے اور سورۂ برأت ان سورتوں میں سے ہے جو آخر میں نازل ہوئیں وہ آیت یہ ہے **وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔**

یعنی تمہارے گردا گرد دیہاتیوں میں سے منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں سے وہ لوگ ہیں جو نفاق میں خوب زیادہ آگے بڑھے ہوئے ہیں آپ انہیں نہیں جانتے۔ ہم انہیں جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں حالانکہ وہ آپ کے پڑوسی تھے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ آیت کی اس واضح تصریح کے بعد پھر بھی یوں کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے سراسر قرآن مجید کا انکار ہے اسی لئے ملا علی قاریؒ مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھتے ہیں۔ **ومن اعتقد تسوية علم الله ورسوله يكفر اجماعا كمالا يخفى** یعنی جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا علم برابر ہے تو بالاجماع اسے کافر کہا جائے گا۔

آج کل ایک ایسی جماعت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے صرف عطائی اور غیر عطائی کا فرق ہے یہ ان لوگوں کی گمراہی ہے۔ ملا علی قاریؒ الموضوعات الکبیر میں بعض ایسی آیات و احادیث درج کرنے کے بعد جن سے رسول ﷺ کے علم کلی کی نفی ہوتی ہے تحریر فرماتے ہیں: **ولاريب ان الحامل لهٰولاء على هذا الغلو اعتقادهم انه يكفر عنهم سيئاتهم ويدخلهم الجنة وكلما غلوا كانوا اقرب اليه واخص به فهم اعصى الناس لامره واشد هم مخالفة لسنته هؤلاء فيهم شبه ظاهر من النصارىٰ الذين غلوا على المسيح اعظم الغلو خالفوا شرعه ودينه اعظم المخالفة والمقصود ان هؤلاء يصدقون بالا حاديث المكذوبة الصريحة ويحرفون الاحاديث الصريحة والله ولى دينه فيقيم من يقوم له بحق النصيحة.**

ترجمہ......... اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کے اعتقاد میں جو غلو ہے اس کی وجہ سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ غلو ان کے گناہ کو معاف کرا دے گا اور انہیں جنت میں داخل کرا دے گا اور جتنا بھی زیادہ غلو کریں گے آنحضرت ﷺ سے قریب تر ہوں گے اور آپ کے مخصوصین میں شمار ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب لوگوں سے بڑھ کر آپ کی نافرمانی کرنے والے ہیں اور آپ کی سنت کی مخالفت میں سب لوگوں سے زیادہ سخت ہیں اور ان لوگوں میں نصاریٰ سے مشابہت ہے جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں بہت زیادہ غلو کیا اور ان کے دین اور شریعت کے بارے میں بہت زیادہ مخالفت کی یہ لوگ صریح جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں کی تصدیق کرتے ہیں اور صحیح احادیث میں تحریف کرتے ہیں۔ اللہ اپنے دین کا ولی ہے وہ ایسے شخص کو مقرر فرماتا ہے جو خیر خواہی کے لئے قائم ہو۔ اھ

بعض جاہل یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ آیات و احادیث سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول ﷺ کو ہر چیز کا علم نہیں دیا گیا تھا لیکن وفات سے تھوڑی دیر پہلے ہر چیز کا علم دے دیا گیا تھا۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ نہ صرف یہ کہ بے دلیل ہے بلکہ احادیث شریفہ کی تصریحات کے خلاف ہے حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں پانی پلانے کے لئے پہلے سے حوض پر پہنچا ہوا ہوں گا جو میرے پاس سے گزرے گا پی لے گا اور جو پی لے گا کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ ضرور ایسا ہوگا کہ کچھ لوگ میرے پاس

آئیں گے جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانتے ہوں گے پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ لگادی جائے گی میں کہوں گا کہ یہ میرے لوگ ہیں جواب میں کہا جائے گا کہ بلاشبہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں نکالی تھیں اس پر میں کہوں گا کہ دور ہوں دور ہوں جنہوں نے میرے بعد ادل بدل کر دیا۔ (اس ادل بدل کرنے میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر قرار دے دیا۔) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۸ از بخاری ومسلم)

نیز شفاعت کے بیان میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں سجدہ میں پڑ جاؤں گا اور اپنے رب کی وہ ثناء وتحمید بیان کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھادے گا جنہیں میں اس وقت نہیں جانتا۔ (ایضاً)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو اس دنیا میں آپ کے علم میں نہیں لائی گئیں وہ وہاں آخرت میں ظاہر ہوں گی اہل بدعت پر تعجب ہے کہ عقیدت کے غلو میں آیات واحادیث کو نہیں مانتے اور دعویٰ ان کا یہ ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ محبت ہے بلکہ اپنے بارے میں یوں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے علاوہ کوئی مسلمان ہی نہیں۔ **ھداھم اللہ تعالٰی الی الصراط المستقیم صراط الذین انعم علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین ۔**

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰٮهَا حَمَلَتۡ

وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اسکا جوڑا بنا دیا تا کہ وہ اسکے پاس ٹھکانہ پکڑے۔ پھر جب اس نے جوڑے کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا

حَمۡلًا خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَٮِٕنۡ اٰتَيۡتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ۝۱۸۹

سا حمل رہ گیا۔ پھر وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں اللہ سے دعا کرنے لگے جوان کا رب ہے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم بچہ عطا فرمادیا تو ہم شکر کرنے والوں میں سے ہوں

فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيۡمَاۤ اٰتٰٮهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝۱۹۰

گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو صحیح سالم بچہ عطا فرمادیا تو جو چیز ان کو عطا فرمائی اس میں اللہ کے لئے شریک قرار دینے لگے، سو اللہ برتر ہے ان کے شریک بنانے سے۔

بیوی قلبی سکون کے لئے ہے

ان آیات میں اول تو اللہ جل شانہٗ نے اولاد آدم کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا۔ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر جب انہوں نے تنہائی محسوس کی اور طبعی طور پر انس والفت کی ضرورت محسوس کرنے لگے تو ان کی بائیں پسلی سے ان کا جوڑا پیدا فرمادیا۔ جس کا نام حوا تھا۔ اس میں جوڑے کی ضرورت ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا تا کہ وہ اپنے جوڑے کے پاس قرار پکڑے۔ تھکا ماندہ اپنے گھر میں آئے تو اپنے گھر کو آرام کی جگہ پائے۔

سورۂ روم میں فرمایا: وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۔ (اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے پیدا فرمائے تا کہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا فرمائی۔ بلاشبہ اس میں فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں)

سورۂ اعراف میں لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا فرمایا اور سورۂ روم میں لِتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ انسان کی ازدواجی زندگی کا مقصد اصلی یہ

ہے کہ ایک دوسرے سے مانوس ہو اور زندگی پرسکون ہو۔ آپس میں محبت اور ہمدردی کے تعلقات ہوں۔ بہت سے مرد عورتوں کے لئے مصیبت بن جاتے ہیں اور بہت عورتیں مرد کے لئے سوہان روح بن جاتی ہیں۔ یہ ازواجی مقصد کے خلاف ہے۔ جن میاں بیویوں میں تلخی ہو، وہاں سکون کہاں؟ اور یہ سکون وہیں ہو سکتا ہے جبکہ خلاف طبع امور میں فریقین تحمل اور برداشت سے کام لیں۔ نکاح کرتے وقت اچھی طرح دیکھ بھال کر نکاح کریں۔ مال اور حسن و جمال ہی نہ دیکھیں، فریقین کی دین داری اور خوش خلقی کو بھی دیکھیں اور یہ بھی دیکھیں کہ آپس میں جوڑ بیٹھے گا یا نہیں؟ دونوں محبت والفت کی راہ پر چل سکیں گے یا نہیں؟ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیغام لائے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دینا اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور (لمبا) چوڑا فساد ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت معقل بن یسار ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت والی ہو جس سے اولاد زیادہ پیدا ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔ (رواہ ابوداؤد)

دونوں میاں بیوی محبت کے ساتھ رہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں اور ایک دوسرے کی رعایت کریں، ناگواریوں سے درگزر کرتے رہیں۔ یہی اسلم طریقہ ہے اور اس میں سکون ہے۔

میاں بیوی آپس میں کس طرح زندگی گزاریں؟ .... حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن بندہ (اپنی) مؤمن (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی کوئی خصلت ناگوار ہوگی تو دوسری خصلت پسند آجائے گی۔ (رواہ مسلم صفحہ ۴۷۵ جلد ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ ؓ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کسی بھی طریقہ پر تیرے لئے سیدھی نہیں ہو سکتی اگر تجھے اس سے نفع حاصل کرنا ہے تو اسی صورت میں حاصل کر سکتا ہے کہ اس کا ٹیڑھا پن باقی رہے اور اگر اسے سیدھی کرنے لگے گا تو توڑ دے گا اور اس کو توڑ دینا طلاق دینا ہے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۴۷۵ جلد ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہل ایمان میں سب سے زیادہ کامل لوگ وہ ہیں جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے سب سے بہتر ہیں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں دے دی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی۔

۱۔ شکر گزار دل، ۲۔ ذکر کرنے والی زبان، ۳۔ تکلیف پر صبر کرنے والا بدن، ۴۔ اور ایسی بیوی جو اپنی جان میں اور شوہر کے مال میں خیانت کرنا نہ چاہتی ہو۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عصمت محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے (جو شریعت کے خلاف نہ ہو) تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۸۱)

یہ چند احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں ان میں آپس کی محبت اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کے اصول بتا دیئے ہیں ان پر عمل کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی سکھ سے رہیں گے اور میاں بیوی بننے کا جو کیف اور سرور ہے اس سے لطف اندوز ہوتے

رہیں گے اور زندگی بھر محبت کے ساتھ نباہ ہوتا رہے گا۔

میاں بیوی میں جو بھی بد اخلاق ہوتا ہے دوسرے کے لئے مصیبت بن جاتا ہے جو مقصد نکاح کے خلاف ہے۔

جَعَلَا لَهُ شُرَكَآءَ فِيمَآ اٰتٰهُمَا سے کون مراد ہیں؟ .... یہ بیان فرمانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا مشرکین کا حال بیان فرمایا جو اولاد کی وجہ سے شرک کی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں، ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهٖ۔

(جب مرد نے عورت کو ڈھانکا یعنی قربت اور مباشرت کی تو حمل رہ گیا، ابتداء یہ حمل خفیف اور ہلکا ہوتا ہے جسے پیٹ میں لے کر عورت آسانی سے چلتی پھرتی ہے)

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ.

(جب حمل کی وجہ سے عورت بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم شکر گزاروں میں سے ہوں گے)

فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيمَآ اٰتٰهُمَا.

(پھر جب ان کے رب نے انہیں صحیح سالم بھلا چنگا بچہ عطا فرما دیا تو اللہ کی اس بخشی ہوئی چیز میں اللہ کیلئے شریک بنانے لگے) فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (سو اللہ ان کے شرک سے برتر ہے) اس میں کن لوگوں کے شرک کا بیان ہے اس کے بارے میں بعض روایات میں یوں ملتا ہے کہ جیسے شروع آیت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہم السلام کا ذکر ہے اس سے حضرت حواء نے اپنے ایک بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا اس سے پہلے بچے زندہ نہیں رہتے تھے، ابلیس نے کہا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کا نام عبدالحارث رکھنا۔ اس طرح وہ زندہ رہے گا۔

مفسر ابن کثیرؒ نے اول تو اس قصہ کو مرفوعاً نقل کیا ہے پھر ابن جریر کے حوالہ سے اس کو حدیث موقوف بتایا ہے اور موقوف ہونے کے بعض شواہد پیش کئے ہیں پھر لکھا ہے کہ یہ روایت موقوف ہے صحابی کا قول ہے۔ ممکن ہے کہ صحابی (سمرۃ بن جندب) نے بعض اہل کتاب سے یہ بات حاصل کی ہو جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسے کعب احبار اور وہب بن منبہؒ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی کچھ اس طرح منقول کیا ہے حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نے اپنے بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا۔ مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ سب اہل کتاب کے آثار سے لیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی بات درست ہے کیونکہ آیت میں تثنیہ کا صیغہ ہے جس میں میاں بیوی دونوں کا ذکر ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک خفی یا جلی کا صدور نہیں ہو سکتا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کا مطلب کیا ہے اور اس میں کن لوگوں کا حال بیان کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرت حسن (بصری) سے منقول ہے کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد عطا فرمائی تو ان کو یہودی اور نصرانی بنا دیا مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں: **وهو من احسن التفاسير و اولىٰ ما حملت عليه الاية.**

(کہ یہ سب سے اچھی تفسیر ہے اور آیت کو اس پر محمول کرنا اولیٰ ہے)

تفسیر در منثور (صفحہ ۱۵۴ جلد ۲) میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ بات نقل کی ہے کہ شرک کرنے والی بات حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق نہیں ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: **عن ابن عباس قال ما اشرك آدم ان اولها شكر و آخرها مثل ضربه لمن**

بعدہ ۔یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے شرک نہیں کیا ان کے بارے میں آیت کا اول حصہ ہے جس میں شکر کا بیان ہے اور بعد کے حصہ میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا جو ان کے بعد آئے (اور شرک اختیار کیا)

اولاد کو شرک کا ذریعہ بنانے کی تردید .... مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں اولاد کی پرورش اور ان کے زندہ رہنے کی امید اور ان کی موت کے ڈر سے ماں باپ افعال شرکیہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں شرک کی ابتداء بچے کے پیدا ہونے کی امید ہی سے شروع ہو جاتی ہے اس کے صحیح سالم پیدا ہونے کے لئے نذریں ماننے لگتے ہیں۔ یہ نذریں غیر اللہ کے لئے بھی ہوتی ہیں۔ پھر جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو شرکیہ نام رکھتے ہیں اور شرکیہ کام کرتے ہیں۔

بعض علاقوں میں اسے چھاج میں رکھ کر گھسیٹتے ہیں اور اس کا نام گھسیٹا رکھ دیتے ہیں۔ یا کسی پیر فقیر کے نام پر کان چھید کر بندا ڈال دیتے ہیں اور لڑکے کا نام بندو رکھ دیتے ہیں اور بعض لوگ قصداً بچوں کے ایسے نام رکھتے ہیں جو برے معنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے کوڑا کڑوا بھینگا۔

ان لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ برا نام رکھیں گے تو لڑکا جیتا رہے گا۔ اور یہ شرکیہ افعال شیطان کے سمجھانے سے اور ہندوؤں کے پاس پڑوس اور ماحول میں رہنے کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں مشرکین عرب شرکیہ نام رکھا کرتے تھے۔ عبداللات، عبدالعزیٰ، عبد مناف، عبد شمس ان جیسے نام ان لوگوں میں رائج تھے۔ نصاریٰ میں اب تک عبدالمسیح رکھنے کا رواج ہے، یہ سب شرک ہے۔ مسلمانوں کے نام ایسے ہونے چاہئیں جن سے عبدیت کا مظاہرہ ہو اور نام سے یہ ٹپکتا ہو کہ یہ اللہ کا بندہ ہے۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے **تسموا باسماء الانبیاء واحب الاسماء الی اللہ عبداللہ و عبدالرحمٰن واصدقھا حارث وھمام و اقبحھا حرب ومرۃ.** (رواہ ابوداؤد)

یعنی نبیوں کے ناموں پر اپنے نام رکھو اور ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عبداللہ، عبدالرحمٰن ہے اور سب سے زیادہ سچا نام حارث (کسب کرنے والا) اور ہمام (ارادہ کرنے والا) ہے اور سب سے برا نام حرب (جنگ) اور مرہ (کڑوا) ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے پہلے لفظ عبد لگا کر اپنے بچوں کے نام رکھیں اور برے ناموں سے پرہیز کریں۔

حضرت مسروق تابعیؒ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں مسروق بن الاجدع ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اجدع شیطان کا نام ہے۔ (رواہ ابوداؤد)

اس کا معنی بھی خراب ہے کیونکہ جس کے ناک، کان کٹے ہوں عربی میں اسے اجدع کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم قیامت کے دن اپنے ناموں اور اپنے باپ دادوں کے ناموں سے بلائے جاؤ گے لہٰذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔ (رواہ ابوداؤد)

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ

کیا وہ لوگ ان کو شریک بناتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں اور وہ ان کی مدد پر قدرت نہیں رکھتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی

يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ

مدد کر سکتے ہیں، اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں گے برابر ہے تم ان کو پکارو

اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ

یا تم خاموش رہو، بے شک تم جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو پھر

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ

وہ تمہاری پکار کو قبول کر لیں اگر تم سچے ہو؟ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں

یَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا

جن سے وہ پکڑتے ہیں یا انکی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں یا انکے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ فرما دیجئے کہ اپنے شریکوں کو بلا لو، پھر میرے بارے

شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ یَتَوَلَّی

میں ضرر پہنچانے کی جو تدبیر کر سکتے ہو کرلو اور پھر مجھے مہلت نہ دو، بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں

الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾

کی مدد فرماتا ہے ، اور جن لوگوں کو اس کے سوا تم پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں ،

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَی الْهُدٰی لَا یَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور اے مخاطب اگر تو ان کو ہدایت کی طرف پکارے تو وہ نہ سنیں گے اور تو سمجھے گا کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں ، حالانکہ وہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔

معبودانِ باطلہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں نہ عبادت گزاروں کی مدد کر سکتے ہیں

اوپر کی آیت میں اولاد کے سلسلہ میں شرک اختیار کرنے کا ذکر تھا ان آیات میں بھی مشرکین کو تنبیہ فرمائی ہے اور شرک اختیار کرنے میں جو انہوں نے حماقت کی ہے اسے بیان فرمایا ہے، اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اس نے سب کچھ پیدا فرمایا جس نے سب کچھ پیدا فرمایا وہی عبادت کے لائق ہے۔ جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود اپنے خالق جل جدہ کی مخلوق ہیں وہ کیسے عبادت کے مستحق ہو گئے؟ مشرکین کا یہ طریقہ ہے کہ جب غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ یہ آڑے وقت میں ان کی مدد کریں گے یہ بھی حماقت کی بات ہے جن کو اللہ کا شریک بناتے ہیں وہاں شرک کرنے والوں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے ان کی مدد کرنا تو درکنار وہ تو اپنی ہی مدد کرنے سے عاجز ہیں اگر کوئی شخص انہیں توڑ دے پھوڑ دے تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ انہوں نے جو مورتیاں بنا رکھی ہیں وہ بے جان صورتیں ہیں نہ اپنے پاؤں سے چل سکتے ہیں، نہ اپنے ہاتھوں سے پکڑ سکتے ہیں، نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے کانوں سے سن سکتے ہیں ان عاجزوں کو اللہ کا شریک بنانا اور ان سے مدد کی امید کرنا سراپا حماقت اور بے عقلی ہے ان کو پکارو تو بات نہ سنیں اور ہدایت کا راستہ بتاؤ تو اسے اختیار نہ کریں اور حال ان کا یہ ہے کہ وہ بظاہر اپنی مصنوعی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور حقیقت میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ ان کی آنکھیں اصلی نہیں ہیں جن سے وہ دیکھیں، اور کان اصلی نہیں ہیں جن سے وہ سنیں، ان بتوں کو خود ہی تراشتے اور خود ہی اٹھاتے اور رکھتے ہیں اور انہیں پوجتے ہیں یہ بڑی حماقت اور شقاوت ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے معبودوں کا عجز ظاہر فرمایا اور ساتھ ہی اپنے نبی ﷺ سے خطاب فرمایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے معبودوں کو بلا لو اور تم سب مل کر مجھے نقصان پہنچانے کی جو تدبیر کر سکتے ہو کرلو اور مجھے ذرا بھی

مہلت نہ دو، مطلب یہ ہے کہ معبودان باطلہ اوران کی پرستش کرنے والے آپ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے مشرکین چونکہ اپنے معبودوں کے شر اور ضرر سے ڈراتے تھے (کمافی سورۃ الزمر ویُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ) اس لئے نبی ﷺ سے ان کو چیلنج دلوایا کہ تم اور تمہارے معبود جو کچھ کر سکتے ہو کرلیں۔ ان لوگوں کا عجز ظاہر فرما کر ساتھ ہی معبود حقیقی کا مددگار رہنا بیان فرمایا کہ اللہ میرا ولی ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ اپنے نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے اوران کی حفاظت اور حمایت فرماتا ہے۔ جو اس کا ہوگیا دنیا وآخرت میں اس کی حفاظت فرماتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ .

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ

معاف کرنے کو اختیار کیجئے اور نیک کاموں کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے کنارہ کیجئے اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے۔ بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اخلاق عالیہ کی تلقین اور شیطان کے وسوسے آنے پر اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کا حکم

پہلی آیت میں تین باتوں کا حکم دیا۔ اول یہ کہ معاف کیا کیجئے۔ دوسرا یہ کہ بھلائی کا حکم کیجئے اور تیسرا یہ کہ جاہلوں سے اعراض کیجئے۔ اس آیت شریفہ میں مکارم اخلاق بیان فرماتے ہیں۔ صحیح بخاری (صفحہ ۶۶۹ جلد ۲) میں حضرت عبداللہ بن الزبیر سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں معافی کو اختیار فرمائیں۔ تفسیر ابن کثیر (صفحہ ۲۲۷ جلد ۲) میں ہے کہ آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل سے سوال فرمایا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ حضرت جبریل نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ پر جو شخص ظلم کرے اس کو معاف فرمائیں اور جو شخص آپ کو نہ دے اس کو عطا فرمائیں اور جو شخص آپ سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑے رکھیں، حضرت عقبہ بن عامرؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کا ہاتھ پکڑا پھر عرض کیا کہ یارسولؐ! مجھے فضیلت والے اعمال بتادیجئے آپ نے فرمایا! اے عقبہ! جو شخص تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑے رہو اور جو شخص تمہیں نہ دے اس کو دیتے رہو اور جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرتے رہو۔ (الترغیب والترہیب ص ۳۴۲ ج ۳)

معاف کرنے کی ضرورت اور فضیلت .... چونکہ انسان مدنی الطبع ہے یعنی اس کا مزاج میل جول والا ہے اس لئے وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ جب مل جل کر رہے گا تو اپنوں سے اور پرایوں سے رشتہ داروں سے اور دوسرے لوگوں سے چھوٹوں سے اور بڑوں سے واسطہ پڑے گا۔ جب مخلوق سے تعلق ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی اور مزاج کے خلاف بھی باتیں پیش آئیں گی، چھوٹوں سے بھی غلطیاں ہوں گی بڑوں سے بھی کوتاہیاں ہوں گی۔ یہ تکالیف ہیں ان پر صبر کرنا اور درگزر کرنا بہت بڑا عمل ہے اگرچہ بعض حالات میں بدلہ لینا بھی جائز ہے۔ لیکن جتنی تکلیف پہنچی ہو اسی قدر بدلہ لیا جا سکتا ہے اگر زیادتی کردی تو اب یہ خود ظالم ہوجائے گا۔

سورۂ شوریٰ میں فرمایا:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ. وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ.

ترجمہ ....اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی برائی، پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا، اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر بدلہ لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں، ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے۔ یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے)

معاف کر دینے کی فضیلت بہت ہے (اور اگر کسی موقع پر معاف کرنا حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو تو دوسری بات ہے) انسان کے نفس میں بدلہ لینے کا جذبہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے معاف کرنا آسان نہیں ہوتا لیکن جس نے نفس پر قابو پالیا اور معاف کرنے پر آمادہ کر لیا اس کے لئے معاف کرنا آسان ہو جاتا ہے، معاف کرنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے لیکن اس کا اجر بھی بہت ہے اور مرتبہ بھی بہت بڑا ہے اسی لئے تو فرمایا ہے فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اور فرمایا وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ جو شخص بدلہ لینے پر قادر نہ ہو معاف کر دینا اس کے لیے بھی بڑے ثواب کی چیز ہے لیکن جو شخص انتقام لینے کی قدرت ہوتے ہوئے بھی معاف کر دے اس کا مرتبہ بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ بن عمران (رسول بنی اسرائیل) علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب! آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جواب دیا کہ جو شخص قدرت رکھتے ہوئے بخش دے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان صفحہ ۳۱۹ جلد ۶)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو معاف فرمانا .... حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔ بھائیوں نے انہیں کنوئیں میں ڈال دیا پھر چند ٹکوں کے عوض انہیں بیچ دیا پھر جب برسوں کے بعد مصر میں ان کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم خطا کار تھے تو انہوں نے جواب میں فرما دیا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔

(یوسف نے فرمایا کہ تم پر آج کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے)

فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کا اہل مکہ سے برتاؤ .... سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ والوں نے کیا کچھ نہ کیا، کیسی کیسی تکلیفیں دیں آپ کو مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ پھر جب آپ فتح مکہ کے موقع پر صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ کیا خیال کرتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا، اہل مکہ نے کہا کہ اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ کہ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے ان کو وہی جواب دیا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو جواب دیا تھا اور فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔

درحقیقت اخلاق عالیہ ہی سے اہل حق جیتتے ہیں اور انہی کے ذریعہ اسلام کی دعوت عام ہوتی ہے۔ اخلاق عالیہ میں معافی اور درگزر کرنے کا بڑا دخل ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جان کے لئے کبھی کسی بارے میں کوئی انتقام نہیں لیا ہاں جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے ان کی بے حرمتی ہوئی تھی تو آپ انتقام لے لیتے تھے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نہ فحش گو تھے اور نہ بتکلف فحش گوئی اختیار کرتے تھے نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف فرماتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے آٹھ سال کی عمر سے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، آپ نے مجھے کسی ایسے

نقصان کے بارے میں ملامت نہیں فرمائی جو میرے ہاتھوں ہو گیا ہوا گر آپ کے گھر والوں میں کوئی شخص ملامت کرنے لگتا تو فرماتے تھے کہ اسے چھوڑ و کیونکہ جو چیز مقدر ہو چکی وہ ہونی ہی تھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) ہم خادم کو کتنی مرتبہ معاف کریں۔ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی، آپ پھر خاموش رہے۔ اس نے تیسری مرتبہ پھر سوال کیا تو آپ نے فرمایا روزانہ ستر بار معاف کرو۔ (رواہ ابوداؤد کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۲۹۲)

فائدہ .... معاف کرنے کی فضیلت اور ضرورت جو اوپر بیان کی گئی اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ بچوں اور خادموں کو شتر بیمہار کی طرح چھوڑ دیا جائے اور ان کی تربیت نہ کی جائے، بلکہ تربیت بھی کی جائے اور درگزر بھی کیا جائے۔ اگر کوئی سزا دی جائے تو اپنا غصہ اتارنے اور انتقام کے لئے نہ ہو بلکہ ان کی خیر خواہی مقصود ہو۔ سوچ سمجھ کر بقدر ضرورت سزا دی جائے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ سزا مفید ہوگی یا مضر اگر بچوں پر قابو نہ کیا جائے تو یہ بھی نیکی نہیں ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **انفق علی عیالک من طولک ولا ترفع عنهم عصاک ادبا واخفهم فی الله** (رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۱۸ جلد ۱)۔ (اور اپنے عیال پر اپنا مال خرچ کرو اور ان سے لاٹھی اٹھا کر مت رکھو جس کی وجہ سے وہ تمہاری گرفت سے مطمئن ہو جائیں اور احکام خداوندی کو فراموش کر دیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام وقوانین کے بارے میں ڈراتے رہو۔ (رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ ص ۱۸ ج ۱)

امر بالمعروف .... آیت بالا میں دوسری نصیحت یوں فرمائی وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ یعنی بھلائیوں کا حکم دینا بھی مکارم اخلاق اور فضائل اعمال اور محاسن افعال میں سے ہے اور دین اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن منکر کی بہت بڑی فضیلت ہے، جس کے بارے میں ہم تفصیل سے سورۂ آل عمران کی آیت: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔

جاہلوں سے اعراض کرنا .... تیسری نصیحت یوں فرمائی وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (اور جاہلوں سے اعراض کرو) یہ بھی بہت اہم نصیحت ہے اور اس پر عمل کرنے سے مؤمن بندہ اپنے نفس کے شر سے اور جاہلوں کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ سوال جواب اہل علم تک محدود رہے تو مناسب رہتا ہے اور جاہلوں سے سوال جواب اور بحث کی جائے تو وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور جاہل اپنی جہالت کی وجہ سے صاحب علم کو خاموش کر کے یہ سمجھتا ہے کہ میں جیت گیا۔ صاحب علم کے اخلاق فاضلہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جاہلوں سے نہ الجھے اور ان سے دور رہے اور جاہل کی طرف سے کوئی زیادتی ہو تو اسے برداشت کرے اور درگزر کر دے۔ عالم اگر جاہل کے جاہلانہ افعال واقوال اور اطوار و عادات کا مقابلہ کرے گا تو علم کا کام چھوڑ بیٹھے گا اور جاہلوں ہی سے بھڑتا رہے گا۔ اگر کوئی جاہل شخص شرعی مسئلہ پوچھے تو اسے بتا دے لیکن اس سے بحث نہ کرے نہ اسے بحث کرنے دے۔ جاہل کو منہ لگانے میں اپنی آبرو کا نقصان ہے اور علمی کاموں سے بھی حرمان ہے۔

شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ لینے کا حکم .... دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کو کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے بلاشبہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے)۔

درمنثور صفحہ ۱۵۴ جلد ۳ میں بحوالہ ابن جریرؒ نقل کیا ہے کہ جب آیت شریفہ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا اے رب! غصہ کی حالت میں کیا کیا جائے (غصہ انتقام پر ابھارتا ہے اور معاف کرنے سے روکتا ہے اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ (آخر تک) نازل فرمائی۔

لفظ نزغ کچوکہ دینے اور ابھارنے اور وسوسہ ڈالنے اور کسی کام پر آمادہ کرنے کیلئے آتا ہے۔ شیطان انسان کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ غصہ اور انتقام پر ابھارتا رہتا ہے اور ایسے وسوسے دل میں ڈالتا ہے کہ انسان معاف کرنے اور درگزر کرنے پر عمل پیرا نہ ہو سکے شیطان کا شر اور وسوسہ دفع کرنے کا یہ علاج بتایا کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگی جائے اس سے شیطان ذلیل ہوگا اور وسوسہ ڈالنے سے پیچھے ہٹے گا۔

سورۂ مؤمنون میں فرمایا وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔ اور آپ یوں کہیے کہ اے رب! میں آپ کی پناہ لیتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے اور اے رب! اس بات سے کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں)

ایمانیات میں وسوسہ آنے پر شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا .... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس شیطان آئے گا سو وہ کہے گا کہ یہ کس نے پیدا کیا، یہ کس نے پیدا کیا، یہاں تک کہ یوں کہے گا کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا۔ سو جب وہ اس سوال پر پہنچ جائے تو یوں کہے اَللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ پھر بائیں طرف تین بار تھوک دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے۔ (رواہ ابوداؤد)

غصہ کا علاج .... حضرت سلیمان بن صردؓ نے بیان فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ دو آدمیوں نے آپس میں گالی گلوچ شروع کردی ان میں سے ایک شخص کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں ایک کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص اسے کہہ لے تو یہ جو کیفیت اپنے اندر محسوس کر رہا ہے (یعنی غصہ) وہ ختم ہوجائے اور وہ کلمہ یہ ہے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے)

صحابہؓ نے رسول اللہ (ﷺ) کی یہ بات اس شخص سے کہہ دی تو اس نے کہا کہ بیشک میں تو نہیں دیوانہ ہوں۔ (رواہ البخاری ص ۹۰۳ ج ۲)

علماء نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ غصہ میں بھرا ہوا تھا جس کی وجہ سے بے ادبی کا کلمہ بول دیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ شخص منافق ہو یا دیہات کا رہنے والا اکھڑ آدمی ہو)

وسوسہ اور غصہ کے دفعیہ کے لئے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ پڑھنا مجرب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

بلاشبہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی خطرہ پہنچ جاتا ہے تو وہ ذکر میں لگ جاتے ہیں۔ سو اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

اور جو لوگ شیاطین کے بھائی ہیں شیاطین ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں، سو وہ کمی نہیں کرتے۔

شیطان سے بچنے والوں اور شیطان کے دوستوں کا طریقہ

آیت بالا وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ میں حکم فرمایا کہ جب شیطان کا وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگئے ان دو آیتوں میں

شیطان سے بچنے والوں اور شیطان سے دوستی کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ جب شیطان ان کے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے اور بہکانے کی کوشش کرے تو فوراً اللہ کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ اس کے عموم میں مطلقاً اللہ کا ذکر کرنا بھی شامل ہے اور اللہ کے عقاب و ثواب کو ذہن میں لا کر شیطان کے وسوسوں سے بچنا اور ان پر عمل کرنا بھی شامل ہے۔ اللہ کا ذکر شیطان کو دور کرنے کے لئے بہت بڑا ہتھیار ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان انسان کے دل پر مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہے۔ سو جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۹۹)

سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں جو مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ○ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ فرمایا اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور (اللہ کا ذکر کرنے پر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔ یعنی تقویٰ اختیار کرنے والے جب شیطان کا وسوسہ آنے پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس سے استعاذہ کرتے ہیں تو اس سے فوراً چونک جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ شیطان کی شرارت فوراً واضح ہو جاتی ہے اور خطا و صواب کا پتہ چل جاتا ہے۔

متقین کا ذکر فرمانے کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو شیطانوں کے بھائی ہیں یعنی ان کے ساتھ ان کا خاص تعلق ہے وہ شیطان کے وسوسوں سے نہیں بچتے۔ بلکہ ان پر عمل کرتے ہیں، جب ان کا یہ حال ہے تو شیاطین ان کو گمراہی میں برابر کھینچے لئے جاتے ہیں اور ان کو گمراہ کرنے اور گمراہی میں آگے بڑھانے کے بارے میں کوتاہی نہیں کرتے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ جس نے شیطان کا تھوڑا سا ساتھ دیا اس کی بات کو مانا تو وہ اس کو برابر گمراہی کے راستہ پر چلاتا رہتا ہے اور اسے دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ

اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہ لائیں تو کہتے ہیں کہ آپ نے یہ معجزہ کیوں نہ اختیار کیا، آپ فرما دیجئے میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب سے میری

رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

طرف وحی کی جاتی ہے، یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں اور ہدایت ہیں اور رحمت ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

فرمائشی معجزات طلب کرنے والوں کو جواب

آنحضرت سرور عالم ﷺ دلائل واضحہ کے ساتھ دعوت حق دیتے تھے حق پہچاننے کے لئے سب سے بڑی چیز دلائل عقلیہ ہی ہیں اس کے باوجود اللہ جل شانہٗ کی طرف سے معجزات کا ظہور بھی ہوتا رہتا تھا لیکن معاندین کہتے تھے کہ جو معجزہ ہم چاہیں ایسا معجزہ ظاہر ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں معجزہ ظاہر کرنا نہ تھا اللہ جل شانہ کی جب مشیت ہوتی تھی تو معجزے ظاہر ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ چاہتا تو لوگوں کے فرمائشی معجزے بھی ظاہر فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں کہ لوگوں کے کہنے کے مطابق معجزہ ظاہر فرمائے پھر ان لوگوں کا فرمائشی معجزہ طلب کرنا بھی عناد اور تعنت کے طور پر تھا۔ حق قبول کرنا مقصود نہ تھا اسی لئے معجزات کو جادو بتا دیتے تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ معجزہ ظاہر ہونے میں دیر ہوئی یا ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر نہ ہوا تو بطور عناد اعتراض کرنے لگے۔

آیت کریمہ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا۔ میں معاندین کا شر پسندانہ اعتراض نقل فرمایا ہے کہ آپ نبوت کے دعویدار

ہیں۔ آپ نے اپنے پاس سے کوئی معجزہ کیوں ظاہر نہ کر دیا یا یہ مطلب تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کیوں یہ بات نہ منوالی تا کہ وہ ہمارا فرمائشی معجزہ ظاہر کر دیتا اس کے جواب میں فرمایا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَایُوْحٰۤی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ۔ (آپ فرما دیجئے کہ میں صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے) مطلب یہ ہے کہ میرا کام تو بس یہ ہے کہ وحی کا اتباع کروں۔ میرے ہاتھ میں معجزوں کا ظاہر کرنا نہیں ہے اور فرمائشی معجزہ ظاہر ہونے پر ایمان قبول کرنے کو موقوف رکھنا حماقت ہے اور ضد و عناد ہے...... بہت سے معجزات ظاہر ہو چکے ہیں لیکن تم ایمان نہیں لاتے

قرآن میں بصیرت کی باتیں ہیں اور وہ رحمت اور ہدایت ہے .... جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لئے قرآن کریم ہی بہت بڑا معجزہ ہے۔ لفظی معجزہ بھی ہے اور معنوی بھی جو حقائق اور معارف پر مشتمل ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے طالب حق کو اور کسی معجزہ کی ضرورت نہیں اسی کو فرمایا ھٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ (یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں) نیز یہ بھی فرمایا کہ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (اور یہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں)

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے احکام و آداب

ان آیات میں قرآن مجید سننے کا حکم فرمایا ہے اور بعض احکام و آداب ارشاد فرمائے ہیں۔ پہلے تو یہ فرمایا کہ جب قرآن پڑھا جائے۔ تو اسے دھیان سے سنو اور خاموش رہو، اول قرآن پڑھنے والے کو چاہئے کہ قرآن پڑھنے میں اس کا خیال رکھے کہ جن کانوں میں آواز پہنچ رہی ہے وہ لوگ کام کاج اور نیند میں مشغول نہیں ہیں۔ اگر لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہوں یا سو رہے ہوں تو اونچی آواز میں تلاوت نہ کرے کیونکہ کام میں لگے ہوئے لوگ قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ پڑھنے والے پر لازم ہے کہ ایسی صورت حال پیدا نہ کرے کہ حاضرین کے کانوں میں قرآن مجید کی آواز آ رہی ہو اور کام کاج کی مشغولیت کی وجہ سے قرآن مجید سننے کی طرف توجہ نہ کر سکیں۔ قاری جب یہ دیکھے کہ توجہ سے سننے والے موجود ہیں تو زور کی آواز سے تلاوت کرے، جو لوگ مشغول نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ خاموش رہیں اور دھیان لگا کر سنیں اگرچہ سمجھتے بھی نہ ہوں۔ قرآن پڑھا جا رہا ہو اور باتیں کر رہے ہیں یہ قرآن مجید کی بے ادبی ہے یہ حکم کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموش رہو اور دھیان سے سنو نماز اور خارج نماز دونوں کو شامل ہے جو لوگ امام کے پیچھے نماز میں کھڑے ہوں ان کے لئے تو غافل ہونے کا موقع ہی نہیں ہے۔ کاروبار اور دوکان چھوڑ کر آتے ہیں مسجد میں موجود ہیں اور جب تک نماز میں ہیں دنیا کا کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ پھر امام کی قرأت کی طرف متوجہ نہ ہوں تو یہ سخت محرومی کی بات ہے۔

امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب .... حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا کوئی سورت پڑھنا ممنوع ہے۔

آیت بالا میں قرآن مجید کی تلاوت کے سننے اور تلاوت کے وقت خاموش رہنے کا جو حکم فرمایا ہے یہ حکم نماز کی مشغولیت کے وقت کو اور خارج نماز کو عام ہے نیز صحیح مسلم صفحہ ۱۷۴ جلد ۱ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: واذا قرأ فانصتوا (کہ جب امام پڑھے تو خاموش رہو) امام مسلم نے نہ صرف اس حدیث کی تخریج کی بلکہ بالتصریح یہ بھی فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے الفاظ بھی عام ہیں۔

جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہیں۔

امام کے پیچھے قراءت نہ پڑھنے کے بارے میں حضرات صحابہ کے ارشادات .... حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار واقوال سے بھی امام ابوحنیفہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حضرت عطاء بن یسار تابعیؒ نے امام کے ساتھ قراءت پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: **لا قراءة مع الامام فی شیء** (صحیح مسلم صفحہ ۲۱۵ جلد ۱) یعنی امام کے ساتھ نماز میں کوئی بھی قراءت نہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **من صلّی رکعة لم یقرأ فیھا باُمّ القراٰن فلم یصل الّا ان یکون وراء الامام** (سنن ترمذی: باب ما جاء فی ترک قراءة خلف الامام اذا جہر بالقراءة)

یعنی جس شخص نے کوئی رکعت پڑھی جس میں ام قرآن (سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو (اگر امام کے پیچھے ہو تو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ **لاصلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب** تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے (**قال احمد وھذا رجل من اصحاب النبی ﷺ تأول قول النبی ﷺ لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ**۔

شرح معانی الآثار للامام الطحاوی (**باب القرءاة خلف الامام**) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ **من قرأ خلف الامام فلیس علی الفطرة** (کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت پڑھے وہ فطرت پر نہیں ہے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا **انصت للقرأة فان فی الصلوٰة شغلا فسیکفیک ذلک الامام** (قرأت کے لئے خاموش ہو جاؤ کیونکہ نماز میں مشغولیت ہے اور اس بارے میں امام تمہاری طرف سے کافی ہے) نیز حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: **لیت الذی یقرء خلف الامام ملئی فمه ترابا** (کاش اس کے منہ میں مٹی بھر دی جاتی جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابو جمرہ نے دریافت کیا کیا امام کے پیچھے پڑھوں؟ تو جواب میں فرمایا کہ نہیں، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے، جب ان سے پوچھا گیا کہ امام کے پیچھے پڑھا جائے تو فرمایا:

اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبه قراءة الامام۔ یہ سب آثار شرح معانی الآثار میں مروی ہیں۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مذہب .... اب دیگر ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذاہب کی طرف رجوع فرمایئے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب بھی یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا کوئی سورت پڑھنا واجب نہیں ہے اور حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم یہ تھا کہ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت واجب نہیں ہے اور قرأت سری میں واجب ہے اور ان کا قول جدید یہ ہے کہ سری نماز ہو یا جہری مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ (**کما ذکر فی کتاب مذھبھم**)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب آیت قرآنیہ اور حدیث صحیح اور آثار صحابہ سے موید ہے اور حضرت امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی امام کے پیچھے پڑھنے کی فرضیت کے منکر ہیں (ان کے نزدیک امام کے پیچھے نہ سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور نہ کوئی دوسری سورت، البتہ احوال میں ان کے نزدیک سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔ (**کماذکر فی کتاب مذھبھم**) **قال ابن قدامة الحنبلی فی المغنی صفحه ۶۰۰ جلد ۱ والمأموم اذا سمع قرأة الامام فلا یقرء بالحمد ولا بغیرھا لقول الله تعالیٰ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ولما روی ابوھریرة رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال :**

مالی أنازع القرآن قال: فانتهی الناس أن یقرء وافیما جهر فیه النبی صلی الله علیه وسلم. وجملة ذلک ان المأموم اذا کان یسمع قراءة الامام لم تجب علیه القرأة ولا تستحب عندامامنا والزهری والثوری ومالک وابن عیینة وابن المبارک واسحاق واحد قولی الشافعی ونحوه عن سعید ابن المسیب وعروة بن الزبیر وأبی سلمة بن عبدالرحمن وسعید بن جبیر وجماعة من السلف، والقول الأخر للشافعی یقرأ فیمایجهر فیه الامام ونحوه عن اللیث والأوزاعی وابن عون و مکحول وأبی ثور لعموم قوله علیه السلام "لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب "متفق علیه ولنا قول الله تعالیٰ: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ قال احمد فالناس علی أن هذا فی الصلاة. وعن سعید بن المسیب والحسن وابراهیم و محمد بن کعب والزهری أنها نزلت فی شان الصَّلاة. وقال زید بن أسلم وابو العالیة کانو ا یقر ء و ن خلف الامام فنزلت واِذَا قُرِئَ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلکم ترحمون ط وقال احمد فی روایة ابی داؤد أجمع الناس علی أن هذه الأیة فی الصلاة ولأنهٗ عام فیتأول بعمومه الصلوٰة، وروی ابوهریرة قال: قال رسول الله صلی علیه وسلم انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا، واذا قرأ فانصتوا "رواه مسلم (الی ان قال) قال أحمد ما سمعنا احدمن اهل الاسلام یقول ان الامام اذا جهر بالقرء ة لا تجزئ صلاة من خلفه اذالم یقرأ، وقال هذا النبی صلی الله علیه وسلم وأصحابه والتابعون وهذا مالک فی اهل الحجاز وهذا الثوری فی اهل العراق وهذاالاوزاعی فی اهل الشام وهذااللیث فی أهل مصر ما قالوالرجل صلی وقرأ امامهٗ ولم یقرأ هو صلاتهٗ باطلة ولا نها قراءة لا تجب علی المسبوق فلم تجب علی غیره کالسورة، فاما حدیث عبادة الصحیح فهو محمول علی غیر المأموم، وکذٰلک حدیث ابی هریرة قد جآء مصرحا بهٖ رواه الخلال باسنادهٖ عن جابر أن النبی صلی الله علیه وسلم قال کل صلوٰة لا یقرأ فیها بأم القرآن فهی خداج اِلا أن تکون ورآء الامام، وقدروی ایضاً موقوفاً عن جابر، وقول ابی هریرة اقرأبها فی نفسک من کلامهٖ وقد خالفه جابر وابن الزبیر وغیرهما ثم یحتمل انه اراد اقرأبها فی سکتات الامام أوفی حال اسراره فانهٗ یروی أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: اِذا قرأ الامام فانصتوا، والحدیث الأخر وحدیث عبادة الأخر فلم یروه غیر ابن اسحاق کذٰلک قاله الامام أحمد وقد رواه ابو داؤد عن مکحولٍ عن نافع بن محمود بن الربیع الانصاری وهوادنی حالا من ابن اسحاق فانه غیر معروف من اهل الحدیث وقیاسهم یبطل بالمسبوق (ثم قال بعد سطور) الاستحباب ان یقرأفی سکتات الامام وفی مالا یجهر فیه (الی ان قال) فان لم یفعل فصلاتہ تامة لان من کان له امام فقرأة الامام لهٗ قراءة، وجملة ذلک ان القراءة غیر واجبة علی المأموم فیما جهر به الامام ولا فیما اسربه نص علیه احمد فی روایة الجماعة، وبذالک قال الزهری والثوری وابن عیینه ومالک وابوحنیفة واسحاق. اھ(علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے المغنی میں کہا ہے کہ مقتدی جب امام کی قرآت سن رہا ہو تو نہ فاتحہ پڑھے اور نہ کوئی اور سورۃ وغیرہ پڑھے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو اور حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کی وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کیا میرے ساتھ قرآن کریم میں جھگڑا کیا جاتا ہے...... حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اس کے بعد لوگ ان نمازوں میں فاتحہ پڑھنے سے رک گئے جن میں حضور ﷺ جہر سے تلاوت فرماتے تھے۔ اور اسی کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی جب امام کی قراءت سنے تو اس پر قراءت واجب نہیں ہے اور نہ مستحب ہے ہمارے امام کے نزدیک اور زہری، ثوری، مالک، ابن عیینہ، ابن المبارک، اسحٰق اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق اسی طرح ہے اور حضرت سعید بن المسیب، عروۃ ابن الزبیر، ابو سلمہ اور سعید بن جبیر اور سلف کی ایک

جماعت سے بھی یہی مروی ہے اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ جس نماز میں امام جہر کرے اس میں بھی مقتدی پڑھے اور اسی طرح منقول ہے، حدیث اوزاعی، ابن عون، مکحول اور ابوثور سے حضور ﷺ کے ارشاد لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب (اس کی نماز نہیں ہے جو فاتحہ نہ پڑھے) کے عام ہونے کی وجہ۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے و اذا قری ٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ امام احمد فرماتے ہیں عام اہل علم اسی پر ہیں کہ یہ حکم نماز کے بارے میں ہے۔ حضرت سعید بن المسیب، حسن، ابراہیم، محمد بن کعب، زہری سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی اور زید بن اسلم اور ابوالعالیہ فرماتے ہیں لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امام ابوداؤد کی روایت کے مطابق سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ یہ آیت عام ہے جو نماز کو بھی شامل ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا امام اسی لئے بنایا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ (رواہ مسلم) یہ بھی کہا ہے کہ امام احمد کہتے ہیں ہم نے اہل اسلام میں سے کسی سے یہ نہیں سنا ہے کہ امام جب جہر سے قراءت کرے تو قراءت نہ کرنے والے مقتدی کی نماز نہیں ہوتی اور کہا کہ یہ حضور ﷺ ہیں اور یہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور تابعین ہیں یہ امام مالکؒ ہیں حجاز میں، اور اہل عراق میں امام ثوریؒ ہیں اور اہل شام میں اوزاعیؒ ہیں اور اہل مصر میں لیثؒ ہیں کہ انہوں نے امام کی قراءت کے پیچھے قراءت نہ کرنے والے کسی آدمی کو یہ نہیں کہا کہ تیری نماز باطل ہے۔ اور اس لئے بھی مقتدی پر واجب نہیں کہ مسبوق پر واجب نہیں ہے تو سورۃ کی طرح دوسروں پر بھی واجب نہیں ہے۔ حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ والی حدیث صحیح وہ منفرد کے لیے ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو اس کی صراحت ہے خلال نے اپنی سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر وہ نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو یہ ہے کہ اسے اپنے دل میں پڑھ یہ ان کا اپنا قول ہے۔ کیونکہ حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہ نے اس کی مخالفت کی ہے، پھر یہ احتمال ہے کہ آپ کا مقصد یہ ہو کہ امام جب سکتہ کرے تو اس میں پڑھ لو یا اس کی خاموشی کے وقت پڑھ لے کیونکہ انہوں نے ہی روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو اور دوسری حدیث اور حضرت عبادۃ کی دوسری حدیث اسے ابن اسحٰق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔ امام احمد نے بھی یہی کہا ہے اور ابوداؤد عن مکحول عن نافع بن محمود بن الربیع الانصاری والی جو روایت ہے وہ ابن اسحٰق سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ کیونکہ وہ محدثین میں غیر معروف ہے اور ان کا مسبوق پر قیاس باطل ہے (کچھ سطروں کے بعد ہے) کہ مستحب یہ ہے کہ امام کے سکتوں میں پڑھے اور غیر جہری میں پڑھے...... اگر ایسا نہ کرے تو بھی نماز تمام ہو جائے گی کیونکہ جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لئے کافی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مقتدی پر قراءت واجب نہیں ہے نہ جہری نمازوں میں نہ سری میں ایک پوری جماعت کی روایت کے مطابق امام احمد نے اسی کی صراحت کی ہے اور قول ہے زہری، ثوری، ابن عیینہ، مالک اور ابوحنیفہ اور اسحٰق کا)۔

حضرت امام شافعیؒ کا قول جدید بعض جماعتوں نے اختیار کر لیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز ہوتی ہی نہیں۔ دیگر مسائل اختلافیہ کی طرح اس مسئلہ میں بھی صحابہؓ کے درمیان اختلاف تھا...... دونوں طرف دلائل ہیں پھر اس میں اتنا غلو کرنا کہ جو حضرات فاتحہ خلف الامام کی فرضیت کے قائل نہ ہوں (جن میں حضرت امام احمد بن حنبل بھی ہیں جو جماعت مذکورہ کے نزدیک امام الحدیث اور امام السنۃ ہیں) ان کو خطا کار بتانا اور جو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کے بارے

میں قسمیں کھا کھا کر یہ کہنا کہ ان کی نماز ہوتی ہی نہیں سراسر تعدی ہے۔ قیامت کے دن جب نمازوں کا اجروثواب ملے گا تو ان سے پوچھا بھی نہ جائے گا کہ بتاؤ جس نے تمہاری رائے کے مطابق نماز نہ پڑھی اسے جنت میں بھیجا جائے گا یا نہیں؟

فائدہ .... جب قرآن مجید پڑھا جائے نماز کے اندر ہو یا نماز سے باہر اس کے بارے میں حاضرین کو حکم دیا کہ قرآن کو سنیں اور خاموش رہیں یہ قرآن کا ادب ہے اور احترام ہے۔ جس طرح سامعین کو حکم ہے کہ قرآن سنیں اور کان دھریں اور خاموش رہیں اس طرح حضرات فقہاء کرام نے قرآن پڑھنے والے کو بھی ہدایت دی ہے جہاں لوگ کام کاج اور کاروبار میں لگے ہوئے ہیں وہاں زور سے قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے یہ جو لوگوں نے طریقہ نکال رکھا ہے کہ ایسے مواقع میں کیسٹ یا ریڈیو کھول دیتے ہیں جہاں قرآن سننے کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتے یا شبینوں میں لاؤڈ اسپیکر لگا کر محلوں میں بازاروں میں قرآن مجید کی آواز پہنچاتے ہیں اس میں قرآن مجید کی بے ادبی ہے، جہاں لوگ سو رہے ہیں وہاں بھی زور سے تلاوت نہ کریں۔

آیت کے ختم پر جو لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرآن کے آداب بجالائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے اس سے بات کا دوسرا رخ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کی بے حرمتی اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اسکی گرفت کا سبب ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ

اور اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے اپنے رب کو یاد کیجئے جو زور کی بات سے کچھ کم ہو صبح کے وقت اور شام کے اوقات

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

میں، اور غفلت والوں میں سے مت ہو جانا۔ بے شک جو لوگ آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے

وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ ع

اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

ذکر اللہ کا حکم اور اس کے آداب

اس سے پہلی آیات میں قرآن مجید کو بصائر اور ہدایت و رحمت بتایا اور قرآن کا ادب سمجھایا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو دھیان سے سنو اور چپ رہو، اب یہاں مطلق ذکر کا حکم ہے اور اس کے بعض آداب بتائے ہیں۔ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ اسی کی وجہ سے ساری دنیا آباد ہے۔ صحیح مسلم صفحہ ۸۴ جلد ا میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا نماز بھی اللہ کے ذکر کے لئے ہے کما قال تعالیٰ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔

سورۂ عنکبوت میں فرمایا: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے) سورۂ بقرہ میں فرمایا (فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو) صحیح مسلم صفحہ ۱۶۲ جلد ا میں ہے۔ كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللّٰه علی کل احیانہ (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے) مؤمن بندے دل کو بھی اللہ کے ذکر سے معمور رکھیں اور زبان سے بھی اللہ کی یاد میں مشغول رہیں۔ تسبیح، تحمید، تہلیل یہ سب اللہ کا ذکر ہے ان کی فضیلتیں بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ اگر زندگی کے مختلف اوقات میں متعلقہ مسنون دعائیں

۲۴ ع ۱۴ الثلثۃ، السجدۃ

پڑھیں اور ان دعاؤں کا اہتمام کریں تو زندگی کے عام حالات میں اور مختلف اوقات میں اللہ کی یاد ہوتی رہے گی، سوتے، جاگتے، کھاتے پیتے وقت، گھر سے نکل کر اور گھر میں داخل ہو کر اور کپڑا پہنتے وقت، سواری پر سوار ہوتے وقت، سفر کے لئے روانہ ہوتے وقت، کسی منزل پر اترنے کے بعد، جہاد کرتے وقت ابتلاء مصائب کے مواقع میں بازار میں پہنچ کر، اور ہر مجلس میں وہ دعائیں پڑھی جائیں جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں اور صبح شام کے اوقات کو خاص طور پر ذکر میں مشغول رکھا جائے۔ ان اوقات کی مسنون دعائیں بھی اہتمام سے پڑھی جائیں، علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے حصن حصین میں مختلف احوال واوقات کی دعائیں لکھ دی ہیں اور راقم الحروف نے بھی اپنی کتاب فضائل دعاء میں جمع کر دی ہیں۔ تلاوت بھی ذکر ہے اور دعا بھی تہلیل، تسبیح، تحمید، تکبیر بھی ذکر ہے اور درود شریف بھی ذکر میں شامل ہے کیونکہ اس میں اللہ سے سوال کیا جاتا ہے کہ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت بھیجے، استغفار بھی ذکر ہے ان سب چیزوں میں مشغول رہنا چاہیے۔

ذکر خفی کی فضیلت......... اللہ کا ذکر آہستہ آہستہ کرنا افضل ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ خیر الذکر الخفی (کہ بہتر ذکر وہ ہے جو پوشیدہ ہو) (رواہ احمد فی مسندہ ص ۱۷۲ ج ۱ عن سعد بن مالک مرفوعا) اور صرف دل دل میں بلا حرکت زبان اللہ کی ذات وصفات کا دھیان کرنا جسکو تفکر و مراقبہ کہا جاتا ہے یہ بھی ذکر خفی ہے۔ ذکر پوشیدہ ہو اور تضرع اور زاری کے ساتھ ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ہو اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے، اور زور سے ذکر کرنا بھی درست ہے لیکن ایسا نہ چیخے کہ جان کو تھکا ڈالے۔ بلند بھی ہو تو ہلکی آواز سے ہو اسی کو فرمایا وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ایک مرتبہ سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے لوگوں نے زور زور سے اللہ اکبر کہنا شروع کیا، آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم ایسے معبود کو نہیں پکار رہے ہو جو بہرا اور غائب ہو، تم ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سمیع ہے اور بصیر ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے، قسم اس ذات کی جسے تم پکار رہے ہو وہ تم سے اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنی قریب تمہاری اونٹنی کی گردن ہے، یہ بیان فرما کر حضرت ابوموسیٰ نے بیان فرمایا کہ میں آپ کے پیچھے تھا اور دل میں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن قیس (یہ ابوموسیٰ کا نام ہے) کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ بتا دوں؟ پھر فرمایا کہ وہ خزانہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۰۱ از بخاری و مسلم)

ذکر جہر کرنے میں یہ بھی دھیان رہے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو اور سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہر نیک کام اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہیے جو بھی کوئی کام دکھاوے کے لئے مخلوق کو معتقد بنانے کے لئے یا اپنی بزرگی جمانے کے لئے ہو گو بظاہر نیک ہی ہو وہ حقیقت میں نیک نہیں ہوتا اور نہ صرف یہ کہ اس کا ثواب نہیں ملتا بلکہ وبال اور عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص (احکام و آداب کی رعایت کرتے ہوئے) زور سے ذکر کرے لیکن مقصود اللہ کی رضا ہو تو اس کا ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص ذکر خفی کرے اور پھر ترتیب سے لوگوں کو ظاہر کر دے تا کہ لوگ اس کے معتقد ہوں تو ایسا ذکر خفی بھی مقبول نہیں ہو گا اور یہ عمل باعث مواخذہ ہو گا، ریاکاری کا تعلق اندر کے جذبہ سے ہے لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام ریا نہیں ہے بلکہ لوگوں میں عقیدت جمانے کے جذبہ کا نام ریا ہے۔ آیت شریفہ میں اول تو یہ فرمایا کہ اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اپنے دل میں اور ڈرتے ہوئے یاد کرو پھر یہ فرمایا کہ ایسی آواز سے یاد کرو جو زور کی آواز کی نسبت کم آواز ہو۔

صبح شام اللہ کا ذکر کرنا......... پھر فرمایا: بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔ کہ صبح و شام اپنے رب کو یاد کرو، صاحب روح المعانی صفحہ ۱۰۰

جلد ۹ لکھتے ہیں کہ صبح و شام کا خصوصی ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہ فراغت کے اوقات ہیں۔ ان اوقات میں دل کی توجہ ذکر کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان اوقات میں فرشتوں کا آنا جانا ہوتا ہے ایک جماعت آتی ہے دوسری جاتی ہے اس لئے ان اوقات کو خاص طور سے ذکر فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دوام ذکر مراد ہے کہ ہر وقت ذکر کرو۔

غافلوں میں نہ ہو جاؤ......... پھر فرمایا: وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ (غفلت والوں میں نہ ہو جانا) یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے رہنا اور اس کی یاد سے غافل نہ ہونا۔

فرشتوں کی تسبیح اور عبادت......... اس کے بعد اللہ جل شانہٗ نے ملاء اعلیٰ کے فرشتوں کی تسبیح اور عبادت کا ذکر فرمایا کہ بلاشبہ جو تیرے رب کے مقرب بندے ہیں وہ اپنے رب کی عبادت سے استکبار نہیں کرتے یعنی اپنی ذات کو بڑی نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے اللہ کی عبادت سے روگردانی کریں، وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ جانتے اور مانتے ہیں اور بندگی کے آداب بجالاتے ہیں اور اپنی مملوکیت اور عاجزی کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کے لئے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اسی کو سورۂ نساء میں یوں بیان فرمایا: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا۔

ترجمہ......... مسیح نے اور مقرب فرشتوں نے ہرگز اس سے استنکاف نہیں کیا کہ اللہ کے بندے بنیں، اور جو شخص اس کی عبادت سے استنکاف کرے گا تو وہ انہیں عنقریب دوزخ میں جمع فرمادے گا (استنکاف کا معنی یہ ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھے اور کسی کام کو اپنی شان کے خلاف جانے)

سجدہ تلاوت کا بیان......... اس آیت پر سورۂ اعراف ختم ہو رہی ہے اور یہ پہلی جگہ ہے جہاں قرآن مجید میں سجدہ تلاوت آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرات ملائکہ علیہم السلام کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے اندر بڑائی نہیں کرتے جس کی وجہ سے اپنے رب کی عبادت سے منہ موڑیں بلکہ وہ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور مؤمن بندوں کے لئے سجدہ تلاوت مشروع فرمایا تاکہ وہ بھی ملاء اعلیٰ کے رہنے والوں کی موافقت میں سجدہ ریز ہو جائیں، یہ سجدہ تلاوت شیطان کے لئے بہت بڑی مار ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا وہاں سے ہٹ جاتا ہے کہتا ہے کہ ہائے میری بربادی ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کرلیا لہٰذا اس کے لئے جنت ہے، اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا اور میں نے انکار کیا لہٰذا میرے لئے دوزخ ہے۔ (رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۸۴ جلد ۱)

مسئلہ......... سجدۂ تلاوت کرنے میں تکبیر تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھانا نہیں ہے، بلکہ اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں چلا جائے اور ایک سجدہ کر کے تکبیر کہتے ہوئے، سر اٹھالے اس میں تشہد اور سلام نہیں ہے۔

مسئلہ......... جیسے آیت سجدہ پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہوتا ہے ایسے ہی سننے والے پر بھی واجب ہوتا ہے اگر چہ اس نے ارادہ کر کے نہ سنا ہو، البتہ تلاوت کرنے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ آیت سجدہ حاضرین کے سامنے زور سے نہ پڑھے۔ ہاں اگر حاضرین سننے ہی کے لئے بیٹھے ہیں تو سجدہ تلاوت زور سے پڑھ دے۔

سجدۂ تلاوت کی دعا

سجدہ تلاوت میں اگر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ تین مرتبہ کہے تو یہ بھی درست ہے اور اگر دعاء ماثور پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔ دعا ماثور یہ ہے۔ سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی کما فی المشکوٰۃ ص ۹۴) میرے چہرہ نے اس ذات کے لئے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا فرمایا اور اس میں سے کان اور آنکھ نکال دیئے اپنی قدرت سے۔

تم تفسیر سورۃ الاعراف بحمداللہ تعالیٰ وحولہ وقوتہ وتوفیقہ وتیسیرہ ولہ الحمد اولا واخرا۔

مدنی	سورۂ انفال	۷۵ آیتیں ۱۰ رکوع

(۸) سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ (۸۸) اٰیَاتُهَا ۷۵ رُکُوْعَاتُهَا ۱۰

سورۂ انفال مدینہ میں نازل ہوئی اس میں پچھتر آیات اور دس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا

یہ لوگ آپ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ انفال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہیں۔ سوتم اللہ سے ڈرو، اور آپس

ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

میں تعلقات کو درست کرو، اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

اَنفال یعنی مال غنیمت کا بیان

لفظ انفال نفل کی جمع ہے، نفل لغت میں شئ زائد کو کہتے ہیں اسی لئے فرائض کے علاوہ جو نمازیں پڑھی جائیں اور روزے رکھے جائیں انہیں نفل کہا جاتا ہے۔ کیونکہ نوافل اس عمل سے زائد چیز ہے جس کا لازمی طور پر حکم دیا گیا ہے۔ جہاد کے موقعہ پر جو دشمنوں کے اموال ہاتھ آجائیں جنہیں مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ یہاں اَنفال سے وہ مراد ہیں اور امیر لشکر جو غازی کے لئے اس کے مقرر حصہ سے زائد دینے کا اعلان کر دے۔ اس کو بھی نفل کہا جاتا ہے، مسلمان کی جنگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہوتی ہے وہ مال کے لئے نہیں لڑتا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ جو مال غنیمت میں حصہ مل جائے وہ اللہ تعالیٰ کا مزید انعام ہے اس لئے اس کو انفال کہا جاتا ہے۔

گزشتہ امتوں میں اموال غنیمت کا حکم .... پہلی امتوں میں جب کافروں سے جنگ ہوتی تھی اور ان کے ہاتھ مال آتے تھے انہیں آپس میں بانٹنے اور استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ آسمان سے آگ آتی تھی اور اسے جلا دیتی تھی، اور یہ اس بات کی دلیل ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مجاہدین کا جہاد قبول ہوگیا۔ اگر مال غنیمت جمع کر کے رکھ دیا جاتا اور آگ نازل نہ ہوتی تو سمجھا جاتا تھا کہ اس مال میں سے کسی نے کچھ غلول کیا ہے، یعنی چھپا کر کچھ مال لے لیا ہے۔

ایک نبی کے جہاد کا واقعہ .... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک نبی نے جہاد فرمایا اور فتح کے بعد اموال غنیمت جمع کئے گئے۔ اس کے بعد آگ آئی تا کہ ان کو کھا جائے مگر آگ نے اس کو نہ کھایا یعنی نہیں جلایا۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم میں سے کسی نے خیانت کی ہے لہٰذا ہر قبیلہ کا ایک آدمی مجھ سے بیعت کرے، بیعت کرتے

کرتے ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک کر رہ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم ہی لوگوں میں سے کوئی شخص خیانت کرنے والا ہے۔ اس کے بعد وہ لوگ بیل کے سر کے برابر سونا لے کر آئے اور اس کو مال غنیمت میں ملا کر رکھ دیا تو آگ آئی اور اس نے تمام مال غنیمت کو جلا دیا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۴۴۰ جلد ۱)

اموالِ غنیمت کا حلال ہونا امتِ محمدیہ ﷺ کی خصوصیت ہے .... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی۔ ایک: یہ کہ مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے (جو الفاظ مختصر ہوں اور بہت سے معانی پر دلالت کرتے ہوں انہیں جوامع الکلم کہا جاتا ہے)۔ دوسرے: رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی (کہ دور دور تک دشمن ہیبت کھاتے ہیں اور مرعوب ہوتے ہیں) تیسرے: اموال غنیمت میرے لئے حلال کر دیئے گئے۔ (جو دوسری امتوں کے لئے حلال نہ تھے)۔ چوتھے: پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ بنا دی گئی اور طہارت کی جگہ بنا دی گئی (جہاں وقت ہو جائے نماز پڑھ لیں مسجد کی کوئی قید نہیں اور پانی نہ ملے تو تیمم کر لیں)۔ پانچویں: میں ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا (آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے) چھٹے میرے آنے پر نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی۔ (رواہ مسلم)

اموالِ غنیمت کی تقسیم میں اختلاف اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ .... تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۶۰ جلد ۹ میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بدر میں جو اموال غنیمت حاصل ہوئے تھے ان کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یہ کس طرح تقسیم کئے جائیں؟ ان کے بارے میں مہاجرین کا فیصلہ معتبر ہوگا یا انصار کا یا دونوں جماعتوں کا؟ اس پر آیت بالا نازل ہوئی ان حضرات کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۔ (آپ فرما دیجئے کہ اموال غنیمت اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کے لئے ہیں) جس کا مطلب یہ ہے کہ غنائم کا فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے صادر ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے اس بارے میں کسی کی رائے کو کوئی دخل نہیں چنانچہ بعد میں ان کی تقسیم کا طریقہ بیان فرما دیا جو آیت کریمہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ میں مذکور ہے۔

اللہ سے ڈرنے اور آپس کے تعلقات درست رکھنے کا حکم .... یہ ارشاد فرما کر کہ "انفال اللہ اور اسکے رسول ہی کے لئے ہیں" تین باتوں کا حکم فرمایا۔ اول: یہ کہ اللہ سے ڈرو۔ دوم: یہ کہ اپنے آپس کے تعلقات کو درست رکھو۔ سوم: یہ کہ اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ یہ تینوں نصیحتیں ایسی ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے آخرت میں بھی کامیابی ہوگی کیونکہ تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں گناہوں سے پرہیز رہے گا اور آپس کی اصلاح کرنے سے حسد اور بغض اور نزاع و جدال سے سلامتی رہے گی، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا جو حکم فرمایا یہ تعمیم بعد التخصیص ہے جو تمام اوامر و نواہی کو شامل ہے۔ اطاعت ہی تو ایمانیات کی روح ہے، اسمیں ہر برائی کی کاٹ ہے،

اَنفال کے دوسرے معنی .... بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں انفال کے دوسرے معنی مراد ہیں اور وہ یہ کہ جب امیر لشکر یوں اعلان کر دے کہ جو شخص کسی کافر کو مار دے تو اس کافر کا سامان قاتل ہی کو دیا جائے گا یا کسی چھوٹے سے فوجی دستہ کو بڑے لشکر سے انتخاب کر کے کسی خاص جانب جہاد کے لئے بھیج دے اور یہ اعلان کر دے کہ وہاں سے جو مال غنیمت ملے گا وہ تم ہی لوگوں کا ہوگا اس میں سے خمس یعنی ۱/۵ حصہ نکال کے سب تم ہی کو دیا جائے گا ...... یہ جو علیحدہ سے مخصوص کرنے کا اعلان ہے۔ یہ تنفیل ہے اور جو مال ان لوگوں کو دینے کا اعلان کر دیا جائے وہ نفل ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے بعض واقعات انفال کے بارے میں پیش

آئے تھے اور صحابہؓ میں اختلاف ہو گیا تھا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (راجع تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۲) جن حضرات نے اس قول کو اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ میں لفظ عن زائد ہے اور يَسْئَلُوْنَ بمعنی يطلبون ہے لیکن عَنْ کو زائد کہنے والی بات دل کو نہیں لگتی۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ

ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کے

اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں،

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور مغفرت ہے اور رزق کریم ہے۔

اہلِ ایمان کے اوصاف کا بیان

ان آیات میں اہل ایمان کے چند اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں......... اول: یہ فرمایا کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے دلوں پر اللہ کی عظمت ایسی چھائی ہوئی ہے کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ہیبت اور خوف کی وجہ سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں، مؤمن بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رہتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے تو اللہ کی یاد سے اس کے دل کو اطمینان ہوتا ہے اور جب اس کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کی وجہ سے اس کے دل میں خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ وہی خوف تو ہے کہ جب وہ کسی ظلم یا گناہ کا ارادہ کرے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ اللہ سے ڈر تو وہیں ٹھٹھک کر رہ جاتا ہے اور گناہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا، برخلاف اہل کفر اور اہل نفاق کے کہ ان کے دل میں ایمان نہیں، اللہ کی عظمت بھی نہیں، ہیبت بھی نہیں، لہٰذا وہ بغیر کسی پس وپیش کے گناہ کر لیتے ہیں۔

اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اہل ایمان کا ایمان بڑھ جاتا ہے......... دوسری: صفت یہ بیان فرمائی کہ جب ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں یعنی ان کو سنائی جاتی ہیں تو ان کے سننے سے ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے یعنی نور ایمان میں ترقی ہو جاتی ہے اور اعمال صالحہ کی طرف اور زیادہ توجہ ہو جاتی ہے اور ایمان ویقین کی وجہ سے اعمال صالحہ کی طرف طبیعت خود بخود چلنے لگتی ہے اور گناہوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔

تیسری: صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، توکل اہل ایمان کی بہت بڑی صفت ہے اور بہت بڑی منقبت ہے اپنے سب کاموں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اسباب ظاہرہ اختیار کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھنا اور یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے اور قاضی الحاجات ہے اور ہم اس کے ہر فیصلے پر اور اسکے قضاء وقدر پر راضی ہیں یہاں اہلِ ایمان کی عظیم صفت ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ توکل کا حکم دیا ہے اور اصحاب توکل کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (بلاشبہ

اللہ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) سورۂ ملک میں فرمایا قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آپ فرما دیجئے کہ وہ رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے اس پر توکل کیا سو عنقریب تم لوگ جان لوگے کہ کون ہے کھلی گمراہی میں) سورۂ طلاق میں فرمایا: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے سو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔

وہ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں .... **چوتھی**: صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور **پانچویں**: صفت یہ بیان فرمائی کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں، بدنی عبادات میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے۔ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ مالی عبادت کا بھی بار بار تذکرہ فرمایا ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ یہ ہے کہ نماز کو اچھی طرح ادا کیا جائے جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں بیان کیا گیا ہے اور مَا رَزَقْنٰهُمْ کے عموم میں سب کچھ داخل ہے۔ یہ لفظ زکاۃ مفروضہ اور صدقاتِ واجبہ اور نافلہ سب کو شامل ہے۔

مذکورہ صفات والے سچے مؤمن ہیں .... آخر میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔ (یہ لوگ سچے مؤمن ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور مغفرت ہے اور رزق کریم ہے) اس میں اول تو یہ فرمایا کہ جن حضرات کا اوپر ذکر ہوا یہ سچے مؤمن ہیں پھر ان کے لئے درجات اور مغفرت اور رزق کریم کی بشارت دی، بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ تین انعام مذکورہ بالا تین قسم کے اوصاف کے مقابل ہیں ایمان باللہ اور اللہ کے ذکر کے وقت ہیبت سے سہم جانا اور اس کی آیات سن کر ایمان کا بڑھ جانا اور اس کی ذات پر بھروسہ کرنا، یہ امور قلب یعنی دل سے متعلق ہیں اس کا انعام درجات عالیہ رفیعہ کی صورت میں ملے گا اور اقامت الصلوٰۃ میں تمام بدنی عبادات آ گئیں۔ ان کے مقابلہ میں مغفرت کا انعام ہے (عموماً عبادات بدنیہ کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے) اور وجوہ خیر میں مال خرچ کرنے کے مقابلہ میں رزق کا وعدہ فرمایا،

قال صاحب الروح (صفحہ ۱۶۹ جلد ۱) و ربما يقال في وجه ذكر هذه الاشياء الثلاثة على هذا الوجه ان الدرجات في مقابلة الاوصاف الثلاثة اعنى الوجل والاخلاص والتوكل ويستأنس له بالجمع والمغفرة في مقابلة اقامة الصلوٰة ويستأنس له بما ورد في غير ما خبر ان الصلوات مكفرات لما بينهامن الخطايا وانها تنقي الشخص من الذنوب كما ينقي الماء من الدنس، والرزق الكريم بمقابلة الانفاق ۔اھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس ترتیب سے ان تین چیزوں کے ذکر کی وجہ بعض دفعہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جنت کے درجات تو تین اوصاف یعنی خوف، اخلاص اور توکل کے بدلہ میں اور اطمینان و مغفرت نماز قائم کرنے کے بدلے، اور کئی احادیث میں ہے کہ نمازیں ایک دوسرے کے درمیانی وقت کی کوتاہیوں کے لئے کفارہ ہیں اور یہ آدمی کو گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دیتی ہیں جیسے پانی میل کو صاف کر دیتا ہے اور رزق کریم انفاق کے بدلہ میں ملے گا)

درجاتِ جنت کی وسعت .... حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت میں سو درجے ہیں اور ان درجات کے درمیان آپس میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے ان میں فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اسی جنت کی چاروں نہریں جاری ہیں اور اسکے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۹۶)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سو درجات ہیں اگر سارے جہاں ان میں سے ایک درجہ میں جمع ہو جائیں تو اس ایک درجہ میں سب سما جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۷)

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو نکالا اور بلاشبہ مؤمنین کی ایک جماعت کو گراں گزر رہا تھا

يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ ظہور ہو چکا تھا، گویا کہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں،

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ

اور جب اللہ تم سے وعدہ فرما رہا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے لئے ہے اور تم خواہش کر رہے تھے غیر مسلح جماعت کی کہ

تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷

وہ تمہارے لئے ہو جائے اور اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کا حق ہونا ثابت فرما دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸

تا کہ حق کو سچا کر دے اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے اگر چہ مجرموں کو نا گوار ہو۔

غزوۂ بدر کا تذکرہ

ان آیات میں غزوۂ بدر کا ذکر ہے اور رکوع کے ختم تک بلکہ اس کے بعد بھی متعدد آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر مزید تفصیل اس سورت کے پانچویں اور چھٹے رکوع میں بیان فرمائی ہے، غزوۂ بدر کا کچھ تذکرہ سورۂ آل عمران کے رکوع دوم میں اور کچھ آل عمران کے رکوع نمبر ۱۲ میں گزر چکا ہے۔ وہاں فرمایا ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (اور یہ بات واقعی اور حقیقی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقام بدر میں تمہاری مدد فرمائی کہ جب تم کمزور تھے)

آگے بڑھنے سے پہلے پورا واقعہ ذہن نشین کر لینا چاہئے تا کہ آیات کریمہ میں جو اجمال ہے اس کی تشریح سمجھ میں آ جائے قریش مکہ ہر سال تجارت کے لئے ملک شام جایا کرتے تھے مکہ معظمہ سے شام کو جائیں تو راستہ میں مدینہ منورہ سے گزرنا ہوتا ہے۔ شہر مدینہ میں داخل نہ ہوں تو دور سے یا قریب سے اس کی محاذات سے ضرور گزرنا پڑتا ہے، اب آگے یہ سمجھیں کہ قریش مکہ کا ایک قافلہ تجارت کے لئے شام گیا ہوا تھا بہت سے لوگوں نے اس تجارت میں شرکت کی تھی اور اپنے اموال لگائے تھے۔ قافلہ کے سردار ابوسفیان تھے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جب ابوسفیان کا قافلہ شام سے واپس ہو رہا تھا جس میں تیس یا چالیس افراد تھے اور ایک ہزار اونٹ تھے تو سرور عالم ﷺ کو اس قافلہ کے گزرنے کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ قریش کا قافلہ ادھر سے گزر رہا ہے...... چلو اس قافلہ کو پکڑیں گے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اموال تم کو عطا فرما دے آپ نے تاکیدی حکم نہیں فرمایا تھا اور یہ بھی نہیں فرمایا تھا کہ جنگ کرنے نکل رہے ہیں اس لئے بعض صحابہؓ آپ کے ہمراہ روانہ ہو گئے اور بعض مدینہ منورہ ہی میں رہے، ابوسفیان کو خطرہ تھا کہ راہ میں مسلمانوں سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے اس لئے وہ راستہ میں راہ گیروں سے اس بات کا کھوج لگاتا جا رہا تھا کہ کہیں مسلمان ہمارے قافلے کے درپے تو نہیں ہیں۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے سفر فرمایا تو ابوسفیان کو اس کی خبر مل گئی اس نے

اپنا راستہ بدل دیا اور ضمضم بن عمرو غفاری کو اہل مکہ تک خبر پہنچانے کیلئے جلدی جلدی آگے روانہ کر دیا، اس کو اس کام کا محنتانہ دینا بھی طے کر دیا، ضمضم جلدی سے مکہ پہنچا اور اس نے خبر دے دی کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارے قافلہ کے درپے ہیں اور مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے ہیں اپنے قافلے کی حفاظت کر سکتے ہو تو کر لو یہ خبر سنتے ہی اہل مکہ میں ہل چل مچ گئی اور مقابلہ کے لئے ایک ہزار آدمی جن کا سردار ابوجہل تھا بڑے کروفر اور اسباب عیش وطرب کے ساتھ اکڑتے اور اتراتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہو گئے بدر ایک آبادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے براستہ رابغ مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے یہاں سے مدینہ منورہ سو میل سے کچھ کم رہ جاتا ہے بدر نامی ایک شخص تھا جس نے اس بستی کو آباد کیا تھا اس کے نام پر اس بستی کا نام ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مقام بدر میں ایک کنواں تھا اس کا نام بدر تھا اسی کنویں کے نام سے یہ آبادی مشہور تھی، قریش مکہ اپنے ساتھ گانے بجانے والی عورتیں لے کر نکلے تھے تا کہ وہ گانا گائیں اور لڑائی کے لئے ابھاریں، اس لشکر میں تقریباً تمام سردار قریش شامل تھے، صرف ابولہب نہ جا سکا تھا اس نے اپنی جگہ ابوجہل کے بھائی عاصی بن ہشام کو بھیج دیا تھا ان لوگوں کے ساتھ دیگر سامان حرب کے علاوہ ساٹھ گھوڑے اور چھ سو زرہیں تھیں اور سواری کے اونٹوں کے علاوہ کثیر تعداد میں ذبح کرنے اور کھانے کھلانے کیلئے اونٹ ساتھ لے کر چلے تھے سب سے پہلے ابوجہل نے مکہ سے باہر آ کر دس اونٹ ذبح کر کے لشکر کو کھلائے پھر مقام عسفان میں امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کئے پھر مقام قدید میں سہیل بن عمرو نے سو اونٹ ذبح کئے پھر اگلی منزل میں شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کئے پھر اس سے اگلی منزل میں (جو مقام جحفہ میں تھی) عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کئے۔ اسی طرح ہر منزل میں دس دس اونٹ ذبح کرتے رہے اور کھاتے کھلاتے رہے اور ابوالبختری نے بدر میں پہنچ کر دس اونٹ ذبح کئے۔

قریش مکہ تو مکہ معظمہ سے چلے اور آنحضرت سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ آپ نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا وہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ آپ کے ساتھ روانہ ہونے والوں میں حضرت ابولبابہؓ بھی تھے۔ آپ نے انہیں مقام روحاء سے واپس کر دیا اور امیر مدینہ بنا کر بھیج دیا۔ آپ کے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور آپ کے ساتھ ستر اونٹ تھے جن پر نمبروار سوار ہوتے تھے۔ ہر تین افراد کو ایک اونٹ دیا گیا تھا۔ خود آپ ﷺ بھی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک تھے۔ نوبت کے اعتبار سے آپ بھی پیدل چلتے تھے۔ مقام روحاء تک یہی سلسلہ رہا جب روحاء سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو واپس فرما دیا تو آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت مرثد کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ جب آپ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تھی تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ عرض کرتے تھے کہ یارسول اللہ! آپ برابر سوار رہیں ہم آپ کی طرف سے پیدل چلیں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا **ما انتما باقوی منی ولا انا باغنی عن الاجر منکما.** (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۴۰) (تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور ثواب کے اعتبار سے بھی میں تمہاری بہ نسبت بے نیاز نہیں ہوں) یعنی جیسے تمہیں ثواب کی ضرورت ہے مجھے بھی ثواب کی ضرورت ہے جب آنحضرت ﷺ وادی ذفران میں پہنچے تو قیام فرمایا اب تک تو ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کی نیت سے سفر ہو رہا تھا یہاں پہنچ کر خبر ملی کہ قریش بھی اپنے قافلے کی مدد کے لئے مکہ معظمہ سے نکل چکے تھے، ابوسفیان اپنا قافلہ لے کر راستہ کاٹ کر آگے بڑھ چکا تھا۔ اب صورت حال یہ پیدا ہو گئی کہ قریش مکہ سے جنگ کرنے کی نوبت آ گئی۔ آپ ﷺ نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ فرمایا کہ قریش ہمارے مقابلہ کے لئے نکل چکے اب کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اچھا جواب دیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی اچھا جواب دیا پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کیا کہ یارسول ا(ﷺ) آپ اپنی رائے کے مطابق تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم ایسا نہ ہوگا

جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (تو اور تیرا رب چلے جائیں دونوں قتال کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ قتال کرنے والے ہیں۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماد ("برک الغماد" یہ یمن میں ایک جگہ کا نام ہے اور ایک قول ہے کہ یہ جگہ مکہ معظمہ سے پانچ رات کی مسافت پر ہے۔ (نہایہ ابن کثیر)) تک ساتھ لے چلیں گے تو ہم ساتھ رہیں گے اور جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا اشیروا علی ایها الناس (اے لوگو! مشورہ دو) آپ کا مقصد یہ تھا کہ انصار حضرات اپنی رائے پیش کریں۔ آپ کی بات سن کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا (جو انصار میں سے تھے) کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہم سے جواب لینا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی تصدیق کی ہم نے گواہی دی کہ جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ہم نے آپ سے عہد کیا ہے کہ ہم آپ کی بات مانیں گے اور فرمانبرداری کریں گے آپ اپنے ارادہ کے موافق عمل کریں اور تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر راہ میں سمندر آ گیا اور آپ اس میں داخل ہونے لگیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ داخل ہو جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا ہم جنگ میں ڈٹ جانے والے ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے والے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو ایسی بات دکھادے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ چلئے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بات سن کر آپ کو بہت خوشی ہوئی اور فرمایا کہ چلو خوش خبری قبول کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ دو جماعتوں میں سے تم کو ایک جماعت پر غلبہ عطا فرمائیں گے (ایک جماعت ابوسفیان کا قافلہ اور دوسری جماعت قریش مکہ کا لشکر) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ جس جماعت سے مقابلہ ہوگا ان کے مقتولین کہاں کہاں پڑے ہیں۔

اس کے بعد آپ اپنے صحابہؓ کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک غلام سے ملاقات ہوئی حضرات صحابہؓ نے اس سے پوچھا کہ ابوسفیان کا قافلہ کہاں ہے؟ اس نے کہا اس کا تو مجھے کوئی پتہ نہیں۔ یہ ابوجہل، عتبہ اور امیہ بن خلف آ رہے ہیں۔ بعض روایات میں یوں ہے کہ جب ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے تو ایک دن یا دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا تھا کہ ابوسفیان کو پتہ چل گیا کہ ہم اس سے تعرض کرنے نکلے ہیں (وہ قافلہ تو نکل چکا ہے) اب قریش مکہ کے آنے کی خبر سنی گئی ہے۔ ان سے مقابلہ ہونے کی بات بن رہی ہے اس بارے میں کیا خیال ہے؟ اس پر بعض صحابہؓ نے کہا کہ ہمیں تو قریش مکہ کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں آپ تو ابوسفیان کے قافلہ کے لئے نکلے تھے آپ نے پھر وہی سوال فرمایا کہ قریش مکہ سے جنگ کرنے کے بارے میں کیا رائے ہے اس پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے وہ جواب دیا جو عنقریب گزر چکا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ سوال جواب مقام روحاء میں ہوئے۔ بعض صحابہؓ نے جو یہ کہا تھا کہ ہمیں قریش مکہ سے جنگ کی طاقت نہیں۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ۔ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ (اور بلاشبہ مومنین کی ایک جماعت کو گراں گزر رہا تھا وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ حق ظاہر ہو چکا تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں جب ابوسفیان اپنے قافلے کو لے کر مسلمانوں کی زد سے بچ کر نکل گیا تو اس نے قریش مکہ کے پاس خبر بھیجی کہ تم ہماری حفاظت کے لئے نکلے تھے اب جبکہ ہم بچ کر نکل آئے ہیں تو تمہیں آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا واپس چلے جاؤ اس پر ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم ہم واپس نہیں لوٹیں گے جب تک کہ ہم بدر نہ پہنچ جائیں وہاں

تین دن قیام کریں گے۔ اونٹ ذبح کریں گے کھانے کھلائیں گے شرابیں پئیں گے اور گانے والیاں گانے سنائیں گی اور عرب کو پتہ چل جائے گا کہ ہم مقابلہ کیلئے نکلے تھے ہمارے اس عمل سے ایک دھاک بیٹھ جائے گی اور لوگ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ لہٰذا چلو آگے بڑھو۔

اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرمایا تھا کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پر تمہیں غلبہ دیا جائے گا۔ جب آپ نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ فرمایا تو ان میں سے بعض صحابہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ ابوسفیان کے قافلے ہی کا پیچھا کرنا چاہئے کیونکہ وہ لوگ تجارت سے واپس ہورہے ہیں۔ جنگ کرنے کے لئے نہیں نکلے ان میں لڑنے کی قوت اور شوکت نہیں ہے لہٰذا ان پر غلبہ پانا آسان ہے اور قریش کا جو لشکر مکہ مکرمہ سے چلا ہے وہ لوگ تو لڑنے ہی کے لئے چلے ہیں اور تیاری کرکے نکلے ہیں۔ لہٰذا ان سے مقابلہ مشکل ہوگا۔ ان لوگوں کی اس بات کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا: وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ (اور تم چاہتے ہو کہ وہ جماعت تمہارے قابو میں آجائے جو قوت وطاقت والی نہیں تھی)

قریش مکہ نے آنحضرت سید عالم ﷺ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو بہت تکلیفیں دی تھیں اور مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا حق نہ خود قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ غیر متوقع طور پر بدر میں پہنچے اور معرکہ پیش آنے کی صورت بن گئی۔ اس میں گو بعض اہل ایمان کو طبعاً کراہت تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر سب پر غالب ہے۔ جنگ ہوئی اور اہل مکہ نے زبردست شکست کھائی اور ان کا فخر اور طمطراق سب دھرا رہ گیا۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان ہوگی۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ (اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کو ثابت فرمادے) وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (اور کافروں کی بنیاد کاٹ دے) لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ ...... تاکہ اللہ تعالیٰ حق کا حق ہونا ثابت فرمادے اور باطل کا باطل ہونا ثابت فرمادے) ولو کرہ المجرمون (اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہو)

اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ مشرکین مکہ ذلیل ہوئے اسلام کا حق ہونا علی الاعلان ثابت ہوا اور باطل کا باطل ہونا بھی ظاہر ہوگیا دوست اور دشمن سب نے دیکھ لیا۔ اسی لئے یوم بدر کو یوم الفرقان فرمایا۔ جیسا کہ اس سورت کے پانچویں رکوع میں آرہا ہے (پوری تفصیل کے لئے البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۵۶ ج ۳) کا مطالعہ فرمائیں۔)

فائدہ .... كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ میں جو کاف تشبیہ ہے اس کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اختلاف المغانم سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ کما انکم لما اختلفتم فی المغانم انتزعہ اللہ منکم کذلک لما کرھتم الخروج الی الأعداء کان عاقبة کراھتکم ان قدرہ لکم وجمع بہ بینکم وبین عدوکم علی غیر میعاد رشدا وھدًی (جیسے تم نے غنیمتوں کے بارے میں اختلاف کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے تقسیم کا حق تم سے چھین کر رسول کو دیدیا تھا (اور رسول نے عدل ومساوات کے ساتھ تقسیم کردی تھی) اسی طرح اس موقع پر جبکہ دشمنوں سے لڑنے کے لئے تمہیں مدینے سے نکلنا پڑا تو اس بڑے لشکر سے لڑنا تمہیں ناپسند ہوا (یہ بڑا لشکر وہ کفار تھے جو اپنے ہم مذہب کافروں کی مدد اور شام کو گئے ہوئے مال تجارت کے قافلے کی حفاظت کے لئے مکہ سے نکل آئے تھے) اس لڑائی کو ناپسند کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسی لڑائی سے دوچار کردیا اور پہلے سے بغیر کسی قرارداد جنگ کے تمہیں دشمن سے بھڑادیا اور نتیجہ میں تمہیں نصرت وہدایت بخشی) اور بعض حضرات نے اس تشبیہ کو اس طرح بیان کیا ہے يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ مجادلة کما جادلوک یوم بدر فقالوا اخرجتنا للعیر ولم تعلمنا قتالہ فنستعدلہ

ذکرھما (یہ آپ سے غنیمتوں کے بارے میں مجادلہ کررہے ہیں جیسا کہ بدر کے روز بھی انہوں نے آپ سے مجادلہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ آپ تو ہمیں قافلہ سے نمٹنے کے لئے لے کر نکلے تھے ہم کو گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں جنگ کرنی پڑے گی ورنہ ہم جنگ کی تیاری کر کے نکلتے)۔ (ابن کثیر صفحہ ۲۸۴، ۲۸۵ جلد ۲) صاحب روح المعانی نے متعدد وجوہ نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حالھم ھٰذہ فی کراھة ماوقع فی امر الانفال کحال اخراجک من بیتک فی کراھتھم له (غنیمت کے معاملہ میں واقع ہونے والی صورتحال میں ان کی ناپسندیدگی ایسی ہے جیسے آپ کا ان کو گھر سے نکالنا انہیں ناپسند تھا یعنی یہ لوگ آپ سے اموال غنیمت کے بارے میں ایسے سوال کررہے ہیں جیسا کہ اس وقت جھگڑ رہے تھے جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے لئے مکہ معظمہ سے نکالا تھا۔ اس وقت یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہمیں پہلے سے نہیں بتایا تھا کہ جنگ کرنی ہوگی۔ اگر آپ پہلے سے بتا دیتے تو ہم اس کے لئے تیاری کر لیتے۔ (ھٰذا راجع الی ماذکرہ ابن کثیر اولا) پھر صاحب روح المعانی نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ تقدیرہ واصلحوا ذات بینکم کما اخرجک وقد التفت من خطاب جماعة الی خطاب واحد (اصل عبارت یہ ہے کہ اور تم آپس میں اصلاح کرلو جیسا کہ آپ کو نکالا ہے۔ اس سے پہلے جماعت کو خطاب ہے پھر روئے سخن ایک کی طرف ہو گیا) پھر لکھا ہے۔ وقیل المراد واطیعوا اللہ والرسول کما اخرجک اخراجا لا مریة فیه وقیل التقدیر ان یتوکلوا توکلا کما اخرجک وفیه اقوال اُخر (بعض نے کہا ہے مراد یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو جیسا کہ اس نے تجھے نکالا کہ اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا تقدیر یہ ہے کہ وہ بھروسہ رکھیں جیسا کہ اللہ نے تجھے نکالا۔ (راجع روح المعانی صفحہ ۱۶۹ ج ۹)

فائدہ......... اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ سے مقابلہ کرنے کا مشورہ کہاں فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک دو دن کی مسافت پر پہنچنے کے بعد مشورہ فرمایا اور بعض روایات میں ہے کہ مقام روحاء میں اور بعض روایت میں ہے کہ وادی ذفران میں مشورہ کیا۔ ممکن ہے تینوں جگہ مشورہ فرمایا ہو اور بار بار انصار سے ان کی رائے کا اظہار مطلوب ہوتا کہ ان کی رضا اور رغبت کا خوب یقین ہو جائے اور ممکن ہے کہ راویوں سے جگہ کے تعین میں بھول ہوئی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹

جب تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے سو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو مسلسل آتے رہیں گے

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

اور اللہ نے اس امداد کو نہیں بنایا مگر بشارت اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع

بے شک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔

ع ۱۰ / ۱۵

غزوہ بدر کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کا دعا میں مشغول رہنا اور آپ کی دعا کا قبول ہونا

قریش مکہ اپنے لشکر اور ساز و سامان اور گانے والی عورتیں لے کر بدر پہنچ گئے۔ یہ لوگ مکہ مکرمہ سے آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی مدینہ سے روانہ ہو کر چند دن میں بدر پہنچ گئے۔ راستے میں متعدد مراحل میں قیام فرمایا اور حضرات صحابہؓ سے مشورہ کیا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی

ہے۔صاحب روح المعانی صفحہ ۱۷۲ جلد ۹ میں بحوالہ مسلم و ابوداؤد و ترمذی حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھے عمر بن الخطاب ؓ نے بتایا کہ بدر کے دن نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ پر نظر ڈالی تو یہ حضرات تین سو دس سے کچھ اوپر تھے (ان حضرات کی مشہور تعداد ۳۱۳ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں صفحہ ۵۶۴ میں ذکر ہے) مشرکین پر نظر ڈالی تو وہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھے آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا پھر ہاتھ پھیلا کر اپنے پروردگار سے خوب زوردار دعا کرتے رہے دعا کے الفاظ یہ ہیں اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَاوَعَدْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ مِنْ اَھْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِی الْاَرْضِ (اے اللہ آپ نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے پورا فرمایئے اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں آپ کی عبادت نہ کی جائے گی) مطلب یہ تھا کہ یہ اہل ایمان و اسلام کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا پھر آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ آپ نے یہ بات ناز کے انداز میں بارگاہ الٰہی میں عرض کردی ورنہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اگر کوئی بھی نہ کرے اور کبھی بھی نہ کرے تو اس بے نیاز وحدہ لاشریک کو کوئی ضرر یا نقصان نہیں پہنچ سکتا (وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں) آپ قبلہ رخ ہو کر ہاتھ پھیلائے ہوئے برابر اس دعا میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر بھی آپ ﷺ کے کاندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ حاضر خدمت ہوئے اور آپ کی چادر لے کر آپ کے مونڈھوں پر ڈال دی پھر آپ سے چمٹ گئے اور عرض کیا یا نبی اللہ! بس کیجئے آپ نے جو اپنے رب سے بہت زوردار دعا کی ہے یہ کافی ہوگئی بے شک آپ کا رب اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس پر آیت فَاسْتَجَابَ لَکُمْ نازل ہوئی۔ یعنی اللہ نے تمہاری دعا قبول فرمائی اور ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کرنے کا وعدہ فرمایا جو مسلسل آتے رہیں گے۔ لفظ مُرْدِفِیْنَ کا ایک معنی تو وہی ہے جو ہم نے ابھی لکھا (کہ مسلسل آتے رہیں گے) اور اس لفظ کے دوسرے معانی بھی مفسرین نے بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرشتے کے پیچھے ایک ایک فرشتہ ہوگا۔ (وھو قریب من الاول)

فرشتوں کا نازل ہونا اور مؤمنین کے قلوب کو اطمینان ہونا...........صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر حضرت علی ؓ سے نقل کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کے داہنی طرف تھے اور اسی جانب حضرت ابوبکر ؓ بھی تھے اور میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کے بائیں طرف تھے اور میں بھی اسی جانب تھا۔

سورۂ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر ہے حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ اولاً ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کی، پھر تین ہزار فرشتے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار کی تعداد پوری فرمادی۔ پھر فرمایا وَمَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ بِہٖ قُلُوْبُکُمْ (فرشتوں کی آمد کی پیشگی خبر ایک بہت بڑی خوشخبری تھی جس سے دلوں کو سکون ہوگیا طبعی طور پر انسان کو اسباب کے ذریعہ تسلی ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب کے طور پر فرشتوں کو بھیج دیا گیا۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے) وہ جس کی چاہے مدد فرمائے اور جیسے چاہے مدد فرمائے اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے اور حکمت والا ہے) وہ بغیر فرشتوں کے بھی غلبہ دے سکتا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ فرشتوں کو بھیجا جائے۔ کسی قوم کی فتح و نصرت اور غلبہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کو کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ اپنی حکمت کے مطابق اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے اور پھر اسباب کے ذریعہ جو نفع پہنچانا مقصود ہو وہ نفع پہنچا دیتا ہے۔ جو فرشتے آئے تھے انہوں نے تھوڑا بہت قتال بھی کیا جس کا بعض احادیث میں ذکر ہے لیکن پوری طرح قتال میں حصہ نہیں لیا۔ ان کا اصل کام اہل ایمان کو جمانا اور ثابت قدم رکھنا تھا جیسا کہ آئندہ آیت میں فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں ذکر آرہا ہے اس سے یہ اشکال بھی رفع ہوگیا کہ ہزار آدمیوں کے لئے ایک فرشتہ بھی کافی تھا، ہزاروں فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهِ

جب چین دینے کے لئے اللہ اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری فرما رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی نازل فرما رہا تھا کہ تمہیں پاک کر دے اور تم

وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

سے شیطان کے وسوسے کو دور فرما دے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس کے ذریعہ قدموں کو جما دے۔

بدر میں مسلمانوں پر اُونگھ کا طاری ہونا

اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں پر یہ بھی انعام فرمایا کہ پریشانی دور فرمانے کے لئے ان پر اونگھ بھیج دی۔ جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر بھی اونگھ بھیجی تھی جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ اس اونگھ کا نفع یہ ہوا کہ وہ جو تکلیف محسوس کر رہے تھے اس کا احساس ختم ہو گیا کیونکہ نیند ہر چیز سے غافل کر دیتی ہے خوشی سے بھی رنج سے بھی۔ ان کی پریشانی جاتی رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم سب پر نیند کا غلبہ ہو گیا تھا مگر رسول اللہ ﷺ صبح تک برابر نماز میں مشغول رہے (کما فی الدر المنثور) نیز اللہ تعالیٰ نے بارش بھی نازل فرمائی۔ اس بارش کے دو فائدے ہوئے ایک نہانے دھونے اور پانی پینے کا فائدہ ہوا دوسرے شیطان نے قلوب میں جو ناپاک وسوسے ڈال دیئے تھے یہ بارش ان وسوسوں کے ازالہ کا سبب بن گئی۔ نیز یہ بھی فائدہ ہوا کہ مسلمان جس جگہ قیام پذیر تھے وہاں ریت تھی وہ پانی پڑنے کی وجہ سے جم گئی اور جہاں مشرکین ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں کیچڑ ہو گئی۔ تفسیر ابن کثیر (صفحہ ۵۲۱ جلد ۲) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ بدر تشریف لے گئے اور وہاں قیام فرمایا تو وہاں آپ اور مشرکین کے درمیان بہت زیادہ ریت تھی۔ اس ریت میں جنگ کرنا بھی مشکل تھا اور ادھر مسلمانوں کو پانی کی بھی ضرورت تھی لہٰذا شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ اللہ کے دوست ہو اور تمہارے اندر خدا کا رسول ﷺ ہے اور حال یہ ہے کہ پانی پر مشرکین نے قبضہ کر رکھا ہے اور تم حالت جنابت میں نمازیں پڑھ رہے ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خوب بارش برسائی۔ لہٰذا مسلمانوں نے پانی پیا اور پاکی حاصل کی (جس سے ظاہری نجاست دور ہو گئی) اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کا وسوسہ دور فرمایا (جس سے باطنی نجاست بھی دور ہو گئی اور ریت سیمنٹ کی طرح جام ہو گئی، جس پر مسلمانوں کا اور ان کے جانوروں کا چلنا پھرنا اور دشمنوں سے جم کر مقابلہ کرنا آسان ہو گیا اور اس سے دلوں کو اطمینان ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایک منظر جنگ سے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ

جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمان والوں کو جماؤ میں عنقریب کافروں کے دلوں

الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

میں رعب ڈال دوں گا۔ سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پورے پر مارو۔

فرشتوں کا قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے قلوب کا جمانا

اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ اس وقت کو یاد کرو۔ جب تمہارے رب نے

فرشتوں کو حکم دیا کہ تم مؤمنین کے قلوب کو جماؤ اور ان کو معرکہ میں ثابت رکھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا امدادگار ہوں۔ نیز یہ وعدہ فرمایا کہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمایا۔ مسلمان جم کر لڑے اور کافر مقتول ہوئے اور مغلوب ہوئے اور قیدی بنے۔ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (اور مارو گردنوں پر) اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ فرشتوں کو حکم ہے کہ وہ مشرکین کو ماریں۔ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ کی اور بعض کافروں کو مارا، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، فرشتوں کا بڑا کام مسلمانوں کو جمانا تھا اس کے ساتھ انہوں نے کچھ قتال میں بھی حصہ لیا۔ جنگ تو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ ہی سے کروائی لیکن فرشتوں کو بھی مددگار بنا دیا۔ اس میں یہ بتایا گیا کہ ہر شخص کو اپنی محنت اور مجاہدہ پر ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی مدد آئے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ مسلمانوں میں خود اپنے ہی طور پر لڑنے کا اور جم کر مقابلہ کرنے کا جذبہ رہنا چاہئے۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے قتال کرنے کے بارے میں متعدد روایات حدیث اور سیر کی کتابوں میں مروی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بدر کے دن فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ انہوں نے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے جن کے شملے اپنی کمروں پر ڈال رکھے تھے۔ البتہ حضرت جبریل علیہ السلام کا عمامہ زرد رنگ کا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ بدر کے علاوہ کسی دوسرے موقعہ پر فرشتوں نے قتال نہیں کیا۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۸۱ جلد ۳) حضرت ابن عباسؓ نے غزوۂ بدر کا ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اس نے اپنے سامنے کوڑا لگنے کی اور گھوڑے سوار کی آواز سنی جو اپنے گھوڑے کو یوں کہہ رہا تھا **اقدم حیزوم** کہ اے حیزوم آگے بڑھ (حیزوم اس فرشتہ کے گھوڑے کا نام تھا) اچانک وہ مسلمان کیا دیکھتا ہے کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت پڑا ہوا ہے اس پر جو نظریں ڈالیں تو دیکھا کہ اس کی ناک پر ضرب کا نشان ہے اور اس کا چہرہ کوڑے کی ضرب سے چیر دیا گیا ہے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بیان کی تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ ان فرشتوں کا کام ہے جو تیسرے آسمان سے مدد کے لئے آئے ہیں۔ (صحیح مسلم صفحہ ۹۳ جلد ۲)

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ فرشتوں نے مقتولین کی گردنوں کے اوپر مارا تھا اور ان کی انگلیوں کے پوروں پر ایسا نشان تھا جیسے آگ نے جلا دیا ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ میں بدر کے دن کٹے ہوئے تین سر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے اور عرض کیا کہ ان میں سے دو شخصوں کو تو ہم نے قتل کیا ہے تیسرے شخص کو ایک دراز قامت آدمی نے قتل کیا ہے میں اس مقتول کا سر بھی لے آیا ہوں، آپ نے فرمایا وہ دراز قد فلاں فرشتہ تھا، سائب بن ابی حبیش نے بیان کیا جو (بدر کے دن قید کر لئے گئے تھے پھر بعد میں مسلمان ہوئے) کہ مجھے ایک خوب زیادہ بالوں والے دراز نیا پیرا آدمی نے پکڑ کر باندھ دیا جو سفید گھوڑے پر سوار تھا، عبدالرحمٰن بن عوف نے مجھے بندھا دیکھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا تجھے کس نے قید کیا؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا یہ بات میں نے اس لئے کہی کہ میں اصل صورت حال بتانا نہیں چاہتا تھا (کہ ایسے ایسے شخص نے مجھے قید کیا)۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے ایک فرشتہ نے قید کیا ہے بعض صحابہؓ نے یہ بیان کیا کہ ہم مشرکین کے سر کی طرف تلوار سے اشارہ کرتے تھے تو اس کا سر تلوار پہنچنے سے پہلے ہی جدا ہو کر گر جاتا تھا)۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۸۱ جلد ۳)

فَوْقَ الْاَعْنَاقِ سے سروں میں مارنا مراد ہے اور كُلَّ بَنَانٍ سے انگلیوں کے پورے مراد ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے پورا جسم مراد ہے۔ (کمافی روح المعانی)

فَاضْرِبُوْا کا خطاب کس کو ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ فرشتوں کو خطاب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرشتوں کو اور حضرات صحابہؓ سب کو خطاب ہے۔ اعناق اور بنان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمانے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ سروں کے کٹ

جانے سے آدمی ضرور مر جاتا ہے اور انگلیوں کے پوروں پر مار لگائے تو اس سے اگرچہ وہ مرتا نہیں ہے مگر ہتھیار اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ جنگ کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے سو اللہ سخت

الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝

سزا دینے والا ہے۔ سو یہ سزا تم چکھو اور بلاشبہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔

مشرکین کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی سزا ملی

ذٰلِکَ کا مشار الیہ ضَرب ہے مطلب یہ ہے کہ کافروں کو مارنے کا یہ حکم اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ پھر اس کو بطور قاعدہ کلیہ کے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا سزا کا مستحق ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ مخالفت کرنے والوں کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْهُ یہ خطاب اہل کفر کو ہے جو بدر میں شریک ہوئے مطلب یہ ہے کہ اس عذاب کو چکھ لو اور مزید فرمایا: وَاَنَّ لِلْکَافِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ (بلاشبہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے) دنیا کے عذاب کے بعد آخرت کے عذاب کا بھی تذکرہ فرما دیا اور یہ بتا دیا کہ عذاب یہیں ختم نہیں ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرو

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ

اور اس دن بجز اس شخص کے جو لڑائی کے لیے رخ بدلنے والا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے والا ہو جو شخص پشت پھیرے گا سو وہ

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اللہ کے غصہ کو لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

جب کافروں سے مقابلہ ہو تو جم کر قتال کرو

اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر لڑیں پُشت پھیر کر نہ بھاگیں، کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا ۱)۔۔۔۔۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا ۲)۔۔۔۔ جادو کرنا ۳)۔۔۔۔ کسی جان کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا الا یہ کہ حق کے ساتھ ہو ۴)۔۔۔۔ سود کھانا ۵)۔۔۔۔ یتیم کا مال کھانا ۶)۔۔۔۔ جنگ کے موقعہ پر پشت پھیر کر چلا جانا ۷)۔۔۔۔ مؤمن

پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا جن کو برائی کا دھیان تک نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۷)

آیت بالا میں فرمایا کہ جو شخص جنگ کے موقعہ پر پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے وہ اللہ کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اسی لئے علماء کرام نے فرمایا کہ جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔

دو صورتیں مستثنیٰ ہیں......... البتہ دو صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں پشت پھیر کر چلا جانا جائز ہے ایک تو یہ کہ مقصود بھاگنا نہ ہو بلکہ اسے بطور ایک تدبیر کے اختیار کر رہا ہو۔ بظاہر جا رہا ہو (جس سے دشمن یہ سمجھے کہ یہ شکست کھا گیا) اور حقیقت میں واپس ہو کر حملہ کرنے کی نیت رکھتا ہو، جس کو اردو کے محاورہ میں پینترا بدلنا کہتے ہیں۔ اس کو **مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ** سے تعبیر فرمایا کہ جس جگہ جنگ کر رہا ہوا سے چھوڑ کر ایسی جگہ چلا جائے جو قتال کے لئے زیادہ مناسب ہو یا کافروں کی ایک جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت کی طرف چلا جائے آیت کے الفاظ اس سب کو شامل ہیں دوسری صورت میں پشت پھیر کر جانے کی اجازت ہے وہ یہ ہے کہ جنگ کرنے والا مسلمان، مسلمانوں کی کسی جماعت کے پاس چلا جائے تاکہ ان کو ساتھ ملا لے اور ان کو ساتھ لے کر جنگ کرے اس کو **مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ** سے تعبیر فرمایا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک واقعہ......... حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے بیان فرمایا کہ کافروں سے لڑنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ہمارا ایک چھوٹا سا دستہ بنا کر بھیجا اس موقعہ پر کافروں نے حملہ کیا اس کی وجہ سے ہم لوگ محاذ چھوڑ آئے اور مدینہ منورہ آ گئے اور یہ سمجھ کر کہ ہم ہلاک ہو گئے روپوش ہو گئے پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم تو راہ فرار اختیار کرنے والوں میں سے ہیں آپ نے فرمایا (نہیں) بلکہ تم لوگ جماعت کی طرف ٹھکانہ پکڑنے والے ہو اور میں تمہاری جماعت ہوں (آپ کا مطلب یہ تھا کہ قرآن مجید میں دو صورتوں میں بھاگنے کی اجازت دی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی جماعت کی طرف ٹھکانہ پکڑے۔ لہٰذا تم ان لوگوں میں شمار ہو جو اپنے لشکر اور جماعت کی طرف پناہ لینے کے لئے آئے، مدینہ میں آنا میرے پاس آنا ہے اور میرے ساتھ مسلمانوں کی جماعت ہے۔ تم اپنی جماعت کی طرف آئے ہو اپنے کو ہلاک نہ سمجھو۔ (رواہ الترمذی فی اواخر ابواب الجہاد)

فائدہ......... حدیث کی تشریح سے (جس میں سات کبائر بیان کئے گئے ہیں) اور آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دو صورتوں کے علاوہ میدان جہاد سے چھوڑ کر بھاگ جانا گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں **فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ** فرمایا ہے البتہ دیگر معاصی کبیرہ کی طرح توبہ کرنے سے یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے جیسا کہ غزوہ حنین کے شرکاء کے بارے میں فرمایا **ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ**

بارہ ہزار کا لشکر کبھی مغلوب نہ ہوگا......... فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ میدان چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنے کی حرمت اس صورت میں ہے جبکہ کافروں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے کم ہو یا برابر یا دگنی ہو یا زائد ہو تو لیکن دوگنی سے کم ہو۔ اگر کافروں کی تعداد دوگنی سے زیادہ ہو تو راہ فرار اختیار کرنا جائز ہے......... ان حضرات کا استدلال آیت شریفہ **فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ** سے ہے اور صاحب روح المعانی نے حضرت امام محمد بن الحسن سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار ہو تو میدان چھوڑ کر بھاگنا جائز نہیں ہے کیونکہ حدیث شریفہ میں وارد ہے کہ **لن یغلب اثنا عشر الفامن قلة** یعنی بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہوگا۔ (رواہ الترمذی) جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے تو بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر ہونے کی صورت میں میدان چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت نہیں ہے خواہ دشمنوں کا لشکر کتنا ہی زیادہ ہو اور یہ بات بارہا آزمائی جا چکی ہے۔ بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوگا۔ اخلاص نہ ہونے یا اعجاب نفس کی وجہ سے مغلوبیت ہو جائے یہ دوسری بات ہے۔ (کما وقع فی غزوۃ حنین) غزوہ بدر میں کافروں کی تعداد تین گنا زیادہ

تھی پھر بھی فرار کی اجازت نہ تھی کیونکہ اس وقت تک آیت کریمہ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ۔ نازل نہیں ہوئی تھی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ

سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا اور لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا، اور جب آپ نے پھینکا آپ نے نہیں پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۷ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ

اور تاکہ اللہ مؤمنین کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے، بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ بات ہے

اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۸

اور بلاشبہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے مشرکین مقتول ہوئے

غزوۂ بدر میں بظاہر مسلمانوں نے جنگ کی ان کے ساتھ فرشتوں نے بھی شرکت کی۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہی مؤثر حقیقی ہے اور سب کچھ اسی کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اس لئے یہ فرمایا کہ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا۔ غزوۂ بدر کے موقعہ پر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مٹی کی ایک مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دیجئے، آپ نے ایسا ہی کیا اور وہ مٹی مشرکین میں سے ہر شخص کی آنکھوں میں اور ناک کے نتھنوں اور منہ میں پہنچ گئی جس کی وجہ سے وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے، اب مسلمان ان پر پل پڑے ان کو قتل بھی کرتے رہے اور قید بھی کرتے رہے۔ آپ نے جب ان کی طرف مٹی پھینکی تو ان کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا شاهت الوجوه (دشمنوں کے چہرے بدصورت ہوگئے) اس پر وہ لوگ شکست کھا کر بھاگے اسی کو فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (اور یہ جو آپ نے مٹی پھینکی آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں تک پہنچادی اور اس کو شکست کا سبب بنادیا۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۹۵ جلد ۲) یہ مٹی پھینکنے کا واقعہ غزوۂ حنین کے موقعہ پر بھی پیش آیا تھا۔ (کماذکرہ صاحب الروح وغیرہ)

پھر فرمایا وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا (اور تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے) لفظ بلاء انعام کے معنی میں بھی آتا ہے اور آزمائش کے معنی میں بھی مفسرین نے یہاں انعام کا معنی لیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ تاکہ اللہ مؤمنین کو ایسا اچھا انعام عطا فرمائے جس میں تکلیفیں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کافروں کو قتل کیا اور مٹھی بھر مٹی ان کی آنکھوں کو پہنچائی اور ان کو شکست دی جس کی وجہ سے اہل ایمان فتح یاب اور ظفریاب ہوئے یہ اللہ کا انعام عظیم ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا دوسرا ترجمہ کیا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ واختار بعضهم تفسيره بالا بلاء في الحرب یعنی بعض حضرات نے آیت کا یہ معنی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو جنگ میں اچھی طرح سے آزمائے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ (بلاشبہ اللہ سننے والا ہے) جس نے مسلمانوں کی دعا سنی اور فریادرسی کی اور مدد فرمائی عَلِيْمٌ (جاننے والا ہے) سب کی نیتوں کو اور ظاہر کو اور باطن کو بھی جانتا ہے، اس کے بعد فرمایا ذٰلِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام تو یہ ہے جو ابھی مذکور ہوا وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ (اور بلاشبہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے) یہ دوسرا انعام ہے بدر کے موقعہ پر دشمن بہت زیادہ تھے انکے پاس

ساز و سامان بھی بہت تھا۔ اپنے خیال خام میں مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے آئے تھے لیکن ان کی ساری تدبیر دھری رہ گئی اور بھاری تعداد میں مقتول ہوئے اور قیدی بنا لئے گئے۔ سیاق کلام تو غزوۂ بدر سے متعلق ہے لیکن جملہ اسمیہ اختیار فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آئندہ بھی کافروں کی تدبیریں کمزور ہوتی رہیں گی۔ جملہ اسمیہ پر حرف اَنَّ بھی داخل ہے جو تحقیق کے لئے آتا ہے۔ غزوۂ بدر کے بعد آج تک اس کا تجربہ ہوتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے مقابلہ میں کافروں کی تدبیریں کمزور فرما دیں۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمہارے سامنے آ چکا ہے، اور اگر تم باز آ جاؤ اور تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے

نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِىَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

تو ہم بھی وہی کام کریں گے، اور تمہاری جماعت ہرگز تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ اگرچہ کثیر تعداد میں ہو، اور بلاشبہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

مشرکین سے اللہ تعالیٰ کا خطاب

مفسرین نے لکھا ہے کہ ابوجہل نے بدر کے دن لڑائی ہونے سے پہلے یوں دعا کی تھی کہ اے اللہ! یہ جو دو جماعتیں ہیں (ایک مؤمنین دوسرے مشرکین) ان میں سے جو بھی قطع رحمی میں بڑھ کر ہو اور جو ایسی چیز لے کر آیا ہو جسے ہم نہیں جانتے آج کی صبح اسے شکست دے دینا اور ایک روایت یوں ہے کہ جب مشرکین بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو کعبہ شریف کے پردے پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور یوں کہا کہ اے اللہ دونوں لشکروں میں سے جو لشکر آپ کے نزدیک اعلیٰ، اکرم اور بہتر ہو اس کی مدد فرمائیے۔ (ابن کثیر صفحہ ۲۹۶ جلد ۲)

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب بدر کے دن دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں تو ابوجہل نے کہا اے اللہ ہمارا دین قدیم ہے اور محمد ﷺ کا دین نیا ہے۔ دونوں دینوں میں جو دین آپ کو محبوب ہو اور آپ اس سے راضی ہوں اسی دین کے اصحاب کی مدد کیجئے۔ (روح المعانی صفحہ ۱۸۷ جلد ۹) مشرکین نے یہ دعا کی تھی جن میں ابوجہل پیش پیش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور جو دین اللہ کے نزدیک محبوب تھا اسی دین (یعنی اسلام) کے ماننے والوں کی مدد فرمائی اور ان کو فتح یاب فرمایا، آیت بالا میں اسی کا ذکر ہے کہ تم نے جو دعا کی تھی اور حق و باطل کا فیصلہ چاہا تھا وہ فیصلہ تمہارے سامنے آ گیا اہل حق کی اللہ نے مدد فرمائی، اب تمہیں اپنی دعا کے مطابق بھی کفر پر باقی رہنے کا کوئی موقعہ نہیں رہا۔

وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ...... (اور اگر تم رسول اللہ ﷺ کی دشمنی سے اور آپ کے مقابلہ میں جنگ کے لئے آمادہ ہونے سے باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) یہ خطاب ان کافروں کو ہے جو قید کر لئے گئے تھے اور جو کافر مکہ معظمہ ہی میں رہ گئے تھے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی ان سے فرمایا وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے جو پہلے کیا تھا (یعنی اگر تم نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے منصوبے بنائے اور جنگ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تو پھر ہم وہی کریں گے جو مذکورہ جنگ یعنی غزوۂ بدر کے موقعہ پر کیا یعنی اہل ایمان کی مدد کریں گے ان کو فتح یابی دیں گے اور پھر تم ذلیل و خوار ہو گے وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ اور یہ جو تم اپنی جماعت کو بڑی دیکھ رہے ہو اور اس کی جمعیت پر بھروسہ کر رہے ہو یہ کتنی زیادہ ہو جائے تمہیں کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور اللہ مؤمنین کے ساتھ ہے) اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مشرکین مکہ کے لئے اس بات کے سوچنے کی گنجائش

نہیں رہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف پھر جنگ کرنے کا ارادہ کریں۔ اور ہمیشہ کیلئے مستقل اعلان فرمادیا وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ لیکن مشرکین کی پھر بھی آنکھیں نہ کھلیں اور غزوہ احزاب میں پھر قبیلوں اور جماعتوں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ان کی بہت بڑی بھاری جمعیت تتر بتر ہو کر بھاگ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہوتی تو کفار تھوڑے سے مسلمانوں کو جو ابتدائے اسلام میں تھے۔ بالکل ہی ختم کر دیتے اور دین اسلام بالکل آگے نہ بڑھتا لیکن کافروں کی ہزاروں تدبیریں فیل ہوئیں۔ میدان جہاد میں ان کی بڑی بڑی بھاری جماعتیں مغلوب ہوئیں ان میں سے لاکھوں مقتول ہوئے اور الحمد للہ ایمان ہمیشہ بڑھتا چڑھتا رہا اور آج بھی کافروں کی تدبیریں فیل ہوئیں ان کے دلوں میں ان کے گھروں میں ان کی نسلوں میں اسلام داخل ہو رہا ہے۔ یورپ امریکہ میں روزانہ اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ولقد صدق الله و ان الله مع المؤمنين دنیا میں جو کہیں مسلمانوں کی شکست ہے وہ ان کے فسق کی وجہ سے ہے۔ اسلام کے اعمال پر مستقیم نہیں ہیں۔ اخلاص سے بھی خالی ہیں۔ لہٰذا دشمنوں کے نرغے میں آجاتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اور اس سے رو گردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو،

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ

اور ان میں سے مت ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور حال یہ ہے کہ وہ نہیں سنتے، بے شک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ کے نزدیک

الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ

سب سے برے وہ لوگ ہیں جو گونگے ہیں، بہرے ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے، اور اگر اللہ جانتا کہ ان میں کوئی بھلائی ہے تو ان کو ضرور سنا دیتا،

لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ

اور اگر ان کو سنا دے تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے۔ اے ایمان والو! تم حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے

لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

جو تمہیں زندہ کرتی ہے، اور جان لو کہ بے شک اللہ حائل ہو جاتا ہے آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان، اور بے شک تم اللہ ہی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا اور حکم کی تعمیل کرنے کا اور حکم بجالانے کا حکم فرمایا اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو یعنی جب تم بات سن رہے ہو قرآن کا حکم تمہارے سامنے ہے رسول اللہ ﷺ حکم دے رہے ہیں تو عمل نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور کوئی عذر نہیں جو عمل سے روکے مزید فرمایا: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ نہیں سنتے) ان سے کافر اور منافق مراد ہیں۔ ان کانوں میں یہ بات جاتی ہے لیکن چونکہ دل کے کانوں سے نہیں سنتے اور پہلے ہی سے یہ طے کر رکھا ہے کہ ہمیں ماننا اور

سمجھنا نہیں ہے اس لئے کانوں کا سننا نہ سننے کے برابر ہوجاتا ہے اور اس سننے سے بالکل منتفع نہیں ہوتے، پھر فرمایا: اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ (الآیۃ) یعنی بے شک زمین میں چلنے پھرنے والوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برے وہ لوگ ہیں جو گونگے اور بہرے ہیں سمجھ نہیں رکھتے۔ دوابّ جمع ہے دابۃ کی، عربی لغت کے اعتبار سے ہر چیز کو دابۃ کہا جاتا ہے جو زمین پر چلتی پھرتی ہو اور عرف میں چوپایوں کو دابۃ کہا جاتا ہے اگر لغوی معنی کے اعتبار سے دابۃ مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ زمین پر چلنے والی مخلوق میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ برے وہ لوگ ہیں جو نہ تو حق کو سنتے ہیں اور نہ حق بولتے ہیں اور ان کی انتہائی بری حالت یہ ہے کہ سمجھتے بھی نہیں۔ بہرا شخص بعض دفعہ کچھ اشارہ سے سمجھ لیتا ہے لیکن جس میں عقل ہی نہ ہو تو وہ کسی طرح سمجھتا ہی نہیں۔ یہ کافروں کی بدحالی ہے۔

اور اگر دابہ بمعنی چوپایہ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل کفر چوپایوں کی طرح سے ہیں نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ سورۂ فرقان، میں فرمایا: اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًاo اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (اے پیغمبر ﷺ آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی ہے جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے سو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں، یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں) پھر فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (اور اگر اللہ کے علم میں ہوتا کہ ان میں کوئی خیر ہے یعنی حق کی طلب ہے تو انہیں سنا دیتا) یعنی ایسے سننے کی توفیق دیتا جو سننا اعتقاد کے ساتھ ہو اور یہ سننا ان کے لئے فائدہ مند بن جاتا اور چونکہ ان کو طلب حق نہیں ہے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ انکو سنائے تو روگردانی کریں گے اور دوسری طرف رخ کر کے چل دیں گے) بات یہ ہے کہ جب طلب نہیں ہوتی تو کان میں پڑنے والی بات اثر نہیں کرتی اور ساری سنی ان سنی کے برابر ہوجاتی ہے۔ پھر فرمایا یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کو بجا لاؤ جب اللہ کا رسول (ﷺ) تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندہ کرتی ہے) اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ماننے اور فرمانبرداری کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یوں فرمایا کہ وہ تمہیں ایک ایسی چیز کی طرف بلاتے ہیں جس میں تمہاری زندگی ہے۔ اس سے حقیقی زندگی مراد ہے اور وہ ایمان و اعمال صالحہ والی زندگی ہے جس سے دنیاوی زندگی بھی زندگی بن جاتی ہے اور آخرت میں بھی ابدالآباد کی زندگی نصیب ہوگی، کفر کے ساتھ زندگی کوئی زندگی نہیں، زندگی اپنے آقا و خالق و مالک کی وفاداری کا نام ہے جو اپنے رب سے غافل ہے وہ زندہ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مثل الذی یذکر ربہ والذی لایذکر مثل الحی والمیت۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۹۶ از بخاری) (مثال اس شخص کی جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا مردہ اور زندہ کی سی مثال ہے) جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہے مردہ ہے وہ مردہ ہے اور جو اس کی یاد میں لگے ہوئے ہیں وہ زندہ ہیں۔ حیات ابدی کے لئے ایمان ضروری ہے اور اعمال صالحہ سے ایمان میں نورانیت آجاتی ہے اور اس میں ترقی ہوتی ہے۔ آخرت میں جو طرح طرح کی ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی ان میں اعمال صالحہ کو دخل ہوگا۔ اہل ایمان کی جنت والی زندگی کے بارے میں سورۂ عنکبوت میں فرمایا: وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (اور بیشک دار آخرت ہی زندگی ہے) اور اہل کفر کے بارے میں لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى کہ وہ اس میں نہ زندہ رہے گا اور نہ مرے گا۔ درحقیقت عذاب عظیم کے ساتھ جینا کوئی زندگی نہیں ہے۔ پھر فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ حائل ہوجاتا ہے آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان) صاحب روح المعانی (صفحہ ۱۹۱ جلد ۹) نے اس کا ایک معنی یہ بتایا ہے کہ اس سے قرب مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب سے بھی زیادہ بندہ سے قریب ہے۔ وہ فرماتے

ہیں کہ آیت شریفہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۔ اور یہ آیت دونوں ہم معنی ہیں بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ اسکا معنی یہ ہے کہ بندوں کے قلوب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں وہ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ اسکے تصرف سے دلوں کے عزائم اور مقاصد بدل جاتے ہیں، وہ کسی کو رشد وہدایت سے نوازتا ہے اور کسی کو صراط مستقیم سے ہٹا دیتا ہے۔ کسی کے امن کو خوف سے بدل دیتا ہے اور جو چیزیں یاد ہوں ان کو بھلا دیتا ہے۔ اس بارے میں انہوں نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جو حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ اکثر دعا فرماتے تھے يَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِىْ عَلٰى دِيْنِكَ (اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ)

یہ سن کر حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کثرت سے یہ دعا فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا دل اللہ کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو، جسے چاہے ہدایت پر قائم رکھے اور جسے چاہے ہٹا دے، صاحب روح المعانی نے حدیث کا حوالہ نہیں دیا البتہ مفسر ابن کثیر نے صفحہ ۲۹۸ جلد ۲ میں بحوالہ مسند احمد یہ حدیث نقل کی ہے۔ اس حدیث کے ہم معنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے جسے صاحب مشکوٰۃ نے صفحہ ۲۰ پر صحیح مسلم سے نقل کیا ہے۔ آخر میں فرمایا: وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۔ (اور بلاشبہ تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے) اس میں یوم آخرت کے استحضار کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ آخرت کا استحضار تمام امور دینیہ اور دنیویہ کے درست ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور آخرت سے غفلت ہی عموماً گناہوں اور خرابیوں کا ذریعہ بنتی ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور تم ایسے فتنہ سے بچو جو خاص کر انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ایسے فتنہ سے بچو جو خاص کر گناہگاروں پر واقع نہ ہوگا

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جو فتنہ یعنی عذاب اور وبال آتا ہے وہ صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہتا جنہوں نے گناہ کئے بلکہ دوسرے لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے جب گناہگاروں پر عذاب آتا ہے تو وہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان گناہوں کے مرتکب نہیں جن کی وجہ سے عذاب آیا لیکن چونکہ ان لوگوں نے گناہوں سے روکنے کا فریضہ ادا نہیں کیا اور اپنی نیکیوں میں لگے رہے اور گناہگاروں کو گناہوں سے نہیں روکا اس لئے یہ لوگ بھی مبتلائے عذاب ہوتے ہیں۔ متعدد احادیث میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

نہی عن المنکر چھوڑنے پر وعیدیں .... حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی قوم میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جو گناہوں کے کام کرتا ہو اور وہ لوگ روکنے پر قدرت رکھتے ہوئے اسے نہ روکتے ہوں تو ان لوگوں کی موت سے پہلے اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۷)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گناہوں میں پڑنے والوں اور گناہ ہوتے ہوئے دیکھنے والوں کی ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک کشتی ہے اس میں دو طبقے ہیں، قرعہ ڈال کر آپس میں طے کر لیا کہ کون لوگ اوپر کے حصہ میں جگہ لیں اور کون لوگ نیچے والے طبقہ میں بیٹھیں، جب اپنے اپنے حصوں میں بیٹھ گئے تو جو لوگ نیچے ہیں وہ پانی لینے کے لئے اوپر جاتے ہیں، اوپر والے لوگ ان کے آنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں (جب نیچے والوں نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ ہمارے آنے سے تکلیف محسوس کرتے

ہیں) انہوں نے ایک کلہاڑا لیا اور کشتی میں نیچے سوراخ کرنے لگے اوپر والے آئے اور انہوں نے کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں پانی کی ضرورت ہے اور ہم اوپر جاتے ہیں تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے (لہذا ہم یہیں سے پانی لے لیں گے) تو اب اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں گے (تاکہ سوراخ نہ کریں) تو ان کو بھی بچالیں گے اور اپنی جان کو بھی بچالیں گے اور اگر ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا تو ان کو بھی ہلاک کردیں اور اپنی جانوں کو بھی ہلاک کردیں گے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۳۳۹ جلد ۱/ صفحہ ۳۶۹ جلد ۲)

معلوم ہوا کہ جہاں خود نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے وہاں اس کی بھی ضرورت ہے کہ گناہ کرنے والوں کو گناہ کرنے سے روکتے رہیں، اگر ایسا نہ کیا تو عذاب آنے کی صورت میں سبھی مبتلائے عذاب ہوں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں شہر کو اس کے رہنے والوں سمیت الٹ دو۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب بلاشبہ ان لوگوں میں آپ کا ایک ایسا بندہ بھی ہے جس نے کبھی پل جھپکنے کے برابر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی (کیا اس کو بھی عذاب میں شامل کردیا جائے؟) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اس شہر کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو۔ کیونکہ میرے بارے میں اس کے چہرہ میں کبھی تغیر نہیں آیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۸) یعنی یہ شخص زبان سے ہاتھ سے لوگوں کو گناہوں سے کیا روکتا اس کے چہرہ پر گناہوں کو دیکھ کر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے عذاب آتا ہے تو اس وقت دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا پھر اس سے دعا مانگو گے اور وہ قبول نہ فرمائے گا۔ (رواہ الترمذی)

بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں اس فتنہ کا ذکر ہے جو ترک جہاد کی وجہ سے عوام وخواص سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دین اور شعائر دین کی حفاظت اور عامۃ المسلمین کی حفاظت جہاد قائم رکھنے میں ہے۔ مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ جہاد کرتے ہی رہیں اگرچہ کافر حملہ آور نہ ہوں اور اگر وہ حملہ آور ہو جائیں تو پھر کوئی گنجائش کسی کو جہاد سے پیچھے ہٹنے کی ہے ہی نہیں۔ جہاد کا سلسلہ جاری نہ رکھنے کی ہی وجہ سے دشمن کو آگے بڑھنے کی جرأت ہوتی ہے اور جب دشمن چڑھ آتے ہیں تو بچوں بوڑھوں اور عورتوں کی حفاظت کے لئے فکرمند ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا جہاد جاری رکھا جائے اور اس سے پہلوتہی نہ کریں ورنہ عوام وخواص مصیبت میں گھر جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی قوم جہاد چھوڑ دے گی اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیج دے گا۔ (مجمع الزوائد صفحہ ص ۲۸۴ جلد ۵ عن الطبرانی الاوسط)

آخر میں فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے) اس کا مراقبہ کریں اور گناہوں سے بچتے رہیں۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ

اور اس وقت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے۔ زمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک لیں،

فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

سو اللہ نے تمہیں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تم کو قوت دی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار ہو۔

مسلمانوں کو ایک بڑے انعام کی یاددہانی

بدر میں جو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اہل ایمان کی مدد فرمائی، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ واقعہ بدر کی وجہ سے مسلمانوں کو شوکت اور عزت مزید حاصل ہوگئی اور پورے عرب پر دھاک بیٹھ گئی اور قریش مکہ (جو تجارت کے لئے ملک شام آیا جایا کرتے تھے) کے واسطہ سے قیصر و کسریٰ کو بھی مسلمانوں کی اس فتح یابی کا علم ہوا اور انہیں بھی مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کا پتہ چل گیا۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی جو کامیابی ہوئی اور مشرکین نے جو بری طرح شکست کھائی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس کا احسان جتایا اور ان کی سابقہ کمزوری کو یاد دلایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اپنا وقت یاد کرو جبکہ تم تھوڑے سے تھے، ضعیف بھی تھے، مکہ کی سرزمین میں تمہاری کچھ بھی حیثیت نہیں تھی، تمہیں اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہیں اچک لیں گے اور کفار مکہ تمہیں ختم کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا کہ تمہیں مدینہ منورہ میں ٹھکانا دیا جہاں رہنے کی جگہ مل گئی اور دشمنوں سے حفاظت بھی ہوگئی۔ پھر جب مقام بدر میں دشمنوں سے مڈبھیڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوت دی اور مدد فرمائی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں نصیب فرمائیں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے تمام حلال اور لذیز چیزیں مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو اموال بدر میں غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے تھے وہ مراد ہیں۔ آخر میں فرمایا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (تاکہ تم شکر گزار بندے بنو)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ کی اور رسول کی، اور نہ خیانت کرو اپنی آپس کی امانتوں میں حالانکہ تم جانتے ہو۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت نہ کرو اور آپس میں بھی خیانت کرنے سے باز رہو

درمنثور صفحہ ۱۷۸ جلد ۳ میں حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ جب ابوسفیان کی مکہ سے روانگی ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو بتادیا کہ ابوسفیان فلاں فلاں جگہ پر ہے لہٰذا اس کی طرف نکل کھڑے ہوں اور اس بات کو پوشیدہ رکھیں لیکن بعض منافقین نے ابوسفیان کو بذریعہ خط اطلاع دے دی کہ حضرت محمد ﷺ قافلے پر حملہ آور ہونے کے لئے ارادہ کر رہے ہیں لہٰذا تم اپنی حفاظت کی فکر کرو اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور ایک روایت میں یوں ہے جو حضرت ابن شہاب زہری سے مروی ہے کہ بنو قریظہ (جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا) انہوں نے جب معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا انہوں نے کہا کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں جو بالغ مرد ہیں ان کو قتل کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا جائے۔ ان کے اس فیصلہ کا علم حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہوگیا جو یہودیوں کے حلیف تھے انہوں نے یہودیوں کو اپنے گلے پر ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے یہ بتایا کہ تمہارے بارے میں قتل کا فیصلہ ہے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ حضرت ابولبابہ کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سمجھ گئے کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کی ہے لہٰذا انہوں نے مسجد نبوی ﷺ کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا اور کہنے لگے کہ میں نہ کچھ چکھوں گا اور نہ کچھ پیوں گا حتیٰ کہ مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو فرمایا کہ میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لئے استغفار کر دیتا۔ اب جو اس نے خود ایسا کرلیا تو اسی وقت چھوڑ سکتا ہوں جب اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے۔ سات دن تک انہوں نے کچھ نہ کھایا نہ پیا۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر گئے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور ان کو کھول دیا۔ (روح المعانی صفحہ ۱۹۰ جلد ۹)

آیت کا سبب نزول جو بھی ہو اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کرنے کی ممانعت ہے اور اس کا عموم ہر طرح کی خیانت کو شامل ہے اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: لا تخونوا الله بترک فرائضه والرسول بترک سنته یعنی فرائض کو چھوڑ کر اللہ کی خیانت نہ کرو اور سنتوں کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خیانت نہ کرو۔ (درمنثور صفحہ ۱۷۸ جلد ۳)

معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی خیانت ہے اور جن چیزوں کے پوشیدہ رکھنے کا حکم فرمایا ہو ان کو ظاہر کر دینا بھی خیانت میں شمار ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کرنے کی ممانعت کے بعد فرمایا وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ اور آپس میں اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو چونکہ امانت کا مفہوم وسیع ہے اور ہر طرح کی امانت میں خیانت کرنے کی ممانعت ہے اس لئے ہر خیانت سے نہایت اہتمام کے ساتھ پرہیز کرنا لازم ہے۔ مالی خیانت کو تو سبھی جانتے ہیں مثلاً کوئی شخص امانت رکھ دے تو اس کو کھا جائے یا استعمال کرے یا کم کر دے یا دو شریک آپس میں خیانت کر لیں جو شخص قرض دے کر یا کسی بھی طرح اپنا مال دے کر بھول جائے اس کا حق رکھ لیں وغیرہ وغیرہ یہ سب خیانتیں ہیں اور ہر شخص کو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کس کا حق مارا ہے اور کس کی خیانت کی، فکر آخرت اور اللہ کا ڈر ہو تو انسان خیانت سے بچ سکتا ہے ورنہ دنیاوی نفع کو دیکھ کر بڑے بڑے دینداری کے دعویدار اس مسئلہ میں کچے پڑ جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں دیانت دار ہے۔ چھوٹے بڑے حکام اور ملوک اور رؤساء اور وزراء امانت دار ہیں۔ انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لئے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں۔ کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔ اسی طرح سے بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی، پڑوسی، میاں بیوی، ماں باپ، اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانت دار ہیں۔ جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گنہگار ہوگا اور میدان آخرت میں پکڑا جائے گا۔ مالیات کے علاوہ دیگر امور میں خیانت ہوتی ہے جن کا ذکر احادیث شریفہ میں وارد ہوا۔ آیت کے ختم پر فرمایا: وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ یعنی تم امانتوں میں خیانت نہ کرو جبکہ تم خیانت کا برا انجام جانتے ہو اور تمہیں اس کے معصیت ہونے کا علم ہے۔

امانت اور خیانت کے بارے میں تفصیلی نصائح اور احکام ہم سورۂ نساء کی آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا کے ذیل میں بیان کر آئے اور ہم نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور تم جان لو کہ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے، اے ایمان والو!

اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ

اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تمہیں فیصلہ والی چیز دے گا اور تمہارے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور تمہاری بخشش فرما دے گا،

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اموال اور اولاد فتنہ ہیں

یہ دو آیتیں ہیں۔ پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ فتنہ امتحان کی چیز کو کہا جاتا ہے۔ مال اور اولاد کا فتنہ ہونا

کئی وجوہ سے ہے۔ مال واولاد کی مشغولیت اور محبوبیت صحیح طریقہ پر کام نہیں کرنے دیتی، جہاد کی شرکت سے باز رکھتی ہے۔ نماز بھی صحیح طریقہ سے پڑھنے نہیں دیتی، پوری زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی نفس انکار کرتا ہے حج فرض ہوجاتا ہے تو برسوں تاخیر کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ حج فرض ہوتے ہوئے حج کئے بغیر مرجاتے ہیں اور دیگر فرائض وواجبات میں بھی دنیاوی مشاغل رکاوٹیں ڈالتے ہیں اللہ جل شانہٗ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں یہ آزمائش کی چیزیں ہیں۔ آزمائش میں پورے اترو، مال اور اولاد تمہارے امتحان میں فیل ہونے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ آیت میں لفظ اموال کو اولاد سے پہلے لایا گیا ہے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مال کا فتنہ اولاد کے فتنہ سے بڑھ کر ہے۔ حضرت کعب بن عیاض نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ان لکل امة فتنة و فتنة امتی المال (بلاشبہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ۴۴۲ از ترمذی)

اول تو مال کمانے میں دھیان کرنے کی ضرورت ہے کہ مال حلال ہو، حلال کمائی کے ذریعہ حاصل کیا ہو اور اس کے کمانے میں فرائض و واجبات کو ضائع نہ کیا ہو...... کمانے کے بعد اس کے خرچ کرنے کا مسئلہ ہے۔ خرچ کرنے کے بارے میں بھی شریعت کے احکام ہیں اور خلاف شرع خرچ کرنے پر مواخذہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن بندہ کے قدم (حساب کی جگہ سے) نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ ہو جائے۔ ۱)...... عمر کہاں فنا کی؟ ۲)...... جوانی کہاں گنوائی؟ ۳)...... مال کہاں سے کمایا؟ ۴)...... اور کہاں خرچ کیا؟ ۵)...... علم پر کیا عمل کیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۴۳ از ترمذی)

معلوم ہوا کہ مال کے بارے میں دوہرا سوال ہوگا۔ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اول تو کمانے ہی میں حلال اور حرام کا خیال نہیں ہوتا اور پھر خرچ کرنے میں بھی شریعت کے احکام کی پابندی نہیں کی جاتی، اولاد کی محبت میں اور بیویوں کی فرمائش پوری کرنے کے لئے بہت سے حلال پیسے حرام راستے میں خرچ کر دیتے ہیں پھر زیادہ مال کی طلب تو اور بھی زیادہ ناس کھو دیتی ہے، سود، جوئے، اور سٹہ بازی کے ذریعہ نیز رشوتیں دے کر اور رشوتیں لے کر اور حرام چیزوں کا کاروبار کر کے اور اپنے شرکاء تجارت کی خیانت کر کے مزدوروں کا حق مار کر نمازیں برباد کر کے، اصحاب حقوق کے حقوق روک کر، مال جمع کیا جاتا ہے، ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ مجھے تو دنیا سے چلا جانا ہے یہ مال تو دوسروں کے قبضہ میں آئے گا میں دوسروں کے لئے اپنی آخرت کیوں خراب کروں؟ لیکن بینک بیلنس کی فکر، نوٹوں کی گڈیوں کی محبت، اس چیز کو سوچنے نہیں دیتی۔ اولاد بھی فتنہ ہے، اولاد کی فرمائش پوری کرنے اور ان پر عمدہ مال خرچ کرنے اور ان کی شادیوں میں مال لگانے اور موت کے بعد ان کے لئے مال چھوڑنے اور ان کے لئے گھر در بنانے میں بہت سے گناہ ہوتے ہیں اور خلاف شرع بہت سے کام کئے جاتے ہیں۔

جو چیز امتحان کے لئے دی گئی تھی اس کی مشغولیت اور محبوبیت میں بہت سے گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ مؤمن بندوں کو ہمیشہ فکرمند رہنا چاہیے کہ کہیں اموال واولاد کی محبت میں پڑ کر امتحان میں فیل نہ ہو جائیں۔ فیل ہونے پر جہاں عذاب کی وعیدیں ہیں وہاں امتحان میں کامیاب ہونے پر اجر عظیم کا وعدہ بھی ہے آیت کے اخیر میں اسی کو فرمایا: وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (اور بلاشبہ اللہ کے نزدیک بڑا اجر ہے)

تقویٰ پر انعام......... دوسری آیت میں فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں فیصلہ والی چیز عطا فرمادے گا اور گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور تمہاری بخشش فرمادے گا۔ فیصلہ والی چیز سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے ہدایت اور دلوں کا وہ نور مراد ہے جس کے ذریعہ حق و باطل کے درمیان فرق کر سکیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی مدد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کی ایسی مدد فرمائے گا جس کی وجہ

سے مؤمنین کو عزت دے اور کافروں کو ذلیل کرے اور بعض حضرات نے یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا غلبہ عطا فرمائے گا جس سے تمہارے دین کی شہرت ہوگی اور دنیا میں تمہاری کامیابی کے تذکرے ہوں گے۔ (راجع روح المعانی صفحہ ۱۹۶ جلد ۹) پھر کفارہ سیئات اور مغفرت ذنوب کا وعدہ فرمایا اور اخیر میں فرمایا: وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ

اور جب کافر لوگ آپکے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپکو قید کر دیں یا آپکو قتل کر دیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں، اور وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے

وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور اللہ بھی تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

حضور ﷺ کے سفر ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ کے مشورے

اس آیت میں سفر ہجرت کا سبب اور ابتدائی واقعہ مذکور ہے۔ معالم التنزیل (صفحہ ۲۴۳ جلد ۲) میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب مدینہ منورہ میں حضرات انصار نے اسلام قبول کر لیا تو قریش مکہ خائف ہوئے اور مشورے کے لئے دار الندوہ (پنچائیت گھر) میں جمع ہوئے، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں غور کریں کہ اب آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اس موقع پر ابلیس بھی ایک بڑے میاں کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ تو کون ہے۔ کہنے لگا کہ میں شیخ نجد ہوں۔ مجھے آپ لوگوں کے جمع ہونے کا پتہ چلا تو میں نے چاہا کہ تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں اور اپنی خیر خواہانہ رائے سے تم لوگوں کو محروم نہ کروں، ان لوگوں نے اسے اپنے مشورے میں شریک کر لیا۔ مکہ والوں میں جو لوگ حاضر تھے ان میں سے ایک شخص ابوالبختری ابن ہشام بھی تھا۔ اس نے رائے ظاہر کی اور کہنے لگا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد ﷺ کو کسی گھر میں محبوس کر کے دروازہ بند کر دو صرف تھوڑا سا روشن دان کھلا رہے جس سے دانہ پانی ڈالتے رہو اور اس کی موت کا انتظار کرو۔ جیسے اس سے پہلے دوسرے شعراء ہلاک ہو گئے یہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ نجدی ابلیس چیخ اٹھا اور اس نے کہا کہ یہ تو بری رائے ہے۔ اگر اس پر عمل کرو گے تو اس کے ماننے والے میدان میں آجائیں گے اور تم سے جنگ کر کے تمہارے ہاتھوں سے چھڑا لیں گے یہ سن کر سب کہنے لگے کہ نجدی نے صحیح کہا یہ رائے مصلحت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد ہشام بن عمرو نے رائے دی اور کہنے لگا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس شخص کو کسی اونٹ پر بٹھا کر اپنے درمیان سے نکال دو۔ آگے کہاں جائے کیا بنے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ جب تمہارے یہاں سے چلا گیا تو تمہیں تو آرام مل ہی جائے گا۔ یہ سن کر ابلیس ملعون بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں تم اس شخص کو جانتے ہو تمہیں پتہ ہے کہ اس شخص کی گفتگو کتنی شیریں ہے اور زبان میں کتنی مٹھاس ہے۔ یہ بھی جانتے ہو کہ اس کی باتیں سن کر لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تم نے اس رائے پر عمل کیا تو باہر جا کر بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حملہ آور ہوگا اور تمہیں وطن سے نکال دے گا۔ یہ سن کر اہل مجلس کہنے لگے کہ شیخ نجدی نے ٹھیک کہا۔

ابو جہل کا مشورہ اور شیطان کی تائید.......... اس کے بعد ابو جہل بولا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں ایک ایسی رائے دوں گا کہ اس کے علاوہ کوئی رائے ہے ہی نہیں۔ میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ قریش کے جتنے قبیلے ہیں ہر قبیلے میں سے ایک ایک خوب تگڑا نوجوان لیا جائے اور ہر ایک کو تلوار دیدی جائے۔ پھر یہ نوجوانوں کی جماعت یکبارگی مل کر حملہ کر کے قتل کر دے۔ ایسا کرنے سے تمام قبیلوں پر ان

کے خون کی ذمہ داری آجائے گی اور میرے خیال میں بنی ہاشم قصاص لینے کے لئے مقابلہ نہ کرسکیں گے۔لہذا دیت قبول کرلیں گے اور سارے قریش مل کر دیت ادا کریں گے۔یہ سن کر ابلیس بولا ،اس جوان آدمی نے صحیح رائے دی ہے اور یہ شخص تم میں سب سے اچھی رائے رکھنے والا ہے اس نے جو رائے دی میرے خیال میں بھی اس کے علاوہ کوئی دوسری رائے درست نہیں ہے۔سب نے اسی پر اتفاق کرلیا اور مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد اور آپ کا صحیح سالم سفر ہجرت کے لئے روانہ ہوجانا.................ادھر تو یہ لوگ متفرق ہوئے اور ادھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوگئے اور سول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے مشورہ سے باخبر کردیا اور عرض کیا کہ آپ جس گھر میں رات گزارا کرتے ہیں اس میں رات کو نہ رہیں ساتھ ہی انہوں نے مشرکین کے مشوروں سے آپ کو باخبر کردیا۔آپ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ رات گزارنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔اس کے بعد سفر ہجرت کے لئے روانہ ہوگئے اور ایک مٹھی میں مٹی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دی جوان کے سروں میں بھر گئی اور آپ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ پڑھتے ہوئے روانہ ہوگئے ،آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے ،دونوں حضرات راتوں رات غار ثور میں پہنچ گئے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ چھوڑ دیا تھا تا کہ وہ امانتیں ادا کردیں جو آپ کے پاس رکھی رہتی تھیں۔(سچائی اور امانتداری ایسی ہی چیز ہے جو سچے اور امانتدار شخص کا لوہا خود منوادیتی ہے اہل مکہ آپ سے دشمنی بھی کرتے تھے،لیکن ساتھ ہی اپنی امانتیں رکھنے کے لئے آپ ہی کو منتخب کر رکھا تھا۔)

مشرکین کی ناکامی..........جب آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے ،تو مشرکین مکہ نے اس خیال سے کہ صبح اٹھ کر باہر تشریف لائیں گے ،صبح ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے ارادہ تھا کہ حملہ کریں گے لیکن جب دیکھا کہ جسے قتل کرنا تھا وہ موجود نہیں۔لہٰذا اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے دوست کہاں ہیں انہوں نے جواب دیا کہ مجھے پتہ نہیں۔لہٰذا قدموں کے نشانوں پر چلتے رہے یہاں تک کہ غار ثور تک پہنچ گئے وہاں دیکھا کہ غار کے دروازے پر مکڑی نے جالا بن رکھا ہے یہ دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئے اور کہنے لگے کہ اگر اس کے اندر گئے ہوتے تو مکڑی کا جالا غار کے دروازے پر کیسے ہوتا؟ آپ اس غار میں تین دن تک تشریف فرما رہے اس میں اسی واقعہ کا بیان ہے۔دشمن اپنی تدبیر میں فیل ہوئے اور اللہ کی تدبیر غالب آئی۔(البدایہ والنہایہ از صفحہ ۱۷۵ تا ۱۸۱)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ

اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام کہہ سکتے ہیں۔یہ کچھ بھی نہیں ہے مگر وہ باتیں ہیں جو اگلے وقتوں کے

الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ

لوگوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ آپ کی طرف سے واقعی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر

عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ

برسا دیجئے یا ہم پر کوئی درد ناک عذاب واقع کر دیجئے اور اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے گا جبکہ آپ

وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

ان میں موجود ہوں، اور اللہ تعالیٰ اس حال میں عذاب نہیں دے گا کہ وہ استغفار کرتے ہوں۔

مشرکین کا عناد اور جھوٹا دعویٰ کہ ہم بھی قرآن جیسا کلام کہہ سکتے ہیں

قبیلہ بنی عبدالدار میں سے ایک شخص نضر بن الحارث تھا یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ دشمنی رکھتا تھا۔ مشرکین مکہ قرآن مجید سنتے تھے اور اس کے مقابلہ میں کوئی ایک آیت لانے سے بھی عاجز تھے۔ اس کی فصاحت بلاغت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جب ان کو چیلنج دیا گیا کہ اسکے مقابلہ میں ایک سورت بنا کر لاؤ تو عاجز رہ گئے۔ لیکن نضر بن الحارث نے ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے طریقہ پر خفت مٹانے کیلئے یوں کہا کہ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا (اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام کہہ دیں) مطلب یہ تھا کہ یہ بات نہیں کہ ہم عاجز ہیں کہہ تو سکتے ہیں لیکن کہتے نہیں۔ ہمیں کوئی مجبوری نہیں ہے کہ مقابلہ کیلئے ہم اس جیسا کلام بنا کر لائیں اور مزید اس نے یہ بھی کہا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۔ (کہ یہ جو محمد ﷺ سناتے ہیں پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو ان کی لکھی ہوئی ملتی ہیں) اسکے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو محمد ﷺ نے یاد کر لی ہیں، انہیں سناتے رہتے ہیں، نضر بن الحارث کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی ایسی باتیں کہی تھیں۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں فرمایا: حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ ان لوگوں کی یہ بات شرارت اور عناد کی وجہ سے تھی، یہ جانتے تھے کہ محمد ﷺ امی ہیں نہ پڑھنا جانتے ہیں اور نہ پہلے لوگوں کی کتابیں ان تک پہنچی ہیں۔ پھر بھی ایمان سے دور اور کفر پر جمے رہتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں۔

نضر بن حارث کا عذاب کے لئے دعا کرنا......... نضر بن حارث نے جب یوں کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں سناتے ہیں تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تو اللہ سے ڈر! محمد ﷺ حق فرماتے ہیں اس پر اس نے کہا کہ میں بھی حق کہتا ہوں۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ محمد ﷺ تو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں) وہ کہنے لگا میں بھی لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوں، لیکن یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ (العیاذ باللہ اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ ہم انہیں اللہ کی بیٹیاں مانتے ہیں اس لئے ہم بھی لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں۔ وہ لا الٰہ الا اللہ کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ پھر اس نے بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی کہ: اے اللہ اگر یہ دین جس کی دعوت محمد ﷺ دیتے ہیں حق ہے تیری طرف سے ہے تو اسے قبول نہ کرنے کی سزا میں ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا اور کوئی دردناک عذاب بھیج دے۔ اپنے خیال میں اس نے یہ بات ظاہر کرنے کے لئے کہی تھی کہ اگر دین محمد ﷺ حق ہوتا تو ہم پر پتھر برس جاتے اور عذاب نازل ہو جاتا جب یہ بات نہیں ہے تو ہم حق پر ہیں۔ اس طرح کی بات یہود نے بھی کہی تھی۔ سورۂ مجادلہ میں ان کا قول نقل فرمایا ہے: لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ (جو باتیں ہم کرتے ہیں ان کی وجہ سے اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا) اور اس زمانہ میں بھی بہت سے فتنہ گر ایسی باتیں کرتے ہیں اہل حق کے مقابلہ میں آجاتے ہیں اور کہتے ہیں اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ عذاب آنا نہ آنا حق اور ناحق واضح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے حق تو دلائل قرآنیہ اور دلائل عقلیہ سے واضح ہوتا ہے اور انہیں میں تفکر اور تدبر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں کہ جو عذاب بھیج کر فیصلہ فرمائے گا کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب مانگنے والوں کی دعا قبول فرما لیتا ہے۔ کبھی جلدی اور کبھی دیر سے عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ

لَلْکافِرِیْنَ نضر بن حارث کے سوال پر نازل ہوئی۔ حضرت عطاء نے فرمایا کہ نضر بن حارث کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور غزوۂ بدر میں اسے قتل کر دیا گیا۔ (کذا فی تفسیر الجلالین وحاشیہ ص ۳۷۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت بالا اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَالْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ (الآیہ) میں جو عذاب آنے کا سوال مذکور ہے یہ سوال ابوجہل نے کیا تھا۔ چونکہ یہ سوال عمومی عذاب کا تھا اسی لئے عمومی عذاب نہیں آیا) اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اگلی آیت وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ وَمَا کَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری ص ۶۷۰ ج ۲) جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر آپ کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی قانون ہے کہ جس بستی میں اللہ کا نبی موجود ہو اس پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں فرماتا جب تک مجرموں کے درمیان سے اپنے نبی کو نہ نکال لے۔ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں پر جب ہی عذاب آیا جبکہ یہ حضرات بستیوں سے باہر جا چکے تھے۔ خاتم الانبیاء جو رحمۃ للعالمین ﷺ تھے۔ آپ کسی بستی میں موجود ہوں اور وہاں عذاب آ جائے یہ نہیں ہوسکتا تھا۔ مکہ مکرمہ میں آپ کا موجود ہونا عذاب آنے سے مانع تھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس کے دوسرے سال غزوۂ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا اور نضر بن حارث بھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد کہ استغفار سبب امان ہے...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل مکہ کے لیے دو چیزیں امان کی تھیں۔ ایک نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور دوسرے استغفار۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے تشریف لے آئے تو ان کے پاس امان کی صرف ایک چیز رہ گئی۔ یعنی استغفار، لہٰذا اہل مکہ پر عمومی عذاب نہ آیا اور فتح مکہ کے دن چند افراد قتل کر دیئے گئے، جو بہت زیادہ شری تھے اور چند افراد کے علاوہ سب نے اسلام قبول کر لیا اور آئندہ کے لئے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دو امانیں رکھی ہیں۔ جب تک یہ دونوں ان کے درمیان میں رہیں گے (دونوں یا ایک) تو عذاب نہیں آئے گا۔ ایک امان تو اللہ تعالیٰ نے اٹھالی یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور دوسری امان ان کے اندر موجود ہے یعنی استغفار کرتے رہنا۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب تک اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (معلوم یہ ہوا کہ مختلف علاقوں میں جو عذاب آتے رہتے ہیں۔ وہاں استغفار نہ کرنے کو بھی دخل ہے) آیت بالا کی تفسیر میں جو ہم نے لکھا ہے تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۰۳ تا ۳۰۵ جلد ۲ سے ماخوذ ہے۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا یُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ یَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا کَانُوْٓا اَوْلِیَآءَهٗ ؕ

اور ان کا کیا استحقاق ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ اس کے اولیاء نہیں ہیں،

اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا کَانَ صَلَاتُهُمْ

اس کے اولیاء صرف متقی لوگ ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے، اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز بس

عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُکَآءً وَّتَصْدِیَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

یہی تھی کہ سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔ سو عذاب چکھ لو اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔

مشرکین کی عبادت یہ تھی کہ بیتُ اللہ کے قریب سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے

گزشتہ آیت میں یہ بتایا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے تشریف فرما ہوتے ہوئے اور اہل مکہ کے استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔ اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب کیوں نہ دے حالانکہ ان کی حرکتیں ایسی ہیں جو سزا کی مقتضی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور وہاں عبادت و طواف کرنے سے روک دیا...... پھر جب ۶ھ ہجری میں آپؐ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیا اور عمرہ نہ کرنے دیا ان کی یہ حرکت اس قابل ہے کہ ان پر عذاب نازل کیا جائے کفر اور کافرانہ حرکتوں کی وجہ سے یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں، مکہ معظمہ میں تو عمومی عذاب نہ آیا لیکن غزوہ بدر میں سرداران قریش مقتول ہوئے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل (صفحہ ۲۴۶ جلد ۲) میں بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ سے عمومی عذاب مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سب ہی ایک ایک کر کے ہلاک نہ کئے جائیں...... اور وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ میں عذاب بالسیف مراد ہے یعنی ان کی حرکتوں کی وجہ سے وہ تلوار کی زد میں آئیں گے اور مقتول ہوں گے اور ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلی آیت میں دنیوی عذاب کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں آخرت کے عذاب کا ذکر ہے۔ دوسرے قول کے مطابق تفسیر کرنے سے فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ کا ارتباط زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ کہ یہ لوگ مسجد حرام کے اولیاء یعنی اس کے متولی نہیں ہیں، کعبہ شریف داعی توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے کعبہ اور مسجد حرام پر اہل شرک کو تسلط رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے پھر فرمایا: اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ کہ مسجد حرام کے متولی وہی ہیں جو اہل تقویٰ ہیں (جو کفر و شرک سے بچتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ اس کی تولیت کا استحقاق اہلِ ایمان کو ہے جو بعد میں فتح مکہ کے دن متولی ہو گئے۔ اس دن کافروں کا تسلّط ختم ہوا، اور مشرکین کچھ مارے گئے اور بہت سے مسلمان ہو گئے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور ان میں سے اکثر یہ بات نہیں جانتے کہ انہیں مسجد حرام کے متولی ہونے کا استحقاق نہیں ہے اور بعض لوگ جو اس بات کو جانتے ہیں وہ عناد پر تلے ہوئے ہیں۔ (کمافی الروح صفحہ ۲۰۳ جلد ۹)

اس کے بعد اہل مکہ کی عبادت کا تذکرہ فرمایا جس کو وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے اختیار کئے ہوئے تھے۔ اپنے خیال میں مسجد حرام کے متولی بھی تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ ہم عبادت کر کے تولیت کا حق ادا کر رہے ہیں اور ان کی عبادت یہ تھی کہ مسجد حرام میں سیٹیاں بجاتے تھے اور تالیاں پیٹتے تھے (جتنے بھی شیطانی دھندے ہوتے ہیں ان میں سیٹیاں، تالیاں، ڈھول، باجے ضرور ہوتے ہیں) اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے، آخرت میں تو ہر کافر کو عذاب ہونا ہی ہے، دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ اہل مکہ بھی اسلام قبول نہ کرنے سے عذاب میں مبتلا ہوئے جن میں ایک واقعہ بدر کی شکست اور ہزیمت کا بھی ہے۔ اہل مکہ کو زمانہ شرک میں جو یہ خیال تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی ہیں اور بحق تولیت ہمیں مسجد حرام سے روکنے کا اختیار ہے اس خیال کی تردید فرمائی کہ اہل کفر مسجد حرام کے متولی نہیں ہو سکتے۔ نیز وہ یوں سمجھتے تھے کہ ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں اس میں عبادت کرتے ہیں اگر مسلمانوں کو اس میں عبادت کرنے سے روک دیا تو کیا ہوا؟ ہم خود عبادت گزار ہیں۔ ان کی اس بات کی بھی تردید فرمادی کہ تمہاری عبادت شیطانی دھندہ ہے۔ تالیاں پیٹنا، سیٹیاں بجانا یہ کہاں کی عبادت ہے؟ اس سے مسجد حرام کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا

بے شک جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ ابھی اپنے مالوں کو

ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾

خرچ کریں گے پھر یہ مال انکے حق میں حسرت کا سبب بن جائیں گے پھر یہ لوگ مغلوب ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ

تاکہ ناپاک کو اللہ پاک سے جدا کر دے، اور ناپاک کو بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے۔ پھر اس کو اکٹھا ڈھیر بنا دے پھر اس کو

فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾

دوزخ میں داخل فرما دے، یہ لوگ تباہ کار ہیں۔

ع ۹ ۱۸

اللہ کی راہ سے روکنے والے مغلوب ہوں گے اور ان کے اخراجات حسرت کا باعث ہوں گے

مفسر ابن کثیر صفحہ ۳۰۷ جلد ۲ تحریر فرماتے ہیں کہ جب قریش کو بدر میں شکست ہوئی اور جو زندہ رہ گئے وہ مکہ مکرمہ واپس پہنچے تو ابوسفیان کے گلے پڑ گئے کہ ہم لوگ تیرے قافلہ کی حفاظت کے لئے نکلے تھے تم لوگ تو صحیح سالم آگئے اور ہمارے آباء اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی بدر میں مقتول ہو گئے۔ لہٰذا تم لوگ مال سے ہماری مدد کرو تاکہ ہم دوبارہ جنگ کریں اور محمد ﷺ سے اپنا بدلہ لے لیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں چندے دیئے اور مال خرچ کئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیت بالا ان کے اسی مال کے خرچ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئی۔

اور معالم التنزیل صفحہ ۲۴۷ جلد ۱ میں لکھا ہے کہ یہ آیت ان مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر میں جاتے ہوئے اپنی جماعت پر منزل بہ منزل خرچ کرتے رہے اور اونٹ ذبح کر کے کھلاتے رہے۔ پھر حکم بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اُحد کے موقعہ پر مشرکین پر چالیس اوقیہ چاندی خرچ کی تھی (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا)

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سببِ نزول اگرچہ خاص ہے مگر مضمون عام ہے۔ جب کبھی بھی اہلِ کفر حق سے روکنے کے لئے اپنا مال خرچ کریں گے دنیا و آخرت میں ناکام ہوں گے اور ذلیل ہوں گے اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہوگا پھیلے گا پورا ہوگا۔ کافر اس کے بجھانے کے لئے مال خرچ کریں گے پھر نادم ہوں گے ان کو حسرت ہوگی کہ ہم نے اپنا مال خرچ کیا لیکن فائدہ مقصود حاصل نہ ہوا یہ لوگ دنیا میں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ...... یہ يُحْشَرُونَ سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ دوزخ میں اہل کفر کا داخلہ اس لئے ہوگا کہ پاک اور ناپاک یعنی مؤمن اور کافر میں اللہ تعالیٰ تمیز فرما دیں۔ اہل ایمان اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں اور اہل کفر اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔

وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ (تاکہ اللہ تعالیٰ خبیث کو بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے اور اس کو اکٹھا کر کے دوزخ میں داخل فرما دے) دنیا میں تمام اہل کفر ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ اسلام کے خلاف اموال خرچ

کرنے میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے تھے آخرت میں بھی سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ دنیا میں جو اسلام کی دشمنی کے لئے سوچتے اور خرچ کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے دارالعذاب میں اکٹھے ہو کر اس کی سزا بھگتیں گے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ

جن لوگوں نے کفر کیا آپ ان سے فرما دیجئے اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ گزر چکا وہ ان کیلئے معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ پھر بھی وہی کریں جو کرتے رہے ہیں

مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۸

تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے۔

کافروں کو اسلام کی ترغیب اور کفر پر جمے رہنے کی وعید

اس آیت میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کافروں سے فرما دیں کہ اب تک جو تم کفر پر جمے رہے اور اسلام کی دعوت کو روکنے کے لئے تدبیریں کرتے رہے اور اس کے بارے میں جنگ کرتے رہے ان سب سے اگر تائب ہو جاؤ یعنی اسلام قبول کر لو تو وہ سب کچھ معاف کر دیا جائے گا جو اب تک گزر چکا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص ؓ بھی اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے آپ نے فرمایا اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھیں اور بلاشبہ ہجرت ان سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو اس سے پہلے تھے اور بلاشبہ حج ان گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۷۶ جلد ۱)

شراح حدیث نے لکھا ہے کہ ہجرت اور حج سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، یہ بات دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ کرم ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی دشمنِ اسلام ہو جب بھی اسلام قبول کر لے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اور اگر کافر اپنے کفر پر جمے رہیں تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ پہلے لوگوں کو انکار اور عناد کی وجہ سے جو سزائیں ملی ہیں مقتول اور مغلوب ہوئے ہیں وہی سزائیں ان کو بھی ملیں گی اور آخرت کا عذاب دائمی تو ہر کافر کے لئے بہر حال ہے ہی۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں: فقد مضت سنة الاولين فى نصر الله انبيائه و اولياءه واهلاک اعدائه، یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ تکوینی قانون چلا آرہا ہے کہ اپنے انبیاء و اولیاء کی مدد فرمائی اور اپنے دشمنوں کو ہلاک فرمایا۔ اگر تم کفر سے باز نہ آئے تو اسی تکوینی قانون کے مطابق تمہارا بھی انجام ہوگا۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ کے لئے ہو جائے سو اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے

بَصِيْرٌ ۝۳۹ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۴۰

جو وہ کرتے ہیں اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین جانو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے۔

کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے۔ پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ کافروں سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ کفر و شرک باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کیلئے ہو جائے۔ یعنی اہل کفر اسلام قبول کرلیں اور موحد ہو جائیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے کفار عرب مراد ہیں۔ چونکہ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا اس لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ کفار عرب سے یہاں تک جنگ کرو کہ جزیرۃ العرب میں کفر نہ رہے۔ پورا جزیرہ اسلام کا گہوارہ ہو جائے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ برابر کافروں سے لڑتے رہو وہ جہاں کہیں بھی ہوں یہاں تک کہ اسلام کو غلبہ ہو جائے۔ غلبہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام قبول کرلیں اور دوم یہ کہ جزیہ دینا منظور کرلیں۔

حضرات صحابہ تو برابر جہاد کرتے رہے، ان کے بعد بہت سے امراء اور ملوک نے جہاد جاری رکھا۔ دور حاضر کے مسلمانوں نے جہاد شرعی چھوڑ دیا تو اب خود مقہور اور مغلوب ہو رہے ہیں آیت کے ختم پر فرمایا: فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ٥ (اگر کافر لوگ اپنے کفر سے باز آجائیں اور اسلام قبول کرلیں تو اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں) تمہیں شک میں پڑنے کی ضرورت نہیں یہ خیال کرکے کہ ممکن ہے انہوں نے دھوکہ دینے کے لئے اسلام قبول کرلیا ہو پھر قتل کرتے چلے جاؤ ایسا نہ کرنا، تم ظاہر کے مکلف ہو قلوب کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اگر وہ دھوکہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ ان سے تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنی جہینہ کی طرف ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ جنگ کے موقعہ پر جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کافروں میں سے ایک آدمی کو قتل کرنے لگے تو اس نے لا الٰـہ الا اللہ کہہ دیا۔ اس کے باوجود انہوں نے اسے قتل کر دیا جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو واقعہ عرض کر دیا آپ نے فرمایا: أقتلتـه وقد شهد ان لا الٰه الا الله کیا تو نے اس کے باوجود اسے قتل کر دیا کہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا انمـا فعل ذٰلک تعوذًا کہ اس نے جان بچانے کے لئے ایسا کیا۔ آپ نے فرمایا: فهلا شققت عـن قلبـه، سو تو نے اس کے دل کو چیر کر کیوں نہ دیکھا۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ جب کسی نے اسلام کا کلمہ پڑھ لیا تو ہمیں اسے مسلمان مان لینا چاہئے۔ ہم دلوں کا حال نہیں جانتے۔ دلوں کو چیر کر نہیں دیکھ سکتے پھر کسی کو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے سچے دل سے کلمہ نہیں پڑھا ہمارا کام ظاہر سے متعلق ہے دلوں کا حال اللہ جانتا ہے۔ اگر کافر لوگ دھوکہ دیکر کوئی شر یا ضرر پہنچانا چاہیں گے تو ان سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے گا۔ وہ تو ظاہر اور باطن سب ہی کو جانتا ہے۔ قال ابن کثیر (صفحہ ۳۰۹ جلد ۲) **قـولـه فـان انتهوا قتالكم عماهم فيه من الـكفر فكفوا عنهم فان لم تعلموا بواطنهم فان الله بما يعملون بصير ثم ذكر قصة اسامة بن زيد الذى ذكرنا ها فى هٰـذه الصفحة وهى مروية فى الصحيحين وغيرهما** ۔ (علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَانِ انتهوا کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے کافر ہونے کے باوجود تم سے قتال کرنے سے رک جائیں تو تم بھی ان سے قتال سے باز آؤ۔ اگر تم ان کے باطن کو نہیں جانتے پس اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو دیکھ رہے ہیں۔ پھر علامہ ابن کثیر نے حضرت اسامہ بن زید والا یہ قصہ ذکر کیا جو ہم نے ابھی اس صفحہ میں بیان کیا ہے اور یہ قصہ صحیحین وغیرہ میں مروی ہے)

دوسری آیت میں فرمایا: وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ کہ کافر اگر روگردانی کریں اسلام قبول نہ کریں اور تمہاری مخالفت اور محاربت پر کمر باندھے رہیں تو ان سے لڑتے رہو اور بزدل نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے تمہاری مدد فرمائے گا۔ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۔ وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے۔ جب اس کی مدد شامل حال ہوگی تو تمہارے لئے بزدل بننے اور جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہنے کا کوئی موقع نہیں۔

(پارہ نمبر ۱۰)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی

اور تم جان لو کہ جو کوئی چیز تمہیں مال غنیمت سے ملے سو بلاشبہ اللہ کے لئے اس کا پانچواں حصہ ہے اور رسول کے لئے اور قرابت والوں کے لئے

وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ

اور یتیموں کے لئے مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے، اگر تم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو ہم نے نازل کی اپنے بندہ پر فیصلہ کے

الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

دن جس روز بھڑ گئی تھیں دونوں جماعتیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اموالِ غنیمت کے مستحقین کا بیان

کافروں سے جب جہاد کیا جاتا ہے تو ان کے اموال بھی قبضہ میں آجاتے ہیں ان اموال کو شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ سابقہ امتوں کے مسلمان جب کافروں سے جہاد کرتے تھے اور ان کے اموال قابو میں آجاتے تھے تو ان اموال کو آپس میں تقسیم کر لینے کا شرعی قانون نہیں تھا بلکہ آسمان سے آگ نازل ہوتی تھی جو غنیمت کے اموال کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے امت محمدیہ پر یہ کرم فرمایا اور رحم فرمایا کہ انہیں اموال غنیمت آپس میں تقسیم کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم یحل الغنائم لاحد من قبلنا ذٰلک بان اللہ رأی ضعفنا و عجزنا فطیبھا لنا۔ (حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہم سے پہلے کسی امت پر اموال غنیمت حلال نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف و کمزوری کو دیکھا تو ہمارے لئے اموال غنیمت حلال کر دیئے)۔ (رواہ مسلم صفحہ ٨۵ جلد۲)

کافروں کا جو مال جنگ میں حاصل کر لیا جائے۔ اس کی تقسیم کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں جو احکام ہیں ان میں سے ایک حکم اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ کل مال غنیمت میں سے اولاً پانچواں حصہ علیحدہ کر لیا جائے اور اس کے بعد باقی چار حصے مجاہدوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ پانچواں حصہ کس پر خرچ ہوگا اس کے بارے میں فرمایا:

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ذکر تبرکا ہے۔ اس خمس کے مستحقین وہ لوگ ہیں جو بعد میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا محتاج نہیں لیکن چونکہ اس کے قانون کے مطابق تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ سے شروع فرمایا۔ اس کے بعد اس پانچویں حصہ کے مستحقین بیان فرمائے۔ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

یعنی مال غنیمت کے اس پانچویں حصہ کا مصرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور آپ کے رشتہ دار یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر

ہیں۔رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہوگیا۔اب رہے آپ کے ذوی القربیٰ یعنی رشتہ دار، **تو ان کا حصہ بھی صرف آپ ہی کی موجودگی تک تھا اب آپ کی رشتہ داری** ــــــــــــ کے عنوان سے ان حضرات کا حصہ مستقل نہیں رہا۔اس لئے آپ کی رشتہ داری کے عنوان سے ان حضرات کو کچھ نہیں ملے گا البتہ بعد میں جو تین مصرف ذکر کئے گئے ہیں یعنی یتامیٰ اور مساکین اور ابن السبیل ان کے ذیل میں ان حضرات کو بھی مل جائے گا بلکہ ان کو دوسرے یتامیٰ اور مساکین پر ترجیح دی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اب مال غنیمت سے جو خمس ۱/۵ نکالا جائے گا وہ امیر المؤمنین اپنی صوابدید کے مطابق یتامیٰ اور مساکین اور مسافرین پر خرچ کرے گا۔اغنیاء ذوی القربیٰ کو نہیں دیا جائے گا، ان میں جو فقراء یا یتامیٰ یا ابن سبیل ہوں گے ان پر خرچ کیا جائے گا۔مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر ہر یتیم اور ہر ہر مسکین اور ہر ہر مسافر کو میراث کی طرح حصہ پہنچایا جائے بلکہ امیر المؤمنین اپنی صوابدید سے ان مصارف میں خرچ کرے **ذوی القربیٰ** کے بارے میں یہاں جو مسئلہ لکھا گیا ہے یہ فقہاء حنفیہ کی تحقیق کے مطابق ہے خمس کے مصارف بیان **فرمانے کے بعد فرمایا۔**

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ۔

یعنی اگر تمہارا اللہ پر ایمان ہے اور اس پر بھی ایمان ہے کہ فیصلہ کے دن جو تمہاری جیت ہوئی وہ ہماری امداد غیبی کی وجہ سے ہوئی تو بلا تردد اور بلا تأمل مال غنیمت کے پانچویں حصہ کو مصارف مذکورہ میں خرچ کرو۔تمہیں اس پانچویں حصہ کا نکالنا ناگوار نہ ہونا چاہئے۔یہ ساری غنیمت اللہ کی امداد غیبی سے حاصل ہوئی ہے۔لہذا خوش دلی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تکمیل کرو۔یہ خمس نکالنا نفسوں پر شاق نہ ہونا چاہئے۔

یوم الفرقان .... یوم بدر کو یوم الفرقان یعنی فیصلہ کا دن فرمایا اور یہ اس لئے کہ بدر میں اہل ایمان اور اہل کفر کا مقابلہ ہوا تو مؤمنین کی تعداد کافروں کے مقابلہ میں بہت کم ہونے کے باوجود کافروں کو شکست فاش ہوئی اور کھل کر یہ بات سامنے آگئی کہ دین اسلام حق ہے اور کفر باطل ہے اور یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

بہت سے عرب قبائل اس سے پہلے اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھے اور یہ مشورے کیا کرتے تھے کہ دیکھو مکہ والوں کے ساتھ اہل اسلام کا کیا معاملہ ہوتا ہے اور انجام کار کس کی طرف ہوگا اہل اسلام غالب ہوتے ہیں یا مشرکین کا عناد اور کفر و شرک پر جمنا باطل چیز ہے۔**فسبحان من اعلی کلمته ونصر حزبه وهزم الاحزاب وحده۔** (پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے کلمہ کو بلند کیا اور اپنی جماعت کی مدد کی اور اسی اکیلے نے لشکروں کو شکست دے دی)۔

آیت کے ختم پر فرمایا: **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**، جس میں یہ بتادیا کہ تمہیں جو کچھ فتح حاصل ہوئی اور مال غنیمت حاصل ہوا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا اگر تمہیں کچھ بھی نہ دیا جاتا تب بھی راضی رہنا تھا اب جبکہ زیادہ تمہیں دے دیا یعنی ۴/۵ حصے تمہیں مل گئے اور ۱/۵ دوسرے مصارف میں خرچ کرنے کا حکم دیا تب بطریق اولیٰ نفسوں کی خوشی کے ساتھ راضی ہونا چاہئے۔پھر یہ مصارف کون ہیں اپنے ہی اندر کے لوگ ہیں۔یتامیٰ، مساکین اور مسافرین تمہاری اپنی جماعت کے ہیں۔یہ مال اور کہیں نہیں گیا تمہارے اپنوں ہی میں خرچ ہوا اس اعتبار سے بھی یہ اموال تم ہی کو مل گئے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ

جبکہ تم قریب والے کنارے پر تھے اور وہ لوگ دور والے کنارے پر، اور قافلے والے تم سے نیچے کی طرف تھے اور اگر تم آپس میں

لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ

وعدہ کر لیتے تو تم میعاد کے بارے میں اختلاف کر لیتے اور لیکن تا کہ اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ فرمائے جو ہو جانے والا تھا، تا کہ جو شخص ہلاک ہو حجت قائم

عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۟ۙ اِذْ یُرِیْكَهُمُ

ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جو شخص زندہ رہے وہ حجت قائم ہونے کے بعد زندہ رہے اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے، جبکہ اللہ ان کو آپ کے

اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ

خواب میں کم دکھا رہا تھا، اور اگر وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ہمت ہار جاتے اور اس امر میں باہمی تم میں نزاع ہو جاتا لیکن

اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۟ وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا

اللہ نے بچا لیا۔ بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے، اور جبکہ تم باہم مقابل ہوئے وہ ان کو تمہاری آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا

وَّیُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۟

اور تمہیں ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا۔ تا کہ اس بات کا فیصلہ ہو جائے جس کا وجود میں آنا مقرر ہو چکا تھا، اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

بدر میں محاذِ جنگ کا نقشہ اور اللہ تعالیٰ کی مدد

ان آیات میں اول تو غزوہ بدر کے محاذِ جنگ کا نقشہ بتایا ہے پھر اپنے انعامات ذکر فرمائے ہیں جو غزوہ بدر کے دن مسلمانوں کے فتح یاب ہونے کا ذریعہ بنے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے مقام بدر میں پہنچ کر ایسی جگہ قیام کیا تھا جو مدینہ منورہ سے دور ہے اور وہ لوگ ایسی جگہ لے چکے تھے جو بظاہر محاذِ جنگ کے لئے زیادہ مناسب تھی جب مسلمان پہنچے تو ان کو نیچے کی جگہ ملی یہ جگہ ریتیلی تھی اور مدینہ سے قریب تھی اور تیسری جماعت یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ وہ اس جگہ سے نیچے کی طرف تھا۔ کیونکہ یہ لوگ ساحل سمندر پر چل رہے تھے جو مقام بدر سے تین میل دور تھا۔ پہلے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جنگ کرنے کا نہ خیال تھا اور نہ کوئی اس کا وقت مقرر تھا۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے تھے اور شدہ شدہ بدر تک پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا پہلے سے فیصلہ تھا کہ ایمان اور اہل ایمان بلند ہوں اور فتح یاب ہوں اور کفر اور کفار نیچا دیکھیں اور شکست کھائیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ دونوں جماعتیں پیشگی بات چیت کئے بغیر جمع ہو گئیں اور ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی کہ سرور عالم ﷺ نے خواب دیکھا کہ مشرکین کی تعداد کم ہے۔ جب یہ بات حضرات صحابہ کے سامنے آئی تو ان کا حوصلہ بلند ہو گیا اور جنگ کرنے کے لئے دل سے آمادہ ہو گئے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو مسلمانوں میں بزدلی آجاتی اور آپس میں اختلاف کرتے کہ جنگ کے لئے آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں، اللہ تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کے حوصلے بلند فرمادیئے اور بزدلی اور کم ہمتی سے بچالیا اور باہمی اختلاف سے محفوظ رکھا۔ اسی کو فرمایا۔ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے کہ کس کو اللہ سے محبت ہے اور کس کا رخ آخرت کی طرف ہے اور کون دنیا کا طالب ہے اور کون بزدل ہے اور کون دلاور ہے۔ پھر

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مزید فرمایا کہ جب مقابلہ کا وقت آیا اور مڈبھیڑ ہوگئی تو مسلمانوں کی آنکھوں میں کافروں کو اور کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کو کم تعداد میں دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان شجاعت اور بے جگری سے لڑے اور کافر بھی یہ سمجھ کر لڑے کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں ان کو ختم کرنا آسان ہے پھر انجام یہ ہوا کہ کافر مغلوب ہوئے اور شکست کھائی اور مسلمان غالب ہوئے اور فتح پائی اور اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ مقرر اور مقدر تھا اسی کے مطابق ہو کر رہا۔ معالم التنزیل صفحہ ۲۵۳ جلد ۲ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مشرکین کی تعداد ہماری آنکھوں میں اس قدر کم ہوگئی تھی کہ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا کہ جو میرے پہلو میں تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ لوگ ستر (۷۰) تو ہوں گے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں سو (۱۰۰) ہیں۔ اس کے بعد ہم نے مشرکین میں سے ایک شخص کو قید کر لیا اور اس سے پوچھا تمہاری کتنی تعداد ہے تو اس نے کہا کہ ایک ہزار کی نفری ہے۔

یہ جو فرمایا: لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ۔

اس میں یہ بیان کیا کہ واقعہ بدر میں دین اسلام کی کھلی اور واضح حقانیت ظاہر ہوگئی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کا خوب واضح طریقہ پر لوگوں کو علم ہوگیا، اب بھی جو شخص ہلاک ہوگا یعنی کفر پر جمار ہے گا وہ حجت تمام ہونے کے بعد اس کو اختیار کرلے گا اور جو شخص ایمان پر پختگی کے ساتھ جمار ہے گا وہ بھی حجت کے ساتھ دین حق پر رہے گا۔ ہلاکت سے کفر پر باقی رہنا اور حیات سے اسلام پر جمار ہنا اور اسلام قبول کرنا مراد ہے۔ حق واضح ہو جانے کے بعد ہر طرح کی غلط فہمی کا احتمال ختم ہوگیا، اب کافر دیکھتی آنکھوں دھکتی آگ میں جائے گا اور خود اپنی ہلاکت کے راستہ کو اختیار کرے گا، اور جو شخص اسلام پر جمے گا اور اسی طرح جو کافر اسلام قبول کرے گا وہ بھی دلیل و حجت کے ساتھ دین حق پر مستقیم ہوگا۔

فائدہ......... سورۂ آل عمران کے دوسرے رکوع میں بھی غزوۂ بدر کا ذکر ہے، وہاں يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۔ فرمایا ہے اس کا ترجمہ اور تفسیر وہیں دیکھ لیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

اے ایمان والو! جب تم کسی جماعت سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ،

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو بلاشبہ اللہ

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ

صابروں کے ساتھ ہے۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روک رہے تھے اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر مقابلہ کرو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو

ان آیات میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے کہ جب کبھی کسی جماعت سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے یعنی جنگ اور لڑائی کی نوبت آجائے تو

ثابت قدمی کے ساتھ جم کر مقابلہ کرو حضرت عبداللہ بن اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی تمنا کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو پھر جب مڈبھیڑ ہوجائے تو جم کر لڑو۔ اتنا مضمون صحیح بخاری صفحہ ۴۲۴ جلد ۲ میں ہے۔ مسند دارمی صفحہ ۱۳۵ جلد ۲ میں یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی ہے اس میں یوں ہے کہ دشمن سے مقابلہ ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو، سو جب تمہاری مڈبھیڑ ہوجائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ سو اگر دشمن چیخیں، چلائیں تو تم خاموشی اختیار کرو۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ سوال تو عافیت ہی کا کرتے رہیں اور جب دشمنان دین سے لڑنے کا موقعہ آجائے تو کمزوری نہ دکھائیں ثابت قدم رہیں جم کر لڑیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کریں اور قتال کے آداب میں سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ خاموشی سے لڑیں۔ شور وشغب سے بچیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین مواقع میں اللہ تعالیٰ کو خاموشی محبوب ہے۔ تلاوت قرآن کے وقت اور قتال کے وقت اور جس وقت جنازہ حاضر ہو۔ (ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیرہ صفحہ ۳۱۶ جلد ۲)

خوب مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا...... **وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا**۔

اور اللہ کو خوب زیادہ یاد کرو۔ یوں تو اللہ کا ذکر ہر وقت ہونا چاہئے لیکن خاص کر جنگ کے موقعہ میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، مدد مانگنا، تسبیح تہلیل میں مشغول رہنا یہ سب اللہ کا ذکر ہے۔ مؤمن بندہ لڑتا ہی اللہ کے لئے ہے۔ اس کا مرنا اور جینا اللہ کے لئے ہے، پھر جنگ کے وقت اللہ کے ذکر سے غافل ہونے کا کوئی موقعہ ہی نہیں۔ اس موقعہ پر ذکر کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ بظاہر جنگ کی طرف پوری مشغولیت ہو اور باطن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اور زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو یہ مؤمن کی خاص شان ہے۔ حضرت سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ نماز، روزے اور ذکر ان سب کا ثواب فی سبیل اللہ (عزوجل) مال خرچ کرنے کی نسبت سات سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۳۳۸ جلد ۱) اور خود فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی یہ فضیلت ہے کہ اس کا ثواب (کم از کم) سات سو گنا ملتا ہے۔ (الترغیب صفحہ ۲۵۳ جلد ۲) اور ذکر کا ثواب اس سے بھی سات سو گنا زیادہ ہے نیز سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فی سبیل اللہ ایک ہزار آیات پڑھ لیں اللہ تعالیٰ اسے انبیاء اور صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ لکھ دے گا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد کمافی الترغیب صفحہ ۲۶۷ جلد ۲)

پھر فرمایا: **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ۔ جم کر لڑیں گے ثابت قدم رہیں گے اللہ کا ذکر کریں گے تو کامیاب ہوں گے، دنیا و آخرت میں کامیابی نصیب ہوگی۔

آپس میں جھگڑنے سے ہوا خیزی ہوجاتی ہے .... پھر فرمایا: **وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ**۔ (اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی) **وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ** (اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہوجائے گی)

اور آپس میں جھگڑنے کی وجہ سے ساکھ ختم ہوجاتی ہے، اور مسلمانوں کے باہمی اختلاف اور انتشار کو دیکھ کر دشمن بے خوف ہوجاتے ہیں اور ان کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت جاتی رہتی ہے۔ باہمی اختلاف ضعف کا سبب ہے۔ قلوب مجتمع نہ رہیں تو اجسام بھی اتحاد اور اعتماد کا مظاہرہ نہیں کرسکتے۔ کافروں کو شکست دینے کی بہت سی تدبیریں ہیں (مثلاً جنگی مشقیں اور اسلحہ کی فراہمی وغیرہ) ان سب سے بڑھ کر باہمی اتحاد اور اعتماد کی ضرورت ہے۔ ثابت قدمی بھی جب ہی حاصل ہوتی ہے جب آپس میں انتشار نہ ہو۔

آخر میں فرمایا: وَاصْبِرُوْاط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۔ (اور صبر کرو بلاشبہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے)

اہل ایمان کے لئے صبر بہت بڑی چیز ہے۔اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی ،خانگی حالات ہوں یا دوسرے معالات ہر حال میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے بڑے بڑے مسائل حل ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نا گوار چیزوں کو برداشت کر لینا بڑے اجر وثواب کا اور دنیاوی حالات میں اور اپنوں اور پرایوں کے معالات میں کامیابی کے ساتھ گزرتے چلے جانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے،آپس کے نزاع سے بچنے کا حکم دینے کے بعد ساتھ ہی صبر کا حکم دینے میں اس بات کی طرف رہنمائی ہے کہ آپس کا اتحاد صبر اختیار کرنے سے باقی رہ سکتا ہے۔جب کچھ آدمی آپس میں مل کر رہتے ہوں خواہ ایک ہی گھر کے افراد ہوں۔آپس میں کچھ نہ کچھ ایک دوسرے کی جانب سے قول یا فعل کے اعتبار سے نا گواری پیش آ جاتی ہے ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے یا نکلنے کا ارادہ کرے تو باہمی مشوروں میں اختلاف رائے ہونے کا امکان رہتا ہے بلکہ اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔طبائع بھی مختلف ہوتی ہیں۔جب تک برداشت نہ ہو اتحاد قائم نہیں رہ سکتا،اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشورہ کرنے بیٹھیں تو اپنی اپنی رائے دے کر فارغ ہو جائیں۔کوئی شخص اپنی رائے پر اصرار نہ کرے،اگر اصرار کرنے لگیں تو وہیں لڑائی ہو جائے گی اور مشورے کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ایک کی رائے دوسرے کے خلاف ہو تو صبر کرے اور پھر جو امیر کسی کی رائے یا اپنی رائے کو ترجیح دیدے تو اپنی رائے کے مخالف ہونے کی وجہ سے دل گیر نہ ہو بلکہ صبر کرے۔حتیٰ کہ اگر کسی کی رائے کے خلاف اختیار کر لینے سے کوئی نقصان پہنچ جائے تب بھی امیر کو طعنہ نہ دے کہ دیکھا ہم نے کیا کہا تھا؟ اتحاد کے لئے بڑے صبر اور ثبات کی ضرورت ہوتی ہے نا گواریوں کو بشاشت کے ساتھ برداشت کیا جاتا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدہ سے معزول کر دیا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور حسب سابق جہاد کے کاموں میں مشغول رہے۔

درحقیقت اصل اطاعت وہی ہے جو طبعی نا گواری کے ساتھ ہو۔اگر ہر شخص یوں چاہے کہ ہمیشہ میری چلے تو کبھی بھی اجتماع نہیں ہو سکتا۔انتشار ہی رہے گا اور اس سے ہوا خیزی ہوگی

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اکڑتے مکڑتے ریا کاری کے لئے نکلے ...... پھر فرمایا: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (یعنی تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے) جو لوگ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان میں اکڑ مکڑ اور اترانے اور فخر کرنے کا مرض ہوتا ہے۔پھر وہ اس کی وجہ سے نیچا دیکھتے ہیں۔علامہ بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ معالم التنزیل صفحہ ۲۵۴ جلد ۲ میں لکھتے ہیں: آیت بالا مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو فخر اور تکبر کے انداز میں چلے۔رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! یہ لوگ اپنے تکبر اور فخر کے ساتھ آئے ہیں۔آپ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے رسول ﷺ کو جھٹلاتے ہیں۔آپ نے جو مدد کا وعدہ فرمایا ہے اس کے مطابق مدد فرمائیے۔ابوسفیان تو اپنا قافلہ لے کر بچ نکلا جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے قریش کو رائے دی کہ اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں واپس ہو جانا چاہیے اس پر ابو جہل نے کہا اللہ کی قسم ہم جب تک بدر نہ پہنچ جائیں واپس نہ ہوں گے وہاں تین دن قیام کریں گے اونٹ ذبح کریں گے کھانے کھلائیں گے،شرابیں پلائیں گے اور گانے والیاں ہمارے پاس گانے گائیں گی اور عرب میں ہماری شہرت ہو جائے گی پھر وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے،یہ بات تو بڑی کہی تھی لیکن قریش کے تکبر اور فخر کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرابوں کی جگہ موت کے پیالے پئے اور گانے والی عورتوں کی بجائے نوحہ کرنے والی عورتوں نے ان پر نوحہ کیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو منع فرمایا کہ

تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا اور مؤمنین کو حکم دیا کہ نیت خالص اللہ کی رضا کے لئے رکھیں اور دین کی مدد اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تائید میں لگے رہیں۔

اگر لشکر زیادہ ہو تب بھی اترانا اور شہرت کے لئے جنگ کرنا اور اپنی طاقت پر گھمنڈ کرنا لے بیٹھتا ہے اور شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ غزوۂ حنین میں ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کو اولاً شکست ہوگئی کیونکہ اپنی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا تھا۔ کما قال تعالیٰ۔ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا (الآیۃ) نماز ہو یا جہاد یا انفاق مال یا کوئی بھی نیک عمل ہو اس کا ثواب اسی وقت ملتا ہے جبکہ اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔

اکڑ مکڑ اپنی ذات اور جماعت پر بھروسہ یہ سب اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ اس سے اخلاص جاتا رہتا ہے جو لوگ اللہ کی رضا چاہتے ہیں ان میں تواضع ہوتا ہے اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے اللہ ہی کے لئے لڑتے ہیں اور اسی کے لئے مرتے ہیں عین قتال کے موقع پر کافروں کو اپنی طاقت دکھانے کے لئے ظاہری طور پر اکڑ مکڑ دکھانا بھی اللہ کو محبوب ہے۔ دل میں تواضع اور اللہ پر بھروسہ اور ظاہر میں کافروں کو جلانے کے لئے اتراتے ہوئے کافروں کے مقابلہ میں آنا یہ محبوب اور مرغوب ہے۔ **فی الحدیث فاما الخیلاء التی یحب اللہ فاختیال الرجل عند القتال و اختیاله عند الصدقة** ۔ (کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۲۸۷) (حدیث میں ہے وہ اترانے والے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ قتال کے وقت کا اترانا ہے اور صدقہ کے وقت کا اترانا (یعنی صدقہ دل کی خوشی سے اور استغفار سے دے)۔

مشرکین کا تذکرہ فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا: وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کہ وہ اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں قریش مکہ خود بھی اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے۔ اگر اسلام قبول کر لیتے تو جنگ کا موقعہ ہی نہ آتا لیکن ان کی شرارتِ نفس نے ان کو یہاں پہنچایا کہ بدر میں آ کر مقتول ہوئے۔

وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۔ (اور اللہ ان کے تمام اعمال سے باخبر ہے) لہٰذا وہ ان کو ان کی سزا دے گا۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ

اور جب شیطان نے ان کو اعمال خوشنما کر کے دکھائے اور اس نے یوں کہا کہ لوگوں میں سے آج تم پر کوئی بھی غلبہ پانے والا نہیں ہے اور میں تمہاری

جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ

حمایت کرنے والا ہوں پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگ نکلا اور اس نے کہا کہ بلاشبہ میں تم سے بری ہوں بے شک میں وہ

اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع ۲

کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

مشرکین کو شیطان کا جنگ کے لئے پھسلانا پھر بدر کے میدان کارزار سے بھاگ جانا

شیطان ملعون ہمیشہ سے انسان کا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ کافر کفر پر جمے رہیں اور اہل اسلام سے جنگ کرتے رہیں اس کی خواہش ہے کہ کفر پھیلے اور اسلام کی اشاعت نہ ہو۔ جیسے وہ قریش مکہ کے اس مشورے میں شیخ نجدی کی صورت بنا کر شریک ہو گیا تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کے قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کے مشورے کر رہے تھے۔ اسی طرح سے غزوۂ بدر کے موقعہ پر بھی آ موجود ہوا۔ اول تو وہ مکہ

معظمہ ہی میں اس وقت مشرکین کے پاس پہنچا جب وہ بدر کے لئے روانہ ہونے میں جھجک رہے تھے اس موقعہ پر ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں پہنچ گیا (یہ سراقہ بنی کنانہ کے سرداروں میں سے تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے) ابلیس نے قریش مکہ سے کہا کہ تم لوگ ہرگز اپنے ارادے سے باز نہ آؤ بلکہ چلے چلو میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں۔ آج تم پر کوئی غلبہ پانے والا نہیں ہے۔ یہ تو مکہ میں ہوا پھر وہ بدر میں بھی موجود ہو گیا۔ جب مسلمانوں اور کافروں کی صفیں مقابلے کے لئے ترتیب دی گئیں تو یہاں بھی وہ مشرکین کی صفت میں اسی سراقہ والی صورت میں موجود تھا اور حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا، جب اس نے دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے موجود ہیں تو وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگا حارث نے کہا کہ تو تو جنگ سے پہلے ہی بھاگ رہا ہے۔ اس پر اس نے حارث کے سینہ میں دھپ مارا اور الٹے پاؤں چلا گیا اور اس نے یوں کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ یہ تو اس وقت کی بات ہوئی پھر جب قریش شکست کھا کر مکہ معظمہ پہنچے تو یوں کہنا شروع کیا کہ ہمیں سراقہ نے شکست دی۔ سراقہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ تم لوگ میرے بارے میں ایسا کہتے ہو اللہ کی قسم مجھے تو تمہارے جانے ہی کی خبر نہیں ہوئی مجھے تو تمہاری شکست کی خبر پہنچی ہے۔ ان لوگوں نے کہا کیا تو فلاں دن ہمارے پاس نہیں آیا تھا؟ اس نے قسم کھا کر کہا مجھے تو اس کی بالکل خبر نہیں، پھر سراقہ اور دوسرے لوگ مسلمان ہو گئے تو پتہ چلا کہ یہ شیطان کی حرکت تھی۔ (معالم التنزیل صفحہ ۲۵۵ جلد ۲، روح المعانی صفحہ ۱۵ جلد ۱۰)

شیطان نے یہ جو کہا کہ اِنِّیٓ اَخَافُ اللّٰہَ (میں اللہ سے ڈرتا ہوں)...... اس کا مطلب حضرت عطاء نے یہ بتایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دیگر ہلاک ہونے والوں کے ساتھ مجھے ہلاک نہ کر دے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے تمہارے بارے میں ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلاک نہ فرما دے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ سخت عقاب والا ہے تم لوگوں پر تو عذاب آنے والا ہے۔ میں کیوں تمہارے ساتھ شریک رہوں، بعض حضرات نے فرمایا کہ ابلیس کا کلام اِنِّیٓ اَخَافُ اللّٰہَ پر ختم ہو گیا اور وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ جملہ مستانفہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے لئے یہاں بھی سخت عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ ابلیس اس موقعہ پر جو بھاگ گیا تو وہ اور اس کے ساتھی یہ نہ سمجھیں کہ عذاب سے بچ گئے آخرت کا عذاب تو لازمی ہی ہے جو شدید ہے۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ

جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے گھمنڈ میں ڈال دیا اور جو کوئی شخص

يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾

اللہ پر بھروسہ کرے تو بلاشبہ اللہ عزت والا ہے غلبہ والا ہے۔

منافقین کی بداعتقادی اور بدزبانی

منافقین آستین کا خنجر تھے مسلمانوں میں بھی اپنے کو شمار کراتے تھے اور کافر تو تھے ہی ان کا کام یہ تھا کہ اسلام کو نقصان پہنچائیں اور مسلمانوں پر طنز کریں۔ ان کی انہیں طنزیہ باتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب صحابہؓ تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے اپنے سے تین گنا تعداد سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے تو ان لوگوں نے کہا کہ انہیں اپنے دین پر بڑا غرور ہے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم چونکہ حق پر ہیں اس

لئے غالب ہو کر رہیں گے۔ یہ اپنے اس گھمنڈ کی وجہ سے یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہم کس سے بھڑ رہے ہیں اور کس سے مقابلہ ہو رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو بلا شبہ اللہ غالب ہے وہ توکل کرنے والوں کو ضرور غلبہ دے گا جو اس سے مدد طلب کرے گا خواہ اس کی تعداد تھوڑی ہو وہ اس کی مدد فرمائے گا، وہ حکیم ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق مدد اور نصرت فرماتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (جن کے دلوں میں مرض ہے) سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بھی منافقین مراد ہیں اور یہ عطف تفسیری ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو قریش مکہ کے ساتھ آ گئے تھے ان کے قلوب میں اسلام کے بارے میں تذبذب تھا، اسی تذبذب کو مرض سے تعبیر فرمایا۔

معلومات ضروریہ متعلقہ غزوۂ بدر

قرآن مجید میں غزوۂ بدر کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس کا بیان آیات کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا گیا ہے۔ البتہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو کچھ معاملہ کیا گیا اس کا ذکر باقی ہے۔ وہ دو رکوع بعد آ رہا ہے ان شاء اللہ۔ بعض چیزیں جو رہ گئیں جن کا حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ذکر ہے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱...... سترہ رمضان ۲ھ میں غزوۂ بدر ہوا۔

۲...... مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں مہاجرین کی تعداد ۷۶ تھی اور باقی انصار میں سے تھے اوس میں سے بھی اور خزرج میں سے بھی۔ البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۶۹ جلد ۳ میں حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

۳...... قریش مکہ جو بدر میں پہنچے تھے ان کی تعداد ۹۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ تک کے درمیان تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۹۵۰ آدمی تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک ہزار سے بھی زیادہ تھی۔

۴...... جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا تھا کہ مشرکین میں فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا، پھر ایسا ہی ہوا۔

۵...... اس موقعہ پر ستر مشرکین مقتول ہوئے اور ستر قید کر لئے گئے جن کی مشکیں باندھ کر مدینہ منورہ لے جایا گیا۔

۶...... انہیں مقتول ہونے والوں میں ابو جہل بھی تھا جو مشرکین مکہ کو آمادہ کر کے لایا تھا اور جس نے فخر کرتے ہوئے بڑی بڑی باتیں کہی تھیں، اسے انصار کے دو لڑکوں نے قتل کر دیا۔ تھوڑی سی رمق باقی رہ گئی تھی وہ حضرت ابن مسعودؓ کے سر کاٹ دینے سے ختم ہو گئی۔ اس کا کٹا ہوا سر لے کر حضرت ابن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے الحمد للہ فرمایا۔ انہیں مقتولین میں امیہ بن خلف بھی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو حضرت بلال کو اسلام قبول کرنے پر مارا پیٹا کرتا تھا۔ حضرت بلالؓ نے اس موقعہ پر انصار کو آواز دی اور کہا کہ یہ کفر کا سرغنہ بچ کے نہ نکل جائے چنانچہ حضرات انصار نے اس کو گھیر لیا اور قتل کر دیا۔

۷...... جو مشرکین بدر میں قتل ہوئے تھے ان کی نعشوں کو وہیں ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ البتہ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی جب اسے زرہ میں سے نکالنے لگے تو اس کے گوشت کے ٹکڑے ہو گئے، لہٰذا اسے وہیں چھوڑ دیا گیا اور اوپر سے مٹی اور پتھر ڈال دیئے گئے۔

۸...... جب ان لوگوں کو کنوئیں میں ڈال دیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لئے گئے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہ ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کر لیتے۔ ہم نے تو اسے حق پایا جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ فرمایا

تھا۔کیا تم نے بھی وہ وعدہ حق پالیا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا۔حضرت عمر ﷜ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسے اجسام سے کلام فرمارہے ہیں جن میں روح نہیں ہے آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بات میں کہہ رہا ہوں ان سے بڑھ کر تم زیادہ سننے والے نہیں ہو (یعنی جیسے تم سن رہے ہوایسے وہ بھی سن رہے ہیں) حضرت قتادہؒ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ نے ان کو زندہ فرمادیا تھا تاکہ وہ آپ کی بات ان کو سنائے اور ان کو حسرت اور ندامت ہو۔

۹......بدر کے دن جو مسلمان شہید ہوئے ان میں چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے تھے۔

۱۰......فتح یابی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تین دن بدر میں قیام فرمایا اور پہلے عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہما کو فتح یابی کی خوشخبری دینے کے لئے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔حضرت اسامہ بن زیدؓ نے بیان فرمایا کہ ہمیں ایسے وقت میں فتح یابی کی خوشخبری کی خبر پہنچی جب ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (رقیہ رضی اللہ عنہا) کے دفن سے فارغ ہورہے تھے۔یہ حضرت عثمان بن عفان ﷜ کی اہلیہ تھیں۔آنحضرت ﷺ نے ان کو مریضہ کی تیمارداری کے لئے مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا۔

۱۱......غزوۂ بدر میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت قتادہ بن نعمانؓ کی آنکھ حلقے سے نکل کر ان کے رخسار پر آپڑی لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ دیں آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا،تو آپ نے فرمایا مت کاٹو۔پھر آپ نے ان کو بلا کر اپنے دست مبارک سے آنکھ کے حلقے میں رکھ کر دبادیا ان کی یہ آنکھ ٹھیک طرح لگ گئی اور اس کی روشنی دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہوگئی۔بعض دیگر صحابہ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا تیر آکر لگا تو ان کی آنکھ جاتی رہی،رسول ﷺ نے انکی آنکھ پر اپنا لعاب مبارک ڈال دیا وہ بالکل درست ہوگئی (ان مذکورہ امور کے حوالہ کے لئے صحیح بخاری کتاب المغازی اور البدایہ والنہایہ کی مراجعت کی جائے)۔

۱۲......جو حضرات بدر میں شریک ہوئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فضیلت عطا فرمائی۔حضرت جابر ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں ہرگز ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو بدر یا حدیبیہ میں حاضر ہوا ہو۔(قال فی النہایہ صفحہ ۲۹ جلد ۳)، (**تفردبه احمد وهو على شرط مسلم**) صحیح بخاری صفحہ ۵۶۸ جلد ۱ میں ہے کہ حارثہ (بن سراقہ) غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ان کی والدہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) حارثہ سے جو مجھے خاص تعلق تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔سو اگر وہ جنت میں چلا گیا۔تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی امید رکھتی ہوں اور دوسری کوئی بات ہے (یعنی دوزخ میں چلا گیا تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں۔یعنی رورو کر ڈھیر کردوں گی (کمافی روایۃ) آپ نے جواب میں فرمایا۔افسوس کی بات ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔وہ ایک جنت تھوڑا ہی ہے۔وہ بہت سی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں سے ہے۔(صحیح بخاری صفحہ نمبر ۵۶۷ جلد ۲) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ صفحہ ۳۲۹ جلد ۳) میں لکھتے ہیں کہ یہ حارثہ معرکہ سے دور تھے اور نگرانی کرنے والوں سے دور تھے۔حوض سے پانی پی رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آیا جو ان کی موت کا سبب بن گیا۔جب اس شخص کو اتنا بڑا درجہ ملا کہ فردوس میں داخل کردیا گیا (جو جنت کا سب سے بلند درجہ ہے) تو جن لوگوں نے قتال میں حصہ لیا،دشمن سے مقابلہ کیا ان کے درجات کا کیا عالم ہوگا؟

۱۳......جس طرح مہاجرین اور انصار میں سے غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کو بڑی فضیلت ملی اسی طرح سے جو فرشتے اس غزوۂ میں شریک ہوئے تھے دوسرے فرشتوں پر ان کو فضیلت دی گئی ہے۔صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اہل بدر کو آپ کس درجہ میں شمار فرماتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک وہ افضل المسلمین میں سے ہیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اسی طرح سے ہم بھی بدر میں شریک ہونے والے فرشتوں کو دوسرے فرشتوں سے افضل جانتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۶۹ ھ ج ۲)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا

اور اگر آپ دیکھیں جبکہ فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہوئے ان کے مونہوں پر اور ان کے پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۞ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۙ ۞ كَدَاْبِ

کہ جلنے کا عذاب چکھ لو۔ یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور بلاشبہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ جیسا کہ

اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ

آل فرعون کی حالت تھی اور ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا سو اللہ نے انکے گناہوں کے سبب ان کو پکڑ لیا بے شک اللہ قوی

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

ہے سخت عذاب والا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ اللہ کسی نعمت کا بدلنے والا نہیں جو کسی قوم کو دی ہو یہاں تک وہ خود ہی اپنے ذاتی

مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ ۞ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا

اعمال کو نہ بدل دیں اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ جیسا کہ آل فرعون اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اپنے

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۞ اِنَّ

رب کی آیات کو جھٹلایا۔ سو ہم نے ان کے سبب انہیں ہلاک کر دیا اور ہم نے آل فرعون کو ڈبو دیا اور یہ سب ظالم تھے،

شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞

بے شک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ کے نزدیک بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ ایمان نہ لائیں گے۔

موت کے وقت کافروں کی پٹائی

ان آیات میں اول تو کافروں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا جو انہیں موت کے وقت ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ معرکہ بدر میں جو کفار قریش مسلمانوں کے مقابلے میں آئے تھے اور پھر جنگ میں مارے گئے جب وہ مقتول ہو رہے تھے تو فرشتے ان کو ان کے مونہوں اور پشتوں پر مار رہے تھے اور موت کے بعد جہنم کے عذاب میں مبتلا ہونے کی خبر انہیں دے رہے تھے۔ مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت مجاہدؒ سے یہی نقل کیا ہے اور دیگر مفسرین نے اس مضمون کو عام بتایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتوں کا کافروں کے چہرے اور پشتوں پر مارنا مقتولین بدر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام کافروں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ محمد کی آیت میں ارشاد ہے:

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۔ (سو کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کر رہے ہوں گے اور ان کے چہرے اور پشتوں پر مار رہے ہوں گے) دوسرا قول راجح معلوم ہوتا ہے اس کے عموم میں مقتولین بدر بھی آ جاتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ کہ یہ جو کچھ موت کے وقت کے بعد کی سزا ہے تمہارے اپنے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے رہے اور انہیں آگے بھیجتے رہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (اور بلاشبہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے) کیونکہ جو سزا اللہ کی طرف سے کسی کو دی جاتی ہے وہ بندوں کے اعمال کا بدلہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔

ان مجرموں پر جو اللہ کی طرف سے عذاب آیا یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنی آیات بھیجتا ہے یہ آیات آفاقیہ بھی ہوتی ہیں اور آیات انفسیہ بھی ہوتی ہیں اور آیات صحیفہ بھی جو اللہ کی کتابوں اور صحیفوں میں موجود ہوتی ہیں۔ بندے اگر غور و فکر سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کو پہچانیں اور اس کے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائیں اور احکام الٰہیہ کو بجالائیں تو ایمان قبول کرنے کی طرف ذہن چلے، مجرمین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اللہ کی آیات کے منکر ہوئے اس کے نبیوں کو جھٹلایا اور توحید سے انحراف کیا شرک میں مبتلا ہوئے، لہٰذا دنیا میں بھی اپنے گناہوں کی وجہ سے سزایاب ہوئے اور آخرت میں بھی کافروں کے لئے سخت عذاب ہے۔

سابقہ امتوں نے آیاتِ الٰہیہ کو جھٹلایا جس کی وجہ سے ہلاک ہوئیں.......... پھر بطور مثال کے فرمایا: كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (الآیہ) (جیسا کہ آل فرعون اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے) اس میں یہ بتایا ہے کہ جیسے آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ معاملہ ہوا اسی طرح اس زمانہ کے مجرمین کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ کے دین پر نہ آئیں گے اللہ کے نبیوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلائیں گے تو یہ بھی مستحق عذاب ہوں گے پھر ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۔

(کسی قوم کو اللہ نے جو نعمت عطا فرمائی اس نعمت کو اللہ تعالیٰ نے نہیں بدلہ جب تک وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہ بدلیں) جب لوگ خود بدل جاتے ہیں۔ کفر و شرک اختیار کرتے ہیں نافرمانیوں پر تل جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمت چھین لیتا ہے۔ جب لوگ ایمان چھوڑ دیں اچھے اعمال کو ترک کر دیں۔ برے اعمال میں لگ جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت میں بھی تغیر آ جاتا ہے۔ یہ نعمت چھین لی جاتی ہے اور بندے نقمت اور عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے) سب کے اقوال کو سنتا ہے سب کے احوال کو جانتا ہے کسی میں کیسا ہی کوئی تغیر فعلی یا قولی ہو جائے وہ سب سے باخبر ہے

اس کے بعد مکرر آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا لہٰذا ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا

پہلے كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فرمایا اور دوسری جگہ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا بھی انہوں نے خیال نہ کیا جس نے پیدا فرمایا، پرورش فرمائی پرورش کے سامان پیدا فرمائے۔ حاجات پوری کیں، اس کی آیات کو جھٹلانا سراسر ناشکری بے عقلی ہے لہٰذا ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا گیا۔ پھر آل فرعون کے غرق کئے جانے کی تصریح فرمائی...... وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ، اور ہم نے فرعون والوں کو ہلاک کر دیا۔

آخر میں فرمایا وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ، اور یہ سب (آل فرعون اور اس سے پہلے جو تکذیب کرنے والی امتیں تھیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود) ظالم تھے انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کفر اختیار کیا اور معاصی میں بڑھتے چلے گئے۔ ان کی حرکتیں ان کی

بربادی کا باعث بنیں۔

اہل کفر جانوروں سے بدتر ہیں............ پھر فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَاللهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (الآیہ) (بے شک اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں سب سے برے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا) الدواب دَابَّةٌ کی جمع ہے ہر چیز جو زمین پر چلے پھرے لغوی اعتبار سے یہ لفظ سب کو شامل ہے۔ لیکن محاورات میں دابہ چوپائیوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۲۱ جلد ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شَرَّ النَّاس نہیں فرمایا بلکہ شَرَّ الدَّوَآبِّ فرمایا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ گویا یہ لوگ جنس انسانی نہیں ہیں جنس دواب میں سے ہیں اور اس جنس کے بدترین افراد میں سے ہیں فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (سو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے) ان کی سرکشی بہت آگے بڑھ گئی ہے اور کفر میں راسخ اور مضبوط ہو چکے ہیں لہٰذا یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان ہلاک نہ کریں۔ آپ کے کرنے کا جو کام تھا (یعنی دعوت حق اور بلاغ مبین) وہ آپ کر چکے۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا

یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کیا پھر وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے سو اگر آپ ان کو

تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ

جنگ میں پالیں تو ان کے ذریعہ ان لوگوں کو منتشر کر دیجئے جو انکے پیچھے ہیں تا کہ ان کو عبرت حاصل ہو، اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ان

خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۷

سے جو عہد آپ نے کیا ہے وہ ان کی طرف پھینک دیجئے تا کہ وہ اور آپ برابر ہو جائیں بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

کافر لوگ معاہدہ کے بعد غدر کرتے ہیں انہیں عبرت ناک سزا دو

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ پہلی آیت اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ میں یہود بنی قریظہ کا تذکرہ ہے ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ آپ کے مقابلہ میں کسی کی مدد نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے ہتھیار دے کر مشرکین کی مدد کی جب ان سے سوال کیا گیا تو کہنے لگے کہ ہم بھول گئے تھے۔ اس کے بعد پھر معاہدہ کیا تو اسے بھی توڑ دیا اور غزوۂ خندق میں رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے مددگار بن گئے۔ ان کا سردار (کعب بن اشرف) مکہ معظمہ گیا اور اس نے مشرکین مکہ سے معاہدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں گے۔

اسی کو فرمایا ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ (پھر وہ ہر مرتبہ اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں) وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۔ اور وہ اللہ سے نہیں ڈرتے اور عہد شکنی کی بدنامی سے بھی نہیں بچتے۔

پھر فرمایا فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ۔

(سو اگر آپ انہیں جنگ میں پالیں تو ان کے ذریعہ ان لوگوں کو منتشر کر دیں جو ان کے پیچھے ہیں) یعنی لڑائی کے موقعہ پر آپ ان پر ایسا حملہ کریں کہ یہ ناکام ہو جائیں۔ ان کی ناکامی اور آپ کی کامیابی کا جب شہرہ ہوگا تو ان کے پیچھے یعنی ان کے علاوہ بہت سے قبائل ہیں وہ

بھی منتشر ہو جائیں گے اور آپ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کریں گے لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ تا کہ ان کو عبرت حاصل ہو اور وہ جان لیں کہ نقض عہد کرنے والوں کا اور کفر سے چمٹنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اہل ایمان کو غدر اور خیانت کی اجازت نہیں .... اہل ایمان کو بھی نقض عہد کی ضرورت پیش آ جاتی ہے اور یہ جب ہوتا ہے جب دشمن سے خطرہ ہو کہ وہ اپنا عہد توڑنے والا ہے اگر ہم نے اپنے عہد کی پاسداری کی اور انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور اچانک غفلت میں انہوں نے حملہ کر دیا تو ہمیں تکلیف پہنچے گی۔ ایسے موقع پر طریق کار یہ ہے کہ خود ان پر غفلت میں حملہ نہ کریں ...... ہاں ایسا کریں کہ پہلے اعلان کر دیں اور ان کو بتا دیں کہ ہمارا تمہارا جو معاہدہ تھا ہم اسے ختم کر رہے ہیں۔ اسی کو فرمایا وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ۔

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو جو عہد آپ نے ان سے کیا وہ ان کی طرف پھینک دیجئے تا کہ آپ اور وہ اس بات کے جاننے میں برابر ہو جائیں کہ اب معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اگر معاہدہ کیا اور ان کا معاہدہ واپس نہ کیا اور معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع کے بغیر حملہ کر دیا تو یہ غدر ہوگا اور خیانت ہوگی جس کی اسلام میں اجازت نہیں ہے اسی کو فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۔ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) ہو سکتا تھا کہ بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آ جاتی کہ چونکہ دشمن، دشمن ہے، کچھ بھروسہ نہیں کہ اپنا عہد توڑ دے۔ اس لئے ہم اپنی حفاظت کے لئے پہلے حملہ کر دیں تو ہماری حفاظت ہو جائے گی اس خیال کو دفع کرنے کے لئے یہ نصیحت فرمائی کہ گو کہ کافر تمہارے دشمن ہیں لیکن جب معاہدہ ہو گیا تو اب تمہارے لئے معاہدے کی خلاف ورزی جائز نہیں اگر ان سے عہد کی خلاف ورزی کا ڈر ہے تو تم پہلے ان کو بتا دو ہمارا عہد ختم ہے اس کے بعد تمہیں حملہ کرنا جائز ہو گیا۔ سبحان اللہ! عہد کی پاسداری کا شریعت اسلامیہ میں کتنا اہتمام ہے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور ان چار میں سے ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کا ایک حصہ مانا جائے گا جب تک اسے چھوڑ نہ دے۔

۱)...... جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے

۲)...... اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۳)...... اور جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے۔

۴)...... اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰ جلد ۱)

ہر مسلمان کو معاہدہ کی پاسداری لازم ہے حکومت سے معاہدہ ہو یا کسی جماعت سے یا کسی فرد سے اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین شخصوں پر میں دعویٰ کرنے والا ہوں ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا اور پھر غدر کیا اور ایک وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گیا، اور ایک وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے پورا کام لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔ (رواہ البخاری صفحہ ۳۰۲ جلد ۱)

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة۔**

(جس نے کسی عہد والے کو قتل کر دیا جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۴۴۸ جلد ۱)

فائدہ .... اگر دوسرا فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کر دے اور پتہ چل جائے کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔ مثلاً وہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور کوئی ایسی خلاف ورزی کر دیں جس سے معاہدہ ٹوٹ جاتا ہو تو پھر اپنی طرف سے عہد توڑنے کی اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں

اور جب اپنی طرف سے عہد توڑنا ہو تو ان کو اس کی اطلاع دینی ہو تو ان کے ہر فرد کو اطلاع دینا ضروری نہیں جب ان کے صاحب اقتدار کو نقض عہد کی اطلاع دے دی اور اتنی مدت گزر گئی کہ وہ اس وقت میں اپنے اطراف مملکت میں خبر پہنچا سکتا تھا تو یہ کافی ہے۔

(ذکرہ صاحب الہدایہ باب الموادعۃ من یجوز امانہ)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم

اور کافر لوگ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ آگے بڑھ کر بچ نکلے، وہ لوگ عاجز نہیں کر سکیں گے۔ اور ان کے مقابلہ کے لئے تیاری کرو جو کچھ تم سے ہو سکے

مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ

قوت سے بھی اور پلے ہوئے گھوڑوں سے بھی اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان لوگوں کو جو ان کے علاوہ ہیں ڈراتے رہو،

لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ

تم ان کو نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو بھی کوئی چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا

وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾

اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

دشمنوں سے مقابلہ کے لئے سامان حرب تیار رکھو اور انہیں ڈراتے رہو

ان آیات میں اول تو کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ یہ کفار جو جنگ کے موقعہ سے بچ نکل گئے مقتول نہ ہوئے اور قید میں بھی نہ آئے یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے اور بچ نکلے تو کامیاب ہو گئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقتی طور پر بچ جانا مستقل بچاؤ نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر نہیں ہیں وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے، وہ چاہے گا تو دنیا میں بھی انہیں عقوبت میں مبتلا فرمائے گا اور آخرت میں تو بہر حال ہر کافر کے لئے سخت سزا ہے۔ جس کا بیان قرآن مجید میں بار بار کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم سے جو بھی کچھ ہو سکے دشمنوں سے لڑنے اور ان کا دفاع کرنے کے لئے ہر طرح کی قوت تیار رکھو۔ لفظ مَا اسْتَطَعْتُمْ بہت عام ہے ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق تیار کرنے کو شامل ہے اور مِنْ قُوَّةٍ بھی نکرہ ہے یہ بھی عام ہے اور ہر قسم کی قوت جمع کرنے کو اس کا عموم شامل ہے، جس طرح کے ہتھیاروں کی جس زمانہ میں ضرورت ہو ان سب کا بنانا فراہم کرنا اور دوسری ہر طرح کی قوتیں اتحاد و اتفاق اور باہمی مشورہ۔ یہ سب لفظ مِنْ قُوَّةٍ میں داخل ہیں نیز مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ فرما کر پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کا بھی حکم فرمایا آیت بالا میں جو مِنْ قُوَّةٍ فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر طرح کی قوت تیار کرو اسکی تفسیر فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ۔ اَلا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ۔ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ۔ یعنی قوۃ تیر پھینکنا ہے۔ تین بار ایسا فرمایا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۴۳ جلد ۱)

اور تیر پھینکنے کو قوت اس لئے فرمایا کہ اس میں دور سے دشمن پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ دوبدو سامنے آ جائیں تو تلوار ہی سے لڑنا پڑے گا اور دور سے مقابلہ ہو تو دور ہی سے تیراندازی کر کے دشمن کو پسپا کیا جا سکتا ہے اسی لئے غزوہ بدر کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہؓ

سے فرمایا کہ جب دشمن تمہارے قریب آجائیں تو تیر مارنا اور اپنے تیروں کو حفاظت سے رکھنا۔)(رواہ البخاری صفحہ ۵۶۷)
مطلب یہ کہ جب دشمن دور رہے تو اپنے تیروں کو پھینک کر ضائع نہ کرو کیونکہ وہ زمین میں گر جائیں گے۔ جب دشمن اتنا قریب آجائے کہ ان کو تیر لگ سکے تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دو رہا مسئلہ تلوار سے قتال کرنے کا تو جب بالکل سامنے آجائیں تو پھر جم کر تلوار کے ذریعے جنگ کی جائے۔

اَلَآ اِنَّ الْقُوَّۃَ الرَّمْیُ کا عموم دور حاضر کے بموں کو بھی شامل ہے .... آنحضرت سرور عالم ﷺ نے جو الا ان القوۃ الرمی فرمایا اور لفظ رمی کا مفعول ذکر نہیں کیا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھینکنے کی جب کوئی چیز ایجاد ہو جائے وہ سب قوت کے مفہوم میں داخل ہوگی اور مسلمانوں کو اس کو حاصل کرنا بھی لازم ہوگا۔ جدید ہتھیار میزائل، بم سب اسی مفہوم میں شامل ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ بحکم وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ ہر طرح کے جدید ہتھیار تیار کرلیں اور خود بنائیں۔ضرورت پڑے تو دوسرے سے بھی خرید سکتے ہیں لیکن صرف خریداری پر موقوف نہ رکھیں۔ آج کل تو جدید اسلحہ بنانے والے اہل کفر ہی ہیں اور کفر ملت واحدہ ہے۔ وہ کافروں کو پہلے دیں گے اور زیادہ دیں گے اور مسلمانوں کو اگر چاہیں گے تو تھوڑے ہتھیار دیں گے اور قیمت بہت زیادہ لیں گے۔ مسلمانوں کی یہ کتنی بڑی غفلت ہے کہ .... اہل کفر سے ہتھیار خریدتے ہیں اور خود نہیں بناتے اور اہل کفر کو اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے، وہ مجبور کرتے ہیں کہ تم کیا بنارہے ہو ہمیں دکھاؤ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں، یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اسلام نے برتر ہو کر زندہ رہنا بتایا ہے۔ کافروں کے سامنے جھکنے اور انہیں راز دار بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اپنی قوت تیار رکھنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا: تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔

(اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو) جب طاقت ہوگی اور دشمنوں کو اس کی خبر ہوگی تو وہ تم سے ڈرتے رہیں گے اور حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کریں گے

وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ جو فرمایا اس کے بارے میں حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے یہود کا قبیلہ بنو قریظہ مراد ہے اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اس سے منافقین مراد ہیں جو مسلمانوں میں مل جل کر رہتے ہیں اور اندر سے دشمن ہیں ان کو تمہاری طاقت کا پتہ ہوگا تو خود بھی ڈریں گے اور دوسروں کو بھی حملہ کرنے کی دعوت نہ دیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے فارس اور روم کے کافر مراد ہیں۔ جن سے نزول قرآن کے وقت تک مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ بعد میں حضرات صحابہؓ نے ان کو شکست دی اور ان کے ممالک فتح کئے لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ میں اس کی طرف اشارہ ہے، پھر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ ہوگا) یعنی ایسا نہ ہوگا کہ ثواب ضائع کر دیا جائے۔ چونکہ ہتھیار تیار کرنے میں مال خرچ ہوتا ہے اور گھوڑے پالنے میں بھی خرچہ کرنا پڑتا ہے اور جہاد میں شریک ہونے کے لئے بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ہتھیاروں کی تیاری کا حکم دینے کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو بھی کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس سب کا پورا پورا اجر پاؤ گے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾

اور اگر وہ لوگ صلح کے لئے مائل ہو جائیں تو آپ بھی اس کے لئے مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے،

وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ

اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بے شک اللہ آپ کو کافی ہے، اللہ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ساتھ اور اہل ایمان کے ساتھ

بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ۝ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ

آپ کو قوت دی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا فرمائی۔ اگر آپ سب کچھ خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت

قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ

پیدا نہیں کر سکتے تھے، اور لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا فرمائی، بے شک وہ غلبہ والا ہے، اے نبی! آپ کو اللہ

اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ؑ

کافی ہے اور وہ مؤمن بندے جنہوں نے آپ کا اتباع کیا۔

دشمن صلح پر آمادہ ہوں تو صلح کی جا سکتی ہے

اس سے پہلی آیات میں جہاد کے لئے سامان تیار کرنے کا حکم تھا اور نقض عہد کے سلسلہ میں بعض ہدایات تھیں۔ ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ دشمن اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیں۔ یہ امر وجوبی نہیں ہے موقع مصلحت سے متعلق ہے اگر اس میں دارالاسلام اور اہل اسلام کی مصلحت ہو تو صلح کی جا سکتی ہے۔ جنگ کرنا مقاصد میں سے نہیں ہے۔ اگر صلح سے کام چلتا ہے تو صلح کر لیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان سے جزیہ لینا قبول کر لیں۔ صلح کا یہ بھی فائدہ ہوگا کہ وہ لوگ اس کی بنیاد پر ملیں جلیں گے تو آپس میں ایک دوسرے کے ملک میں آنا جانا ہوگا۔ اس سے اہل کفر مسلمانوں کے اخلاق و اعمال سے اذان و نماز سے متاثر ہوں گے اور اسلام کی طرف راغب ہوں گے۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ لفظ وَاِنْ جَنَحُوْا میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان خود سے صلح کی پیش کش نہ کریں اور وہ لوگ پیش کش کریں تو صلح کر لیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

واذا رأى الامام ان يصالح اهل الحرب او فريقا منه و كان في ذلک مصلحة للمسلمين فلا بأس به لقوله تعالٰى وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ لان الموادعة جهاد معنىً اذا كان خيرا للمسلمين لان المقصود هو دفع الشر حاصل به بخلاف ما اذا لم تكن خيرا لانه ترک الجهاد صورة ومعنى (صفحہ ۶۳ جلد ا) اگر امام کی رائے اہل حرب یا ان کی کسی جماعت سے صلح کرنے کی ہو اور اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ؛ نیز صلح بھی ایک معنی میں جہاد ہی ہے جبکہ صلح میں مسلمانوں کی بھلائی ہو کیونکہ مقصد اصلی تو شر کا دور کرنا ہے اور وہ مقصد صلح سے بھی حاصل ہو رہا ہے برخلاف اس صورت کے کہ صلح میں مسلمانوں کی بھلائی نہ ہو کہ یہ صلح جائز نہیں کیونکہ ایسی صلح کرنا صورۃً و معنیً جہاد ترک کرنا ہے) وان جنحوا سے بعض اکابر نے جو یہ استنباط کیا ہے کہ اپنی طرف سے صلح کی پیش کش نہ ہو اس کی تائید سورۂ محمد کی آیت فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ سے بھی ہوتی ہے۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی ایسی مجبوری ہو جائے کہ مسلمان کسی جگہ نرغہ میں آ جائیں اور صلح کے بغیر کوئی صورت چھٹکارے کی نہ ہو تو اپنی طرف سے بھی صلح کی پیش کش کی گنجائش ہے رہی یہ بات کہ ہو سکتا ہے کافر صلح کر کے بدعہدی کر دیں اور حملہ آور ہو جائیں۔ اس کے لئے فرمایا

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ (اور آپ اللہ پر بھروسہ کریں بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے) اگر صلح میں مصلحت دیکھیں تو آپ صلح کریں ایسے احتمالات کو بنیاد بنا کر صلح کی پیش کش کو نہ ٹھکرائیں۔ پھر فرمایا وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا ذریعہ بنائیں تو اللہ آپ کی مدد کے لئے کافی ہے ان کا مکر وفریب اور چالبازی سب خاک میں مل جائے گی اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ نصیب فرمائے گا

پھر فرمایا هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (اللہ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ذریعہ آپ کو قوت عطا فرمائی (جس میں فرشتوں کے ذریعہ غیبی امداد کرنا بھی شامل ہے) اور اس نے مسلمانوں کے ذریعہ بھی آپ کو قوت دی) اور مسلمانوں کا لشکر آپ کے ساتھ رہا جنہوں نے ثابت قدمی کے ساتھ جنگ کی۔

مزید فرمایا وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (اور اللہ نے مؤمنین کے دلوں میں الفت پیدا فرمائی) یہ آپس کی الفت ومحبت ایسی چیز ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں جمنے اور ان کو زک دینے اور زیر کرنے کا ذریعہ بن گئی۔ جو لوگ زمانہ کفر میں آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق دی پھر ان کے قلوب میں الفت ومحبت پیدا کر دی۔ جس کو آل عمران میں فرمایا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ ۔ (اور یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو اس نے تم پر فرمایا جبکہ تم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ یہ الفت پیدا فرمانا اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور مشیت سے یہ محبت پیدا ہوئی۔ اسی کو فرمایا:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ

(اگر آپ وہ سب کچھ خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے۔ تب بھی ان کے درمیان الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا فرمائی) پھر فرمایا اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ (بلاشبہ اللہ غلبہ والا ہے حکمت والا ہے)

اس کے بعد فرمایا يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (اے نبی آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور مؤمنین کافی ہیں جنہوں نے آپ کا اتباع کیا) اصل مدد تو اللہ ہی کی ہے۔ جو حقیقی مدد ہے اور ظاہری اسباب کے طور پر مسلمانوں کی جماعت اور جمعیت بھی آپ کے ساتھ ہے۔ یہ حضرات آپ کا اتباع کرنے والے ہیں جہاں دیگر مسائل معاد اور اسباب معاش میں آپ کا حکم بجا لاتے ہیں وہاں جہاد میں بھی دل سے اور جان ومال سے آپ کا اتباع کرنے والے ہیں، اہل ایمان کی جماعت مخلص ہو رسول اللہ ﷺ کی متبع ہو متحد اور مجتمع ہو تو دشمن ان پر غالب نہیں آ سکتا۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۳۰ جلد ۱۰) نے حضرت ابن المسیب سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس دن نازل ہوئی جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے پر مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی تھی (اس کے بعد برابر تعداد بڑھتی رہی اور قوت وشوکت میں بھی روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ

اے نبی آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں سے بیس افراد ثابت قدم رہنے والے ہوں گے

يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ

تو دو سو پر غالب ہو جائیں گے، اور اگر تم میں سے سو افراد ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے کہ یہ

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے جان لیا کہ بے شک تمہارے اندر کمزوری ہے۔ سو اگر تم میں سے

مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

ثابت قدم رہنے والے سو افراد ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے، اور تم میں سے ایک ہزار افراد ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب ہوں گے

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

دشمن کی دوگنی تعداد ہو تب بھی راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں

ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیں آپ جہاد کی ترغیب دیتے تھے اور اس کے منافع بتاتے تھے جس میں سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے آپ کی ترغیب اور تحریض پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خوب ثابت قدمی کے ساتھ لڑتے تھے اور جانیں دیتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مسلمانوں میں سے اگر بیس آدمیوں کی تعداد ہوگی اور وہ ثابت قدمی کے ساتھ جم کر لڑیں گے تو اپنے مقابل کافر کے دو سو آدمیوں پر غالب آئیں گے اور اگر سو مسلمان ہونگے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی تھا اور اس وعدہ میں یہ حکم بھی مضمر ہے کہ مسلمان اپنے سے دس گنا تعداد کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار نہ کریں اور جم کر لڑیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس گنا تعداد کے مقابلہ میں غلبہ پانے کا وعدہ ہو گیا تو اب راہ فرار اختیار کرنے کا کوئی موقع نہ رہا۔

صاحب روح المعانی صفحہ۳۱ جلد۱۰ میں لکھتے ہیں۔ شرط فی معنی الامر بمصابرة الواحد العشرة والوعدبانهم ان صبروا اغلبوا بعون الله و تائیده فالجملة خبریةلفظا انشائیة معنی (یہاں سے دس کافروں کے مقابلہ میں ایک مؤمن کے غلبہ کے معاملہ میں صبر کی شرط لگائی گئی ہے اور وعدہ اس طرح ہے کہ اگر یہ صبر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید سے غالب آئیں گے پس جملہ لفظی طور پر تو خبریہ ہے مگر معنیٰ انشائیہ ہے)

یہ جو فرمایا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ۔ اس میں یہ بتایا کہ کافر اس وجہ سے مغلوب ہوں گے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے اللہ کو اور آخرت کے دن کو نہیں مانتے وہ ثواب کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے لئے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے نہیں لڑتے ان کا لڑنا حمیت جاہلیہ اور شیطان کے اتباع کی وجہ سے ہے بخلاف اہل ایمان کے کہ وہ اللہ کی رضا کے لئے اور اس کا بول بالا کرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ لامحالہ وہ غالب ہوں گے اور کافر مغلوب ہوں گے۔ (کذافسره صاحب الروح)

اس کے بعد فرمایا: اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا۔

اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے حضرت امام بخاری نے صفحہ ۶۷۲ جلد۲ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب پہلی آیات اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ نازل ہوئی تو مسلمانوں کو یہ بات بھاری معلوم ہوئی کہ دشمن کے افراد دس گُنے ہوں تب بھی ان کے مقابلہ سے راہ فرار کرنے کی اجازت نہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرما دی اور دس گنے افراد سے مقابلہ کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے

بجائے یہ حکم دے دیا کہ سو افراد، دوسو کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار نہ کریں (یعنی دوگنی جماعت کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کرنا ممنوع ہو گیا) حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور دس گنا افراد کے مقابلہ میں لڑنے کا جو حکم تھا اس کے بجائے اپنے سے دوگنی جماعت سے لڑنے کا حکم دے دیا اور راہ فرار اختیار کرنے سے منع فرمادیا تو اسی قدر ان کے صبر میں کمی فرمادی۔

بعض حضرات نے عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ عہد اول میں حضرت صحابہؓ اگرچہ عدد میں تھوڑے تھے لیکن توکل علی اللہ ان میں بہت زیادہ تھا۔ لہٰذا دس گنی جماعت سے بھی ثابت قدمی کے ساتھ لڑ سکتے تھے بعد میں مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو ان کے بعد آنے والے مسلمانوں میں صبر و استقامت کی وہ شان نہیں تھی جو ان سے پہلے والوں میں تھی اور کثرت پر بھی اعتماد ہو گیا لہٰذا ضعف کی شان پیدا ہوگئی۔ اللہ جل شانہٗ نے دس گنا افراد کے مقابلہ کے بجائے دوگنا افراد سے مقابلہ کرنے کے لئے حکم دے دیا اور ان سے راہ فرار اختیار کرنے سے ممانعت فرمادی۔ یہ تخفیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے اس سورت کے دوسرے رکوع میں اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ جو گزرا ہے۔ اس کی تفسیر دوبارہ دیکھ لی جائے۔ قانون تو یہ بنادیا کہ دگنی تعداد کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار نہ کریں، لیکن اللہ جل شانہٗ نے ہمیشہ مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ فارس اور روم کے جہادوں میں بھاری تعداد میں دشمن سامنے آئے اور مسلمانوں کی تعداد کم ہونے پر بھی دشمنان دین کو شکست ہوئی جس کے واقعات تاریخ میں مذکور ہیں۔

آیت کے ختم پر فرمایا وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ اس میں یہ بتایا کہ طاعت پر جمنے والوں اور معصیت ترک کرنے والوں کا اللہ ساتھی ہے یعنی وہ ان کی مدد فرمائے گا۔ لہٰذا مؤمن بندوں کو طاعات کی پابندی اور معاصی سے ہمیشہ اجتناب لازم ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو اور میدان جنگ میں بھی ثابت قدمی کی ضرورت ہے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی مدد لانے کا ذریعہ ہیں۔ ثابت قدمی کا آیت میں دو جگہ تذکرہ ہے عِشرون کے ساتھ صابرون فرمایا اور مائۃ کے ساتھ صابرۃ فرمایا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے پاس قیدی موجود رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کرلے، تم دنیا کا سامان چاہتے ہو

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ

اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾

بڑا عذاب پہنچ جاتا، سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ع ۹ ۵

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر عتاب

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ غزوۂ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر کافروں کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ مشورہ میں جب بات آئی تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) یہ آپ کی قوم کے افراد ہیں اور رشتہ دار بھی ہیں ان کو زندہ رہنے دیجئے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا اور اس وقت ان سے فدیہ لیا جائے یعنی ان کی جانوں کے بدلہ میں مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ

یارسول اللہ (ﷺ)! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا اور شہر مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اجازت دیجئے کہ ہم ان کی گردنیں ماردیں اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) کوئی ایسی جگہ سے دیکھے۔ جہاں خوب زیادہ لکڑیاں ہوں انہیں اس میں داخل کر کے آگ سے جلا دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو اختیار فرمالیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا جو اوپر پہلی دو آیتوں میں مذکور ہے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ اگلے دن جب میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر ؓ بیٹھے ہوئے رور ہے تھے میں نے عرض کیا یارسول (ﷺ) مجھے بتائیے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے رونے کا سبب معلوم ہو جائے تو میں بھی رونے لگوں اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنا کر آپ کی موافقت کرلوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ فدیہ لینے کی لوگوں نے جو رائے دی تھی اس رائے کے اختیار کرنے پر مجھے اس قریب والے درخت سے ورے عذاب آتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ (معالم التنزیل)

مذکورہ قیدیوں کو مال لے کر چھوڑنے کا جو فیصلہ کرلیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند تھا اس لئے عتاب نازل فرمایا پھر عذاب کو روک لیا اور اس مال کو لینے اور کھانے کی اجازت دے دی...... اول تو یہ فرمایا کہ یہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور انہیں چھوڑ دیا جائے بلکہ خونریزی کرنی چاہئے تاکہ کفار کی شوکت بالکل ٹوٹ جائے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی سکت ان میں باقی نہ رہے۔ جن حضرات نے مال لینے کی رائے دی تھی ان کے سامنے ایک مصلحت تو یہ تھی کہ امید ہے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور دوسری مصلحت یہ تھی اس وقت مسلمانوں کو حاجت اور ضرورت ہے کہ مال مل جائے گا تو مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں قوت پہنچ جائے گی۔

اس مال لینے کے جذبہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْاٰخِرَةَ ۔ تم دنیا کو چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طالب بنو آخرت میں جو اجر و ثمرات ملیں۔ کافر قیدیوں کو قتل کرنے میں کفر کی مغلوبیت تھی جو زیادہ اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ ہے جیسے جیسے مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام پھیلے گا مسلمانوں کی آخرت اچھی بنے گی اور درجات بلند ہوں گے۔

وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے) اس نے تم کو کافروں پر غلبہ دیا۔ اس کے بعد بھی غلبہ دے گا اور اپنی حکمت کے موافق جب چاہے گا تمہیں مالا مال فرمائے گا۔ اس وقت ذرا سی دیر محسوس کر کے جو فدیہ لینے پر اتر آئے یہ ناپسندیدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۔

(اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا) اس نوشتہ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے صحابہؓ اور تابعینؒ کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے ام الکتاب میں یہ لکھ دیا تھا کہ اموال غنیمت امت مسلمہ کیلئے حلال ہوں گے (جس میں قیدیوں سے فدیہ لینا بھی شامل ہے) اس لئے اللہ تعالیٰ نے عذاب روک لیا۔ مفسر ابن کثیر نے ابن عباس ؓ اور حضرت ابو ہریرہ ؓ اور حضرت ابن مسعود ؓ اور حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت عطاءؒ اور حضرت حسن بصریؒ اور حضرت قتادہؒ اور حضرت اعمشؒ سے یہ بات نقل کی ہے اور لکھا ہے اور مفسر ابن جریج نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے صفحہ ۳۴ جلد ۶ ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات لکھی ہوئی نہ ہوتی کہ جب تک کسی قوم کے لئے بطور امر و نہی واضح طور پر حکم بیان نہ ہو جائے اس وقت تک عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب نہ ہوگا تو عذاب آجاتا۔ چونکہ واضح طور پر فدیہ لینے کی ممانعت بیان نہیں ہوئی تھی اس لئے عذاب روک دیا گیا صاحب روح المعانی نے اس قول کو بھی حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے پھر ایک قول یہ نقل کیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقرر اور مقدر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں عذاب نہیں آئیگا (جیسا کہ اسی سورت کے رکوع ۴ میں گزر چکا ہے) اس

لئے عذاب نہیں آیا اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کی زبانی یہ اعلان ہو چکا تھا کہ جو لوگ بدر میں شریک ہوئے تھے ان کی مغفرت کردی گئی (اور رائے دینے والوں میں مشورہ دینے والے بھی تھے) اس لئے عذاب نہیں آیا۔ پھر صاحب روح المعانی نے ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چونکہ یہ مقرر تھا کہ جو فدیہ تم نے لیا ہے وہ تمہارے لئے حلال کردیا جائے گا۔ اس لئے عذاب نہیں بھیجا۔ پھر اس پر کچھ سوال و جواب بھی کیا ہے۔ اس کے بعد روح المعانی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اگر یہ تمام چیزیں مراد ہوں جو مختلف اقوال کی صورت میں بیان ہوئیں تو اس میں بھی کوئی بعید نہیں ہے **وبھٰذا یجمع بین الروایات المختلفة عن الحبر فی بیان ھذا الکتاب وذٰلک بان یکون فی کل مرة ذکر امرا واحدا من تلک الا مور، والتنصیص علی الشیء بالذکر لایدل علی نفی ما عداہ ولیس فی شیء من الروایات ما یدل علی الحصر فافھم**. اھ (اور اسی سے ان مختلف روایات میں تطبیق ہوتی ہے جو اہل علم سے اس نوشتۂ الٰہی کا ذکر کردیا گیا۔ اور کسی ایک چیز کے ذکر کی صراحت دوسری چیزوں کی نفی پر دلالت نہیں کرتی اور روایات میں کوئی ایسی بھی نہیں ہے جو کسی ایک کے حصر پر دلالت کرے)

قیدیوں کے احکام.......... اگر کافر قید میں آجائیں تو امیر المؤمنین کو انکے بارے میں کن باتوں کا اختیار ہے۔ اس میں چار چیزوں کا ذکر آتا ہے۔ یہاں سورۂ انفال میں قتل کرنے اور فدیہ لینے کا ذکر ہے اور سورۂ محمد میں مزید دو باتوں کا ذکر ہے (فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً) احسان کر کے چھوڑ دینا یا اپنے قیدیوں سے مبادلہ کر لینا یعنی اپنے قیدی لے کر ان کے قیدی چھوڑ دینا۔ ان چار چیزوں میں سے اب کس کس چیز کو اختیار کرنے کی اجازت ہے اس میں حضرات فقہاء کرام نے کچھ تفصیل لکھی ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین کو اختیار ہے۔ چاہے تو کافر قیدیوں کو قتل کردے اور چاہے تو انہیں ذمی بنا کر دار الاسلام میں رکھ لے۔ البتہ مشرکین میں جو اہل عرب ہوں اور جو مرتد ہوں ان کو ذمی بنا کر نہیں رکھا جاسکتا۔

اب رہی یہ بات کہ آیا مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے لئے بطور مبادلہ کے کافر قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے؟.......... تو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایسا کرنا درست ہے اور کافر قیدیوں کو مال لے کر چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں اس کے بارے میں حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔

البتہ امام محمدؒ نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو مال کی حاجت ہو تو ایسا بھی کر سکتے ہیں اور بالکل ہی بطور احسان کے چھوڑ دینا نہ قیدیوں کا مبادلہ ہو اور نہ مال لیا جائے اور نہ ذمی بنایا جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اس کو بھی جائز کہتے ہیں۔ علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن صفحہ ۳۹۲ جلد ۳ میں لکھتے ہیں کہ سورۂ براءۃ سورۂ محمد (ﷺ) کے بعد نازل ہوئی۔ سورۂ محمد میں جو من اور فدیہ کی اجازت ہے اس کو سورۂ براءۃ کی آیات فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ اور قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ نے منسوخ کردیا۔ لہٰذا اب فداء اور من کی اجازت نہیں رہی۔ **فوجب ان یکون الحکم المذکور فیھا ناسخاللفداء المذکور فی غیرھا**۔

اس کے بعد فرمایا فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں) بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر جوان کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کردیا گیا تھا اس پر عتاب تو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی مہربانی سے اس مال کو حلال اور طیب قرار دے کر کھانے کی اجازت مرحمت فرمادی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (کہ اللہ سے ڈرو) اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے احتراز کرو اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے اس نے تمہارے گناہ معاف فرمائے۔ رَحِيْمٌ (رحم فرمانے والا) جو کچھ تم نے کافروں سے لیا اس کے بارے میں تم پر رحم فرمادیا اور تمہارے لئے حلال قرار دیدیا۔

مفسر ابن کثیر (صفحہ ۳۲۶ جلد ۲) نے لکھا ہے۔ **فعند ذلک اخذوا من الاساری الفداء** جس کا مطلب یہ ہے کہ مال لینے کے فیصلے پر عتاب ہوا تھا پھر جب مال لینے کی اجازت دے دی گئی تو قیدیوں سے مال وصول کر لیا گیا۔

اور معالم التنزیل میں یہ لکھا ہے کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی تو جو کچھ بطور فدیہ لے چکے تھے اس سے پرہیز کرتے رہے جب آیت فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ نازل ہوئی تو اس مال کو استعمال کر لیا، ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں سے پہلے مال لے لیا گیا ہو اور باقی لوگوں سے بعد میں لیا گیا ہو اور اقرب یہی ہے کیونکہ سب کے پاس اس وقت اموال موجود نہیں تھے۔ قیدیوں میں حضور اقدس ﷺ کے داماد ابو العاص بن الربیع اور آپ کے چچا عباس بن عبد المطلب بھی تھے۔

آپ نے صحابہؓ سے اجازت لے کر ابو العاص کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا اور ان سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ پہنچ کر زینب کو بھیج دینا (زینب آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں آپ نے جب ہجرت فرمائی تو وہ وہیں رہ گئی تھیں۔ اس لئے ان سے فرمایا کہ زینب کو بھیج دینا، انہوں نے وعدہ پورا کیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیا اور پھر بعد میں خود بھی اسلام قبول کر لیا۔ **کما ذکرہ الحافظ ابن حجر فی الاصابہ فی حرف العین**۔

حضرت عباس مشرکین کے لشکر میں آئے تھے اور بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے تا کہ اپنے ساتھیوں کو کھلاتے پلاتے رہیں (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا) اب ان کے پاس بیس اوقیہ رہ گئے تھے وہ بیس اوقیے صحابہؓ نے ان سے مقام بدر میں لے لئے تھے۔ جب قید کر کے لائے گئے اور ان سے سوال ہوا فدیہ دو تو انہوں نے کہا وہ جو بیس اوقیے لے لئے ہیں انہیں کو میری جان کے فدیہ میں لگا لیں۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا جو چیز ہمارے مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے لے کر آئے تھے وہ تمہارے حساب میں نہیں لگ سکتی۔ عباس نے یوں بھی کہا کہ یا رسول اللہ! میں تو مسلمان تھا آپ نے فرمایا اگر تم مسلمان تھے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے دے گا۔ ہمارے نزدیک بظاہر تم مقابلہ کرنے کے لئے جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ لہٰذا تم اپنی جان کا فدیہ دو اور اپنے دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابی طالب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ دو۔ عباس نے کہا کہ اے محمد (ﷺ) تم مجھے اس حال میں چھوڑنا چاہتے ہو کہ زندگی بھر قریش سے بھیک مانگا کروں۔ میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ اس قدر فدیہ دے سکوں۔ آپ نے فرمایا وہ مال کہاں ہے، جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے مل کر دفن کیا ہے۔ تم نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اگر میں اس سفر میں مقتول ہو گیا تو یہ مال میرے بیٹوں عبد اللہ اور عبید اللہ اور فضل اور قثم کے کام آئے گا۔ عباس نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! (ﷺ) اس بات کا علم مجھے اور ام الفضل کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا مجھے میرے رب تعالیٰ شانہٗ نے بتایا۔ اس پر عباس کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں اور وہ بات پھر دہرائی کہ وہ جو بیس اوقیہ میدان جنگ میں مجھ سے لے لیا گیا ہے۔ وہ میرے فدیہ کے حساب میں لگا لیا جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں، وہ حساب میں نہیں لگ سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں (بطور مال غنیمت کے) عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا عباس نے اپنا فدیہ بھی دیا اور اپنے دونوں بھتیجوں کا بھی اور اپنے حلیف کا بھی۔ (من معالم التنزیل صفحہ ۲۶۳ جلد ۲ و ابن کثیر صفحہ ۳۲۷ جلد ۲)

حضرت عباس نے اسلام تو فدیہ کے دن ہی ظاہر کر دیا تھا لیکن اس وقت مکہ معظمہ چلے گئے پھر مکہ معظمہ فتح ہونے سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے۔ (کمافی الاصابہ، حرف العین)

فائدہ......... معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا اور ہر اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا اس طرح سے ہر قیدی کا

فدیہ سولہ سو درہم ہوا۔ اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ ہر ایک قیدی کا فدیہ سوا وقیہ تھا اور اس کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ہیں۔

فائدہ........ چونکہ صحابہ کے مشورہ سے یہ طے ہو گیا تھا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور جو مال ان سے لے لیا گیا اس میں صحابہ کا بھی حصہ ہو گیا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس میں کسی اپنے پرائے کی رعایت نہیں فرمائی اپنے چچا عباس سے بھی فدیہ لیا اور اپنے دو چچازاد بھائیوں کا فدیہ بھی اپنے چچا سے وصول فرمایا۔ انہوں نے یہ کہا کہ میں مسلمان تھا (زبردستی جنگ میں شریک کر لیا گیا) تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے صاف طور پر فرما دیا کہ دلوں کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہم ظاہر پر قانون نافذ کرنے والے ہیں۔ تم مخالفین کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہو کر آئے تھے۔ قیدی ہو گئے ہم تو فدیہ لے کر ہی چھوڑیں گے۔ لہٰذا ان سے فدیہ لیا۔ صحیح بخاری صفحہ ۴۲۸ جلد ا میں ہے کہ انصار میں سے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ اجازت دیجئے کہ ہم عباس کی جان کا بدلہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی نہ چھوڑو اور اپنے داماد ابو العاص ابن الربیع کا جو فدیہ چھوڑا وہ بھی صحابہؓ سے اجازت لے کر چھوڑا تھا۔ یہ قانون میں مساوات اختیار کرنے کا ایک نمونہ ہے لوگ مساوات کا نام تو لیتے ہیں لیکن جب اپنے پرائے کا سوال آتا ہے تو قانون بھول جاتے ہیں قانون غیروں کے لئے ہوتا ہے اور اپنی جان اور اپنے لوگ قانون سے بالاتر ہوتے ہیں۔ یہ اسلام کے طریقے کے خلاف ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا

اے نبی جو قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں ایمان معلوم ہو گا

يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا

تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو عطا فرما دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر وہ آپ کی

خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱

خیانت کا ارادہ کریں۔ سو وہ اس سے پہلے اللہ کی خیانت کر چکے ہیں پھر اللہ نے ان پر قابو دے دیا اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

بدر کے قیدیوں سے اللہ کا وعدہ

مفسر ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جب عباس بن عبدالمطلب نے یہ کہا کہ میں تو مسلمان ہوں اور میرا مال غزوہ بدر میں لے لیا گیا ہے اسی کو میری جان کا فدیہ میں لگا لیا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے انکار فرما دیا جس پر انہوں نے اور مزید تین آدمیوں کا فدیہ دیا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰى نازل فرمائی جس میں یہ فرمایا کہ اے نبی! جو قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں ان کو فرما دیں اگر تمہارے دل میں ایمان ہے جس کا علم اللہ کو ہے تو اللہ تم کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور اللہ تمہیں بخش دے گا۔ حضرت عباسؓ جب پوری طرح اسلام میں داخل ہو گئے تو انہوں نے اس وعدہ کو سچا پایا۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس اوقیہ کی جگہ بیس غلام عطا فرمائے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ جو مال مجھ سے لیا گیا تھا اسکے عوض اللہ تعالیٰ نے چالیس غلام عنایت فرمائے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سو گنا مال عطا فرما دیا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ سبب نزول خواہ حضرت عباسؓ کا واقعہ ہو لیکن الفاظ آیت کا عموم تمام قیدیوں کو شامل ہے لما قالوا ان العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔

پھر فرمایا: وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ کہ یہ قیدی اگر آپ کی خیانت کا ارادہ کریں۔ واپس جا کر جنگ کرنے

کی نیت سے لوٹ آئیں یا آپ کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد کرنے لگیں تو آپ فکر مند نہ ہوں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی خیانت کر چکے ہیں اللہ نے جو ہر عاقل سے توحید کے بارے میں عہد لیا تھا اسے توڑا اور کفر اختیار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر قدرت دے دی اور انہیں بدر میں مقتول کروا دیا اور قیدی بنا کر مدینہ میں حاضر کروا دیا۔ اگر پھر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ پھر آپ کی مدد فرمائے گا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ کو سب کچھ معلوم ہے وہ سب کی نیتوں کا حال جانتا ہے۔ حَكِيْمٌ وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے مطابق اپنی مخلوق میں تصرف فرماتا ہے جس کو چاہے سزا دیتا ہے اور جس کو چاہے انعام دیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ

اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا

جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی

لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ

تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تمہارے ذمہ ان کی

النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۷۲

مدد لازم ہے سوائے اس قوم کے مقابلہ میں کہ ان میں اور تم میں کوئی معاہدہ ہو، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو،

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد ہو گا،

كَبِيْرٌ ۝۷۳ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانہ

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۷۴ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ ۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا

دیا اور مدد کی یہ وہ لوگ ہیں جو واقعی ایمان والے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور رزق کریم ہے اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی

وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ

اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ تم میں سے ہیں، اور جو لوگ رشتہ دار ہیں وہ اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷۵

بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

ع ۱۰

مجاہدین، مہاجرین، اور انصار سے متعلق بعض احکام

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ان آیات میں میراث کے احکام بتائے ہیں۔ ان کے نزدیک اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ سے ایک دوسرے کا وارث ہونا مراد ہے۔ نیز وَلَا يَتِهِمْ سے بھی میراث پانا مراد ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباسؓ سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔ اس اعتبار سے پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے وطنوں کو چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یعنی انصاری حضرات یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ صاحب روح المعانی نے حضرت حسنؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت قتادہؒ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان سلسلۂ توارث جاری فرمایا یعنی ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے ایک مہاجر، غیر مہاجر کا وارث نہیں ہوتا تھا اگرچہ آپس میں رشتہ داری ہو یہ سلسلہ فتح مکہ تک جاری رہا اس کے بعد میراث نسبی رشتہ داری کی بنیاد پر ملنے لگی۔ اگرچہ ایک مہاجر ہو اور دوسرا مہاجر نہ ہو بشرطیکہ دونوں مسلمان ہوں۔ رشتہ داری کے اصول؛ جو میراث کے احکام ہیں سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں بیان ہو چکے ہیں۔

اس کے بعد اُن لوگوں کا حکم بتایا جنہوں نے ایمان تو قبول کر لیا لیکن ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہیں آئے اور فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَالَكُمْ مِّنْ وَّلَا يَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا کہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان کی میراث سے کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کر لیں۔ چونکہ سلسلۂ توارث کے لئے ایمان اور ہجرت دونوں کو ضروری قرار دیا تھا اس لئے واضح طور پر فرما دیا گیا کہ جنہوں نے ہجرت نہیں کی اگرچہ اسلام قبول کر لیا ان کے اور مہاجرین کے درمیان سلسلۂ توارث جاری نہیں ہوگا۔ یہ سابقہ مضمون کا تتمہ ہے بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور قرابت داری کے اصول پر میراث کے احکام بتا دیئے گئے۔

پھر فرمایا: وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ۔ یعنی جن لوگوں نے ایمان تو قبول کیا اور ابھی ہجرت نہیں کی اور مشرکین کے درمیان محبوس ہیں اگر وہ تم سے مدد چاہیں تو دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کرو۔ آپس میں میراث کا جاری ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور کافروں کے مقابلہ میں مدد کرنا یہ دوسری چیز ہے۔ اس ضروری کام کو ہاتھ سے نہ جانے دو، مؤمن بھائیوں کی مدد کرو اگرچہ انہوں نے ہجرت نہیں کی۔ ہاں اتنی بات کا دھیان رہے کہ جس کسی قوم سے تمہارا معاہدہ ہے اور آپس میں یہ طے ہے کہ مثلاً اتنے عرصہ تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے تو پھر ان کے درمیان رہنے والے اہل ایمان کی مدد طلب کرنے کے باوجود ان پر حملہ نہ کیا جائے۔ تاکہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہ ہو۔ معاہدہ کی پابندی کا اہتمام اسلام میں کس درجہ ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا، اگرچہ غیر مہاجر مسلمان مہاجر مسلمان سے کسی ایسی قوم کے مقابلہ میں مدد طلب کریں جس سے ترک جنگ کا معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد کے لئے بھی ان کافروں پر حملہ کرنا جائز نہیں جن سے معاہدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ کہ جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے ہیں۔ کافروں کے درمیان آپس میں میراث جاری ہوگی کوئی مؤمن کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مؤمن کا وارث نہیں ہو سکتا۔ پہلا حکم یعنی کہ مہاجر غیر مہاجر کا وارث نہ ہو منسوخ کر دیا گیا اور ہجرت کے بجائے رشتہ داری کے اصول پر میراث کے احکام نازل ہو گئے لیکن یہ دوسرا حکم کہ مؤمن اور کافر کے درمیان توارث نہیں دائمی ہے اور قیامت تک کے لئے یہی قانون ہے ہاں کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اگر وہ لوگ مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہوں گے تو

قاضی اسلام ان کے درمیان میراث تقسیم کردے گا اگر کوئی مسلمان کسی کافر کا بیٹا ہو یا کوئی کافر کسی مسلمان کا بیٹا ہو تو ان کے درمیان میراث جاری نہ ہوگی۔ اگرچہ دارالاسلام میں رہتے ہوں۔

پھر فرمایا: اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ ۔ کہ جو احکام اوپر بیان کئے گئے اگر ان پر عمل نہ کرو گے اور ان کی خلاف ورزی کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد ہوگا۔ اگر اپنے دینی بھائیوں کی مدد کے جوش میں معاہدہ کی خلاف ورزی کر بیٹھے یا کافروں کو اپنا ولی یا وارث سمجھ لیا تو اس کے نتائج خطرناک ہوں گے اور زمین میں بڑا فتنہ ہوگا اور بڑا فساد پھیل جائیگا۔

پھر فرمایا: وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا (الآیۃ) جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یہ دونوں جماعتیں یعنی مہاجرین اور انصار سچے پکے مسلمان ہیں، اللہ کی طرف سے ان کے لئے بڑی مغفرت کا وعدہ ہے اور ان کے لئے عزت والی روزی مقرر ہے جو جنت میں ان کو نصیب ہوگی۔ اس آیت میں جہاں مہاجرین کی مدح ہے وہاں انصار حضرات کی بھی تعریف ہے اور دونوں جماعتوں کو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے آخری آیت میں تین مضمون بیان فرمائے۔

اولاً تو یہ فرمایا: وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا مَعَكُمۡ فَاُولٰٓئِكَ مِنۡكُمۡ ۔ اور جو لوگ بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور تمہیں میں شمار ہیں۔ یعنی تم کو اولیت کی فضیلت حاصل ہے اور ان کو گو یہ فضیلت حاصل نہیں لیکن جب ایمان کے تقاضے پورے کر دیئے تو تمہیں میں شمار ہیں۔ ایمان کی فضیلت سب کو حاصل ہے۔ البتہ مراتب میں تفاوت ہے اور احکام میراث میں تو سب برابر ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق نسبی رشتوں سے ہے افضل اور غیر افضل ہونے سے نہیں ہے۔

ثانیاً یوں فرمایا: وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ۔ اور جو لوگ آپس میں رشتہ دار ہیں اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں لہٰذا رشتہ داریوں کی بنیاد پر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے جس کی تفصیل سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں گزر چکی ہے اس سے میراث کا وہ حکم منسوخ کر دیا گیا جو اوائل ہجرت میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کے بعد جاری کر دیا گیا تھا۔ یہ حکم ذوی الفروض اور عصبات سب کو شامل ہے بلکہ علماء فرائض کی اصطلاح میں جن کو ذوی الارحام کہا جاتا ہے ان کو بھی شامل ہے البتہ ان سب کے درمیان ترتیب ہے جو کتب فرائض میں مذکور ہے۔

ثالثاً فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ (بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے)

اس میں تنبیہ ہے کہ احکام کی خلاف ورزی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے اعمال کا علم ہے وہ سب کے ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے گا اور فرمانبرداری کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

تَمَّ سورۃ الانفال فی اواخر ذی الحجۃ ۱۴۱۲ھ

والحمد للہ اَولا واٰخرا وباطنا و ظاهرا

☆☆☆..................☆☆☆

سُورۃ التَّوبۃ

اس کا دوسرا نام سورۂ براءت بھی ہے اس میں کافروں سے براءت کا اعلان ہے اس لئے اس کو سورۂ براءت کہا جاتا ہے اور غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جو صحابی پیچھے رہ گئے تھے ان کی توبہ کا بھی اس میں ذکر ہے اس لئے دوسرا نام بھی معروف ہو گیا۔ یہ سورت مصحفِ عثمانی کی ترتیب میں سورۂ انفال اور سورۂ یونس کے درمیان ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھنے کی وجہ .... دیگر سورتوں کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہے لیکن سورۂ براءت کے شروع میں نہیں ہے۔ جامع القرآن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سوال کیا کہ کیا بات ہے آپ نے سورۂ انفال کو جو مثانی میں سے ہے (یعنی جس کی آیات سو سے کم ہیں) سورۂ براءت سے پہلے رکھ دیا حالانکہ براءت ان سورتوں میں سے ہے جن کی آیات سو سے زیادہ ہیں اور آپ نے ان دونوں کو ملا بھی دیا اور مزید یہ کیا کہ ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور ان دونوں کو ملا کر سبع طوال (یعنی سات سورتوں) میں شامل کر دیا۔ ایسا کرنے کا کیا باعث ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ کاتبوں میں سے کسی کو بلا کر فرماتے تھے کہ اس آیت کو اس سورت میں شامل کر دو جس میں فلاں فلاں مضمون ہے اور سورۂ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد شروع میں نازل ہوئیں اور سورۂ براءت ان سورتوں میں سے ہے جو آخر میں نازل ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اور آپؐ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ سورۂ براءت سورۂ انفال کا حصہ ہے چونکہ دونوں کا مضمون ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے۔ اس لئے میں نے دونوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی (کیونکہ نہ اس بات کا علم تھا کہ دونوں سورتیں مستقل ہیں اور نہ اس بات کی توضیح تھی کہ دونوں ایک ہی ہیں) اور میں نے ان کو ملا کر سبع طوال (یعنی سات لمبی سورتوں) میں شامل کر دیا (مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد چھ سورتیں تعداد آیات کے اعتبار سے خوب لمبی لمبی ہیں اور دونوں کا مجموعہ مل کر سات لمبی سورتیں ہو گئیں جن کو سبع طوال کہا جاتا ہے)۔

(رواہ الترمذی فی ابواب التفسیر اوائل سورۃ التوبہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہو گیا کہ سورۂ انفال اور سورۂ براءت کو اس لئے ملایا گیا ہے کہ دونوں کا مضمون آپس میں ملتا جلتا ہے اور درمیان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی کہ واضح طور پر ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ارشاد فرمودہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے دونوں سورتوں کا علیحدہ علیحدہ ہونا معلوم ہوتا۔

قرآن مجید کی ترتیب یوں ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد اول سبع طوال یعنی سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ انعام، سورۂ اعراف، سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کا مجموعہ ہے ان کو سات لمبی سورتیں بھی کہا جاتا ہے) اس کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مئین کہا جاتا ہے اور یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو سے کچھ زیادہ ہیں۔ پھر وہ سورتیں ہیں جنہیں مثانی کہا جاتا ہے۔ یہ سورتیں سورۂ یونس سے شروع ہیں اور سورۂ حجرات سے لے کر ختم قرآن شریف تک جو سورتیں ہیں انہیں مفصل کہا جاتا ہے پھر ان میں بھی تفصیل ہے سورۂ

حجرات سے سورۂ بروج تک طوال مفصل اور سورۂ والطارق سے سورۂ بینہ تک اوساط مفصل اور سورۂ زلزال سے لے کر سورۂ الناس تک قصار مفصل ہیں [۱]۔

سورۂ توبہ کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھی جائے..........اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب کوئی تلاوت کرنے والا سورۂ انفال پڑھے اور اسے ختم کر کے متصلاً ہی سورۂ براءت شروع کرے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھے۔ کیونکہ سورۂ براءت کا مستقل سورت ہونا یقینی نہیں ہے۔

اگر سورۂ براءت ہی سے تلاوت کی ابتدا کرنا ہو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے یا نہ پڑھے اس میں دو قول ہیں راجح قول یہی ہے کہ اس صورت میں بھی بسم اللہ نہ پڑھے۔ امام شاطبیؒ نے اپنے قصیدہ میں اسی کو اختیار کیا ہے، فرمایا ہے:

وَمَهْمَا تَصِلْهَا أو بَدأت بَرَاءَةً لِتَنْزِيلِهَا بِالسَّيْفِ لَسْتَ مُبَسْمِلاً

(اور جب براءت کی تلاوت کو انفال کے ساتھ ملائے۔ یا سورۂ براءت ہی سے شروع کرے تو بسم اللہ نہ پڑھ کیونکہ یہ سورت تو تلوار (جنگ و جدال) کے ساتھ نازل ہوئی)۔

محقق ابن الجزریؒ النشر میں لکھتے ہیں۔ **لا خلاف فی حذف البسملة بین الانفال و براء ة عن کل من بسمل بین السورتین و کذافی الابتداء ببراء ة علی الصحیح عند اهل الاداء** ۔(اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انفال اور براءت کے درمیان بسم اللہ نہیں ہے اور اسی طرح قراء کے نزدیک سورۂ براءت سے تلاوت کی ابتداء کی صورت میں بھی بسم اللہ نہیں ہے)۔

---

(۱)........علامہ سیوطی نے الاتقان (صفحہ ۶۵) میں قرآن کریم کی سورتوں کی جو ترتیب لکھی ہے کہ پہلے سبع طوال یعنی سات لمبی سورتیں ہیں جو سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کو ملا کر (گویا دونوں کو ایک قرار دے کر) سورۂ توبہ پر ختم ہو رہی ہیں (ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ سورت مانا جائے تو سبع طوال میں نہیں آتی ہیں) سبع طوال کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مئین کہا جاتا ہے (یہ مائۃ کی جمع ہے) یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو کے قریب یا سو سے زیادہ ہیں پھر ان کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مفصل کہا جاتا ہے۔ مفصل کی ابتداء کہاں سے ہے اس میں متعدد اقوال ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ سورۂ حجرات سے شروع ہو کر قرآن کے آخر تک جو سورتیں ہیں ان سب کا مجموعہ مفصل ہے۔ یہی قول ہم نے اوپر تفسیر میں لکھ دیا ہے۔ مثانی کی انتہا تو مفصل کی ابتداء سے معلوم ہو گئی لیکن مثانی کی ابتداء کہاں سے ہے اس کے بارے میں اکابر کے اقوال میں کوئی تصریح نہیں دیکھی۔

سورتوں کی مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ مثانی کی ابتداء بظاہر سورۂ قصص سے ہونی چاہئے کیونکہ اس سے پہلی سورت میں ترانوے آیات اور اس میں اٹھاسی آیات ہیں (گو اس سے پہلے سورۂ حج میں اٹھتر اور سورۂ نور میں چونسٹھ آیات گزر چکی ہیں) سورۂ قصص کے بعد عموماً وہ سورتیں ہیں جن کی آیات مئین والی سورتوں کی آیات سے کم ہیں۔ البتہ درمیان میں سورۂ شعراء میں دو سو ستائیس اور سورۂ صافات میں ایک سو بیالیس آیات ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب میں آیات کی تعداد کی بجائے طول اور قصر کا لحاظ رکھا گیا ہے آیات کی تعداد کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ یعنی یہ بات نہیں دیکھی گئی کہ ہر اگلی سورت پچھلی سورت کی آیات کے اعتبار سے چھوٹی ہو۔ پھر یہ طول اور قصر بھی تقریبی ہے اس بات کو پیش نظر رکھا جائے تو ان حضرات کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے جنہوں نے فرمایا کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ یہ جو ہم نے عرض کیا کہ ترتیب میں سورت میں آیات کی تعداد کے بجائے طول اور قصر کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ بعض مرتبہ چھوٹی سورت میں آیات زیادہ ہوتی ہیں۔ (کمافی الصافات) اور بڑی سورت میں آیات کی تعداد کم ہوتی ہے (**کمافی سورة الاحزاب فانها اطول من الصافات و عددا یاتها اقل منها**)

اس کے بعد براءت سے تلاوت شروع کرنے کی صورت میں بعض قراء سے بسم اللہ پڑھنے کا جواز نقل کیا ہے لیکن اس کو تسلیم نہیں کیا اور آخر میں لکھا ہے والصحیح عند الائمۃ اولی بالا تباع ونعوذ باللّٰہ من شر الابتداء ۔ (جو صحیح ہے وہی ائمہ کے نزدیک اتباع کے لائق ہے اور ابتداء کی شرارت سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں) ۔ حضرت امام شاطبیؒ نے جو یہ فرمایا لِتَنْزِیْلِهَا بِالسَّیْفِ لَسْتَ مُبَسْمِلاً یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے علامہ ابن القاصح سراج القاری شرح شاطبیہ میں لکھتے ہیں ۔

قال ابن عباس سألت علیا رضی اللہ عنہ لما لم تکتب فی براءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فقال: لان بسم اللہ امان و براءۃ لیس فیها امان نزلت بالسیف.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ سورۂ براءت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی تو انہوں نے فرمایا اس لئے کہ بسم اللہ تو امن کا پیغام ہے اور سورۂ براءت میں امان نہیں ہے وہ تلوار کے ساتھ نازل ہوئی ہے ۔) اب ایک شق اور رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ سورۂ براۃ کے درمیان سے کسی جگہ سے تلاوت کی ابتداء کرے تو جس طرح دوسری سورتوں کے درمیان سے تلاوت کی صورت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں درست ہیں ۔ اسی طرح سورۂ براۃ کے درمیان سے ابتداء کرنے کی صورت میں بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ محقق ابن الجزری النشر میں فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے بارے میں متقدمین کی کوئی نص نہیں دیکھی اور علی الاطلاق بہت سے اہل اداء نے سورتوں کے درمیان سے تلاوت شروع کرنے کی صورت میں دونوں باتوں کا اختیار دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ براءت کے درمیان سے شروع کرنے کی صورت میں بھی دونوں صورتیں جائز ہیں ۔ پھر لکھا ہے کہ ابوالحسن سخاوی نے اپنی کتاب جمال القراء میں سورۂ براءت کے درمیان سے تلاوت کی ابتداء کرنے کی صورت میں بسم اللہ پڑھنے کا جواز لکھا ہے اور ابو اسحاق جعبری کا رجحان نہ پڑھنے کی طرف ہے ۔ پھر آخر میں محقق ابن الجزری نے دونوں کی تائید کی ہے اور کوئی فیصلہ نہیں دیا ۔ گویا وہ بھی تخییر کے قائل ہیں ۔ یعنی پڑھنا نہ پڑھنا دونوں کی گنجائش دی ہے ۔

فائدہ............ یہ جو بعض مصاحف میں سورہ براءت کی ابتداء میں حاشیہ پر اعوذ باللّٰہ من النار و من غضب الجبار من شر الکفار لکھا ہوا ہے اور بہت سے حفاظ اس کے پڑھنے کو مستحب یا سنت سمجھتے ہیں ۔ اس کا ثبوت نہیں ہے ۔ (کما ذکرہ فی الفتاوی الرشیدیہ)

۱۲۹ آیتیں ۱۶ رکوع	سورۂ توبہ	مدنی

(۹) سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۳) اٰیَاتُهَا ۱۲۹ رُكُوْعَاتُهَا ۱۶

سورۂ براءت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو انتیس آیات اور سولہ رکوع ہیں۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱﴾ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان مشرکوں کی طرف براءت ہے جن سے تم نے عہد کیا۔ سو تم چلو پھرو زمین

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲﴾ وَ اَذَانٌ

میں چار مہینے اور جان لو کہ بے شک تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ بات کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے اور حج اکبر

مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ

کے دن اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے لوگوں کے لئے اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے۔ سو اگر تم

فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

توبہ کر لو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرو تو یہ جان لو کہ بلاشبہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور کافروں کو

كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا

درد ناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہ کی

وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۴﴾

اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی۔ سو تم ان کے معاہدہ کو ان کی مدت مقررہ تک پورا کر دو۔ بلاشبہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ

پھر جب اشہر حرم گزر جائیں سو تم مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پالو اور ان کو پکڑو اور گھیرو اور ان کی تاک میں گھات کے

وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ

ہر موقعہ پر بیٹھو۔ سو اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ

بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام

ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

سن لے پھر اسے امن کی جگہ پہنچا دیجئے۔ یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں

تفسیر: آیات بالا کی تفسیر سمجھنے کے لئے یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ جس وقت سورۂ براءت نازل ہوئی ہے اس وقت کفار کی چار قسمیں تھیں۔ پہلی قسم کے تو وہ لوگ تھے جن سے مقام حدیبیہ ۶ھ میں معاہدہ ہوا تھا جبکہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اس موقعہ پر مشرکین نے آپ کو مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیا اور بڑی ردّوکد کے بعد دس سال کے لئے صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس صلح میں یہ تھا کہ ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ نہیں کرے گا اور نہ کوئی فریق کسی فریق کے حلیف پر حملہ آور ہوگا پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ قبیلہ بنی بکر نے (جو قریش کا حلیف تھا) رات کے وقت قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش مکہ نے بنی بکر کو ہتھیار دیئے اور اپنے جوان ان کی مدد کے لئے بھیجے۔ اس طرح سے قریش نے عہد شکنی کی کیونکہ بنی خزاعہ پر حملہ کرنے والوں کے مددگار بن گئے جو مسلمانوں کے حلیف تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کو قریش کی عہد شکنی کی خبر ملی تو آپ نے جنگ کی تیاری کی اور ۸ھ میں اپنے صحابہؓ کو لے کر مکہ معظمہ پہنچے اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔ کافروں کا دوسرا فریق وہ تھا جن سے صلح کا معاہدہ ایک خاص میعاد کے لئے کیا گیا تھا وہ لوگ اپنے معاہدہ پر قائم تھے۔ نقض عہد نہیں کیا تھا جیسے قبیلہ بنی ضمرہ اور قبیلہ بنی مدلج (یہ دونوں قبیلے بنی کنانہ میں سے تھے) ان سے جتنی مدت کے لئے صلح ہوئی تھی سورۂ براءت کے نزول کے وقت اس کے اختتام میں چند ماہ باقی تھے۔

مشرکین کا تیسرا فریق وہ تھا جن سے کسی مدت کے تعین کے بغیر معاہدہ ہوا تھا اور چوتھا فریق وہ تھا جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔

پہلا فریق یعنی قریش مکہ جنہوں نے معاہدۂ حدیبیہ کو توڑ دیا تھا وہ کسی رعایت اور مہلت کے مستحق نہ تھے ان کو تو بلا مہلت ہی جزیرہ عرب سے نکال دینا یا قتل کر دینا درست تھا لیکن پھر بھی اشہر الحرم کا زمانہ ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ یہ رعایت کی گئی کہ اشہر الحرم میں ان سے تعرض نہ کیا جائے اور اشہر الحرم گزر جانے کے بعد ان کے قتل کا حکم دیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ کفر سے توبہ کر لیں اور اسلام کے کام کرنے لگیں (جس میں نمازیں پڑھنا اور زکوٰتیں ادا کرنا سب سے زیادہ اہم ہے) تو نہ انہیں قتل کریں نہ قید کریں کیونکہ وہ اب اپنے ہو گئے۔ دوسرا فریق وہ تھا جن سے کسی خاص میعاد کے لئے صلح کا معاہدہ کیا گیا تھا وہ اس پر قائم رہے اور نقض عہد نہیں کیا تو ان کے بارے میں یہ حکم دیا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ کہ ان کے معاہدہ کو اس کی مدت تک پورا کرو کیونکہ عہد کی خلاف ورزی اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے جب مقابل فریق اپنا عہد پورا کر رہا ہو تو اہل ایمان تو بطور اولیٰ عہد پورا کرنے کا اہتمام کریں۔ یہ حکم قبیلہ بنی ضمرہ اور بنی مدلج کے متعلق تھا۔ اگر اہل ایمان نقضِ عہد کریں گے تو تقویٰ کے خلاف ہوگا۔ مؤمن کا کام ہے کہ تقویٰ اختیار کرے اسی لئے آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (بلاشبہ اللہ تقویٰ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے)

تیسرا فریق (جن سے کسی مدت کے تعین کے بغیر معاہدہ ہوا تھا) چوتھا فریق (جن سے کسی قسم کا معاہدہ ہوا نہ تھا) ان کے بارے میں سورۂ براءت کے شروع سے لے کر وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ تک تین آیات میں اعلان فرمایا اور ان کو چار مہینے کی مدت دی

گئی اور کافروں سے فرمایا کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ سرزمین عرب میں چار مہینے چلو پھرو اور چار ماہ کے بعد بھی یہ نہ سمجھنا کہ جزیرۃ عرب سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے آزاد ہو جاؤ گے تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے وہ کافروں کو ضرور ذلیل کرے گا۔ الفاظ کا رخ تو ان لوگوں کی طرف ہے جن سے کوئی عہد تھا اور اُس کی میعاد مقرر نہ تھی لیکن اس میں وہ لوگ بھی داخل ہو گئے جن سے کچھ بھی معاہدہ نہ تھا۔

۹ھ میں حضرت ابوبکرؓ کے زیر امارت حج کی ادائیگی اور مشرکین سے براءت کا اعلان .... براءت کے مفہوم کو دوبارہ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فرما کر دہرا دیا اور ۹ھ میں حج ہوا (جو فتح مکہ کے بعد پہلا حج تھا) اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ مواقف حج میں اعلان کروا دیا کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے اور اس کے علاوہ بھی بعض امور کا اعلان کروایا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو اعلان کرنے پر مامور فرمایا۔

صحیح بخاری (صفحہ ۶۷۱ جلد ۲) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ جس حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا تھا اس میں انہوں نے یوم النحر (ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو) جن لوگوں کو اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا ان میں میں بھی تھا تا کہ یہ لوگ منیٰ میں اعلان کر دیں الا لایحج بعد العام مشرک و لا یطوف بالبیت عریان۔ (خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگے ہونے کی حالت میں بیت اللہ کا طواف نہ کرے) مشرکین ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ اعلان کروایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حج بنا کر بھیج دیا تھا پھر پیچھے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا تا کہ ان کے ذریعہ اعلان کروایا جائے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ کی خدمت میں یہ رائے پیش کی گئی تھی کہ اہل عرب کا یہ طریقہ ہے کہ عہد اور نقضِ عہد کے بارے میں اسی شخص کے اعلان کو معتبر سمجھتے تھے جو خاص اسی قبیلے کا ہو جس سے معاہدہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ قبیلے کی حیثیت سے تو نہ تھا مسلمانوں کی جماعت کا امام ہونے کی حیثیت سے تھا اور دین اسلام کی طرف سے تھا لیکن احتمال تھا کہ لوگ اسے بنی ہاشم کا معاہدہ سمجھیں اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جانا مناسب سمجھا جو بنی ہاشم ہی کے ایک فرد تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سورۂ براءت کے مطابق اعلان کرتے تھے اور مشرکین کو پوری طرح اعلان سناتے تھے چونکہ اتنے بڑے اجتماع میں شخص واحد کافی نہ تھا اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کو بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کام پر لگایا۔

معالم التنزیل (صفحہ ۲۶۷ جلد ۲) میں زید بن تبیع سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ کو اس حج میں کیا پیغام دے کر بھیجا گیا تھا (جس میں آپ اعلان کرنے پر مامور ہوئے تھے) انہوں نے فرمایا کہ مجھے چار چیزوں کے اعلان کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اول: یہ کہ آئندہ بیت اللہ کا طواف کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں نہ کرے۔ دوم: یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس قبیلے سے معاہدہ ہے تو وہ صرف اپنی مدت تک ہے اور جس سے کوئی معاہدہ نہیں اس کو چار ماہ کی مہلت دی جا رہی ہے (چار ماہ تک زمین میں چلیں پھریں۔ مسلمان ان سے کوئی تعرض نہیں کریں گے یہ مدت ختم ہو جانے کے بعد ان کے خون کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ سوم: یہ کہ جنت میں مؤمن کے سوا کوئی دوسرا شخص داخل نہ ہوگا۔ چہارم: یہ کہ اس سال کے بعد مشرکین اور مسلمین (حج میں) جمع نہ ہوں گے یعنی کسی مشرک کو اس سال کے بعد حج کرنے کی اجازت نہ ہوگی نیز صاحب معالم التنزیل صفحہ ۲۶۶ جلد ۲ لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی جو مدت مقرر کی گئی کہ اس کے بعد امان نہ ہوگی۔ اس کی ابتداء حج کے دن سے ہے جس میں براءت کا اعلان کیا گیا تھا اور یہ مدت دس ذوالحجہ سے لے کر دس ربیع الآخر تک تھی چونکہ مدت کا شمار اعلان کے بعد ہی سے معتبر ہو سکتا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ (الآیۃ) حضرت مجاہد اور ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں جن اشہر الحرم کا ذکر ہے ان سے وہی

مہینے مراد ہیں جن کا شروع سورت میں ذکر آیا ہے جن لوگوں کے ساتھ معاہدہ بلاتعین مدت کا تھا اور جن سے کوئی عہد نہ تھا ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی۔ اور جنہوں نے نقضِ عہد کیا تھا یعنی قریشِ مکہ ان کو چار ماہ کی مدت میں سے بیس دن ذی الحجہ کے اور پورا مہینہ محرم کا گزر جانے تک کی مہلت دی گئی۔ صاحب معالم التنزیل نے یہ بات لکھی ہے اور علامہ نسفی نے بھی مدارک التنزیل میں ایسا ہی فرمایا ہے۔

صاحب روح المعانی نے بھی یوں ہی لکھا ہے اشہر الحرم سے وہ مہینے مراد نہیں ہیں جو عرب میں معروف و مشہور تھے (یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجۃ محرم اور رجب اور یہ اس لئے فرمایا کہ جس وقت براءت کا اعلان ہوا تھا...... ان میں سے صرف بیس دن ذی الحجہ کے اور ایک مہینہ محرم کا باقی رہ گیا تھا اور رجب تک پہنچنے کے لئے بیچ میں پانچ مہینے کا فصل تھا۔ اگر ان پانچ مہینوں کو بھی حساب میں لگالیا جائے تو میعاد لمبی ہو جاتی حالانکہ چار مہینوں سے زیادہ کسی کو مہلت نہیں دی گئی۔ آیت کریمہ میں یہ فرمایا کہ جب اشہر الحرم نکل جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ ان کو پکڑو اور انہیں روک لو۔ روکنے کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کو قلعہ بند کر دو باہر نکلنے سے روک دو اور ان کے لئے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھ جاؤ یعنی مکہ کے راستوں میں بیٹھو، مشرکین کو اس میں داخل نہ ہونے دو فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ یعنی اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں اور اسلام قبول کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ ان پر چلنے پھرنے کی اور مکہ معظمہ میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جب اسلام قبول کر لیا تو زمانہ کفر میں جو کچھ کیا تھا سب ختم ہے اس پر داروگیر نہیں۔

وَاحْصُرُوْهُمْ سے دشمنوں کا محاصرہ کرنے کا جواز معلوم ہوا اور وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ سے معلوم ہوا کہ دشمنوں سے حفاظت کے لئے ان سے چوکنا رہنے کے لئے اپنے ملکوں اور شہروں میں چوکیاں مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن صفحہ ۸۳ جلد ۳ میں لکھتے ہیں کہ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص شرک و کفر سے توبہ کرے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ البتہ حصر اور حبس کا حکم باقی رہے گا۔ جو شخص قصداً نماز چھوڑے اور اس پر اصرار کرے اور زکوٰۃ نہ دے امام المسلمین کے لئے جائز ہے کہ اسے محبوس رکھے اس کا چھوڑ دینا اس وقت تک واجب نہیں جب تک کہ وہ نماز نہ پڑھے اور زکوٰۃ نہ دے۔

پھر فرمایا۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ۔

(اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجئے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے۔)

علامہ ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی کافر حربی امان طلب کرے تو اسے امان دینا جائز ہے وہ امان طلب کر کے مسلمانوں کے پاس آئے، اللہ کا کلام سنے، توحید کو سمجھے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل معلوم کرے تو اس کے لئے ایسا موقع فراہم کیا جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر ہم سے دلائل توحید کا اور دلائل رسالت کا مطالبہ کرے تا کہ وہ سمجھنے کے بعد دونوں باتوں کو مان لے تو ہمارے ذمہ واجب ہوگا کہ پوری طرح حجت قائم کریں اور توحید و رسالت کو واضح طور پر بیان کریں اور جب کوئی شخص ہم سے توحید اور رسالت کے دلائل طلب کرے تو دلائل بیان کرنے اور حجت قائم کرنے سے پہلے اس کو قتل کرنا جائز نہیں پھر لکھتے ہیں کہ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ سے معلوم ہوا کہ امام المسلمین پر واجب ہے کہ جو کوئی کافر حربی امان لے کر آئے اس کی حفاظت کرے تا کہ کوئی شخص اسے قتل نہ کر دے اور کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچائے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو لوگ اہل ذمہ ہیں امام المسلمین کے ذمہ ان کی حفاظت واجب ہے تا کہ کوئی مسلمان ان پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔

کافر حربی کو واپس ان کی جائے امن پہنچانے کا جو حکم ہے اس سے یہ مستنبط ہوا کہ کافر حربی کو دارالاسلام میں مستقل طور پر قیام نہ کرنے

دیا جائے اس میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک سال دارالاسلام میں رہ گیا تو ذمی ہو جائے گا اور اہل ذمہ کے احکام اس پر نافذ ہوں گے جزیہ بھی مقرر کر دیا جائے گا۔ (احکام القرآن صفحہ ۸۴،۸۳ جلد ۳)

پھر فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں جانتے (کہ اسلام کیا ہے اور دعوت اسلام کی کیا حقیقت ہے اور اسلام قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فلا بدمن اعطائهم الامان حتى يسمعوا أويفهموا الحق (پس انہیں امان دینا ضروری ہے تاکہ وہ سن لیں یا حق کو سمجھ لیں) (مدارک التنزیل صفحہ ۱۱۷ جلد ۲)

فائدہ .... یوم الحج الاکبر جو فرمایا ہے اس سے ایام حج مراد ہیں۔ خاص کر وہ ایام جن میں منیٰ میں قیام ہوتا ہے۔ لفظ یوم کو بطور جنس لایا گیا ہے اور الحج الاکبر سے کیا مراد ہے؟ حضرت زہری، شعبی اور عطاء نے فرمایا کہ اس سے حج مراد ہے کیونکہ عمرہ حج اصغر اور حج، حج اکبر ہے۔ حج اکبر کا وہ معنی جو مشہور ہے کہ یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو یہاں وہ معنی مراد نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ جمعہ کے دن حج ہو تو اس کی فضیلت دوسرے حجوں سے زیادہ ہے یا نہیں؟ بعض روایات سے اس کی فضیلت عام حجوں سے ستر گنا زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اس بارے میں "الحظ الاو فر فی الحج الاکبر" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ

اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکین کا عہد کیسے رہے گا مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ

نزدیک عہد کیا، سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو۔ بلاشبہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ ان کا عہد کیسے رہے گا اور حال ان کا

وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۗ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ

یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت کی پاسداری کریں اور نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا خیال کریں۔ یہ لوگ تمہیں اپنے مونہوں سے راضی کرتے ہیں

وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا

اور ان کے دل انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔ انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلہ تھوڑی قیمت کو خرید لیا، سو انہوں نے اللہ کے

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۗ

راستہ سے روک دیا۔ بلاشبہ وہ جو کام کرتے ہیں برے کام ہیں، وہ کسی مؤمن کے بارے میں کسی قرابت داری کا اور کسی ذمہ داری کا پاس نہیں رکھتے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ

اور یہ وہ لوگ ہیں جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ سو اگر یہ لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے،

فِي الدِّيْنِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

اور ہم تفصیل کے ساتھ احکام بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔

مشرکین کو کسی قرابت داری اور معاہدہ کی پاسداری نہیں

ان آیات میں اول تو مشرکین کی بدعہدی کے مزاج کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ان کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ انہوں نے پہلے بھی عہد توڑا ہے اور آئندہ بھی توڑتے رہیں گے۔ ان کا حال یہ ہے کہ ظاہر میں زبانوں سے عہد ہے اور دلوں میں بغض کی آگ ہے اگر مسلمانوں پر غلبہ پاجائیں تو نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کریں اور نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا بس یہ مسلمانوں کو اپنی زبانی باتوں سے راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ (وفائے عہد اور اطاعت کا زبانی وعدہ کرتے ہیں) اور ان کے دل ان کی اپنی زبانی باتوں سے راضی نہیں ہیں اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔ یعنی شرارت سے بھرے ہوئے ہیں کہ کسی بھی عہد کی پاسداری کرنے کو تیار نہیں۔ اکادکا کوئی شخص عہد کی پاسداری کرنا چاہے تو اس کی بات چلنے والی نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ کے احکام کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ ان کے سامنے دنیا ہے۔ انہوں نے حقیر دنیا کو لے لیا اور اللہ کے احکام کو چھوڑ دیا۔ تھوڑی سی حقیر دنیا کے جانے کا جو وہم تھا اس کی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا کیونکہ جو شخص دنیا ہی کو سامنے رکھے گا وہ اللہ کے راستہ پر نہیں چل سکتا ایسے لوگ خود بھی ایمان قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول نہیں کرنے دیتے۔ جن کاموں میں یہ لگے ہوئے ہیں ان کے یہ کام برے ہیں۔ لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً (کسی مؤمن کے بارے میں ان کے پاس نہ قرابت داری کی رعایت ہے۔ نہ معاہدہ کی پاسداری ہے) وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ اور یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم اور زیادتی کرنے والے ہیں۔ کَیْفَ یَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِیْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ۔ فرمانے کے بعد متصلاً ہی یوں فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ علامہ نسفی فرماتے ہیں کہ استثناء میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے مسجد الحرام کے قریب عہد ہوا تھا اور جو اپنے عہد پر قائم رہے اور ان کی مدت باقی تھی جیسے بنی کنانہ اور بنی ضمرہ ایسے لوگوں کے بارے میں حکم دیا ان کے عہد کی رعایت کرو۔ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ۔ جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں) یعنی مدت معاہدہ میں نقض عہد نہ کریں فَاسْتَقِیْمُوْا لَهُمْ (تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو) یعنی وفاءِ عہد کرو عہد کی خلاف ورزی نہ کرو۔ کیونکہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو دوست رکھتا ہے اس میں اَتِمُّوْٓا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ کے مضمون کا اعادہ ہے اور اتنی بات زائد ہے کہ جب تک وہ مستقیم رہیں تم بھی مستقیم رہو اگر وہ عہد توڑیں تو تم پر عہد پورا کرنے کی پاسداری نہیں۔ صاحب روح المعانی نے بھی یہی بات کہی ہے فرماتے ہیں۔

وَاَیًّا ماکان فحکم الامر بالا ستقامة ینتهی بانتهاء مدة العهد فیرجع هذاالی لامر بالا تمام المار الخ صفحه ۵۵ جلد ۱۰ (اور جو بھی ہو عہد پر استقامت کا حکم معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر ختم ہو جاتا ہے پھر یہ حکم گذشتہ عہد کی تکمیل کی طرف لوٹتا ہے)

آخر میں فرمایا فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ۔ کہ یہ لوگ اگر کفر سے توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر تمہارے دینی بھائی ہوں گے (ان سے لڑنے کا کوئی موقع نہیں) وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (اور ہم ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اپنی آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں) تاکہ فکر سے کام لیں اور ہر بات کو سمجھیں اور احکام خداوندی کے پابند رہیں۔

فائدہ ...... آیات بالا میں کافروں اور مشرکوں کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اگر تم پر غالب ہو جائیں تو کسی رشتہ داری اور کسی معاہدہ کا لحاظ نہ کریں وہ تمہیں زبانی باتوں سے راضی رکھتے ہیں اور ان کے دل انکاری ہیں "ہمیشہ سے کافروں اور مشرکوں کا یہی حال رہا ہے اور اب بھی ہے کہ مسلمانوں کے قتل وقتال سے بچنے کے لئے ان کے جذبہ جہاد کو ٹھنڈا کرنے کے لئے قومیت وطنیت اور ایک جہتی کی بنیاد پر اتحاد اور اتفاق کی تلقین کرتے رہتے ہیں معاہدے بھی کر لیتے ہیں لیکن کبھی ان کا موقعہ لگ جائے تو ہر طرح کے تعلقات توڑ کر اور سارے

معاہدوں کی پاسداری چھوڑ کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیتے ہیں۔ یہی حال ان فرقوں کا ہے جو فرقے اسلام کے نام لیوا ہیں لیکن اسلامی عقائد سے منحرف ہونے کی وجہ سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ ان فرقوں کی بنیاد ہی اسلام اور مسلمان کی کمر میں خنجر گھونپنے پر ہے یہ لوگ اسلام کے نام پر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور اتحاد اور اتفاق کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ لیکن اندر سے دشمنانِ اسلام ہونے کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں کوئی کسر نہیں رکھتے جب بھی موقعہ لگتا ہے مسلمانوں کے قتل وخون سے باز نہیں آتے۔ صدہا سال سے یہی ہو رہا ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ

اور اگر وہ لوگ اپنے معاہدہ کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو بلاشبہ یہ لوگ ایسے ہیں

اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۲ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا

کہ ان کے یہاں قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، تاکہ وہ باز آ جائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول کو نکالنے کا پختہ ارادہ

بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ

کیا اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تم سے پہلے خود چھیڑ چھاڑ کی ابتداء کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ سو اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ

کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔ ان سے جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا اور ان کو ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد

وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۴ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ

کرے گا اور مسلمانوں کے سینوں کو شفاء دے گا اور ان کے دلوں کی جلن کو دور فرمادے گا اور جس کو چاہے توبہ نصیب فرمائے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۵ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ کیا تم کو یہ گمان ہے کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور حالانکہ اللہ نے ابھی تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جنہوں نے جہاد کیا

وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶ ع ۸

اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مؤمنین کے علاوہ کسی کو دوست نہیں بنایا اور اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں

ان آیات میں قریش مکہ کی بدعہدی اور عہد شکنی کا تذکرہ ہے اور ان سے جنگ کرنے کی ترغیب ہے۔ ان لوگوں سے ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ ہوا تھا جس کی دس شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ دس سال تک ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ آور نہ ہوگا اور نہ کوئی فریق کسی فریق کے حلیف پر حملہ کریگا اور نہ کسی حملہ آور کی مدد کرے گا لیکن قریش مکہ نے معاہدہ کو توڑ دیا اور قبیلہ بنی خزاعہ (جو رسول ﷺ کا حلیف تھا) کے خلاف قریش مکہ نے قبیلہ بنی بکر کی ہتھیاروں سے اور جوانوں سے مدد کی۔ اب جبکہ انہوں نے اپنا عہد توڑ ڈالا، اور نہ

صرف عہد توڑا بلکہ تمہارے دین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ تو ان سے جنگ کرو۔

فَقَاتِلُوْهُمْ کی بجائے فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ فرمایا۔ اس سے تمام مشرکین قریش مراد ہیں جو پورے عرب مشرکوں کے سرغنہ بنے ہوئے تھے نہ خود ایمان قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اور قبائل عرب نے انہیں اپنا مقتدیٰ بنا رکھا تھا جو اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے یا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ سے قریش کے سردار مراد ہیں جیسے ابوجہل اور سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان بن حرب وغیرہم، حضرت ابن عباسؓ نے اسی کو اختیار فرمایا۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ آیت قریش مکہ کے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نقضِ عہد بھی کیا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ سے جلا وطن کرنے کا بھی مشورہ دیا جبکہ دار الندوہ میں جمع ہوئے تھے اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ (ان کی قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں) لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ (تم ان سے جنگ کرو تا کہ یہ تمہارے دین میں طعن کرنے اور مقابلہ میں جنگ کے لئے کھڑے ہونے سے باز آ جائیں) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفر سے باز آ جائیں۔ (معالم التنزیل صفحہ۲۷۶ ج۲ ببعض زیادۃ)۔

قریشِ مکہ تو عہد توڑ چکے پھر حرف شرط کے ساتھ ان کے عہد توڑنے کو کیوں ذکر نہ فرمایا؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نقضِ عہد پر قائم رہیں اور ایمان نہ لائیں تو ان سے قتال کرو۔ احقر کے ذہن پر یہ وارد ہوا ہے کہ جملہ شرطیہ لا کر آئندہ آنے والوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ قریش مکہ تو عہد توڑ ہی چکے ہیں ان کے علاوہ آئندہ بھی کافروں کی جماعت نقضِ عہد کرے اور تمہارے دین پر طعن کرے ان سے جنگ کرنا خاص کر کفر کے سرغنوں کو قتل کرنے کا اہتمام کرنا۔ ان لوگوں کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، ایسے لوگوں سے قتال کرتے رہو گے تو وہ تمہارے دین میں طعن کرنے اور جنگ کرنے کی ہمت سے باز رہیں گے۔

علامہ نسفی نے مدارک التنزیل میں لکھا ہے کہ جب کوئی ذمی دین اسلام میں اعلانیہ طور پر طعن کرے اس کا قتل جائز ہے کیونکہ عہد ذمہ میں یہ بات بھی ہے کہ اسلام پر طعن نہ کریں گے سو جب طعن کر دیا تو اس نے اپنا عہد توڑ دیا اور عہد ذمہ سے نکل گیا۔

پھر فرمایا: اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (کیا تم ان لوگوں سے قتال نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا اور پھر خود ہی قتال کی ابتداء کی) یعنی بنی خزاعہ کے مقابلہ میں (جو تمہارے حلیف تھے) بنی بکر کی مدد کی۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (کیا تم ان سے ڈرتے ہو اور ترک قتال کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو (اس کا حکم مانو اور قتال مت چھوڑو) اگر تم مؤمن ہو تو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو۔ جس میں حکم قتال کی تکمیل بھی ہے)

اس کے بعد فرمایا قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اس آیت میں قتال کا بھی حکم ہے اور مدد کا وعدہ بھی فرمایا کہ تم ان سے جنگ کرو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا اور ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے گا اور یہ بھی فرمایا کہ کافروں کی طرف سے جو عہد شکنی ہوئی اور جو انہوں نے اسلام کو مٹانے کیلئے حرکتیں کیں اس سے جو مسلمانوں کے دلوں میں رنج و غم ہے اس جنگ کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کو بھی دور فرمائے گا۔ اہل ایمان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ شفا دے گا ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ کیونکہ جنگ کے نتیجہ میں کافر مقتول اور ذلیل و خوار ہوں گے اور مسلمان اپنی آنکھوں سے کافروں کا برا انجام دیکھ لیں گے۔ مزید فرمایا: وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ۔ اور اللہ ان کے دلوں کی جلن کو دور فرمائے گا۔ یہ جملہ اولیٰ پر عطف ہے اور اس کے مفہوم کی تاکید ہے اور اس میں اہل ایمان کی خوشی کو دوسرے الفاظ میں بیان فرما دیا ہے۔ جس سے مبالغہ

مقصود ہے، مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان خوب زیادہ خوش ہوں گے۔ صاحب روح المعانی یہ بات لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اذھاب الغیظ شفاء صدور سے زیادہ ابلغ ہے اور یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے یوں بھی فرمایا ہے کہ شفاء صدور فتح مکہ کے وعدہ سے ہو گیا اور اذہاب الغیظ فتح مکہ سے ہو گیا لیکن صاحب روح المعانی اس قول سے راضی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا: وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ (اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے توبہ نصیب فرمائے) تمہیں جو حکم ہوا ہے وہ کرو۔ تمہارا کام قتال ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر میں جو کچھ ہے وہ واقع ہوگا جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اسلام کی توفیق دے گا اور کفر چھوڑنے پر جوان کی توبہ قبول فرمائے گا یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل ہے۔ وہ جس پر چاہے اپنا فضل فرمادے جسے اسلام کی نعمت سے نوازنا ہوگا وہ تمہارے مقابل صف آراء ہو کر بھی بچ کر نکل جائے گا اور اسلام قبول کر لے گا۔ جیسا کہ ابوسفیان اور عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو جو مشرکین کے روساء تھے بعد میں مسلمان ہو گئے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اور اللہ جاننے والا ہے اور اسے معلوم ہے کہ کون اسلام قبول کرے گا اور کون کفر پر مرے گا اور وہ حکیم بھی ہے۔ وہ اپنی حکمت کے موافق جس کو چاہے نواز دے۔ کسی کا اس میں دخل نہیں ہے۔

فائدہ .... یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مکہ تو ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا اور سورۂ براءت ۹ھ میں نازل ہوئی۔ پھر ان آیات میں کون سے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صاحب روح المعانی صفحہ ۶۲ جلد ۱۰ لکھتے ہیں کہ سورۂ براءت کی ابتدائی آیات فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھیں اور یہ آیات اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اھ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور نصرت کی خوشخبری دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اہل کفر سے جو تمہیں تکلیف پہنچے گی اور ان کی شرارتوں کی وجہ سے جو تمہارے دل میں غیظ وغضب ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو دور کر دے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا اور کافروں کو ذلیل کرے گا اور تمہارے دلوں کو کافروں کی ذلت دکھا کر شفاء عطا فرمائے گا جس طرح اہل مکہ میں قتال کے لئے بعض چیزیں جمع ہو گئی تھیں کہ انہوں نے اپنا عہد توڑا اور تمہارے دین میں طعن کیا اور رسول اللہ ﷺ کو جلاوطن کرنے کا مشورہ کیا اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی پہل کی اس طرح کی بہت سی باتیں آئندہ بھی کافروں کی طرف سے پیش آسکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو تمہارے درمیان نہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہوں گے اور ان کے بعد کوئی نبی اور رسول بھی نہیں لیکن اس طرح کے واقعات پیش آسکتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ان سے لڑو تاکہ کافر ذلیل وخوار ہوں اور تمہارے دل ٹھنڈے ہوں۔ خطاب کا رخ حضرات صحابہ کو ہے لیکن عموم خطاب میں سب مسلمان داخل ہیں۔ اس کے بعد جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا۔ الآیہ)

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور تمہارا امتحان نہ ہوگا؟ ایسا خیال نہ کرو۔ امتحان ضرور ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے گا جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے سوا کسی کو راز دار اور دوست نہیں بنایا۔

جہاد کرنے والے اور دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین سے سچی محبت کرنے والے عملی طور پر ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر ممتاز ہو جائیں گے جنہوں نے جہاد سے جان چرائی اور جنہوں نے کافروں اور مشرکوں کو راز دار بنایا ...... یہ سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت میں رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ پاک کو ناپاک سے ممیز نہ فرمادے۔ ۱۲)

اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○

(کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ صرف یوں کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ایمان لائے اور ان کی جانچ نہ کی جائے گی) آخر میں فرمایا۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے باخبر ہے) وہ اپنے علم کے مطابق جزا دے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ

مشرکین اس کے اہل نہیں ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں اس حال میں کہ وہ اپنے بارے میں کافر ہونے کی گواہی دے رہے ہیں ۔ یہ وہ لوگ

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝١٧ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

ہیں جن کے اعمال اکارت ہو گئے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ، اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ

پر ایمان لائے اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ سو توقع ہے کہ یہ لوگ

يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝١٨ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ

ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔ کیا تم نے حج کرنے والوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص کے برابر

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى

بنا دیا جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر ، اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ، اللہ کے نزدیک یہ لوگ برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ۝١٩ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے

وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝٢٠ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ

جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک درجے کے اعتبار سے بڑے ہیں اور یہ لوگ کامیاب ہیں ۔ ان کا رب اپنی طرف سے انہیں رحمت کی

بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝٢١ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ

اور رضا مندی اور ایسے باغوں کی بشارت دیتا ہے جن میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں یہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٢٢

بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

مشرکین اس کے اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں

معالم التنزیل صفحہ ۲۷۳ جلد ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب غزوۂ بدر کے موقعہ پر عباس کو قید کر لیا گیا تو مسلمانوں نے عباس کو عار دلائی کہ تم کفر اختیار کئے ہوئے ہو اور تمہارے اندر قطع رحمی بھی ہے (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو مشرکین نے مکہ

سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا) اور اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سخت باتیں کہہ دیں تو اس کے جواب میں عباس نے کہا کہ آپ لوگ ہماری برائیاں تو ذکر کرتے ہیں کیا بات ہے کہ ہماری خوبیاں ذکر نہیں کرتے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے پاس خوبیاں بھی ہیں؟ عباس نے کہا کہ ہاں! ہم مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور کعبہ کی دربانی کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰہِ (آخر تک) نازل فرمائی اور یہ بتایا کہ مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ مسجدوں کو آباد کریں۔ مشرک ہوتے ہوئے مسجد کی آبادی کا کوئی معنی نہیں۔ کعبہ شریف تو شرک کے دشمن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ کعبہ اور کعبہ کی مسجد کی بنیاد توحید پر ہے جو لوگ اپنے اقرار و اعمال سے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ ہم کافر ہیں یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانتے ان کا مسجد کو آباد کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہاں یہ لوگ شرک کرتے ہیں اگر ظاہری کوئی آبادی کر دی یعنی اس کے متولی بن کر کچھ درو دیوار کی دیکھ بھال کر لی تو کفر و شرک جیسی بغاوت کے سامنے یہ حقیقت ہے پھر مسجد حرام میں جاتے تھے تو سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے (جیسا کہ سورۂ انفال کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے) ایسا آباد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک آباد کرنے میں شمار نہیں ہے۔ صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۲۷۳ جلد ۲) میں لکھتے ہیں: **أی ما ینبغی للمشرکین ان یعمروا مسجد اللہ اوجب علی المسلمین منھم من ذلک لان المساجد انما تعمر لعبادۃ اللہ وحدہ فمن کان کافرا باللہ فلیس من شانہ ان یعمرھا** (یعنی اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا مشرکوں کا کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ مشرکوں کو اللہ کے گھر سے روکیں کیونکہ مسجدیں خالص اللہ کی عبادت سے آباد ہوئی ہیں۔ جو اللہ کا منکر ہے مسجد آباد کرنا اس کا کام نہیں ہے) پھر فرمایا اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ ان کے سب اعمال اکارت چلے گئے (کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی بھی عمل اگرچہ بظاہر عبادت ہو آخرت میں کوئی نفع دینے والا نہیں) وَفِی النَّارِ ھُمْ خَالِدُوْنَ (اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں)

مساجد کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے ...... اس کے بعد فرمایا اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ (اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے) اس میں بتایا کہ مسجدوں کو آباد کرنا اہلِ ایمان کا کام ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے مقرر فرمودہ فرائض کو انجام دیتے ہیں (اس میں دو چیزوں کا خصوصی تذکرہ فرمایا یعنی نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا) اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام بھیجے ہیں ان پر عمل کرنے میں قوم یا قبیلہ اور اہل وطن کے اعتراض کو نہیں دیکھتے کہ کوئی کیا کہے گا..... اللہ کے دین پر کسی کا خیال کئے بغیر عمل کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ پھر ان لوگوں کا اُخروی انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا فَعَسٰٓی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ ○ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بتادے گا۔ دنیا میں اللہ کی اطاعت اور عبادت میں لگنا نصیب ہوگا اور پھر یہ اطاعت اور عبادت جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بن جائے گا مسجد بنانا اور اس کا نظم و نسق سنبھالنا، مرمت کرنا، نمازیوں کی واقعی ضرورتیں پوری کرنا یہ سب مسجد کی آبادکاری میں داخل ہے۔ لیکن مسجد کی آبادکاری کی جو دوسری شان سے ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ مساجد کو نمازیوں سے، ذکر سے، تلاوت سے، تعلیمی حلقوں سے، تدریسِ قرآن سے آباد رکھا جائے کیونکہ مساجد کی اصل بناء انہی امور کے لئے ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کا دھیان رکھتا ہے تو اس کے لئے ایمان کی گواہی دے دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد رکھتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا)

مساجد میں کیا کیا کام ممنوع ہیں .... جیسے اعمالِ صالحہ نماز، ذکر، تلاوت وغیرہ سے مسجد کو آباد رکھنے کی فضیلت ہے وہاں ان چیزوں سے پرہیز کرنے کی سخت ضرورت ہے جو مسجد میں کرنا منع ہیں۔ کیونکہ ان چیزوں کا ارتکاب مسجد کی آبادکاری کے خلاف ہے۔ مساجد میں ایسے اشعار پڑھنا جو دینی اعتبار سے اچھے نہ ہوں اور خرید و فروخت کرنا اور بدبودار چیزیں کھا پی کر مسجد میں جانا (جس میں بیڑی، سگریٹ، تمباکو والے پان کی بدبو بھی شامل ہے) اور مساجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔ مساجد میں تھوک، بلغم ڈالنا، گم شدہ چیزیں تلاش کرنا اور مخلوق سے سوال کرنا۔ یہ سب امور مسجد میں ممنوع ہیں اور مسجد کی شان کے خلاف ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں کسی گم شدہ چیز کو تلاش کرنے والے کی آواز سنے تو یوں کہہ دے **لاردھا اللہ علیک** (کہ اللہ تجھے یہ چیزیں واپس نہ دے) کیونکہ مسجدیں اس کام کیلئے نہیں بنائی گئیں۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۱۰ جلد ۱ ابوداؤد صفحہ ۶۸ جلد ۱)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد میں بیچتا خریدتا ہے تو کہہ دو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۷۰) رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسجدوں میں ان کی باتیں دنیاوی امور پر ہوں گی۔ سو تم ان کے پاس مت بیٹھنا کیونکہ اللہ کو ان کی حاجت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۷۱ عن البیہقی فی شعب الایمان)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل مبغوض ہے ان کے پاس بیٹھ کر اپنا برا نہ کرو۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مساجد میں حدود و قصاص جاری کرنے سے اور (غیر دینی) اشعار پڑھنے سے منع فرمایا۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۶۱ جلد ۲) حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں درختوں یعنی پیاز اور لہسن کے کھانے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ جو شخص انہیں کھائے ہماری مسجد کے پاس نہ آئے اور فرمایا کہ اگر تمہیں کھانا ہو تو ان کو پکا کر کھاؤ۔ جس سے ان کی بدبو چلی جائے گی۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۱۷۹ جلد ۲ و فی مسلم عدۃ روایات فی ہذا المعنی صفحہ ۲۰۹ جلد ۱)

ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہنا، مسجدوں میں اعتکاف کرنا اور نمازوں کے انتظار میں بیٹھا رہنا بھی مسجد کی آبادکاری ہے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (ﷺ) ہمیں خصی ہونے کی یعنی قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت دیجئے آپ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو جائے بے شک میری امت کا خصی ہونا یہ ہے کہ روزے رکھا کرے (اس سے شہوت دب جائے گی) پھر عرض کیا کہ ہمیں سیر و سیاحت کی اجازت دیجئے آپؐ نے فرمایا میری امت کی سیر و سیاحت جہاد فی سبیل اللہ میں ہے۔ پھر عرض کیا کہ ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دیجئے (جیسا کہ نصرانی لوگ تارک دنیا ہو کر الگ غاروں میں اور جنگلوں میں بیٹھ گئے تھے) آپؐ نے فرمایا میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ نمازوں کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھا کریں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۶۹)

مسجد کی صفائی کا اجر و ثواب .... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کئے گئے یہاں تک کہ کوئی شخص اگر مسجد سے ایسی چیزیں نکال دے جو دیکھنے میں ناگوار ہو (اگر چہ معمولی سا کوڑا کچرا تنکا ہو) تو وہ بھی مجھے امت کے ثواب کے کاموں میں دکھایا گیا ہے اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے تو اس سے بڑھ کر میں نے کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی ہو پھر وہ اسے بھول گیا۔ (ابوداؤد صفحہ ۶۶ جلد ۱)

آج کل مسجدوں کی ظاہری آبادی ہی رہ گئی ہے۔ خوبصورت قالین، جھاڑ فانوس درودیوار پر پھول دار نقشے، چمکدار فرش وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جاتا ہے اور نمازوں میں حاضری اور تلاوت اور نمازوں کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور یہ ظاہری زیب و زینت کی چیزیں شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے نمازوں کے خشوع و خضوع میں فرق آتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدیں بنا بنا کر آپس میں فخر کریں گے۔ (ابوداؤد صفحہ ۶۵ جلد ۱)

ایک حدیث میں مسجدوں کی زیب و زینت پر توجہ دینے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ: **مساجد هم عامرة وهي خراب من الهدى** (ان کی مسجدیں آباد ہوں گی اور ہدایت کے اعتبار سے ویران ہوں گی) مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۸

حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا ایمان اور جہاد کے برابر نہیں .... پھر فرمایا: **اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ الآية)** اس کے بارے میں دو سبب نزول نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں ایک تو وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا کہ جب بدر میں مشرکین کو قید کیا جن میں عباس بن عبد المطلب بھی تھے اور عباس کو کفر اختیار کرنے پر عار دلائی تو انہوں نے کہا کہ اگر تم ہم سے اسلام میں اور ہجرت میں اور جہاد میں آگئے بڑھ گئے تو ہم بھی تو مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل صفحہ ۲۷۵ جلد ۲)

مطلب یہ ہے کہ کیا حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے درودیوار کی دیکھ بھال کرنے کو تم نے اس شخص کے عمل کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے یعنی ایمان اور جہاد والوں کے مقابلہ میں حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال جبکہ ایمان نہ ہو اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ کفر و شرک کے ساتھ کوئی بھی نیک عمل مقبول اور معتبر نہیں۔

اور دوسرا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں حجاج کو پانی پلاؤں اور اس کے بعد دوسرا نیک عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ اگر میں مسجد حرام کو آباد کرنے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں تو مجھے دوسرے اعمال کے چھوٹ جانے کی کوئی پرواہ نہیں، تیسرے شخص نے کہا کہ تم نے جو اپنے اعمال کے بارے میں کہا ان اعمال سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ ہے ان لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھڑک دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے قریب آوازیں بلند نہ کرو۔ یہ جمعہ کا دن تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نماز سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں حاضر ہو کر اس بارے میں دریافت کروں گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو، چنانچہ انہوں نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر سوال کیا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل صفحہ ۲۷۵ جلد ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو تمام اعمال سے افضل ہے ہی جہاد فی سبیل اللہ بھی حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال اور تولیت سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: **لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ** (یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں)۔ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (ظالموں سے مشرک مراد ہیں وہ شرک پر قائم ہوتے ہوئے حق اور صحیح بات کو نہیں مانتے)

مؤمن مہاجرین اور مجاہدین کو بشارت .... اس کے بعد ایمان اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کرتے

ہوئے ارشاد فرمایا: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ ۔ (جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا درجہ کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک یہ لوگ بہت بڑے ہیں، اور یہ لوگ ہی پورے کامیاب ہیں) مزید فرمایا: یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّھُمْ فِیْھَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ۔ (ان کا رب انہیں بشارت دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضامندی کی اور باغوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہوں گی۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ (بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَکُمْ وَ اِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ ؕ

اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں پسند کرتے ہوں،

وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ

اور تم میں سے جو شخص ان سے دوستی کرے گا تو یہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی

وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَ

اور بیویاں اور کنبہ اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نہ چلنے سے تم ڈرتے ہو

مَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی

اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ

یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾

اللہ کا حکم آ جائے اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

ع ۳ ۸ ۹

اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے باپ، بھائی، بیوی، کنبہ، قبیلہ، مکان، دکان، آلِ اولاد کی کوئی حقیقت نہیں

گزشتہ آیات میں جہاد اور ہجرت کی فضیلت بیان فرمائی۔ جب ہجرت کا حکم ہوا تھا اس وقت ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن ہجرت کرنے میں پس و پیش کرتے تھے اور ہجرت کی ہمت کرنے سے عاجز بنے ہوئے تھے۔ یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ معالم التنزیل (صفحہ ۲۷۶ جلد ۲) میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کا حکم فرمایا (اور یہ وہ وقت تھا جبکہ مدینہ منورہ ہی دارالاسلام تھا اور مدینہ منورہ کو ہجرت کرنا فرض تھا) تو بعض لوگوں نے ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا اہل و عیال نے ان کو ہجرت کرنے سے روکا اور انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ضائع نہ کریں۔ ان کی یہ بات سن کر ان پر ترس آ گیا اور ہجرت کا ارادہ چھوڑ دیا...... اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہ آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا۔ (الآیۃ) نازل فرمائی اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارے باپ اور بھائی اگر کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور ایمان کے مقابلہ میں انہیں کفر محبوب ہے تو انہیں دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ محبت اور دوستی کے لائق نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ بھی ایمان قبول کر لیتے اور تمہارے ساتھ ہجرت کرتے اب وہ کافر ہیں اور تم مؤمن ہو تمہارا دین تو قبول کرتے نہیں اور یوں کہتے ہیں کہ تم ہجرت کر کے جاؤ گے تو ہم ضائع ہو جائیں گے،

جولوگ اللہ کے فرمانبردار نہیں بنتے حق کو قبول نہیں کرتے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے دوستی کی جائے۔ وہ ایمان قبول کرنے کو تیار نہیں اور تم ان پر اتنے مہربان ہو رہے ہو کہ ان کی وجہ سے ہجرت (جو فرض ہے اور ایمان کا جزو ہے) نہیں کرتے وہ تو ایمان پر نہیں آتے اور تم ان کیلئے اپنا ایمان ضائع کر رہے ہو! یہ تو تمہارا اپنی جانوں پر ظلم ہوا۔ اس آخری بات کو یوں بیان فرمایا وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور تم میں سے جو لوگ ان سے دوستی رکھیں تو وہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں) یعنی ان سے دوستی رکھنا جبکہ ان کو کفر محبوب ہے ظلم کی بات ہے اور یہ اپنی جانوں پر ظلم ہے، جب ایمان لے آئے اللہ کے ہو گئے تو اللہ کے حکموں کے سامنے کوئی تعلق اور کوئی رشتہ داری لائق توجہ نہیں جو اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے روکے مؤمن کا اپنا وہی ہے جو اللہ کا فرمانبردار ہو اور جو اللہ کا نہیں ہے وہ ہمارا بھی نہیں ہے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کو آشنا باشد

جب آیت بالا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا نازل ہوئی تو بعض وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت نہیں کی تھی کہنے لگے کہ اگر ہجرت کرتے ہیں تو ہمارے مال ضائع ہو جائیں گے اور تجارتیں ختم ہو جائیں گی اور گھر ویران ہو جائیں گے اور رشتہ داریاں کٹ جائیں گی اس پر دوسری آیت قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ (الاٰية) نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل صفحہ ۲۷۷ جلد ۲) جس میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی زبانی یہ اعلان کروادیا کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ اور تمہارے وہ مال جو تم نے کما رکھے ہیں اور وہ تجارت جس میں تم مشغول ہو اور ہجرت کرنے کی وجہ سے اس کے ناکام ہونے کا تمہیں ڈر ہے اور رہنے کے گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کی نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ تو تم اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ یہ دنیاوی چیزیں تمہیں ہجرت سے روک رہی ہیں یہ تمہارے لئے عذاب کا باعث ہے یہ عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت میں تو بہر حال ترک ہجرت کرنے پر عذاب ہے ہی۔ اگر اسی حالت میں مر گئے کہ ہجرت نہ کی جبکہ اس کے بغیر ایمان مقبول نہیں۔ قال صاحب الروح ای بعقوبته سبحانه لكم عاجلا او اجلا علی ماروی عن الحسن (صفحہ ۷۱ جلد ۱)

سورۂ نساء (آیت ۹۷) میں ہجرت پر قدرت ہوتے ہوئے ہجرت نہ کرنے والوں کے لئے فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ فرمایا ہے اللہ کی وعید پر نظر نہ رکھنا اور رشتہ داریوں اور تجارتوں اور گھروں کا دھیان رکھنا اور ان کی محبت میں جہاد اور ہجرت کو چھوڑ دینا یہ ایمان سے بھی دور ہے اور عقل سے بھی۔

آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ اور جو لوگ فاسق ہیں اللہ کی فرمانبرداری نہیں کرتے کافروں سے دوستی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دے گا کہ وہ اپنی عقل سے کام لیں اور اپنے نفع اور ضرر کو سمجھیں۔ دنیا کو اللہ کی رضا کے مقابلہ میں ترجیح دی اس کی سزا میں ان کا یہ حال ہوا۔

فائدہ.......... ایمان قبول کرنے کے بعد ایمان کے تقاضے انسان کو شرعی احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ شرعی احکام میں بہت سی ایسی چیزیں آجاتی ہیں۔ جو نفس پر گراں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ہجرت بھی ہے جہاد بھی ہے حرام مال کا چھوڑنا بھی ہے۔ شریعت کے مطابق اپنوں سے قطع تعلق ہونا بھی ہے اور بہت سے امور ہیں جو نفس کو ناگوار ہیں۔ جو لوگ یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور اس کا حق سب سے زیادہ ہے اور مال بھی اس نے دیا ہے اور رشتہ داریاں بھی اس نے پیدا فرمائی ہیں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے میں کچھ بھی دشواری نہیں ہوتی وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اندر تین چیزیں ہوں گی ان کی وجہ سے وہ

ایمان کی مٹھاس پائے گا۔

پہلا وہ شخص جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ دوسری تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

دوسرا وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔

تیسرا وہ شخص جسے اللہ نے کفر سے بچا دیا وہ واپس کفر میں جانے کو ایسا ہی برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷ جلد ۱)

نیز حضرت انس ؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷ جلد ۱)

ایمان کی مٹھاس سے مراد یہ ہے کہ طاعات اور عبادات میں لذت محسوس ہونے لگے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا آسان ہو جائے۔

فائدہ .... محبت دو طرح کی ہوتی ہے ایک محبت طبعی جس میں اختیار نہیں ہوتا اور دوسری محبت اختیاری یہ محبت عقلی ہوتی ہے اوپر جس محبت کا تذکرہ ہوا اس سے محبت اختیاری مراد ہے چونکہ غیر اختیاری امور کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلّف نہیں بنایا اور طبعی محبت اختیاری نہیں ہے اس لئے اوامر شرعیہ میں محبت عقلی اور اختیاری ہی مراد ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں طبعی طور پر آل اولاد اور رشتہ داروں کی اور مال کی محبت ہو تو اس پر مواخذہ نہیں ہے بشرطیکہ یہ طبعی محبت اختیاری محبت پر غالب نہ آ جائے۔ ایمانی تقاضوں کا پورا کرنا بعض مرتبہ آل اولاد، مال اور دکانداری کی محبت کی وجہ سے دشوار ہو جاتا ہے اور غیر اللہ کی محبت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگ جاتے ہیں۔ بچوں کو خوش کرنے کے لئے تصویریں خرید یں۔ گھر میں ٹی، وی لے آئے انہیں غیر شرعی لباس پہنا دیا ان کی رواجی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے رشوت لے لی۔ ان کو زیادہ مال فراہم کرنے کی نیت سے سود لے لیا۔ حرام محکموں میں ملازمت کر لی اور کسی طرح کے گناہوں میں ملوث ہو گئے۔ دوستوں کو خوش کرنے کے لئے داڑھی مونڈ لی، نصرانی لباس پہن لیا، حرام کمائی والے کی دعوت کھالی یہ ہوتا رہتا ہے اور ایسے مواقع میں عقلی ایمانی محبت اور طبعی محبت میں مقابلہ کی صورت بن جاتی ہے عموماً لوگ طبعی محبت سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور ایمانی تقاضوں کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ کے عموم میں اس طرح کی سب باتیں آ جاتی ہیں۔ بہت نیک بندوں کو ایمانیات کی محنتیں کرتے ہوئے اور جنت کا یقین رکھتے ہوئے اعمال صالحہ انجام دیتے ہوئے یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ طبعی محبت بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ مقام بہت مبارک ہے اور برتر و بالا ہے۔ زہے نصیب جسے حاصل ہو جائے۔

لَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَوَاطِنَ کَثِیۡرَةٍ ۙ وَّیَوۡمَ حُنَیۡنٍ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ

یہ واقعی بات ہے کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن بھی، جب تمہیں اپنی کثرت پہ گھمنڈ ہو گیا۔ پھر اس کثرت

عَنۡکُمۡ شَیۡـًٔا وَّضَاقَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ

نے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے، پھر اللہ نے اپنے

سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ اَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا وَعَذَّبَ الَّذِيۡنَ

رسول ﷺ پر اور مؤمنین پر اطمینان قلبی نازل فرمایا اور ایسے لشکر اتار دیئے جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے،

كَفَرُوۡا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ ثُمَّ يَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ؕ

اور اللہ نے کافروں کو عذاب دیا اور یہ سزا ہے کافروں کی ، پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے

وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کا کثرت پر گھمنڈ ہونا اور اس کی وجہ سے اولاً شکست کھا کر بھاگنا پھر اللہ تعالیٰ کا مدد فرمانا

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ فرمایا ہے کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی پھر خصوصیت کے ساتھ غزوۂ حنین میں مدد فرمانے کا واقعہ یاد دلایا۔ حنین (ح ن ی ن) مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے مکہ فتح ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ بنی ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بہت بڑی جماعت تھی، بعض صحابہ کے منہ سے یہ نکل گیا کہ آج ہم کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمانوں کو اول شکست ہوئی اور بہت زیادہ پریشانی ہوئی اور چند افراد کے علاوہ سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔

غزوۂ حنین کا مفصل واقعہ......... اس واقعہ کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ جب قبیلہ ہوازن کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا ہے تو مالک بن عوف نصری نے جو ان کا سردار تھا بنی ہوازن کو جمع کیا ان کے ساتھ بنو ثقیف، بنو نصر، بنو جشم، بنو سعد بن بکر اور کچھ بنی ہلال میں سے جمع ہو گئے ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے قتال کریں، ان کے ارادوں کی خبر ملنے پر جب آپ نے ان کی طرف تشریف لے جانے کا ارادہ کر لیا تو مالک بن عوف نے اپنی جمعیت اور اپنے اموال اور عورتوں اور بچوں کو مقام حنین میں جمع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ کو ان کی خبر لینے کے لئے بھیجا اور فرمایا کہ تم اندر جا کر رہو اور صحیح حال معلوم کر کے ان کی خبر لے آؤ۔ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد ؓ تشریف لے گئے اور ان میں داخل ہو کر ان کی خبریں لیں۔ اور حالات معلوم کئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو صورت حال سے باخبر کیا اور بتایا کہ ان لوگوں کی نیت جنگ کرنے کی ہے۔ آپؐ نے مکہ معظمہ سے جب ان سے مقابلہ کیلئے سفر شروع فرمایا تھا تو آپؐ کے ساتھ دس ہزار افراد تو وہ تھے جو فتح مکہ کے لئے مدینہ منورہ سے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار آدمی مزید اہل مکہ میں سے ساتھ ہو گئے تھے۔ حضرت سہل بن حنظلہ نے بیان کیا کہ ہم رسول ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت آ گیا اس وقت ایک گھڑ سوار آدمی آیا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپؐ کے آگے چلا گیا تھا فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھ گیا تو میں نے دیکھا کہ بنی ہوازن سب کے سب اپنی عورتیں اور اپنے اموال اور اپنی بکریوں کو لے کر حنین میں جمع ہو گئے ہیں آپؐ نے مسکرا کر فرمایا ان شاء اللہ کل کو یہ سب مسلمانوں کے مال غنیمت ہوں گے۔ آنے والی رات میں حضرت انس ؓ بن ابی مرثد ؓ چوکیداری کرتے رہے اور ادھر ادھر مختلف گھاٹیوں میں گھوڑے پر سوار ہو کر پھرتے رہے تاکہ دشمن کی خبر رکھیں۔

جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کے لشکر اور بنی ہوازن کی جمعیت کا مقابلہ شروع ہوا یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ اس وقت ہماری تعداد بہت ہے افراد کی کمی کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے۔ بنی ہوازن کے لوگ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے انہوں نے تیر اندازی شروع کی تو مسلمان پشت پھیر کر بھاگ لئے۔ دشمن کے مقابلہ میں صرف رسول ﷺ اور آپ کے ساتھ چند افراد رہ گئے تھے جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ بھی تھے آپؐ برابر پکارتے رہے۔

اَیُّھَاالنَّاسُ ھَلُمُّوا اِلَیَّ اَنَارَسُوْلُ اللہِ مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللہِ۔

(اے لوگو! میری طرف آجاؤ میں رسول اللہ ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں)۔ اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ سفید خچر پر سوار تھے اور بطور رجز یہ پڑھ رہے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبُ اَنَاابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبُ

(میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں)

اس موقعہ پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور عرض کیا: اَللّٰھُمَّ نَزِّلْ نَصْرَکَ (اے اللہ اپنی مدد نازل فرما) آپؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو کہ اے انصار کی جماعت ادھر آؤ اے صحابۂ شجرہ (جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت لی تھی) ادھر آؤ۔ یہ حضرات آواز سن کر لبیک کہتے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ سو آدمی جمع ہو گئے اور دوبارہ جنگ شروع ہو گئی رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر مشرکین کی طرف پھینک دی اور فرمایا شاھت الوجوہ (ان کی صورتیں بگڑ جائیں۔۱۲) اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ کنکریاں دشمنوں کی آنکھوں میں پڑ گئیں اور ان میں کوئی بھی ایسا باقی نہ رہا جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑی ہو۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ بنی ہوازن اور ان کے ساتھ جمع ہونے والے قبائل کو شکست ہو گئی۔ ان میں بہت سے مقتول ہوئے اور بڑی تعداد میں قید کر کے خدمت عالی میں حاضر کئے گئے جن کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے اموال اور عورتیں اور آل اولاد سب مسلمانوں کو بطور مال غنیمت مل گئے۔ (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کے اموال انشاء اللہ کل کو مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوں گے)

جن لوگوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول نہیں کیا تھا یوں ہی ساتھ چلے آئے تھے انہوں نے جب اللہ کی مدد دیکھی تو اس موقعہ پر اسلام قبول کر لیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فتح یابی نصیب فرمائی تو آپؐ نے مال غنیمت کو (جس میں اونٹ، بکریاں اور غلام باندیاں سبھی تھے۔ مقام جعرانہ پر لے جانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہاں لے جا کر سب جمع کر دیئے جائیں اور حضرت مسعود بن عمرو انصاری ؓ کو ان اموال کو لے جانے کا ذمہ دار بنا دیا۔

مقام اوطاس میں مشرکین سے مقابلہ اور ان کی شکست........اس کے بعد میدان سے بھاگنے والے دشمنوں کی ایک جماعت نے مقام اوطاس پر پڑاؤ ڈالا، اندازہ تھا کہ یہ لوگ جنگ کریں گے رسول اللہ ﷺ نے ان کے مقابلہ کے لئے حضرت ابو عامر ؓ کو بھیجا، ان سے جنگ ہوئی تو ان پر غلبہ پالیا۔ لیکن حضرت ابو عامر ؓ وہیں شہید ہو گئے ان کے بعد ان کے چچازاد بھائی حضرت ابو موسیٰ ؓ نے جھنڈا سنبھالا اور قتال کیا اللہ تعالیٰ نے فتح یابی نصیب فرمائی اور انہی کے ہاتھوں وہ شخص مقتول ہوا جس نے حضرت ابو عامر ؓ کو شہید کیا تھا۔ جنگ اوطاس کے موقعہ پر بھی مال غنیمت ملا جن میں مشرکین کی بہت سی عورتیں بھی تھیں۔

طائف کا محاصرہ پھر وہاں سے واپسی ....غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر رسول ﷺ طائف کی طرف روانہ ہوئے وہاں مالک بن عوف بنی ہوازن کا سردار اور اس کے ساتھی اور دوسرے لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے چوبیس دن اور ایک روایت کے مطابق سترہ دن ان کا محاصرہ کیا قلعہ کے اندر رہتے ہوئے وہ لوگ تیر پھینکتے رہے اور باہر نہیں آئے۔ مسلمانوں میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے منجنیق استعمال فرمائی اور اس کے ذریعہ قلعہ کے اندر پتھر پھینکے (یہ اس زمانہ میں پتھر پھینکنے کا ایک آلہ تھا، دور حاضر کی توپ اس کی ترقی یافتہ ایک شکل ہے)۔ واقدی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے اپنے ہاتھ سے منجنیق بنائی تھی اور استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب فتح یابی کی کوئی صورت نہ بنی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم کل واپس ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپؐ اگلے دن وہاں سے واپس ہو گئے اور چلتے وقت یوں دعا کی۔

(اے اللہ ان کو ہدایت دے اور ہمارے لئے تو ہی کافی ہو جا (تا کہ ہمیں ان سے نمٹنا نہ پڑے)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بنی ثقیف کا وفد (جو طائف کے رہنے والے تھے) آئندہ سال رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا (یاد رہے کہ طائف والے وہی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو زخمی کیا تھا۔ پھر بھی آپ انہیں ہدایت کی دعا دے کر تشریف لے آئے)

جعرانہ میں تقسیم غنائم ....آپؐ طائف سے واپس ہوئے تو مقام جعرانہ میں پہنچے آپ کے ساتھ مسلمانوں کا لشکر عظیم تھا۔ وہاں پہلے غنیمت کے اموال بھیج دیئے گئے تھے جن میں بنی ہوازن کے قیدی بھی تھے ان قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جن میں بچے اور عورتیں بھی تھیں اور بہت بھاری تعداد میں اونٹ بھی تھے اور بکریاں بھی تھیں۔ آپ نے ان کو اپنے لشکر میں تقسیم فرما دیا۔ پھر ان کی درخواست پر غانمین سے اجازت لے کر ان کے قیدی واپس کر دیئے کیونکہ بنی ہوازن نے اسلام قبول کر کے اس کی درخواست کی تھی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مالک بن عوف جو بنی ہوازن کا سردار تھا وہ طائف میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ آپؐ نے اس کو خبر بھیجی کہ اگر اسلام قبول کر کے میرے پاس آ جائے تو اس کے کنبہ کے لوگ اور اس کا مال واپس کر دوں گا اور اس کو سو اونٹ بھی دے دوں گا جب مالک بن عوف کو یہ بات پہنچی تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کے اہل و عیال واپس کر دیئے اور سو اونٹ بھی عنایت فرما دیئے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا پھر مدینہ منورہ عافیت اور سلامتی کے ساتھ تشریف لے آئے۔ (من البدایہ والنہایہ للحافظ ابن کثیر صفحہ ۳۲۲ تا صفحہ ۳۶۸ مختصراً وملتقطاً)

حنین میں فرشتوں کا نزول ....مسلمانوں کو اول شکست ہوئی اور ایسی شکست ہوئی کہ زمین ان کے لئے تنگ ہو گئی اور سبب اس کا وہی ہوا کہ بعض مسلمانوں نے یہ کہہ دیا کہ آج تو ہم تعداد میں بہت زیادہ ہیں شکست کا احتمال ہی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور رسول اللہ ﷺ پر سکینہ نازل فرمائی جس کی وجہ سے آپ خوب زیادہ اطمینان اور سکون قلب کے ساتھ بلا خوف وخطر اپنے خچر پر سوار رہے اور صحابہ پر بھی سکینت نازل فرمائی اور سکون و اطمینان کے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے لگے جس سے دشمنوں نے شکست کھائی۔

قرآن مجید میں غزوۂ حنین کا ذکر کرتے ہوئے وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا۔ بھی فرمایا (اور اللہ نے لشکر اتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا) صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۲۸۱ جلد ۲) میں فرماتے ہیں یعنی الملائكة قيل لا للقتال ولكن لتجبين الكفار وتشجيع المسلمين لانه يروى ان الملائكة لم يقاتلوا الايوم بدر (فرشتوں کا نزول بعض نے کہا قتال کے لئے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ وہ کفار کو بزدل بنائیں اور مسلمانوں کو بہادر کیونکہ مروی ہے کہ فرشتوں نے قتال صرف بدر میں کیا تھا) یعنی لشکروں سے فرشتے مراد ہیں۔

اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ فرشتے جنگ کرنے کے لئے نہیں بلکہ کافروں کو بزدل اور مسلمانوں کو دلیر بنانے کیلئے نازل کئے گئے تھے، کیونکہ یہ بات روایت کی جاتی ہے کہ فرشتوں نے بدر کے موقعہ کے علاوہ اور کسی موقعہ پر قتال میں حصہ نہیں لیا۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۷۵ جلد ۱۰) نے بھی جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا کی تفسیر فرشتوں سے کی ہے اور لکھا ہے کہ جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی اور موقعہ پر قتال نہیں کیا وہ مؤمنین کے قلوب کی تقویت کے لئے اور مشرکین کے قلوب میں رعب ڈالنے کیلئے آئے تھے۔ پھر ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے قتال بھی کیا تھا لیکن اخیر میں لکھا ہے کہ ولیس له سند یعول علیه یعنی اس کی کوئی سند معتمد نہیں ہے۔

فرشتوں کے اتارنے کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا: وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (کہ اللہ نے کافروں کو عذاب دیا (جو مقتول ہوئے اور قیدی بنے) وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۔ اور یہ کافروں کی سزا ہے۔ (جو دنیا میں ہیں) اور آخرت میں جو سزا ہے وہ دنیاوی سزا کے علاوہ ہے جو کفر پر مرے گا وہاں دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ آخر میں فرمایا:

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جو کافر مقتول ہو جائیں وہ تو دنیا کا عذاب یہیں چکھ لیتے ہیں اور آخرت کے دائمی عذاب کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ قتل سے بچ جائیں اللہ تعالیٰ ان میں سے جس کو چاہے توبہ کی توفیق دے دیتا ہے جو کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ انہیں میں سے ایک مالک بن عوف تھا جو بہت بڑی جمعیت لے کر مقابلہ کے لئے حنین میں آیا تھا۔ جب شکست ہوئی تو طائف جا کر قلعہ بند ہو گیا لیکن آنحضرت سرور عالم ﷺ کا پیغام پہنچنے پر واپس آیا اور مسلمان ہو گیا آپ نے اس کو اس کی قوم پر عامل بھی بنا دیا۔ نیز اور بھی بہت سے بنی ہوازن کے لوگ مسلمان ہوئے جس جنگ میں قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔ طائف میں جا کر محاصرہ فرمایا پھر محاصرہ کے بعد واپس تشریف لے آئے بعد میں وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اسلام کے بڑے بڑے دشمنوں نے اسلام قبول کیا اور مستحق جنت ہوئے۔ زمانہ کفر میں جو کچھ کیا تھا اللہ تعالیٰ نے سب معاف فرما دیا۔

مالک بن عوف نے اسلام قبول کر کے رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے چند اشعار کہے اہل علم کی دلچسپی کے لئے نقل کئے جاتے ہیں۔

ما ان رائیت ولا سمعت بمثله	فی الناس کلهم بمثل محمد
أوفی وأعطی للجزیل اذا اجتدی	ومتی تشأیخبرک عما فی غد
واذا الکتیبته عردت انیابها	بالسمهری وضرب کل مهند
فکانه لیث علی اشباله	وسط الهباء ةخادر فی مرصد

جن کا ترجمہ یہ ہے

۱)..... میں نے تمام لوگوں میں محمد رسول اللہ ﷺ جیسا نہ دیکھا نہ سنا۔

۲)..... خوب زیادہ مال کثیر دینے والا جب کہ وہ سخاوت کرے اور جب تو چاہے تو تجھے اس بات کی خبر دیدے جو کل ہونے والی ہے (وہ جو آپ نے فرمایا تھا کہ بنی ہوازن کے مال کل انشاء اللہ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوں گے اس کی طرف اشارہ ہے)

۳۔۴) ..... اور جب لشکر اپنے دانتوں کو پیسنے لگے نیزوں کے ساتھ اور ہر تلوار استعمال کرلی جائے۔ تو گویا وہ شیر ہے اپنے بچوں (کی نگرانی) پرغبار کے درمیان ہر گھات کی جگہ میں۔

(ذكرها الحافظ ابن كثير في البداية (صفحه ۳۶ جلد۴) والخادر (بالخاء) الاسد الذي اختفى في اجمته كما في القاموس) (اسے حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے، الخادر اس شیر کو کہتے ہیں جو اپنی کچھار میں چھپا ہو)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ

اے ایمان والو! مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اور اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

مشرکین نجس ہیں مسجد حرام کے پاس نہ جائیں

یہ آیت بھی سورۂ براءت کی شروع کی ان چالیس آیات میں سے ہے جن کا اعلان ۹ھ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حج کے موقعہ پر کرایا تھا جس میں حضرت ابوبکرؓ امیر حج تھے۔ جن چیزوں کا اعلان کیا تھا۔ ان میں یہ بھی تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں طواف نہ کرے (جیسا کہ مشرکین کیا کرتے تھے) اس آیت میں جو یہ حکم فرمایا کہ مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں۔ اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ آئندہ مشرکین کو حج نہ کرنے دیا جائے مسجد حرام میں نہ آنے دینے کا یہی مطلب ہے۔ اگر کسی کافر کو مسجد حرام میں یا کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے تو حضرت امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہے اور پلید ہونے سے مراد ان کی اندرونی ناپاکی یعنی عقائد شرکیہ اور کفریہ مراد ہیں۔ ہاں اگر ان میں کوئی مرد یا عورت جنابت والا ہو یا کوئی عورت حیض والی ہو جسم پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو تو ان نجاستوں کی وجہ سے داخل نہ ہونے دیا جائے گا اور اس میں مؤمن اور کافر کا حکم ایک ہی ہے۔ دیگر ائمہ کا مذہب اس سے مختلف ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ کسی کافر کو خواہ ذمی ہو یا ویزہ لے کر آیا ہو کسی بھی صورت میں مسجد حرام میں داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کافروں کی طرف سے کوئی قاصد آئے تو امام المسلمین مسجد سے باہر نکل کر اس سے گفتگو کرے۔

یہ تو ان حضرات کا مذہب مسجد حرام کے داخلہ کے بارے میں ہے۔ رہا دوسری مساجد کا مسئلہ تو حضرت امام شافعیؒ دوسری مسجدوں میں کافر کے داخلہ کی اجازت دیتے ہیں اور امام مالکؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ تمام مسجدوں کا حکم برابر ہے کسی بھی مسجد میں کافر کا داخلہ جائز نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کافروں کو حج اور عمرہ کرنے سے روکا جائے اور بعض حالات میں کافروں کے مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت ہے اس کی دلیل میں حضرت جابرؓ کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے جسے (درمنثور صفحہ ۲۲۶ جلد ۳) میں مصنف عبدالرزاق وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا الا أن يكون عبدا او أحدا من أهل

الـذمة ۔ (کہ مشرکین اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر یہ کہ کوئی شخص ذمی ہو) اور یہ معلوم ہے کہ کافر مشرک ہونے میں غلام باندی اور ذمی اور دوسرے مشرکین سب برابر ہیں۔ جب غلام کو اجازت دے دی گئی تو معلوم ہوا کہ ہر کافر کے داخلہ کی اجازت ہے۔ البتہ اس کی ممانعت ہے کہ ان کو حج یا عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ حدیث بالا درمنثور میں موقوفاً ہی نقل کی ہے لیکن علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن (صفحہ ۸۹ جلد ۳) میں مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح نقل کی ہے پھر لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے دونوں طرح صحیح ہو۔ حضرت جابرؓ نے بعض اوقات ارشاد نبوی کے طور پر نقل کر دیا اور کبھی اپنی طرف سے فتویٰ دے دیا۔

مراسیل ابوداؤد میں ہے کہ بنی ثقیف کا وفد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے ان کے لئے مسجد کے آخری حصہ میں ایک قبہ لگوا دیا تا کہ وہ مسلمانوں کی نمازیں اور ان کا رکوع وسجود دیکھیں۔ عرض کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ آپ انہیں مسجد میں ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ زمین ناپاک نہیں ہوتی ابن آدم ناپاک ہوتا ہے۔

امام طحاوی نے اس واقعہ کو شرح معانی الآثار کے سب سے پہلے باب میں نقل کیا ہے۔ ان کی روایات کے الفاظ یہ ہیں **فقال رسول الله ﷺ انه ليس على الارض من انجاس الناس شيء انما انجاس الناس على انفسهم** ۔ (لوگوں کی نجاستوں میں سے زمین پر کچھ بھی نہیں ان کی نجاستیں ان کی اپنی جانوں پر ہیں)

ثمامہ بن اثال کا واقعہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ کافر کو مسجد میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ ثمامہ ایک شخص تھے جنہیں حضرات صحابہؓ گرفتار کر کے لے آئے تھے اور ان کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا تھا۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶۶ جلد ۱)

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (الآیۃ) (مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں) اس کی تصریح فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ (اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے)

اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ مشرکین جب حج کے لئے آئے تھے تو اپنے ساتھ غلہ (گیہوں، جو وغیرہ) بھی لے آئے تھے اور اس کو فروخت کرتے تھے۔ جب حج کے لئے ان کا آنا روک دیا گیا تو مسلمانوں نے کہا کہ اب ہمیں کفار کی چیزیں کہاں سے ملیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان سے وعدہ فرمایا کہ اللہ اگر چاہے تو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد سے بھی یہ بات منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمان کافروں سے اور ان اموال تجارت سے بے نیاز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رزق کے دوسرے دروازے کھول دیئے اور انہیں جو معاشی مشکلات کا اندیشہ تھا دور فرمایا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ

ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے

وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

اور دین حق کو قبول نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب دی گئی ان سے یہاں تک جنگ کرو کہ وہ ماتحت ہو کر ذلت کی حالت

يَدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

میں اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم

تفسیر: سابقہ آیات میں مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم ہے۔ اسلام کا قانون ہے کہ کافروں سے جب جہاد کیا جائے تو اول ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو آگے کوئی جنگ نہیں۔ اب وہ اپنے ہو گئے ان سے جنگ کرنے کا جواز نہیں رہا۔ اب تو انہیں دین سکھائیں گے۔ اسلام کے احکام بتائیں گے اور نئے پرانے مسلمان سب اتحاد و اتفاق کے ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ کر چلیں گے۔ اگر کافر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جزیہ دو یعنی ملک ہمارا ہوگا تم اس ملک میں رہو اور تمہاری جانوں کی ہم حفاظت کریں گے۔ اس حفاظت کے بدلہ تمہیں مال دینا ہوگا۔ اگر ملک پر کوئی حملہ آور ہوگا تو تمہیں ساتھ مل کر لڑنا ہوگا۔ اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو بھی آگے لڑائی کا کوئی موقعہ نہیں یہ جو جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہوگا اس کو جزیہ کہا جاتا ہے۔ یہ جزیٰ یجزی کا مصدر ہے جو فِعْلَۃٌ کے وزن پر ہے۔ جزیہ کفر کی سزا کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ یہ ہر شخص سے نہیں لیا جاتا اور سب سے برابر بھی نہیں لیا جاتا۔ جس کی کچھ **تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ** لکھی جائے گی۔

اگر کافر جزیہ دینے سے انکاری ہوں تو پھر قتال یعنی جنگ کی صورت اختیار کی جائے گی اس بارے میں فرمایا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ سے جنگ کرو جو اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے یہاں تک کہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔ اس میں اہل کتاب کی قید احترازی نہیں ہے۔ دوسرے کافروں کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مشرکوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔ آیت میں قتال اور جزیہ کا ذکر ہے۔ دعوت اسلام پیش کرنے کا ذکر نہیں اس لئے کہ جن لوگوں کو پہلے سے دعوت اسلام پہنچی ہوئی ہو انہیں قتال سے پہلے دعوت دینے کی ضرورت نہیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اسلام سے پوری طرح واقف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو پوری طرح پہچان گئے تھے کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس سب کے باوجود منکر تھے۔ رسالت کے تو منکر تھے ہی اللہ تعالیٰ کی توحید کو بھی چھوڑ چکے تھے اور آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے، اگر کسی درجے میں آخرت کا تصور تھا تو وہ آخرت کو نہ ماننے کے درجے میں تھا کیونکہ جانتے بوجھتے کفر اختیار کرنا اور آخرت میں جو کفر کی سزا ہے یعنی عذاب دائمی، اسے بھگتنے کے لئے تیار رہنا یہ آخرت کو نہ ماننے کے درجہ میں ہے۔ نیز وہ حشر اجساد یعنی مادی اجسام کے دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب کے قائل نہیں تھے۔ جنت اور دوزخ کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ کوئی خاص مقام نہیں ہے روح کی خوشی کا نام جنت اور غم کا نام جہنم رکھا ہوا تھا۔ اسی لئے **قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** فرمایا۔ **قال صاحب الروح وایمانهم الذی یزعمونه لیس علی ماینبغی فهو کلاایمان** (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان کا ایمان جسے وہ ایمان خیال کرتے تھے وہ درحقیقت ایمان نہیں، تو ایمان کا نہ ہونا ہے)۔ (صفحہ ۷۸ جلد ۱۰)

اہل کتاب کا حال بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: **وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ** کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو حرام نہیں سمجھتے۔ جب دین اسلام کو قبول نہیں کرتے تو حرام و حلال کی تفصیلات کو بھی نہیں مانتے۔ صاحب روح المعانی نے اس کی تفسیر میں بعض علماء کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ان کا جس رسول پر ایمان لانے کا دعویٰ ہے اس نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا خواہشات نفس کے اتباع کی وجہ سے ان کو حرام قرار نہیں دیتے۔ ان کی شریعت کو بھی بدل دیا اور عمل سے بھی دور ہو گئے مثلاً رشوت

اور سود کا لینا دینا ان کے ہاں عام تھا۔ جن کی حرمت ان کی کتابوں میں تھی۔

اہل کتاب کا مزید حال بیان کرتے ہوئے فرمایا وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَق۔ کہ وہ دین یعنی اسلام کو قبول نہیں کرتے۔ ان کی یہ صفات اور ان کے یہ حالات اس بات کو مقتضی ہیں کہ ان سے جنگ کی جائے اگر اسلام قبول کرلیں تو بہتر ہے ورنہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں اس صورت میں ان سے قتال روک دیا جائے اور جنگ نہیں کی جائے گی۔

پھر فرمایا: حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ۔ اس میں لفظ عَنْ یَّدٍ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص پر جزیہ دینا مقرر کردیا گیا وہ خود آ کے ادا کرے کسی دوسرے کے ذریعہ نہ بھیجے کیونکہ جزیہ لینے سے ان کی تحقیر بھی مقصود ہے۔ خود گھر میں بیٹھے رہے اور کسی کو وکیل بنا کر جزیہ بھیج دیا تو اس میں ان کا اعزاز ہے۔ اس لئے وکیل کے واسطہ سے بھیجنا منظور نہ کیا جائے بلکہ ان کو مجبور کیا جائے کہ خود آ کر ادا کریں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ منقاد اور فرمانبردار اور تابع ہو کر جزیہ ادا کریں۔ بعض اکابر نے اس قول کے مطابق یوں ترجمہ کیا ہے کہ ماتحت ہو کر رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں، اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ نقد ہاتھ در ہاتھ جزیہ دینا منظور کریں۔

پھر آخر میں فرمایا: وَھُمْ صٰغِرُوْنَ کہ اس حالت میں جزیہ دیں کہ وہ ذلیل ہوں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ کھڑے ہو کر ادا کریں اور جو مسلمان لینے والا ہے وہ بیٹھ کر وصول کرے اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ذمی کا گلا پکڑ کر یوں کہا جائے گا کہ اعط الجزیة یا ذمی (اے ذمی جزیہ دے) اور بعض نے فرمایا ہے کہ وصول یابی کرنے والا یوں کہے اد حق اللہ تعالٰی یا عدو اللہ (اے اللہ کے دشمن اللہ کا حق ادا کر) اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ذمیوں کے ذلیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جو احکام دیئے جائیں گے ان پر عمل کریں گے اور مسلمانوں کی ماتحتی میں رہیں گے یہ اقوال صاحب روح المعانی نے (صفحہ ۷۹ جلد ۱۰) میں نقل کئے ہیں پھر اخیر میں لکھا ہے کہ آج کل مسلمانوں کا ان میں سے کسی قول پر بھی عمل نہیں۔ وہ اپنے نائب کے ذریعہ ہی جزیہ بھیج دیتے ہیں ان سے لے لیا جاتا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو مجبور کیا جائے کہ خود لے کر آئیں۔ پیدل آئیں، سوار نہ ہوں اور اس کے خلاف ورزی اہل اسلام کے ضعف کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ (اھ)

صاحب روح المعانی نے اپنے زمانے کے ملوک اور امراء کی شکایت کی کہ مسلمان امراء نائب سے جزیہ وصول کر لیتے ہیں لیکن آج تو یہ حال ہے کہ مسلمان کسی ملک میں جزیہ لینے کا قانون جاری کرتے ہی نہیں۔ یہ لوگ کافروں سے ڈرتے ہیں جزیہ مقرر نہیں کرتے بلکہ ملک میں رہنے والے کافروں کو مسلمانوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کا اکرام کرتے ہیں۔ ان کو اسمبلی کا ممبر بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمت اور حوصلہ دے اور کفر اور کافر کی قباحت اور شناعت اور نجاست اور بغض اور نفرت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دے تاکہ اہل کفر کو ذلیل سمجھیں اور ذلیل بنا کر رکھیں۔ فقہائے نے لکھا ہے کہ ذمی کافروں کو دارالاسلام میں کوئی عبادت خانہ نیا بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اسلام کے غلبہ ہونے سے پہلے جو ان کا عبادت خانہ ہو اور وہ منہدم ہو جائے تو اسے دوبارہ بنا سکتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے لباس میں اور سواریوں میں اور ٹوپیوں میں اور مسلمانوں کے لباس اور سواریوں وغیرہ میں امتیاز رکھا جائے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ گھوڑوں پر سوار نہیں ہو سکتے اور ہتھیار بند ہو کر نہیں چل پھر سکتے۔ مسلمان ان سب احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں کیونکہ کفر اور کافر سے بغض نہیں ہے۔ (العیاذ باللہ) مسلمانوں کے ملکوں میں کافروں کی مشنریاں کام کر رہی ہیں۔ جاہل اور غریب مسلمانوں کو اپنے دین میں داخل کر رہی ہیں لیکن مسلمانوں کے اصحاب اقتدار ذرا بھی توجہ نہیں دیتے، وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں رواداری ہے اور کافر اقوام سے

ڈرتے بھی ہیں اور جھینپتے بھی ہیں، ملک مسلمانوں کا ہو اور کفر کی کھلی تبلیغ ہو یہ احکام اسلامیہ کی کتنی بڑی خلاف ورزی ہے؟ اس کو اصحاب اقتدار نہیں سوچتے۔ فالله يهديهم۔

جزیہ کی مقدار کیا ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک جزیہ تو وہ ہے جو آپس کی رضامندی اور صلح سے مقرر کر لیا جائے۔ جتنی مقدار پر اتفاق ہو جائے اسی قدر لے لیا جائے اس میں ہر فرد سے وصول کرنے کی ضرورت نہیں ان کے جو ذمہ دار ہوں وہ جس طرح چاہیں آپس میں وصولیابی کر کے امیر المؤمنین کو پہنچا دیں۔ سالانہ ماہانہ جتنے جتنے وقفہ کے بعد لینا دینا طے ہو اسی کے مطابق عمل کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نصاریٰ نجران سے یوں معاملہ فرمایا تھا کہ پوری جماعت سالانہ دو ہزار حلہ ادا کیا کرے حلہ دو چادروں کو کہتے ہیں یعنی ایک تہبند اور ایک چادر اور ہر حلہ کی قیمت کا اندازہ بھی طے کر دیا گیا تھا کہ ایک اوقیہ چاندی کی قیمت کا ہوگا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا اور ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ایک رتی اور ۱/۵ رتی ہوتا تھا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ امیر المؤمنین ان کے ملک پر قابض ہو کر انہیں ان کی املاک پر باقی رکھے اور ان پر فی کس مخصوص رقم مقرر کر دے۔ حضرت عمرؓ نے مالدار آدمی پر سالانہ اڑتالیس درہم مقرر کئے تھے جن میں سے ہر ماہ چار درہم ادا کرنا لازم تھا اور جو شخص متوسط درجے کا مالدار ہو اس پر چوبیس درہم مقرر کئے تھے ہر ماہ اس سے دو درہم لئے جاتے تھے اور جو شخص مالدار نہ ہو۔ مزدوری کر کے کھانا کھاتا ہو اس پر بارہ درہم کی ادائیگی لازم کی تھی جس میں سے ہر ماہ ایک درہم وصول کیا جاتا تھا۔

مسئلہ............ عورت، بچہ، اپاہج اور وہ نادار جو محنت کر کے کمانے کے لائق نہیں اور وہ لوگ جو اپنے عبادت خانوں میں رہتے ہوں لوگوں سے ان کا میل ملاپ نہ ہو ان لوگوں پر کوئی جزیہ نہیں۔

مسئلہ............ اہل کتاب بُت پرست، آتش پرست ان سب سے جزیہ لیا جائے گا۔ البتہ اہل عرب جو بُت پرست ہیں ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا بلکہ ان سے کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

مسئلہ............ مسلمانوں میں سے جو لوگ مرتد ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ) ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا۔ ان سے بھی یہ کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ

اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح، اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی باتیں ہیں جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہیں۔

يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوٓا

یہ ان لوگوں کی طرح باتیں کرتے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر اختیار کیا۔ اللہ انہیں غارت کرے، کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے

اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوٓا اِلَّا

اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں کو اور درویشوں کو رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی اور حالانکہ ان کو یہی حکم ہوا تھا کہ

لِيَعْبُدُوٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۱﴾

صرف ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اس چیز سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کی تردید جنہوں نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بتایا

پہلی آیت میں اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان سے یہاں تک قتال کرو کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کا عقیدہ شرکیہ بیان فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جیسے دوسرے مشرک اپنے شرک میں لگے ہوئے ہیں اسی طرح یہود و نصاریٰ بھی مشرک ہیں یہ جن انبیاء کرام علیہم السلام سے اپنا تعلق جوڑتے ہیں انہوں نے توحید کی دعوت دی تھی اور اسی دعوت کو لے کر اللہ پاک کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے بعد میں ان کے ماننے والوں نے (جو ماننے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں) توحید کو چھوڑ دیا اور عقائد شرکیہ اختیار کر لئے اور زبانوں سے بھی شرکیہ باتیں کرنے لگے۔ یہودیوں نے تو یوں کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے یوں کہا کہ مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کا قول ذکر کرنے کے بعد فرمایا ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ کہ یہ ان کی باتیں ہیں جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہیں یہ اپنی باتوں میں جھوٹے ہیں۔ ان کی باتوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور ان کی باتوں کی کوئی دلیل اور کوئی سند نہیں۔

پھر فرمایا: يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۔ (ان سے پہلے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کی باتیں ان کی باتوں کے مشابہ ہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ (جنہوں نے ان سے پہلے کفر اختیار کیا) سے مشرکین مراد ہیں جنہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنایا اور اس عقیدہ کے جو لوگ ہیں یعنی یہود و نصاریٰ وہ اپنے اسلام کی بات پر جمے ہوئے ہیں (روح المعانی صفحہ۸۳ جلد۱)

پھر فرمایا: قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کے مجازی معنی لئے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس سے لعنت کرنا مراد ہے۔ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۔ (وہ کہاں الٹے پھرے جا رہے ہیں) ان کو توحید کی دعوت دی گئی ہے اسے چھوڑ کر شرک اختیار کئے ہوئے ہیں اور حق کو چھوڑ کر باطل میں لگے ہوئے ہیں۔

تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے .... پھر فرمایا اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ کہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار (یعنی علماء یہود) کو اور راہبوں (یعنی نصاریٰ کے درویشوں) کو اپنا رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو (بھی) رب بنالیا۔ نصاریٰ کے راہب تارک دنیا ہو کر اپنے ان گھروں میں رہتے تھے جو جنگلوں میں بنالیتے تھے اس لئے رہبان کا ترجمہ درویش کیا گیا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو پہلے نصرانی تھے (بعد میں مسلمان ہوئے) انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ نے فرمایا، اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال کر پھینک دو میں نے اس کو پھینک دیا۔ واپس آیا تو آپ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ پڑھ رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم اپنے عالموں اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے پھر یہ کیوں فرمایا کہ احبار اور رھبان کو رب بنالیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے کہ یہ لوگ جو چیز تمہارے لئے حرام کردیں تم اسے حرام کر لیتے ہو اور جو چیز حلال کردیں تو اسے حلال کر لیتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں! یہ بات تو ہے آپؐ نے فرمایا یہ ان کی عبادت ہے۔ (معالم التنزیل صفحہ ۲۸۵ جلد۲)

اور سنن ترمذی وغیرہ میں اسی طرح سے ہے کہ عدی بن حاتم نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ سورۂ براءت کی آیت اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ ان کی عبادت نہیں

کرتے تھے۔لیکن جن چیزوں کو وہ حلال کہتے تھے انہیں حلال سمجھتے تھے اور جن چیزوں کو وہ حرام کردیتے تھے ان کو حرام مان لیتے تھے۔(درمنثور صفحہ ۲۳۰ جلد ۳)

تحلیل وتحریم میں غیر اللہ کی فرمانبرداری شرک ہے..........دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق و مالک ہے جن چیزوں سے نفع حاصل کرتے ہیں وہ بھی اسی نے پیدا کیں ہیں اور جو لوگ انہیں استعمال کرتے ہیں ان کو بھی اسی نے پیدا فرمایا، اسے اختیار ہے کہ جس چیز کو جس کے لئے حلال قرار دے اور جس کے لئے حرام قرار دے آس نے سابقہ امتوں کے لئے بعض چیزیں حرام قرار دیں اور اس امت کے لئے حلال قرار دیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے پاس سے تحلیل اور تحریم کے قانون بنائے جو شخص اپنے طور پر کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دے چاہے وہ اپنے لئے ہو خواہ دوسروں پر نافذ کرنے کے لئے یہ خدائی اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے کے ہم معنی ہے۔ سورۂ یونس میں فرمایا: قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (آپ فرمادیجئے کہ یہ بتاؤ جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے رزق نازل فرمایا سو اس میں سے تم نے حرام اور حلال تجویز کرلیا۔ کیا اللہ نے تمہیں اس بات کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر تہمت باندھتے ہو۔

جب تحلیل وتحریم کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے جو خالق و مالک ہے تو اس کے سوا کوئی اور شخص تحلیل وتحریم کے قانون بنائے اور اپنے پاس سے حلال وحرام قرار دے اس کی بات ماننا اور فرمانبرداری کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں شریک بنانا ہوا جیسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اس کی عبادت ہے اسی طرح ان امور میں غیر اللہ کی فرمانبرداری کرنا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہیں یہ ان کی عبادت ہے چاہے ان کو سجدہ نہ کریں چونکہ ان جاری کئے ہوئے احکام کے ساتھ فرمانبرداری کا وہی معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ ہونا چاہیے اس لئے ان کی اتباع اور اطاعت کو عبادت قرار دیا۔

پھر فرمایا: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا (اور انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ صرف ایک ہی معبود کی عبادت کریں) یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (کوئی معبود نہیں اس کے سوا) وہی معبود حقیقی ہے اس کی عبادت کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا شرک ہے سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے)

فائدہ.........حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو جو حضور اقدس ﷺ نے جواب دیا کہ وہ لوگ اپنے علماء کو اور درویشوں کو اس طرح اپنا رب بنا لیتے تھے کہ ان کی تحلیل وتحریم پر عمل کرتے تھے اس میں عبادت بالمعنی المعروف کی نفی نہیں ہے۔ عام طور پر جو ان کا طریقہ تھا اسے بیان فرمادیا ان میں وہ لوگ بھی تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باقاعدہ عبادت کرتے تھے اور ان کو ثالث ثلثۃ یعنی تیسرا معبود مانتے تھے بلکہ صلیب کو بھی پوجتے تھے۔ آیت بالا میں والمسیح ابن مریم فرمایا (اور اس لفظ کو جو احبار اور رہبان پر معطوف کرکے علیحدہ سے ذکر فرمایا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باقاعدہ معبود مانتے تھے وہ اللہ کے پیغمبر تھے اپنی طرف سے تحلیل وتحریم کرنے والے نہ تھے ان کا بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔

فائدہ.........اوپر جو سورۂ نحل کی آیت نقل کی گئی ہے اس کا مضمون دوسری آیات میں بھی ہے جن میں صاف صاف بتایا ہے کہ تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اسلام کے دعویداروں میں بعض فرقے ایسے ہیں جو تحلیل وتحریم میں احکام کے منسوخ کرنے اور بدلنے میں اور عبادت کے طریقے تجویز کرنے میں اپنے امام اور مجتہد کو بااختیار سمجھتے ہیں اور اپنے امام کو قرآن وحدیث کا پابند نہیں سمجھتے۔ ان کا امام اور مجتہد جو کہتا ہے اسی کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن کی تصریحات اور تعلیمات ان کے نزدیک بے حیثیت ہیں۔ ایسے

فرقوں کے کفر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ تصریحات قرآنیہ کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک امام کو سب کچھ اختیار ہے جن لوگوں نے ان کا مذہب ایجاد کیا ہے انہوں نے اپنے ہاتھ میں تحلیل و تحریم کے اختیارات رکھنے کے لئے اپنے عوام کو یہ عقیدہ بتایا اور سمجھایا ہے کہ امام ہی سب کچھ ہے۔ روافض کا امام جب چاہے نماز جمعہ جاری کردے اور جب چاہے منسوخ کردے اور اسی طرح دیگر امور میں بھی ان کے یہاں یہی صورت حال ہے۔ ایک بہائیہ فرقہ ہے۔ ان کے ہاں بھی دین اسلام سے ہٹ کر فرائض اور محرمات کی تفصیلات ہیں اور بعض معاصی کی تعزیرات انہوں نے خود سے مقرر کی ہیں جو ان کے بعض رسالوں کو دیکھ کر مطالعہ میں آئیں، منکرین حدیث میں ایک شخص چکڑالوی تھا۔ اس نے نماز کی ترتیب اور ترکیب اور طریقہ عبادت اپنے پاس سے تجویز کیا تھا۔ یہ سب ان لوگوں کی گمراہی ہے جو سراپا کفر ہے۔

فائدہ.........اب دور حاضر میں جب کہ آزاد منش لوگ اسلامی احکام پر چلنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور دشمنان اسلام سے متاثر ہیں، کہتے ہیں کہ حضرات علماء کرام جمع ہو کر میٹنگ کریں اور اسلامی احکام کے بارے میں غور و فکر کریں اور فلاں فلاں احکام کو بدل دیں یا ہلکا کردیں اور فلاں فلاں حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیں۔ یہ ان لوگوں کی جہالت اور حماقت کی بات ہے۔ اگر علماء ایسا کرنے بیٹھیں گے تو کافر ہو جائیں گے اور اگر کسی حرام چیز کو حلال قرار دیں گے تو ان کے حلال کردینے سے حلال نہ ہوگی۔ بعض اباحی (یعنی حرام چیزوں کو مباح قرار دینے والے) قسم کے لوگ جو نام نہاد عالم کہلاتے ہیں انہوں نے سود، بیمہ اور تصویروں کو اور بعض دیگر محرمات کو حلال کہہ دیا ہے ان کے کہنے اور لکھنے سے وہ چیزیں حلال نہیں ہوگئیں۔ خوب سمجھ لیا جائے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ کو اس کے علاوہ کوئی بات منظور نہیں کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے۔

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ

اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر

كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

غالب کردے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

النصف

پھونکوں سے اللہ تعالیٰ کا نور بجھایا نہ جائے گا

ان دونوں آیات میں دشمنان اسلام کے عزائم باطلہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں، یعنی اسلام پر اعتراض کر کے اور مہمل باتیں کر کے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں۔ ان کی باتوں سے اسلام کا نور بجھنے والا نہیں اور ان کی شرارتوں سے اسلام کو ٹھیس لگنے والی نہیں ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ اس کا نور پورا ہو کر رہے گا۔ اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو اور برا لگے۔

اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کردے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔ پہلی آیت کے ختم پر وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ فرمایا اور دوسری آیت کے ختم پر وَلَوْ كَرِهَ

الْمُشْرِكُوْنَ فرمایا جولوگ شرک کی وجہ سے مشرک ہیں اور جولوگ مشرک نہیں کسی دوسری وجہ سے کافر ہیں مثلاً خدائے تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتے یا اس ذات پر اعتراض کرتے ہیں یا اس کی کتابوں اور اس کے نبیوں کو جھٹلاتے ہیں ان دونوں قسم کے دشمنوں کی ناگواری کا تذکرہ فرمادیا کہ کافر اور مشرک یہ جو چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین نہ پھیلے اور اس کا غلبہ نہ ہو ان کے ارادوں سے کچھ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب فرمائے گا۔ یہ جلتے رہیں، حسد کرتے رہیں، ان کی نیتوں اور ارادوں پر خاک پڑے گی اور دینِ اسلام بلند اور غالب ہو کر رہے گا۔

غالب ہونے کی تین صورتیں ہیں

پہلی صورت:............ یہ ہے کہ دلیل اور حجت کے ساتھ غلبہ ہو اور یہ غلبہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی بھی شخص خواہ دین اسمانی کا مدعی ہو، خواہ بت پرست ہو۔ خواہ آتش پرست ہو، خواہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو، خواہ ملحد ہو، اور زندیق ہو وہ اپنے دعوٰی اپنے دین کو لے کر دلیل کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نہیں آسکتا اور اپنے دعویٰ کو صحیح ثابت نہیں کرسکتا۔ اسلام کے دلائل سے یہود ونصاریٰ اور مشرکین، زنادقہ اور ملحدین سب پر حجت قائم ہے۔ اس اعتبار سے دین اسلام ہمیشہ غالب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اسے کامل بھی فرمادیا اور قرآن مجید میں اعلان فرمادیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ ۔ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی) اسلام دین کامل ہے انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ دیگر تمام ادیان کے ماننے والے صرف چند تصورات اور خود تراشیدہ معتقدات کو لئے بیٹھے ہیں۔ خود سے قوانین بنالیتے ہیں اور پھر انہیں توڑ دیتے ہیں۔ (بلکہ یوں کہتے ہی نہیں کہ یہ قانون اللہ کی طرف سے ہے) خود ساختہ قانون کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے منسوب کریں اسلام نے انسانوں کو ہر شعبہ زندگی کے احکام دیئے ہیں اور اخلاق عالیہ کی تعلیم دی ہے جن کی تصریحات اور تفصیلات قرآن مجید میں اور احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

دوسری صورت:.......... اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے کفر و شرک چھوڑ کر اسلام قبول کرلیں اور دنیا میں اسلام ہی اسلام ہو اور اسی کا راج ہو۔ ایسا قیامت سے پہلے پہلے ضرور ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانے میں اسلام خوب اچھی طرح پھیل جائے گا اور زمین عدل وانصاف سے بھر جائیگی جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کی تصریح آئی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ رات اور دن ختم ہونے سے پہلے ایسا ضرور ہوگا کہ لات اور عزّیٰ کی پرستش کی جائے گی (یہ زمانہ جاہلیت میں دو بت تھے) میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) میں تو یہ سمجھتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ٥ نازل فرمائی تو یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ یعنی دین حق تمام دینوں پر غالب ہوگا) آپؐ نے فرمایا، کہ جب تک اللہ چاہے گا ایسا ہوگا (جو آیت شریفہ میں مذکور ہے) پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیج دے گا جس کی وجہ سے ہر اس شخص کو موت آجائے گی جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ اس کے بعد صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے دل میں کوئی خیر نہ ہوگی لہٰذا وہ اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۹۴ جلد ۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ تشریف آوری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا **ویبطل الملل حتی یهلک الله فی زمانه الملل کلها غیر الاسلام** یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام ملتوں کو باطل کردیں گے

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے علاوہ ساری ملتوں کو ختم فرمادیں گے۔ (مسند احمد صفحہ ۴۳۷ جلد ۲)

تیسری صورت: .... اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ مسلمان اقتدار کے اعتبار سے دوسری اقوام پر غالب ہو جائیں اور یہ ہو چکا ہے جب مسلمان جہاد کرتے تھے اللہ کے دین کو لے کر آگے بڑھتے تھے اور اللہ کی رضا پیش نظر تھی اس وقت بڑی بڑی حکومتیں پاش پاش ہو گئیں۔ قیصر وکسریٰ کے ملکوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ان میں جو قیدی پکڑے گئے وہ غلام باندی بنائے گئے اور مشرکین اور اہل کتاب میں بہت سے لوگوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور مسلمانوں کے ماتحت رہے۔ صدیوں یورپ اور ایشیا، افریقہ کے ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ (اور اس وقت یہی تین براعظم دنیا میں معروف تھے) اور اب بھی مسلمانوں کی حکومتیں زمین کے بہت بڑے حصہ پر قائم ہیں۔ اگر اب بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور آپس میں اتفاق واتحاد کر لیں۔ کافروں سے بغض رکھیں۔ کافروں کی حکومتوں کو اپنا سہارا نہ بنائیں تو اب بھی وہی شان واپس آ سکتی ہے جو پہلے تھی۔

اقتدار والے غلبہ کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو چکا ہے اور آئندہ پھر اس کا وقوع ہوگا انشاء اللہ حضرت مقدادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمین پر مٹی سے بنا ہوا کوئی گھر یا بالوں سے تیار کیا ہوا کوئی خیمہ ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرما دے۔ عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ، حدیث کی روایت کرنے کے بعد حضرت مقدادؓ نے فرمایا کہ بس تو پھر سارا دین اللہ ہی کے لئے ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱۱۶ از مسند احمد)

جن کو اللہ تعالیٰ عزت دے گا انہیں کلمہ اسلام کا قبول کرنے والا بنا دے گا اور جن کو اللہ ذلیل کرے گا وہ مقتول ہوگا یا مجبور ہو کر جزیہ ادا کرے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

اے ایمان والو! بلاشبہ بہت سے علماء اور راہب ایسے ہیں جو لوگوں کے مال باطل طریقہ پر کھاتے ہیں

وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي

اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ

سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ

نہیں کرتے ان کو درد ناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے جس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر ان کی پیشانیوں،

وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

کروٹوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنی جانوں کے لئے جمع کیا تھا۔ سو اب اسے تم چکھ لو جسے تم جمع کرتے تھے۔

یہود ونصاریٰ دین حق سے روکتے ہیں

اس آیت میں اول تو اہل کتاب کے علماء اور مشائخ یعنی درویشی اختیار کرنے والے لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ پرہیز بھی کرتے تھے اس لئے لفظ کثیرا کا اضافہ فرمادیا۔ ان کا باطل طریقہ پر مال کھانا اس

طریقہ یہ تھا کہ توریت شریف میں تحریف کرتے تھے اور اپنے پاس سے احکام بنا دیتے تھے اور اس پر اپنے عوام سے پیسے لے کر کھا جاتے تھے۔ اہل ایمان کو خطاب فرما کر اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی حرام خوری کا تذکرہ فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے اندر بھی اس طرح کے علماء اور مشائخ ہو سکتے ہیں۔ ان سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ جھوٹے پیر جو گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں ان کا یہی حال ہے، نہ صاحب شریعت، نہ صاحب طریقت اندر سے خالی ہیں۔ تصوف سے عاری ہیں طالب دنیا ہیں فکر آخرت نہیں خوف وخشیت نہیں تقویٰ نہیں۔ لوگوں سے مال وصول کرنے کے لئے طرح طرح کے ڈھنگ بنا رہے ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ، جو کچھ کسی شخص کو اس کے دیندار اور صالح ہونے کے خیال سے دیا جائے گا اس کا لینا اس شخص کے لئے حلال نہیں جو اندر سے فاسق ہو، اگر دینے والے کو اس کا اندرونی حال معلوم ہوتا تو ہرگز نہ دیتا۔

اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا کہ آپؐ واقعی اللہ کے رسول ﷺ ہیں جن کے تشریف لانے کا انتظار تھا لیکن ان لوگوں نے آپؐ کی صفات کو بدل دیا اور اپنے ماننے والوں کو یہ باور کرایا کہ وہ نبی نہیں ہیں جن کے انتظار میں تھے۔

یہود ونصاریٰ کے علماء اور مشائخ کا جو طریقہ اسلام کے عہد اول میں تھا۔ ابھی تک وہی ہے یہودیت اور نصرانیت کے ذمہ دار یہ جانتے ہوئے کہ اسلام دین حق ہے۔ نہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے ماننے والوں کو قبول کرنے دیتے ہیں۔ انہوں نے بہت ساری جماعتیں اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے تیار رکھی ہیں۔ مختلف طریقوں سے یہ لوگ مسلمان نوجوانوں کو اپنے دین میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مال کا لالچ دیتے ہیں۔ عورتیں بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مسلمان نوجوان ان کے قابو میں نہیں آتے جب اسلام دل میں رچ جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسے قلوب کی گہرائی سے نہیں نکال سکتی۔ جتنے اموال کفر اور شرک کو پھیلانے کے لئے خرچ کئے جاتے ہیں اور اسلام کے پھیلنے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا نتیجہ صفر درجہ میں ہی رہتا ہے۔

اسلام کے عہد اول سے دشمنان اسلام کی کوششیں رہی ہیں اور اب تک ہو رہی ہیں۔ ان کو دیکھا جائے تو اسلام کی دعوت مکہ مکرمہ کے ایک گھر سے بھی آگے نہ بڑھتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو آگے بڑھایا اور کروڑوں افراد اس وقت سے آج تک اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور برابر ہو رہے ہیں۔ دشمنوں کی کوششیں فیل ہیں۔ اسلام برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ پھیل رہا ہے۔ یورپ، امریکہ، کینیڈا، افریقہ، آسٹریلیا اور ایشیاء کے بہت سے ممالک کے غیر مسلم اسلام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اسلام قبول کر رہے ہیں اور اب یہ سیلاب انشاء اللہ تعالیٰ رکنے والا نہیں ہے دلیل وحجت سے اسلام ہمیشہ غالب ہے اور اپنے پھیلاؤ کے اعتبار سے بھی اب پورے عالم میں گھر گھر داخل ہو رہا ہے۔

دشمنان اسلام ہمیشہ سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل اسلام کے ساتھ ہے اور یہ بھی سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہماری کوششیں اسلام کے خلاف کامیاب نہیں پھر بھی اپنی ناسمجھی سے اسلام دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا پھر بھی مخالفت سے باز نہیں آتے۔ یورپ، امریکہ میں لاکھوں مسلمان رہتے ہیں۔ دشمنان اسلام ان کی اذانیں سنتے ہیں۔ نمازیں دیکھتے ہیں، اسلام پھیل رہا ہے، چرچ بک رہے ہیں۔ ان کی جگہ مسجدیں بن رہی ہیں پھر بھی ہوش کی آنکھیں نہیں کھولتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام کی مخالفت سے اسلام کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جو لوگ کفر وشرک والے ادیان کے ذمہ دار ہیں وہ اپنے عوام کو اسلام پر آنے نہیں دیتے اور ان کو کفر ہی پر مطمئن رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی محنتوں کے باوجود ان کے عوام دل سے اپنے دین سے مطمئن نہیں ہیں۔ سرکاری

کاغذات میں پیدائشی طور پر ان کا جو دین لکھ دیا گیا تھا وہ دل سے اس سے منحرف ہیں گو زبان سے اظہار نہیں کرتے ۔ یہ اسلام کی حقانیت اور دیگر ادیان کے عوام کا اپنے دینوں سے قلوب کے اعتبار سے منحرف ہونا ان شاء اللہ تعالیٰ رنگ لائے گا اور وہ دن دور نہیں کہ دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوگا۔

جو لوگ ادیان باطلہ کے داعی اور قائد ہیں اپنی جانوں اور اپنی عوام کی جانوں پر رحم کھائیں اور اسلام قبول کر لیں اور اپنے عوام کو بھی اس کی دعوت دیں اگر یہ لوگ اسلام کی طرف آگے نہ بڑھے تو انہیں میں سے آگے بڑھنے والے آگے بڑھ جائیں گے اور اسلام قبول کر کے ان پر لعنت کریں گے جو اسلام سے روکتے رہے۔ لہٰذا دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی سے اپنے کو اور اپنے عوام کو بچائیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے آنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیں ہم بالکل علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔

اس کے بعد ان لوگوں کے لئے وعید فرمائی جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے یکنزون کو ماقبل پر معطوف نہیں فرمایا بلکہ اسم موصول لا کر مستقل جملہ کے ذریعہ چاندی سونا جمع کرنے والوں کے لئے وعید بیان فرمائی الفاظ کے عموم میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ بھی داخل ہیں جو مال جمع کرنے کی وجہ سے توریت شریف کے احکام میں تحریف کرتے تھے اور اس امت کے وہ افراد بھی مراد ہیں جو سونا، چاندی جمع کریں اور اس میں سے شریعت کے مقرر کردہ فرائض و واجبات میں خرچ نہ کریں۔ ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے) بشارت خوش کرنے والی چیز کی ہوتی ہے لیکن عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر فرمایا اس میں یہ نکتہ ہے کہ مال جمع کرنے کو اپنے لئے اچھا سمجھتے تھے...... ان کے گمان کے برخلاف ارشاد فرمایا کہ تمہیں اس کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ عذاب کو اچھا سمجھتے ہو تو خوش ہو جاؤ۔

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۔ (جس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنی جانوں کے لئے جمع کیا تھا۔ سو اب تم چکھ لو جسے جمع کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاندی، سونے کا مالک تھا جس میں سے اس کا حق ادا نہیں کرتا تھا۔ (یعنی زکوٰۃ نہیں دیتا تھا) تو جب قیامت کا دن ہوگا اس کے لئے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی' پھر ان تختیوں کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور ان کے ذریعہ اس کے پہلو اور اس کے پیشانی اور اسکی کمر کو داغ دیا جائے گا۔ جب وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی تو ان کو (پھر سے گرم کر کے) واپس لوٹا دیا جائے گا۔ یہ اس دن میں ہوتا رہے گا جو پچاس ہزار سال کا ہوگا پھر نتیجہ میں وہ اپنا راستہ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف دیکھ لے گا (اس کے بعد ان لوگوں کی وعید کا تذکرہ فرمایا جو مویشیوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۱۸ جلد ۱)

اول تو آگ کی تختیاں پھر ان کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے پھر ان سے پہلوؤں پیشانیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے اور جب ٹھنڈی ہو جائیں تو دوبارہ گرم کر لی جائیں اور پچاس ہزار سال تک یہی عذاب کا سلسلہ جاری رہے اور پھر بھی دونوں احتمال ہیں کہ جنت میں جائے یا دوزخ میں اس کا ہر وہ شخص تصور کرے جو مال جمع کرتا ہے اور زکوٰۃ نہیں دیتا۔ پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغ دینے میں علماء نے یہ حکمت بتائی ہے کہ جب ایسے لوگوں کے پاس کوئی سائل (مال زکوٰۃ کا طلب گار) سامنے سے آتا ہے تو اسے دیکھ کر پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں پھر اس سے نظر بچانے کے لئے دائیں طرف یا بائیں طرف مڑتے ہیں اور سوال کرنے

والا اس طرح سے بھی پیچھا نہ چھوڑے تو پھر اس کی طرف پشت کر لیتے ہیں اس لئے پیشانی اور پہلو اور پشت کو عذاب کے لئے مخصوص کیا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

فائدہ.......... سونا اور چاندی کو چونکہ بین الاقوامی طور پر اصل ثمن ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور اسلام میں انہیں اثمان قرار دیا ہے۔ اس کے لئے جس قسم کا بھی مال ہو اس کو سونا چاندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب سے دنیا میں نوٹ آئے ہیں تو چونکہ ان کے ذریعہ چاندی سونا خریدا جا سکتا ہے۔ اس لئے وہ چاندی سونے ہی کے حکم میں ہیں اور مال تجارت بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے۔ سونا چاندی ہو یا مال تجارت یا نقد کیش ان سب پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ جتنی بھی زکوٰۃ قاعدہ شرعیہ کے مطابق فرض ہو وہ حساب سے ادا کی جاتی رہے تو باقی مال کو کنز نہیں کہا جائے گا جس پر حدیث بالا میں وعید آئی ہے۔ اسی لئے بعض احادیث میں فرمایا ہے: ما بلغ أن تؤدى زكوته فزكى فليس بكنز یعنی جو مال اس مقدار کو پہنچ جائے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۱۸ جلد ۱)

زکوٰۃ ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر فرض فرمائی ہے اور قرآن میں دسیوں جگہ زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ذکر فرمایا ہے سورۂ حٰم سجدہ میں فرمایا ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (سو خرابی ہے مشرکین کے لئے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں اور ان لوگوں کا کام ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ زکوٰۃ کے علاوہ قواعد شرعیہ کے مطابق دوسرے اخراجات بھی واجب ہیں قربانی کرنا، صدقہ فطر ادا کرنا، عندالضرورۃ ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں پر قواعد شرعیہ کے مطابق خرچ کرنا۔ یہ سب حقوق ہیں جو مال کے متعلق ہیں اور حقوق واجبہ کے علاوہ کوئی شخص جتنا بھی اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر دے گا اس کا ثواب پائے گا جس کو نفلی صدقات کہا جاتا ہے لیکن فرائض اور واجبات میں خرچ کرنے کا خاص دھیان رکھے تا کہ آخرت میں مواخذہ نہ ہو۔

فائدہ.......... آیت کریمہ میں اولاً سونا چاندی دونوں کو جمع کرنے کا تذکرہ فرمایا پھر وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فرمایا پھر تثنیہ کی ضمیر کے بجائے واحد کی ضمیر لائی گئی جو فضہ (چاندی) کی طرف راجع ہے۔ بعض علماء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ سونا چاندی ایک ہی چیز ہے لہٰذا اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو اور علیحدہ علیحدہ ان میں سے ایک بھی نصاب کو نہ پہنچتا ہو تو سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگا دی جائے گی مطلب یہ ہے کہ دونوں کے مجموعہ کی قیمت اگر نصاب چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔

چاندی، سونے کا کیا نصاب ہے؟ اس کی تفصیل کے لئے دو رکوع کے بعد آیت اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ کی تفسیر دیکھئے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

بلاشبہ اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں جس دن اس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے، ان میں

مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا

سے چار مہینے حرمت والے ہیں، یہ دین مستقیم ہے، سو ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تمام

الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۞ اِنَّمَا

مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ مہینوں کی حرمت

اَلنَّسِیٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا

کو آگے بڑھا دینا کفر میں ترقی کرنا ہے جس سے کافر لوگ گمراہ کئے جاتے ہیں کہ وہ اس مہینے کو کسی سال حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال حرام قرار دے

لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ ؕ زُیِّنَ لَہُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِہِمْ ؕ وَاللّٰہُ

دیتے ہیں تاکہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جنہیں اللہ نے حرام قرار دے دیا ہے۔ پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں، ان کے برے اعمال ان کے لئے مزین کر دیئے گئے اور اللہ

لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۷﴾

کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ع ۸ ۱۱

مہینوں کی حِلت وحُرمت میں ہیرا پھیری اور تقدیم وتاخیر کرنا کُفر میں ترقی کرنا ہے

اوپر دو آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا اسی دن سے اس نے مہینوں کی تعداد بارہ عدد مقرر فرمائی ہے ان میں سے چار مہینوں کو حرام قرار دے دیا گیا جن میں قتال کرنے کی ممانعت فرما دی (یہ چار مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب تھے) جمہور علماء کا فرمانا ہے کہ ان کی حُرمت منسوخ ہے اور اب ان مہینوں میں بھی قتال کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ہم سورۂ بقرہ کی آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّہْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ کی تفسیر میں بیان کر آئے۔ پھر فرمایا کہ یہ دِیْنٌ مستقیم ہے یعنی سال کے مہینوں کا بارہ عدد ہونا اور چار مہینوں کا بالتخصیص اشہر الحرام ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ چیز ہے اور یہ دین صحیح ہے۔ جاہلیت کے لوگ کبھی سال کے مہینوں کا عدد بڑھا دیتے تھے اور کبھی اشہر الحرام کی تخصیص کو چھوڑ دیتے تھے اور اپنی طرف سے بعض مہینوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیتے تھے۔

فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْہِنَّ اَنْفُسَکُمْ ۔ سو تم ان سب مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ یعنی گناہ نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو مت چھوڑو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔ معالم التنزیل (صفحہ ۲۸۶ جلد ۲) میں محمد بن اسحٰق سے اس کا مطلب یوں نقل کیا ہے کہ حلال مہینوں کو حرام اور حرام مہینوں کو حلال نہ بناؤ۔ لا تجعلوا حلالها حراما وحرامها حلالا کفعل اهل الشرک وهو النسیء۔ (حلال مہینوں کو حرام اور حرام کو حلال نہ بناؤ جیسا کہ اہل شرک کرتے تھے یعنی نسی کا عمل)

پھر فرمایا: وَقَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَآفَّۃً ۔ کہ تمام کافروں سے جنگ کرو جیسا کہ وہ تم سب سے جنگ کرتے ہیں وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ۔ اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

دوسری آیت میں جاہلیت والوں کے ایک اور طریقہ کار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ حرام مہینے کو مؤخر کر دینا کفر میں زیادتی ہے، مشرکین عرب مشرک تو تھے ہی اپنے اس طریقہ کار سے بھی مزید کفر میں ترقی کر گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تحریم کو بدل کر اشہر الحرام کو حلال کر لیتے تھے۔ آگے بڑھنے سے پہلے اَلنَّسِیٓءُ یعنی حرام مہینوں کو مؤخر کرنے کا مطلب سمجھ لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے چار مہینوں کو حرام قرار دیا تھا یعنی ان میں قتل وقتال کی اجازت نہ تھی۔ قریش مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بھی تھے اور کعبہ شریف کے متولی بھی تھے جو ان کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا، ان لوگوں میں حضرت ابراہیمؑ کی شریعت میں سے جو باتیں باقی رہ گئی تھیں ان میں حج کرنا بھی تھا اور چار مہینوں کو محترم بھی سمجھتے تھے اور ان میں قتل وقتال کو حرام مانتے تھے۔ لیکن ان میں اور عرب کے دیگر قبائل میں جاہلیت کی وجہ سے

شر و فساد اور قتل و قتال ایک پیشہ بن کر رہ گیا تھا اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کر کے لوٹ مار کے ذریعے مال حاصل کر کے اپنی معیشت بناتا تھا۔ کبھی لڑائی ٹھن جاتی تھی اور لوٹ مار اور جنگ کرنے کی ضرورت ان چار مہینوں میں سے کسی مہینے میں محسوس کرتے تھے تو یوں کر لیتے تھے کہ کسی مہینے کو موخر کر دیتے تھے مثلاً ماہ محرم انہیں جنگ کرنا ہوتا تو یوں کہتے تھے کہ یہ ماہ محرم نہیں بلکہ ماہ صفر ہے۔ محرم اس سے آئندہ مہینہ ہوگا۔ اس طرح سے محرم کو صفر قرار دے کر جنگ کر لیتے تھے اور ماہ صفر کو شہر حرام قرار دیتے تھے۔ اللہ کی طرف سے جو مہینہ حرمت والا تھا اس کو اپنی طرف سے حلال اور جو مہینہ حلال تھا اسے حرام قرار دیتے تھے۔ اس طرح اللہ کی تحلیل اور تحریم کو بدل دیتے تھے اور اپنے نفسوں کو یوں سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی کیونکہ جو قتال کیا ہے وہ شہر حرام میں نہیں کیا (حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ مہینہ حرمت والا تھا) ان لوگوں کے آگے پیچھے کر دینے سے نہ حقیقت میں کوئی مہینہ بدلا اور نہ تحلیل وتحریم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا حکم بدلا۔ اوپر ماہ محرم و ماہ صفر کے آگے پیچھے کرنے کی ایک مثال پیش کی گئی ہے اس طرح سے وہ سال کے بارہ مہینوں کو اپنی اپنی جگہ سے ہٹا چکے تھے اور یہ جانتے ہوئے کہ حج کا مہینہ ماہ ذوالحجہ ہی ہے آگے بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ حج بھی ذوالحجہ کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ہونے لگا تھا۔ ۱۰ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ تو وہ ٹھیک نو ذوالحجہ کو واقع ہوا تھا۔ آپؐ نے یوم النحر یعنی دسویں ذوالحجہ کو جو خطبہ دیا اس میں فرمایا اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کہ بلاشبہ زمانہ گھوم کر اپنی اسی جگہ پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ یعنی مشرکین کے آگے بڑھانے اور پیچھے ہٹانے کی تغییر اور تبدیل جو بھی تھی اس کا کوئی دخل اور اثر مہینوں کی ترتیب میں نہیں رہا۔ اگر یہ لوگ تغییر اور تبدیل نہ کرتے تب بھی یہ مہینہ اپنی اصل کے اعتبار سے ذوالحجہ ہی ہوتا لہٰذا بارہ مہینے اب اپنی اپنی جگہ پر آ گئے ہیں۔

مشرکین عرب کی اس اَلنَّسِیْٓءُ والی رسم جاہلیت کے بارے میں فرمایا يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ کہ اس کے ذریعہ کفار گمراہ کئے جاتے ہیں يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا ۔ کسی مہینے کو ایک سال حلال قرار دیتے تھے اور ایک سال حرام قرار دے لیتے تھے یعنی سال میں گنتی کے اعتبار سے چار مہینوں کی حرمت اپنے خیال میں اس طرح برقرار رکھتے تھے کہ کوئی سے چار مہینے اپنی اغراض کے مطابق حرام مان لیتے تھے۔ چاہے وہ وہی مہینے ہوں جو اللہ کی طرف سے حلال ہیں اسی طرح اللہ کے حرام قرار دیئے ہوئے مہینوں کو حلال قرار دے دیتے تھے۔ (فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ) اور صرف یہ دیکھتے تھے کہ گنتی کے اعتبار سے آٹھ مہینے ہم نے حلال قرار دیئے حالانکہ ان حلال قرار دیئے ہوئے مہینوں میں وہ مہینے بھی آ جاتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام قرار دیئے تھے۔ کبھی تو مہینوں کو آگے پیچھے کر کے تحریم اور تحلیل کی رسم کا طریقہ اختیار کر لیتے تھے اور کبھی یوں کہتے تھے کہ اس سال محرم کا مہینہ حرام نہیں ہے اس کی جگہ صفر کا مہینہ حرام ہوگا پھر اپنی اغراض نفسانیہ کے لئے ضرورت محسوس کرتے تو صفر کا مہینہ آنے پر کہہ دیتے تھے کہ یہ مہینہ حرام نہیں ہے آئندہ مہینہ یعنی ربیع الاول حرام ہوگا۔

شیطان نے انہیں اس قسم کا سبق پڑھایا تھا اور ان کے اعمال کو اچھا کر کے پیش کر دیا تھا اسی کو فرمایا زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ۔ کہ ان کے لئے ان کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے جنہیں وہ اچھا سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا (کیونکہ وہ ہدایت پر آنا نہیں چاہتے)

فائدہ .... احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ کی تفسیر میں ہم نے لکھ دیا ہے۔ عبادات، حج، زکوٰۃ عدت کا اعتبار چاند کے مہینوں سے ہے اسی لئے چاند کے مہینوں کا محفوظ رکھنا اور ان کی ابتداء انتہاء جاننا فرض کفایہ ہے۔ بعض قوموں میں ہر تیسرا سال تیرہ مہینوں کا ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وضع کردہ ترتیب کے خلاف ہے۔ دنیاوی

معاملات کے لئے بطور یادداشت اگر قمری مہینوں کے علاوہ مہینوں کو استعمال کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔لیکن پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ ہجری مہینوں کے سوا دوسرے مہینے رائج ہیں انہیں دشمنان دین نے اختیار کر رکھا ہے۔ وہ ہمارے ہجری مہینوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تو ہمیں ان کی طرف مائل ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو تو زمین پر بوجھل بن جاتے ہو،

اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے۔ سو دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑی سی ہے،

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ

اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہارے علاوہ دوسری قوم کو تمہارے بدلہ پیدا فرما دے گا اور تم اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے ہو،

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اگر تم اس کے رسول کی مدد نہ کرو تو اللہ نے ان کی مدد کی ہے جبکہ ان کو کافروں نے نکال دیا تھا جبکہ وہ دو آدمیوں

اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

میں سے ایک تھے۔ جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جبکہ وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے آپ پر اپنا

سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

سکینہ نازل فرمایا اور ایسے لشکروں کے ذریعہ آپ کی مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور اللہ نے ان لوگوں کی بات نیچی کر دی جو کفر

السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اختیار کئے ہوئے تھے اور اللہ کی بات اونچی ہی ہے اور اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے۔

خروج فی سبیل اللہ کے لئے کہا جائے تو نکل کھڑے ہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے آئے گا!

معالم التنزیل (صفحہ ۲۹۲ جلد ۲) میں لکھا ہے کہ آیت يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا (الآیۃ) غزوۂ تبوک میں شرکت کی ترغیب دینے کیلئے نازل ہوئی جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف کے حصار کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے تو آپؐ نے حکم دیا کہ اب رومیوں سے جہاد کرنے کے لئے چلو (خبر ملی تھی کہ رومی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے شام کی سرحد پر جمع ہو گئے ہیں) صوبہ شام اس وقت رومیوں کے زیر نگین تھا اور وہاں ہرقل کی حکومت تھی جو رومیوں کا بادشاہ تھا۔ آپؐ نے ارادہ فرمایا کہ ان سے وہیں چل کر مقابلہ کر لیا جائے اور دفاع کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب جہاد کے لئے جانا ہوتا تھا تو توریہ سے کام لیتے تھے

(یعنی نام لے کر واضح طور پر نہیں بتاتے تھے کہ فلاں مقام پر جانا ہے اور فلاں قوم سے جنگ کرنا ہے) یہ موقعہ ایسا تھا کہ پھل پک رہے تھے کھیتیاں تیار تھیں انکے کاٹنے کا زمانہ تھا اور تنگدستی بھی چل رہی تھی۔ گرمی سخت تھی اور سفر دور کا تھا اور درمیان میں خوفناک میدان تھے اور دشمن بھی تعداد میں زیادہ تھا۔ آپ نے واضح طور پر مسلمانوں کو بتا دیا تھا کہ تبوک جانا ہے تا کہ دشمن سے مقابلہ ہونے کے لئے تیاری کر لیں اس موقعہ پر آپ کا جہاد کے لئے حکم فرمانا بھاری پڑ گیا اور مسلمانوں میں سستی اپنا اثر کرنے لگی، اللہ تعالیٰ شانہ نے اہل ایمان کو خطاب فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین پر بوجھل بن گئے، کیا آخرت کے بدلہ میں دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے حالانکہ دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑی سی ہے، مزید فرمایا اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (الآیۃ) اگر تم اللہ کی راہ میں نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ دوسری قوم کو پیدا فرمادے گا اور تم اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔

آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے وہ عذاب بھی دے سکتا ہے اور تمہارے بدلہ دوسری قوم بھی پیدا فرما سکتا ہے (جو تم سے زیادہ فرمانبردار ہو) اور دشمنوں کو تمہارے سفر اور تمہارے جنگ کئے بغیر بھی ہلاک کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم جہاد میں نہ گئے تو اللہ کا یا اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جو جائے گا اپنا ثواب پائے گا آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہو گا۔ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اس سے دنیا میں بارش کو روک لینا مراد ہے۔ (معالم التنزیل)

حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول مقام کے اعتبار سے مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ کھیتوں اور باغوں کی پیداوار جمع کرنے کا موقع آ گیا تھا اسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتا دیا گیا کہ اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلے تو بارش دی جائے گی۔ اگر اس سال غلے اور پھل حاصل کر بھی لئے تو آئندہ آنے والے برسوں میں بارش رک جانے کی وجہ سے ان چیزوں سے محروم ہو گے۔ جن لوگوں نے سستی دکھائی ان کی تعداد زیادہ نہ تھی کیونکہ اسی سورت میں دوسری جگہ ان کے بارے میں مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ فرمایا ہے سستی کے بعد یہ حضرات غزوہ میں شریک ہو گئے تھے گو سستی چند افراد سے ظاہر ہوئی لیکن خطاب تمام مؤمنین سے فرمایا تا کہ ہمیشہ رہتی دنیا تک تمام مسلمانوں کو سبق مل جائے اور اللہ کی راہ میں خوشی خوشی نکل کھڑے ہوں اور حقیر دنیا کے لئے آخرت کی ابدی نعمتوں سے محروم نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمانے پر مسلمانوں کی بہت بڑی جمعیت تبوک جانے کے لئے نکل کھڑی ہوئی جس میں تیس ہزار مسلمان تھے اور اس سے پہلے کبھی بھی مسلمانوں کی تعداد اس قدر کسی بھی جنگ میں شریک نہ ہوئی تھی اور ہوا بھی صرف آنا جانا اور چند روز قیام کرنا، کیونکہ ان حضرات کے تبوک پہنچنے سے دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے اور مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں تھے...... اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں سے یوں بھی خطاب فرمایا کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ کو اور اللہ کے رسول کو اور اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب انہیں مکہ کے کافروں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں پہنچ گئے۔ اول تو دشمنوں کے درمیان سے صحیح سالم نکال دینا پھر غار ثور تک عافیت اور سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا پھر جب دشمن غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمانا اور جو لوگ تلاش میں نکلے تھے ان کو ناکام واپس کر دینا اور پھر غار ثور سے نکل کر پیچھا کرنے والے دشمنوں سے محفوظ فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا۔ یہ سفر ہجرت کے واقعات ہیں پورے سفر میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ آپ کے ساتھ تھے جب آپ نے سفر کا ارادہ کیا تو حضرت علیؓ کو اپنی جگہ

لٹادیا اور آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے جب صبح ہوئی تو لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کی جگہ پایا اور ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھی کہاں ہیں اس پر انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، وہ لوگ آپ کی تلاش کرنے کے لئے چل دیئے اور غار ثور کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سے اگر کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف نظر کرے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) آپ نے تین دن غار ثور میں قیام فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ روزانہ رات کو دودھ لے جا کر پیش کر دیتا تھا۔ دونوں حضرات اس کو پی لیتے تھے۔ تین دن گزارنے کے بعد مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے اور دسویں دن قبا پہنچ گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ مکڑی نے غار کے دروازہ پر جالا پور دیا تھا۔ اسے دیکھ کر ان لوگوں نے سمجھا کہ اگر یہ حضرات اندر گئے ہوتے تو یہ جالا ٹوٹا ہوا ہوتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۴۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اطمینان نازل فرمایا اور آپ کے قلب مبارک پر تسلی فرمائی۔ آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ غمگین نہ ہو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

غار ثور کے ذکر کے ساتھ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔ بھی فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسول کی ایسے لشکروں کے ذریعہ سے مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔ ان لشکروں سے کیا مراد ہے؟ صاحب معالم التنزیل نے اس بارے میں تین قول لکھے ہیں۔ **اول** یہ کہ اس سے فرشتے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے بھیجے گئے تھے کہ کافروں کی آنکھوں کو پھیر دیں اور ان کی نظریں آپ پر نہ پڑیں۔ **دوئم** یہ کہ فرشتوں نے کفار کے دلوں پر رعب ڈال دیا اس کی وجہ سے واپس ہو گئے۔ **سوئم** یہ کہ خاص اسی موقعہ پر فرشتے نازل ہونا مراد نہیں ہے بلکہ بدر میں مدد کے لئے جو فرشتے آئے تھے وہ مراد ہیں۔ گویا وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا جملہ مستانفہ ہے جس میں بدر کے موقعہ پر جو مدد ہوئی تھی وہ یاد دلائی پھر فرمایا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى (اور اللہ نے کافروں کے کلمہ کو نیچا کر دیا) اس سے کلمہ شرک مراد ہے۔ جو قیامت تک کیلئے نیچا ہو گیا۔ شرک والے اہل ایمان کے مقابلہ میں کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتے وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کلمۃ اللہ سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مراد ہے یہ ہمیشہ سے بلند ہے اور بلند رہے گا۔ بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ کافروں کے کلمہ سے ان کا وہ مشورہ مراد ہے جس میں انہوں نے طے کر لیا تھا کہ صبح ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا جائے گا اور کلمۃ اللہ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت مراد ہے۔ (معالم التنزیل صفحہ ۲۹۶ جلد ۲)

آیت کے ختم پر فرمایا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اسی کا ارادہ غالب ہے وہ حکیم بھی ہے اس کی طرف سے کبھی ایسے حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان مشکلات میں پھنس جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے نجات دے دیتا ہے اور اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں جن میں ایک حکمت یہ ہے کہ اہل ایمان کا ایمان مضبوط ہو جائے اور پھر مشکلات و مصائب سے نہیں گھبراتے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے اہل ایمان کو بڑی مشکلات سے نجات دی ہے۔

فائدہ.........اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ سفر ہجرت میں اور غار ثور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپکے خادم خاص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ۔ جو فرمایا اس سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی مراد ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں انکے صاحب ہونے کی تصریح ہے اس لئے حضرات علماء نے فرمایا کہ ان کی صحابیت کا منکر کافر ہو گا۔ روافض (قبحهم الله) جنہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بغض ہے وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ غار ثور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی تھے اور لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کا خطاب انہیں کو تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ لیا، یار غار بنایا۔ انہوں نے پورے سفر میں خدمت کی تکلیفیں اٹھائیں، سواری کا انتظام کیا اپنے غلام کو روزانہ دودھ بھیجنے پر مامور کیا ان کا بیٹا عبدالرحمن بن ابی بکر روزانہ رات کو حاضر ہوتا تھا مشرکین کے مشوروں سے مطلع کرتا تھا۔ یہ ساری محنت اور قربانی روافض کے نزدیک کوئی چیز نہیں (دشمن کو تو ہنر عیب نظر آتا ہے) ان کے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ العیاذ باللہ کافر تھے ان کی بات سے رسول اللہ ﷺ پر حرف آتا تھا کہ آپ نے ایک کافر کو ساتھ لیا اور اپنا رفیق سفر اور راز دار بنایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ نہ لیا جبکہ وہ مخلص مسلمان تھے...... ان بغض رکھنے والوں کو اور کوئی بات نہ ملی تو یہ نکتہ نکالا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کافروں کے پہنچنے پر گھبرا گئے۔ یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے یہ امور طبعیہ میں سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اللہ کے نبی تھے جب ان کے سامنے جادوگروں نے لاٹھیاں ڈالیں اور وہ سانپ بن گئیں تو ان کے جی میں خوف کا احساس ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس سے پہلے ان کی لاٹھی کو سانپ بنا کر پھر سانپ کو لاٹھی بنا کر دکھا دیا تھا اور جب فرعون کو تبلیغ کرنے کے لئے اپنے بھائی ہارونؑ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی۔ اس سب کے باوجود سب جادوگروں کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپوں کی صورت میں نظر آئیں تو طبعی طور پر خوف محسوس کرنے لگے۔ یہ خوف طبعی تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی غار ثور کے منہ پر دشمنوں کے پہنچنے سے طبعی طور پر فکر لاحق ہو گیا تو اس میں کون سے اشکال واعتراض کی بات ہے؟ روافض یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انزال سکینہ کا ذکر فرماتے ہوئے فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ۔ فرمایا علیھما نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سکینہ نازل نہیں ہوئی۔ یہ بھی ان لوگوں کی ضلالت اور جہالت کی بات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے رسول اللہ ﷺ پر بلا واسطہ سکینہ نازل فرمائی اور حضرت ابوبکر کو نبی اکرم ﷺ کے واسطہ سے تسلی دی آپ نے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرمایا مَعَنَا میں جو ضمیر جمع متکلم کی ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) روافض اس کو نہیں دیکھتے اور عَلَیْہِ کی ضمیر کو دیکھتے ہیں اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ عَلَیْہِ کی ضمیر میں دونوں احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہو اور دوسرا یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ضمیر راجع ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے اس کو اختیار فرمایا ہے یہ بھی درست ہے بلکہ اقرب ہے کیونکہ قریب ترین مرجع صاحبہ ہے اور احتمال اس لئے بھی اقرب ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ ہی کو فکر لاحق ہوئی تھی جسے فکر لاحق ہوا انزال سکینہ اسی پر ہونا چاہیے۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو بہت مطمئن تھے اور آپ کو پہلے سے سکینہ حاصل تھا ورنہ گھبراہٹ کا الزام رسول اللہ ﷺ پر آجاتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فکر مند ہونا بزدلی کی وجہ سے اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا انہیں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کی حفاظت کا خیال ہو رہا تھا۔ انہوں نے کہا ان اقتل فانا رجل واحد وان قُتِلْتَ ھلکت الامۃ (اگر میں مقتول ہو گیا تو میں ایک ہی آدمی ہوں اور اگر آپ کی ذات مبارک پر حملہ کر دیا تو پوری امت ہلاک ہو جائے گی)

درمنثور صفحہ ۲۴۱ جلد ۲ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور پر پہنچنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں اور کبھی بائیں اور مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچ جائے آپؐ محفوظ اور صحیح سالم رہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ دشمنوں کو نشان ہائے قدم کا پتہ نہ چل جائے آنحضرت ﷺ کو اپنے اوپر اٹھا کر انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ ان کی انگلیاں چھل گئیں۔

پھر غار ثور پہنچے تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ابھی باہر تشریف رکھیں، میں پہلے اندر داخل ہوتا ہوں اگر کوئی تکلیف دہ صورت حال پیش آئے تو مجھ ہی پر گزر جائے آپؐ محفوظ رہیں گے اس کے بعد پہلے خود اندر گئے غار کو صاف کیا اس میں جو سوراخ تھے اپنا کپڑا اپھاڑ پھاڑ

کرانہیں بند کرتے رہے ایک سوراخ رہ گیا جس کا منہ بند کرنے کے لئے کچھ نہ ملا لہٰذا انہوں نے اس پر ایڑی لگادی اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کو اندر بلایا۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو سوراخ کے اندر سے سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن انہوں نے اس ڈر سے کہیں آپ ؐ کی آنکھ نہ کھل جائے سوراخ کے منہ سے نہ تو پاؤں ہٹایا اور نہ ذرا سی حرکت کی تکلیف کی وجہ سے ان کے آنسو بہنے لگے جو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور پر گر گئے۔ آنسو گرنے سے آپ ؐ کی آنکھ کھل گئی اور آپ نے فرمایا کہ اے ابوبکر کیا بات ہے؟ عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے کسی نے ڈس لیا ہے۔ آپ نے اپنا لعاب مبارک ڈال دیا جس کی وجہ سے ان کی تکلیف جاتی رہی۔ (درمنثور صفحہ ۲۴۱ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۵۶)

اس جانثاری اور فداکاری کو دیکھو اور روافض کی اس جاہلانہ بات کو دیکھو کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ مسلمان نہیں تھے۔ (العیاذ باللہ)

روافض یہ بھی کہتے ہیں کہ لصاحبہ سے ساتھی ہونا مراد نہیں۔ یہ بھی ان کی جہالت کی بات ہے۔ صحابی اسی کو تو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو بحالت ایمان دیکھ لے اور ایمان پر اس کی موت ہو جائے سورۃ الفتح میں شرکاء حدیبیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ۔

اس میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے مؤمن ہونے کی بھی شہادت ہے اور سکینہ نازل ہونے کی بھی بیعت حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بیعت کی تھی اگر انزال سکینہ ایمان کے لئے شرط ہے تو حدیبیہ کے تمام حاضرین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمانے کی خبر دی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ لیکن روافض نہ اللہ سے راضی ہیں نہ اللہ کے رسول ﷺ سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے کفر کے قائل ہیں اور انہیں یہ فکر نہیں کہ ہمیں خود مسلمان ہونا چاہیے۔ قرآن کا منکر اپنے ایمان کی فکر تو کرے۔ جسے شقاوت گھیر لے اور جس پر گمراہی مسلط ہو جائے اسے کہاں سے ہدایت نصیب ہوگی۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۔

حضرت عمر ؓ کا ارشاد سنئے۔ ان کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ آپ ابوبکر ؓ سے افضل ہیں تو وہ اس پر رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم ابوبکر ؓ کی ایک رات اور ایک دن عمر (ؓ) کے تمام اعمال سے بہتر ہے۔ رات تو یہی غار ثور والی جس کا ذکر اوپر ہوا اور دن وہ جب کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی تو عرب کے بعض قبائل مرتد ہو گئے ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم نماز پڑھیں گے زکوٰۃ نہ دیں گے اور بعض نے کہا کہ نہ نماز پڑھیں گے نہ زکوٰۃ دیں گے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے ان سے جہاد کا اعلان فرمادیا۔ میں خیر خواہ بن کر ان کی خدمت میں آیا اور میں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ (ﷺ) کے خلیفہ! لوگوں کو مانوس رکھیے اور نرمی اختیار فرمائیے انہوں نے جواب دیا کہ تم جاہلیت کے زمانے میں بڑے بہادر تھے اسلام میں بزدل بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی، وحی آنا ختم ہوگئی، اللہ کی قسم اگر ایک رسی بھی رسول اللہ ﷺ کو زکوٰۃ کی مد میں دیتے تھے اور اسے روک لیں گے تب بھی ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ پھر ہم نے ان کے ساتھ قتال کیا۔ اللہ کی قسم ان کی رائے صحیح تھی ان کا یہ دن بھی ایسا ہے کہ میرے سارے اعمال اس کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (درمنثور صفحہ ۲۴۲ جلد ۳)

روافض نے یہ طریقہ نکالا ہے کہ جب ان سے کوئی مسلمان حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ کے ایمان کے بارے میں دریافت کرتا ہے تو فوراً کہہ دیتے ہیں ہم تو انہیں مسلم مانتے ہیں یہ بھی تقیہ کہتے ہیں اور تقیہ میں بھی تقیہ کرتے ہیں کیونکہ مسلم کہہ دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ظاہری اعتبار سے انہوں نے اسلام کے اعمال قبول کر لئے تھے۔ یہ لوگ انہیں مؤمن کہنے کے لئے تیار نہیں۔ مؤمن

کالفظ اپنے لئے ہی الاٹ کرر کھا ہے۔ روافض اپنی اہواء نفسانیہ کے پابند ہیں جو یہود کے سکھانے سے ان میں رچ بس گئی ہیں۔ اعاذ اللہ تعالی الامة من خرافاتھم۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ

نکل کھڑے ہو ہلکے ہونے کی حالت میں اور بھاری ہونے کی حالت میں، اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ

بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اگر قریب ہی میں سامان ملنے والا ہوتا اور سفر معمولی ہوتا تو وہ آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو

بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ

مسافت دور دراز نظر آئی اور وہ عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے۔ وہ اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

غزوۂ تبوک میں مؤمنین مخلصین کی شرکت اور منافقین کی بے ایمانی اور بد حالی کا مظاہرہ

جب تبوک چلنے کے لئے حکم ہوا تو مسلمان بھاری تعداد میں آپ کے ہمراہ چلنے کے لئے تیار ہو گئے اور جن کو کچھ تردد ہوا تھا۔ بعد میں وہ بھی ساتھ ہو لئے۔ کچھ لوگ مریض تھے وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے نہ جا سکے اور کچھ لوگ منافق تھے جن کے دو فریق تھے۔ ایک فریق تو وہ تھا جس نے جھوٹے عذر پیش کر کے آپ سے اس بات کی اجازت لے لی تھی کہ آپ کے ساتھ نہ جائیں اور اس وقت نفاق کھل کر سامنے آ گیا اور منافقین کا دوسرا فریق وہ تھا جو جاسوسی کے لئے اور شرارت کرنے کے لئے ساتھ ہو لیا تھا۔ ان باتوں کا تذکرہ اسی سورت میں آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ) اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا میں اول تو مسلمان کو یہ حکم دیا کہ ہلکے ہو یا بھاری ہو اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو اور اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔ خِفَافًا اور ثِقَالًا کا ترجمہ تو یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا (ہلکے اور بھلکے) لیکن اس کا مصداق بتاتے ہوئے مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں بعض حضرات نے بوڑھا اور نو عمر ہونا اور بعض حضرات نے موٹاپا اور دبلا پن مراد لیا، چونکہ الفاظ میں ان سب باتوں کی گنجائش ہے اس لئے سبھی کو مراد لیا جا سکتا ہے لیکن ثِقَالًا سے مریض مراد لینا محل نظر ہے کیونکہ مرض عذر شرعی ہے اس کے ہوتے ہوئے خروج کا حکم کیسے ہوا؟

چونکہ اس آیت میں حکم ہوا کہ ہر حالت میں فی سبیل اللہ نکل کھڑے ہوں اور ہمیشہ جہاد بطور فرض عین، فرض نہیں ہوتا اور دوسری آیت میں وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فرمایا ہے اس لئے بعض مفسرین نے اس آیت کے عموم کو منسوخ مانا ہے اگر آیت کو غزوۂ تبوک ہی سے متعلق مانا جائے اور امراض والوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا جائے۔ جیسا کہ آیت شریفہ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى میں مذکور ہے تو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ معذور نہیں ہیں وہ کھڑے ہوں۔ مالدار بھی نکلے اور تندرست بھی نکلے بوڑھا بھی جوان بھی موٹا بھی دبلا بھی۔ اس کے بعد ان منافقین کا حال بیان فرمایا جنہوں نے مجاہدین کے ساتھ

جانا منظور نہیں کیا تھا۔ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ طالب دنیا ہیں اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ جلدی ہی سے کوئی دنیادی سامان مل جائے گا یا سفر ہی ایسا ہوتا کہ اسے مشقت کے بغیر برداشت کر لیتے تو آپ کے ساتھ ہو لیتے۔اس کے ساتھ لگنے میں ان کے اسلام کے ظاہری دعویٰ کا بھرم رہ جاتا اور جن دنیاوی منافع کے لئے انہوں نے ظاہراً اسلام قبول کیا ہے اس منافع کی امید بدستور قائم رہتی لیکن سفر کے بارے میں جو انہوں نے غور کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ تو سفر بہت لمبا ہے اور سخت تکلیف دہ ہے۔لہٰذا ان کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا، اور انہوں نے ہمراہ نہ جانے ہی کو اپنے لئے پسند کیا اور ساتھ نہ گئے منافقین تھوڑی بہت تکلیف تو جھیل جاتے ہیں لیکن جب زیادہ کا موقعہ آتا ہے تو ان کا نفاق کھل جاتا تھا۔

جب آنحضرت سرور عالم ﷺ تبوک سے واپس تشریف لے آئے تو ان لوگوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم میں جانے کی قوت اور طاقت نہ تھی اگر ہم میں سکت ہوتی اور ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے اس کے بارے میں پہلے اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ منافقین کے عذر پیش کرنے کا تذکرہ چند رکوع بعد آ رہا ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔پھر فرمایا يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (یہ لوگ اپنے نفسوں کو ہلاک کر رہے ہیں) کیونکہ نفاق کی وجہ سے اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نہ جانے کو اختیار کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو دوزخ میں داخل کرنے کا ڈھنگ بنا چکے ہیں...... پھر فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۔کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہم میں سکت ہوتی یا ہمارے بس میں ہوتا تو ساتھ چلے چلتے یہ سب جھوٹ ہے کیونکہ قوت اور طاقت ہوتے ہوئے ساتھ نہ گئے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا آپ نے ان کو کیوں اجازت دی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جب تک آپ جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ

آپ سے وہ لوگ اجازت نہیں مانگتے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ

اور اللہ متقیوں کو جانتا ہے۔آپ سے وہی لوگ اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک

قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً

میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں حیران ہیں اور اگر وہ لوگ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لئے ضرور

وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا

تیاری کرتے لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند نہیں فرمایا سو ان کو روک دیا اور کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔اگر وہ تم میں شامل ہو کر نکل

فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ

جاتے تو زیادہ فساد کرنے کے سوا کچھ کام نہ کرتے اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں تیزی کے ساتھ دوڑے پھرتے، اور تمہارے اندر وہ لوگ ہیں جو ان کے لئے جاسوسی کرنے

لَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ

والے ہیں اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے۔ وہ پہلے سے فتنہ پردازی کی فکر میں لگے رہے ہیں اور آپ کے لئے کارروائیوں کا الٹ پھیر کرتے

حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ

رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہوا حالانکہ ان کو ناگوار ہو رہا تھا اور ان میں ایسا شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ آپ مجھے اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے

اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۚ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝

خبردار وہ فتنے میں پڑ چکے ہیں اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرنے والا ہے۔

منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے غزوۂ تبوک کی شرکت سے رہ گئے

منافقین نے تبوک نہ جانے کا فیصلہ تو کر ہی لیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر پیش کر کے شریک نہ ہونے کی اجازت لیتے رہے آپ نے اجازت دیدی۔ اس اجازت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا لیکن عتاب میں بھی ایک لطف ہے اول یوں فرمایا عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۔ (یعنی اللہ نے آپ کو معاف فرمادیا) اس کے بعد عتاب فرمایا اور یوں فرمایا کہ آپ نے لوگوں کو اجازت کیوں دی، یہ موقعہ سچوں اور جھوٹوں کے جاننے کا تھا آپ اجازت دینے میں جلدی نہ فرماتے تو معلوم ہو جاتا کہ سچا عذر پیش کرنے والے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں؟

حضرت عمرو بن میمون نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو کام ایسے کئے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ تھا۔ اول: یہ کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر منافقین کے اعذار سن کر شرکت نہ کرنے کی اجازت دے دی اور دوسرے یہ کہ آپ نے بدر میں قیدیوں کے فدیہ لینے والی رائے کو اختیار فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں پر عتاب فرمایا۔ (معالم التنزیل صفحہ ۲۹۷ جلد ۲)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ عتاب ترک اولیٰ پر ہے آپ اجازت دینے میں توقف فرماتے تو اچھا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اولاً اہل ایمان کا حال بیان فرمایا ہے لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اس بات کی اجازت نہیں لیتے کہ اپنے جانوں اور مالوں کو جہاد میں لگائیں) کیونکہ وہ تو حکم سنتے ہی تیار ہو جاتے ہیں وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۔ (اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے پھر منافقین کا ذکر فرمایا اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ (جہاد میں نہ جانے کی وہی لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دلوں میں شک ہے) فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ (سو وہ اپنے شک میں حیران ہو رہے ہیں) کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ساتھ چلے جائیں تو اچھا ہے تاکہ منافقت کا بھرم نہ کھلے اور کبھی سوچتے ہیں کہ سفر اور دھوپ کی مصیبت بہت بڑی ہے اس لئے نہ جائیں تو اچھا رہے گا۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لی تھی کہ ہم جہاد میں نہ جائیں اور ان کو کوئی عذر نہ تھا۔ بعض روایات کے مطابق یہ ۳۹ آدمی تھے۔

پھر فرمایا کہ جو منافقین تمہارے ساتھ نہیں گئے۔ ان کے جانے کا ارادہ ہی نہ تھا۔ اگر جانے کا ارادہ ہوتا تو کچھ سامان کرتے۔ سامان کا

بھی انتظام نہیں کیا اور آپ سے اجازت لے کر اپنے لئے ایک بہانہ بھی بنالیا کہ ہمیں اجازت مل گئی۔ اجازت نہ دی جاتی تب بھی ان کو جانا ہی نہ تھا اگر واقعی جانے کا ارادہ ہوتا اور جانے کے لئے تیاری کرتے پھر کچھ عذر واقعی پیش آجاتا اور اجازت لے لیتے تو اجازت لینے کا کچھ معنی بھی ہوتا، بات یہ تھی کہ ان کا جانے کا اپنا ارادہ ہی نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ فیصلہ ہوا کہ یہ لوگ نہ جائیں۔ تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کو روک دیا اور ان کو تمہارے ساتھ جانے کی توفیق نہیں دی اور تکوینی طور پر انہیں بیٹھنے والوں یعنی اپاہج اور واقعی معذورین کے ساتھ رہ جانے کا فیصلہ ہوا تھا اسی وجہ سے بیٹھے رہ گئے اور جانے سے رک گئے۔

پھر فرمایا کہ اے مسلمانو! انکے نہ جانے سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ فائدہ ہی ہوا کیونکہ اگر یہ تمہارے ساتھ نکل جاتے تو تمہارے بارے میں شر اور فساد کو بڑھانے کا ہی کام کرتے اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے۔ مثلاً لگائی بجھائی کرتے تمہارے درمیان تفرقہ ڈلواتے اور جھوٹی خبریں اڑا کر تمہارے دلوں میں انتشار پیدا کرتے۔ دشمن کی تعداد زیادہ بتا کر تمہارے دلوں کو مرعوب کرنے کی دوڑ دھوپ میں لگتے۔ مزید فرمایا وَفِيكُمْ سَمّٰعُونَ لَهُمْ (اور تمہارے اندر ایسے لوگ ہیں جو ان کے لئے جاسوسی کرتے ہیں) گو ساتھ چل کر آ گئے ہیں لیکن ان کی نیت جہاد فی سبیل اللہ کی نہیں ہے۔ تمہارے اندر گھل مل کر تمہاری خبریں لینا اور ان لوگوں کو پہنچانا جو تمہارے ساتھ نہیں آئے، یہ ان کا مشغلہ ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظّٰلِمِينَ۔ (اور اللہ کو ظالموں کا پوری طرح علم ہے وہ ان کے ظلم کا بدلہ دے گا اس کے بعد منافقین کی جماعت کی پرانی شرارتوں کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ (کہ اس غزوہ سے پہلے بھی وہ فتنہ کی راہ تلاش کر چکے ہیں) یہ لوگ غزوہ احد کے موقع پر بھی راستہ سے واپس چلے گئے تھے وَقَلَّبُوا لَكَ الْاُمُورَ اور آپ کو تکلیف دینے کی کاروائیوں میں الٹ پھیر اور طرح طرح کی مکاریاں اور ایذا پہنچانے کی تدبیریں کرتے رہے حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُونَ (یہاں تک کہ سچا وعدہ آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا اگرچہ انہیں ناگوار ہو رہا تھا) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ ان کی تدبیریں اور شرارتیں پہلے سے جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے محفوظ فرمایا۔ آئندہ بھی ان کی مفسدانہ کارروائیوں کا خیال نہ لانا اور اب جو یہ لوگ تبوک کے لئے آپ کے ہمراہ روانہ نہ ہوئے اس سے بھی رنجیدہ نہ ہوں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اسلام اور داعی اسلام کی دشمنی پر کمر بستہ رہنا یہ ان کی پرانی عادت ہے۔

اس کے بعد ایک منافق کے بیان کردہ عذر کا تذکرہ کیا اور فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَفْتِنِّي اور ان میں سے ایک شخص ایسا بھی ہے جو یوں کہتا ہے کہ مجھے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے۔ معالم التنزیل (صفحہ ۲۹۹ جلد ۲) میں لکھا ہے کہ جد بن قیس ایک منافق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے غزوہ تبوک میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کیا تجھے رومیوں سے جنگ کرنے میں رغبت ہے؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) میرا حال یہ ہے کہ عورتوں سے مجھے عشق ہے اور عورتوں کو دیکھ کر قابو میں نہیں رہتا رومیوں کی گورے رنگ کی لڑکیاں دیکھ کر مجھ سے صبر نہ ہوگا آپ مجھے یہیں رہنے کی اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے۔ میں مال سے امداد کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس نے یہ بہانہ تلاش کیا تھا اور منافقت کے سوا اس کو کوئی معذوری نہ تھی۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا اور اس کو اجازت دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا۔ (خبردار وہ فتنہ میں پڑ چکے ہیں) اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لانا اور منافقت اختیار کرنا یہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكٰفِرِينَ (اور بلاشبہ جہنم کافروں کو اپنے گھیرے میں لینے والی ہے) یہ ان کے اس فتنہ کی سزا ہے

جس میں وہ پڑ چکے ہیں۔

اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ

اگر آپ کو اچھی حالت پیش آجائے تو انہیں بری لگتی ہے، اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا کام سنبھال لیا تھا

قَبۡلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ۝ قُلْ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا‌ ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا‌ ۚ

اور پشت پھیر کر خوش ہوتے ہوئے چل دیتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کے علاوہ ہمیں تکلیف نہ پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے وہ ہمارا

وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝ قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ‌ ؕ

کارساز ہے اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ تم ہمارے بارے میں یہی انتظار کرتے ہو کہ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی مل جائے

وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا‌ ۖ فَتَرَبَّصُوۡۤا

اور ہم تمہارے بارے میں یہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنے پاس سے کوئی عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں سے عذاب دے دے، سو تم انتظار کرو۔

اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ۝

بلاشبہ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہیں۔

منافقین کی بد باطنی کا مزید تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں منافقین کی مزید بد باطنی کا اظہار فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ اے نبی! یہ لوگ ایمان کے مدعی ہیں کہنے کو آپ کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اندر سے ان کا یہ حال ہے کہ اگر آپ ﷺ کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے مثلاً دشمن کے مقابلہ میں کامیابی ہو جائے مال غنیمت مل جائے تو انہیں یہ بات بری لگتی ہے وہ اس سے ناخوش ہوتے ہیں کہ آپ ﷺ کو دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو یا کسی بھی طرح کی کوئی خیر کی خبر مل جائے اور اگر آپ ﷺ کو کبھی تکلیف پہنچ گئی تو اپنی سمجھداری کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو ہم کیسے اچھے رہے، ہم نے پہلے ہی احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا ان کے ساتھ لگتے تو ہم بھی مصیبت میں پڑتے، یہ باتیں کرتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں، مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر حال میں رہے، خوشحالی میں بھی آپ کا ساتھی ہو اور مصیبت میں بھی۔

روح المعانی (صفحہ۱۱۴ جلد۱۰) میں بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو منافقین غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہ گئے وہ لوگوں سے کہتے رہے کہ بس جی محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی تو بڑی مصیبت میں پڑ گئے۔ بڑی مشقت کا سفر اختیار کیا، اب یہ ہلاک ہو کر رہیں گے پھر جب انہیں یہ خبر ملی کہ دشمن مرعوب ہو گیا اور آپ ﷺ صحیح سالم اپنے صحابہؓ کے ساتھ واپس تشریف لا رہے ہیں تو انہیں یہ برا لگا۔ اس پر آیت شریفہ اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ نازل ہوئی۔

اسکے بعد فرمایا قُلْ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ یعنی آپ ان سے فرما دیجئے کہ ہمیں وہی حالت پیش آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے

ہمارے لئے مقدر فرمادی ہے۔ خوشحالی خوبی اور بہتری ہو یا کسی قسم کا کوئی حادثہ ہو جائے یا دکھ تکلیف سے دو چار ہو جائیں یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے مقرر اور مقدر ہے۔ هُوَ مَوْلٰنَا اللہ ہمارا مددگار ہے ہمارا ولی ہے ہم اس کی قضاء اور قدر پر راضی ہیں سب کچھ اسی کی طرف سے ہے اور ہماری ہر حالت میں اس نے خیر رکھی ہے۔ فتح ظفر ہو جائے، مال غنیمت مل جائے تو یہ بھی خیر ہے اگر تکلیف پہنچ جائے تو اجر و ثواب کے اعتبار سے وہ بھی خیر ہے اور ہم میں سے جو لوگ جام شہادت نوش کرتے ہیں یہ بھی خیر ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور مؤمنین ہمیشہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں اپنے سارے امور اللہ ہی کے سپرد کریں اور اسی سے خیر و خوبی اور خوشحالی کی امید رکھیں۔ مؤمنین کا بھروسہ صرف اللہ پر ہے وہ اسباب بھی اختیار کر لیتے ہیں لیکن بھروسہ اسباب پر اور ہتھیاروں پر اور اپنی قوت اور طاقت پر نہیں کرتے۔ اسباب کو اختیار کرنا تقدیر اور توکل کے خلاف نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے توکل بھی سکھایا اور اسباب بھی اختیار فرمائے اور اسباب اختیار کرنے کا حکم بھی دیا آپ نے جو فرمایا اور جو کر کے دکھایا اہل ایمان اسی کو اختیار کرتے ہیں نہ ترک اسباب کریں نہ اسباب پر بھروسہ رکھیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ **بأن یفوضوا الامر الیہ سُبحانہ ولا ینافی ذلک التشبث بالا سباب العادیۃ اذا لم یعتمد علیھا** (اس طرح کہ معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کر دیں اور معروف اسباب اختیار کرنا اس کے منافی نہیں ہے جب کہ اسباب پر بھروسہ نہ ہو)۔ (صفحہ ۱۱۵ جلد ۱۰)

پھر فرمایا قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ (الاٰية) کہ اے منافقو! دنیا میں دو ہی حالتیں ہیں جو انسانوں کو پیش آتی رہتی ہیں ایک اچھی صورت حال دوسری تکلیف دہ حالت، تم ہمارے بارے میں انہیں دونوں حالتوں کے منتظر رہتے ہو کہ دیکھو آگے ان کو بہتر حالت پیش آتی ہے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہمارے لئے تو دونوں ہی حالتیں فائدہ کی ہیں فتح ظفر نصیب ہو جائے مال غنیمت مل جائے اور کسی بھی طرح کی بہتری سے اللہ تعالیٰ ہمیں نواز دے تو یہ بھی ہمارے لئے بہتر ہے اور اگر کوئی تکلیف دہ صورت پیش آ جائے تو ہمارے لئے وہ بھی خیر ہے۔ ہمارے افراد مقتول ہوتے ہیں تو شہادت کا درجہ پاتے ہیں اور ہمیں ہر حال میں ہر مصیبت پر اجر ملتا ہے۔ ہمارے لئے ہر صورت حال بہتر ہے اور ہم ہر حال میں نفع میں ہیں اور یہ بھی سمجھ لو کہ جیسے تم ہمارے بارے میں حالات کے سازگار یا ناسازگار ہونے کے منتظر رہتے ہو ہم بھی تمہارے بارے میں منتظر ہیں لیکن ہمارے اور تمہارے انتظار میں فرق ہے۔ تم ہمارے بارے میں دو بہتر صورتوں میں سے کسی ایک بہتری کے منتظر ہو (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) لیکن ہم تمہارے بارے میں اسی کے منتظر ہیں کہ ہمیں استعمال کئے بغیر اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں تم کو عذاب دے۔ اب تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں اور سمجھ لو کہ انجام کے طور پر تمہاری ہی بربادی ہوگی۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ

آپ فرما دیجئے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے ہرگز تم سے قبول نہ کیا جائے گا، بلاشبہ تم نافرمان لوگ ہو اور ان کے صدقات قبول

اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا

کئے جانے سے کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے

وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ

مگر سستی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ سو آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں،

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اللہ یہی چاہتا ہے کہ انہیں دنیا والی زندگی میں ان چیزوں کے ذریعہ عذاب دے اور یہ کہ ان کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ کفر کی حالت میں ہوں۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ

وہ لوگ قسم کھاتے ہیں کہ بلاشبہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، لیکن وہ ایسے لوگ ہیں جو ڈرتے ہیں، اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ یا

مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

کوئی غار مل جائے یا گھس بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ حاصل ہو جائے تو پیٹھ پھیر کر جلدی سے اسی کی طرف دوڑے چلے جائیں۔

منافقین کا مال مقبول نہیں، جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ آیت قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۔جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی جس نے کہا تھا کہ میں رومیوں کی عورتیں دیکھ کر بے صبر ہو جاؤں گا۔اسی لئے مجھے ساتھ نہ لے جائیں لیکن مال کے ذریعہ آپؐ کی مدد کروں گا اس کے جواب میں فرمایا کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائیگا۔قبول نہ ہونے کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ مال لے کر آؤ گے تو اللہ کے رسول ﷺ قبول نہ فرمائیں گے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ثواب نہ دے گا۔صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ دونوں ہی معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِيْنَ بے شک تم نافرمان لوگ ہو۔آیت کا سبب نزول خواہ جد بن قیس ہی کا واقعہ ہو۔ لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں جو تمام منافقین کو شامل ہیں۔

اس کے بعد منافقین کے کفر اور نماز میں سستی اور خرچ کرنے میں بددلی کا تذکرہ فرمایا وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ (ان کے صدقات کو قبول ہونے سے منع کرنے والی کوئی چیز اس کے علاوہ نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور رسول کے ساتھ کفر کیا) اور کفر کے ساتھ کوئی عمل قبول نہیں اور گو وہ اسلام کے مدعی ہیں اور کفر کو چھپائے ہوئے ہیں۔لیکن ان کا کفران کے ڈھنگ سے ظاہر ہوتا رہتا ہے نماز جو ایمان کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے اور جو ایمان کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی علامت ہے اس کے لئے آتے ہیں تو سستی کے ساتھ ہارے جی آتے ہیں۔گویا کہ ان پر بہت بڑی مصیبت آ گئی۔چونکہ دل سے نماز پڑھتے نہیں دکھانے کے لئے پڑھتے ہیں اس لئے بددلی کا اثر اس طرح بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نمازوں میں دیر سے آتے ہیں اور اس طرح سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رکوع سجدہ ٹھیک طرح سے ادا نہیں کرتے جلدی جلدی نمٹانے کی دھن میں رہتے ہیں۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے جو بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس کی زردی آ جاتی ہے اور شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے۔(یعنی جلدی جلدی سجدہ کر لیتا ہے ان میں بس اللہ کو ذرا یاد کرتا ہے۔(رواہ مسلم)

یہ تو ان کی نماز کا حال ہے اور جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا موقعہ آتا ہے تو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے بددلی کے ساتھ خرچ کرتے۔جب ایمان نہیں تو آخرت کا یقین بھی نہیں لہٰذا مال خرچ کرنے پر ثواب کی امید بھی نہیں۔جب ثواب کی امید نہیں تو خوش دلی سے خرچ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، لامحالہ بددلی سے خرچ کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ (الآیۃ) کہ ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ کیونکہ یہ چیزیں مقبولیت عنداللہ کی دلیل نہیں ہیں۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں مردود ہوتے تو ان کے اموال اور اولاد میں کثرت کیوں ہوتی۔ یہ کثرت بطور استدراج ہے جو ان کے لئے باعث عذاب ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (اللہ یہی چاہتا ہے کہ دنیا میں ان چیزوں کے ذریعہ انہیں عذاب دے) پہلا عذاب تو یہ ہے کہ مال جمع کرنے میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں، مصیبت جھیلتے ہیں اور اس میں اللہ کی رضا کا ذرا دھیان نہیں کرتے اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے جو تکلیف اٹھائی جائے وہ ہلکی اور آسان ہو جاتی ہے۔ نیز یہ مال ان کے لئے بھی دنیا میں عذاب بنے ہوئے ہیں کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے شرما کر حضور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اور جہاد میں بھی خرچ کرتے ہیں جس سے ان کا دل دکھتا ہے۔ یہ دل کا دکھنا بھی عذاب ہے۔ ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے خرچ کرتے تو یہ خرچ کرنا خوشی کا باعث بن جاتا اور اولاد کے ذریعہ دنیا میں عذاب دیئے جانے کا یہ مطلب ہے کہ اولاد کی پرورش اور پرداخت میں بہت تکلیف اٹھاتے ہیں اور اس تکلیف پر کسی ثواب کی امید نہیں پھر بھی بعض مرتبہ ان کے بیٹے جہاد میں مقتول ہو جاتے ہیں اور اس قتل پر بھی رنجیدہ ہوتے ہیں کیونکہ ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے شہادت کے ثواب کا یقین نہیں رکھتے۔

پھر فرمایا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ۔ (اور اللہ چاہتا ہے کہ ان کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔ (تا کہ آخرت کے عذاب میں بھی گرفتار ہوں) اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھ رہتے ہیں اس کی کتاب سنتے ہیں معجزات دیکھتے ہیں، پھر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان لانے کا ارادہ نہیں فرمایا۔ اب کفر پر ہی مریں گے۔

پھر منافقین کی قسموں کا ذکر فرمایا وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ (اور ان کا یہ طریقہ ہے کہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہیں میں سے ہیں) سچے مؤمن کو اپنے ایمان پر قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اہل ایمان اس کے حالات اور معاملات اور احوال و اعمال اور برتاؤ کو دیکھ کر ہی اسے مؤمن سمجھتے ہیں اور منافقین کا رنگ ڈھنگ بتاتا ہے کہ یہ اندر سے مؤمن نہیں ہیں اس لئے اہل ایمان ان سے بچتے ہیں اور انہیں اپنا نہیں سمجھتے لہٰذا بار بار قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ (اور وہ تم میں سے نہیں ہیں)

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ (لیکن بات یہ ہے کہ وہ ڈرنے والے لوگ ہیں) وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم ایمان کا دعویٰ نہ کریں تو ہمارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو مشرکین اور یہود کے ساتھ ہوا اب جبکہ مدینہ دارالاسلام بن گیا اور کافر ہو کر جینے کا موقعہ نہ رہا۔ تو جھوٹ موٹ ایمان کا دعویٰ کر دیا تا کہ جان مال محفوظ رہے اور جو منافع مسلمانوں سے حاصل ہوتے ہیں وہ حاصل ہوتے رہیں۔ ڈرپوک آدمی کھل کر سامنے نہیں آ سکتا۔ اس لئے ان لوگوں نے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور قسموں کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مؤمن ہیں تا کہ مسلمانوں کی زد سے بچے رہیں۔

پھر منافقین کی قلبی بے تعلقی کا تذکرہ فرمایا کہ انہیں کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر نہیں، اس لئے تم سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں اور تمہاری جماعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اگر انہیں کوئی ٹھکانہ مل جائے جس میں پناہ لے سکیں یا کوئی غار مل جائے جس میں چھپ سکیں یا داخل ہونے کے لئے کوئی دوسری جگہ مل جائے تو تیزی کے ساتھ اس میں چلے جائیں گے اور تمہاری طرف سے نظریں پھیر لیں گے اور پوری طرح طوطا چشمی کر لیں گے۔ تم سے انہیں بالکل بھی قلبی تعلق نہیں ہے۔ ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر کے اور قسمیں کھا کے تمہیں مطمئن رکھنا چاہتے ہیں۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ

اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں، سو اگر اس میں سے اُن کو دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو اس میں سے نہ دیا جائے

اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا

تو اسی وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں، اور ان کے لئے بہتر ہے کہ وہ اس پر راضی ہوں جو اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے انہیں دیا اور وہ یوں کہیں کہ

اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

اللہ ہمیں کافی ہے۔ عنقریب اللہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول (ﷺ) بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

منافقین کا صدقات کے بارے میں طعن کرنا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تقسیم پر راضی نہ ہونا

درمنثور (صفحہ ۲۵۰ جلد ۳) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقعہ پر غنیمت کے اموال تقسیم فرمائے تو میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ یہ تو ایسی تقسیم ہے جس کے ذریعہ اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ (العیاذ باللہ) میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بات کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا کہ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکلیف دی گئی پھر انہوں نے صبر کیا، اور آیت وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقَاتِ نازل ہوئی۔

جن لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت رچی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ مال ہی سے خوش ہوتے ہیں دین و ایمان اور اعمال صالحہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے خوش نہیں ہوتے انہیں اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ ہمیں نعمت اسلام مل گئی اور اعمال صالحہ کی دولت نصیب ہوگئی بلکہ حب دنیا کی وجہ سے وہ دنیا ملنے ہی کے منتظر رہتے ہیں دنیا مل گئی تو خوش اور نہ ملی تو ناخوش۔ منافقین کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں ہوتا تھا اور دنیا کے منافع ہی کے لئے جھوٹے منہ سے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کر دیا تھا اس لئے مال نہ ملنے پر ان کا موڈ خراب ہو جاتا تھا اسی کو فرمایا فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا ۔ (سو اگر ان کو صدقات میں سے مال دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں) وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۔ (اور اگر ان کو ان میں سے نہ دیا جائے تو اسی وقت ناراض ہو جاتے ہیں) طالب دنیا کو بس مال چاہئے جو فانی ہے اور ایمان اور اعمال صالحہ کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہلاک ہو دینار کا غلام اور درہم کا غلام اور چادر کا غلام اگر کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائے اور نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے۔ یہ شخص ہلاک ہو اور اندھے منہ گرے اور جب اسے کانٹا لگ جائے تو خدا کرے اس کا کانٹا نہ نکلے۔ (رواہ البخاری)

غور کرو رحمۃ للعالمین ﷺ نے طالب دنیا کو کیسی بددعا دی منافقوں کا حال بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ ۔ (اور ان کے لئے بہتر تھا کہ جو کچھ اللہ نے اور اس کے رسول (ﷺ) نے انہیں دیا۔ اس پر راضی ہوتے اور یوں کہتے کہ عنقریب اللہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول دے گا اور یوں بھی کہنا چاہئے تھا کہ بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں) بات یہ ہے کہ مؤمن آدمی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی سے امیدیں باندھے رکھتا ہے تھوڑا مال جو اللہ کی طرف سے مل جائے اس پر بھی راضی رہتا ہے اور منافق تھوڑے پر راضی نہیں ہوتا۔ برکتوں سے واقف نہیں ہوتا اللہ سے لو نہیں لگاتا، ہر وقت مال ہی کی طلب اور حرص میں لگا رہتا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى

صدقات صرف فقراء کے لئے اور مساکین کیلئے اور ان کارکنوں کے لئے ہیں جو صدقات پر متعین ہیں اور ان لوگوں کیلئے جن کی دلجوئی کرنا منظور ہو اور

الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

گردنوں کے چھڑانے میں، اور قرض داروں کے قرضہ میں اور اللہ کے راستہ میں، اور مسافروں کے لئے ہیں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ علیم ہے اور حکیم ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

تفسیر: صدقات سے یہاں زکوٰۃ مفروضہ مراد ہے اور اس کو جمع اس لئے لایا گیا کہ زکوٰۃ متعدد اموال پر واجب ہوتی ہے۔ چاندی، سونا، مال تجارت، اونٹ، گائے، بکریاں ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے۔ بشرطیکہ نصاب پورا ہو۔ آیت شریفہ میں زکوٰۃ کے مستحقین کے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں اور لفظ انما سے آیت کو شروع فرمایا ہے جو حصر پر دلالت کرتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ مستحق زکوٰۃ ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جن کا ذکر اس آیت میں فرمایا۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے مال زکوٰۃ میں سے عطا فرمانے کا سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے اموال کے بارے میں نبی یا غیر نبی کسی کا فیصلہ بھی منظور نہیں فرمایا بلکہ خود ہی فرمایا اور آٹھ مصارف متعین فرما دیئے اگر ان آٹھ مصارف میں سے ہے تو میں دے سکتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۶۱)

اول تو فقراء کو زکوٰۃ کا مستحق بتایا اور اس کے بعد مساکین کا مستحق ہونا بیان فرمایا۔ فقراء فقیر کی جمع ہے اور مساکین، مسکین کی جمع ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ موجود ہو مگر نصاب زکوٰۃ سے کم ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ مال زکوٰۃ کا مستحق ہونے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں فقیر اور مسکین دونوں ہی زکوٰۃ کے مستحق ہیں البتہ بعض دیگر مسائل میں فرق کا اعتبار کیا گیا ہے، مثلاً کسی نے وصیت کی کہ میرا اتنا مال مسکینوں کو دے دیا جائے تو یہ مال مساکین کو ملے گا فقراء کو نہیں ملے گا اور ایک فرق اور بھی ہے وہ یہ کہ فقیر کو سوال کرنے کی اجازت نہیں جبکہ اس کے پاس کھانے کو ایک دن کی خوراک موجود ہو اور تن ڈھکنے کو کپڑا بھی ہو اور مسکین کو سوال کرنے کی اجازت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ مال کی کتنی مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا جائز نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس ایک دن کے صبح و شام کے کھانے کی ضرورت پورا کرنے کیلئے کچھ موجود ہو اس کو سوال کرنا درست نہیں ہے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۴۰ جلد ۱) اور مسکین بھی ضرورت پوری کرنے کے لئے وقتی طور پر سوال کرلے اس کی عادت نہ بنائے جب مانگنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو مسکین، مسکین نہیں رہتا۔ وہ بہت سے مالداروں سے بھی مال میں آگے بڑھ جاتا ہے اور فقر و مسکنت کی حدود سے نکل کر بھی زکوٰۃ اور دیگر صدقات لیتا رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ پیسے والے کے لئے اور قوت والے تندرست آدمی کے لئے حلال نہیں ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقات میں مالدار کا اور تندرست کا جو کمائی کر سکتا ہو کوئی حصہ نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۶۱)

جو لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں ان میں تیسرے نمبر پر اَلْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا کا ذکر فرمایا۔ عاملین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں امیر المؤمنین صدقات اور عشر وصول کرنے پر مقرر کر دے۔ ان لوگوں کو ان کی مشغولیت کی وجہ سے صدقات میں سے اتنا مال دے دے جو ان کی محنت اور عمل کی حیثیت کے مطابق ہو نیز جو لوگ ان کے ماتحت کام کرنے والے ہوں ان کی تنخوائیں بھی ان کی محنت کے انداز سے دیدی جائیں۔ البتہ فقہاء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو مال وصول ہو۔ اس کے نصف تک عاملین اور ان کے معاونین کی تنخوائیں دی جا سکتی ہیں۔

نصف سے زائد مال نہ دیا جائے۔

مصارف زکوٰۃ بتاتے ہوئے چوتھے نمبر پر مُؤَلَّفَةِ الْقُلُوْبِ کاذکر فرمایا ان کے بارے میں ہم ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں کلام کریں گے۔

مصارف زکوٰۃ بتاتے ہوئے پانچویں نمبر پر وَفِي الرِّقَابِ۔فرمایا رقاب ،رقبۃ کی جمع ہے۔یہ لفظ مملوک کے لئے بولا جاتا ہے۔جس کسی شخص کی ملکیت میں کوئی غلام ہو اور وہ اس غلام کو مکاتب بنادے یعنی یوں کہہ دے کہ اتنا مال دیدے تو آزاد ہے۔اسے مکاتب کہتے ہیں جب کسی آقا نے اپنے غلام کو مکاتب بنادیا اور اب اسے اپنی آزادی کے لئے مال کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے آقا کو مال دے کر آزاد ہو جائے تو اس مکاتب کو زکوٰۃ کے مال سے دینا جائز ہے۔

چھٹے نمبر پر اَلْغَارِمِيْنَ فرمایا۔یہ غارم کی جمع ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں۔جن کے ذمہ قرض ہو ادائیگی کا انتظام نہ ہو اگرچہ خود لوگوں پر ان کے قرضے ہوں۔لیکن ان کے وصول کرنے سے عاجز ہوں،ایسے لوگوں کو زکوٰۃ سے مال دیا جاسکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری (صفحہ ۱۸۸ جلد ۱) میں لکھا ہے کہ قرض دار کو زکوٰۃ دینا تاکہ اس کا قرض ادا ہو جائے عام فقراء کو دینے سے اولیٰ ہے البحر الرائق میں لکھا ہے کہ جس آدمی پر قرضہ ہو اس کی ملکیت میں اتنا مال نہ ہو جس سے قرضہ ادا کرنے کے بعد بقدر نصاب مال بچ جائے۔ اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔(اھ) بہت سے لوگوں پر قرضے ہوتے ہیں لیکن مال بھی پاس ہوتا ہے اس مال سے قرضے ادا کردیں تو قرضے ادا ہو کر بھی بقدر نصاب بلکہ اس سے بھی زیادہ مال بچ سکتا ہے۔ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے لوگوں کو یہ بتا کر کہ ہم مقروض ہیں زکوٰۃ لیتے رہتے ہیں ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا مال حلال نہیں ہے اور نہ ان کو دینا جائز ہے مستحقین زکوٰۃ کو بیان فرماتے ہوئے ساتویں نمبر پر وَفِي سَبِيْلِ اللهِ فرمایا۔فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو جہاد کے لئے نکلے تھے۔اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے اور ان کے پاس خرچہ نہیں ہے۔کھانا پینا بھی ہے اور وطن بھی پہنچنا ہے۔ان کو زکوٰۃ کا مال دے دیا جائے۔امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ سے حجاج مراد ہیں جو قافلہ سے بچھڑ گئے اور ان کے پاس مال نہیں ہے اور ان کو خرچہ کرنے کے لئے اور گھر پہنچنے کے لئے پیسہ کی ضرورت ہے اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ اس سے طالب علم مراد ہیں جو دینی علوم کے حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔بشرطیکہ وہ محتاج ہوں۔(البحر الرائق صفحہ ۲۶۰ جلد ۲)

مستحقین زکوٰۃ بتاتے ہوئے آٹھویں نمبر پر وَابْنِ السَّبِيْلِ فرمایا۔ابن سبیل عربی زبان میں مسافر کو کہتے ہیں...... جو مسافر ضرورت مند ہے اس کے پاس سفر میں مال موجود نہیں ہے اسے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے اگرچہ اس کے گھر میں کتنا ہی مال ہو۔جو لوگ غازیوں کی جماعت سے بچھڑ گئے یا حجاج کے قافلہ سے علیحدہ ہو گئے حاجت مندی کی وجہ سے ان کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ان کے احتیاج کو دیکھا جائے گا ان کے گھروں میں اگرچہ خوب زیادہ مال ہو۔البتہ یہ لوگ وقتی ضرورت سے زیادہ نہ لیں۔

مُؤَلَّفَةِ الْقُلُوْبِ ،وہ لوگ تھے جنہیں نبی اکرم ﷺ تالیف قلب کے لئے اموال زکوٰۃ میں سے عطا فرمایا کرتے تھے،یہ لوگ اپنے قبائل کے سردار اور ذمہ دار تھے۔ان کے اسلام قبول کرنے سے ان کے قبیلوں کے اسلام قبول کرنے کی امید تھی اور ان میں ایک قسم وہ تھی جنہیں دفع شر کے لئے مال عنایت فرماتے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔لیکن ان میں پختگی نہیں تھی آنحضرت ﷺ انہیں اموال صدقات میں سے عنایت فرمادیتے تھے تاکہ وہ دین اسلام پر جمے رہیں اور پختہ ہو جائیں۔علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں مؤلفۃ القلوب کی یہ تین قسمیں لکھی ہیں اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ کسی غیر مسلم کو آنحضرت ﷺ نے تالیف قلب کے لئے مال زکوٰۃ سے

کچھ نہیں دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کی تینوں قسموں کو اب اموال زکوٰۃ میں سے نہ دیا جائے ان کا حصہ ختم ہوگیا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: **وقد سقط منها المؤلفة قلوبهم لأن الله تعالى اعز الاسلام واغنى عنهم** کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہوگیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دے دیا اور ان کی طرف سے بے نیاز فرما دیا۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے بعض ائمہ کے نزدیک بعض شرائط سے اب بھی ان کو مال زکوٰۃ سے دیا جا سکتا ہے امیر المؤمنین مناسب جانے تو اب بھی ان کو اموال زکوٰۃ میں سے دے سکتا ہے۔

مسئلہ .... جو شخص غنی ہو اس کی ملکیت میں اموال زکوٰۃ میں سے کسی بھی قسم کا کوئی نصاب ہو جس کا وہ مالک ہو یا ضرورت سے زیادہ اتنا سامان اس کی ملکیت میں ہو جو فروخت کر دے تو بقدر نصاب قیمت مل جائے اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

سادات کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ .... بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ فقراء اور مساکین ہوں بنی ہاشم سے حضرت علی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت حارث بن عبدالمطلبؓ کی اولاد اور اولاد اولاد مراد ہے۔[1]

اگر بنی ہاشم تنگدست حاجت مند ہوں تو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ دیگر اموال سے ان کی مدد کر دی جائے بہت سے لوگوں کو سادات کی غریبی دیکھ کر رحم تو آتا ہے لیکن زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مال دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ مال میں زکوٰۃ تو ۱/۴۰ ہی فرض ہے۔ باقی ۳۹/۴۰ میں سے خرچ کرنا بھی تو ثواب ہے۔ لیکن اس کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالنے کو تیار نہیں ہوتے اور سادات کو اپنے اموال کا میل یعنی زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں اس میں ان کی بے ادبی بھی ہے اور اس سے زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی بعض سادات بھی اس مسئلہ کو سن کر دل میں کچھ تکدر لے آتے ہیں اور بنی ہاشم کے لئے مال زکوٰۃ ناجائز ہونے کے قانون شرعی کو اچھا نہیں سمجھتے۔ انہیں سمجھنا چاہیے کہ ہمارے جد اعظم نبی اکرم ﷺ نے ہمارے اکرام و احترام کے لئے یہ قانون بنایا ہے کہ بنی ہاشم کو اموال کا میل کچیل نہ دیا جائے۔ جد امجد نے تو ان کی توقیر کی اور وہ رنجیدہ ہو رہے ہیں کہ ہمیں لوگوں کے مال کا میل نہ ملا۔ دنیا حقیر ہے فانی ہے تھوڑی تکلیف اٹھالیں اپنے شرف کو باقی رکھیں اور میل کچیل سے گریز کریں اور یوں تکلیفیں تو سبھی کو آتی ہیں۔ صبر و شکر کے ساتھ زندگی گزاریں، اپنے نام کے ساتھ سید کا لفظ بڑھانے کو اور اپنے اچھالنے کو تو تیار ہیں۔ لیکن اس نسب کی وجہ سے جو شرف دیا گیا ہے اسے اپنانے کو تیار نہیں۔

---

۱) .... **ولا يدفع الى بنى هاشم وهم آل على وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبدالمطلب كذافى الهدايه** (یعنی بنو ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی بنو ہاشم یہ ہیں آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، آل حارث بن عبدالمطلب) **وفى المشكوٰة صفحه ۱۶۱) عن عبدالمطلب بن ربيعة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان هٰذه الصدقات انما هى او ساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لاٰل محمد (رواه مسلم)** عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکوٰۃ کے اموال لوگوں کا میل ہیں اس لئے یہ محمد ﷺ اور آل محمد کے لئے حلال نہیں **وفى حاشية المشكوٰة انها سماها او ساخا لانها تطهر اموالهم ونفوسهم قال تعالٰى خذمن اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بهافهى كغسالة الاوساخ ففى الكلام تشبيه بليغ ۱۲ من المرقاة** (حضور ﷺ نے جو اموال زکوٰۃ کو میل کچیل کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے لوگوں کے مال اور جانیں پاک ہو جاتی ہیں۔ ارشاد باری ہے ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے کہ تو ان کے مالوں کو پاک کرے تو گویا یہ اموال زکوٰۃ میل کے دھوون کی طرح ہوگئی۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے کلام میں بڑی بلیغ قسم کی تشبیہ ہے)

مسئلہ .... اپنے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے کا دہرا ثواب ہے ایک زکوٰۃ ادا کرنے کا دوسرا صلہ رحمی کا۔ جب انہیں زکوٰۃ دے تو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ مال زکوٰۃ ہے بلکہ ہدیہ کہہ کر پیش کر دے اور اپنے دل میں زکوٰۃ کی نیت کر لے اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بشرطیکہ وہ لوگ زکوٰۃ کے مستحقین ہوں۔ لیکن اتنی بات یاد رہے کہ جن رشتہ داروں سے رشتہ ولاد ہے ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں یعنی والدین کو، دادا، دادی کو، نانا، نانی کو، پر دادا پر دادی کو، پر نانا اور پر نانی کو اور اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بھائیوں کو بہنوں کو چچاؤں کو پھوپیوں کو ماموؤں کو خلاؤں کو اور ان کی اولاد کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

مسئلہ .... شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ دے دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ .... جو شخص اموال زکوٰۃ میں سے کسی نصاب کا مالک ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور یہ شخص شریعت کی اصطلاح میں غنی ہے اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جس غنی کو زکوٰۃ کا مال لینا اور دینا جائز نہیں ضروری نہیں کہ اموال زکوٰۃ ہی سے کوئی چیز بقدر نصاب اس کی ملکیت میں ہو بلکہ اگر کسی کے پاس چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر ضروری حاجات سے فاضل سامان پڑا ہوا ہے۔ اس شخص کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور ایسے شخص پر اگرچہ زکوٰۃ فرض نہیں لیکن صدقہ فطر اور قربانی لازم ہے۔ بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض مرتبہ زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی لیکن زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوتا جس کی مثال اوپر گزری۔

نصاب زکوٰۃ .... سونے چاندی پر اور ان کی قیمت پر اور مال تجارت پر اور مویشیوں پر زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کسی شخص کی ملکیت میں ۵۹۵ گرام چاندی ہو اور ۸۵ گرام سونا ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت ہو تو جب سے مالک ہوا ہے اس وقت سے لے کر چاند کے حساب سے ایک سال گزر جائے تو اس میں سے ۴۰/۱ مستحقین کو دینا فرض ہے۔ پھر اگر کچھ مال تجارت ہو اور کچھ سونا یا چاندی ہو یا کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ مجموعے کی قیمت ۵۹۵ گرام چاندی کو پہنچ جائے۔ اس صورت میں بھی چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا واضح رہے کہ نوٹ بھی چاندی کے حکم میں ہے کسی بھی ملک کے نوٹ اگر کسی کی ملکیت میں ہوں جن کے عوض ۵۹۵ گرام چاندی خریدی جا سکتی ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اگر کسی کی ملکیت میں نہ چاندی ہو اور نہ نقد رقم ہو (ایک دو روپیہ بھی ملکیت میں نہ ہو) تو ۸۵ گرام سونا ملکیت میں ہونے سے زکوٰۃ فرض ہوگی۔ احادیث شریفہ میں دو سو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے کے نصاب کو زکوٰۃ بتایا ہے۔ علماء ہند نے ڈیڑھ سو سال پہلے اپنے ملک کے سکہ کے اعتبار سے حساب کیا تھا تو وہ دو سو درہم چاندی کے ساڑھے باون تولہ اور بیس مثقال سونے کے ساڑھے سات تولہ بنتے تھے۔ اب نئے اوزان سے حساب کیا تو چاندی کا نصاب ۵۹۵ گرام اور سونے کا نصاب ۸۵ گرام ہوا۔

تنبیہ .... یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ساڑھے سات تولہ سونے سے زیادہ سونا ہو تو اس زائد پر زکوٰۃ فرض ہوگی یہ غلط ہے، جب نصاب پورا ہو جائے یا اس سے زیادہ ہو جائے تو پورے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے (چاندی ہو یا سونا ہو مال تجارت ہو یا ان کا مجموعہ ہو)

زکوٰۃ کے ضروری مسائل .... مسئلہ: سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ ہے خواہ سکہ کی صورت میں ہو، خواہ ان کی اینٹیں رکھی ہوں۔ خواہ زیور ہو، استعمال میں ہو یا غیر استعمالی ہو، خواہ برتن ہوں، بہر صورت ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔

مسئلہ .... زمین کی پیداوار، باغ کی پیداوار اور مویشیوں میں بھی زکوٰۃ ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ میں لکھی ہیں اور پیداوار کی زکوٰۃ کے بارے میں ضروری مسائل سورۂ بقرہ کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کی تفسیر میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

مسئلہ............زکوٰۃ کی رقم کسی کافر کو نہیں دی جاسکتی۔

مسئلہ............مدرسوں میں اگر زکوٰۃ دی جائے اور اس میں مستحقین طلباء کو وظیفہ دے دیا جائے یا ان کو کھانا دے کر مالک بنادیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اباحت کے طور پر کھانا کھلا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔اسی طرح مال زکوٰۃ سے مدارس کے کتب خانوں میں مال زکوٰۃ سے کتابیں جمع کردینا یا طلباء کے لئے لحاف، بستر ے اور چار پائیاں جمع کردینا اور ان کو عاریۃً دے دینا اور جاتے وقت واپس لینا اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ تملیک نہیں ہوئی۔ان چیزوں کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ اصحاب اموال سے مستقل چندہ کرلیا جائے۔

مسئلہ............کسی مریض کے علاج کی فیس یا ایکسرے وغیرہ کی اجرت بالا بالا زکوٰۃ سے ادائیگی کردی جائے اور مریض کو قبضہ نہ کرایا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔کیونکہ تملیک نہیں ہوئی۔

مسئلہ............اگر مال زکوٰۃ سے دوائیں خرید کر ہسپتال میں رکھ دی جائیں اور مستحقین زکوٰۃ کو دے دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یہ خیال رکھا جائے کہ یہ دوائیں صاحب نصاب کو اور بنی ہاشم کو اور کافر کو نہ دی جائیں۔

مسئلہ............اگر کوئی شخص مقروض ہے اور صاحب نصاب نہیں ہے اور اس کے کہنے سے (کہ مجھ پر جو قرض ہے وہ ادا کردو) کوئی شخص اس کی طرف سے قرض خواہ کو مال زکوٰۃ دے دے۔تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور اگر قرض دار کے کہے بغیر اس کی طرف سے مال زکوٰۃ قرضے کی ادائیگی کے طور پر دیدیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔کیونکہ اس صورت میں صاحب مال متبرع ہوگیا۔

مسئلہ............اگر دکاندار یا کسی بھی شخص کا کوئی مقروض ہو اور اس کے پاس ادائیگی کے لئے مال نہ ہو تو جس کا قرضہ ہے وہ اپنے قرضہ کو زکوٰۃ میں منہا نہیں کرسکتا۔ہاں یہ کرسکتا ہے کہ قرض دار کو بلا کر زکوٰۃ کی رقم اس کے ہاتھوں میں دیدے۔پھر اس سے اسی وقت اپنا قرضہ وصول کرلے۔جب اس کی ملکیت میں مال پہنچ گیا تو اب زبردستی بھی وصول کرسکتے ہیں کیونکہ قرض خواہ کو اپنا قرضہ وصول کرنے کا حق ہے۔

مسئلہ............اگر کسی کو ثواب کے طور پر مال دے دیا اور ادائیگی زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے کہ مستحق کو دیتے وقت زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرے اور ایک طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ کی ادئیگی کی نیت سے دوسرے مال سے الگ کر کے کسی بکس وغیرہ میں رکھ لے اور یہ نیت کرے کہ فقراء آتے رہیں گے تو اس میں سے دیتا رہوں گا اس صورت میں فقراء کو دیتے وقت نیت کا استحضار نہ ہو تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔مال علیحدہ کرتے وقت جو نیت تھی وہی کافی ہے

مسئلہ............جس شخص کو زکوٰۃ دی جائے کسی عمل کے عوض میں نہ ہو لہٰذا امام مؤذن اور مدرس اور کسی بھی ملازم کی تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی البتہ الْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں اس کی تصریح موجود ہے۔

مسئلہ............جنہیں امیر المؤمنین نے زکوٰۃ کے اموال وصول کرنے پر مامور کردیا۔ان کے علاوہ جتنے بھی مصارف ہیں ان سب میں اس شخص کا غیر صاحب نصاب ہونا ضروری ہے جس کو زکوٰۃ دی جائے۔وفی البحر الرائق (صفحہ ۲۵۹ جلد ۲) وانها حلت للغنى (العامل) مع حرمة الصدقة عليه لانه فرغ نفسه لهٰذا العمل فيحتاج الى الكفاية وفيه ايضا بعد صفحة ولا يخفى ان الفقير لا بدمنه على الوجوه كلها۔ (بحر الرائق میں ہے کہ مالدار پر زکوٰۃ کے حرام ہونے کے باوجود، مالدار عامل کے لئے زکوٰۃ میں سے لینا جائز ہے اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے فارغ کیا ہے لہٰذا وہ

ضرورت کی کفالت کا محتاج ہے اور ایک صفحہ کے بعد لکھا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مصارف میں فقیر والی قید کا ہونا ضروری ہے)

تنبیہ .... لفظ "وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ" "الغوی ترجمہ کے اعتبار سے تو بہت عام ہے لیکن حضرات ائمہ تفسیر اور فقہاء کرام نے اس کو عام نہیں لیا اسی لئے بعض حضرات نے اس سے وہ مجاہدین مراد لئے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے رہ جائیں اور پیسہ پاس نہ ہو اور بعض حضرات نے وہ لوگ مراد لئے ہیں جو سفر حج میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جائیں بعض اہل علم نے یہ اشکال کیا ہے کہ اگر ان کی ملکیت میں مال نہ ہو تو فقراء میں شامل ہوں گے اور اگر وطن میں مال ہو اور یہاں موجود نہ ہو تو ابن سبیل میں داخل ہو گئے لہٰذا کل اقسام سات بنتے ہیں اور اس کو یعنی منقطع الغزاۃ اور منقطع الحاج کو مختلف قسم بنا کر بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر اس کا جواب یوں دیا ہے کہ واقعی یہ لوگ فقیر کی تعریف میں داخل ہیں لیکن علیحدہ ان کو اس لئے بیان فرمایا کہ مطلق فقیر کی بہ نسبت ان کی اہمیت زیادہ ہے کیونکہ مجاہد اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے نکلا ہوا ہے اور حاج بیت اللہ کے زائرین میں سے ہے۔ ان کی طرف زیادہ دھیان دینا چاہیے۔

آج کل ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو تفسیر قرآن اور احکام و مسائل کے بارے میں سلف کا دامن چھوڑ کر جو چاہتے ہیں اپنے پاس سے کہہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کے عموم میں مسجدیں، مدرسے، شفاخانے، مسافر خانے، کنویں سڑکیں اور پل بنانا اور رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں دینا، دفتروں کے مصارف میں خرچ کرنا، میت کو قبرستان پہنچانے کیلئے ایمبولینس کا انتظام کرنا اور غریب میت کے کفن دفن میں خرچ کرنا یہ سب جائز ہے۔ یہ ان لوگوں کی جہالت کی باتیں ہیں۔ مفسرین اور محدثین اور فقہاء نے جو کچھ قرآن مجید کو سامنے رکھ کر مسائل اخذ کئے ہیں ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کے قول کی کوئی حیثیت نہیں جو عربی زبان کا ایک صیغہ بھی نہیں بتا سکتے اور قرآن مجید کی ایک سورت صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ یہ لوگ اپنی جہالت سے کہتے ہیں، زکوٰۃ کا مال جہاں چاہو خرچ کردو، تملیک فقیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ بات چاروں مذہبوں کے خلاف ہے اگر ہر کام میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے کی اجازت ہوتی تو قرآن میں آٹھ قسمیں بتانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا تھا۔ **ان اللہ قد فرض علیھم صدقۃ تؤخذ من اغنیائھم فترد علی فقراء ھم** ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے فقیروں کو دے دی جائے۔ (رواہ البخاری ومسلم کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۵۵)

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ زکوٰۃ اس صورت میں ادا ہو گی جب فقراء کو دے دی جائے۔ جو لوگ تملیک کی شرط کو مولویانہ اُپج قرار دیتے ہیں ان کے سامنے احادیث نہیں ہیں۔ آراء اور اہوا کا کھلونا بنے ہوئے ہیں۔

مسئلہ .... چاندی، سونا، نقدی اور مال تجارت میں جو زکوٰۃ فرض ہے اس کی ادائیگی کا یہ طریقہ ہے کہ ہر سال چاند کے حساب سے جب سال گزر جائے پورے مال سے چالیسواں حصہ دیدے اگر اصل مال نہ دے اور اس کی قیمت دیدے تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۴۰/۱ سے کم نہ ہو۔ سو روپے میں ڈھائی روپے اور ایک ہزار میں ۲۵ روپے اور ایک لاکھ میں ڈھائی ہزار روپے کے موافق حساب لگالیا جائے۔

مسئلہ .... جس شہر میں رہتے ہوئے زکوٰۃ فرض ہوئی۔ وہاں کی زکوٰۃ وہیں کے فقراء پر خرچ کی جائے۔ ہاں اگر دوسری جگہ کے لوگ زیادہ محتاج ہوں یا اعزہ و اقرباء ہوں تو ان کے لئے بھیج دینا مناسب ہے۔

مسئلہ .... بعض لوگ حج کرنے کے لئے چندہ مانگتے پھرتے ہیں اور بعض صاحب حیثیت انہیں زکوٰۃ کی رقم سے دے دیتے ہیں جب ایک دو آدمی کے دیدینے سے سوال کرنے والا صاحب نصاب ہو گیا تو اب اسے بھی زکوٰۃ لینا دینا جائز نہیں۔ لوگ اس بات کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ جس کسی پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض نہیں کیا وہ حج کے نام سوال کرتا پھرے اولاً تو یہ طریقہ ہی غلط ہے دوسرے جب مانگنے والا صاحب نصاب ہو گیا تو اب اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں رہا۔

مسئلہ .... بہت سے لوگ لڑکیوں کی شادی کے لئے زکوٰۃ کی رقم دے دیتے ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی

شادی سادی کیوں نہیں کی جاتی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کریں اور اسی پر دونوں فریق راضی رہیں۔ اصل نکاح تو ایجاب وقبول کا نام ہے جو دو گواہیوں کے سامنے ہو اس میں ذرا سا خرچہ بھی نہیں ہوتا پھر ایجاب وقبول کے بعد جو بیٹی والے کو میسر ہو وہ بطور جہیز لڑکی کی سسرال روانہ کردے اس میں خیر ہی خیر ہے۔ ریاکاری کی گناہگاری میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر لڑکی کا باپ صاحب نصاب ہو تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور اگر لڑکی صاحب نصاب ہو تو اسے بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ...... پھر اگر صاحب نصاب نہ ہونے اور غیر بنی ہاشم ہونے کی بنیاد پر زکوٰۃ دی جائے تو ایک آدمی کے دینے سے بقدر نصاب ملکیت میں مال آجاتا ہے۔ جب تک وہ مال ملکیت میں رہے گا اس وقت تک زکوٰۃ لینا دینا جائز نہیں ہوگا۔

مسئلہ .... بعض قوموں میں رواج ہے کہ اپنی قوم کی زکوٰتیں وصول کر کے بینک میں جمع کرتے رہتے ہیں اور اس مسئلہ کا بالکل دھیان نہیں رکھتے کہ جب تک یہ مال فقراء اور مساکین کی ملکیت میں نہیں جائیگا اس وقت تک ان سب کی زکوٰتیں ادا نہ ہوں گی جنہوں نے یہ رقمیں دی ہیں لہٰذا جلد سے جلد مصارف زکوٰۃ میں ان کو خرچ کر دینا لازم ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بینک کا دیوالیہ ہو گیا یا بینک پر کسی حکومت نے قبضہ کر لیا۔ یا ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا تو ان سب صورتوں میں ان سب لوگوں کی زکوٰتوں کی ادائیگی رہ جاتی ہے جن کے اموال لے کر بینک میں جمع کر دیئے تھے۔

مسئلہ .... جو لوگ سوال کرنے کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں عموماً صاحب نصاب ہوتے ہیں۔ چھوٹے موٹے دکانداروں سے ان کی ملکیت میں زیادہ پیسہ ہوتا ہے لہٰذا سوال کرنے والوں کو زکوٰۃ دینے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر کسی سائل کو زکوٰۃ دیں تو پہلے یقین کرلیں کہ یہ مستحق زکوٰۃ ہے۔ صحیح بخاری (صفحہ ۲۰۰ جلد ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پاس گھومتا پھرتا ہے۔ اسے ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور یا دو کھجوریں واپس کرتی ہیں لیکن مسکین وہ ہے جو اتنا مال نہیں پاتا جس سے اس کی ضرورت پوری ہو اور اس کے حاجت مند ہونے کا پتہ نہیں چلتا تا کہ اس کو صدقہ دے دیا جائے۔ وہ کھڑے ہو کر لوگوں سے سوال بھی نہیں کرتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واقعی حاجتمند کو تلاش کر کے زکوٰۃ کا مال دیا جائے۔ بہت سے لوگ بہت زیادہ حاجت مند ہوتے ہیں آبرو کی وجہ سے سوال نہیں کرتے اور ننگے بھوکے اپنے گھروں میں اپنی زندگیاں گزارتے ہیں ایسے لوگوں کا خاص خیال کیا جائے ...... یہ واضح رہے کہ زکوٰۃ بھی نماز کی طرح سے فرض ہے۔ جس طرح نماز کے احکام ومسائل کا جاننا اور نماز کو شرعی قواعد کے مطابق پڑھنا طہارت کے لئے پاک پانی کا دیکھنا۔ استنجا ٹھیک کرنا، کپڑوں کا پاک رکھنا، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اور جو چیزیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں صحیح طریقے پر ان کو یاد کرنا لازم ہے اسی طرح سے زکوٰۃ کے مسائل اور احکام کا جاننا بھی ضروری ہے زکوٰۃ کا مال جس کو چاہا دے دیا جس مصرف میں چاہا خرچ کر دیا جس انجمن میں چاہا جمع کر دیا۔ زکوٰۃ ادا ہو یا نہ ہو۔ یہ فرض کی ادائیگی کا طریقہ نہیں۔ مال حلال کماؤ، حلال مواقع میں خرچ کرو۔ زکوٰۃ فرض ہو جائے تو ٹھیک حساب سے ادا کرو اور جس کو دو اس کے بارے میں پہلے یقین کرلو کہ یہ مستحق زکوٰۃ ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ

اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو نبی کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس وہ تو کان ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ تمہاری لئے خیر کا کان ہیں وہ ایمان

بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

لاتے ہیں اور اللہ پر یقین کرتے ہیں مؤمنین کی بات کا اور وہ ان لوگوں کے لئے رحمت ہیں جو تم میں سے مومن ہیں، اور جو لوگ اللہ کے رسول کو

رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ

تکلیف دیتے ہیں۔ ان کے لئے درد ناک عذاب ہے۔ یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کر لیں اور اللہ اور اس کا رسول

اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ

اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں راضی کریں اگر یہ لوگ مؤمن ہیں، کیا ان لوگوں نے اس بات کو نہیں جانا کہ جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول

فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾

کی مخالفت کرے اس کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے۔

منافقین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے ہیں اور مومنین کو راضی کرنے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں

منافقین چونکہ دل سے مؤمن نہیں تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ کے حق میں نازیبا کلمات بھی کہتے رہتے تھے۔ سامنے آتے تو قسمیں کھا کر کہتے کہ ہم مسلمان ہیں۔ آیت بالا ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو پیچھے بدگوئی کرتے تھے جب ان سے کہا جاتا تھا کہ یہ تو تکلیف دینے والی باتیں ہیں رسول اللہ ﷺ کو پہنچ جائیں گی تو ان کو تکلیف ہوگی تو اس پر ان میں سے بعض لوگوں نے یوں جواب دیا کہ کوئی بات نہیں ہے ان کو راضی کرنا اور سمجھانا آسان ہے وہ تو بس کان ہیں یعنی جو کہو سن لیتے ہیں اور باور کر لیتے ہیں اگر کوئی ہماری بات پہنچے گی تو ہم دوسری بات کہہ دیں گے اور وہ اس کو سن کر یقین کر لیں گے۔ روح المعانی میں محمد بن اسحٰق سے نقل کیا ہے کہ ایک منافق نبتل بن حارث تھا جو بدصورت بھی تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی باتیں سن کر منافقین کے پاس لے جاتا تھا۔ اس کا مقصد خیر نہیں تھا بلکہ چغل خوری مقصود تھی اور منافقین کو یہ بتانا تھا کہ دیکھو تمہارے بارے میں ایسے ایسے مشورے ہو رہے ہیں جب اس سے کہا گیا کہ ایسا نہ کر تیرے طرز عمل سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوگی تو اس پر اس نے کہا کہ ان کو سمجھانا آسان ہے وہ ہر بات سن لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں ان کی شخصیت تو بس کان ہی کان ہے۔ یعنی وہ نہ تکذیب کرتے ہیں نہ غور فکر کرتے ہیں۔ اول تو آپ کی مجلس کی باتیں بطور چغل خوری کے نقل کرنا اور پھر اوپر سے آپ کے بارے میں یہ کہنا کہ العیاذ باللہ وہ کچھ غور و فکر نہیں کرتے ہر بات سن لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں اور یہ الزام دینا کہ انہیں اونچ نیچ کی کچھ خبر نہیں اس میں کئی طرح سے تکلیف دینا ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ وہ خیر کی بات سنتے ہیں اور جس چیز کے سننے میں اور قبول کرنے میں خیر ہے وہ اسی پر کان دھرتے ہیں تم نے یہ جو سمجھا کہ ہم جو بھی بات کہیں گے آپ اس پر یقین لے آئیں گے اور ہماری شرارت کا احساس نہ ہوگا۔ یہ تمہاری سفاہت اور حماقت ہے۔ مزید فرمایا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اور ایمان والوں کی بات کا یقین کرتے ہیں، جو مخلص مؤمن ہیں ان کو جانتے ہیں اور ان کی باتوں کو سنتے اور مانتے ہیں (اور منافقین کے طور طریقہ سے بیخبر نہیں ہیں) ارے منافقو! تم جو یہ سمجھتے ہو کہ ہماری ہر بات سن لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں اور آپ کو حقیقت حال کا پتہ نہیں چلتا یہ تمہارا جھوٹا خیال ہے۔

پھر فرمایا وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ کہ آپ کی ذات گرامی تم میں سے ان لوگوں کے لئے رحمت ہے جو ایمان لائیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ سے منافقین مراد ہیں مؤمنین مخلصین مراد نہیں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ

ظاہر کردیا ہم مؤمن ہیں ان کی بات سن لیتے ہیں ان کی تصدیق کی وجہ سے نہیں بلکہ شفقت سے سن لیتے ہیں پھر ان کے بھید نہیں کھولتے اور پردہ دری نہیں کرتے (لہٰذا منافقوں کو اس دھوکہ میں نہیں رہنا چاہے کہ چونکہ آپؐ سب سن لیتے ہیں) اس لئے ہم جو چاہیں گے کہہ دیں گے ہماری شرارت کا پتہ نہ چلے گا۔

پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔(جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے) اس میں عذاب دنیوی یا عذاب اخروی کی قید نہیں ہے دونوں جہاں میں عذاب ہونے کی وعید ہے۔ دنیا میں بھی یہ لوگ عذاب میں مبتلا ہوئے دربار نبوی ﷺ میں ذلت کے ساتھ نکالے گئے اور آخرت کا جو عذاب ہے وہ تو ہر کافر کے لئے مقرر ہی ہے۔

پھر منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ فرمایا يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۔(وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں) منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں اور اپنی باتوں سے منحرف ہوجاتے تھے پھر چونکہ زیادہ تر واسطہ عامۃ المسلمین سے پڑتا تھا اس لئے انہیں راضی رکھنے کے لئے بار بار قسمیں کھا کر ان سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ انہیں اپنے سے جدا نہ کریں۔

پھر فرمایا وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۔(اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو راضی کیا جائے) ظاہری طور پر بندوں کو راضی کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اگر واقعی مؤمن ہوتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو راضی کرتے ان کی نافرمانی سے بچتے۔ ایسا کرنے سے اہل ایمان بھی راضی ہوجاتے۔ لیکن چونکہ دنیا کے طالب ہیں اس لئے مسلمانوں سے ظاہری میل ملاپ اور رکھ رکھاؤ کے لئے قسمیں کھاجاتے ہیں اور اندر جو کفر اور نفاق بھرا ہوا ہے اسے نہیں چھوڑتے پھر بطور زجر اور توبیخ کے فرمایا اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (الاٰية) کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا اس کے لئے جہنم کی آگ ہے اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ عذاب بڑی رسوائی ہے) یہ لوگ دنیاوی رسوائی سے بچتے ہیں اور انہیں آخرت کی رسوائی سے بچنے کا دھیان نہیں ہے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ

منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انکے بارے میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہوجائے جو ان باتوں کو بتادے جو ان کے دلوں میں ہیں آپ فرمادیجئے

اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ

کہ تم مذاق بنالو۔ بلاشبہ اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو، اور اگر آپ ان سے سوال کریں گے تو وہ کہہ دیں گے کہ ہم تو بس یونہی

وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶۵ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ

باتوں میں مشغول تھے اور دل لگی کررہے تھے۔ آپ فرمادیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی کرتے تھے۔ عذر بیان نہ کرو۔ تم

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۶۶

اپنے ایمان کے بعد کافر ہوگئے، اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کردیں گے تو دوسری جماعت کو ہم عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔

ع ۸ / ۷ / ۱۴

منافقین کی مزید شرارتوں کا تذکرہ

منافقوں کی شرارتیں جاری رہتی تھیں۔ان میں سے جو لوگ غزوہ تبوک کے لئے جانے والے مسلمانوں کے ساتھ سفر میں چلے گئے تھے (جن میں اہل نفاق کے لئے جاسوسی کرنے والے بھی تھے) انہوں نے طرح طرح سے تکلیفیں دیں اور برے منصوبے بنائے۔ منافقین کی عادت تھی کہ آپس میں مل کر اسلام اور داعی اسلام رسول اللہ ﷺ اور اہل اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی انہیں یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ قرآن میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ہمارے دلوں کی باتوں کو کھول دے۔ان کی نیتوں، باتوں اور ارادوں کو سورۂ توبہ میں بیان فرمایا ہے۔حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اس سورت کا ایک نام سورۃ الفاضحہ بھی ہے کیونکہ ان میں منافقوں کے بھیدوں اور حالوں کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے۔منافقین آپس میں چپکے چپکے اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے اور رسوائی سے ڈرتے بھی تھے لیکن اپنی بے ہودگیوں سے باز نہیں آتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُلِ اسْتَهْزِءُوْا تم مذاق بنالو یہ لوگ ایک (دن تبوک کے سفر میں ۱۲) آپس میں یوں کہہ رہے تھے کہ یہ شخص اس بات کی امید رکھتا ہے کہ ملک شام کے محلات اور قلعے اس کے لئے فتح ہو جائیں گے یہ تو کبھی بھی نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی ان باتوں کی رسول ﷺ کو خبر دیدی۔آپ نے صحابہؓ سے فرمایا ان لوگوں کو روک لو۔جب آپ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان سے فرمایا تم نے ایسا ایسا کہا ہے اس پر انہوں نے اقرار تو کر لیا لیکن بات بناتے ہوئے اور عذر پیش کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ تو یوں ہی زبانی باتیں تھیں۔جو آپس میں دل لگی کے طور پر ہو رہی تھیں۔سفر کی مسافت طے کرنے کے لئے کچھ باتیں ہونی چاہئیں لہٰذا یوں ہی وقت گزاری کے طور پر ہم ایسی باتیں کر رہے تھے۔اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ (آپ فرما دیجئے کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کر رہے تھے) یہ تو عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔دل لگی اور وقت گزارنے کے لئے کیا اور کوئی بات نہ تھی اس کے لئے اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول ﷺ کا مذاق ہی رہ گیا تھا۔لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔تم عذر پیش نہ کرو کیونکہ جو عذر پیش کیا ہے وقت گزاری کی ضرورت کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مذاق بنانا جائز نہیں۔اللہ اور اس کے رسول کا مذاق بنانا تو کفر ہے تم ظاہری طور پر کہتے تھے کہ ہم مؤمن ہیں۔اول تو یہ بھی جھوٹ تھا۔لیکن اب تو اپنے اقرار سے ظاہری طور پر بھی کافر ہو گئے اندر سے تو پہلے ہی کافر تھے، زبانی طور پر جو ایمان کا دعویٰ تھا اس کے بارے میں فرمایا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔ پھر فرمایا اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ۔اگر ہم تم میں سے بعض کو اسلام قبول کرنے کی سعادت سے مالا مال کر کے معاف کر دیں گے اور کفریہ باتوں سے درگزر کر دیں گے۔نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ۔(تو ایک جماعت کو عذاب دیں گے، کیونکہ وہ مجرم تھے) یہ لوگ مجرم ہی رہیں گے اور آخر دم تک اسلام قبول نہ کریں گے۔

منافقین میں سے جن لوگوں نے توبہ کی اور پکے مسلمان ہوئے ان میں مخشی بن حمیر کا نام لیا جاتا ہے انہوں نے اپنا نام عبدالرحمٰن رکھ لیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ شہادت نصیب ہو اور قتل کا پتہ بھی نہ چلے۔چنانچہ غزوۂ یمامہ میں ان کی شہادت ہوگئی، نہ قاتل کا پتہ چلا نہ مقتول کا، اور انکی کوئی خیر و خبر نہ ملی۔(درمنثور ۲۵۴ ج ۳)

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ

منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ بری باتوں کا حکم کرتے ہیں اور اچھی باتوں سے روکتے ہیں

وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ

اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے، سو اللہ انہیں بھول گیا، بے شک منافقین نافرمان ہی ہیں۔

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ

اللہ نے منافق مردوں سے اور منافق عورتوں سے اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ان کے لئے دوزخ کافی ہے

اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ

اور اللہ نے ان کو ملعون قرار دے دیا اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ تمہاری حالت انہیں لوگوں کی طرح سے ہے جو تم سے پہلے تھے، وہ لوگ قوت میں تم سے زیادہ سخت

اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ

اور مال و اولاد میں تم سے زیادہ تھے۔ سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا جو تم سے پہلے تھے سو تم نے بھی اپنے حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی ایسے ہی گھستے چلے گئے جیسا کہ وہ لوگ گھسے تھے۔

اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ

ان کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت ہو گئے، اور وہ لوگ نقصان میں پڑنے والے ہیں ۔ کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی

قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ

جو ان سے پہلے تھے یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور مدین والے لوگ اور الٹی ہوئی بستیاں ،

اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آئے سو اللہ ان ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

منافق مرد عورت نیکیوں سے روکتے ہیں، بخیل ہیں، اللہ تعالیٰ کو بھول گئے ہیں

ان آیات میں منافقین کی مزید بدحالی بیان فرمائی ہے۔ اول تو یوں فرمایا کہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب آپس میں ایک ہی طرح کے ہیں۔ نفاق کے مقتضی پر عمل کرتے ہیں، اس میں سے یہ بھی ہے کہ برائی کا حکم دیتے ہیں جس میں سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تکذیب پر لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں اور نیکیوں سے روکتے ہیں جس میں سب سے بڑی نیکی کلمہ توحید کی گواہی ہے وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اور یہ لوگ اپنے ہاتھ کو روکتے ہیں اور کنجوس ہیں مٹھی بند رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ نہیں کرتے۔

پھر فرمایا نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ کہ یہ لوگ اللہ کو بھول گئے یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کی طرف سے بالکل پشت پھیر لی۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو بھولنے والا کیا کرتا

ہے، انہیں اپنے لطف اور مہربانی سے محروم فرما دیا۔ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ بلاشبہ منافق فاسق ہی ہیں جو سرکشی اور نافرمانی میں کمال رکھتے ہیں۔)

منافقین کو دنیا سے محبت ہے اور ان کے لئے عذاب دوزخ ہے .... اس کے بعد منافقین اور دیگر عام کفار کے لئے وعید کا تذکرہ فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِیْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا ۔ اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے جہنم کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے هِیَ حَسْبُهُمْ یہ آگ ان کے لئے کافی ہوگی۔ یہ کلمہ بطور توبیخ ہے وہ چونکہ دنیا ہی کو اپنے لئے سب کچھ سمجھتے ہیں اس لئے فرمایا کہ دنیا تو ختم ہو جائے گی اب دوزخ کی آگ ہی ان کے لئے سب کچھ ہوگی وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ اور اللہ نے ان کو ملعون قرار دیا۔ ان پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ اور ان کے لئے عذاب ہے جو برقرار رہے گا یعنی دائمی ہوگا ہمیشہ ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا كَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (الآیة) ۔ اس میں منافقوں سے خطاب ہے کہ تم لوگ انہیں لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے تھے وہ لوگ تم سے بڑھ کر قوت اور طاقت والے اور تم سے زیادہ اموال اور اولاد والے تھے۔ وہ لوگ اپنے حصہ سے مستفید ہوئے اور تم بھی اپنے دنیاوی حصہ سے مستفید ہوئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگ اپنے حصہ سے مستفید ہوئے وہ لوگ بھی دنیا ہی میں لگے اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھا تم لوگ بھی انہیں کی راہ پر ہو۔ تم لوگ بھی باطل میں اور برائیوں میں اسی طرح گھس گئے جس طرح تم سے پہلے لوگ گھسے تھے۔ ان کا جو انجام ہوا تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔ پھر انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ کہ یہ وہ لوگ تھے جن کے اعمال دنیا و آخرت میں بیکار چلے گئے۔ دنیا تھوڑی سی تھی۔ فانی تھی جو ختم ہوگئی اور جو کچھ ملا تھا وہ بطریق استدراج تھا۔ انعام و اکرام کے طور پر نہ تھا اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کسی کافر کے لئے کوئی نعمت ہے ہی نہیں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ۔ یہ لوگ پوری طرح خسارے میں ہیں دنیا بھی گئی اور آخرت کی نعمتوں سے بھی محروم ہوئے تم بھی انہیں کے طریقے پر چل رہے ہو خسارہ میں ہو۔

اقوام سابقہ کی بربادی سے عبرت لیں .... اس کے بعد پرانی قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۔ کیا ان لوگوں کے پاس کی خبریں نہیں آئیں جو ان سے پہلے تھے کیا نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا حال اور عاد و ثمود کی ہلاکت کے واقعات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور مدین والوں کے ہلاکت کے قصے انہیں معلوم نہیں ہیں؟ اور جو بستیاں برے کرتوتوں کی وجہ سے الٹ دی گئی تھیں (یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جن بستیوں میں رہتی تھی) کیا ان کے واقعات معلوم نہیں ہیں؟ انہیں معلوم ہے کہ ان لوگوں پر عذاب اس لئے آیا کہ ان لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اور واضح دلائل کو جھٹلا دیا۔ پھر بھی کفر سے باز نہیں آتے۔

اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۔
ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے سو اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ (وقف لازم)

اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں بعض بعض کے مددگار ہیں۔ بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے

الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ

روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں

سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ

جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے۔ اللہ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ایسے باغوں کا

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ

وعدہ فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ایسے عمدہ مکانوں کا وعدہ فرمایا جو ہیشگی والے باغوں میں ہوں گے

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اور اللہ کی رضا مندی سب سے بڑی چیز ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔

مؤمنین کی خاص صفات اور ان کے لئے رحمت اور جنت کا وعدہ

منافقین کی صفات اور ان کے بارے میں وعیدیں بیان فرمانے اور ان کو پہلی امتوں کے واقعات یاد دلانے کے بعد مؤمنین کی صفات بیان فرمائیں۔ اولاً تو یوں فرمایا کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں اولیاء ہیں یعنی ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ دینی کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں پھر فرمایا يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کہ یہ لوگ بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، برعکس منافقین کے وہ برائیوں کا حکم کرتے ہیں اور بھلائیوں سے روکتے ہیں پھر مزید صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ...... وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور صرف نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ ہر موقع پر ہر معاملہ میں اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس کے بعد اہل ایمان سے اپنی مہربانی کا وعدہ فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اللہ عنقریب ان پر رحم فرمائے گا۔ دنیا میں ان پر رحم فرمادیا کہ ان کو ایمان کی توفیق دے دی اور آخرت میں ان پر رحم فرمائے گا اور نعمتوں سے نوازے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ عزت والا ہے حکمت والا ہے۔ وہ غالب ہے ہر چیز پر قادر ہے جس چیز کا ارادہ فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا اور اس کے سب کام اور فیصلے حکمت کے موافق ہیں۔

پھر اہل ایمان کی آخرت کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

منافقین سے نار جہنم کا وعدہ فرمایا اور اہل ایمان سے باغوں کا وعدہ فرمایا اور دونوں جماعتوں کے بارے میں خَالِدِيْنَ فِيْهَا۔ فرمایا کہ اپنی اپنی جزا اور سزا کے مقام میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اہل ایمان کی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے مزید فرمایا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنَّاتِ عَدْنٍ۔ یعنی ان حضرات کے لئے عمدہ مکان ہوں گے جن میں وہ رہیں گے اور ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے اولاً باغوں کا تذکرہ فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ پھر عمدہ مکانوں کا تذکرہ فرمایا جو ان باغوں میں ہوں گے اور عدن کی طرف ان باغوں کی اضافت فرما کر یہ بتادیا کہ یہ باغ واقعی رہنے کی جگہیں ہیں۔ جہاں سے نہ کبھی منتقل ہونا چاہیں گے اور نہ انہیں وہاں سے منتقل کیا جائے گا۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۱۳۶ جلد ۱۰) نے عدن کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد اقوال لکھے ہیں بعض روایات بھی نقل کی ہیں، پھر آخر میں لکھا ہے وقيل العدن في الاصل

الا ستقرار والثبات ویقال عدن بالمکان اذا اقام والمراد به هنا الاقامة علی وجه الخلود لا نه الفرد الکامل المناسب لمقام المدح ای فی جنات اقامة و خلود ،وعلی هٰذا جنات کلها جنات عدن لا یبغون عنها حولاً الٰی اٰخر ما قال ۔(کہا گیا ہے کہ عدن کا معنی ہے ثبات واستقرار اور عَدَنَ بِالْمَكَانِ اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ کوئی کہیں اقامت پذیر ہو جائے یہاں دائمی طور پر رہنا مراد ہے کیونکہ یہی مقام تعریف کے مناسب رہائش کا فردِ کامل ہے یعنی رہائش کے اور ہمیشہ کے باغات میں اس بنیاد پر تمام جنتیں، جناتِ عدن ہیں جنتی اس سے نکلنا نہیں چاہیں گے۔الی آخرہ)

سورۂ صف میں اہل ایمان کو خطاب فرماتے ہوئے وعدہ فرمایا اس میں بھی وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ فرمایا ہے اس سے بھی یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ عدن سے کوئی مخصوص جنت یا جنت کا کوئی مخصوص مقام مراد نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر جنتی کا جنت میں مستقل قیام ہوگا۔ جنت کے علاوہ دوسری جگہ جانا نہ ہوگا۔ سورۂ حج میں فرمایا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَاهُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ۔(وہاں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے) سورۂ کہف میں فرمایا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۔کہ وہ وہاں سے کہیں منتقل ہونا پسند نہ کریں گے۔مطلب یہ ہے کہ اہل جنت اپنے باغوں اور اپنے مکانوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ جگہ واقعی رہنے کی جگہ ہوگی وہاں سے نہ نکالے جانے کا احتمال ہوگا نہ وہاں رہتے رہتے جی بھرے گا۔

پھر فرمایا وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور اللہ کی رضامندی تمام نعمتوں سے بڑی ہے۔یعنی اہل ایمان جن نعمتوں میں ہوں گے وہ اپنی جگہ بڑی بڑی بے مثال نعمتیں ہیں۔لیکن ان سب نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا۔

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت سے فرمائیں گے اے جنت والو! وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور تعمیل ارشاد کے لئے موجود ہیں اور ساری خیر آپ کے قبضہ قدرت میں ہے۔اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ تم راضی ہوگئے۔وہ عرض کریں گے ہم کیوں راضی نہ ہوں گے حالانکہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو آپ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا: کیا میں تمہیں اس سے افضل چیز عطا نہ کروں؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب اس سے افضل اور کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (صحیح بخاری)

پھر فرمایا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۔یہ جو کچھ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی نعمتوں کا تذکرہ ہوا یہ بڑی کامیابی ہے۔اس میں منافقین سے تعریض ہے کہ دنیا جو تھوڑی سی ہے اور حقیر ہے اس کے لئے کفر اختیار کر کے ایسی ایسی نعمتوں سے گریز کر رہے ہیں اور تھوڑی بہت دنیا مل جانے کو جو کامیابی سمجھ رہے ہیں جس کی وجہ سے ایمان قبول نہیں کرتے یہ ان کی بے وقوفی ہے اور بڑی کامیابی کی طرف سے غفلت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾

اے نبی کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ

وہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گئے اور انہوں نے

وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ

اس چیز کا ارادہ کیا جو انہیں نہ ملی اور صرف انہوں نے اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انہیں مالدار کر دیا، سو اگر وہ

يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا

توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہو گا اور اگر روگردانی کریں تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں

وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

دردناک عذاب دے گا اور ان کے لئے روئے زمین میں نہ کوئی یار ہو گا اور نہ کوئی مددگار۔

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا حکم

عام کافروں سے اور منافقوں سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچتی تھیں۔ یہ لوگ اسلام کے خلاف منصوبے بناتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاً صبر اور درگزر کا حکم فرمایا تھا پھر جہاد کی اجازت دے دی جیسا کہ سورۂ حج میں اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا۔ فرمایا پھر کفار سے جہاد اور قتال کا حکم دیا جو اس سورت میں مذکور ہے۔ اوپر جن آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے ان میں سے پہلی آیت میں کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ لفظ جہاد ہر طرح کی کوششوں کو شامل ہے۔ جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اختیار کی جائیں۔ اس کی ایک صورت قتال کرنا یعنی جنگ کرنا بھی ہے۔ مفسرین نے فرمایا کہ کافروں سے جہاد بالسیف یعنی قتال کرنے کا حکم دیا ہے اور منافقین سے ان کے حال کے مطابق جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یعنی ان سے جہاد باللسان کا حکم فرمایا ہے کہ انہیں نصیحت کی جاتی رہے اور ان پر حجت قائم کی جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کرتے تھے منافقین کو قتل نہیں فرمایا کیونکہ یہ ظاہری طور پر اسلام کے دعویدار تھے۔

مزید فرمایا: وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کہ عام کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے میں سختی اختیار کیجیے کافروں سے تو جنگ میں سختی کا برتاؤ ہوتا ہی تھا۔ منافقوں کے ساتھ سختی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ نافذ کرنے میں سختی برتی جائے جب وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو عامۃ المسلمین کی طرح ان لوگوں پر بھی احکام شرعیہ نافذ کئے جائیں اور قوانین اسلامیہ نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہ کی جائے۔ اگر کوئی کام ایسا کر بیٹھیں جس کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہو تو اس کے نافذ کرنے میں مسامحت نہ کی جائے۔ (راجع روح المعانی و معالم التنزیل)

پھر فرمایا وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے) دنیا میں وہ ایمان سے بچ رہے ہیں اور آخرت میں اپنے کفر اور نفاق کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے۔ دوزخ کو معمولی چیز نہ سمجھیں، وہ برا ٹھکانہ ہے۔

منافقوں کی مکاری اور جھوٹی قسمیں .... آگے بڑھنے سے پہلے آیت يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا کا سبب نزول جان لینا چاہیے۔ سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے متعدد روایات لکھی ہیں۔ صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۳۱۱ جلد ۲) نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص تمہارے پاس آنے والا ہے وہ تمہیں شیطانی آنکھوں سے دیکھے گا۔ جب وہ آ جائے تو تم اس سے بات نہ کرنا۔ ذرا سی دیر بھی نہ گزری تھی کہ نیلی آنکھوں والا ایک شخص آ گیا اسے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور فرمایا، تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا کہتے ہیں۔ وہ فوراً گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے آیا، اور وہ سب لوگ قسم کھا گئے کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کہا اور

دوسرا واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ ایک دن تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور منافقین کا تذکرہ فرمایا اور ان کو رجس یعنی ناپاک بتایا اور ان کی برائیاں بیان کیں۔ اس پر جلاس بن سوید نامی ایک شخص نے کہا کہ محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں اگر یہ سچ ہے تو ہم تو گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ اس بات کو عامر بن قیس (صحابیؓ) نے سن لیا تھا۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو عامر بن قیس رضی اللہ عنہ نے آپ کو جلاس کی بات بتادی۔ جلاس نے کہا کہ یا رسول اللہ! اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اس پر آپ نے حکم فرمایا کہ دونوں ممبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھائیں۔ جلاس نے نماز عصر کے بعد ممبر کے پاس قسم کھالی کہ میں نے نہیں کہا اور مجھ پر عامر نے تہمت باندھی ہے اس کی بعد عامر کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اس نے ضرور کہا ہے اور میں نے اس پر جھوٹ نہیں باندھا پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ ہم دونوں میں جو سچا ہے اس کی سچائی کو ظاہر فرمانے کے لئے اپنے نبی ﷺ پر کوئی آیت نازل فرمایئے اس پر رسول اللہ ﷺ نے اور جو مؤمنین حاضر تھے سب نے آمین کہا ابھی مجلس سے متفرق ہونے نہ پائے تھے کہ آیت شریفہ نازل ہوگئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَاقَالُوْا کہ یہ لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ یہ واقعی بات ہے کہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہوگئے (دل سے پہلے بھی کافر تھے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کیا تھا اس دعویٰ کا جھوٹ ہونا علی الاعلان ثابت ہوگیا۔

اب وَھَمُّوْا بِمَالَمْ یَنَالُوْا۔ سے متعلقہ سبب نزول معلوم کیجیے اور وہ یہ ہے کہ منافقین میں سے بارہ آدمی تبوک کے راستہ میں ایک گھاٹی پر ٹھہر گئے۔ انہوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزریں گے تو اچانک رات کی اندھیری میں آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیں گے جبرائیل تشریف لائے اور انہوں نے آپؐ کو ان کی نیتوں کا حال بتادیا اور عرض کیا کہ ان لوگوں کے پاس کسی شخص کو بھیج دیں جو ان کا رخ دوسری طرف موڑ دے۔ آپؐ نے حضرت حذیفہؓ کو اس کام کے لئے بھیج دیا۔ صاحب معالم التنزیل صفحہ ۳۱۲ جلد ۲ نے بالا جمال یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے لیکن صاحب روح المعانی صفحہ ۱۳۹ جلد ۱۰ نے بیہقی کی دلائل النبوۃ سے قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت حذیفہؓ نے بیان کیا کہ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس ہو رہے تھے تو میں آپ کی اونٹنی کی باگ پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہا تھا اور عمار پیچھے پیچھے جا رہے تھے یہاں تک کہ جب ایک گھاٹی آگئی تو وہاں بارہ آدمیوں کو پایا جو سواریوں پر سوار تھے اور انہوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتادی آپؐ نے جو زور سے آواز دی تو وہ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے پہچانا کہ یہ کون لوگ تھے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نہیں پہچان سکے۔ کیونکہ یہ لوگ چہروں پر کپڑے باندھے ہوئے تھے۔ البتہ ہم نے ان کی سواریوں کو پہچان لیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ لوگ منافق تھے جو قیامت تک منافق ہی رہیں گے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ان کا کیا ارادہ تھا؟ ہم نے عرض کیا نہیں! فرمایا ان کا ارادہ یہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو گھاٹی میں نیچے گرادیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ ان کے قبیلوں کے پاس یہ حکم نہیں بھیجتے کہ ان میں سے ہر ایک کا سر کاٹ کر بھیج دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات گوارہ نہیں کہ اہل عرب یوں باتیں کریں کہ محمد ﷺ نے ایک قوم کو ساتھ لے کر قتال کیا یہاں تک کہ جب اللہ نے آپ کو غلبہ دے دیا تو ان لوگوں کو قتل کرنے لگے جو جہادوں میں ساتھ تھے۔ (اھ) منافقین کی نیتوں اور حرکتوں کو ان الفاظ میں بیان فرمایا وَھَمُّوْا بِمَالَمْ یَنَالُوْا۔ انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جس میں وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

منافقین نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا........ پھر فرمایا وَمَا نَقَمُوٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ کہ ان لوگوں نے جو حرکتیں کی ہیں ان کا کوئی سبب نہیں ہے ان کو کسی نے تکلیف نہیں دی اور نہ ان کے خلاف کسی نے منصوبہ بنایا اگر کوئی بات ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے انہیں فضل خداوندی سے مالا مال کر دیا پہلے تنگدست تھے فقیر تھے اسلام آیا تو اس کی برکتیں بھی ساتھ آئیں وہ برکتیں ان کو بھی شامل حال ہو گئیں۔ اللہ کے اس فضل وکرم کا انہوں نے یہ بدلہ دیا کہ داعی اسلام ﷺ کے خلاف منصوبہ بنایا الٹی ہی چال چلے۔ احسان کا بدلہ احسان سے دینے اور شکر گزار ہونے کے بجائے برے منصوبے بنانے میں مشغول ہو گئے۔ عام طور سے تو اسلام کی برکات سب کو شامل تھیں لیکن بعض ایسی صورتیں بھی پیش آئیں کہ خاص جلاس نامی شخص کو اس کا ایک غلام مقتول ہو جانے پر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے بارہ ہزار درہم دیت دلا دی تھی۔ یہ معالم التنزیل میں لکھا ہے اور روح المعانی بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت عروہ ؓ سے نقل کیا ہے کہ جلاس کے ذمہ قرضہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف سے ادا فرما دیا تھا۔

اس کے بعد فرمایا فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ (پس اگر یہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا)۔ معالم التنزیل میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو جلاس وہیں موجود تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھ پر توبہ پیش فرمائی ہے میں اقرار کرتا ہوں کہ عامر بن قیس نے جو بیان کیا وہ سچ تھا واقعی میں نے وہ بات کہی تھی جو عامر نے میری طرف منسوب کی اور اب میں استغفار کرتا ہوں اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات مان لی اور صحیح معنی میں اس نے توبہ کر لی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مزید فرمایا: وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (اور اگر وہ توبہ سے اعراض کریں۔ ایمان خالص پر نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔ (یعنی پوری دنیا میں کوئی ان کا حمایتی اور مددگار نہ ہوگا جو انہیں عذاب سے بچا لے آخرت میں تو ہر منافق اور ہر کافر کو جہنم کا عذاب ہے ہی منافقوں کو دنیا میں جس عذاب الیم کی وعید سنائی گئی اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ بار بار رسوائی ہونا اور اہل ایمان کے دلوں میں ان کی وقعت نہ ہونا، سب کی نظروں سے گر جانا اور موت کے وقت عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے۔ چونکہ دنیا میں ان کو قتل نہیں کیا گیا اور ایمان کے ظاہری دعویٰ کی وجہ سے ان کے ساتھ مروت کا معاملہ کیا جاتا رہا اس لئے مفسرین نے عذاب دنیوی کی مذکورہ بالا تفسیر کی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمایا تو ہم ضرور ضرور خیرات کریں گے اور ضرور ضرور ہم نیک آدمیوں میں شمار ہو جائیں گے

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا

سو جب اللہ نے انکو اپنے فضل سے عطا فرما دیا تو اس میں کنجوسی کرنے لگے اور وہ اعراض کرتے ہوئے روگردانی کر گئے، سو اللہ نے اس دن تک جو اللہ کی ملاقات کا

فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

دن ہوگا ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے راز کو اور ان کے خفیہ مشوروں کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

بعض ایسے منافقین کا تذکرہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ ہمیں مال دیا جائے گا تو صدقہ کریں گے پھر انہوں نے اس عہد کی پاسداری نہ کی

آیت بالا کے سبب نزول سے متعلق صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۳۱۲ جلد ۲) نے اور حافظ ابن کثیر (صفحہ ۳۷۴ جلد ۲) نے ایک واقعہ لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ثعلبہ بن حاطب ایک شخص تھا اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے مجھے مال عطا فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے زیادہ مال سے بہتر ہے جس کی تجھے برداشت نہ ہو۔ اس نے پھر اسی دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے آپ نے اس کے لئے دعا فرمادی اس نے بکریاں پالنا شروع کردیں ان میں بہت زیادہ ترقی ہوئی تو وہ مدینہ منورہ سے باہر کسی وادی میں چلا گیا۔ صرف ظہر اور عصر کی نماز میں حاضر ہوتا تھا وہ وقت بھی آیا کہ اسے مدینہ منورہ شہر میں حاضر ہونے کی فرصت ہی نہیں رہی۔ جمعہ کی حاضری بھی ختم ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمی مویشیوں کے صدقات وصول فرمانے کے لئے بھیجے جب یہ دونوں ثعلبہ بن حاطب کے پاس پہنچے تو اس نے کہا یہ تو جزیہ ہے یا جزیہ کی بہن ہے اور یوں بھی کہا کہ ذرا میں غور کرلوں کہ مجھے کیا دینا ہے اور کتنا دینا ہے جب یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو ان کو دیکھ کر صورتِ حال کے بیان کرنے سے پہلے ہی فرمادیا کہ ثعلبہ پر افسوس ہے۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۔ (بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر اپنے فضل سے ہمیں مال دیدے تو ہم ضرور ضرور صدقہ دیں گے اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہوجائیں گے اس موقعہ پر ثعلبہ کے رشتہ دار بھی خدمت عالی میں موجود تھے انہوں نے جاکر خبر دی کہ تیرے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے اس پر وہ صدقہ لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے منع فرمادیا ہے کہ تیرا صدقہ قبول کروں۔ اس پر وہ سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تجھ سے کہا تھا (کہ تھوڑا مال شکر کے ساتھ زیادہ مال سے بہتر ہے جس کی برداشت نہ ہو) تو نے میری بات پر عمل نہ کیا، جب آپ نے اس کا صدقہ قبول فرمانے سے انکار کردیا تو وہ اپنا مال لے کر چلا گیا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس صدقہ لے کر آیا تو ان حضرات میں سے کسی نے قبول نہ کیا اور خلافت عثمانی میں ثعلبہ کی موت ہوگئی۔ مال میں مشغول ہوکر اس نے جماعتوں اور جمعہ کی حاضری بھی چھوڑ دی اور آنحضرت ﷺ کے بھیجے ہوئے نمائندوں کو صدقہ نہیں دیا اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا کہ مال ملے گا تو صدقہ دوں گا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہوجاؤں گا اس کی خلاف ورزی کی۔ اسی کو فرمایا: فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۔ (پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے مال عطا فرمادیا تو کنجوسی اختیار کرلی اور اعراض کرتے ہوئے روگردانی کر گئے) فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ (سو اللہ نے اپنی ملاقات کے دن تک ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس کی وجہ سے انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ پھر فرمایا اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ۝ (کیا انہیں علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے راز کو اور خفیہ مشورہ کو جانتا ہے اور بے شک اللہ غیبوں کا جاننے والا ہے) اس آخری آیت میں اس شخص کے لئے وعید ہے جو خلاف ورزی کی نیت سے وعدہ کرے یا وعدہ کرکے خلاف ورزی کرے، ہر شخص کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے جو جیسی نیت رکھے گا اور جیسا عمل کرے گا اللہ جل شانہٗ کو اس کا علم ہے اور وہ اپنے علم کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

فائدہ............ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ مال طلب کرنے اور پھر صدقہ نہ دینے کا واقعہ ابن کثیر اور معالم التنزیل نے ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں لکھا ہے۔ ثعلبہ بن حاطب کو حافظ ابن حجر نے شرکائے بدر میں شمار کیا ہے اور ابن الکلبی سے نقل کیا ہے کہ وہ احد میں شریک ہوئے تھے۔ اس کے بعد ثعلبہ بن حاطب اور ابن ابی حاطب کے نام سے ایک شخص کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ صدقہ نہ دینے کا جو واقعہ منقول ہے وہ ثعلبہ بن حاطب مدنی کا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ شرکاء بدر کے لئے مغفرت کی خوشخبری ہے۔ لہٰذا صاحب واقعہ دوسرا کوئی شخص ہوگا (خواہ ثعلبہ نامی ہو یا اور کسی نام کا کوئی شخص) واللہ اعلم

واقعہ جس کسی کا بھی ہو بہر حال پیش ضرور آیا ہے کیونکہ نص قطعی سے ثابت ہوا کہ کسی نے مال ملنے پر صدقہ دینے کا وعدہ کیا تھا پھر جب مال مل گیا تو نہیں دیا۔

یہاں حضرت حکیم الامت تھانوی نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ جب وہ مال لے کر آیا اور توبہ کی تو اس کی توبہ کیوں قبول نہیں کی گئی؟ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس کا زکوٰۃ لانا اور نہ لینے پر واویلا کرنا خلوص سے نہ تھا بلکہ دفع عار اور بدنامی کے لئے تھا کیونکہ اَعْقَبَهُمْ سے اس کا دائما کافر ہونا معلوم ہوگیا پھر خلوص کا احتمال کب ہے؟ الی آخر ما قال۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا

یہ ایسے لوگ ہیں جو ان مؤمنین پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں جو اپنی خوشی سے صدقات دیتے ہیں اور ان لوگوں پر جن کو اپنی محنت کے علاوہ

جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ

کچھ میسر نہیں آتا، سو یہ ان سے تمسخر کرتے ہیں۔ اللہ ان کے تمسخر کا بدلہ دے گا اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔ آپ ان

اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ

کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ استغفار کریں تب بھی اللہ نہیں بخشے گا

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اللہ کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ع ۱۰ ۸ ۱۶

منافقین کا مخلصین کے صدقات پر طعن و تمسخر کرنا

منافقین کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں تھا اس لئے اہل ایمان کو طرح طرح سے تکلیف دیتے تھے ان تکلیفوں میں یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے اعمال اور احوال کو طعن اور طنز اور مسخرہ بازی کا نشانہ بناتے تھے۔ صحیح بخاری (صفحہ ۶۷۳ جلد ۲) میں حضرت ابو مسعود انصاری کا بیان نقل کیا ہے کہ جب ہمیں صدقہ کرنے کا حکم ہوتا تھا تو ہم محنت مزدوری کر کے اپنی کمروں پر بوجھ اٹھا کر کچھ مال حاصل کرتے تھے (جس کو صدقہ میں پیش کر دیتے تھے) اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے صدقہ دینے کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے چار ہزار درہم پیش کر دیئے اور عاصم بن عدی نے سو وسق کھجوریں حاضر کر دیں، اس پر منافقین نے طنز کیا کہنے لگے اجی کچھ نہیں، یہ تو ریا کاری ہے۔

ایک صحابی حضرت ابو عقیل بھی تھے وہ ایک صاع کھجور لے کر آئے اور صدقہ کے مال میں ڈال دیا۔ اس پر منافقین آپس میں ہنسنے لگے

اور کہنے لگے کہ اللہ کو اس کے ایک صاع کی کیا ضرورت تھی؟ (چونکہ یہ صدقہ تھوڑا سا تھا اس لئے ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ نے خوب زیادہ محنت کرکے دو صاع کھجوریں حاصل کیں (ایک صاع ۳ ½ سیر ہوتا تھا) ان میں سے ایک صاع گھر والوں کو دے دیا اور ایک صاع لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوری صورت حال عرض کردی، آپ نے فرمایا: اس کو مال صدقہ میں ڈال دو۔ منافق اس کا تمسخر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس مسکین کے صدقہ سے اللہ بے نیاز تھا (کیا ذرا سی چیز لے کر آیا) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تمسخر کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس تمسخر پر سزا دے گا اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۷۵ جلد ۲) حضرت ابو عقیل جو محنت مشقت کرکے تھوڑی سی کھجوریں کسب کرکے لائے تھے اس کا خصوصی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُہْدَھُمْ۔ (جو لوگ اپنی محنت مشقت کے علاوہ کچھ بھی نہیں پاتے ان پر یہ لوگ طنز کرتے ہیں، اس میں صدقہ کرنے کے لئے محنت کرنے والوں کی تعریف ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھتے کہ ہمارے پاس کچھ ہے ہی نہیں ہم کیا صدقہ کریں، محنت و مشقت سے کچھ مال حاصل کرکے اللہ کی رضامندی کے لئے پیش کردیتے ہیں، معلوم ہوا کہ صدقہ کرنے کے لئے مالدار ہونا ضروری نہیں جس کے پاس کچھ بھی نہیں وہ بھی صدقہ کرنے کا راستہ نکال سکتا ہے اور جسے جانی و مالی عبادت کا ذوق ہو وہ بہت کچھ کرسکتا ہے۔ حضرات صحابہؓ نے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے خیر کی کیسی کیسی نظیریں چھوڑی ہیں۔ منافقین چونکہ کافر ہیں (اگرچہ بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں) اس لئے ان کے ساتھ آخرت میں کافروں والا ہی معاملہ ہوگا۔ یعنی دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کی مغفرت کا کوئی راستہ نہیں اس کو واضح طور پر بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا۔ اسْتَغْفِرْ لَھُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ (آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمائے گا) کما فی سورۃ المنافقین سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَھُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ۔ برابر ہے ان کے لئے کہ استغفار کریں یا نہ کریں۔ اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ (یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا) وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔ (اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

جو لوگ رسول اللہ کے بعد پیچھے ڈالے گئے وہ اپنے بیٹھے رہ جانے پر خوش ہوئے اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنے مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا

اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں، اور کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلو۔ آپ فرما دیجئے کہ دوزخ کی آگ بہت زیادہ گرم ہے۔ کیا اچھا ہوتا

يَفْقَهُوْنَ ۝ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

کہ یہ لوگ سمجھتے۔ سو یہ لوگ تھوڑا سا ہنس لیں اور زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلہ جو وہ کیا کرتے تھے۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا

سو اگر اللہ آپ کو ان کی کسی جماعت کی طرف واپس لے جائے پھر وہ آپ سے نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ فرما دیجئے کہ تم ہرگز بھی میرے ساتھ نہ نکلو گے

وَلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور ہرگز میرے ساتھ کسی دشمن سے جنگ نہ کرو گے۔ بے شک تم پہلی مرتبہ بیٹھنے پر راضی ہو گئے۔ سو تم پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

منافقین کا اس پر خوش ہونا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ گئے

ان آیات میں بھی منافقین کی مذمت ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے آپ تشریف لے گئے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ گئے۔ ان کو پیچھے رہ جانے پر کوئی افسوس نہیں تھا بلکہ خوشیاں منا رہے تھے کہ اچھا ہوا ہم نہ گئے۔ انہوں نے آپ کے ہمراہ نہ جانے پر خوشی منائی اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنے جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ جانے پر افسوس تو کیا ہوتا دوسروں کو بھی جانے سے روک رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ گرمی میں مت نکلو۔ ایسی سخت گرمی میں جانے کا موقعہ نہیں ہے۔ انہوں نے دنیا کی گرمی کا تو خیال کیا۔ دوزخ کی آگ کی گرمی سے بچنے کا ارادہ نہ کیا۔ حالانکہ وہ دنیا والی گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے اور اس سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کی جائے، دنیا کی گرمی تو قابل برداشت ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لئے نکلے تھے کوئی پگھل تو نہیں گئے، تکلیف تو ہوئی مگر خیریت کے ساتھ واپس آ گئے دوزخ کی آگ کا کس کو سہارا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہاری یہ آگ (جو دنیا میں ہے) دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا جلانے کو (تو) یہی بہت ہے آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) دنیا کی آگ کی بنسبت دوزخ کی آگ میں ٦۹ درجہ زیادہ گرمی بڑھا دی گئی ہے۔ ہر درجہ کی گرمی اسی قدر ہے جتنی دنیا کی آگ کی گرمی ہے۔ (بخاری صفحہ ۴٦۲ جلد ۱) دنیا کی گرمی سے گھبرا کر فرائض اور واجبات چھوڑنے والے اس پر غور کریں۔ ان لوگوں کا خود جانے کا ارادہ نہ تھا اور تکوینی طور پر بھی ان کے بارے میں یہی فیصلہ تھا کہ یہ لوگ نہ جائیں جیسا کہ وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ میں فرمایا ہے اس لئے الْمُخَلَّفُوْنَ فرمایا کہ یہ لوگ پیچھے ڈال دیئے گئے۔

پھر فرمایا فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا۔ کہ یہ دنیا میں تھوڑا سا ہنس لیں اور آخرت میں زیادہ روئیں گے۔ یہاں تھوڑی سی خوشی ہے جس میں ہنسی بھی ہے اور دوسروں کا مذاق بنانا بھی ہے جس کو خوش طبعی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن آخرت میں کافروں کی جو بدحالی ہوگی اس پر روئیں گے اس رونے کا تصور کریں تو یہاں کی ذرا سی ہنسی خوشی کو بھول جائیں۔ وہاں تو ان کو رونا ہی رونا ہے حضرت عبداللہ بن قیسؓ (یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کا نام ہے) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دوزخی اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسوؤں میں اگر کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں (اور ان کے آنسو عام آنسو نہ ہوں گے بلکہ) وہ آنسوؤں کی جگہ خون سے روئیں گے۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک صفحہ ۶۰۵ جلد ۴ وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد و اقرہ الذھبی) (حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے بھی اسے یہی مقام دیا ہے)

جو لوگ دنیا میں اللہ کے خوف سے روتے ہیں ان کا رونا رحمت اور نعمت ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں (دوزخ کی) آگ نہ چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے روئی اور ایک وہ آنکھ جس نے فی سبیل اللہ (جہاد میں) چوکیداری کرتے ہوئے رات گزاری (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

حضرت عقبہ بن عامر ؓ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس چیز میں نجات ہے آپ نے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں

رکھتا کہ تجھے نقصان نہ پہنچادے اور تیرے گھر میں تیری گنجائش رہے (یعنی بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکل کیونکہ باہر فتنے ہیں اور گناہوں کے کام ہیں اور اپنے گناہوں پر روتا رہ۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب) جولوگ آخرت کے فکرمند نہیں ہیں وہ یہاں نہیں روتے انہیں وہاں رونا ہوگا۔ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (ان کاموں کے بدلے جو یہ کیا کرتے تھے) یعنی ان کا یہ بہت زیادہ رونا کفر ونفاق اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہوگا۔

پھر فرمایا فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ (الآیۃ) یعنی اگر اللہ آپ کو غزوۂ تبوک کے سفر سے ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے جو آپ کے واپس پہنچنے تک مدینہ میں موجود ہوں اور پھر آپ کو کسی دوسرے موقعہ پر جہاد کے لئے جانا ہو اور یہ لوگ ہمراہ چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ ان سے فرمادیں کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ جہاد میں نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ کسی دشمن سے لڑو گے۔ یعنی میں تمہیں ہرگز ساتھ نہ لے جاؤں گا چونکہ تم نے پہلے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا لہٰذا اب بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے رہ جانے کے لائق ہیں (یعنی بوڑھے بچے اور عورتیں) تم انہیں میں رہو۔ وہ معذوری کی وجہ سے نہیں جاتے تم بغیر معذوری ہی کے ان لوگوں کے ساتھ رہ جاؤ میں تمہیں ساتھ نہیں لیتا۔ قال صاحب الروح هو اخبار بمعنى النهى للمبالغة۔

بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم جو ساتھ چلنے کی اجازت لے رہے ہو یہ اجازت لینا جھوٹا ہے اور دنیا سازی کے طور پر ہے جب جانے کا وقت ہوگا تو ہمراہ نہ چلو گے بلکہ بیٹھے ہی رہ جاؤ گے جیسا کہ تم پہلے بھی رہ گئے تھے۔ لہٰذا تم پیچھے رہ جانے والوں ہی میں اب بھی اپنے کو شمار کرلو اہل ایمان کو کیوں دھوکہ دے رہے ہو۔ فهو خبر بمعنى الخبر و هو المتبادر من لفظ التنزيل العزيز۔ (پس وہ خبر ہے اور خبر ہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم کے الفاظ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے)

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اور ان میں سے جو کوئی شخص مرجائے آپ اس پر کبھی نماز نہ پڑھیں، اور اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں، بے شک ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا

وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ

اور وہ اس حال میں مر گئے کہ نافرمان تھے اور آپ کو ان کے اموال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالیں اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کو ان چیزوں کے

بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

ذریعہ دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حالت میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔

منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھئے اور ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے نہ ہوجیے

صحیح بخاری (صفحہ ۶۷۳، ۶۷۴ جلد ۲) میں ہے کہ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) مر گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ خدمت عالی میں حاضر ہوا (جو خالص مسلمان تھا) اور اس نے کہا کہ میرے باپ کی موت ہوگئی ہے آپ اپنا کرتہ عنایت فرمادیں جو اسے بطور کفن پہنادیا جائے آپ نے اپنا کرتہ عنایت فرمادیا پھر عرض کیا کہ آپ نماز بھی پڑھائیں آپ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑلیا اور عرض کیا کہ آپ اس کی نماز پڑھاتے ہیں حالانکہ وہ منافق ہے۔ آپ نے پھر بھی نماز پڑھادی اس پر آیت وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا۔ (آخر تک) نازل ہوئی۔

فتح الباری (صفحہ ۳۳۶ جلد ۸) میں ہے کہ آپ نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، باقی رہی یہ بات کہ عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیا مصلحت تھی؟......اس کے بارے میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کے بیٹے عبداللہ کی خوشی کے لئے اور قبیلہ خزرج کی قوم کی تالیف قلب کے لئے ایسا فرمایا۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرا کرتا اسے کیا فائدہ دے گا میں نے تو یہ عمل اس لئے کیا ہے کہ اس کی قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں۔ (اھ)

روح المعانی صفحہ ۱۵۴ جلد ۱۰ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میرے اس عمل سے قبیلہ خزرج کے ایک ہزار افراد مسلمان ہو جائیں گے پھر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امید پوری کی اور ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ عبداللہ بن ابی کو جو آپ نے اپنا کرتہ عطا فرمایا تھا اس کہ وجہ تفسیر وحدیث کی کتابوں میں لکھی ہے کہ آپ کے چچا عباس کو جب بدر کے قیدیوں میں لایا گیا تھا اس وقت ان کے بدن پر کپڑا نہ تھا۔ قد آور اور بھاری ہونے کی وجہ سے کسی کا کپڑا ان کے جسم پر نہیں آتا تھا۔ اس وقت عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ پہنا دیا تھا۔ لہٰذا آپ نے اس کی مکافات کے لئے اپنا کرتہ کفن میں شامل کرنے کے لئے فرما دیا۔ (روح المعانی صفحہ ۱۵۴ جلد ۱۰)

اس کے بعد فرمایا وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ (الآیۃ) یہ آیت تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ چند صفحات پہلے گزر چکی ہے۔ اس کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے لوگ آپ سے اجازت

مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ

مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے۔ ہم بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔ یہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ گھروں میں پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور ان

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو وہ نہیں سمجھتے۔

وُسعت ہوتے ہوئے منافقین کا اجازت طلب کرنا کہ غزوہ میں نہ جائیں

منافقین کا حال بتاتے ہوئے فرمایا کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے جس میں اللہ پر ایمان لانے اور رسول ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا حکم ہوتا ہے تو ان میں سے پیسے والے اور مالی وسعت والے اجازت لینے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے۔ گھروں میں بیٹھے رہ جانے والوں میں ہمیں بھی شمار فرما لیجیے۔ اس میں ان کی بے غیرتی کی طرف اشارہ ہے۔ بہادر مردوں میں شمار ہونے کو تیار نہیں۔ ضعیفوں اور عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہنے کو تیار ہیں۔ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی (جنہیں اپنے نفع ونقصان کی بھی سمجھ نہیں۔)

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

لیکن رسول اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور یہ وہ لوگ ہیں

لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا

ان کے لئے خوبیاں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع

نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بشارت

منافقین کا حال بد بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان کو خوش خبری دی اور فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے ان کے لئے خیرات یعنی خوبیاں ہیں یعنی وہ دنیوی اور اخروی منافع ہیں جو محبوب اور پسندیدہ ہیں، دنیا میں اللہ کی طرف سے ان کے لئے نصرت ہے اور مال غنیمت ہے اور آخرت میں جنت ہے اور اس کی نعمتیں ہیں، بعض مفسرین نے الخیرات سے جنت کی حوریں مراد لی ہیں۔ کیونکہ سورۂ رحمٰن میں یہ کلمہ جنت کی حوروں کے لئے آیا ہے قال اللہ تبارک وتعالیٰ فِيْهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ۔

پھر فرمایا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اور یہی لوگ کامیاب ہیں) دنیا میں بھی خوب رہے اور آخرت میں بھی ابدی نعمتوں سے مالا مال ہوئے اس میں منافقین پر تعریض ہے جو یوں سمجھتے ہیں کہ ہم جو غزوہ میں ساتھ نہ گئے اور گرمی سے بچ گئے اس میں کامیابی ہے۔ درحقیقت یہ ان کی بے وقوفی ہے۔ کیونکہ کامیابی جہاد فی سبیل اللہ میں ہے جہاد چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جانے میں نہیں ہے پھر ان حضرات کی اخروی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (یہ بڑی کامیابی ہے)

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ

اور دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ بہانہ کرنے والے آئے تاکہ ان کو اجازت دے دی جائے، اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا

وہ بیٹھے رہ گئے، جو لوگ ان میں سے کفر ہی پر رہیں گے انہیں درد ناک عذاب پہنچے گا۔ ضعیفوں اور مریضوں اور ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ

جو خرچ کرنے کے لئے نہیں پاتے جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے خلوص دل سے حاضر ہوں، محسنین پر کوئی الزام

مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ

نہیں ہے اور اللہ غفور ہے رحیم ہے، اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس اس لئے حاضر ہوئے کہ آپ ان کو سواری دے دیں۔

لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا

آپ نے کہہ دیا کہ میں ایسی چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کر دوں، وہ اس حال میں واپس ہو گئے کہ اس رنج میں ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے کہ وہ خرچ

مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَأْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا

کرنے کے لئے نہیں پاتے۔ الزام تو انہی لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے آپ سے اجازت چاہتے ہیں وہ اس بات پر راضی ہو گئے

بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی سو وہ نہیں جانتے۔

جن حضرات کے پاس سواری نہ تھی وہ غزوۂ تبوک کی شرکت سے محرومی پر رور ہے تھے

رسول اللہ ﷺ نے جب غزوۂ تبوک میں شرکت کرنے کے لئے اپنے ہمراہ چلنے کی دعوت دی تو یہ دعوت اہل مدینہ اور آس پاس کے دیہات کے رہنے والے جو لوگ تھے ان سب کو عام تھی بہت سے منافقین ایسے تھے جنہوں نے عذر بھی پیش نہ کیا اور دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے گھروں میں رہ گئے اور بہت سے دیہات کے رہنے والے عذر پیش کرنے کے لئے آئے۔ وہ عذر پیش کر کے پیچھے رہ گئے پہلی آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (ان میں سے جو لوگ کفر ہی پر رہیں گے ان کو دردناک عذاب ہوگا) منافقین کے بارے میں جو اَلَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دعوائے ایمان میں اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے جھوٹ بولا تھا، دیہات کے لوگ عذر پیش کرنے کے لئے آئے تھے ان کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قبیلہ بنی اسد اور قبیلہ بنی غطفان کے لوگ تھے اور بعض حضرات نے قبیلہ بنی غفار کا بھی ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد ان مخلصین مسلمانوں کا ذکر فرمایا تھا کہ جن کو واقعی عذر تھا اور ساتھ ہی ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو معذور ہوتے ہوئے بھی خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہمیں بھی سواری دے دیجیے ہم بھی ساتھ چلیں گے۔

ارشاد ربانی ہے لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ کہ جو لوگ ضعیف ہیں اور جو لوگ مریض ہیں اور جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ان پر غزوہ میں شریک نہ ہونے کا کوئی گناہ نہیں اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔ جب کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے سچے دل سے اور خلوص کے ساتھ حاضر ہوں، ان کا ایمان بھی سچا، اقرار بھی سچا شرکت جہاد کے لئے جذبات بھی سچے ہیں مجبوری سے رہ گئے۔ ان کے دلوں میں پوری سچائی کے ساتھ یہ بات ہے کہ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو غزوہ میں ضرور ہی شریک ہوتے۔ انہوں نے عذر بنایا نہیں تھا۔ واقعی معذور تھے۔ مزید فرمایا مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۔ کہ جو لوگ نیکوکار ہیں ان پر کوئی الزام نہیں اور کوئی گرفت بھی نہیں وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے مخلصین اور محسنین کی کوتاہی کو معاف فرمادے گا۔

پھر فرمایا وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۔ اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے ساتھ آئے کہ آپ انہیں سواری دیں، ان کے جواب میں آپ نے فرمادیا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کرادوں۔ البدایہ والنہایہ صفحہ ۵ جلد ۵ میں لکھا ہے کہ سات افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواری کے لئے حاضر ہوئے تھے ان میں سے ایک سالم بن عمیر، دوسرے ثعلبہ بن زید تیسرے ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب، چوتھے عمرو بن الحمام، پانچویں عبداللہ بن مغفل، چھٹے حرمی بن عبداللہ اور

ساتویں عرباض بن ساریہ ﷺ تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول! ہم اپنے دل سے پوری طرح تیار ہیں آپؐ کے ساتھ سفر میں جانا چاہتے ہیں۔لیکن سواری نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہیں۔آپؐ ہمیں سواری عنایت فرمادیں قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُکُمْ عَلَیْہِ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سامان نہیں تاکہ تمہارے لئے سواری کا انتظام کردوں تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ (وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے اس وجہ سے آنسو بہ رہے تھے کہ وہ خرچ کرنے کے لئے نہیں پاتے)

اول تو یہ حضرات معذور تھے واقعی معذوری ہی جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لئے کافی تھی۔پھرانہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اور واقعی عذر کو بھی عذر نہ سمجھا اور انہیں یہ گوارانہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے جائیں اور خود پیچھے رہ جائیں۔وہ خدمت عالی میں حاضر ہوئے کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام فرمادیں۔جب آپ نے فرمادیا کہ میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہے تو اس پر بھی بس نہ کیا اور اپنے دلوں میں یوں نہ کہا اب تو ہم نے اپنی آخری کوشش کرلی اب جہاد میں نہ گئے تو کیا حرج؟ وہ اپنی معذوری والی مجبوری پر رنجیدہ ہورہے تھے اور رنج بھی معمولی نہیں ان کے چہروں پر آنسوؤں کی لڑی تھی اور وہ اس رنج میں گھلے جارہے تھے کہ ہائے ہمارے پاس انتظام نہیں ہے،انتظام ہوتا تو ہم ضرور ساتھ جاتے۔اس موقعہ پر جہاں وہ لوگ موجود تھے جو جھوٹے عذر بنابنا کر پیچھے ہٹ رہے تھے ان میں وہ حضرات بھی تھے جو عذر ہوتے ہوئے بھی جہاد کی شرکت کے لئے تڑپ رہے تھے۔حضرات صحابۂ کرامؓ نے امت کے لئے کیسی کیسی قابل اقتداء روایات چھوڑی ہیں۔

اس کے بعد آپؐ نے بعض حضرات کے لئے سواری کا انتظام فرمادیا اور بعض حضرات کے لئے انتظام کی صورت یہ ہوئی کہ ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب اور عبداللہ بن مغفل ﷺ کی راستہ میں یامین بن عمیر نضری ﷺ سے ملاقات ہوگئی۔یہ دونوں روتے ہوئے جارہے تھے۔یامین نے دریافت کیا تم کیوں رورہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں تاکہ آپؐ کے ساتھ سفر میں جائیں۔آپؐ ہمارے لئے سواری کا انتظام فرمادیں۔آنحضرت ﷺ کے پاس بھی سواری نہیں تھی جو عنایت فرمادیتے ہمارا رونا اسی وجہ سے ہے کہ شرکت جہاد سے رہے جارہے ہیں۔اس پر یامینؓ نے اپنی ایک اونٹنی پیش کردی اور اپنے پاس سے بطور توشہ کھجوریں بھی دے دیں اور ثعلبہ بن زید کے ساتھ یہ ہوا کہ وہ رات کو نماز پڑھتے رہے اور روتے رہے اور یوں دعا کی کہ اے اللہ! آپ نے جہاد کا حکم فرمایا اور اس میں شرکت کی ترغیب دی پھر مجھے مال نہیں دیا جس سے میں جہاد کی شرکت کے لئے قوت حاصل کرلیتا اور نہ آپ نے اپنے رسول ﷺ کو (اس وقت) مال عطا فرمایا تاکہ میرے لئے سواری کا انتظام فرمادیتے۔اب جہاد سے محرومی کے بدلہ میں یہ کرتا ہوں کہ جس کسی مسلمان سے مجھے کوئی تکلیف پہنچی ہے یا کسی کا مجھ پر کوئی مالی حق ہے میں اسے معاف کرتا ہوں۔جب صبح ہوئی رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کہ اس رات کس نے صدقہ دیا۔کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔آپؐ نے فرمایا آج رات جس نے صدقہ دیا ہو وہ کھڑا ہوجائے اس پر ثعلبہ بن زید کھڑے ہوئے اور اپنا حال بتایا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو،قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارے لئے مقبول زکوٰۃ کا ثواب لکھا گیا۔

غزوۂ تبوک کی تیاری کے لئے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے قبیلے کے چند افراد نے بھی حضرت ابوموسیٰ کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کی تھی کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام کیا جائے اس وقت آپ نے ان کے لئے چھ

اونٹوں کا انتظام فرما دیا۔ (ایضاً صفحہ ۶ جلد ۵)

اس کے بعد فرمایا: اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ الزام انہیں لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے آپ سے اجازت لیتے ہیں رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ یہ لوگ اسی پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں (اپنی مالی استطاعت کی وجہ سے غزوہ میں جا سکتے ہیں اور ان کو ضعف اور مرض بھی نہیں ہے پھر بھی نہیں جاتے اپنے آپ کو عورتوں کے زمرہ میں شمار کر لیا نہ وہ گئیں اور نہ یہ لوگ جانے پر راضی ہوئے۔ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی لہٰذا وہ نہیں جانتے کہ دنیاوی تکلیف اٹھا کر آخرت کے بہت بڑے ثواب اور بلند درجات کا مستحق ہونا بہت بڑی کامیابی ہے۔

☆☆☆..................☆☆☆
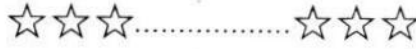
(پارہ نمبر ۱۱)

الجزء ۱۱

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا

وہ لوگ آپ کے پاس عذر پیش کریں گے جب آپ ان کی طرف واپس ہوں گے، آپ فرما دیجئے عذر پیش نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات کو سچی نہ مانیں گے۔ اللہ نے تمہاری

اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

خبریں ہمیں بتا دی ہیں، اور عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی۔ پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپی ہوئی اور ظاہری باتوں کا جاننے والا ہے،

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا

سو وہ تمہیں ان کاموں سے باخبر فرما دے گا جو تم کیا کرتے تھے، وہ عنقریب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے درگزر کرو۔ سو آپ

عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۚ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾

ان سے اعراض کریں بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ان کو ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

تبوک سے واپسی پر عذر پیش کرنے والوں کو جواب

تفسیر: جن لوگوں نے تبوک سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹے عذر پیش کئے تھے ان کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ آپ کی واپسی پر لوگ عذر پیش کریں گے۔ آپ ان سے فرمادیں کہ ہم تمہاری بات سچی نہیں مانیں گے تمہارے حالات کی اللہ نے ہمیں پہلے ہی خبر دے دی ہے اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول ﷺ تمہاری کارگزاری دیکھ لے گا اور تمہاری پول کھلتی رہے گی۔ یہ ذلت تو دنیا میں ہوگی پھر اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غیب اور شہادۃ کا جاننے والا ہے جو چیزیں ظاہری ہیں وہ انہیں بھی جانتا ہے اور جو چیزیں مخلوق سے پوشیدہ ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہے۔ جب قیامت کے دن حاضری ہوگی تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر فرما دے گا۔ تم جو برے اعمال کرتے تھے وہ سب تمہارے سامنے آجائیں گے۔ مسلمانوں سے مزید خطاب فرمایا کہ جب تم سفر سے واپس ہو کر ان کے پاس پہنچو گے تو تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے اعراض کرو اور درگزر کرنے کا معاملہ کرو اعراض تو تم کر لینا لیکن رضامندی کے طور پر نہیں بلکہ ناراضگی والا اعراض کرنا کیونکہ یہ لوگ ناپاک ہیں (ان کے عقائد اور اعمال گندے ہیں) اور انجام کار ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یہ دوزخ ان کے اعمال کے بدلہ ہے جو وہ دنیا میں کرتے تھے

مزید فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے سامنے تمہیں راضی کرنے کے لئے قسمیں کھائیں گے۔ (تم ان سے راضی مت ہونا بالفرض) اگر تم ان

سے راضی ہو گئے تو (اس رضا مندی سے) انہیں کچھ نفع نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ آیت جد بن قیس اور معتب بن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اسی آدمی تھے جو اپنے نفاق کی وجہ سے تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ اٹھیں بیٹھیں اور نہ ان سے بات چیت کریں۔ (یہ حکم اعْرِضُوْا عَنْهُمْ پر عمل کرنے کے لئے تھا)

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ

دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام نازل فرمائے ہیں ان سے واقف نہ ہوں

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ

اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے اور دیہاتیوں میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے خرچ کرنے کو تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے لئے مصیبتوں کے آنے کے منتظر رہتے ہیں۔

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

ان پر بری گردش ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے اور دیہاتیوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ

اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ خبردار یہ ان کے لئے نزدیکی کا سبب ہے اللہ عنقریب

اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے، رحیم ہے۔

ع ۱۲ / ۱۰

دیہاتیوں میں سخت نفاق والے بھی ہیں اور مخلصین بھی

ان آیات میں اعراب یعنی دیہات کے رہنے والوں کا حال بتایا ہے۔ اول تو یہ بتایا کہ دیہاتی کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں علم کے ماحول سے دور ہونے کی وجہ سے ان کا یہی حال ہونا چاہیے کہ اللہ کے احکام کا انہیں علم نہ ہو جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائے ایمان و یقین اور علم و عمل کے ماحول میں رہیں تو کفر سے بچیں اور نفاق سے بھی، اور اللہ کے احکام کو بھی جانیں، لیکن مرکز علم سے دوری کی وجہ سے ان میں کفر بھی شدید ہے اور نفاق اور جہالت میں بھی آگے آگے ہیں۔ قال صاحب الروح (صفحہ ۴ جلد ۱) اشد کفرا ونفاقا من اہل الحضر الکفار والمنافقین لتوحشہم وقساوۃ قلوبہم وعدم مخالطتہم اہل الحکمۃ وحرمانہم استماع الکتاب والسنۃ وہم اشبہ شیء بالبہائم اھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں دیہاتوں کے کفار و منافقین اپنے کفر و نفاق میں سخت اس لئے ہیں کہ ان کی طبیعت نامانوس ہے اور ان کے دل سخت ہیں اور اہل علم سے میل نہ ہونے کی وجہ سے اور کتاب و سنت کے سننے سے محروم ہونے کی وجہ سے اور وہ چوپایوں کے بہت زیادہ مشابہ ہیں)

دیہاتیوں میں عموماً سخت مزاجی ہوتی ہے، سنن ابی داؤد (باب فی اتباع الصید) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من سکن البادیۃ جفا ومن اتبع الصید غفل ومن اتی السلطان افتتن۔ (جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت مزاج ہوا اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ

غافل ہوا اور جو شخص صاحب اقتدار کے پاس آتا جاتا رہا وہ فتنے میں پڑ گیا) درحقیقت دیہات کا مزاج ہی ایسا ہے کہ طبیعت میں سختی آ جاتی ہے اور علم سے دور رہتے ہیں جس کی وجہ سے عمل سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اس کے بعد دیہاتیوں کی دو قسمیں بتائیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو جہاد وغیرہ میں کچھ خرچ کر دیتے ہیں تو اسے ایک قسم کا جرمانہ اور تاوان سمجھتے ہیں کیونکہ ثواب کے امیدوار نہیں اس لئے یہ خرچ ان کے نفسوں پر شاق گزرتا ہے جیسے خواہ مخواہ کا تاوان بھگت رہے ہوں اور اس بخل کی صفت کے ساتھ ان کی عداوت کا یہ عالم ہے کہ وہ مسلمانوں کے لیے گردشوں کے منتظر رہتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی گردش پڑ جائے جس سے ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۔ (انہی لوگوں پر بری گردش پڑنے والی ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا مسلمانوں کی ترقی ہوتی چلی گئی۔ ممالک فتح ہوئے منافق اور کافر ذلیل ہوئے۔ اپنی امیدوں میں ناکام ہوئے اور ان کی آرزوئیں جو مسلمانوں کے خلاف تھیں دل ہی دل میں رہ گئیں۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ (اور اللہ تعالیٰ ان کے کفر و نفاق کی باتیں سننے والا ہے اور ان کے احوال کو اور ان کی نیتوں اور ارادوں کو جاننے والا ہے) ان کے احوال اور اعمال کے مطابق سزا دے گا۔ دیہاتیوں کی دوسری قسم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (الاٰية) اور دیہاتیوں میں بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ ان کا مقصد اجر و ثواب حاصل کرنا اور اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے دعائیں لینا ہے۔ لہٰذا جو مال خرچ کرتے ہیں اور جو مال خرچ کیا ہے بطور تاوان بددلی کے ساتھ نہیں بلکہ پوری بشاشت کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کرتے ہیں ان کے اموال جو خرچ ہوتے ہیں واقعی وہ اللہ کی نزدیکی کا سبب ہیں اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ

اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ سبقت لے جانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ

اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار اور ان کا اتباع کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے

اس آیت میں حضرات مہاجرین اور انصار میں جو سابقین اولین تھے ان کی تعریف فرمائی اور جنہوں نے احسان اور اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا ان کی بھی تعریف فرمائی اور یہ اعلان فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ بھی اللہ سے راضی ہوئے۔ ان کی اخروی نعمتوں کا بھی تذکرہ فرمایا کہ ان کے لئے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہاں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور آخر میں فرمایا کہ یہ بڑی کامیابی ہے۔

جن حضرات نے اسلام کی طرف سبقت کی مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے اور جن حضرات نے ان کا اتباع کیا اور یہ اتباع اخلاص کے ساتھ تھا ان سب کی فضیلت اور منقبت آیت بالا سے ظاہر ہو رہی ہے جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا ان میں وہ صحابہ بھی ہیں جو ان کے بعد مسلمان ہوئے اور وہ لوگ بھی ہیں جو صحابیت کی عظیم مرتبہ سے مشرف نہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سابقین اولین مہاجرین وانصار کی راہ پر چلے جنہیں تابعین کہا جاتا ہے۔ اس آیت سے واضح طور پر مہاجرین اور انصار کے بارے میں اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اس بات کا اعلان ہے کہ یہ حضرات جنتی ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، سابقین اولین میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ہیں۔

روافض کی گمراہی .... روافض کا جو یہ کہنا ہے کہ "حضرت ابوبکر و عمر مسلمان نہیں تھے اور یہ کہ تین چار صحابہؓ کے علاوہ باقی سب مرتد ہو گئے" (العیاذ باللہ) ان کی یہ بات آیت بالا کی تکذیب کر رہی ہے جو شخص کسی آیت کی تکذیب کرے وہ خود کافر ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو مہاجرین وانصار سابقین اولین اور ان کے متبعین سے راضی ہونے کا اعلان فرما دیا لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اعلان صحیح نہیں ان کے عقیدہ میں تین چار صحابہ کے علاوہ باقی سب دوزخ میں ہیں اور خاص کر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے معذب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان سے راضی ہونے کا اعلان فرما دیا اور ہمیشہ ہمیشہ ان کے جنت میں رہنے کی خوشخبری دے دی تو اس پر وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بدا ہو گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کو اس وقت معلوم نہیں تھا جب رضامندی کا اعلان فرمایا کہ یہ لوگ مرتد ہو جائیں گے۔ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) اپنی بات کی پچ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اعلان کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ملحدوں اور زندیقوں کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۔ جسے اللہ گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑا ہے) آیت بالا میں مہاجرین وانصار میں جو سابقین اولین تھے اور ان کا اتباع کرنیوالوں کی منقبت بیان فرمائی۔ اور اس کے بعد والے رکوع میں مطلق مہاجرین وانصار کی تعریف فرمائی۔ اور سورۃ الفتح کی آیت لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ میں ان سب حضرات سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا جنہوں نے حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت کی تھی جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے پھر سورۃ الفتح کے ختم پر تمام صحابہؓ کی تعریف بیان فرمائی اور فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الآیۃ) اور آخر ان کے لئے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا۔ ان سب آیات کی تصریحات کے خلاف روافض کہتے ہیں کہ بجز تین چار صحابہ کے کوئی بھی مسلمان نہ رہا۔ انہیں حضرات صحابہ پر کفر چپکانے پر تو اصرار ہے لیکن اپنے مؤمن ہونے کی طرف ذرا دھیان نہیں۔ اپنی طرف بھی تو دیکھو قرآنی آیات کے منکر ہو کر تم کیسے مؤمن ہو؟ کیا حضرات صحابۂ کرامؓ کو کافر کہہ دینے سے آخرت میں نجات ہو جائے گی۔ یوم آخرت میں خود مؤمن ہو کر پیش ہونے کو کیوں ضروری نہیں سمجھتے۔ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ۔

حضرات مہاجرین وانصار اور ان کا اتباع کرنے والے جنتی ہیں

فائدہ .... وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ جو فرمایا ہے اس میں قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اعلان ہو گیا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرات صحابۂ کرامؓ کا اتباع کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جنہیں اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔ بہت سے فرقے اسلام کے دعویدار ہیں لیکن ان میں جو بھی کوئی حضرات صحابہؓ کے طریقہ کر دیں پر نہیں ہیں وہ سب

گمراہ ہیں۔ قرآن مجید بھی حضرات صحابہ کرامؓ کے واسطہ سے ملا ہے، اور رسول کے ارشادات بھی انہی حضرات کے ذریعے پہنچے ہیں جو ہر مسلمان کے لئے مشعل راہ ہیں۔ جو لوگ حضرات صحابہ کرام کو مسلمان نہیں مانتے ان کے پاس خود ان کے دعویٰ کے مطابق نہ تو قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور نہ رسول ﷺ کے ارشادات ہیں اور اسی لئے ان کی زندگی میں اسلامی اعمال نہیں۔ آیت بالا میں اور سورۂ نساء کی آیت وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ ۔ میں حضرات صحابہؓ اور ان کے تبعین کو اور اہل ایمان کو معیار حق فرمایا ہے۔ آپ نے یہ فرمایا کہ میرے بعد بہت زیادہ اختلاف دیکھو گے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها و عضوا علیها بالنواجذ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۰) (یعنی تم پر لازم ہے کہ میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کو لازم پکڑ و اسی پر بھروسہ رکھو اور اسکو داڑھوں سے مضبوط پکڑے رہو) پھر جب تہتر فرقوں کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا تو اس پر حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ فرقہ کونسا ہے؟ اس پر آپؐ نے فرمایا: ما انا علیه و اصحابی کہ جس طریقے پر میں اور میرے صحابہ ہیں جو جماعت اس طریقہ پر ہوگی وہ نجات والی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۰) اس میں بھی حضرات صحابہ کو معیار حق بتایا، اب ہر مدعی اسلام سوچ لے کہ وہ خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے راستہ پر ہے یا نہیں، اپنے افکار عقائد و اعمال کا جائزہ لے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ

اور تمہارے گرد و پیش جو دیہاتی ہیں ان میں منافق ہیں اور اہل مدینہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو منافقت پر اڑ گئے ہیں، آپ انہیں نہیں جانتے۔

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾

ہم انہیں جانتے ہیں، ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے، پھر وہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

مع عند المتقدمین وقف منزل

مدینہ منورہ اور آس پاس کے دیہات میں رہنے والے منافقین کا تذکرہ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مدینہ منورہ کے آس پاس رہنے والے دیہاتوں میں منافقین ہیں۔ صاحب معالم التنزیل نے اس سلسلہ میں بنی مُزَيْنَه و بنی جُهَيْنَه وغیرہم کے نام لکھے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ اہل مدینہ میں سے بھی بعض لوگ منافق ہیں اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اوس اور خزرج میں منافق تھے۔ ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ منافقت پر مصر ہیں۔ مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں (جو لوگ مدینہ منورہ میں رہتے ہیں وہ صرف مدینہ منورہ ہی میں رہنے کو سب کچھ نہ سمجھیں اپنے ایمان اور اعمال کی بھی خبر لیں۔ اب بھی مدینہ منورہ میں خاصی تعداد میں روافض ہیں اور دجال کے تذکرہ میں احادیث شریفہ میں بتایا ہے کہ جب دجال مدینہ منورہ کا رخ کرے گا تو شہر میں داخل نہ ہو سکے گا (اُحد پہاڑ کے پیچھے) شور زمین میں ٹھہر جائے گا اس وقت مدینہ منورہ میں تین بار زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے ہر منافق مدینہ منورہ سے نکل کر اس کے پاس پہنچ جائیگا بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ محض اقامت مدینہ منورہ کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ خواہ عقائد و اعمال کیسے ہوں۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ پھر فرمایا: لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔ (آپ انہیں نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں) سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ۔ (عنقریب ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے) ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۔ پھر وہ بڑے عذاب (یعنی دوزخ) کی طرف لوٹائے جائیں گے) سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے بار بار عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے اور بعض اکابر نے اس کا ترجمہ دہری سزا کا کیا ہے اس کے بارے

میں مفسرین کے اور بھی اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ منافقین کو ایک دن جمعہ کے روز جب آنحضرت ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو نام لے لے کر مسجد سے نکال دیا اور فرمایا: اے فلاں! تو منافق ہے نکل جا، پہلا عذاب تو یہ رسوائی کا عذاب ہوا اور دوسرے عذاب سے عذاب قبر مراد ہے۔ یہ اقوال علامہ بغویؒ نے معالم التنزیل (صفحہ ۳۲۲ جلد ۲) میں نقل کئے ہیں۔ جن حضرات نے دوسرا عذاب، عذاب آخرت بتایا ہے۔ بظاہر یہ بات صحیح نہیں کیونکہ دوزخ کا عذاب بعد میں مذکور ہے۔ وھو قولہ تعالیٰ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا انہوں نے ملے جلے عمل کئے جن میں نیک عمل بھی ہیں اور برے اعمال بھی۔ عنقریب اللہ ان

يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ

کی توبہ قبول فرما لے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ آپ ان کے اموال سے صدقہ لے لیجئے جو انہیں پاک کرے گا اور ان کو

عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ

دعا دیجئے، بے شک آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى

اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ خوب زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے اور آپ فرما دیجئے کہ

اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

عمل کرتے رہو سو عنقریب اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی اور اہل ایمان بھی، اور عنقریب تم اس ذات پاک کی طرف لوٹائے جاؤ گے جسے چھپی ہوئی چیزوں کا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ

اور کھلی ہوئی چیزوں کا علم ہے پھر وہ تمہیں جتا دے گا جو عمل تم کیا کرتے تھے۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک مؤخر کیا ہوا ہے وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ

عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

قبول فرمائے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے۔

مؤمنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے

جو منافقین غزوۂ تبوک میں شرکت کے لئے جانے سے رہ گئے تھے پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کے واپس تشریف لانے پر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے (جن میں اہل مدینہ اور مدینہ منورہ کی آس پاس کی بستیوں کے رہنے والے دیہاتی بھی تھے) ان کا تذکرہ فرمانے کے بعد ان مؤمنین مخلصین کا تذکرہ فرمایا جو اپنے ایمان میں سچے ہوتے ہوئے سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت تو وہ رہ گئے اور ساتھ نہ گئے لیکن بعد میں پچھتائے اور نادم ہوئے کہ ہم عورتوں کے ساتھ سایوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ دھوپ کی گرمی اور سفر کی مشقت اور تکلیف میں ہیں ہمارے لئے پیچھے رہ جانا کسی طرح درست نہ تھا۔ جب ان حضرات کو

رسول اللہ ﷺ کے واپس تشریف لانے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنی جانوں کو نہیں کھولیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے ہمیں نہ کھولیں، آپ کا جب ان کی طرف گزر ہوا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ جب تک آپ نہ کھولیں گے اور ان سے راضی نہ ہوں گے اس وقت تک وہ بندھے ہی رہیں گے آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں بھی انہیں نہیں کھولوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو کھولنے کا حکم نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہ نکلے۔ لہٰذا اب مجھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار ہے جیسا حکم ہوگا اس پر عمل کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا (الاٰیۃ) نازل فرمائی اور آپ نے ان کو کھول دیا۔ چونکہ یہ حضرات مخلص مؤمن تھے اور اپنے گناہ کا اقرار بھی کر لیا جو توبہ کا جزو عظیم ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والے عمل سے انہوں نے توبہ کر لی اور پہلے سے بھی نیک عمل کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے بھی ادائے فرائض اور دیگر نیک کاموں میں لگے رہے اس لئے ان کے بارے میں فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا اور نیک عمل کو برے عمل سے ساتھ ملا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کی خوشخبری دی عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ کہ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا (چنانچہ ان کی توبہ قبول ہوگئی) اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بلاشبہ اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے)

جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے پاس جو یہ اموال ہیں انہیں نے ہم کو پیچھے ڈالا اور جہاد کی شرکت سے روکا۔ لہٰذا ہم ان کا صدقہ کر دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں ہوا اس پر آیت کریمہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا نازل ہوئی یعنی آپؐ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک اور صاف کر دیں (یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو صدقہ کے آلہ تطہیر و تزکیہ ہونے کا کیا معنی؟

حکیم الامت قدس سرہ، نے بیان القرآن میں اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے لیکن گاہے اسکی ظلمت و کدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور گو اس پر مواخذہ نہیں لیکن اس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے پس صدقہ سے خصوصاً بوجہ حدیث الصدقه تطفئی غضب الرب اور دیگر اعمال صالحہ سے عموماً یہ ظلمت اور کدورت مندفع ہو جاتی ہے۔)

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ (اور آپ ان کے لئے دعا کیجیے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے اطمینان قلب کا ذریعہ ہے۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے (وہ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کے احوال ظاہرہ باطنہ جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ کن لوگوں نے جھوٹے عذر پیش کئے اور جن مخلصین نے سچے دل سے توبہ کی اور اخلاص کے ساتھ اپنے اموال پیش کئے اللہ تعالیٰ کو ان کا بھی علم ہے۔

جن حضرات نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا یہ کتنے حضرات تھے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ دس افراد تھے اور سعید بن جبیرؒ اور زید بن اسلمؒ نے فرمایا کہ آٹھ افراد تھے۔ حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ یہ سات آدمی تھے۔ حضرت ابن عباس کا ایک قول یہ بھی ہے کہ پانچ آدمی تھے اور ان سب میں حضرت ابولبابہؓ کا اسم گرامی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اگر چہ مشہور یہ ہے کہ ان کا مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ دینا قتل بنی قریظہ کے سلسلہ میں تھا

(کہ انہوں نے پہلے سے اشارہ کر کے بتا دیا تھا کہ تمہارے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے)۔ (معالم التنزیل صفحہ ۳۲۳-۳۲۴ جلد۲)

حافظ ابن کثیر (صفحہ ۳۸۵ جلد۲) لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ اگر چہ چند خاص افراد کے بارے میں نازل ہوئی لیکن اس کا حکم تمام گناہ گاروں کے لئے عام ہے۔ جو گناہوں میں بھی ملوث ہوتے ہیں اور نیک اعمال بھی کرتے ہیں۔اھ

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص گناہوں میں لگا رہتا ہو، وہ یہ نہ سمجھے کہ میں تو گناہ گار ہوں۔ نیک کاموں میں کیا لگوں، اگر گناہ نہیں چھوڑتا تو جہاں تک ممکن ہو نیک کاموں کو بھی نہ چھوڑے۔ یہ نیک کام سیئات کا کفارہ بھی بنتے رہیں گے اور توبہ کی توفیق ہونے کا بھی ذریعہ بنیں گے۔ گناہوں کے ہوتے ہوئے بھی بشرط اخلاص نیک اعمال نیکیوں ہی میں شمار ہوتے ہیں (الا ما کان حابطاللاعمال)۔

پھر فرمایا اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (الاٰیة) اس کا شان نزول بتاتے ہوئے (درمنثور صفحہ ۲۷۵ جلد۳) میں لکھا ہے کہ جب ان حضرات کی توبہ قبول ہوگئی جنہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا تو پھر بے تکلف مسلمانوں کے ساتھ رہنے سہنے لگے اس پر منافقین نے کہا کہ کل تک تو یہ لوگ اسی حال میں تھے جس میں ہم ہیں نہ ان سے کوئی بات کرتا تھا اور نہ ان کے پاس کوئی شخص بیٹھتا تھا آج کیا ہوا (کہ سب مسلمان ان سے خوش ہیں اور ہم سے بدستور ناراض ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، نازل فرمائی (کیا انہیں معلوم نہیں کہ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے رحم کرنے والا ہے) اس میں منافقوں کو جواب دے دیا کہ تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ کل تک یہ لوگ ہماری ہی طرح سے تھے آج ان کی شان ہی اور ہے اور ہم سے مختلف ہیں اس میں تعجب اور اعتراض کی کوئی بات نہیں ہے یہ لوگ پہلے سے مؤمن تھے اور اپنی بے عذر والی غیر حاضری پر نادم بھی ہوئے اور توبہ بھی کی اور صدقہ بھی دیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے طالب ہوئے اور تم وہی اپنے نفاق پر جمے ہوئے ہو تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اپنے کئے پر ندامت نہیں تو ان کے جیسے کس طرح ہو سکتے ہو۔

پھر فرمایا وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۔ (اور آپ ان سے فرما دیجئے کہ عمل کئے جاؤ، اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی اور مؤمنین بھی دیکھ لیں گے) حضرت مجاہد تابعیؒ نے فرمایا کہ یہ وعید کے طور پر فرمایا ہے دنیا میں جو بھی کوئی شخص کوئی عمل کرے گا اللہ تعالیٰ شانہٗ کو تو بہر حال اس کا علم ہی ہے وہ ازل سے سب کچھ جانتا ہے اور جب کوئی عمل کسی سے صادر ہوا اس کے وقوع کو بھی جان لیتا ہے۔ نیز لوگوں کے اعمال مخلوق سے بھی پوشیدہ نہیں رہتے۔ جب جیسا کوئی عمل کرے گا اگر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہوگا تو آپ بھی اسے جان لیں گے اور مؤمنین کے سامنے جس کا جو عمل سامنے آئے گا وہ بھی اس سے واقف ہو جائیں گے اگر کوئی شخص برا عمل کرے تو بعض مرتبہ دنیا میں بھی اس کی ذلت اور خواری سامنے آجاتی ہے اور اس عمل پر دنیا کے عذاب میں بھی مبتلا کر دئیے جاتے ہیں۔ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (اور عنقریب ایسی ذات پاک کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاہر اور پوشیدہ تمام اعمال واقوال اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔ وہ بتا دے گا کہ تم لوگ کیا کرتے تھے) اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا کے بعد آخرت کی پیشی بھی ہے وہاں محاسبہ اور مواخذہ ہے۔ منافق اپنے نفاق سے باز آجائیں اور مؤمنین جن سے گناہ سرزد ہوئے ہیں وہ بھی آئندہ احتیاط رکھیں اور گناہوں سے پرہیز کریں۔

پھر فرمایا: وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے) اس آیت میں ان تین صحابیوں کا ذکر ہے بلا عذر تبوک

میں جانے سے رہ گئے تھے۔ انہیں اس پر ندامت بھی تھی اور سچائی کے ساتھ انہوں نے عرض کر دیا تھا کہ ہم واقعی بلا عذر رہ گئے تھے۔ لیکن ان لوگوں کی طرح سے توبہ کے لئے پیش بھی نہ ہوئے جنہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا۔ یہ تین آدمی تھے۔ کعب بن مالک۔ ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بول چال کرنے اور ان کے ساتھ ملنے جلنے سے صحابہؓ کو منع فرما دیا تھا۔ جب ان کو یہ تکلیف بہت بھاری پڑی اور زمین ان پر تنگ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اس کا تفصیلی واقعہ آئندہ رکوع کی آیت وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا۔ کی تفسیر میں بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا

اور جن لوگوں نے اس لئے مسجد بنائی کہ ضرر پہنچائیں اور کفر اختیار کئے رہیں اور مؤمنین کے درمیان پھوٹ ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا انتظام کریں

لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ

جس نے اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی، اور البتہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی ہی کا ارادہ کیا تھا اور اللہ گواہی

اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ

دیتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو وہ اس لائق ہے کہ آپ

تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸ اَفَمَنْ اَسَّسَ

اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ "اپنی عمارت

بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ

کی بنیاد اللہ سے ڈرنے اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو" وہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے جس کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر رکھی گئی ہو جو گرنے والی ہے پھر وہ

فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۹ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ

اسے لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑے، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ انہوں نے جو عمارت بنائی وہ ہمیشہ ان

بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۱۰ ع

کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی۔ الا یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

منافقین کی ایک بہت بڑی مکاری اور مسجد ضرار کی بناء

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر (صفحہ ۳۸۷ جلد ۲) میں ان آیات کا شان نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے قبیلہ بنوخزرج میں سے ایک شخص (جسے ابو عامر کہا جاتا تھا) زمانہ جاہلیت میں نصرانی بن گیا تھا۔ وہ راہب اور عبادت گزار تھا۔ اس نے اہل کتاب سے علم بھی حاصل کرلیا تھا۔ قبیلہ بنی خزرج میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور اسلام کا کلمہ بلند ہوگیا۔ تو اس ملعون کو بہت ہی ناگوار ہوا۔ (جیسا کہ منافقین نے دشمنی کا مظاہرہ کیا)

یہ مدینہ منورہ سے فرار ہو کر مکہ معظمہ پہنچ گیا۔

وہاں اس نے مشرکین کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا جس کی وجہ سے وہ لوگ دیگر قبائل کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لئے آ گئے اور اس کے نتیجے میں احد کا معرکہ پیش آیا کہتے ہیں کہ اس لعین نے وہاں چند گڑھے کھود دیئے تھے جس میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ گر پڑے تھے جو آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہونے اور دندان مبارک شہید ہونے کا سبب بنا۔ (جس کا ذکر سورۂ آل عمران کی تفسیر میں گزر چکا ہے) (انوار البیان ج۱) جب اُحد میں مؤمنین، اور کافرین کا مقابلہ شروع ہوا تو ابو عامر اپنی قوم (یعنی انصار) کی طرف بڑھا اور ان کو اپنی مدد کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ ان حضرات نے اسے بہت برا کہا اور اس سے کہا کہ تو اللہ کا دشمن ہے اور اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اس کا ساتھ نہ دیا۔ تفسیر ابن کثیر اور معالم التنزیل (صفحہ ۳۲۶ جلد۲) میں لکھا ہے کہ ابو عامر (جو حضرت حنظلہ (غسیل الملائکہ) ؓ کا باپ تھا) زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ ٹاٹ کے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ جب نبی اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس نے دریافت کیا کہ آپؐ کون سا دین لے کر آئے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میں ملت حنیفیہ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی ملت لے کر آیا ہوں۔ ابو عامر نے کہا کہ ہم دونوں میں سے جو بھی جھوٹا ہو اللہ اسے ایسی جگہ موت دے جہاں وہ تنہا ہو، پردیسی ہو، دور پھینکا ہوا ہو، اس پر آپؐ نے آمین فرمایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ شخص اپنی بددعا کے مطابق شام میں جا کر مر گیا۔ جہاں کوئی اس کی خبر لینے والا نہ تھا۔ معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابو عامر نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ جو لوگ بھی آپؐ سے جنگ کریں گے میں ان کے ساتھ مل کر آپؐ سے لڑوں گا۔ اس کے بعد آپؐ کے دشمنوں کے ساتھ مل کر برابر آپؐ کے مقابلہ میں آتا رہا۔ اور غزوہ حنین تک اس نے اس پر عمل کیا۔ جب حنین میں بنی ہوازن کو شکست ہوگئی تو یہ ناامید ہو گیا اور شام کی طرف بھاگ نکلا، وہاں سے اس نے منافقین کو پیغام بھیجا کہ جہاں تک ممکن ہو قوت اور ہتھیار جمع کر لو اور میرے لئے ایک مسجد بنا لو، میں قیصر کے پاس جا رہا ہوں جو روم کا بادشاہ ہے میں رومیوں کا لشکر لے کر آؤں گا اور محمد (ﷺ) اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ منورہ سے نکال دوں گا۔ اس کا پیغام آنے پر مسجد قباء کے قریب ہی مسجد ضرار بنائی گئی۔ انتہیٰ

چونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا غلبہ ہو چکا تھا جس کی وجہ سے منافقین نے ظاہر میں اسلام قبول کر لیا تھا اور کھل کر اسلام کے خلاف کوئی مشورہ نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ کوئی مرکز بنایا جا سکتا تھا اس لئے ان لوگوں نے اسلام ہی کے نام سے اپنا مرکز بنایا۔ یعنی مسجد کے عنوان سے ایک جگہ بنالی جو مسجد قباء کے قریب تھی۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے مسجد بنائی ہے۔ آپ اس میں نماز ادا فرمالیں اور مقصد ان کا یہ تھا کہ جب آپ اس میں نماز پڑھ لیں گے تو مسلمانوں کو اس کے مسجد ہونے کا یقین ہو جائے گا اور اس طرح کا کوئی شک وشبہ نہ کر سکیں گے کہ یہ مسجد کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ مسجد ہم نے ضعیف اور بیمار لوگوں کے لئے بنائی ہے تا کہ سردی اور بارش کی راتوں میں یہ لوگ قریب ہی نماز پڑھ سکیں، دور جانا نہ پڑے۔ آپؐ نے فرمایا اس وقت تو ہم سفر میں جا رہے ہیں جب واپس آئیں گے تو انشاء اللہ تمہاری فرمائش پوری کر دی جائے گی۔ آپؐ تبوک کے سفر میں تشریف لے گئے جب وہاں سے واپس ہوئے تو مدینہ منورہ پہنچنے میں ایک دن یا اس سے بھی کم مسافت باقی تھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ یہ مسجد، مسجدِ ضرار ہے جس کا مقصد اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا اور کفر پر جمار ہنا اور مؤمنین کی جماعت میں تفریق پیدا کرنا ہے کہ جو لوگ مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں ان کی جماعت کے کچھ لوگ اس مسجد ضرار میں آنے لگیں اور انہیں اپنے ڈھنگ پر ڈالا جا سکے۔

آنحضرت سرورِ عالم ﷺ ابھی مدینہ منورہ پہنچے بھی نہ تھے کہ راستہ میں ہی آپ نے بعض صحابہ کو بھیج دیا جنہوں نے مسجد ضرار کو آگ لگا دی اور اسے گرا دیا جن حضرات نے یہ کام کیا وہ مالک بن دخشم اور معن بن عدی رضی اللہ عنہ تھے۔ بعض حضرات نے معن کے بھائی عامر بن عدی کا بھی نام لیا ہے۔ معالم التنزیل میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار کو جلانے کا حکم دے کر یہ بھی حکم دیا تھا کہ اس کو کوڑا ڈالنے کی جگہ بنالیا جائے جس میں مردہ جانور اور بدبودار چیزیں ڈالی جایا کریں۔ حافظ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد ضرار کو بنانے والے بارہ آدمی تھے اور ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں، جب ان کا راز کھل گیا تو اپنی عادت کے مطابق وہی جھوٹی قسمیں کھانے لگے اور انہوں نے کہا اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰی (کہ ہم نے تو صرف خیر ہی کا ارادہ کیا تھا) اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی، اسلام اور مسلمان اور مسجد قباء کو ضرر دینا اور کفر پر جمے رہنا اور اہل ایمان میں تفریق ڈالنا اور اس شخص کے لئے سامان فراہم کرنا جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی۔ یہ ان کے مقاصد ہیں جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی اس سے ابو عامر مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو حکم فرمایا لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ۔ (آپ اس میں کبھی کھڑے بھی نہ ہوں) خطاب تو آپ کو ہے لیکن مسلمان آپ کے تابع تھے اس لئے سب مسلمان اس کے مخاطب ہیں۔ پھر فرمایا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ (البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر ڈالی گئی وہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں) اس سے مسجد قباء مراد ہے، جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر بنائی تھی۔ سفر ہجرت کے بعد جب آپ نے چند دن قباء میں قیام فرمایا انہی دنوں میں یہ مسجد تعمیر فرمائی اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی مسجد ہے آپ سوار ہو کر اور کبھی پیدل اس مسجد میں شہر مدینہ سے تشریف لایا کرتے تھے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

(اس وقت قباء شہر سے دور تھا راستہ میں جنگل پڑتا تھا آج کل مسلسل قباء تک اور اس کے بعد تک آبادی ہوگئی ہے) آپ نے جب یہ مسجد بنائی تھی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کا کعبہ متعین کر کے بتایا تھا۔ اس مسجد کی یہ بھی فضیلت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں نماز پڑھنا عمرہ کرنے کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی صفحہ ۴۷ جلد ۱)

پھر فرمایا فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ط وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ۔ (اس میں ایسے آدمی ہیں جو یہ پسند کرتے ہیں کہ خوب پاکی حاصل کریں اور اللہ بہت پاکی حاصل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) حضرت ابو ایوب، حضرت جابر، حضرت انس رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا کہ جب آیت شریفہ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ۔ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے انصار کی جماعت! بے شک اللہ نے پاکی اختیار کرنے کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو بتاؤ تمہاری کیا پاکیزگی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور جنابت ہو جائے تو غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہی بات ہے لہٰذا تم اس کے پابند رہو۔ (رواہ ابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۳ و ابوداؤد ایضاً (باب الاستنجاء بالماء)

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت مسند بزار میں بھی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم پہلے پتھروں سے استنجاء کرتے ہیں پھر پانی سے دھوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف پتھروں سے بڑا یا چھوٹا استنجاء کرے اور نجاست پھیلی ہوئی نہ ہو (یعنی جتنی مقدار صحت صلاۃ کے لئے معاف ہے اس سے زیادہ نہ ہو) تو صرف پتھروں کے استنجاء کرنے کے بعد اکتفا کر لینا درست ہے۔ عام طور سے اہل عرب پتھروں ہی پر اکتفا کرتے تھے۔ قباء کے نمازیوں نے پتھروں سے استنجاء کرنے کے بعد پانی استعمال کرنے کا طریقہ بھی اختیار کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کے پابند رہو۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کے لئے یہ قانون ہو گیا کہ پتھر ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی سے بھی دھویا کریں۔ اہل قباء کی پاکیزگی کی تعریف فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا وَاللّٰهُ یُحِبُّ

الْمُطَّهِّرِيْنَ ۔ کہ اللہ خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس میں یہ بتادیا کہ جو شخص بھی ناپاکیوں سے بچنے اور ان سے دور رہنے اور ناپاکی لگ جائے تو اس کے دھونے کا اہتمام کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا۔ جب ظاہری ناپاکی سے بچنے پر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے تو گناہوں سے بچنا تو اور زیادہ محبوبیت کا ذریعہ بنے گا کیونکہ باطنی ناپاکی زیادہ گندی ہے اس پر غور کرلیا جائے۔ اس بات کے پیش نظر حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پانی سے طہارت حاصل کرنا تو بلاشبہ اچھی بات ہے لیکن آیت میں گناہوں سے پاک ہونے والوں کو اللہ کا محبوب بتایا ہے۔ درحقیقت الفاظ کا عموم ہر طرح کی تطہیر کو شامل ہے گناہوں سے پاک ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے اور ظاہری ناپاکیوں سے پاک ہونا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

پھر فرمایا اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى (الاٰیۃ) کیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر رکھی ہو جو گرنے ہی کو ہو رہی ہو۔ پھر وہ عمارت اس بنانے والے کو دوزخ کی آگ میں لے کر گر پڑے جس جگہ پانی بہتا ہو وہاں پانی زمین کو کاٹتا رہتا ہے اور جس کنارے سے کاٹتا ہے اس میں اندر کی جگہ کھوکھلی رہ جاتی ہے اور اوپر سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جگہ کی طرح یہ جگہ بھی مضبوط ہوگی لیکن چونکہ وہ اندر سے خالی ہو چکی ہوتی ہے اس لئے وہ تھوڑی دیر میں گر جاتی ہے اسی کو عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ ۔ فرمایا یعنی جن لوگوں نے اغراض باطلہ کفریہ کے لئے مسجد کے نام سے عمارت بنائی اس کے لئے بقا نہیں ہے۔ جیسا کہ پانی کی کاٹی ہوئی زمین اندر سے خالی ہونے کی وجہ سے جلدی گر جاتی ہے اور صرف یہی نہیں کہ ان کی یہ عمارت گرنے والی ہے وہ خود بھی گرے گی اور اس کے بنانے والے بھی گریں گے اور ان لوگوں کا گرنا دوزخ میں ہوگا۔ کیونکہ اعمال کفریہ دوزخ میں لے جانے والے ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا انہوں نے مسجد کے نام سے عمارت بنائی اور اس میں اپنی اغراض کفریہ داخل کردیں۔ مسجد شعائر دین میں سے ہے انہوں نے اسے کفر کا مرکز بنایا ہدایت قبول کرنے کی بجائے گمراہی سے چپکے رہے۔ پھر فرمایا: لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ کہ انہوں نے جو یہ عمارت بنائی ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی کیونکہ جس غرض سے مسجد بنائی تھی پوری نہ ہوئی پھر وہ منہدم کردی گئی اور جلادی گئی اور بنانے والوں کی رسوائی بھی ہوئی۔ یہ ان کے دلوں کا کانٹا ہے جو ہمیشہ چبھتا رہے گا اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۔ مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ہو جائیں یعنی وہ مرجائیں گے تو یہ دلوں کی کھٹک ختم ہوگی، نہ خود رہیں گے نہ کھٹک رہے گی۔ (البتہ آخرت میں جو عذاب ہوگا وہ اپنی جگہ مستقل ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے)

فائدہ........ جو مسجد تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی اس سے کون سی مسجد مراد ہے؟ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مسجد قباء مراد ہے۔ لیکن بعض روایات میں ہے کہ اس سے مسجد نبوی مراد ہے۔ صحیح مسلم (صفحہ ۴۴۷ جلد ۱) میں ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ گھر میں تشریف رکھتے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! دونوں مسجدوں میں کون سی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ آپ نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں اور ان کو زمین پر مار دیا اور فرمایا کہ مسجد تقویٰ یہ میری مسجد ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى ۔ سے مسجد نبوی مراد ہے محققین نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں دونوں مسجدیں (مسجد قباء اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی ہیں اور دونوں کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ اس سے میری مسجد مراد ہے۔ اس میں اس کی نفی نہیں ہے کہ مسجد قباء کی بنیاد تقویٰ پر ہے

فائدہ........ اگر کوئی شخص دور حاضر میں تفریق بین المسلمین یا ریا و نمود کے لئے اور ضد اور عناد کی وجہ سے کوئی مسجد بنا دے تو چونکہ اس

کی نیت خیر نہیں اس لئے اسے مسجد بنانے کا ثواب نہ ملے گا۔ بلکہ وہ اپنی بری نیت کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ لیکن چونکہ یقینی طور دلوں کا حال بندوں کو معلوم نہیں اس لئے اس کو گرانا اور جلانا جائز نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق مسجد بنانے والے سے معاملہ فرمائے گا اور اس مسجد کے آداب و احکام وہی ہوں گے جو دیگر مساجد کے ہیں۔ اگر کوئی شخص ریا و نمود اور ضد و عناد کے لئے مسجد بنائے تو بہتر ہے کہ اس میں نماز نہ پڑھی جائے تا کہ اسے رسوائی کی سزا مل جائے لیکن اگر کسی نے اس میں نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائیگی۔

فائدہ .... شیطان بہت چالاک ہے وہ اپنے لوگوں کو متعدد طریقوں سے استعمال کرتا ہے۔ دین اور اہل دین کے خلاف کسی کو کھڑا کرنا ہو تو دین سے متعلقہ چیزوں کو ہی سامنے لاتا ہے اور اسی کو ذریعہ بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کرتا ہے۔ منافقین نے جو کفر اور نفاق اور اسلام کے خلاف محاذ آرائی اور جنگی تیاری کے لئے مرکز بنایا اس کا نام انہوں نے مسجد تجویز کر دیا اور سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس میں نماز پڑھنے کی درخواست کی تا کہ اس کے مسجد ہونے میں عامۃ المسلمین کو شبہ نہ رہے اور جیسے خوشی کے ساتھ مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں اسی طرح ان کی اس مسجد ضرار میں نماز پڑھتے رہیں۔ مقصد یہ تھا کہ اس تدبیر سے ہماری دشمنی پوشیدہ رہے گی اور ہماری نیتوں پر پردہ پڑا رہے گا اور اپنے مقصد میں چپکے چپکے آگے بڑھتے رہیں گے۔ یہود و نصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے ایسی تدبیریں کرتے رہتے ہیں اور بہت سے نام نہاد مسلمانوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر لیتے ہیں اس کی سب سے پہلی کڑی شیعیت کی بنیاد ہے۔ جب یہود کو اسلام کی ترقی بہت زیادہ کھلنے لگی تو انہوں نے اس کی پیش رفت کو روکنے کے لئے اور حضرت صحابۂ کرامؓ سے خاص کر شیخین (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) سے کاٹنے کے لئے ایک شوشہ چھوڑا۔ اور وہ یہ کہ حضرت سیدہ فاطمہؓ کو ان کے والد ماجد کی میراث نہیں دی گئی (ﷺ) چونکہ اس میں حضرت سیدہ فاطمہؓ کی ہمدردی سامنے رکھی گئی اس لئے بہت سے سیدھے سادھے لوگ ان کے جال میں پھنس گئے اور حضرت صدیقؓ کے مخالف ہو گئے کہ انہوں نے میراث نہیں دی۔ جیسے مسجد ضرار والوں نے اپنے مرکز فساد کو مسجد کے نام سے موسوم کیا۔ جو اسلامی شعائر میں سے ہے اسی طرح یہود نے اس موقع پر حضرت سیدہ فاطمہؓ کی مظلومیت کو سامنے رکھ کر شیعیت کا آغاز کیا۔ ہر مسلمان کو آنحضرت سید عالم ﷺ کی آل اولاد سے قلبی تعلق ہے اس لئے اہل بیت کی ہمدردی اور غم خواری کا دم بھرنا سیدھے سادھے مسلمانوں کو راہ حق سے ہٹانے کے لئے کارگر ہو گیا۔

اس کے بعد شیعیت کے علم برداروں نے یہ نکتہ نکالا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ خلافت کے مستحق تھے انہیں خلافت نہیں دی گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تمام مؤمنین کو محبت ہے اس لئے ان کی ذات کو سامنے رکھ کر یہودیوں نے اپنا کام اور آگے بڑھایا۔ پھر استاد یعنی یہودی خواہ الگ ہو گئے ہوں لیکن جن لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا ان کے اتنے زیادہ فرقے بنے کہ ان کا شمار بھی دشوار ہے۔ حتیٰ کہ ایک فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا بھی قائل ہو گیا اور پھر طرح طرح کے فتنے اٹھے اور ہر جماعت کے قائد نے اپنے پیش نظر کوئی دینی بات ہی رکھی اور اپنے اوپر ایسا لیبل لگایا جس کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں (نام دین کا ہوا اور کام کفر کا)۔

دور حاضر میں ایسی بہت سی جماعتیں ہیں جن میں سے ایک جماعت نے اپنا نام اہل قرآن رکھا ہے یہ لوگ اپنے خیال میں قرآن کو اکابر اہل علم سے زیادہ جانتے ہیں، حالانکہ عربی کے صیغے بھی نہیں بتا سکتے اور کسی آیت کی ترکیب نحوی سے بھی واقف نہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے خدمت قرآن کا لیبل لگا کر سامنے آئے ہیں جس کی وجہ سے احادیث شریفہ کی حجیت کے بھی منکر ہیں اور نمازوں کی فرضیت کیسے بھی اور ضروریات دین کو نہیں مانتے ہیں ایسے لوگ ہیں تو کافر لیکن قرآن دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ سادہ مسلمانوں کو (جن کا علماء سے ربط نہیں ہے) قرآن کے نام پر اپنی گمراہی کے جال میں پھانس لیتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی محبت کا دعویٰ

کرر کھا ہے۔ آپ کی محبت ہر مؤمن کے دل میں ہے اس لئے حُبِّ نبی کا نام سن کر بہت سے لوگ ان کے ہم نوا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کی جھوٹی محبت کا یہ عالم ہے کہ قرآن کو بھی جھٹلا دیتے ہیں اور رسول ﷺ کے ارشادات کو بھی نہیں مانتے۔ محبّ نبی ﷺ کا عنوان ان لوگوں کا ظاہری لیبل ہے جس سے عامۃ الناس کو متاثر کرتے ہیں اور اپنے ایجاد کردہ عقائد اور اعمال پر جمنے کے لئے قرآن و حدیث کی تصریحات تک کو جھٹلا دیتے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک یہ بات ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ بشر نہیں تھے۔ حالانکہ قرآن کریم میں آپ کو بشر فرمایا ہے آپؐ نے خود فرمایا کہ میں بشر ہوں لیکن یہ لوگ آیات اور احادیث کو نہیں مانتے اور عجیب بات یہ ہے کہ محبت کے دعویدار بھی ہیں۔ یہ عجیب محبت ہے کہ جس سے محبت ہے اس کے ارشادات سے انحراف ہے۔ اسی طرح کی بہت سی باتیں مستشرقین نے ریسرچ کے نام پر پھیلا رکھی ہیں اور ان کیلئے نام نہاد مسلمانوں کو استعمال کرتے ہیں نام تحقیق کا اور کام اسلامیات سے منحرف ہونے کا اور دوسروں کو منحرف کرنے کا۔ **اعاذنا اللّٰہ تعالیٰ من جمیع اھل الفتن۔**

انگریزوں کو اپنے اقتدار میں یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں مسلمان جہاد کے لئے کھڑے نہ ہو جائیں اس لئے انہیں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلام کی راہ سے جہاد کو منسوخ کرائیں۔ جہاد اسلام کا بہت بڑا عمل ہے۔ اپنے وفادار نام نہاد علماء سے منسوخ کراتے تو کون مانتا اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک شخص سے نبوت کا دعویٰ کرایا پھر اس سے جہاد منسوخ ہونے کا اعلان کرادیا وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح مسلمان جہاد کو منسوخ مان لیں گے۔ انہیں یہ پتہ نہ تھا کہ مسلمان انگریزوں کے بنائے ہوئے نبی کو کافر قرار دیدیں گے اور اس کی جھوٹی نبوت کا ماننے سے انکار کر دیں گے، بہرحال انہوں نے اپنا یہ حربہ استعمال کیا یعنی ایک شخص سے نبوت کا اعلان کرا کے جہاد کو منسوخ کرانے کی سعی لا حاصل کی۔ بہت سے لوگ قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں شرک و بدعات میں مبتلا ہیں، عوام کو قبروں پر بلاتے ہیں، چڑھاوے چڑھواتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے اس طریقہ کو غیر شرعی بتاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ اولیاء اللہ کو نہیں مانتے ان لوگوں نے اولیاء اللہ کے ناموں کو جعل سازی اور کسب دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور اس طرح کے بہت سے نعرے ہیں جو دشمنان دین دین کے نام پر لگاتے رہتے ہیں۔ **اعاذنا اللّٰہ مِنھُم۔**

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ

بے شک اللہ نے مؤمنین سے اس بات کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا کہ ان کے لئے جنت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں

اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى

لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کر دیئے جاتے ہیں اس پر اللہ کا وعدہ ہے جو توریت، انجیل اور قرآن میں ہے، اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو

بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

پورا کرنے والا کون ہے۔ سو تم لوگ اپنی اس بیع پر خوش ہو جاؤ جس کا تم نے معاملہ کیا ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ

یہ لوگ توبہ کرنے والے ہیں۔ عبادت کرنے والے ہیں، حمد کرنے والے ہیں۔ روزہ رکھنے والے ہیں، رکوع کرنے والے ہیں۔ سجدہ کرنے والے ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دینے

بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

والے ہیں، اور بری باتوں سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور آپ مؤمنین کو خوشخبری سنا دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کے عوض ان کے جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے

معالم التنزیل (صفحہ ۳۲۹ جلد ۲) اور ابن کثیر (صفحہ ۳۹۱ جلد ۲) میں محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ جب حضرات انصار لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے لگے (جو ستر افراد تھے) تو عبداللہ بن رواحہ ؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اپنے رب کے لئے اور اپنے لئے جو چاہیں مشروط فرمالیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے لئے اس بات کو مشروط کرتا ہوں کہ اسکی عبادت کرو گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں بناؤ گے اور اپنے لئے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو گے جیسی اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم ان شرطوں کو پورا کریں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہیں جنت ملے گی۔ کہنے لگے کہ یہ تو نفع کا سودا ہے، ہم اس معاملہ کو فسخ نہیں کریں گے اس پر یہ آیت شریفہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی آخر تک نازل ہوئی۔ اس آیت میں بتادیا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ جان اور مال سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے پھر بھی اس نے اس کا نام خریداری رکھ دیا۔ اگر وہ جان و مال خرچ کرنے کا حکم دیتا اور اس کی راہ میں مقتول ہو جانے پر کچھ بھی عطا نہ فرماتا تو اسے اس کا حق تھا۔ لیکن اس نے اپنی راہ میں جان و مال خرچ کرنے پر جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرمالیا اور ذرا سی قربانی پر بہت بڑی جنت دینے کا اعلان فرمادیا۔ یہ اعلان سچا ہے اور وعدہ پکا ہے۔ توریت، انجیل اور قرآن میں یہ وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے کیونکہ اس کا وعدہ سچا بھی ہے اور اسے ہر طرح کی قدرت بھی حاصل ہے۔ دنیا والے بعض مرتبہ وعدہ کر لیتے ہیں اور وعدہ سچا بھی ہوتا ہے لیکن قدرت نہ ہونے کی وجہ سے وعدہ پورا کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ وعدہ کے پورا کرنے سے عاجز نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے جو معاملہ ہوا بندے اس پر خوشی منائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا تھا یعنی جان و مال وہ اس کو اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں اپنا ذاتی کچھ نہیں سمجھتے جو کچھ خرچ کریں گے اس کے عوض انہیں جنت ملے گی، جنت کے سامنے اس معمولی سی قربانی کی کوئی حیثیت نہیں۔ دیا تھوڑا سا اور ملا بے حساب وہ بھی دائم ابدالآباد کے لئے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا ثامنهم الله عزوجل فاغلى لهم کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے لین دین کا معاملہ کیا اور بہت زیادہ قیمتی چیز عطا فرمائی۔ حسن نے فرمایا کہ اسعوا الى بيعه ربيحة یعنی نفع والی بیع کی طرف دوڑ و جسکا معاملہ اللہ نے ہر مؤمن سے کیا ہے۔

آیت کریمہ میں فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ فرمایا کہ مومنین اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں پھر کافروں کو قتل کرتے ہیں اور مقتول ہو جاتے ہیں۔ دونوں حالتیں مؤمن کے لئے خیر ہیں اور بعض مجاہدین کو دونوں ہی باتیں نصیب ہو جاتی ہیں اولاً کافروں کا قتل کرتے ہیں پھر خود مقتول ہو جاتے ہیں۔ سورہ نساء میں فرمایا وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۔ (اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے پھر وہ مقتول ہو جائے یا غالب ہو جائے تو ہم اسے عنقریب اجر عظیم عطا کریں گے) مومن کا قاتل ہونے میں بھی فائدہ ہے اور مقتول ہونے میں بھی۔ اگر مال غنیمت مل گیا تو وہ بھی خیر اس سے ثواب باطل نہیں ہوتا۔ جبکہ وہ مقصود نہ ہو۔ مقصود صرف اللہ کی رضا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے گھر سے نکلا اور اس کا یہ

نکلنا (کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں ہے) صرف اللہ کی رضا مندی کے لئے اور اللہ کے رسولوں ﷺ کی تصدیق کرتے ہوئے نکلا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ضمانت ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اس کو ثواب اور غنیمت کے مال کے ساتھ اس کے گھر واپس لوٹا دے گا جہاں سے وہ گیا تھا۔ (رواہ مالک فی الموطا اول کتاب الجہاد) مطلب یہ ہے کہ اگر شہید ہو تو اس شہادت کی وجہ سے مستحق جنت ہو گیا اور اگر زندہ واپس آ گیا تب بھی نقصان میں نہیں۔ آخرت کا ثواب تو کہیں گیا ہی نہیں اور بعض مرتبہ اس ثواب کے ساتھ مال غنیمت بھی مل جاتا ہے) **وھو فی صحیح البخاری (صفحه ۳۹۱ جلد ۱) توکل اللہ للمجاھد فی سبیله بان یتوفاه ان ید خله الجنة او یرجعه سا لما مع اجر و غنیمة۔** (صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے ضمانت دی ہے کہ یا تو اسے شہادت دے کر جنت میں داخل کرے گا یا وہ صحیح سالم واپس لوٹے گا تو اجر و غنیمت کے ساتھ)

فائدہ........ جہاد کی فضیلت بتاتے ہوئے جو **وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ** ۔فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے لئے بھی جہاد مشروع تھا۔ یہ جو مشہور ہے کہ شریعت عیسویہ میں جہاد نہیں تھا یہ ان لوگوں کی تحریف ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور اس نسبت میں جھوٹے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں۔ **وفیه دلیل علی ان اھل الملل کلھم امروا بالجھاد علی ثواب الجنة۔**

مؤمنین کی صفات............ اس کے بعد مومنین کی صفات بتائیں اور یہ نو صفات ہیں۔ ۱)...... **اَلتَّآئِبُوْنَ** (توبہ کرنے والے) ۲)...... **اَلْعَابِدُوْنَ** (عبادت کرنے والے) ۳)...... **اَلْحَامِدُوْنَ** (حمد بیان کرنے والے) ۴)...... **اَلسَّآئِحُوْنَ** (روزہ رکھنے والے) ۵)...... **اَلرَّاكِعُوْنَ** (رکوع کرنے والے) ۶)...... **اَلسَّاجِدُوْنَ** (سجدہ کرنے والے) ۷)...... **اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ** (بھلائیوں کا حکم دینے والے) ۸)...... **وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** (اور برائیوں سے روکنے والے) ۹)...... **وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ** (اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے)۔ آخر میں فرمایا **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ** اور ایمان والوں کو بشارت دے دو۔

التائبون کی ترکیب نحوی بتاتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی **التائبون ومن ذکر معھم ھم اھل الجنة ایضاً** یعنی جس طرح مجاہدین کے لئے جنت کا وعدہ ہے اسی طرح سے دوسرے اہل ایمان کے لئے بھی جنت کا وعدہ ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جہاد عام احوال میں فرض عین نہیں ہوتا۔ جب فرض عین نہیں ہے تو جو لوگ اس میں مشغول نہ ہوں دوسرے دینی کاموں میں لگے ہوں گے۔ ان کے لئے بھی اللہ کی رضا ہے اور جنت ہے۔ اس جنت کی خوشخبری دینے کے لئے **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ** فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اپنی اسی زمین میں بیٹھا رہے جس میں پیدا ہوا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ سنا دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار فرمائے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا بڑا فاصلہ ہے۔ جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا افضل و اعلیٰ حصہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں جاری ہیں۔ (صحیح بخاری صفحہ ۳۹۱ جلد ۱)

مطلب یہ ہے کہ جنت تو اپنے وطن میں بیٹھ کر اعمال صالحہ کرنے سے بھی ملے گی لیکن مجاہدین کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے سو درجات تیار

فرمائے ہیں اس کی بھی طلب رہنی چاہیے اور جہاد میں شریک ہونے کے مواقع نکالنے چاہئیں۔

فائدہ......... مؤمنین کی صفات بتاتے ہوئے جو اَلسّٰٓئِحُوْنَ فرمایا ہے اس کا معنی ایک تو وہی ہے جو اوپر ترجمہ میں بیان کیا گیا یعنی روزے رکھنے والے۔ یہ معنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں اور حضرت عطاءؒ نے فرمایا کہ اس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے مراد ہیں کیونکہ یہ ساح سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے سیاحت کرنا یعنی سفر کرنا اور حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اس سے طلبة العلم مراد ہیں جو دینی علوم حاصل کرنے کے لئے وطن چھوڑتے ہیں اور سفر میں جاتے ہیں۔

حدود اللہ کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے......... مؤمنین کے اوصاف میں وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ بھی فرمایا ہے یہ بہت بڑی صفت ہے اس میں اہل ایمان کی بہت بڑی ذمہ داری بیان فرمائی اور وہ یہ ہے کہ عمل کرنے میں اور دوسروں سے عمل کرانے میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کی رعایت کریں ان حدود سے تجاوز نہ کریں۔ نہ حلال کو حرام قرار دیں اور نہ حرام کو حلال بتائیں، نہ بدعتیں نکالیں نہ مستحبات کے ساتھ فرائض اور واجبات جیسا معاملہ کریں اور نہ فرائض اور واجبات کو چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ اسی کو سورۂ بقرہ میں فرمایا تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (یہ اللہ کی حدود ہیں سو تم ان سے آگے نہ بڑھو، اور جو شخص اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے تو ایسے لوگ ظلم کرنے والے ہیں) تمام اعمال میں حدود اللہ کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

فائدہ......... آیت کریمہ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ (الآیة) کے ساتھ سورۂ بقرہ کی آیت وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ کی تفسیر کی بھی مراجعت کر لی جائے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

نبی کو اور دوسرے مسلمانوں کو یہ جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں۔ اس بات کے ظاہر

لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ

ہو جانے کے بعد یہ لوگ دوزخی ہیں اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس لئے تھا کہ انہوں نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کر لیا تھا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

پھر جب ابراہیم پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بڑے رحم دل برداشت کرنے والے تھے۔

مشرکین کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت

صحیح بخاری (صفحہ ۱۸۱ جلد ۱) اور (صفحہ ۶۷۴ جلد ۲) میں لکھا ہے کہ جب (آنحضرت سرور عالم ﷺ کے چچا) ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے وہاں ابوجہل اور عبداللہ ابن ابی امیہ تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لو میں اس کو (تمہاری سفارش کے لئے) اللہ کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ آپ برابر یہ بات فرماتے رہے لیکن وہ دونوں شخص جو موجود تھے یعنی ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ ابو طالب سے کہتے رہے، کیا تم عبدالمطلب کے دین سے ہٹ رہے ہو؟ بالآخر ابو طالب نے یہ کہہ دیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ (پھر اسی پر ابو طالب کی موت آگئی) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری بخشش کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ

نے آیت کریمہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا آخر تک نازل فرمائی۔

سنن الترمذی ابواب التفسیر (سورۃ القصص) میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دو، میں قیامت کے دن تمہارے لئے گواہی دوں گا تو اس پر ابوطالب نے کہا کہ اگر قریش مجھے یہ عار نہ دلاتے کہ گھبراہٹ میں اس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرلیا تو میں اسے پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ (بالآخر انہوں نے کلمہ نہ پڑھا اور شرک پر ہی ان کی موت ہوگئی) چونکہ رسول اللہ ﷺ کے قلب میں ان کے ایمان لانے کا بہت بڑا داعیہ تھا (اس لئے) اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (سورۂ قصص ع ۶)۔ نازل فرمائی۔ (آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے تو اجازت نہیں دی گئی اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اجازت فرمادی۔ سو تم قبروں کی زیارت کرو۔ وہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے استغفار کرنا پھر اس سے بیزار ہونا......... مشرکین کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت بیان فرمانے کے بعد فرمایا وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ (الآية) (اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس لئے تھا کہ انہوں نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کرلیا تھا) حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد کو ایمان کی دعوت دی، توحید کی طرف لایا۔ بت پرستی چھوڑنے کے لئے کہا اس نے نہ مانا۔ بلکہ حضرت ابراہیمؑ کو دھمکی دی کہ اگر تو اپنی بات سے باز نہیں آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ آپؑ نے فرمایا سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (سورۂ مریم ع ۳) (اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے) اس وعدہ کے مطابق انہوں نے اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ جیسا کہ سورۂ شعراء میں مذکورہ ہے۔ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ (اور میرے باپ کو بخش دیجئے، بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا) سورۂ توبہ کی مذکورہ بالا آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ کہ جب ان پر واضح ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس کی طرف سے بیزار ہوگئے۔ صاحب روح المعانی حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر واضح ہوگیا کہ ان کے باپ کی موت کفر پر ہوچکی ہے۔ لہٰذا انہوں نے بیزاری کا اظہار کردیا اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ اگر تَبَيَّنَ لَهٗ کا مطلب یہ لیا جائے جو حضرت ابن عباسؓ نے نقل کیا ہے تو سورۂ شعراء میں جو كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے باپ کو بخش دیجئے جو گمراہوں میں سے ہے كان اپنے معروف معنی میں نہ ہوگا اور چونکہ کافر کی مغفرت نہیں ہوسکتی اس لئے دعائے مغفرت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی توفیق دے اور اس کو بخش دے۔ اس صورت میں یوں کہا جائے گا کہ یہ دعا باپ کی موت سے پہلے کی تھی۔ بعض حضرات نے فَلَمَّا تَبَيَّنَ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم پر یہ واضح ہوگیا کہ میرا باپ اللہ کی دشمنی پر اور اللہ پر ایمان نہ لانے کا موت آنے تک برابر مصر رہے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اس بات کی وحی آگئی تو انہوں نے بیزاری اختیار کرلی۔ (کما ذکرہ فی الروح) اس صورت میں سورۂ شعراء میں جو اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ہے اس کا معنی یہ لیا جائیگا کہ جب اپنا وطن چھوڑ کر چلا ہوں اس وقت میرا باپ گمراہوں میں سے تھا اب مجھے اس کا حال معلوم نہیں۔ ایمان کی توفیق دے کر اسے بخش دیا جائے۔ پھر جب وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہوگیا کہ وہ کفر ہی پر مرے گا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ بہر حال اب کسی کافر کے لئے مغفرت کی دعا جائز نہیں ہے۔ سورۂ ممتحنہ میں جو اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ

فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اور انکے ساتھی جو توحید اور اعمال صالحہ میں ان کے شریک حال تھے ان میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے سوائے اس بات کے جو ابراہیم نے اپنے باپ سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا۔ اس بات میں ان کا اسوہ نہیں ہے۔

آخر میں فرمایا اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ۔ کہ بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام بڑے رحم دل تھے، بردبار تھے، ان کے باپ نے بڑی سخت باتیں کہیں انہوں نے حلم سے کام لیا اور شفقت کی وجہ سے استغفار کا وعدہ فرمالیا۔ جب تک استغفار کے نفع کی امید تھی اس کے لئے استغفار کیا پھر جب یہ واضح ہو گیا کہ استغفار کرنا اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوسکتا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ مضمون بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کسی کافر اور مشرک کے لئے استغفار کرنا جائز نہیں ہے کسی کافر کے ساتھ کیسا ہی تعلق ہو خواہ اپنا رشتہ دار ہو اور خواہ کیسا ہی محسن ہو اس کے لئے استغفار کرنا حرام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمادیا کہ کافر اور مشرک کی کبھی بخشش نہ ہوگی تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا یوں بھی بے سود ہے۔ ابو طالب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے۔ بہت بڑے ہمدرد بھی تھے انہوں نے آپ کی بہت مدد کی۔ دشمنوں سے آپ کو محفوظ رکھنے میں ظاہری اسباب کے اعتبار سے ان کا بڑا کردار ہے۔ جب ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگنے کی ممانعت فرمادی گئی تو آگے اور کسی کے لئے اس کی گنجائش کہاں ہوسکتی ہے؟ اگر کسی کے والدین یا دونوں میں ایک کافر یا مشرک ہو تو مغفرت کی دعا کرنا ممنوع ہے۔ بہت سے فرقے ایسے ہیں جو اسلام کے دعویدار ہیں لیکن اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں وہ مرجاتے ہیں تو یہ جانتے ہوئے کہ اس کا عقیدہ کفریہ تھا۔ بعض لیڈر اور رؤسا، وزراء ایسے شخص کی نماز جنازہ میں حاضر ہوجاتے ہیں بلکہ نماز پڑھادیتے ہیں اور اسے رواداری کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں اس میں اول تو قرآنی ممانعت کی واضح خلاف ورزی ہے دوسرے حاضرین کو اور جس فرقہ کا یہ شخص تھا اس فرقہ کو اس دھوکہ میں ڈالتے ہیں کہ کفریہ عقیدہ والے کی بھی مغفرت ہوسکتی ہے۔ (العیاذ باللہ) قرآن کے خلاف کیسی جسارت ہے؟ بہت سے لیڈر اور صحافی کفریہ عقیدہ والوں کو موت کے بعد مرحوم لکھ دیتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگئی یا اس پر رحمت ہوجائے۔ یہ رواداری شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا ۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کردے جب تک کہ ان چیزوں کو واضح طور پر بیان نہ فرمادے جن سے وہ بچتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے بے شک اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا، وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی یار اور مددگار نہیں۔

کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں کرتا

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کو تسلی دی ہے جنہوں نے ممانعت نازل ہونے سے پہلے مشرکین کے لئے استغفار کیا تھا۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ اہل ایمان کی مذمت اور مؤاخذہ فرمائے کہ تم نے مشرکین کے لئے استغفار کیوں کیا جب کہ یہ استغفار کرنا ممانعت نازل فرمانے سے پہلے تھا جن لوگوں نے استغفار کیا اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو گمراہی قرار نہیں دے گا۔ ہاں جب بات واضح طور پر بیان کردی گئی تو اس کی خلاف ورزی باعثِ مذمّت اور سبب مؤاخذہ ہوگیا۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ کس نے ممانعت نازل ہونے سے پہلے کوئی عمل کیا اور کس نے

ممانعت نازل ہونے کے بعد خلاف ورزی کی۔

جن کاموں پر گرفت ہوسکتی ہے وہ کام وہی ہیں جن کی پہلے اللہ جل شانہٗ کی طرف سے واضح طور پر ممانعت کردی جاتی ہے اس کو حَتّٰی یُبَیِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ میں بیان فرمایا ہے۔ ممانعت کے بعد جب بندے خلاف ورزی کرتے ہیں تو مذمت اور مؤاخذہ کے مستحق ہو جاتے ہیں پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیۃ) (بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور اس کے علاوہ تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں صفحہ ۳۹۶ جلد ۲ ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ آخر میں یہ جو فرمایا کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں۔ اس میں اہل ایمان کو ترغیب ہے کہ مشرکین اور رؤساء کفر سے قتال کرو اور اللہ کی مدد کا یقین رکھو اسی پر بھروسہ کرو اور اس کے دشمنوں سے نہ ڈرو۔ اللہ تمہارا ولی اور مددگار ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ

بلاشبہ اللہ نے نبی پر اور مہاجرین پر اور انصار پر مہربانی فرمائی جنہوں نے اس کے بعد تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا جبکہ ان میں سے ایک

مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ

گروہ کے دلوں میں تزلزل ہو چلا تھا، پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ ان پر مہربان ہے رحم فرمانے والا ہے، اور اللہ نے ان تین شخصوں کے حال پر

الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ

بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین اپنی فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آگئے اور انہوں نے یقین کرلیا کہ

وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

اللہ سے بچ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی سوائے اسکے کہ اسکی طرف رجوع کیا جائے۔ پھر اللہ نے انکے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ رجوع کریں بے شک اللہ خوب توبہ قبول فرمانے والا ہے، اور رحم کرنے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جب کہ انہوں نے مصیبت کی گھڑی میں نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا

تاب یتوب کا اصل معنیٰ رجوع کرنے کا ہے بندہ اللہ کی طرف گناہ کے بعد رجوع کرتا ہے اس لئے اسے تائب اور تواب کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربانی کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ مہربانی فرماتا ہے اسی لئے لفظ تواب اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی آتا ہے اللہ تعالیٰ کا فضل فرمانا، توبہ کی توفیق دینا، توبہ کو قبول فرمانا۔ معاملہ میں آسانی فرما دینا، **تاب اللّٰه علیه** اس سب کو شامل ہے۔ **قال صاحب القاموس تاب اللّٰه علیه وفقه للتوبة ورجع به من التشدید الی التخفیف او رجع علیه بفضله و قبوله وھو تواب علی عباده** ۔ (صاحب قاموس کہتے ہیں تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق دی اور اس سے سختی کو ہٹا کر آسانی کردی یا اپنے فضل و قبولیت کے ساتھ اس پر توجہ فرمائی اور وہ اپنے بندوں کے لئے تواب ہے)۔ لفظ تاب کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا ہے اس میں اس مفہوم کو سامنے رکھا گیا ہے۔ لہٰذا اب یہ اشکال نہ رہا کہ رسول اللہ ﷺ سے اور ان مہاجرین و انصار سے کون سا گناہ ہوا تھا جنہوں نے غزوۂ تبوک میں شرکت کی اور گناہ کی وجہ سے توبہ کی اور وہ توبہ قبول ہوئی۔ تاب کے مفہوم میں فضل فرمانا ہے۔ معاملہ میں آسانی دینا، توبہ کی توفیق

فرمانا یہ سب کچھ آتا ہے اس لئے تاب کا ایک عام ترجمہ کر دیا گیا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصارؓ کی جو تعریف فرمائی (کہ ان لوگوں نے سختی کی گھڑی میں نبی اکرم ﷺ کا اتباع کیا) یہ کونسی سختی تھی اور کیا مصیبت تھی اس کے بارے میں تفسیر و حدیث اور سیرت کی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اس میں سے ایک بات حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ سختی کی وہ کیا گھڑی تھی جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہوئے سخت گرمی کا زمانہ تھا ایک منزل پر اترے تو ہمیں سخت پیاس لگی۔ پیاس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہماری گردنیں بھی کٹ کر گر پڑیں گی۔ اگر کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے بھی جاتا تھا تو واپس آنے میں پیاس کی شدت کی وجہ سے یہ سمجھ لیتا تھا کہ میری گردن کٹ کر گر جانے والی ہے۔ پیاس کی شدت کی وجہ سے بعض اشخاص نے یہاں تک کیا کہ اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھڑی کو نچوڑ کر پیا اور ترائی حاصل کرنے کے لئے اسے اپنے پیٹ پر رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعا کرنے کا عمل عطا فرمایا ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپؐ نے مبارک ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔ ابھی ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ بارش ہونی شروع ہو گئی اور خوب بارش ہوئی۔ جس سے حاضرین نے اپنے سارے برتن بھر لئے۔ پھر ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ بارش کہاں تک ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ لشکر کے حدود سے آگے نہیں بڑھی۔ (ذکرہ الهیثمی فی مجمع الزوائد صفحہ ۱۹۴ جلد ۶ وقال رواہ البزار و الطبرانی فی الاوسط ورجال البزار ثقات)

معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ غزوۂ تبوک میں جو حضرات شرکت کرنے کیلئے گئے تھے ان کے پاس سواریاں بھی بہت کم تھیں ایک اونٹ پر دس افراد نمبروار سوار ہوتے تھے اور ان کے پاس توشہ یعنی سفر کا جو سامان تھا وہ ایسی کھجوریں تھیں جن میں چھوٹے کیڑے تھے جو پرانی کھجوروں میں پڑ جاتے ہیں اور کچھ جَو تھے جن میں بدبو ہو گئی تھی جو تھوڑی بہت کھجوریں تھیں وہ بھی ختم ہو گئیں تو کھجور کی گٹھلی کو چوس کر اس کے اوپر سے پانی پی لیتے تھے۔ سات سو کیلومیٹر کا یک طرفہ سفر، سخت گرمی اور سفر کی تکلیف کا یہ عالم انہیں حالات میں حضرات صحابۂ کرامؓ نے غزوۂ تبوک میں شرکت کی۔ تمام مخلصین صحابہ حکم سنتے ہی تیار ہو گئے البتہ بعض لوگوں کو جو تھوڑا سا تردد ہوا بعد میں وہ بھی ساتھ ہو گئے۔

حضرات صحابۂ کرامؓ کی جانثاری اور فداکاری کو دیکھئے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور روافض کو دیکھئے جو انہیں کافر کہتے ہیں۔ ھداھم اللہ تعالیٰ۔

تین حضرات کا مفصل واقعہ جو غزوۂ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے

اس کے بعد ان تین حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا خصوصی تذکرہ فرمایا جو مخلص بھی تھے اور غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ گئے تھے انہوں نے بالکل سچ بولا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالی میں صاف صاف عرض کر دیا کہ ہم بغیر عذر کے رہ گئے تھے۔ یہ حضرات کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ آیت کریمہ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ میں اجمالی طور پر ان کا ذکر ہو چکا ہے یہاں دوبارہ ان کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ نے ان تین شخصوں پر بھی اپنی مہربانی سے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا ان تینوں حضرات کو زمین تنگ معلوم ہونے لگی اور اپنے نفسوں میں بھی تنگی محسوس کرنے لگے یعنی ان کا جینا زیادہ دشوار اور دوبھر ہو گیا۔ اول تو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی اور اوپر سے مقاطعہ کا حکم کہ کوئی ان سے نہ بولے یہ سب باتیں مل کر بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے جس کا واقعہ تفصیل سے حضرت کعب بن مالکؓ کی زبانی امام بخاریؒ نے کتاب المغازی (صفحہ ۶۳۳ جلد ۲) میں یوں بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے فارغ ہوکر واپس تشریف لانے لگے تو مجھے بہت زیادہ فکر لاحق ہوگئی میں سوچتا رہا کہ میں آپ کی ناگواری سے کیسے نکلوں گا اس بارے میں یہ بھی خیال آتا تھا کہ جھوٹے عذر پیش کردوں اور اپنے گھر والوں سے بھی اس بارے میں مشورہ کرتا تھا جب آپ بالکل ہی مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تو جھوٹ بولنے کا جو خیال آیا تھا وہ بالکل ختم ہوگیا اور میں نے یہ طے کرلیا کہ سچ ہی بولوں گا اور سچ ہی کے ذریعہ سے آپ کی ناراضگی سے نکل سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے ہی آئے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو اول مسجد میں جاتے تھے وہاں دو رکعتیں پڑھ کر تشریف فرما ہوجاتے تھے۔ جب آپ اپنے اس عمل سے فارغ ہوگئے تو وہ لوگ آگئے جو غزوۂ تبوک میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور اپنے اپنے عذر پیش کرتے تھے اور قسمیں کھاتے رہے۔ یہ لوگ تعداد میں اسّی سے کچھ اوپر تھے۔ آپ ظاہری طور پر ان کے عذر قبول فرماتے رہے۔ ان کو بیعت بھی فرمایا اور ان کے لئے استغفار بھی کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد فرما دیا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں بھی حاضر خدمت ہوا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ مسکرائے جیسے کوئی غصہ والا شخص مسکراتا ہو پھر فرمایا آجا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

آپ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے پیچھے ڈالا (غزوۂ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟) کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی۔ میں نے عرض کی واقعی میں نے سواری خرید لی تھی۔ اللہ کی قسم اگر اصحاب دنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھتا تو میں اس کی ناراضگی سے عذر پیش کرکے نکل سکتا تھا میں بات چیت کرنے کا ڈھنگ جانتا ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں اور اس پر قسم کھاتا ہوں کہ اگر آج میں آپ کے سامنے جھوٹی بات پیش کرکے آپ کو راضی کرلوں تو عنقریب ہی اللہ تعالیٰ (صحیح بات بیان فرماکر) آپ کو مجھ سے ناراض کردے گا اور اگر میں سچی بات بیان کروں تو آپ غصہ تو ہوں گے لیکن میں اس میں اللہ سے معافی کی امید رکھتا ہوں۔ اللہ کی قسم مجھے کوئی عذر نہ تھا اور جتنا قوی اور غنی میں اس موقعہ پر تھا جبکہ آپ سے پیچھے رہ گیا ایسی قوت والا اور مال والا میں کبھی بھی نہیں ہوا۔ میری بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص نے سچ کہا پھر فرمایا کھڑے ہوجاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے میں فیصلہ فرمائے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے اٹھا اور قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ میرے ساتھ ہولئے انہوں نے کہا اللہ کی قسم جہاں تک ہمارا علم ہے اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کیا تم یہ نہ کرسکے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسی طرح عذر پیش کردیتے جیسے دوسرے لوگوں نے اپنے عذر پیش کئے اور پھر رسول ﷺ کا استغفار فرمانا تمہارے لئے کافی ہوجاتا، اللہ کی قسم ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ میں نے یہ ارادہ کرلیا کہ واپس جاکر اپنے بیان کو جھٹلا دوں (اور کوئی عذر پیش کردوں) پھر میں نے ان لوگوں سے کہا یہ تو بتاؤ میرا شریک حال اور کوئی شخص بھی ہے؟ انہوں نے کہا دو آدمی ہیں انہوں نے بھی اسی طرح اپنا بیان دیا ہے جیسا کہ تم نے بیان دیا اور ان کو وہی جواب دیا گیا جو تم کو دیا گیا، میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ ہیں۔ ان لوگوں نے میرے سامنے ایسے دو شخصوں کا ذکر کیا جو صالحین میں سے تھے۔ میں نے کہا کہ میں ان دونوں کی اقتداء کرتا ہوں۔ جو ان کا حال ہوگا وہی میرا حال ہوجائے گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ لہٰذا لوگ ہم سے بچ کر رہنے لگے اور یکسر بدل گئے۔ میرا تو یہ حال ہوا کہ زمین بھی مجھے دوسری زمین معلوم ہونے لگی گویا

کہ میں اس زمین میں رہتا ہوں جسے جانتا بھی نہیں۔ رات دن برابر گزر رہے تھے میں مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میری حاضری ہوتی تھی۔ آپ نماز کے بعد تشریف فرما ہوتے تو میں سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں یہ خیال کرتا تھا کہ سلام کے جواب کے لئے آپ کے ہونٹ ہلاتے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا تھا اور نظر چرا کر آپ کی طرف دیکھتا تھا۔ جب میں نماز پڑھتا تھا تو آپ میری طرف توجہ فرماتے تھے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ اعراض فرما لیتے تھے۔ یہ تو میرا حال تھا لیکن میرے جو دو ساتھی تھے وہ بالکل ہی عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور برابر روتے رہے۔

اس مقاطعہ کے زمانہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ میں اپنے چچازاد بھائی ابوقتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا جن سے مجھے بنسبت اور لوگوں کے سب سے زیادہ محبت تھی، میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقتادہ! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی وہ پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی تو انہوں نے اتنا کہہ دیا: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ (اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں) یہ بات سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس ہو گیا اور دیوار پھاند کر چلا آیا۔

اور دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ میں مدینہ منورہ کے بازار جا رہا تھا کہ شام کے کاشتکاروں میں سے ایک شخص جو غلہ بیچنے کے لئے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کون شخص ہے؟ لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے اور اللہ نے تمہیں گرا پڑا آدمی نہیں بنایا۔ لہٰذا تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری دلداری کریں گے۔ یہ خط پڑھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک اور آزمائش سامنے آ گئی۔ میں نے اس خط کو لے کر تنور میں جھونک دیا۔

مقاطعہ کے سلسلہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم تینوں کو حکم بھیجا کہ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہیں۔ ہلال بن امیہ کی بیوی تو حاضر خدمت ہو کر عذر پیش کر کے اجازت لے آئی کہ وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں ان کا کوئی خادم نہیں ہے آپ نے خدمت کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ وہ میاں بیوی والا جو خاص تعلق ہے اس کو کام میں نہ لایا جائے۔ میرے خاندان والوں نے مجھے مشورہ دیا کہ تم بھی اجازت طلب کر لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت کر دیا کرے میں نے کہا کہ میں جوان آدمی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔

جب اس مقاطعہ پر پچاس راتیں گزر گئیں تو نماز فجر کے بعد جبکہ میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال وہ ہو چکا تھا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کہ اپنی جان سے تنگ آ گیا اور زمین بھی میرے لئے اتنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی تو میں نے ایک بلند آواز سنی جبلِ سلع پر چڑھ کر کوئی شخص بلند آواز سے پکار رہا تھا کہ اے کعب بن مالک! خوش ہو جاؤ یہ آواز سن کر میں سجدہ میں گر پڑا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ مصیبت دور ہونے کی کوئی صورت سامنے آئی ہے رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا اعلان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرما لی ہے۔ یہ اعلان نماز فجر کے بعد فرمایا تھا اعلان سن کر لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لئے روانہ ہوئے۔ میرے ساتھیوں کی طرف سے بھی خوشخبری دینے والے چلے اور ایک صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف چلے۔ لیکن قبیلہ بنی اسلم کے ایک صاحب دوڑ کر ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکار کر توبہ کی خوشخبری سنا دی۔ اس شخص کی آواز گھوڑے سوار سے پہلے پہنچ گئی۔ جب وہ شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سنی تھی تو اسے میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر دے دیئے۔ اس وقت میرے پاس یہی دو کپڑے تھے (اگر

چہ مال بہت تھا) میں نے دونوں کپڑے دے دیئے اور خود دو کپڑے مانگ کر پہن لئے۔

میں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوا۔صحابۂ کرامؓ مجھ سے فوج درفوج ملاقات کرتے تھے اور توبہ قبول ہونے پر مبارک باد دیتے تھے میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں آپ کے چاروں طرف حاضرین موجود ہیں۔میری طرف طلحہ بن عبید اللہ دوڑتے ہوئے آئے یہاں تک کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔میں ان کے اس عمل کو کبھی نہیں بھولوں گا اس کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی بھی میری طرف اٹھ کر نہیں آیا۔(وجہ اس کی یہ تھی کہ اگر سبھی اٹھتے تو مجلس نبوی ﷺ جو سکون و اطمینان کے ساتھ جمی ہوئی تھی وہ ٹوٹ جاتی، سب کی طرف سے ایک شخص کا کھڑا ہونا کافی ہوگیا)۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اس وقت آپؐ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا آپؐ نے فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو۔جب سے تمہاری پیدائش ہوئی ہے تم پر آج سے بہتر کوئی دن نہیں گزرا (اس سے اسلام لانے کا دن مستثنیٰ ہے) (کمافی حاشیۃ البخاری عن القسطلانی) رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی خوشی کا موقعہ آتا تھا تو آپؐ کا چہرۂ انور ایسا روشن ہوجاتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہے۔ہم آپؐ کی خوشی کو اسی سے پہچان لیتے تھے۔جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول! میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو شامل کرلیا کہ میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے خرچ کردوں گا۔آپ نے فرمایا کچھ مال رکھ لو تمہارے لئے بہتر ہوگا میں نے کہا اچھا تو میں اپنا وہ حصہ روک لیتا ہوں جو مجھے خیبر کے مال غنیمت سے ملا تھا۔

پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے مجھے سچ ہی کے ذریعہ نجات دی ہے اور میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کرلیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا کہنے کو تو میں نے کہہ دیا لیکن میرے علم میں مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں جو سچ بولنے کے بارے میں مجھ سے زیادہ مبتلا کیا گیا ہو۔میں آج تک اس پر قائم ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سچ بولنے کا عہد کیا اس وقت سے لے کر آج تک کبھی میں نے جان کر جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ باقی زندگی میں بھی میری حفاظت فرمائے گا۔اللہ تعالیٰ شانہٗ نے توبہ قبول فرمانے کی بشارت دیتے ہوئے (آیت شریفہ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ سے لے کر وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ تک آیات نازل فرمائیں) حضرت کعب ؓ نے یہ بھی فرمایا کہ نعمت اسلام کے بعد اس سے بڑی کوئی نعمت مجھے حاصل نہیں ہوئی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سچ بات کہہ دی تھی۔اگر میں جھوٹ کہہ دیتا تو میں بھی ہلاک ہوجاتا جیسے دوسرے لوگ جھوٹے عذر پیش کر کے ہلاک ہوگئے۔

فوائد ضروریہ

حضرت کعب بن مالک ؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے واقعہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔

۱)......مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولیں، سچی بات کہیں، سچ ہی میں نجات ہے اور جھوٹ میں ہلاکت ہے۔منافقین نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جھوٹے عذر پیش کر کے دنیا میں اپنی جانیں چھڑالیں لیکن آخرت کا عذاب اپنے سر لے لیا اور مخلصین مؤمنین نے سچ بولا اور سچی توبہ کی۔اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کا اعلان فرمادیا۔اگر کوئی شخص اپنے اکابر سے اور متعلقین سے جھوٹ بولے چند دن ممکن ہے کہ اس کا جھوٹ چل جائے لیکن پھر اس کی پول کھل ہی جاتی ہے۔اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

۲)......امیر المؤمنین اگر مناسب جانے تو بعض افراد کے بارے میں مقاطعہ کا فیصلہ کرسکتا ہے۔عامۃ المسلمین کو حکم دے سکتا ہے کہ فلاں فلاں شخص سے سلام کلام بند رکھیں۔جب وہ صحیح راہ پر آجائے تو مقاطعہ ختم کردیا جائے۔

۳)...... بعض مرتبہ ابتلاء پر ابتلاء ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی میں اور مقاطعہ کی مصیبت میں مبتلا تو تھے اوپر سے شاہ غسان کا یہ خط ملا کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری قدر دانی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان پر استقامت بخشی اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا مندی ہی کو سامنے رکھا اور بادشاہ کے خط کو تنور میں جھونک دیا۔ اگر وہ اس وقت اپنے عزائم میں کچے پڑ جاتے اور شاہ غسان کی طرف چلے جاتے تو اس وقت کی ظاہری مصیبت بظاہر دور ہو جاتی لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہو کر آخرت برباد ہو جاتی۔ اس قسم کے ابتلاءات اور امتحانات سامنے آتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرے اور استقامت پر رہے۔

۴)...... حضرت کعب رضی اللہ عنہ، مقاطعہ کے باوجود مسجد میں حاضر ہوتے رہے نمازیں پڑھتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام بھی پیش کرتے رہے۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ چلو آپ روٹھے ہم چھوٹے جیسا کہ ان لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جن کا تعلق اصلی نہیں ہوتا۔

۵)...... جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم آ جائے تو اس کے مقابلہ میں کسی عزیز قریب کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ حضرت قتادہؓ جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی اور انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے جب انہیں سلام کیا تو جواب نہیں دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے سلام کلام کی ممانعت تھی۔

۶)...... جب آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں تینوں حضرات کی توبہ فرمانے کا ذکر تھا تو حضرات صحابہؓ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کو جلد بشارت دینے کی کوشش کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں کسی کو کوئی کامیابی حاصل ہو جائے جس کا اسے علم نہ ہو تو بشارت دینی چاہئے اور اس میں جلدی کرنی چاہئے۔

۷)...... پھر جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ توبہ کا اعلان سننے کے بعد اپنے گھر سے نکلے تو حضرات صحابہؓ نے جوق در جوق ان سے ملاقاتیں کیں اور برابر انہیں مبارکبادیاں دیتے رہے یہ مبارک بادی توبہ قبول ہونے پر تھی معلوم ہوا کہ دینی امور میں اگر کسی کو کامیابی ہو جائے تو اسے مبارک باد دینی چاہیے۔

۸)...... جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ پہنچے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی اس سے معلوم ہوا کہ زبانی مبارک بادی کے ساتھ عملی طور پر مبارک باد دینا بھی مستحب ہے۔

۹)...... آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا اور جو کچھ گناہ کیا ہو اس پر سچے دل سے نادم ہونے سے توبہ قبول ہو جاتی ہے (اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرنا بھی لازم ہوتا ہے) لیکن توبہ کو اقرب الی القبول بنانے کے لئے مزید کوئی عمل کرنا مستحب ہے۔ اور توبہ قبول ہونے کے بعد بطور شکر کچھ مال خیرات کرنا بھی مستحب ہے۔ صلاۃ التوبہ جو مشروع ہے اس میں یہی بات ہے کہ توبہ کی قبولیت جلد ہو جانے اور قبول کرانے کے لئے ندامت کے ساتھ کوئی اور عمل بھی شامل ہو جائے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے توبہ قبول ہو جانے کے بعد جو یہ عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بطور صدقہ اپنا مال خرچ کرنے کی نیت کی ہے۔ یہ نیت اگر پہلے سے تھی تو صلاۃ التوبہ کی طرح ایک عمل ہے اور اگر بعد میں نیت کی تھی تو بطور ادائے شکر تھی۔

۱۰)...... حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میری توبہ کا یہ بھی جزو ہے کہ میں اپنا پورا مال بطور صدقہ خرچ کر دوں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب خرچ نہ کرو کچھ مال روک لو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تو میں اپنا خیبر والا حصہ روک لیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورا مال صدقہ کر کے پریشانی میں نہ پڑ جائے۔ البتہ اگر کسی نے پورا مال صدقہ کرنے کی نذر مان لی (جو زبان سے ہوتی ہے) تو اس کو پورا مال

صدقہ کرنا واجب ہے لیکن اس سے یوں بھی کہا جائے گا کہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے بقدر ضرورت کچھ روک لے اور آئندہ جب تیری ملکیت میں کچھ مال آجائے تو جو مال روک لیا تھا اسی جنس کا مال صدقہ کر دینا تا کہ نذر پر پوری طرح عمل ہو جائے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں چونکہ نذر نہیں تھی۔ محض نیت تھی، اس لئے جتنا مال روک لیا تھا اس کے برابر میں صدقہ کرنے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے۔

۱۱)...... جو شخص جس قدر کسی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنے کا عہد کر لیتا ہے اسے عموماً مواقع پیش آتے رہتے ہیں جن میں اس گناہ کے کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ ایک بڑا امتحان ہوتا ہے۔ حضرت کعبؓ نے چونکہ ہمیشہ سچ بولنے کا عہد کر لیا تھا اس لئے اس بارے میں ان کا بار بار امتحان ہوتا رہتا تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور سچوں کے ساتھ ہو جانے کا حکم

اوپر کی دو آیتوں میں حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ آیت بھی انہی آیات کے ساتھ نازل ہوئی۔ حضرت کعب اور ان کے ساتھیوں نے سچ بولا اور سچ ہی کی وجہ سے نجات ہوئی (جن کا حدیث شریف میں ذکر ہے) اس آیت میں سچائی کی اہمیت اور ضرورت بتانے کے لئے عامۃ المسلمین کو حکم فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اللہ سے ڈرنے کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ وارد ہوا ہے۔ اس آیت میں تقویٰ حاصل ہونے کا ایک طریقہ بتا دیا اور وہ یہ ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ عربی میں صادق سچے کو کہتے ہیں۔ دین اسلام میں صدق کی بہت بڑی اہمیت اور فضیلت ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی ایمان، اقوال، اور اعمال سب میں ضرورت ہے۔ اسکی ضد کذب یعنی جھوٹ ہے جھوٹ سے دین اسلام کو بہت سخت نفرت ہے اور اس کی شدید ممانعت ہے۔

مؤمن بندہ پر لازم ہے کہ ان وعدوں میں سچا ہو جو وہ مخلوق سے کرتا ہے۔ بندوں کے ساتھ جو رہنا سہنا ہو اس میں سچائی کو سامنے رکھے۔ اگر سچائی پیش نظر نہ رہی تو جھوٹ بولے گا اور دھوکہ دے گا۔ سورۂ زمر میں فرمایا وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو شخص سچ لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی سو یہ لوگ تقویٰ والے ہیں) اس میں سچائی اختیار کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں صفت تقویٰ سے متصف بتایا ہے۔ سورۂ حجرات میں فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (بلاشبہ مؤمن وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں) اس میں یہ بتا دیا کہ ایمان میں سچائی ہونا لازم ہے۔ اگر دین کی کسی بات کو نہ مانا یا عقائد دینیہ کے کسی عقیدہ میں شک کیا تو گو وہ لوگوں کے سامنے بظاہر مسلمان ہونے کی وجہ سے مؤمن سمجھا جائے گا لیکن اللہ کے ہاں مؤمن نہ ہوگا کیونکہ اس کے ایمان میں سچائی نہیں ہے پھر عملی طور پر بھی ایمان کے تقاضوں کو پورا کر کے دکھانا لازم ہے۔ اللہ کی راہ میں مالوں سے، جانوں سے جہاد کریں اور یہ سب کچھ دل کی گہرائیوں سے پوری سچائی کے ساتھ ہو۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے نہ جان جانے کی پرواہ ہو نہ مال خرچ ہونے سے نفس میں کوئی خلش اور چبھن محسوس ہوتی ہو۔

جو بھی عمل کریں اس میں نیت کی سچائی یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ بندوں کو معتقد بنانا ان سے تعریف کروانا اعمال صالحہ کے ذریعہ دنیا طلب کرنا اور شہرت کے لئے علم حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ جیسی عبادت مخلوق کے سامنے کرے جو خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو ایسی ہی عبادت تنہائی میں کرے۔ ایسا نہ کرے کہ لوگوں کے سامنے لمبی نماز اور اچھی نماز پڑھے اور تنہائی میں نماز پڑھے تو جلدی جلدی نمٹا دے نہ رکوع سجدہ ٹھیک ہو نہ تلاوت صحیح ہو نہ خشوع وخضوع ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب بندہ ظاہر میں نماز پڑھتا ہے اور اچھی نماز پڑھتا ہے پھر لوگوں سے علیحدہ ہو کر تنہائی میں نماز پڑھتا ہے۔ تب بھی اچھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں هٰذَا عَبْدِیْ حَقًّا۔ کہ سچ مچ یہ میرا بندہ ہے۔ (رواہ ابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص ۴۵۵)

حضرت شیخ سعدیؒ نے گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب جو بزرگ سمجھے جاتے تھے اپنے ایک لڑکے کے ساتھ بادشاہ کے مہمان ہوئے وہاں انہوں نے نماز لمبی پڑھی اور کھانا کم کھایا، جب واپس گھر آئے تو اہل خانہ سے کھانا طلب کیا۔ لڑکے نے کہا کہ ابا جان نماز بھی دوبارہ پڑھیے، کیونکہ جیسے وہاں کھانا کم کھانا اللہ تعالیٰ کے لئے نہ تھا ایسے ہی آپؐ کی نماز بھی اللہ کے لئے نہ تھی۔

جب بندہ کہتا ہے کہ اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے تو اسے ظاہراور باطن دونوں سے اللہ ہی کا بندہ بننا لازم ہے۔ زبان سے اللہ کا بندہ ہونے کا دعویٰ اور عملی طور پر دنیا کا بندہ، خواہشوں کا بندہ، دینار اور درہم کا بندہ۔ یہ شان عبدیت کو زیب نہیں دیتا دعوائے بندگی میں سچا ہونا لازم ہے۔

جب دعا کرے تو دعا میں بھی سچائی ہونی چاہیے یعنی جب یوں کہے کہ اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں تو پوری طرح متوجہ ہو کر حقیقی سوالی بن کر سوال کرے۔ زبان سے دعا کے الفاظ جاری ہیں لیکن دل غافل ہے اور یہ بھی پتہ نہیں کہ کیا مانگ رہا ہوں؟ یہ سچ اور سچائی کے خلاف ہے۔ جب اللہ سے مغفرت کی دعا مانگے تو سچے دل سے حضور قلب کے ساتھ مغفرت طلب کرے ایسا نہ ہو کہ زبان سے تو یوں کہہ رہا ہے کہ میں مغفرت چاہتا ہوں لیکن دل اور کہیں لگا ہوا ہے۔ یہ صدق اور سچائی کے خلاف ہے اسی لئے حضرت رابعہ بصریہؒ نے فرمایا استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر۔ کہ ہمارا استغفار کرنا بھی صحیح استغفار نہیں ہے اس کیلئے بھی استغفار کی ضرورت ہے۔ (ذکرہ ابن الجزری فی الحصن) اگر قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے اور سچی قسم کھائے آئندہ کسی عمل کے کرنے پر قسم کھائے تو قسم پورا کرے (بشرطیکہ گناہ کرنے کی قسم نہ کھائی ہو) اسی طرح سے اگر کوئی نذر مانے تو وہ بھی پورا کرے (شرط اس میں بھی وہی ہے کہ گناہ کی نذر نہ ہو) جب کسی نیک کام کرنے کا ارادہ اور وعدہ کرے تو سچا کر دکھائے۔ حضرت انس ؓ کے چچا انس بن نضر غزوۂ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس کا انہیں بہت رنج ہوا کہنے لگے کہ افسوس ہے رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار مشرکین سے جنگ کی اور میں اس میں شریک نہ ہوا۔ اگر اللہ نے مجھے مشرکین سے قتال کرنے کا موقعہ دیا تو میں جان جوکھوں میں ڈال کر دکھا دوں گا۔ آئندہ سال جب غزوۂ اُحد پیش آیا اور اس میں مسلمان شکست کھا گئے تو انہوں نے کہا اے اللہ میں مشرکین کے عمل سے براءت ظاہر کرتا ہوں اور یہ جو مسلمانوں نے شکست کھائی ان کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ مجھے اُحد سے ورے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اور مشرکین سے بھڑ گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا تو ان کے جسم میں تلواروں اور نیزوں کے اسی (۸۰) سے کچھ اوپر زخم تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ (مؤمنین میں ایسے افراد ہیں جنہوں نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا) حضرات صحابہؓ سمجھتے تھے کہ یہ آیت حضرت انس بن نضر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور ص ۱۹۱ ج ۵ وعزاہ الی الترمذی والنسائی والبیهقی فی

الدلائل ...... ورواہ البخاری مختصرا ص ۵۰۷ ج ۲)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ اُحد سے فارغ ہوئے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر آپ ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کو مقتول پڑا دیکھا اور آیت رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۔ تلاوت فرمائی۔ (درمنثور ۱۹۱ ج ۱ عن الحاکم والبیہقی فی الدلائل)

جو شخص عالم نہ ہو وہ طرز گفتگو سے یہ ظاہر نہ کرے کہ میں عالم ہوں۔ اگر کوئی شخص عالم بھی ہو اور مسئلہ معلوم نہ ہو تو اٹکل سے مسئلہ نہ بتائے کیونکہ اس میں اس کا دعویٰ ہے کہ میں جانتا ہوں اور یہ دعویٰ جھوٹا ہے پھر اٹکل سے بتانے میں غلطی ہو جاتی ہے اس میں اپنا بھی نقصان ہے اور سوال کرنے والے کو بھی دھوکہ دینا ہے اور گمراہ کرنا ہے۔

اگر کسی کے پاس مال یا علم و عمل کا کمال نہ ہو تو اپنی حقیقی حالت کے خلاف ظاہر نہ کرے، کیونکہ یہ صدق وسچائی کے خلاف ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یارسول! میری ایک سوکن ہے اگر میں جھوٹ موٹ (اسے جلانے کے لئے) یوں کہہ دوں کہ شوہر نے مجھے یہ یہ کچھ دیا ہے اور حقیقت میں نہ دیا ہو تو کیا اس میں کچھ گناہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَالَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَىْ زُوْرٍ ۔ کہ جس شخص نے جھوٹ یہ ظاہر کیا ہے کہ مجھے یہ چیز دی گئی ہے حالانکہ اسے نہیں دی گئی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے پہن لئے (یعنی سر سے پاؤں تک وہ جھوٹا ہی جھوٹا ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۱ از بخاری ومسلم) اس حدیث کا مفہوم بہت عام ہے۔ ہر قسم کے جھوٹے دعویداروں کو شامل ہے۔ سچ اور جھوٹ اقوال میں منحصر نہیں، اعمال و احوال اور لباس اور دعاوی اور عزائم ان سب میں سچ اور جھوٹ کی شان پیدا ہو جاتی ہے ہر مؤمن بندہ اپنی نگرانی کرے اور سچ ہی کو اختیار کرے اور ہر طرح کے جھوٹ سے بچے۔ اصلاح بین الناس یا بعض دیگر مواقع میں جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے وہ مستثنیٰ ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کی طرف سے مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

۱۔ جب بولو تو سچ بولو ۲۔ وعدوں کو پورا کرو

۳۔ جو امانتیں تمہارے پاس رکھی جائیں انہیں ادا کرو۔ ۴۔ اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرو۔

۵۔ اپنی نظروں کو نیچا رکھو۔

۶۔ اپنے ہاتھوں کو (ظلم اور زیادتی سے) بچائے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا اس وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے میری والدہ نے کہا میں تجھے دے رہی ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے کیا چیز دینے کا ارادہ کیا تھا انہوں نے کہا کہ میں نے کھجور دینے کا ارادہ کیا تھا آپ نے فرمایا اگر تو اسے کچھ بھی نہ دیتی تو تیرے اعمال نامہ میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۶) اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کو راضی کرنے کے لئے بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں ان سے جو وعدہ کریں وہ بھی سچا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور بے شک نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور انسان برابر سچ اختیار کرتا ہے اور سچ ہی پر عمل کرنے کی فکر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہگاری کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ گاری دوزخ میں لیجاتی ہے اور انسان جھوٹ کو اختیار کرتا ہے اور جھوٹ ہی کے لئے فکرمند رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو ساری دنیا بھی اگر تجھ سے جاتی رہے تو کوئی ڈر نہیں ۔ ۱) امانت کی حفاظت ، ۲) بات کی سچائی ، ۳) اخلاق کی خوبی ، ۴) لقمہ کی پاکیزگی ۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۴۵)

صادقین کی مصاحبت

ابھی صدق کی فضیلت اور اہمیت اور اس کے مقابل جو صفت کذب ہے اس کی مذمت اور شناعت وقباحت معلوم ہوئی ۔ حضرات مفسرین کرام نے وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ کا ایک مطلب تو یہی لکھا ہے کہ کونوا مثلهم فی صدقهم جو لوگ صادقین ہیں انہیں کی طرح ہو جاؤ یعنی صدق ہی کو اختیار کرو اور ایمان اعمال واقوال میں صادقین کی راہ پر چلو ۔ اور جس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اس کی مناسبت سے یہی معنی زیادہ اَظہر ہے ۔ کیونکہ حضرت کعب اور ان کے دونوں ساتھی جو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کیساتھ جانے سے رہ گئے تھے وہ ان کے ساتھ عمل صدق میں شریک نہ ہوئے تھے لیکن الفاظ کا عموم اس بات کو بھی بتاتا ہے کہ صادقین کی صحبت اختیار کرو ۔ صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے ۔ اچھی صحبت اور بری صحبت دونوں بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں جو اچھوں کی صحبت اٹھائے گا اس میں خوبی پیدا ہوگی اور جو بروں کی صحبت میں رہے گا اس میں برائیاں آتی چلی جائیں گی اور اس کا نفس برائیوں سے مانوس ہو جائے گا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَاْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ ۔ صرف مؤمن کی صحبت اختیار کرو اور تیرا کھانا (یعنی طعام ضیافت) متقی کے سوا کوئی نہ کھائے ۔ (رواہ الترمذی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ اسکی دوستی کس سے ہے ۔ (رواہ الترمذی) (اگر اچھے لوگوں سے دوستی ہے تو تو اچھا آدمی ہے اور برے لوگوں سے دوستی ہے تو سمجھ لے کہ تو برا آدمی ہے)

پس ہر شخص کو معاشرت کے لئے اٹھنے بیٹھنے کے لئے مسافرت کے لئے اور مصاحبت کے لئے صادقین کی صحبت اختیار کرنا لازم ہے جیسے ساتھی ہوں گے ویسا ہی خود ہو جائے گا اور یہ ایسی چیز ہے جس کا عموماً مشاہدہ ہوتا رہتا ہے ۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سچوں کے ساتھ ہونے میں تقوٰی کی صفت سے متصف ہوں گے ۔ تقوٰی کا حکم دینے کے بعد سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے اپنے لئے بھی صادقین کی مصاحبت کا فکر کریں اور اپنی اولاد کے لئے بھی اسی کو سوچیں ، صادقین کے ساتھ بھی رہیں ان کی کتابیں بھی پڑھیں ۔ کتاب بھی بہترین ساتھی ہے مگر کتاب اچھی ہو ۔ اچھائی سکھاتی ہو اور اچھے لوگوں کی لکھی ہوئی ہو ۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ

مدینے والے اور ان کے آس پاس کے رہنے والے دیہات کے لوگوں کے لئے یہ زیبا نہیں تھا کہ رسول اللہ کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ

وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّ

بات کہ وہ رسول اللہ کو چھوڑ کر اپنی جانوں کو لے کر بیٹھ جائیں ، یہ اس وجہ سے کہ انہیں جو بھی کوئی پیاس یا تھکن یا بھوک اللہ کی

لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَــُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ

راہ میں پہنچتی ہے اور وہ کسی جگہ جو قدم رکھتے ہیں جس سے کافروں کو جلن ہوتی ہے اور دشمن سے جو بھی کوئی چیز لے لیتے ہیں تو اس سب کی

نَیْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا

وجہ سے ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بلاشبہ اللہ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ اور وہ لوگ

یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِیَجْزِیَهُمُ

جو بھی کوئی چھوٹا بڑا خرچہ کرتے ہیں اور جس کسی میدان کو قطع کرتے ہیں تو یہ ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ

اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اللہ ان کو ان کے عمل کا اچھے سے اچھا بدلہ عطا فرمائے۔

فی سبیل اللہ سفر اور خرچ کرنے پر اجر وثواب کا وعدہ

رسول اللہ ﷺ اللہ کے پیارے ہیں۔ اللہ کے رسول ہیں۔ غزوات میں خود تشریف لے جاتے تھے تمام تکلیفوں میں بنفس نفیس شریک ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے لئے کوئی آرام کی صورت نکالی ہو اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تکلیف میں چھوڑ دیا ہو ایسا ہرگز کبھی نہیں ہوا آپ ہر تکلیف میں شریک تھے بلکہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ محنت کرتے تھے، تکلیف اٹھاتے تھے۔ ان حالات میں کوئی شخص خواہ اہل مدینہ سے ہو خواہ آس پاس کے رہنے والے دیہاتیوں میں ہو کسی کے لئے یہ کہاں روا ہو سکتا تھا کہ آپ تو غزوہ میں چلے جائیں اور خود اپنی جان کو عیش آرام اور حفاظت کے ساتھ اپنے گھر میں لئے ہوئے بیٹھا رہے۔ ایمانی محبت کا تقاضا یہی تھا کہ آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوں البتہ جو معزور تھے وہ ساتھ نہ جائیں تو یہ دوسری بات ہے جو لوگ غزوۂ تبوک میں آپ کے ساتھ جانے سے رہ بچھڑ گئے تھے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ انہیں اور تمام صحابہ کو متنبہ فرما دیا کہ اللہ کے نبی کو چھوڑ کر گھروں میں بیٹھے رہ جانا ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے۔ ہاں جسے رسول اللہ ﷺ نے خود ہی اپنی جانب سے مدینہ طیبہ کا امیر بنا دیا تاکہ آپ کے پیچھے انتظام سنبھالے (یہ محمد بن مسلمہ اور ایک قول کے مطابق سباع بن عرفطہ تھے جنہیں رسول ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر اپنا خلیفہ بنا دیا تھا) یا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کے لئے اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا (یہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تھے) یا جو حضرات معذورین تھے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ آیت شریفہ کا سیاق اور طرز بیان اس بات کا مقتضی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جہاد میں جائیں تو کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ آپ کے پیچھے رہ جائے اسی لئے بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے رسول ﷺ کے زمانہ میں جہاد کرنا فرض عین تھا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب مسلمان کم تھے جب مسلمان تعداد میں زیادہ ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (کما ذکرہ فی الروح)

جو تین حضرات مؤمنین مخلصین میں پیچھے رہ گئے تھے ان کا واقعہ تفصیل سے چند صفحات پہلے گزر چکا ہے پیچھے رہ جانے والے مخلصین میں حضرت ابوخیثمہ بھی تھے جب رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کو لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقین بھی برے دل کے ساتھ لگ گئے تھے۔ پھر وہ راستہ سے واپس ہوتے رہے۔ راستہ سے واپس ہونے والوں میں حضرت ابوخیثمہ بھی تھے سخت گرمی اور دھوپ کی وجہ سے یہ بھی راستہ سے واپس آ گئے تھے ان کی دو بیویاں تھیں۔ واپس آئے تو دیکھا کہ باغ میں دو چھپروں کے نیچے ان کی بیویوں نے پانی چھڑک رکھا ہے اور کھانا تیار کر رکھا ہے۔ ابھی دروازہ ہی میں کھڑے تھے کہ اپنی دونوں بیویوں اور انہوں نے جو کچھ تیار کر رکھا تھا اس سب پر نظر پڑی اس کو دیکھ کر کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ تو سخت گرمی میں ہیں اور ابوخیثمہ ٹھنڈے سایہ میں ہے اس کے لئے کھانا حاضر ہے اور اس کی

خوبصورت بیوی سامنے موجود ہے یہ انصاف کی بات نہیں۔ اللہ کی قسم میں ان میں سے کسی ایک چھپر میں داخل نہ ہوں گا۔ میں روانہ ہوتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچتا ہوں۔ دونوں بیویوں نے سفر کا سامان تیار کیا انہوں نے اپنا اونٹ لیا اور روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ تبوک میں پہنچ چکے تھے انہوں نے آپ کو وہیں جا کر پایا ابھی یہ دور ہی تھے کہ حاضرین نے کہا کہ کوئی سوار آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ابوخیثمہ ہے۔ چنانچہ یہ تھوڑی دیر میں پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوخیثمہ! یہ تمہارے لئے بہتر ہے اس کے بعد انہوں نے اپنا قصہ سنایا اور آپ نے ان کے لئے خیر کی دعا فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے کا ایمانی تقاضا تو تھا ہی اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اجر و ثواب کا بھی وعدہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ (الآیتین) یہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کو جو بھی پیاس، تھکن اور بھوک اللہ کے راستہ میں پہنچتی ہے اور جہاں بھی قدم رکھتے ہیں جس سے دشمنوں کو جلن ہوتی ہے اور دشمنوں کو جو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ یہ سب ان کے اعمال صالحہ کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

نیز جو بھی کوئی خرچہ کریں چھوٹا ہو یا بڑا اور جس میدان کو بھی قطع کریں تو یہ سب لکھا جاتا ہے۔ اور یہ لکھنا صرف لکھنے کے لئے نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر اچھے سے اچھا ثواب عطا فرمائے گا۔

معلوم ہوا کہ صرف جنگ کرنا اور ہتھیار چلانا ہی جہاد نہیں ہے اس راہ میں جو تکلیفیں آنے جانے میں پیش آئیں بھوک، پیاس، تھکن، قدم اٹھانا، خرچ کرنا وادیوں کو قطع کرنا ان سب میں ثواب ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کافروں کے دل جلانے کی بھی نیت رکھنی چاہیے۔ ان کے دل جلانے میں ثواب ہے۔ غزوۂ تبوک میں تو قتال ہوا ہی نہیں، آنا جانا اور تکلیف اٹھانا ہی تھا۔ اس پر بھی اجر و ثواب کے بڑے بڑے وعدے ہیں۔

فائدہ .... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ منورہ سے قریب ہوئے تو فرمایا کہ مدینہ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو پورے سفر میں تمہارے ساتھی تھے تم جو راستہ چلے اور جس میدان کو بھی تم نے قطع کیا وہ لوگ تمہارے ساتھ رہے۔ (یعنی اجر و ثواب میں وہ بھی تمہارے برابر کے شریک ہیں) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول! وہ مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی ہمارے ساتھی تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی تمہارے ساتھی تھے، وہ عذر کی وجہ سے رک گئے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۶۳۷ ج ۲)

اللہ کا بڑا احسان ہے عمل پر بھی ثواب اور نیت کرنے پر بھی ثواب عطا فرماتا ہے۔ جو شخص معذور ہو اور عمل کرنے کی خواہش رکھتا ہو اس کو بھی ثواب سے نواز دیا جاتا ہے۔ **فالحمدللہ العلی الکبیر۔**

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ

اور مؤمنین کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، کیوں نہ نکلی چھوٹی جماعت بڑی جماعت میں

لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع

سے تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں۔ اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو ڈرائیں۔ جبکہ وہ ان کے پاس واپس آجائیں۔

جہاد اور تفقُّہ فی الدین میں مشغول رہنے کی اہمیت اور ضرورت

دین اسلام کامل ہے، مکمل ہے، جامع ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اس میں اعتقادیات بھی ہیں اور عبادات بھی، اخلاق بھی ہیں اور آداب بھی، معاشرت کے طریقے بھی ہیں اور معاملات کے احکام بھی، بیاہ شادی بھی ہے اور اولاد کی پرورش بھی، مال کمانے کے جتنے طریقے ہیں ان کے احکام بھی بتائے ہیں۔ کفر کو مٹانے اور اہل کفر کو نیچا دکھانے اور اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے جہاد اور قتال بھی مشروع ہے اور یہ بھی دین کا ایک ضروری اور بہت اہم کام ہے۔ جسے حدیث شریف میں چوٹی کا عمل بتلایا ہے (ذروۃ سنامہ الجہاد) لیکن سارے افراد جہاد میں لگ جائیں تو تعلیم و تعلم کا کام کون کرے؟ جس کے ذریعہ علوم و اعمال زندہ رہتے ہیں۔ اور فضائل و مسائل کا پتہ چلتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔

جہاد کی قسمیں............ اس لئے عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں ہے فرض عین اسی وقت ہوتا ہے جبکہ دشمن کسی علاقہ پر دھاوا بول دیں۔ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے۔ پس جبکہ جہاد فرض کفایہ ہے اور دین کی دوسری ضروریات بھی ہیں۔ خصوصاً جبکہ علوم اسلامیہ جاننا اور پہنچانا اور پھیلانا بھی لازم ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہر وقت جہاد کے لئے ہر ہر فرد نکل کھڑا ہو۔ اسی کو فرمایا وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً (الآیۃ) کہ اہل ایمان کو یہ نہ چاہئے کہ سب ہی نکل کھڑے ہوں ہاں ایسا ہو کہ جہاد میں بھی جاتے رہیں ہر بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت جایا کرے اور علوم میں مشغول رہنے والے بھی ہوں۔ جہاد میں جانے والے جہاد کو قائم رکھیں جس سے فرض کفایہ ادا ہوتا رہے۔

تفقیہ اور تفقُّہ کی ضرورت............ جو لوگ جہاد میں نہ نکلیں وہ اپنی دینی سمجھ حاصل کریں، یعنی ایک جماعت علوم دینیہ پڑھانے والوں کی بھی رہے جن کے ساتھ علوم دینیہ حاصل کرنے والے لگے رہیں اور سرسری علوم پر اکتفا نہ کریں۔ بلکہ تفقہ فی الدین حاصل ہونا بھی ضروری ہے۔ علوم کی وُسعت بھی حاصل ہوا اور علوم کی گہرائی میں اتریں تا کہ اس قابل ہو جائیں کہ یہ سمجھ سکیں کہ کس آیت اور کس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے اس کو لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ سے تعبیر فرمایا جو لوگ جہاد میں نہیں گئے وہ وطن میں رہ کر علم دین حاصل کریں اور جو لوگ جہاد میں گئے وہ بھی واپس آکر علم حاصل کریں۔ ایسا نہ ہو کہ علم دین سے نابلد رہیں۔ اگر جاہل محض رہیں گے تو جہاد سے متعلقہ اعمال شرعیہ کی تعمیل نہ کرسکیں گے۔ جب یہ لوگ جہاد سے واپس آجائیں تو وہ حضرات جو علم کی تحصیل میں مشغول تھے ان واپس آنے والوں کو اللہ سے ڈرائیں یعنی دینی احکام سکھائیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتے رہیں اسی کو وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ جہاد میں جانے والے نوبت بنوبت جایا کریں۔ ایک جماعت جہاد میں چلی گئی (جن کے پاس ضروری علم پہلے سے ہے) اور جب یہ جماعت واپس آجائے تو یہ علوم دینیہ میں مشغول ہو جائے اور دوسری جماعت چلی جائے۔ جب جہاد ہمیشہ ہی فرض کفایہ ہے اور علوم دینیہ کو زندہ رکھنا بھی ضروری ہے اور مجاہدین کی خانگی حاجات اور ضروریات بھی ہیں تو ایسا کرنا ضروری ہوگا کہ فرض کفایہ کو قائم رکھنے کے لئے ایک جماعت جہاد میں چلی جایا کرے اور انکی واپسی پر بلکہ ان سے پہلے ہی دوسری جماعت جہاد کے لئے روانہ ہو جایا کرے۔ جو لوگ علوم میں مشغول تھے وہ مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر والوں کی خیر خبر رکھیں اور جب وہ واپس آجائیں تو ان کو احکام شرعیہ بتائیں، قرآن و حدیث کی تعلیم دیں۔

بطور فرض کفایہ امت مسلمہ کے ذمہ یہ بھی لازم ہے کہ علوم شرعیہ کو محفوظ رکھیں اور ان کو پڑھتے پڑھاتے رہیں۔ قرآن مجید کا محفوظ رکھنا

(مطبوعہ مصاحف پر بھروسہ کر کے حفظ کو نہ چھوڑ دیا جائے) قرآن کی تفاسیر کو محفوظ رکھنا احادیث شریفہ اور ان سے متعلقہ علوم کو محفوظ رکھنا، قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے جو احکام و مسائل مجتہدین نے مستنبط کئے ہیں ان کو محفوظ رکھنا بلکہ علوم عربیہ صرف ونحو، معانی، بیان اور عربی لغات کا باقی رکھنا بھی لازم ہے کیونکہ ان چیزوں پر قرآن مجید وحدیث کا فہم موقوف ہے اگر یہ چیزیں محفوظ نہ ہوں گی تو ملحدین اور زنادقہ اپنے پاس سے غلط ترجمے کریں اور قرآن وحدیث کے مفاہیم اور معانی بدل دیں گے۔ ہر شخص پر عقائد اسلامیہ کا جاننا اور ان کا عقیدہ رکھنا، نماز کے احکام و مسائل جاننا اور نماز کو سیکھنا اور یاد رکھنا، طہارت ونجاست کے مسائل جاننا اور ان تمام احکام کا جاننا جن سے ہر شخص کو روزانہ واسطہ پڑتا ہے یہ فرض عین ہے۔ جو لوگ تجارت کرتے ہیں ان کو تجارت کے مسائل جاننا فرض عین ہے اسی طرح جو لوگ زراعت میں صنعت وحرفت میں ملازمت میں لگے ہوئے ہیں اپنے اپنے مشاغل اور مکاسب کے بارے میں احکام و مسائل سیکھیں جو ان پر فرض عین ہے تاکہ خلاف شرع طریقوں سے مال نہ کمائیں۔ محنت بھی کریں اور مال حرام ملے اور مال کمانے میں خلاف شرع امور کا ارتکاب کر کے گناہ گار ہوں اس سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے اپنے کاروبار اور کام کاج کے بارے میں شریعت کے احکام معلوم کریں جن کے پاس مال ہے وہ خصوصیت کے ساتھ وجوب زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے مسائل معلوم کریں۔

لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ غیر قوموں کی طرح اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں اور جیسے چاہتے ہیں زندگی گزار لیتے ہیں نہ میاں بیوی کے حقوق کا پتہ، نہ اولاد کی تعلیم کی خبر، نہ ماں باپ اور دیگر اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کا فکر، نہ حلال کمانے کا دھیان۔ یہ طریقہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے۔

فقہ دینی سمجھ کا نام ہے عہد اول میں اس بات کا مفہوم بہت زیادہ عام تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا **معرفة النفس مالها وما عليها** کہ ہر شخص کا یہ پہچان لینا کہ میری ذمہ داری کیا ہے۔ میں دینا اور آخرت میں کن کن چیزوں کا مسئول ہوں اور وہ کیا کیا چیزیں ہیں جن کا انجام دینا میرے ذمہ لازم ہے۔ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ان سب کو جانے اور جاننے کے مطابق عمل کرے۔ اس میں پورے دین کا سمجھنا اور اپنی جان پر نافذ کرنا آ گیا۔ درحقیقت یہ فقہ کی بہت جامع تعریف ہے اور **ليتفقهوا في الدين** کے مفہوم میں یہ سب احکام اور مسائل آ جاتے ہیں احکام و مسائل کا جو علم ہے اور جو امور روح وقلب اور تزکیہ نفس سے متعلق ہیں اور فقہ ان سب کو شامل ہے حضرت حسنؒ سے کسی نے کچھ دریافت کیا انہوں نے کچھ جواب دے دیا سائل نے کہا کہ دوسرے فقہاء تو آپ کی مخالفت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا تم نے کوئی فقیہ دیکھا ہے؟ اس کے بعد فقیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا **انما الفقيه الزاهد فی الدنيا، الراغب فی الأخرة، البصير بدينه المداوم علی عبادة ربه الورع الكاف عن اعراض المسلمين العفيف عن اموالهم الناصح لجماعتهم** ۔ یعنی فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کی طرف راغب ہو، اپنے دین میں بصیرت رکھتا ہو، اپنے رب کی عبادت میں لگا رہتا ہو، پرہیزگار ہو، مسلمانوں کی بے آبروئی کے درپے نہ رہتا ہو (یعنی ان کی غیبتیں نہ کرتا ہو، ان پر تہمت نہ دھرتا ہو) ان کے مالوں سے دور رہتا ہو اور مسلمانوں کی جماعت کا خیر خواہ ہو۔ (روح المعانی ص ۴۸ ج ۱۱)

تفقہ فی الدین بہت بڑی دولت ہے جس کو بھی حاصل ہو جائے وہ بڑا سعادت مند ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **من يرد الله به خيرا يفقهه فی الدين** کہ اللہ تعالیٰ جس کو خیر سے نوازنے کا ارادہ فرماتے ہیں اسے تفقہ فی الدین کی دولت عطا فرماتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا **اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّيْنِ** ۔ کہ اے اللہ اسے فقہ فی الدین نصیب فرما حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا **تفقهوا قبل ان تسودوا** یعنی اس سے پہلے فقیہ بن جاؤ کہ تم کو سرداری سپرد کی جائے۔ (یعنی نوعمری ہی سے فقہ میں لگنا چاہیے) (صحیح بخاری ص ۱۷ ج ۱)

جو حضرات آیت قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے غیر منصوص مسائل کا استنباط کرتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ نے کیا یہ بھی فقہ فی الدین ہے اور جو لوگ اصلاح قلوب اور تزکیۂ نفوس کے شغل میں لگے ہوئے ہیں اور امت کی اجتماعی اور انفرادی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں وہ بھی فقہ فی الدین میں لگے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ فقہ کا نام سنتے ہی کانوں کو ہاتھ دھرتے ہیں اور گویا اس کو بدعت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں اس کا حکم دیا ہے کہ حدیث شریف میں اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے خیر سے نوازنا چاہیں اسے فقہ فی الدین سے نواز دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فقہ کی کیا ضرورت؟ حدیث دیکھ کر عمل کرلیں گے۔ حالانکہ حدیث پر عمل کرنے کے لئے سمجھ کی ضرورت ہوتی ہے ناسخ منسوخ دیکھنا پڑتا ہے ظاہری طور پر جو تعارض ہوا سکے رفع کرنے کے لئے تطبیق بین الاحادیث کی ضرورت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ قال صاحب الدر المختار واعلم ان تعلم العلم یکون فرض عین وھو بقدر ما یحتاج لدینہ و فرض کفایۃ وھو مازاد علیہ لنفع غیرہ ومندوبا وھو التبحر فی الفقہ وعلم القلب، وحرام وھو علم الفلسفۃ ولشعبدۃ والتنجیم والرمل وعلوم الطبعیین والسحر والکھانۃ اہ قال الشامی فی حاشیۃ قولہ علم القلب ای علم الاخلاق وھو علم یعرف بہ انواع الفضائل وکیفیۃ اکتسابھا وانواع الرذائل وکیفیۃ اجتنابھا (ردالمختار ص۳۰ ج۱)

(صاحب درمختار نے فرمایا ہے کہ جان لے! ایک علم کا حاصل کرنا فرضِ عین ہے اور وہ علم کی اتنی مقدار ہے جو دین پر عمل کے لئے ضروری ہو اور ایک علم فرض کفایہ ہے اور یہ وہ ہے جو اپنے عمل سے زائد ہو دوسرے کے نفع کے لئے ہو اور ایک مندوب ہے اور یہ فقہ میں مہارت حاصل کرنا اور دلوں کا علم ہے۔ اور ایک علم حرام ہے اور یہ فلسفہ، شعبدہ بازی، نجوم، رمل، مادہ پرستی کا علم اور جادو کہانت کا علم ہے۔ علامہ شامی نے حاشیہ میں کہا ہے علم دل سے مراد ہے علم اخلاق اور یہ وہ علم ہے جس سے فضائل کی اقسام اور ان کے حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور برائیوں کی اقسام اور ان سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوگا ہے)

فائدہ...... لفظ لِیَتَفَقَّهُوْا باب تفعل سے ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فقہ تفقہ سے حاصل ہوگا یعنی اس میں تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اور بغیر محنت اور کوشش کے حاصل نہ ہوگا۔ نیز صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ لیـنـذروا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین پڑھانے والے کی غرض ارشاد اور انذار ہونی چاہئے یعنی امور خیر کی تعلیم دے اور گناہوں کی تفصیل بتائے اور ان سے بچنے کی تاکید کرے اور متعلم کا مقصود بھی خوف وخشیت ہو وہ علم حاصل کر کے شریعت پر چلنے کی نیت کرے اور خوف وخشیت کو اپنی زندگی کا وظیفہ بنائے۔ دنیا حاصل کرنے اور بڑا بننے کی نیت سے علم نہ پڑھے۔ حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس حال میں موت آگئی کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لئے علم طلب کرنے کے لئے علم طلب کر رہا تھا تو اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک ہی درجے کا فرق ہوگا۔ (رواہ الدارمی فی سننہ ص۸۵ ج۱)

چونکہ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ کے بعد وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ بھی فرمایا اس لئے اصحاب علم پر ضروری ہے کہ جو لوگ بھی علم دین حاصل کرنے کیلئے ان کے پاس پہنچیں ان کی خیر خواہی۔ ہمدردی اور دلداری کریں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ لوگ تمہارے تابع ہوں گے۔ (یہ حضرات صحابہ کو خطاب ہے) اور بہت سے لوگ تمہارے پاس زمین کے دور دراز گوشوں سے آئیں گے۔ تاکہ وہ فقہ فی الدین حاصل کریں، سو جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے اچھی طرح پیش آنا میں تمہیں اس کی وصیت کرتا ہوں راوی حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ کا طریقہ تھا کہ جب کوئی طالب علم ان کے پاس پہنچتا تو فرماتے تھے مَرْحَبًا بوصیۃ رسول اللہ ﷺ (کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اس طرح پاؤ گے جیسے (سونے چاندی کی) کانیں ہوتی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر مختلف قسم کی قوت اور استعداد رکھی ہے) جاہلیت کے زمانہ میں جو لوگ (مکارم الاخلاق اور محاسن الاعمال کے اعتبار سے) بہتر تھے اسلام میں بھی وہ بہتر ہوں گے۔ جبکہ وہ فقیہ ہو جائیں۔ (رواہ مسلم ص ۳۰۷) جب اسلام میں داخل ہو کر فقیہ ہوں گے تو اپنی استعداد کو دینی سمجھ کے مطابق خرچ کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا **فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد** ۔ یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے بھاری ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

فقیہ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہزاروں عابدوں سے بہتر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص صرف عبادت گزار ہو شیطان کے مکروفریب اور بہکانے کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتا شیطان اسے آسانی سے ورغلا دیتا ہے اور جو شخص فقیہ ہو وہ شیطان کے داؤ گھات مکروفریب اور بہکانے کے طریقوں کو جانتا پہچانتا ہے۔ وہ اپنے علم وفقہ کے ذریعہ خود بھی شیطان کے مکروفریب سے محفوظ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میری بات کو سنے اور یاد رکھے اور اسے دوسروں تک پہنچا دے۔ کیونکہ بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو اس شخص کو پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۵)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ احادیث شریفہ کے ظاہری الفاظ سے جو مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کے علاوہ ان میں وہ مسائل بھی ہیں جن کی طرف ہر شخص کا ذہن نہیں پہنچتا جن کو اللہ تعالیٰ نے فقہ کی دولت سے نوازا ہے وہ ان مسائل اور احکام کو سمجھتے ہیں، احادیث کی عبارات اور سیاق وکلام، طرز بیان، وجوہ دلالت سے انہیں وہ چیزیں مل جاتی ہیں جو ان کو نہیں ملتیں جو فقہ سے عاری ہیں۔ اسی فقہ یعنی دینی سمجھ کا کام میں لانے کا نام استنباط ہے۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ دین اسلام میں فقہ فی الدین کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت ہے لیکن اس میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے ایک جماعت تو ایسی ہے جسے فقہ کے نام سے ہی چڑ ہے اور ساتھ ہی ان میں یہ غفلت ہے کہ احادیث شریفہ کی پوری کتابیں بھی نہیں پڑھتے پڑھاتے چند منتخب احادیث یاد کر کے فتوے دینے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ امام بخاری اور امام شافعی اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہے جس نے اساتذہ سے قرآن پڑھا نہ حدیث پڑھی خود رو عالم ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنی سمجھ سے دینی احکام بتانے اور فتوے دینے کا حق ہے ایسے لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں یہ لوگ نہ ہی عربی جانتے ہیں نہ صرف ونحو سے واقف ہیں۔ نہ وجوہ استنباط سے باخبر ہیں نہ فصاحت وبلاغت کی کتابیں پڑھیں نہ لغات پر حاوی ہیں، حروف اصلیہ اور حروف زائدہ کو بھی نہیں جانتے لیکن اپنی جاہلانہ سمجھ سے فتویٰ دینے کو تیار ہیں۔ اور ساتھ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ اجتہاد ختم نہیں ہوا اور اس بات کی لپیٹ میں وہ اپنے کو مجتہد قرار دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اجتہاد کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ میں نے ان لوگوں کے لئے چند سوال رکھے ہیں، عزیز طلبہ سے ان لوگوں کا واسطہ پڑ جائے تو ان سے دریافت کرلیں کہ لُمُتَنَنِّیْ کیا صیغہ ہے؟ اس کے حروف اصلی کیا ہیں؟ کوئی حرف کم ہوا تو کس اصول سے؟ نیز یَفۡتَرُوۡنَ اور یَفۡتَرُوۡنَ میں لفظی معنوی کیا فرق ہے؟ دونوں کے حروف اصلی بتائیں؟ اور حروف محذوفہ اور زائدہ بیان فرمائیں؟ اور یہ بتائیں کہ یَخِصِّمُوۡنَ اور اَمَّنۡ لَّا یَهِدِّیۡ اور وَادَّکَرَ کیا صیغہ ہے کس باب سے ہے؟ اور یہ بھی واضح کریں کہ فَاَسۡقَيۡنٰكُمُوۡهُ اور فَلَا تَمَارِ فِيۡهِمۡ میں کتنے کلمات ہیں؟ ان میں اسم، فعل، حرف کیا ہیں اور ساتھ ہی معرب مبنی کی تعیین بھی کرتے چلیں۔ اجتہاد، استنباط اور تفقہ

کوئی حلوہ کا لقمہ نہیں ہے جس کا دل چاہے مجتہد اور فقیہ بن جائے۔ یہ ضروری باتیں دورِ حاضر کے بے پڑھے مجتہدوں سے امت کو محفوظ رکھنے کے لئے لکھی گئیں ہیں۔

آیت بالا کی تفسیر جو اوپر لکھی گئی ہے یہ اس بنیاد پر ہے کہ لِيَتَفَقَّهُوْا اور وَلِيُنْذِرُوْا کی ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع کی ہے جو گھروں کو چھوڑ کر باہر نکل گئے اس صورت میں باہر نکلنے والوں سے علم کے لئے سفر کرنے والے مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح جہاد کے لئے جماعتیں جاتی ہیں اسی طرح طلب علم کے لئے بھی اہل ایمان باہر نکلیں اور باہر نکل کر علم حاصل کریں۔ پھر واپس ہو کر ان لوگوں کو دین سکھائیں اور اللہ سے ڈرائیں جو طلب علم کے لئے باہر نہ گئے تھے۔ یہ تفسیر سیاق کلام سے قریب تر ہے۔ صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر لکھ کر لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب دیہاتوں میں چلے گئے تھے، وہ وہاں کی چیزوں سے منتفع ہوئے اور ساتھ ہی لوگوں کی ہدایت کے کام میں مشغول رہے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ تم تو ہمارے پاس آ کر بھی بس گئے اور اپنے ساتھیوں کو چھوڑ آئے یہ بات سن کر انہیں رنج ہوا اور دیہات چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس سے ان کی پریشانی دور ہو گئی کیونکہ جو علم حاصل کیا ہے دیہات میں رہ کر اس کا پھیلانا اور ہدایت دینے کی کوشش کرنا بھی ایمانی تقاضوں میں شامل ہے۔ لِيَتَفَقَّهُوْا اور وَلِيُنْذِرُوْا کا مرجع جو بھی ہو اور ترجمہ اور تفسیر میں جو رخ بھی اختیار کیا جائے ہر حالت میں آیت شریفہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک جماعت کا تفقہ فی الدین میں مشغول ہونا ضروری ہے۔ یہ لوگ خود علم دین حاصل کریں اور پھر اپنی قوم کو علمی باتیں بتائیں، اوامر و نواہی سے آگاہ کریں۔ تا کہ قوم کے افراد گناہگاری سے بچ سکیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے دین اسلام میں بہت پھیلاؤ ہے۔ انسانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اسلام کے تمام علوم کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔ یہ علوم قرآن کریم میں اور احادیث شریف میں کتب تفسیر میں شروح حدیث میں فقہ کی کتابوں میں مدون ہیں، پوری امت کی ذمہ داری ہے کہ پورے دین کو علماً و عملاً محفوظ رکھے۔ ان علوم کی تعلیم و تدریس ہوتی رہے خود بھی پڑھیں اپنی اولاد کو بھی پڑھائیں اور تمام مسلمانوں کے لئے یہ مواقع فراہم کریں کہ ان علوم میں مشغول ہو سکیں۔ اس میں کتابیں لکھنا بھی ہے، مدارس کا قیام بھی ہے اور مدارس کی امداد بھی ہے بعض علاقوں میں کچھ لوگوں نے ایسے مدارس قائم کئے ہیں جن کے نصاب سے کتاب الجہاد اور کتاب العتاق وغیرہ کو یہ کہہ کر نکال دیا کہ ان پر عمل تو نہیں رہا لہٰذا ان کو پڑھانے کی ضرورت نہیں، یہ ان لوگوں کی نادانی ہے۔ عمل ہو یا نہ ہو ہر حال میں پورے دین کو باقی رکھنا اور محفوظ رکھنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اگر بعض علوم کو چھوڑ دیا اور بعض علوم کو نصاب سے خارج کر دیا تو جب کبھی حالات پلٹا کھائیں گے اور ان چیزوں پر عمل کرنے کا موقع آ جائے گا جن پر آج عمل کرنے کا موقعہ نہیں ہے تو اس وقت بھولے ہوئے احکام پر کیسے عمل ہوگا؟ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن احکام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ یہ بھی تو امت ہی کا قصور ہے (نہ جہاد چھوڑتے جو فرض کفایہ ہے) نہ یہ دن دیکھنے میں آتے کہ احکام جہاد و احکام استرقاق کو نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ کرتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

اے ایمان والو! ان کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں، اور جان لو کہ بلاشبہ

اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے، اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان کو بڑھایا، سو جو لوگ اہل ایمان

ركوع

اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ

ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو بڑھا دیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے سو اس سورت نے ان کی

رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً

گندگی پر گندگی بڑھا دی۔ اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہیں، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو بار کسی نہ کسی

اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ

مصیبت میں ڈالے جاتے ہیں پھر وہ رجوع نہیں کرتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں، اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی طرف

هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

دیکھتے ہیں کہ تمہیں کوئی شخص دیکھ تو نہیں رہا، پھر چل دیتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا، اس وجہ سے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔

ان کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں

ان آیات میں اولاً اہل ایمان کو یہ حکم دیا کہ جو کفار تمہارے آس پاس رہتے ہیں ان سے قتال کرو۔ اور اس انداز سے اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی گزارو (جس میں جنگ کی تیاری کرتے رہے اور جنگ کا سامان فراہم کرنا بھی داخل ہے)۔ کہ وہ لوگ تمہارے اندر سختی محسوس کریں۔ وہ تمہیں اپنی طرف سے غافل نہ سمجھیں۔ صاحب معالم التنزیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ (جو لوگ تم سے قریب ہیں) سے بنوقریظہ، بنونضیر اور خیبر میں بسنے والے یہودی مراد ہیں اور جو لوگ ان کے آس پاس تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے روم کے لوگ مراد ہیں، کیونکہ وہ شام میں تھے اور وہاں قیصر روم کی حکومت قائم تھی اور شام بنسبت عراق کے مدینہ منورہ سے قریب تر ہے۔ آیت کی تفسیر میں دونوں قول اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر تھے جیسے جیسے مسلمان مختلف علاقوں میں بڑھتے گئے ان کے حالات کے اعتبار سے آیت شریفہ کا حکم شامل ہوتا چلا گیا۔ جس زمانہ میں جہاں کہیں بھی مسلمان ہوں ان کافروں سے قتال کریں جو ان سے قریب تر ہیں۔ قریب والے دبے رہیں گے تو اس کا دور والے کافروں پر بھی اثر پڑے گا پھر فرمایا ...... وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً اس کے بارے میں صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں شدۃ و حمیۃ کہ کافر لوگ تمہارے اندر شدت اور حمیت اور قوت محسوس کریں پھر حضرت حسنؒ سے غِلْظَةً کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ صبراً علی جھادھم یعنی جب کافروں سے مقابلہ و مقاتلہ ہونے لگے تو جم کر مقابلہ کرو، وہ تمہارے اندر نرمی اور کمزوری محسوس نہ کریں۔ بلکہ انہیں یہ محسوس ہو کہ تم لوگ قوت اور شوکت والے ہو دبنے والے اور راہ فرار اختیار کرنے والے نہیں ہو...... پھر فرمایا وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (کہ اس بات کو جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے) وہ دشمنوں کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے گا، تقویٰ اختیار کرو۔ گناہوں سے بچو، شریعت کے خلاف کام نہ کرو، ظلم و زیادتی سے پرہیز کرو۔

منافقوں کی کافرانہ باتیں .... اس کے بعد منافقوں کی ایک حرکت بد کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں دل لگی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ اس آیت کے ذریعہ تمہارے ایمان میں کیا ترقی ہوئی۔ اور کیا اضافہ ہوا؟

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ جو اہلِ ایمان ہیں ان کے دلوں میں قرآن کی سورتوں کے نزول سے ترقی ہوتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض یعنی نفاق ہے ان کی دل کی ناپاکی میں اس سے زیادہ اضافہ ہوتا ہے اس سے پہلے جو سورتیں نازل ہو چکی تھیں اب تک انہیں کے منکر تھے اب جو نئی سورت نازل ہوگئی اس کے بھی منکر ہو گئے اور ساتھ ہی اس کا مذاق بھی بنایا لہٰذا ان کے کفر میں اور اضافہ ہو گیا اور یہ کفر پر جمنا اور کفر میں ترقی کرتے جانا ان کے کفر پر مرنے کا سبب بن گیا۔

پھر فرمایا کیا منافق لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، جہاد میں جانے کا حکم ہوتا ہے تو پیچھے رہ جاتے ہیں جس سے ان کا نفاق کھل جاتا ہے اور اس کی وجہ سے رسوا ہوتے ہیں۔ پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نصیحت بھی حاصل نہیں کرتے۔

پھر منافقوں کا ایک اور طریق کار ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو چپکے سے فرار ہونے کے لئے ایک دوسرے کی طرف کنکھیوں سے دیکھتے ہیں اور اس تاک میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی کھسکتے ہوئے نہ دیکھ لے۔ آپس میں کہتے ہیں کہ دیکھو ہمیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ اگر کوئی مسلمان دیکھ رہا ہو تو وہیں مجلس میں بیٹھے رہتے ہیں اور جب دیکھا کہ کسی کو بھی نظر نہیں پڑ رہی ہے تو چپکے سے چل دیتے ہیں۔ اپنے خیال میں انہوں نے بڑی ہوشیاری کی، لیکن اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دیا۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ اس موقعہ میں ہوتا تھا۔ جب کوئی ایسی سورت نازل ہوتی تھی جس میں منافقین کے بارے میں زجر و توبیخ کا مضمون نازل ہوتا تھا اور منافقین کے عیوب منکشف ہوتے تھے

آخر میں فرمایا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ۔ کہ ان لوگوں کی یہ حرکتیں اور ان حرکتوں کا انجام بد اس وجہ سے سامنے آیا کہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ اگر حق اور حقیقت کو سمجھتے تو نہ منافقت اختیار کرتے نہ ان سے منافقانہ حرکتیں صادر ہوتیں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ

بلاشبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے، جو تم میں سے ہے۔ تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اس کے لئے نہایت گراں ہے وہ تمہارے نفع کے لئے حریص ہے۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ

مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا ہے۔ سو اگر لوگ روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔ اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

ع ۱۷ / ۵

میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ اور اخلاق حسنہ کا بیان

یہ دو آیتیں ہیں جن پر سورۂ توبہ ختم ہو رہی ہے۔ پہلی آیت میں سیدنا خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی بعض صفات بیان فرمائیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ تمہارے پاس ایک رسول آیا جو بڑے مرتبہ والا رسول ہے (اس پر رَسُوْلٌ کی تنکیر دلالت کرتی ہے) اور یہ رسول تمہیں میں سے ہے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ بشر ہے تمہاری جنس میں سے ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب سے ہے، جو مخاطبین اولین

ہیں ان کا ہم زبان ہے وہ اس کی باتوں کو سمجھتے ہیں اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ وہ نسب کے اعتبار سے اور مل جل کر رہنے کے اعتبار سے تمہیں میں سے ہے اس کے نسب کو، اسکی ذات کو اور اس کی صفات کو اچھی طرح جانتے ہو۔ مفسر ابن کثیر (ص ۴۰۳ ج ۲) لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ نے نجاشی کے سامنے اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کسریٰ کے سامنے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا ان اللہ بعث فینا رسولا منا نعرف نسبه وصفته ومدخله ومخرجه وصدقه وامانته . (اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا ہے جو ہم میں سے ہے ہم اس کے نسب کو اور حالات کو جانتے ہیں ہم ہر طرح سے اس کی سچائی وامانت کو جانتے ہیں) آپ جن لوگوں میں پیدا ہوئے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد بھی انہیں میں رہے۔ آپ انہیں کی زبان میں بات کرتے تھے جس کی وجہ سے ان لوگوں کے لئے آپ سے استفادہ کرنا اور آپؐ کی باتیں سننے اور سمجھنے کا خوب موقعہ تھا اگر ان کا نبی ان کی جنس سے نہ ہوتا مثلاً فرشتہ ہوتا یا ان کی ہم زبان نہ ہوتا یا رہنے سہنے میں کسی ایسی جگہ رہتا جہاں آنا جانا اور ملنا جلنا دشوار ہوتا تو استفادہ کرنے اور بات سمجھنے میں دشواری ہوتی یہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ انہی میں سے رسول بھیج دیا۔ کما قال تعالیٰ (فی سورة ال عمران) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان فرمایا جبکہ ان میں سے ایک رسول بھیج دیا) آپ کی دیگر صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ کہ امت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ کو شاق گزرتی ہے۔ اور آپؐ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور آپؐ امت کے نفع کے لئے حریص ہیں آپؐ کو یہ حرص ہے کہ جملہ مخاطبین ایمان لے آئیں اور یہ بھی حرص ہے کہ اہل ایمان کے تمام حالات درست ہو جائیں اور آپؐ کو مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت ہے، آپؐ ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آپؐ کا تعلق صرف ایسا نہیں ہے کہ بات کہہ کر بے تعلق ہو گئے بلکہ آپؐ کا اپنی امت سے قلبی تعلق ہے ظاہراً بھی آپؐ ان کے ہمدرد ہیں اور باطناً بھی، امت کو جو تکلیف ہوتی ہے اس میں آپؐ بھی شریک ہوتے تھے اور ان میں سے کسی کو تکلیف پہنچ جاتی تو آپؐ کو کڑھن ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم فرمایا وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی مؤمنین کے ساتھ آپ نرمی کا برتاؤ کیجئے۔ ایک مرتبہ رات کو مدینہ منورہ کے باہر کوئی آواز آئی۔ اہل مدینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا چند آدمی جب اس کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے ہی سے ادھر روانہ ہو چکے تھے یہ لوگ جا رہے تھے تو آپؐ آ رہے تھے آپؐ نے فرمایا لَمْ تُرَاعُوْا ڈرو نہیں، کوئی فکر کی بات نہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۴۷ ج ۱)

حضرات صحابہؓ میں کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکرمند ہوتے تھے۔ عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ دوا بتاتے تھے۔ مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے۔ تکلیفوں سے بچانے کے لئے ان امور کی تعلیم دیتے تھے۔ جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسانوں کو خود ہی بچنا چاہئے لیکن آپ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے۔ اسی لئے آپ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۴۰۴) اور آپ نے یہ بھی فرمایا جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اس کو کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۶۶) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ گھسادے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے (ممکن ہے کہ اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گزر گیا ہو)۔ (رواہ البخاری مسلم)

جوتے پہننے کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی سوار ہو جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑوں مکوڑوں اور گندگی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے)۔ (رواہ مسلم) نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ (جب چلتے چلتے تمہارے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے جب تک کہ دوسرے چپل کو درست نہ کرلے (پھر دونوں کو پہن کر چلے) اور یہ بھی فرمایا کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلے (کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا۔ (رواہ مسلم) آپؐ امت کو اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے ہیں اور بتاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو، اور آپؐ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجا نہ کرو اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ ص۴۲)

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اڑیں۔ اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ۔ (مشکوٰۃ ص۴۲) نیز آپؐ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں) اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائیں گی جو سراپا شفقت پر مبنی ہیں۔ اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ آپؐ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مؤمن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب اس کے چاروں طرف روشنی ہوگئی تو پروانے اس آگ میں آکر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور زبردستی گرتے ہیں۔ یہی میرا حال ہے کہ میں تمہیں دوزخ سے بچانے کے لئے تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو یعنی جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بناتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

پھر فرمایا کہ اگر لوگ روگردانی کریں حق کو قبول نہ کریں۔ محبت، شفقت اور رأفت ورحمت والے رسول کی تصدیق نہ کریں تو آپ ان کی طرف سے ایذاء پہنچنے کے بارے میں متفکر نہ ہوں آپ یوں اعلان کردیں حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ (کہ اللہ مجھے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے) توکل علی اللہ نبیوں کا اور ان کے امتیوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اس سے مشکل ترین کام آسان ہو جاتے ہیں حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا کہ جو شخص صبح وشام سات مرتبہ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ کہہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام فکرمندیوں کی کفالت فرمائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ص۴۰۵ ج۵)

☆☆☆.................☆☆☆

۱۰۹ آیتیں ۱۱ رکوع	سورۂ یونس	مکی

(۱۰) سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ (۵۱) آيَاتُهَا ۱۰۹ رُكُوْعَاتُهَا ۱۱

سورۂ یونس مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۰۹ آیات اور ۱۱ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ

الٓرٰ یہ آیات ہیں کتاب حکیم کی، کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کی طرف وحی بھیجی کہ

النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا

لوگوں کو ڈرایئے اور ان لوگوں کو بشارت دیجئے جو ایمان لائے یہ کہ ان کے رب کے پاس بڑا مرتبہ ہے۔ کافروں نے کہا کہ بے شک

لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

یہ کھلا جادوگر ہے، بلاشبہ تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا،

الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

وہ ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں، وہ اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اسی کی طرف تم سب کو لوٹ جانا ہے، اس نے سچا وعدہ کر رکھا ہے بلاشبہ وہی مخلوق کو ابتداء، پیدا فرماتا ہے پھر وہ اسے دوبارہ لوٹا دے گا تا کہ وہ ان لوگوں کو

الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کیلئے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

توحید و رسالت اور معاد کا اثبات

سورۂ یونس کی ابتدائی آیات ہیں۔ اس کی ابتدا الٓرٰ سے ہے۔ جو حروف مقطعات میں سے ہے یہ بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر

چکی ہے۔اس کے بعد فرمایا تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ (یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں) مفسرین کرام نے حکیم کے دو معنی لکھے ہیں۔اول: ذو حکمۃ والی کتاب۔دوئم: بمعنی محکم، پھر محکم کے دو معنی ہیں۔اول! بمعنی مضبوط کہ اس کے الفاظ اور کلمات اور طریقہ بیان اور اسلوب کلام نہایت ہی درجہ پختہ ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ غیر منسوخ ہے۔جن مفسرین نے یہ معنی لئے ہیں ان کی بات کی بنیاد یہ ہے کہ سورۂ یونس میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے لیکن چونکہ صفت مضاف الیہ یعنی الکتاب کی ہے اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے جو ان سورتوں پر بھی مشتمل ہے، جن میں آیات منسوخۃ الحکم بھی موجود ہیں اس لئے یہاں یہ معنی لینا مناسب نہیں۔صاحب معالم التنزیل (ص ۳۴۲ ج ۲) نے لکھا ہے کہ حکیم حاکم کے معنی میں ہے یعنی یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو فیصلہ دینے والی ہیں۔اس کے بعد لوگوں کے ایک تعجب کا تذکرہ فرمایا اور بطور استفہام انکاری یوں فرمایا اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا (الآیہ) کیا لوگوں کے لئے یہ تعجب کی بات ہے کہ ہم نے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی جو انہیں میں سے ہے؟ یہاں الناس سے کفار عرب اور خاص کر اہل مکہ مراد ہیں انہوں نے اول تو اس بات پر تعجب کیا کہ آدمی کو رسول بنایا گیا اور دوسرے انہیں اس پر تعجب ہوا کہ ابو طالب کے یتیم کو رسول بنا دیا گیا، ان کے تعجب کی استفہام انکاری کی صورت میں تردید فرمائی کہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ انسانوں کی طرف انہیں کی جنس میں سے کسی انسان کو مبعوث فرمانا عقل اور سمجھ کے بالکل موافق ہے تاکہ اپنے جنس کے فرد اس سے مانوس ہوں اس سے قولی اور عملی طور پر احکام سیکھیں اور عمل کریں اس بارے میں مزید توضیح کے لئے سورۂ انعام کے پہلے رکوع کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اور دوسرا جو تعجب تھا وہ بھی بے وقوفی پر مبنی تھا یہ لوگ سمجھتے تھے کہ کوئی بڑا مالدار رئیس اور چودھری نبی ہونا چاہیے تھا۔چونکہ اہل دنیا کو دنیا والوں ہی میں بڑائی نظر آتی ہے اور دنیا والوں ہی کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں اس لئے انہوں نے ایسی جاہلانہ بات کی۔مال و دولت کو اللہ کا محبوب بندہ ہونے میں کوئی بھی دخل نہیں، اور خصوصاً نبوت جو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور خاص عطیہ ہے اس میں یہ دیکھنا کہ جسے نبوت ملی ہے اس کے پاس دنیاوی مال و متاع ہے یا نہیں سراپا حماقت اور جہالت ہے۔

نبی میں اخلاق عالیہ کا ہونا ضروری ہے، جن کی دعوت الی الحق کے لئے ضرورت ہے اہل دنیا اخلاق عالیہ سے خالی اور عاری ہوتے ہیں ان کو کیسے نبوت دی جائے، پھر جس کو اللہ نے نواز دیا اس سے کون آگے بڑھنے والا ہے۔اللہ نے جس کو چاہا نبوت و رسالت کے مرتبہ سے سرفراز فرما دیا اس میں کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں۔

یہی ابو طالب کا یتیم بھتیجا جس کی نبوت و رسالت پر عرب کے جاہل معترض ہو رہے تھے اللہ نے اسے اتنی بلندی دی کہ جس کے سامنے فرشتوں کی بلندی بھی نیچے رہ گئی۔اس یتیم ابو طالب کی دعوت پورے عالم میں پھیلی، اس کی امت کے قبضہ میں بڑے ممالک آئے عرب اور عجم نے اس کا دین قبول کیا، قیصر و کسریٰ کے خانے امت کے قدموں میں حاضر ہو گئے پرانی تمام آسمان کی کتابوں کو اس کتاب نے منسوخ کر دیا جو ابو طالب کے یتیم بھتیجے پر نازل ہوئی اور تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔

یتیمی کہ ناکردہ قرآن درست کتب خانہ چند ملت بشست

پھر نبی اکرم ﷺ کو ایسا کام بتایا جو بحیثیت نبی اور رسول ہونے کے آپ کے سپرد کیا گیا تھا اور فرمایا اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔کہ جس شخص کی رسالت اور نبوت پر تعجب کر رہے ہیں اسے ہم نے اس بات پر مامور کیا کہ لوگوں کو ڈرائے (جو نافرمان ہوں گے وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے) اور یہ جو لوگ ایمان قبول کریں انہیں اس بات کی بشارت دیں کہ ان کے

رب کے پاس ان کے لئے بڑا مرتبہ ہے قدم تو پاؤں کے لئے بولا جاتا ہے، چونکہ انسان کی مسلسل سعی اور عمل پیہم میں قدم کو استعمال کیا جاتا ہے اس لئے بلند مرتبہ بتانے کے لئے لفظ **قدم صدق** استعمال فرمایا، صدق سچائی کو کہتے ہیں۔ "**قدم صدق**" سے سچائی کا قدم یعنی وہ مرتبہ مراد ہے جسکے ملنے میں کوئی شک نہیں۔ سورۂ قمر میں ارشاد فرمایا۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ o فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۔ کہ بلاشبہ متقی لوگ باغیچوں اور نہروں میں ہوں گے سچائی کے مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس ہوں گے۔ وہاں اہل تقویٰ کے مقام کو **مقعد صدق** سے تعبیر فرمایا ہے۔ سچے ایمان اور سچے اقوال والوں کیلئے **قدم صدق** اور **مقعد صدق** ہی ہونا چاہئے۔

پھر فرمایا قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ (جس نبی کو انذار اور تبشیر کا کام سپرد کیا اس کے بارے میں منکرین نے کہہ دیا کہ یہ کھلا ہوا جادوگر ہے) یہ بات ان لوگوں نے قرآن کریم کے اعجاز سے متاثر ہو کر کہی جب قرآن کی فصاحت اور بلاغت سامنے آئی تو اس جیسا بنا کر تو نہ لا سکے لیکن اس کو جادو بتا دیا اور نبی اکرم ﷺ کو جادوگر کہنے لگے **قال صاحب الروح ص ۶۳ ج ۱ ان ھٰذا ای ماا وحی الیہ صلی اللہ علیہ وسلم من الکتاب المنطوی علی الانذ ارو التبشیر (الی ان قال) وفی ھٰذا اعتراف بان ما عاینوہ خارج عن طوق البشر نازل من حضرۃ خلاق القوی ولقدر** الخ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بے شک یہ یعنی حضور اکرم ﷺ کی طرف ڈرانے اور خوشخبری پر مشتمل جو کتاب نازل کی گئی ہے ...... اور اس میں اس بات کا اعتراف ہے کہ جو کتاب وہ دیکھ رہے یہ انسان کی طاقت سے خارج ہے یہ تو اللہ تعالیٰ قوی اور قادر کی طرف سے نازل ہو رہی ہے)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کی قوموں کا یہی معاملہ رہا ہے۔ سورۂ ذاریات میں فرمایا كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (اسی طرح سے بات ہے۔ ان سے پہلے جو بھی کوئی رسول آیا لوگوں نے اس کے بارے میں یہ ضرور کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفات خالقیت کا تذکرہ فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا، سورۂ فرقان رکوع (۴) میں اور سورۂ الم سجدہ رکوع (۱) میں اور سورۂ ق رکوع (۳) میں لفظ وَمَا بَيْنَهُمَا کا اضافہ بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ شانہ کو ذرا سی دیر میں پلک جھپکنے سے کم مدت میں سارے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کرنے کی قدرت ہے لیکن پھر بھی چھ دن میں پیدا فرمایا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں مخلوق کو تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے احوال واطوار میں جلدی سے کام نہ لیں بلکہ تدریجی طور پر کام کریں۔ **قال صاحب الروح ص ۶۴ ج ۱۱ وفی خلقھا مع القدرۃ التامۃ علیٰ ابداعھا فی طرفۃ عین اعتبار للنظار وحث لھم علی التانی فی الاحوال والاطوار۔** (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں پلک جھپکنے کی دیر میں آسمان وزمین کو پیدا کرنے کی کامل قدرت رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا انہیں تدریجاً پیدا کرنے میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہے اور ان کے لئے احوال واطوار میں غور وتدبر کی ترغیب ہے)

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (پھر عرش پر مستوی ہوا) استواء علی العرش کے بارے میں سورۂ اعراف کی آیت اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ (رکوع ۷) میں ضروری مضمون لکھ دیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

پھر فرمایا يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (اللہ تعالیٰ تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے) سورۂ الٓم سجدہ میں فرمایا يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (وہ آسمان سے زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے) یعنی تمام امور اس کی تدبیر کے مطابق اور حکمت کے موافق اور اسی کی قضاء وقدر کے مطابق وجود میں آتے ہیں۔ **قال صاحب الروح والمراد بہ ھا ھنا التقدیر الجاری علیٰ وفق الحکمۃ والوجہ الاتم الاکمل، اخرج ابو الشیخ وغیرہ عن مجاھدان المعنیٰ یقضی الامر والمراد بالامر امر الکائنات علویھا وسفلیھا**

حتى العرش الى آخر قال (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہاں مراد وہ تقدیر الٰہی ہے جو کہ حکمت الٰہی کے موافق تمام وکامل طور پر جاری ہے۔ ابوالشیخ وغیرہ نے حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ امور کا فیصلہ فرماتے ہیں اور امر سے مراد کائنات کا معاملہ خواہ آسمانوں کے یا زمینوں کے معاملات حتیٰ کہ عرش بھی) (ص ۶۵ ج ۱۱)

مَامِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ (اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی سفارش کرنے والا نہیں ہے) اس کے حضور میں کسی کو سفارش کرنے کی جرأت وہمت نہیں، وہاں وہ جسے اجازت دیدے وہی سفارش کر سکے گا اور یہ سفارش صرف اہل ایمان کے لئے ہوگی۔ سورۂ مومن میں فرمایا۔ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ (ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے)

پھر فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ وہ اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ٥ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا (اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے) وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا (اللہ نے وعدہ فرمایا ہے اس کا وعدہ حق ہے) اس کے علم میں قیامت کا جو وقت مقرر ہے اس وقت آجائے گی سب زندہ ہو جائیں گے پھر پیشیاں ہوں گی۔ حساب دینا ہوگا۔ قیامت آنے میں جو دیر لگ رہی ہے اس دیر کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ وہ نہیں آئے گی، اللہ کا وعدہ سچا ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان الاخرة وعد صادق يحكم فيها ملك عادل قادر (بلاشبہ آخرت کا وعدہ سچا ہے اس میں وہ بادشاہ فیصلے فرمائے گا جو عادل بھی ہے اور قادر بھی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۵)

اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ یعنی بلاشبہ وہ ابتداءً مخلوق کو پیدا فرماتا ہے۔ پھر (موت دے کر) دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ اس میں منکرین قیامت کے اس اشکال کا جواب ہے کہ قبروں میں جا کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد کیسے زندہ ہوں گے۔ ان لوگوں کو بتادیا کہ جس نے ابتداءً پیدا فرمایا وہی دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا۔ سورۂ روم میں فرمایا وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (اور وہی اول بار پیدا فرماتا ہے پھر دوبارہ زندگی دے گا اور وہی اس کے لئے زیادہ آسان ہے)

یہ اعتراض کرنیوالوں کی سمجھ کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ جس نے پہلی بار پیدا فرمایا ہے اسے تو تمہاری سمجھ کے مطابق دوبارہ پیدا کرنا آسان ہونا چاہئے حالانکہ اس کے لئے ابتداء اور اعادہ قدرت کاملہ کی وجہ سے دونوں برابر ہیں۔

اسکے بعد اہل ایمان واہل کفر کی جزا کا تذکرہ فرمایا: لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ (تا کہ اللہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ٥ (اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پینے کیلئے ملے گا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے) سورۂ محمد میں اس کھولتے ہوئے گرم پانی کے بارے میں فرمایا ہے: وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (اور ان کو گرم پانی پلایا جائے گا۔ جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا)

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ

اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی بنایا اور چاند کو نور بنایا، اور اس کے لئے منزلیں مقرر فرما دیں تا کہ تم برسوں کی گنتی جان لو اور حساب کو معلوم کر لو،

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ٥ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ

یہ چیزیں اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا فرمائی ہیں، وہ جاننے والوں کے لئے تفصیل کے ساتھ نشانیاں بیان فرماتا ہے۔ بے شک رات اور دن کے

وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝

ایک دوسرے کے بعد آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا فرمایا ہے ان میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو روشن بنایا، منزلیں مقرر فرمائیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو

ان آیات میں مزید مظاہر قدرت بیان فرمائے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اول آفتاب کی روشنی کا اور پھر چاند کی روشنی کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو سراپا روشنی بنایا۔ ان کی روشنی کا تذکرہ فرماتے ہوئے آفتاب کے لئے لفظ ضِيَآءً اور چاند کے لئے نُوْرًا استعمال فرمایا۔ علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ ضیاء بڑی اور قوی روشنی کو کہتے ہیں اور نور قوی اور ضعیف ہر روشنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا آفتاب کے لئے لفظ ضیاء استعمال میں لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آفتاب کو زیادہ قوی روشنی دی جب وہ طلوع ہوتا ہے تو رات چلی جاتی ہے اور دن آجاتا ہے دن میں چونکہ چلنے پھرنے اور کاروبار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے دن کو بہت زیادہ روشن بنایا اور رات کو سکون اور آرام کے لئے بنایا ہے جیسا کہ سورۂ قصص میں فرمایا: وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (اور اس کی ایک یہ رحمت ہے کہ اس نے دن بنایا اور رات بنائی تا کہ اس میں آرام کرو اور تا کہ اللہ کے رزق کو تلاش کرو) چونکہ آرام وسکون کے لئے دھیمی روشنی کی ضرورت ہے اس لئے چاند کو ضعیف روشنی عطا فرمائی جس کے لئے لفظ نور استعمال فرمایا۔

پھر فرمایا: وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (اور اس کے لئے منزلیں مقرر کر دیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلو) اس میں واحد کی ضمیر استعمال فرمائی ہے بظاہر قَدَّرَهٗ کی ضمیر مفرد قمر کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ قریب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قَدَّرَهٗ میں مفعول کی ضمیر لفظوں میں تو مفرد ہی ہے لیکن شمس وقمر دونوں کی طرف راجع ہے اور عربی محاورات بتاویل کل واحد اس طرح ضمیریں لوٹانا درست ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے شمس وقمر دونوں کی رفتار کے لئے منزلیں مقرر فرمائی ہیں انہیں منزلوں کو وہ طے کرتے ہیں اور ان کے لئے جو حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے آگے نہیں نکل سکتے چاند اپنی منزلیں انتیس یا تیس دنوں میں قطع کرتا ہے اور جب وہ مغرب کی طرف بصورت ہلال طلوع ہوتا ہے تو مہینہ شروع ہوتا ہے۔ آفتاب کی بھی منزلیں مقرر ہیں۔ وہ مقررہ حدود کے اندر ہی سفر کرسکتا ہے۔ سورۂ یٰسٓ میں فرمایا۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ مقرر کر دینا ہے اس کا جو زبردست ہے علم والا ہے اور ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی، نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں) اللہ تعالیٰ نے شمس وقمر کو پیدا فرمایا ان کو روشنی دی ان کیلئے منزلیں مقرر فرمائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور وحدانیت کے دلائل میں سے ہے پھر جو منزلیں مقرر فرمائیں اس سے بندوں کا یہ نفع بھی متعلق فرمادیا کہ وہ ان کے ذریعے معلوم کر لیتے ہیں کہ فلاں معاملہ یا معاہدہ کو کتنے برس گزر گئے اور میعاد پورا ہونے میں کتنے برس باقی ہیں۔ آفتاب کی منازل کا پتہ تو اہل رصد کو ہی ہوسکتا ہے لیکن چاند کے طلوع اور غروب اور گھٹنے بڑھنے سے عام طور سے تاریخ کا پتہ چل جاتا ہے پڑھا لکھا شہری و دیہاتی ہر شخص آسانی سے مہینہ کی ابتداء اور انتہاء سمجھ لیتا ہے اور شرعاً احکام شرعیہ میں چاند کے مہینوں ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی بھی

چاند کے اعتبار سے بارہ مہینے گزرنے پر فرض ہوتی ہے اور رمضان کا مہینہ بھی چاند ہی کے حساب سے پہچانا جاتا ہے جو قمری سال کا نواں مہینہ ہے اور حج بھی چاند ہی کے حساب سے ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے عدت کے مہینوں میں بھی چاند کا اعتبار ہوتا ہے اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ چاند کا حساب باقی رکھنا فرض کفایہ ہے۔ (گو دنیاوی معاملات میں شمسی سال سے حساب رکھا جائے تو یہ بھی جائز ہے)

پھر فرمایا مَا خَلَقَ اللّٰہُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں یوں ہی بے فائدہ پیدا نہیں فرمائی ہیں) ان کی تخلیق میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔

یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (اللہ تعالیٰ دانش مندوں کے لئے خوب واضح طریقہ پر دلائل بیان فرماتا ہے)

کیونکہ جو بے علم ہیں یا بے علموں کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ ان دلائل سے مستفید نہیں ہوتے پھر فرمایا: اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ (بلاشبہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اور ان سب چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں میں پیدا فرمائی ہیں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو ڈرتے ہیں) رات کے بعد دن کا آنا دن کے بعد رات کا آنا اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی واضح دلیل موجود ہے ان کا الٹ پھیر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اور اس کے اختیار سے ہے وہ چاہے تو دن سرمدی ہو جائے یعنی ہمیشہ دن ہی دن رہے اور وہ چاہے تو ہمیشہ رات ہی رات رہے لیکن اس نے بندوں کی مصلحت کے لئے ایسا نہیں کیا، آسمانوں میں زمین میں جو کچھ پیدا فرمایا ہے اس کا ایک ایک ذرہ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کی وحدانیت کی اور تدبیر محکم کی گواہی دیتا ہے ان چیزوں کو دیکھ کر وہ لوگ نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہیں جو خالق مالک جل مجدہ سے ڈرتے ہیں اور منکرین ہیں نہ ان میں تقویٰ ہے۔ ایمان ہے نہ یقین ہے یہ لوگ دلائل سے متأثر اور مستفید نہیں ہوتے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝

بلاشبہ جو لوگ ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔

اُولٰٓئِکَ مَاْوٰهُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ

ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ

بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَکَ اللّٰهُمَّ

سے انہیں راہ بتا دے گا، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔ ان میں ان کی یہ بات ہوگی کہ اے اللہ تو پاک ہے،

وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اور اس میں ان کا تحیہ سلام ہوگا اور ان کی آخری بات الحمد للہ رب العلمین ہوگی۔

ع ۱۰

اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا

ان آیات میں اول تو ان لوگوں کے لئے وعید ذکر فرمائی جنہیں قیامت کا اور وہاں کا کوئی کھٹکا نہیں وہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور

پوری طرح دنیا ہی میں جی لگا رکھا ہے اور اس دنیا والی زندگی سے خوش ہیں ایسے لوگ اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے غافل ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ اپنے اعمال کی وجہ سے یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے دوزخ ان کا ٹھکانہ ہے انہوں نے اعمال ہی ایسے کئے جو انہیں دوزخ میں لے جائیں۔ پھر اہل ایمان کو بشارت دی اور فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں نجات کی راہ بتائے گا یعنی جس طرح انہیں دنیا میں ہدایت دی ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا اسی طرح آخرت میں ان کو جنت میں جانے کا راستہ بتادے گا وہ اپنی اپنی راہ چل کر اپنے اپنے منازل ومساکن پہنچ جائیں گے۔

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جنتی وہاں اپنے اپنے گھروں کا راستہ اس سے زیادہ پہچاننے والے ہونگے جیسا کہ دنیا میں اپنے اپنے گھروں کا راستہ پہچانتے تھے۔

یہ حضرات باغوں میں ہوں گے جو چین اور آرام کے باغ ہوں گے ان کا تحیہ سلام ہوگا اور آخری بات اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ ہوگی ملاقات کے وقت جو دعائیہ کلمات ادا کئے جاتے ہیں انہیں تحیہ کہا جاتا ہے بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کریں گے یعنی سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہتے رہیں گے اور آخر میں ایک دوسرے سے رخصت ہوں گے تو یوں کہیں گے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہاں کا پروردگار ہے) اہل جنت اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید میں ہمیشہ اور ہر وقت مشغول رہیں گے اور وہاں کی بقاء کا ذریعہ تسبیح اور تحمید ہی ہوگا۔

صحیح مسلم ص ۳۷۹ ج ۲ میں ہے۔ یلھمون التسبح والتحمید کما تلھمون النفس ان کی تسبیح اور تحمید ایسے جاری ہوگی جیسے (دنیا میں) تمہارا سانس جاری رہتا ہے یعنی تسبیح وتحمید سے نہ تھکیں گے اور نہ اکتائیں گے، نہ نعمتوں کی مشغولیت انہیں تسبیح اور تحمید سے غافل کرے گی، جیسے فرشتے تسبیح وتحمید میں لگے ہوئے تمام کام انجام دیتے ہیں جن کا انہیں حکم ہوتا ہے اسی طرح اہل جنت ہر وقت ہی اللہ کی تسبیح اور تحمید میں مشغول ہوں گے۔ وہاں کی نعمتیں اور عجیب چیزیں معائنہ کریں گے تو ان کے منہ سے سبحان اللہ نکلے گا۔

تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۸ ج ۲ میں حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ جب کوئی پرندہ گزر رہا ہوگا اور اہل جنت کو اس کے کھانے کی خواہش ہوگی تو وہ سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہہ دیں گے ان کی خواہش کے مطابق فرشتہ اسے حاضر کردے گا اور جب فرشتہ آئے گا تو سلام کے الفاظ ادا کرے گا جس کا وہ حضرات جواب دیں گے، جب وہ اپنی خواہش کی چیزیں کھالیں گے تو اخیر میں اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ کہیں گے۔

لفظ دعویٰ کا ترجمہ مطلق کلام بھی کیا گیا ہے اور بعض مفسرین نے کسی چیز کے طلب کرنے کا معنی بھی لیا ہے اور بعض حضرات نے دعا کا ترجمہ بھی کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ کی تسبیح بیان کریں گے اور دعاء کے ختم پر اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ کہیں گے یہ تینوں معنیٰ لغت عربی کے اعتبار سے درست ہیں اگر دعا کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کے لئے کسی چیز کی کمی تو نہ ہوگی جو اپنی ضرورت کے لئے مانگیں لیکن تلذذ کے طور پر اور آداب بندگی بجالانے کے لئے وہ حضرات دعا مانگا کریں گے۔

یہ جو فرمایا وَتَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ۔ اس کے عموم الفاظ میں ہر سلام آ گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر سلام آئے گا جیسا کہ سورۂ یٰسین میں فرمایا سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ۔ اور فرشتے بھی سلام کرتے ہوئے داخل ہوں گے جیسا کہ سورۂ رعد میں فرمایا وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يَدۡخُلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ۔ اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے، جنت دار السلام ہے وہاں سلام ہی سلام ہے سورۂ واقعہ میں فرمایا لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا وَّلَا تَاۡثِيۡمًا اِلَّا قِيۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (وہ اس میں

کوئی لغو بات نہ سنیں گے وہ سلام ہی سلام سنیں گے)

جب جنت میں داخل ہوں گے تو یوں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙالَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے سختی کو ہم سے دور فرما دیا، بے شک ہمارا رب مغفرت فرمانے والا ہے قدر دان ہے، جس نے ہمیں رہنے کی جگہ میں اتارا ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف ہوگی اور نہ تھکن ۔) (سورۂ فاطر)

وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ

اور اگر اللہ لوگوں پر نقصان واقع کرنے میں جلدی کرتا جیسے کہ وہ بھلائی کے لئے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ پورا ہو چکا ہوتا، سو جو لوگ

الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ

ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہم ان کی سرکشی میں انہیں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں۔ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے

اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ

لیٹے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے، پھر جب ہم اس کی تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو وہ اس حال میں گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے ہمیں کسی تکلیف کے پہنچ جانے پر پکارا ہی نہ تھا، اسی

لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ

طرح حد سے بڑھ جانے والوں کیلئے ان کے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں۔ اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور انکے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

ان کے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے، اور وہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے، ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ہم نے تمہیں

خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

زمین میں ان کے بعد خلیفہ بنا دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟

انسان جلد باز ہے، مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور عافیت کے وقت بھول جاتا ہے

انسان کے مزاج میں جلد بازی ہے۔ سورۂ انبیاء میں فرمایا ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ (انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے) اس کی جلد بازی کا مزاج ہر جگہ کام کرتا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے منکرین کو عذاب کی وعیدیں سنائیں تو بجائے ایمان قبول کرنے کے یوں کہتے تھے کہ عذاب آ کیوں نہیں جاتا۔ سورۂ رعد میں فرمایا وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (اور یہ لوگ عافیت سے پہلے آپ سے مصیبت کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے واقعات عقوبت گزر چکے تھے) ان لوگوں کا عذاب آنے کیلئے جلدی کرنا تکذیب اور استہزاء کے طور پر تھا، وعدہ عذاب کو سچا نہیں جانتے تھے اس لئے ایسی باتیں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ شانہٗ حکیم ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہے عذاب بھیجے۔ لوگوں کے جلدی مچانے سے وہ عذاب جلدی نہیں بھیجتا، وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ

لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ اور اگر ان لوگوں پر انکے جلدی مچانے کے موافق اللہ تعالیٰ جلدی عذاب بھیج دیتا جیسا کہ وہ خیر کے لئے جلدی مچاتے ہیں (اور انکے جلدی مچانے پر اللہ تعالیٰ خیر بھیج دیتا ہے)۔ تو عذاب کا وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا[1] لیکن اللہ تعالیٰ ان کے جلدی کرنے پر اسی وقت عذاب نہیں بھیجتا اسی وقت عذاب نہ بھیجنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ سرکشوں کو اللہ تعالیٰ انکے حال پر چھوڑ دیتا ہے تا کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں اور یہ بطور استدراج ہوتا ہے تا کہ سرکشی میں بڑھتے جائیں، اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوتے چلے جائیں۔ اس میں واضح طور پر بتا دیا کہ عذاب کا مؤخر ہونا اور عذاب کی جلدی مچانے کے باوجود جلدی نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ عذاب کی وعید سچی نہیں، بلکہ وعید سچی ہے لیکن عذاب اس وقت واقع ہو گا جب اللہ تعالیٰ کی حکمت متقاضی ہو گی۔ سورۂ عنکبوت میں فرمایا: وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْ لَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ. (اور وہ آپ سے جلد عذاب آنے کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آچکا ہوتا اور البتہ وہ ان پر اچانک آجائے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہو گی) اور سورۂ ص میں فرمایا: وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب حساب کے دن سے پہلے ہمارا حصہ ہم کو دیدے) ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر قیامت آنی ہی ہے تو اسکے آنے کے انتظار کی ضرورت نہیں اس وقت جو عذاب دیا جائے گا وہ ہمیں ابھی مطلوب ہے۔ جنہیں ایمان لانا نہیں ہوتا وہ ایسی ہی جاہلانہ باتیں کرتے ہیں۔

اس کے بعد انسان کی ایک اور بے راہی بیان فرمائی جو اس کی طبیعت بنی ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں لیٹے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے پکارتا ہے۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو ایسے گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے تکلیف پہنچ جانے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ یہ مضمون قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی وارد ہوا ہے۔ سورۂ زمر میں فرمایا: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ (اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے، پھر جب وہ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو اس سے پہلے جس کے لئے پکار رہا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اللہ کے لئے شریک بنانے لگتا ہے تا کہ اس کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرے) پھر انسان کا یہ بھی مزاج ہے کہ حدود سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے گناہ کے کام کرتا ہے اور گناہ کے کاموں کو اچھا بھی سمجھتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے وہ کام مزین کر دیئے گئے جو وہ کرتے ہیں)

فائدہ..... آیت شریفہ کے مضمون سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ شر کی دعا نہیں مانگنی چاہئے، انسان شر کی بھی دعا کرتا ہے اور خیر کی بھی دعا کرتا ہے۔ اور دونوں کی قبولیت کے لئے جلدی مچاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق دعائیں قبول فرماتا ہے، شر کی دعا جلد

---

[1]..... قال البغوی فی معالم التنزیل (ص ۳۴۵ ج ۲) معناه لو یعجل الله الناس اجابة دعائهم فی الشر والمکروه استعجالهم بالخیر ای کما یحبون استعجالهم بالخیر لقضی الیهم اجلهم ای لا هلک من دعا علیه واماته اه، وفی روح المعانی (ص ۸۷ ج ۱۱) والاصل علی ما قال ابو البقاء تعجیلا مثل تعجیلهم، فحذف تعجیلا وصفته المضافة واقیم المضاف الیه مقامها. اه (علامہ بغوی معالم میں لکھتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شر اور تکلیف دہ معاملہ میں بھی ان کی دعا اسی طرح قبول کرتا جیسا کہ یہ بھلائی میں جلدی کرتے ہیں یعنی جیسے یہ بھلائی کے جلدی ملنے کو یہ پسند کرتے ہیں تو ان کی میعاد پوری ہو چکی ہوتی یعنی جس کے خلاف یہ دعا کرتے اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دیتا اور موت دے دیتا۔ اور روح المعانی میں ہے اور ابو البقا کے قول کے مطابق اصل میں یہ عبارت تھی تعجیلاً مثل تعجیلهم پھر تعجیلا اور اس کی صفت جو کہ مضاف ہے اسے حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کی جگہ رکھا گیا۔

قبولیت نہیں پاتی اور خیر کی دعا عموماً جلدی قبول فرمالیتا ہے مؤمن بندوں کو چاہئے کہ شر یعنی نقصان مرض و تکلیف کی دعا نہ کریں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اور اپنے اموال کے لئے بد دعا نہ کیا کرو ایسا نہ ہو کہ یہ بد دعا قبولیت کی گھڑی میں کر بیٹھو اور تمہاری یہ بد دعا قبول ہو جائے۔ (رواہ مسلم) دعا ہمیشہ خیر کی کرے اور جلدی نہ مچائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے بشرطیکہ گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے جب تک جلدی نہ مچائے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ (ﷺ) جلدی مچانا کیا ہے؟ فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے تو دعا کی، پھر دعا کی مجھے تو قبول ہوتی نظر نہیں آتی پھر دعا سے تنگ دل ہو جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے۔ (رواہ مسلم ص ۳۵۲ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ دعاء خیر میں برابر لگا رہے تنگ دل ہو کر دعا نہ چھوڑے۔ آیت شریفہ سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دکھ، تکلیف میں مبتلا ہو یا کوئی مصیبت آئی ہوئی ہو یا آرام راحت اور خیر خوبی سے مالا مال ہو ہر حال میں دعا کرتے رہنا چاہئے، یہ جو بندوں کا طریقہ ہے کہ مصیبت کے وقت بڑی بڑی دعائیں کرتے ہیں وظیفے پڑھتے ہیں، تسبیحیں گھس دیتے ہیں اور پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو دعاؤں کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور بالکل ہی بھول جاتے ہیں گویا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا ہی نہ تھا، مصیبت آئی تو اللہ کے سامنے گڑگڑائے اور جب اللہ تعالیٰ نے مصیبت دور فرمادی تو اب سارا بھروسہ اسباب پر کرلیا اور ساری خیر و خوبی کو اپنی ہنرمندی اور سمجھداری کی طرف منسوب کردیا یہ سب آداب عبودیت کے خلاف ہے۔ سورۂ زمر میں فرمایا فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (پھر جس وقت آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ مجھ کو میری تدبیر سے ملی ہے بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس بات کی خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں میں اس کی دعا قبول فرمائے اسے چاہئے کہ آسائش کے زمانہ میں زیادہ دعا کیا کرے۔ (رواہ الترمذی)

اس کے بعد فرمایا: وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (الآیۃ) یعنی ہم نے تم سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا۔ جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور ان لوگوں کے پاس ان کے رسول کھلے ہوئے دلائل لے کر آئے۔ وہ ایمان لانے والے نہ تھے لہٰذا وہ ایمان نہ لائے (جب وہ ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک فرمادیا) ہم مجرمین کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اس آیت میں منکرین کو تنبیہ ہے کہ ہمارے ڈھیل دینے سے یہ نہ سمجھ لو کہ عذاب نہ آئے گا گزشتہ اقوام کی تاریخ اور ان کی سرکشی اور نافرمانی اور پھر ان پر عذاب آنے کے واقعات سے عبرت حاصل کرلو۔ عذاب الٰہی سے بے فکر ہو جانا بہت بڑی ناسمجھی ہے مختلف ممالک میں وقفہ وقفہ سے عذاب آتا رہتا ہے پھر بھی آنکھ نہیں کھولتے۔

پھر فرمایا: ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (پھر ہم نے تمہیں ان لوگوں کے بعد زمین میں خلیفہ بنایا)

گزشتہ قومیں ہلاک ہوگئیں ان لوگوں کی حکومتیں، سلطنتیں خاک میں مل گئیں تعمیرات برباد ہوئیں، منصوبے خاک میں ملے جو دنیاوی ترقیاں کی تھیں وہ سب ختم ہوئیں ان کی جگہ اب موجودہ اقوام دنیا میں آباد ہیں۔ حکومتیں ہیں دولتیں ہیں یہ لوگ پرانی قوموں کے خلیفہ ہیں یعنی ان کے بعد زمین میں بسے ہیں اور زمین میں انہیں اقتدار ملا ہے۔ یہ خلافت اس لئے نہیں ہے کہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھیں اور دنیا ہی

کے لئے مریں اور جئیں اور دنیا میں فساد کریں، یہ خلافت آزمائش کے لئے دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ - تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ اگر گزشتہ امتوں کی طرح فساد کیا اللہ کی کتاب کو اور اللہ کے رسول ﷺ کو جھٹلایا کفر میں اور بد اعمالیوں میں لگے رہے تو آزمائش میں فیل ہوں گے اور عذاب کے مستحق ہوں گے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے۔ ہری بھری ہے اور بلاشبہ اللہ اس میں تمہیں پہلے لوگوں کے بعد بسانے والا ہے سو وہ دیکھے گا کہ تم (دنیا میں) کیا کرتے ہو سو تم دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو، کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ جو ظاہر ہوا وہ عورتوں کا فتنہ تھا۔ (رواہ مسلم)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ

اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے

اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ

آئیے یا اس کو بدل دیجئے، آپ فرما دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اسے اپنے پاس سے بدل دوں، میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، بے شک

اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ

میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تم لوگوں پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تمہیں اللہ اس کی اطلاع دیتا،

بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۶ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

سو میں تمہارے درمیان اس سے پہلے عمر کے ایک بڑے حصہ تک رہ چکا ہوں، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے، سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر

كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۱۷

بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے، بے شک بات یہ ہے کہ مجرم کامیاب نہیں ہوتے۔

منکرین کی اس بات کا جواب کہ دوسرا قرآن لے آئیے یا اس کو بدل دیجئے

معالم التنزیل (ص ۳۴۷ ج ۲) میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ سے مشرکین مکہ مراد ہیں......اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ اہل مکہ میں سے پانچ آدمیوں نے آنحضرت سرور عالم ﷺ سے یوں کہا تھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیں جس میں لات اور عزیٰ اور منات کی عبادت چھوڑنے کا حکم نہ ہو اور ان بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر بھی نہ ہو، اگر اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات نازل نہیں کی ہیں تو آپ اپنے پاس سے بنا دیں اس قرآن کو بدل ہی دیں۔ آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت لکھ دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جن پانچ آدمیوں نے یہ بات کہی تھی ان کے نام یہ ہیں (۱) عبداللہ بن امیہ، (۲) ولید بن مغیرہ، (۳) مکرز بن حفص، (۴) عمرو بن عبیداللہ بن ابی قیس، (۵) عاص بن عامر بن ہشام، ان لوگوں کی اس بات پر آیت بالا نازل ہوئی کہ جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے (یعنی آخرت کو نہیں مانتے) یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیے یا اس کو بدل دیجئے آپ فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کر سکتا کہ اپنے پاس

سے بدل دوں، میں تو صرف وحی کا پابند ہوں، میری طرف جو وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں نہ اپنے پاس سے کچھ کہہ سکتا ہوں نہ اسے بدل سکتا ہوں وحی کو بدلنا بہت بڑا گناہ ہے میں تمہیں جیسے اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں ایسے ہی اپنے بارے میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بڑے دن کا عذاب پہنچ جائے گا میرا کام صرف پہنچانے کا ہے اپنے پاس سے قرآن بنانے کا نہیں ہے، میں تو اللہ کا بندہ ہوں، نافرمانی کروں تو عذاب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رکھتا ہوں میں اللہ کا مامور ہوں اللہ کے حکم دینے پر تم کو اس کی کتاب سناتا ہوں وہ نہ چاہتا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ تمہیں بتاتا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے،

مخاطبین کو یہ دیکھنا اور سوچنا چاہئے کہ میں عرصہ دراز تک تمہارے اندر رہا ہوں یعنی اسی سرزمین میں چالیس سال کی زندگی گزاری ہے اس دوران میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور مجھ پر اللہ نے کتاب نازل فرمائی ہے۔ اگر میں اپنے پاس سے بنا کر کوئی بات کہتا اور اپنی بات کو اللہ کی طرف منسوب کر کے تمہارے اندر اپنا کوئی مقام بنانا چاہتا تو اس سے پہلے ایسا کر چکا ہوتا۔ جب یہ میرا کلام نہیں ہے تو اس میں کیسے ترمیم کر دوں؟ تم مجھ سے کیسے کہتے ہو کہ میں اپنے پاس سے بنا کر لے آؤں، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟

آخر میں فرمایا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے، اللہ کا رسول جھوٹ نہیں بول سکتا اور اپنی بنائی ہوئی بات کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا ہاں تم لوگ جو اللہ کی آیات کو جھٹلا رہے ہو یہ ظلم تمہاری اپنی جانوں پر ہے اور سراپا جرم ہے اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ (بلاشبہ جرم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے۔)

فائدہ ...... یہ جو فرمایا: فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ (کہ میں اپنی عمر کے بڑے حصہ تک تمہارے اندر رہا ہوں) اس میں تحدی ہے یعنی مخاطبین کو چیلنج ہے کہ میں نے عمر کا بڑا حصہ تمہارے اندر گزارا ہے اس حصہ میں میں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس کے تم گواہ ہو تو پھر میں اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہوں سوال جواب تو قرآن مجید کو بدلنے یا اپنے پاس سے بنانے سے متعلق تھا لیکن الفاظ کے عموم میں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی حیات طیبہ کے اخلاق عالیہ اور افعال جمیلہ اور اعمال صالحہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا اور بتا دیا کہ مجھے دیکھ چکے ہو ہر طرح سے پرکھ چکے ہو۔ ہمیشہ سے صادق اور امین کہتے آئے ہو اب جب اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں تو کیوں دور بھاگتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو کوئی عہدہ سپرد کیا جائے تو اس کا ماضی دیکھ لیا جائے اب تک اس کا کیا کردار تھا اس کے اعمال کیا تھے اس میں تقویٰ اور رجوع الی اللہ کتنا تھا ان چیزوں کو سامنے رکھ کر کسی عہدہ کا اہل ہونے نہ ہونے کا فیصلہ کر لیا جائے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا

اور وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان دے سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں، اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

ہمارے سفارشی ہیں، آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جسے وہ نہیں جانتا آسمانوں اور زمینوں میں، وہ ان لوگوں کے شرک

يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

سے پاک ہے، اور برتر ہے۔ اور لوگ پہلے ایک ہی امت تھے پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کر لیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے

لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ

درمیان اس چیز میں فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کی گئی،

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع

سو آپ فرما دیجئے کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے، سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

مشرکین کی گمراہی اور ان کے قول وعمل کی تردید

ان آیات میں اول تو مشرکین کی گمراہی کا تذکرہ فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی توحید کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کرتے ہیں ان میں بعض جاندار بھی ہیں جیسے بعض حیوانات اور بے جان بھی ہیں جیسے اصنام واوثان یعنی بت اور یہ ان کے معبودانِ باطل نفع اور ضرر پہنچانے سے بالکل ہی عاجز ہیں، جو نفع ضرر کچھ بھی نہ پہنچا سکے اس کی عبادت کرنا اور اپنے خالق کو چھوڑنا بہت بڑی حماقت ہے اور بہت دور کی گمراہی ہے۔ جب مشرکین کو ان کی گمراہی پر تنبیہ کیا گیا تو انہوں نے اپنی جہالت سے یہ نکتہ نکالا کہ ہمارا اصلی مقصود تو اللہ ہی کی عبادت کرنا ہے۔ ہم ان چیزوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کردیں گے، گمراہی پر جے اور شرک پر باقی رہنے کے لئے شیطان نے مشرکین کو یہ نکتہ سمجھایا تاکہ مشرکین یوں سمجھتے رہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے ہیں اور شرک کرنے سے اس لئے گناہ گار نہیں کہ ان معبودانِ باطلہ کو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے ہی پوجتے ہیں۔ حالانکہ سمجھداری کا تقاضا یہ ہے کہ جسے راضی کیا جائے اسے ان اعمال کے ذریعہ راضی کریں جن سے وہ راضی ہوتا ہو اور جن کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ شرک سے بیزار ہے اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ شرک سے منع فرمایا ہے اور اسے سب سے بڑی نافرمانی قرار دیا ہے اور جن لوگوں کے بارے میں مشرکین نے سفارشی ہونے کا عقیدہ بنایا ہے یہ عقیدہ انہوں نے اپنے پاس سے تجویز کیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر عقیدہ اور ہر عمل اسی سے معلوم کرے جو اس کی کتابوں اور رسولوں کے واسطہ سے معلوم ہوگا، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کی مخلوق کو شریک بھی کردیا پھر ان کے بارے میں سفارشی ہونے کا عقیدہ بھی تراشا، یہ سب سراسر گمراہی ہے جن لوگوں نے باطل معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش کرنے والا مانا اور اپنے پاس سے اس عقیدہ کو تجویز کیا ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ (آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو وہ بات بتا رہے ہو جسے وہ آسمانوں میں اور زمین میں نہیں جانتا) اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے تجویز کردہ معبودوں کو سفارشی نہیں بنایا اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے اس سب کا علم ہے اس کے علم میں تو ان چیزوں کا سفارشی ہونا نہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ سفارشی ہیں، جو چیز اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں ہے اور جس کا وجود اس کے علم میں نہیں ہے تم اس کے وجود کے کیسے قائل ہوئے۔ کوئی چیز وجود میں ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو یہ تو محال ہے تم محال کے پیچھے لگے ہو۔ مطلب یہ کہ تم جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارشی مانتے ہو اللہ تعالیٰ نے تو ان کو سفارشی نہیں بنایا ان کے سفارشی ہونے کا عقیدہ تمہاری اپنی اُپج اور اپنی تجویز ہے کسی عقیدہ کسی عمل کو خود سے تجویز کرلینا اور اسے اللہ کی رضامندی کا سبب سمجھ لینا یہ جرم ہے اور گناہ ہے جو عذاب کا سبب ہے یہ چیز نجات دینے والی نہیں دوزخ میں داخل کرانے والی ہے۔

پھر فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (وہ ذات پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں)

پھر فرمایا: وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا۔ یعنی سب لوگ ایک ہی جماعت تھے سو انہوں نے اختلاف کرلیا یعنی بنی آدم

کا ایک ہی دین تھا سب متحد تھے دین اسلام پر تھے پھر لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور بہت سے لوگ ایمان کو چھوڑ کر کافر ہو گئے اور بہت سے لوگ کافر ہی نہیں مشرک بھی ہو گئے۔

حضرت قتادہ سے تفسیر درمنثور ص ۲۴۳ ج ۱ میں نقل کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان جو قرنیں تھیں یہ سب ہدایت پر حق شریعت پر تھیں، پھر لوگوں نے اختلاف کی راہیں نکالیں، بہت سے لوگوں نے دین حق کو چھوڑ دیا اور مؤمن و کافر دو جماعتیں ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا وہ جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ان کی بت پرستی اور بتوں کے ناموں کا تذکرہ سورۂ نوح (علیہ السلام) میں مذکور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تشریف لانے سے کچھ عرصہ پہلے لوگ مشرک ہو گئے تھے مشرک عذاب کے مستحق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اجل سے پہلے مشرکین پر عذاب نہیں بھیجا جاتا، اس کے بارے میں فرمایا:

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۔ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس چیز میں فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں) وہ کون سی بات ہے جو پہلے سے طے ہو چکی ہے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ **اول:** ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے جو ایک اجل مقرر فرما دی ہے اس اجل سے پہلے ہلاک نہیں فرمائے گا اور مطلب یہ ہے کہ اگر اجل مقرر نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیتا اور مکذبین (جھٹلانے والوں) پر عذاب بھیج دیتا اور یہیں حق اور باطل کا فیصلہ ہوتا یعنی اہل کفر ہلاک ہو جاتے اور اہل ایمان باقی رہ جاتے۔ **دوم:** حضرت حسن نے آیت کا مطلب بتاتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ بات طے فرما دی ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے ثواب اور عقاب کا فیصلہ نہیں ہو گا۔ بلکہ یہ فیصلہ قیامت کے دن ہو گا اس لئے دنیا میں ایسا فیصلہ نہیں کیا جاتا کہ ثواب والوں کو یہیں بدلہ مل جائے اور مستحقین عذاب پر یہیں عذاب آ جائے۔ **سوم:** تیسرا قول مفسر کلبی سے نقل کیا گیا ہے جو دل کو نہیں لگا لہٰذا ہم نے اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ یہ مضمون سورۂ بقرہ کی آیت كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے ذیل میں بھی گزر چکا ہے مراجعت کر لی جائے۔

پھر فرمایا وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (اور وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہ ہوئی) یعنی ہم جو معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں اس کا ظہور کیوں نہ ہوا؟ چونکہ ایمان لانا نہیں چاہتے تھے اس لئے ایسی باتیں کرتے تھے، طالب حق کے لئے ایک ہی معجزہ کافی ہے۔

معجزے بہت دیکھے لیکن فرمائشی معجزہ چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں ہے جو لوگوں کی مرضی کے مطابق معجزے ظاہر فرمائے، پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سابقہ امتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ رہا ہے کہ فرمائشی معجزہ ظاہر ہونے پر ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیئے گئے۔ لہٰذا فرمائش کے مطابق معجزہ نہ بھیجنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔

پھر فرمایا: فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ؕ (آپ فرما دیجئے کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے سو تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں) اللہ ہی کو معلوم ہے کہ تمہاری فرمائش پوری ہوتی ہے یا نہیں؟

اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ تم نے موجودہ معجزات کی قدر نہ کی اور ایمان نہ لائے بلکہ عناد اور ضد کی وجہ سے فرمائشی معجزات کے درپے ہو گئے۔ تمہارا یہ کفر اور عناد نزول عذاب کا باعث ہے۔ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ تم پر کب عذاب آ جائے گا لہٰذا تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِىْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ

اور لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد جب ہم انہیں اپنی رحمت چکھا دیں تو اچانک ہماری آیتوں کے بارے میں مکر کرنے لگتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ

اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ

مکر کی سزا جلدی دینے والا ہے، بلاشبہ ہمارے فرشتے تمہارے مکر کے کاموں کو لکھ لیتے ہیں۔ اللہ وہ ہے جو تمہیں سمندر اور خشکی میں چلاتا ہے

حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ

یہاں تک کہ جب تم کشتی میں موجود ہو اور وہ کشتی اچھی ہوا کے ساتھ چلنے لگے اور جو لوگ اس میں سوار ہوں وہ اس پر خوش ہو جائیں تو اس کشتی پر ایک سخت ہوا

عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ

آ جائے اور ہر جگہ سے ان پر موجیں آنے لگیں اور وہ یقین کر لیں کہ انہیں گھیر لیا گیا ہے تو اللہ کو پکارنے لگتے ہیں اس کے لئے خالص اعتقاد کر کے

لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ

اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے، پھر جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں،

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؗ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا

اے لوگو تمہاری سرکشی تمہاری ہی جانوں پر ہے دنیاوی زندگی میں فائدہ اٹھا رہے ہو پھر ہماری طرف تم کو لوٹ کر آنا ہے، سو ہم تمہیں بتا دیں گے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

جو تم کرتے تھے۔

صاحب روح المعانی (ص ۹۳ ج ۱۱) لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر سات سال تک قحط بھیج دیا تھا قریب تھا کہ اس کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ خوشحالی کے لئے دعا فرمائیں اگر یہ قحط کی مصیبت دور ہو جائے اور ہمیں خوشحالی مل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اور اہل مکہ پر رحم فرمایا تو ایمان لانے کی بجائے وہی پرانا ڈھنگ اختیار کر لیا اور اللہ کی آیات میں طعن کرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سے وہی معاندانہ سلوک کرنے لگے جو پہلے کرتے تھے اور ایسی شرارتیں اور حیلہ بازیاں کرنے لگے جن کو انہوں نے قرآن پر ایمان نہ لانے کا بہانہ بنالیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی وہ ہماری آیات کے بارے میں مکر کرنے لگتے ہیں۔ یعنی آیات کو نہ ماننے کے بہانے تراش لیتے ہیں اور طعن و تشنیع سے پیش آتے ہیں قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ آپ فرما دیجئے کہ مکر کی سزا اللہ تعالیٰ جلد ہی دینے والا ہے، جب شرارت و بغاوت پر اتر آئے تو اطمینان سے نہ بیٹھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد ہی اس کا بدلہ مل جائے گا۔ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ (بے شک ہمارے فرشتے لکھ لیتے ہیں جو تم حیلہ سازیاں کرتے ہو) اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہوئے تمہاری حرکتیں اور شرارتیں اور حیلہ سازیاں دفتروں میں بھی محفوظ ہیں۔ آیت کریمہ کا سبب نزول خواہ

وہی ہو جو صاحب روح نے لکھا ہے لیکن قرآن کریم میں انسانوں کا ایک عام طریقہ کار بیان فرمادیا کہ جب انسان کو دکھ تکلیف کے بعد کوئی نعمت مل جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے لگتا ہے اور حیلہ سازی اور کٹ حجتی پر اتر آتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ پھر بھی مجھے تکلیف پہنچ سکتی ہے، بعض مرتبہ دنیا ہی میں مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور موت بھی جلدی ہی آتی ہے ہر کافر کا موت کے وقت سے ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے پھر آخرت میں پیشی ہوگی، اعمال نامے سامنے آئیں گے جن میں فرشتوں نے ان لوگوں کی کجروی اور حیلہ سازی کو لکھ لیا تھا۔ یہ اعمال نامے ان پر حجت ہوں گے اور دوزخ میں دائمی آگ میں جلنے کی سزا پائیں گے۔

اس کے بعد اللہ جل شانہٗ نے اپنے بہت بڑے انعام کا تذکرہ فرمایا هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الآیة) (اللہ تعالیٰ تمہیں خشکی میں اور سمندر میں چلاتا ہے) خشکی میں تو پاؤں سے جانوروں پر اور دوسری سواریوں پر سوار ہو کر چلتے پھرتے ہیں۔ دور دراز کا سفر کر کے اپنی حاجت کی چیزیں فراہم کرتے ہیں اور سمندر کا سفر چھوٹی بڑی کشتیوں میں کرتے ہیں یہ کشتیاں بھی انسان کی حاجت پوری کرنے کا ذریعہ ہیں اس کنارہ سے اس کنارہ اس شہر سے دوسرے شہر اور اس براعظم سے دوسرے براعظم تک پانی کے جہاز آتے جاتے ہیں اور انسان کی ضروریات فراہم کرتے ہیں۔ زمانہ نزول قرآن میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں ہوا موافق ہوئی تو کشتیاں چلنے لگیں۔ ہوا بند ہوگئی تو کھڑی ہوگئیں (فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰی ظَهْرِهٖ) ہوا موافق ہے اور نرم ہے خوشگوار ہے تو خوش ہو رہے ہیں اور اگر ہوا تیز چلنے لگی اور ہر طرف سے موجیں اٹھ اٹھ کر آنے لگیں تو میاں ڈرنے لگے اور یقین کر لیا کہ اب تو گھیرے میں آ گئے اس وقت سوچتے ہیں کہ جان کیسے بچے؟ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں جاتی جو اس مصیبت سے بچائے اور بھنور کو ہٹائے، لہٰذا اللہ کے حضور میں خالص اعتقاد کے ساتھ دعا کرنے لگتے ہیں کہ اے اللہ! اگر اب ہمیں مصیبت سے نجات دے دی تو ضرور ضرور آپ کے شکر گزار بندوں میں ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ مصیبت سے بچا دیتا ہے تو پھر وہی اللہ کی زمین میں بغاوت، شرارت اور سرکشی کرنے لگتے ہیں جس کا انہیں کوئی حق نہیں۔ اول تو خالق و مالک کی بغاوت ہی ناحق ہے پھر اوپر سے وعدہ کر کے بھول بھلیاں کر دینا اور شکر کے بجائے کفران نعمت میں لگ جانا اور توحید کی بجائے شرک کو اپنا لینا یہ سب بغاوت در بغاوت ہے اور کفر ہی کفر ہے۔ اسی کو فرمایا: فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ط (سو جب اللہ نے انہیں نجات دے دی تو اچانک زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں)

پھر فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ (اے لوگو تمہاری بغاوت اپنی ہی جانوں پر ہے، کیونکہ اس کا وبال تمہارے ہی اوپر پڑنے والا ہے مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (تم دنیاوی زندگی میں نفع حاصل کر رہے ہو) یہ تھوڑا سا نفع ہے اور تھوڑے دن کا نفع ہے کما قال تعالٰی فی سورة النساء قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ۔ پھر فرمایا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ پھر ہماری طرف تمہارا لوٹنا ہوگا تو ہم تمہیں بتا دیں گے جو کام تم کیا کرتے تھے (تمہارے اعمال تمہارے سامنے آئیں گے، محاسبہ اور مواخذہ ہوگا، لہٰذا اس دنیا میں اپنے اعمال درست کر لو۔)

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا

دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی اتارا، پھر اس پانی کی وجہ سے زمین سے نکلنے والی ہری بھری چیزیں جنہیں انسان اور مویشی کھاتے ہیں

یَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ط حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ

خوب گنجان ہو کر نکلیں، یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی رونق کا پورا حصہ لے لیا اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کر لیا کہ ہم

قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ

اس پر صاحب قدرت ہو چکے ہیں تو رات کو یا دن کو ہمارا حکم آ گیا۔ سو ہم نے اسے ایسا بنا دیا جیسے کٹا ہوا ڈھیر ہو، گویا کہ کل اس کا وجود ہی نہ تھا، ہم اسی طرح آیات کو کھول کر

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں۔

دنیا کی بے ثباتی کی ایک مثال

اس آیت میں دنیا کی حالت بیان فرمائی ہے۔ دنیا کی ظاہری زیب وزینت اور ٹیپ ٹاپ پر جو لوگ رکھے جاتے ہیں اور آخرت سے غافل رہتے ہیں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اس تھوڑی سی حقیر دنیا کی وجہ سے آخرت سے غافل نہ ہوں، ارشاد فرمایا کہ دنیا کی ایسی مثال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اس پانی کی وجہ سے طرح طرح کے پودے اُگے، سبزیاں نکلیں، گھاس برآمد ہوئی، اور ان چیزوں کی وجہ سے زمین ہری بھری اور دیکھنے میں خوشنما ہوگئی۔ سبزہ لہلہانے لگا۔ نظروں کو بھانے لگا جن لوگوں کی زمینیں تھیں وہ بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ بس اب تو یہ سب کچھ ہمارے قبضے میں ہے اس سے طرح طرح کے منافع حاصل کریں گے اسی سوچ بچار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رات میں یا دن میں کوئی مصیبت آ گئی اور اس نے اسے ڈھیر کر دیا

اب جب دیکھنے والے نظر ڈالتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہاں کل کچھ بھی نہ تھا اس دنیا میں جو ہری بھری گھاس اور کھیتی کی حالت ہے کہ ابھی تو ہری بھری تھی اور ابھی کچھ بھی نہیں یہ مثال پوری دنیا کی ہے، افراد کی بھی یہی مثال ہے اور قوموں کی بھی، حکومت کی بھی اور مال وجائیداد کی بھی۔ کچھ دن لوگ منتفع ہوتے ہیں اور اپنے خیال میں اچھی زندگی گزارتے ہیں پھر افراد کو موت آ جاتی ہے جماعتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ حکومتیں مٹ جاتی ہیں، تجارتیں تباہ ہو جاتی ہیں، باغ اجڑ جاتے ہیں اور اس سب کے بعد قیامت کے دن حاضر ہونا ہے اور وہاں ابد الآباد کے فیصلے ہونے ہیں، وہاں کی ابدی زندگی کے سامنے دنیا کی جتنی بھی بڑی زندگی ہو ہیچ ہے، اور جنت کی نعمتوں کے سامنے یہ معمولی سی نعمتیں کچھ بھی نہیں، اگر کوئی شخص دوزخ میں چلا گیا (العیاذ باللہ) تو دنیا کے سارے مال اور زینت اور سجاوٹ (جو تھوڑے دن کی تھی) کچھ بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ آخرت کے میدان میں پہنچیں گے تو كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ کا مظاہرہ ہوگا اور سمجھ میں آ جائے گا کہ دنیا میں جو کچھ تھا وہ کچھ بھی نہ تھا۔

آخر میں فرمایا كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (ہم اسی طرح آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں) جو فکر کرتے ہیں وہی منتفع اور مستفید ہوتے ہیں جو فکر نہیں کرتے وہ اپنی مستیوں ہی میں لگے رہتے ہیں اور اپنی آخرت کو برباد کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ جن لوگوں نے اچھائی کے کام کئے ان کے لئے خوبی ہے اور اس

وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾

سے زائد بھی ہے، اور ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت، یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ

اور جن لوگوں نے برے کام کئے ان کی برائی کی سزا برائی کے برابر ملے گی اور ان پر ذلت چھا جائے گی، انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

گویا کہ ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اہل جنت کی نعمتوں اور اہل دوزخ کی بدصورتی اور عذاب دائمی کا تذکرہ

یہ تین آیات ہیں ان میں پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دارالسلام (سلامتی کے گھر) یعنی جنت کی طرف بلاتا ہے جو دین اسلام اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور بندوں کے لئے فرمایا ہے سراپا سلامتی کا راستہ ہے اس میں دنیا میں بھی سلامتی ہے اور آخرت میں بھی، چونکہ جنت میں جانے والے ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے، وہاں نہ موت آئے گی نہ وہاں سے کہیں جانا ہوگا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی اس لئے اس کا ایک نام دارالسلام بھی ہے یعنی سلامتی کا گھر جنت میں لے جانے والے عقائد اور اعمال کو سُبُلَ السَّلام فرمایا ہے۔ (کما فی سورۃ المائدہ ع ۳) اور اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ آپس میں ملاقات کریں تو السلام علیکم کہیں اور جواب دینے والے وعلیکم السلام کہیں اس طرح آپس میں ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیں۔ جنت میں بھی آپس کی ملاقات میں ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیں گے کما قال تعالیٰ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان کے لئے سلامتی کی خوشخبریاں آتی رہیں گی (کما فی سورۃ یٰسٓ: سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ) فرشتے اہل جنت والوں کے پاس آئیں گے تو وہ بھی سلام پیش کریں گے (کما فی سورۃ الرعد: وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ o سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ)۔

رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کو دعوتِ اسلام کے لئے خط لکھا تو تحریر فرمایا اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ۔ تو اسلام لے آ سلامت رہے گا اللہ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے۔ (صحیح بخاری ص ۵ ج ۱)

الحاصل اسلام میں سلامتی ہی سلامتی ہے پھر فرمایا

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دے دیتا ہے) سیدھا راستہ جنت کا راستہ ہے جو عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کا جامع ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ (جن لوگوں نے اچھے کام کئے ان کے لئے حسنٰی ہے اور زیادہ انعام ہے۔ حُسْنٰى فُعْلٰى کے وزن پر ہے۔ جس کا لغوی ترجمہ خوبی سے کیا گیا ہے۔ حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ حسنٰی سے جنت مراد ہے اور زیادہ سے دیدار الٰہی مراد ہے۔ جنت میں ہر طرح کی نعمتیں ہوں گی کسی کی کمی نہ ہوگی۔ وہ خود بہت بڑی جگہ ہے لیکن اس نعمت پر مزید نعمت یہ ہوگی کہ اہل جنت اپنے رب جل مجدہ کا دیدار بھی کریں گے۔ تفسیر درمنثور ص ۳۰۵ میں حضرت صہیب، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت کعب بن عجرہ اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے متعدد کتبِ حدیث کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زِيَادَةٌ کی تفسیر فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ زِيَادَةٌ سے اللہ جل شانہٗ کا دیدار مراد ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوگا کیا تم کچھ اور چاہتے ہو جو تمہیں عطا کردوں وہ عرض کریں گے (ہمیں اور کیا چاہئے) کیا آپ نے ہمارے

چہرے سفید نہیں کر دیئے اور کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمایا اور کیا آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی (یہ بہت بڑا انعام ہے) اس کے بعد پردہ اٹھادیا جائے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، انہیں کوئی بھی ایسی چیز نہ دی جائے گی جو انہیں اپنے رب کے دیدار سے بڑھ کر محبوب ہو۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (رواہ مسلم ص ۱۰۰ ج ۱)

پھر اہل جنت کے ایک مزید انعام کا تذکرہ فرمایا وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ (ان کے چہرے پر کدورت چھائی ہوئی نہ ہوگی اور نہ ذلت) یعنی ان کے چہرے بدصورت نہ ہوں گے ان پر ذلت کا کوئی اثر نہ ہوگا سورۃ القیامہ میں فرمایا وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے)

سورۃ المطففین میں فرمایا تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ (اے مخاطب تو ان کے چہروں میں نعمت کی تروتازگی کو پہچانے گا) جو شخص دارالسلام میں ہو اپنے رب کا دیدار کرتا ہو اس کا چہرہ کیوں حسین وجمیل اور پُر رونق نہ ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ساری امتوں کے درمیان سے میں اپنی امت کو اس طرح پہچان لوں گا کہ ان کے چہرے روشن ہوں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے سفید ہوں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰)

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (یہ لوگ جنت والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) تیسری آیت میں دوزخیوں کا تذکرہ فرمایا وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۔ اور جن لوگوں نے برے کام کئے جن میں سب سے زیادہ برا عمل کفر وشرک ہے) ان کی سزا ان کے اعمال جیسی ہوگی ان پر نہ کوئی ظلم ہوگا نہ زیادتی ہوگی۔ برابر سرابر کا بدلہ ہوگا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی) مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۔ قیامت کے دن انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ط ان کی بدصورتی کا یہ حال ہوگا گویا ان کے چہروں کو اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیا گیا ہے۔ کافر دنیا میں کتنا ہی خوبصورت ہو قیامت کے دن نہایت ہی بدترین صورت میں ہوگا جس کا آیت بالا میں تذکرہ فرمایا۔ سورۂ زمر میں فرمایا: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ط اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۔ (اور اے مخاطب تو قیامت کے دن ان لوگوں کو دیکھے گا، جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ انکے چہرے سیاہ ہیں کیا دوزخ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے)

سورۂ عبس میں فرمایا: وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۔

اور اس دن بہت سے چہرے ایسے ہوں گے ان پر بدرونقی ہوگی ان پر بدصورتی چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ لوگ کافر اور فاجر ہوں گے۔ پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ج فَزَيَّلْنَا

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو، پھر ہم ان کے

بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

آپس میں جدائی کر دیں گے، اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ سو اللہ ہمارے تمہارے درمیان گواہ کافی ہے بے شک

اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى

بات یہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔ اس موقعہ پر ہر شخص اپنے ان کاموں کو جانچ لے گا جو اس نے پہلے کئے تھے، اور وہ اپنے مالک حقیقی کی طرف لوٹا

اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

دیئے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹ تراش رکھا تھا وہ سب غائب ہو جائے گا۔

باطل معبود اپنے پرستاروں سے کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے

ان آیات میں روز قیامت کا ایک منظر بیان فرمایا ہے کہ وہ دن قابل ذکر ہے جبکہ ہم سب کو جمع کریں گے۔ جمع ہونے والوں میں موحدین بھی ہوں گے اور مشرکین بھی، مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے وہ بھی حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ شرک کرنے والو! تم اور تمہارے معبود جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کرتے تھے اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ یعنی انتظار کرو اور دیکھو کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کے درمیان جدائی کر دی جائے گی۔ مشرکین جنکی عبادت کرتے تھے وہ اپنی پرستش کرنے والوں سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ وہ کہیں گے ہاں ضرور ہم تمہارے پرستار تھے۔ اس پر ان کے معبود کہیں گے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے، ہم تو تمہاری عبادت سے غافل تھے۔

بعض مفسرین نے یہاں یہ اشکال کیا ہے کہ وہ دن سچ بولنے کا ہے وہاں ان سے جھوٹ کیسے صادر ہوگا؟ یہ اشکال بے وزن ہے کیونکہ مشرکین کے جھوٹ بولنے کی تصریح سورۂ انعام میں موجود ہے پھر اسی ذیل میں یہ بات بھی آ گئی کہ وہ جو اللہ تعالیٰ کو اس بات پر گواہ بنائیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے ان کا اللہ تعالیٰ کو گواہی کے طور پر پیش کرنا بھی جھوٹ ہوگا بہر صورت مشرکوں اور ان کے معبودوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ تعلقات منقطع ہو جائیں گے (خواہ ایک ہی طرف سے ہوں جیسا کہ بتوں سے ان کا تعلق تھا اور بت جامد اور ناسمجھ تھے) اور واضح ہو جائے گا کہ مشرکین کا کوئی مددگار نہیں ہے، جن لوگوں کو سفارشی بنا کر عبادت کی تھی وہ دوزخ میں ہوں گے اور اپنے عبادت گزاروں سے بیزار ہو چکے ہوں گے۔ کمافی سورۃ الانعام: وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (اور ہم تمہارے ہمراہ ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ کرتے تھے وہ تمہارے معاملے میں شریک ہیں۔ واقعی تمہارا آپس کا تعلق ختم ہو گیا اور تمہارا دعویٰ سب گیا گزرا ہو گیا)

آخر میں فرمایا: هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ (الآیة) وہاں یعنی روز قیامت ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال کو جانچ لے گا۔ یعنی ہر ایک کے اپنے اپنے عمل کا نتیجہ سامنے آئے گا جس میں مشرکین کے شرک کی حقیقت کھل جائے گی اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم جن کی عبادت کرتے تھے ان سے ہمیں جو نفع کی امید تھی وہ غلط تھی وہ تو آج ہمارے خلاف بول رہے ہیں ان لوگوں کی ساری آرزوئیں ختم ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو حقیقی مولا اور مالک ہے، اور جو کچھ باتیں تراشتے تھے غیر اللہ کو معبود جانتے تھے وہ سب غائب ہو جائے گا اور کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کا مولیٰ یعنی مالک حقیقی ہے اور سورۂ محمد میں جو وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ فرمایا وہاں مولا مددگار کے معنی میں ہے یعنی کافروں کا وہاں کوئی مددگار نہ ہوگا۔

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ

آپ فرما دیجئے وہ کون ہے جو تمہیں آسمان سے اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے اور وہ کون ہے جو

الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ

زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر فرماتا ہے، سو وہ ضرور یوں کہیں گے کہ اللہ ہی ہے

فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾

تو آپ فرما دیجئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے ہو۔ سو وہ اللہ تمہارا حقیقی رب ہے، سو پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر کہاں پھرے جا رہے ہو۔

مشرکین سے سوال کہ تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہارے کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے اور تمام کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے؟

دنیا میں جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان سے دریافت فرمائیے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہاری سننے کی قوت اور دیکھنے کی قوت کا مالک کون ہے یعنی تمہارے کانوں اور آنکھوں پر کیسے پورا اختیار ہے کون ہے جس نے یہ چیزیں تمہیں دیں ہیں اور جو انکی حفاظت فرماتا ہے۔ وہ چاہتا تو ان کو سلب کر لیتا ہے اور یہ بھی بتاؤ کہ مردہ سے زندہ کو کون نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو کون نکالتا ہے؟ اور یہ بھی بتاؤ کہ عالم میں جو تصرفات ہیں ان کی تدبیر کون فرماتا ہے؟ جب ان لوگوں سے یہ سوالات کرو گے تو ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں ہوگا کہ ان افعال کا مالک و مختار اور ان صفات سے متصف صرف اللہ ہی ہے۔ جب وہ یہ جواب دیں تو آپ فرما دیجئے کہ پھر تم اس رازق، خالق اور مالک سے کیوں نہیں ڈرتے؟ اس کو چھوڑ کر جو دوسروں کی عبادت کرتے ہو وہ تمہارے نزدیک بھی بے اختیار ہیں، ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ وہ ذات پاک جس کی وہ صفات ہیں جو اوپر ذکر کی گئیں ہیں وہی واقعی اور حقیقی رب ہے۔ اس کے مالک اور رب حقیقی ہونے کا اقرار بھی کرتے ہو اور پھر دوسروں کی عبادت کرتے ہو۔ یہ تو سراپا گمراہی ہے اور حق کے بعد گمراہی کے سوا رہ ہی کیا گیا؟ جانتے بوجھتے گمراہی میں پڑنا سب سے بڑی حماقت ہے۔ حق کو چھوڑ کر کہاں پھرے جا رہے ہو (باطل کو چھوڑ حق کی طرف واپس آؤ) حق اور ضلال یعنی حق اور گمراہی کے درمیان کوئی چیز نہیں ہے۔ جو حق نہ ہو وہ گمراہی ہے۔ دونوں میں تضاد ہے۔ حق اور گمراہی دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِیْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ

اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات نافرمانوں کے بارے میں ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ تمہارے شریکوں میں

مَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ قُلِ اللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو پیدا فرمائے پھر اسے دوبارہ زندہ کرے؟ آپ فرما دیجئے کہ اللہ مخلوق کو ابتداء پیدا فرماتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى

آپ فرما دیجئے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ امر حق کا راستہ بتلاتا ہو آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی امر حق کا راستہ بتلاتا ہے، سو جو حق کی راہ بتاتا

الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ

ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جو ہدایت نہیں پاتا مگر جبکہ اسے راہ بتائی جائے، سو تمہیں کیا ہوا تم کیسی تجویزیں کرتے ہو۔ اور ان میں سے اکثر

اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

لوگ صرف اٹکل کے پیچھے چلتے ہیں، بلاشبہ اٹکل حق کے بارے میں ذرا بھی مفید نہیں ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جاننے والا ہے جن کاموں کو وہ کرتے ہیں۔

مشرکین سے مزید سوالات اور توحید پر آنے کی دعوت

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ مشرکین نے جو شرک کو اپنا رکھا ہے اور سمجھانے کے باوجود توحید پر نہیں آئے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ آپ ان کے بارے میں مغموم نہ ہوں ان کو ایمان لانا نہیں ہے اس کے بعد فرمایا کہ ان سے دریافت کیجئے کہ وہ کون ہے جو ابتداءً مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر موت دیکر دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ اس بات کو جان لو صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے اور موت دے کر دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد تم کہاں الٹے پھرے جا رہے ہو۔ پھر فرمایا کہ آپ ان سے سوال فرمائیے کہ بتاؤ تمہارے شرکاء میں وہ کون ہے جو حق کا راستہ بتاتا ہے آپ خود ہی فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے جو حق کا راستہ بتائے وہ زیادہ لائق اتباع ہے یا وہ شخص جو خود ہدایت نہیں پاتا مگر یہ کہ اسے ہدایت دی جائے؟ مطلب یہ کہ اللہ کو چھوڑ کر جن لوگوں کی پوجا کرتے ہو وہ تو خود ہی بے راہ ہیں اور اس بات کے محتاج ہیں کہ انہیں راہ بتائی جائے سو تمہیں کیا ہو گیا؟ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو۔ اور تم کیسی جاہلانہ تجویزیں کرتے ہو کہ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرتے ہو؟

پھر مشرکین کا حال بیان فرمایا کہ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو محض اٹکل، گمان اور خیال کے پیچھے چلتے ہیں اپنے انہی خیالات کی وجہ سے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں۔ گمان اور اٹکل سے حق واضح اور ثابت نہیں ہوتا اس کے لئے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر علم اور بلا دلیل انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے باطل معبود بنا رکھے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ نجم میں فرمایا اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ط اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ (یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے تجویز کر لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی دلیل نہیں بھیجی۔ یہ لوگ صرف گمان اور اپنے نفسوں کی خواہشوں پر چل رہے ہیں

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ کہ بلاشبہ اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے اپنے علم کے مطابق وہ انہیں سزا دے گا۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ

اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے جو افتراء کیا گیا ہو اللہ کی طرف سے نہ ہو۔ بلکہ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے ہیں، اور احکام ضروریہ کی

تَفْصِيلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۗ قُلْ فَاْتُوْا

تفصیل بیان کرنے والا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس کو آپ نے اپنے پاس سے بنالیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ

بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا

تم اس جیسی سورت لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو بلا سکتے ہو انہیں بلا لو اگر تم سچے ہو۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسے جھٹلایا جسے

لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ

اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے اور ابھی اس کا نتیجہ ان کے سامنے نہیں آیا، ایسے ہی جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ سو دیکھ لیجئے ظالموں کا کیسا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۗ وَرَبُّكَ

انجام ہوا۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور آپ کا رب فساد کرنے

اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ

والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیجئے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے تم اس سے بری ہو

مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

جو میں کام کرتا ہوں، اور جن کاموں کو تم کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔

ع ۹

قرآن حکیم کی حقانیت پر واضح دلیل اور اس جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج

توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد اب کتاب اللہ کی حقانیت بیان فرمائی جس کے ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی مزید تصدیق ہوگئی۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے بنالیا ہے۔ اول تو ان کی تردید فرمائی کہ یہ ایسی کتاب نہیں ہے جو غیر اللہ کی طرف سے ہو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے جو اس سے پہلے آسمانی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے اور جو احکام اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بھیجے ہیں اس میں ان کی بھی تفصیل ہے۔ پھر ان لوگوں کو چیلنج کی اور فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ محمد ﷺ نے یہ قرآن اپنے پاس سے بنالیا ہے تو تم اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا ساری مخلوق مہینے اس مقصد کے لئے جس جس سے مدد لے سکتے ہو ان سب سے مدد لے لو۔ سورۂ بقرہ کی آیت (رکوع ۳) وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا کی تفسیر کے ذیل میں اس کی تشریح کی جاچکی ہے۔ سورۂ ہود (رکوع ۲) میں فرمایا ہے کہ تم اس جیسی بنائی ہوئی دس (۱۰) سورتیں لے آؤ پہلے قرآن کے مقابلہ میں دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا پھر ایک سورت تک بات آگئی۔ آج تک کوئی بھی قرآن کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت بھی بنا کر نہیں لا سکا اور نہ کبھی لا سکیں گے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ (آپ فرمادیجئے کہ اگر انسان اور سارے جنات اس بات کے لئے جمع ہوجائیں کہ قرآن جیسا بنا کر لے آئیں تو نہیں لا سکیں گے اگرچہ آپس

میں ایک دوسرے کے مددگار ہوجائیں۔)

جب قرآن کی سچائی ثابت ہوگئی تو قرآن لانے والے یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچائی بھی ثابت ہوگئی اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جو انکے احاطہ علمی میں نہیں ہے۔ قرآن کو سمجھتے نہیں اور نہ سمجھنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ غور کرتے تو اس کی حقیقت اور حقانیت سمجھ میں آجاتی اب جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں تو اس جھٹلانے کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔ یعنی ان کی تکذیب کا برا انجام سامنے آئیگا۔ دنیا میں ذلیل اور ہلاک ہوں گے اور کفر پر مرنے کی وجہ سے آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے، ان سے پہلے تکذیب کرنے والوں پر عذاب آچکا ہے، دیکھ لیجئے ان کا انجام کیا ہوا؟ پھر فرمایا ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور کچھ ایمان نہیں لائیں گے اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ اپنا کام کئے جائیں، بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں ایمان لانا نہیں ہے آپ کو دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ایمان نہ لائے گا اس کی سزا بھگت لے گا اللہ تعالیٰ مفسدین کو خوب جانتا ہے۔ وہ ان کے کفر کی سزا دے دے گا مزید فرمایا کہ یہ لوگ جو تکذیب پر مصر ہیں حجت قائم ہونے پر بھی حق کو نہیں مانتے اور آپ کی تصدیق نہیں کرتے تو ان سے فرما دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے تم میرے عمل سے بری ہو میں تمہارے عمل سے بری ہوں مجھے میرے عمل کا ثواب ملے گا تم اپنی بدعملی کی سزا بھگتو گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴۲ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے اگرچہ وہ سمجھ بھی نہ رکھتے ہوں۔ اور ان میں سے بعض

يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۴۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ

وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں، کیا آپ اندھوں کو راہ بتا دیں گے اگرچہ وہ دیکھتے بھی نہ ہوں۔ بلاشبہ اللہ لوگوں پر ذرا سا بھی

شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۴ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً

ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ اور جس دن اللہ انہیں جمع فرمائے گا گویا کہ وہ دن کے حصہ میں سے صرف ایک گھڑی

مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵

ٹھہرے ہیں، وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے، بے شک وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ

اور اگر ہم اس میں سے کچھ حصہ آپ کو دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں تو ہماری طرف ان سب کو لوٹنا ہے پھر اللہ اس پر گواہ ہے

عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۶ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ

جو کام وہ لوگ کرتے ہیں، اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے سو جب ان کے پاس ان کا رسول آجاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ

اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو، آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے لئے

لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

کسی بھی ضرر یا نفع کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وقت مقرر آ جاتا ہے تو ایک گھڑی نہ

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ

پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ اگر اللہ کا عذاب رات کے وقت آ جائے یا دن کے وقت آ جائے تو اس میں وہ کون سی چیز ہے جس کی

مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

مجرمین جلدی مچا رہے ہیں، کیا پھر جب وہ واقع ہو ہی جائے تو اس پر ایمان لاؤ گے۔ اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم اس کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے تھے۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ ہمیشگی کا عذاب چکھ لو، تمہیں انہیں اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جن کی تم کمائی کرتے تھے۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ فرما دیجئے ہاں میرے رب کی قسم بلاشبہ وہ حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

ع ۱۴ ۔ وقف النبی ﷺ

تکذیب کرنے والوں کی بے حسی، قیامت کا منظر، دنیا میں عذاب آنے کی وعید

گزشتہ آیات میں مکذبین اور معاندین کا ذکر تھا ان آیات میں ان کے مزید عناد اور تکذیب کا تذکرہ فرمایا۔ اولاً تو یہ فرمایا کہ ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جو بظاہر آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھتے ہیں لیکن ان میں نہ حق طلبی ہے نہ ایمان لانے کا ارادہ ہے۔ ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہے۔ لہٰذا ان کی حالت بہرے انسانوں کی طرح ہو گئی جیسے بہروں کو سنانا فائدہ مند نہیں ہو سکتا اسی طرح ان کو سنانا اور نہ سنانا برابر ہے۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ بہروں کی مانند ہیں بلکہ سمجھ سے بھی محروم ہیں۔ انہیں کان لگانے والوں کی طرح وہ لوگ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں ان کا ارادہ بھی حق کے قبول کرنے کا نہیں۔ لہٰذا دیکھا ان دیکھا ان کے نزدیک برابر ہے۔ اندھوں میں اور ان میں کوئی فرق نہیں، آپ اندھوں کو کیسے ہدایت دیں گے۔ حالانکہ وہ دیکھ ہی نہیں رہے اس مضمون کو سورۂ انفال میں یوں بیان فرمایا: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۔ (اور تم لوگ ان لوگوں میں نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے) پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔ (بلاشبہ اللہ لوگوں پر ذرا سا ظلم نہیں فرماتا لیکن لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں) اسی ظلم میں سے یہ ہے کہ فکر و نظر سے کام نہیں لیتے اور اپنے حواس کو استعمال نہیں کرتے اور اگر حق سمجھ میں آ جائے تو عناداً اس کی طرف سے منہ موڑ لیتے ہیں یہ سب ان کی جانوں پر ظلم ہے اور وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد قیامت کے دن کا ایک منظر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ (اور انہیں وہ دن یاد دلائیے جس میں اللہ ان کو جمع فرمائے گا گویا وہ دن کے ایک حصہ میں صرف ایک گھڑی ٹھہرے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے) یعنی جب وہاں حاضر ہونگے تو جو دنیا میں لمبی عمر گزری تھی اور برزخ میں جو عرصہ دراز تک رہے تھے اس سارے وقت کو یوں سمجھیں گے کہ گویا ہم صرف ذرا سی ہی دیر دنیا میں اور برزخ میں رہے قیامت کے دن کی سختی کو دیکھ کر دنیا اور برزخ کی مدت دراز کو بھول کر یوں سمجھیں گے کہ گویا دن میں سے صرف ایک گھڑی ہی وہاں گزاری ہے۔

سورۂ روم میں فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ط (اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ مجرمین قسمیں کھائیں گے ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے) یہ جو فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ یہ پہچاننا صرف پہچاننے ہی کی حد تک ہوگا آپس میں ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کرسکیں گے۔ مدد تو کجا ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور چھوٹے بڑوں اور بڑے چھوٹوں پر پھٹکار ڈالیں گے۔ اور سارے تعلقات وہاں ٹوٹ جائیں گے۔ پھر فرمایا قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۔ جن لوگوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی قیامت کے دن کا اور حساب اور جزا سزا کا انکار کیا یہ لوگ نقصان میں پڑ گئے اور اپنی جانوں کو ہلاک کر دیا۔ دنیا میں ہدایت یافتہ نہ ہوئے آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

پھر فرمایا وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ (اور جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اگر اس میں سے تھوڑا سا حصہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے ہی پاس ان سب کو آنا ہے) رسول اللہ ﷺ کی تکذیب پر جو عذاب میں مبتلا کئے جانے کی وعیدیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا عذاب اگر ہم آپ کو دکھا دیں یعنی آپ کی حیات ہی میں اس کا نزول ہو جائے یا ہم آپ کو اس سے پہلے وفات دے دیں سو یہ دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ آپ کے سامنے ہی عذاب آجائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ کے بعد ان پر عذاب آئے یعنی دنیا میں عذاب آنا لازم نہیں، ہمارے پاس ان کو آنا ہی ہے جو بڑا عذاب ہے (یعنی آخرت کا عذاب) اس میں تو ہر منکر اور کافر کو مبتلا ہونا ہی ہے ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ پھر یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سب کاموں کا علم ہے وہ اپنے علم کے مطابق بدلہ دے گا۔

پھر فرمایا وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ کہ قیامت کے دن ہر امت کا رسول موجود ہوگا۔ جو دنیا میں ان کی طرف مبعوث ہوا تھا۔ امتیں موجود ہوں گی اور ان کے رسول بھی موجود ہوں گے جو اہل کفر کے کفر اور اہل ایمان کے ایمان پر گواہی دیں گے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ اس آیت کا یہ مفہوم سورۂ نساء کی یہ آیت فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۢ بِشَهِيْدٍ اور سورۂ زمر کی آیت: وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ کے موافق ہے اور بعض مفسرین نے آیت بالا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ دنیا میں رسول امتوں کے پاس آئے ان کی انہوں نے تکذیب کی اور اس تکذیب پر جو ان پر عذاب آیا اس آیت میں اسی کا ذکر ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر امت کے لئے ایک پیغمبر ہے۔ وہ پیغمبر جب ان کے پاس آجاتا ہے اور احکام پہنچا دیتا ہے پھر اس کے بعد کچھ لوگ مانتے ہیں اور کچھ لوگ نہیں مانتے تو انکے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اہل ایمان کی نجات ہو جاتی ہے اور کافر ہلاک کر دیئے جاتے ہیں اور کسی پر ظلم

نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے اتمام حجت کے بعد ہوتا رہا ہے۔ [1]

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ جب بار بار عذاب کی وعید سنتے تھے تو منکرین کہتے تھے کہ عذاب کی وعید کہاں تک سنیں، کب ہوگا یہ عذاب؟ ایک مرتبہ آ ہی جائے تو ہم بھی دیکھ لیں کیسا عذاب ہوتا ہے، عذاب آنے میں جو دیر محسوس کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ڈھیل تھی اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے مزید تکذیب میں آگے بڑھ جاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو تو اسے پورا کر کے دکھاؤ اور عذاب بھی لے آؤ۔ ان کا یہ قول استفہام انکاری کے طور پر تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو کچھ اللہ چاہے) جب اپنے بارے میں میرا یہ حال ہے تو تم پر عذاب لانا یہ میرے اختیار میں کیسے ہو سکتا ہے، مجھ سے تقاضا کرنا جاہلانہ بات ہے۔ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (ہر امت کے لئے وقت مقرر ہے جب ان کا مقرر وقت آ پہنچے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں)

عذاب کا وقت آ جانے پر عذاب واقع ہو جائے گا جن امتوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب کا وقت مقرر ہے وہ دونوں میں مبتلائے عذاب ہوں گے اور جنکے لئے دنیا میں عمومی عذاب دینے کا فیصلہ نہیں کیا گیا آخرت میں انکے کفر کی وجہ سے ان کو عذاب ہونا ہی ہے۔ اجل مقرر پر عذاب سامنے آ ہی جائے گا۔ یہ جو جلدی مچاتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ عذاب کب آئے گا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی مقرر کردہ اجل سے پہلے عذاب نہیں لائے گا۔ ان لوگوں کے قول مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کا پہلا جواب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ اعلان کرا دیا کہ میرے بس میں عذاب لانا نہیں، اور دوسرا جواب یہ دے دیا کہ عذاب اپنے وقت مقرر پر آئے گا۔ تمہارے جلدی مچانے سے اجل مقرر سے پہلے نہیں آئے گا۔

پھر فرمایا قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ (الآیۃ) آپ ان سے فرما دیجئے یعنی سوال کیجئے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آ پڑے یا دن کو آ جائے تو عذاب میں ایسی کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے مجرمین عذاب کے جلدی لانے کا تقاضا کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب تو رات یا دن میں کسی بھی وقت نازل ہو سکتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ عذاب سخت چیز ہے اس کے آنے کی جلدی کیوں مچاتے ہیں عذاب میں ایسی کون سی چیز مرغوب ہے جسے جلد بلانا چاہتے ہیں۔ جب حقیقۃً عذاب مطلوب نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ عذاب لانے کی جلدی مچانے سے وعدہ عذاب کی تکذیب مقصود ہے۔ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کیا جب عذاب واقع ہو جائے گا اس وقت ایمان لاؤ گے؟ (اس وقت ایمان لانا بے فائدہ ہوگا اور اس وقت تصدیق نافع نہ ہوگی)

آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ۔ جب عذاب آئے گا تو سوال ہوگا کیا اب تصدیق کرتے ہو حالانکہ تم (بقصد تکذیب) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔ اس وقت کا ایمان لانا اور تصدیق کرنا فائدہ مند نہ ہوگا۔ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ ہمیشگی والا عذاب چکھو۔ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۔ (تمہیں انہیں کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کسب کرتے تھے) یعنی دنیا میں جن کاموں کو کیا کرتے تھے ان ہی کی جزا ملے گی۔

پھر فرمایا وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا عذاب واقعی چیز ہے؟ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ آپ فرما دیجئے کہ ہاں میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ بلاشبہ حق ہے واقع ہو جانے والی چیز ہے۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (اور تم

---

(۱) ...... خاتم النبیین ﷺ سے پہلے جو امتوں کے احوال گزرے ان کا ذکر ہے۔ ۱۲

عاجز کرنے والے نہیں ہو) یعنی جب عذاب آجائے گا تو تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، یہ نہ سمجھو کہ جب عذاب آئے گا تو ہم بھاگ نکلیں گے اور کہیں پناہ لے لیں گے۔ سارا ملک اللہ ہی کا ہے کہیں بھی فرار ہو کر نہیں جا سکتے۔ سورۂ عنکبوت میں فرمایا وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (اور تم آسمان میں اور زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے جو اس عذاب سے بچادے)

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ

ہر وہ شخص جس نے ظلم کیا اگر اس کیلئے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو وہ اپنی جان کو عذاب سے چھڑانے کیلئے اس سب کو خرچ کر ڈالے گا۔ اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

پوشیدہ رکھیں گے اور انکے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ خبردار بے شک اللہ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

خبردار بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے، وہی زندہ فرماتا ہے وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ظالم لوگ جان چھڑانے کے لئے زمین بھر کر فدیہ دینے کو تیار ہوں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا

منکرین اور معاندین دنیا میں حق کو جھٹلاتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کر کے اور راہ فرار اختیار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اس کی آخرت میں سزا ملے گی۔ اور جب وہاں عذاب سامنے آئے گا تو جان کا بدلہ دے کر عذاب سے بچنے کے لئے سب کچھ خرچ کر دینے کو راضی ہوں گے۔ اگر بالفرض انہیں پوری زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب اور اس جیسا اور بھی ان کو مل جائے تو وہ اس سب کو اپنی جان کے بدلہ دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ وہاں کچھ بھی پاس نہ ہوگا اور اگر بالفرض کچھ پاس ہو اور جان کا بدلہ دینے لگیں تو قبول نہ ہوگا۔ اس مضمون کی تفسیر سورۂ آل عمران کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اور سورۂ مائدہ کی آیت ان الذين كفروا لو ان لهم مافی الارض جميعا ومثله معه کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے۔

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ قیامت کے دن جب عذاب دیکھیں گے تو ندامت اور پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے اور دل ہی دل میں پشیمان ہوتے رہیں گے کاش مؤمن ہوتے تو آج مبتلا عذاب نہ ہوتے۔ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا)

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (خبردار اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے) سب کچھ اسی کی ملکیت ہے، یہ مجرمین بھی اس کی مخلوق اور مملوک ہیں اسے ہر طرح تصرف کرنے کا حق ہے، مجرمین کو عذاب دینا اس کے لئے آسان ہے۔ اس کی قدرت اور تصرف سے کوئی باہر نہیں۔

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (خبردار اللہ کا وعدہ سچا ہے) قیامت ضرور آنی ہے۔ انکار کرنے سے اور شک کرنے سے رک نہ جائے گی۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے جو قیامت کے آنے میں شک کرتے ہیں۔ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے) اس میں منکرین بعث کے استبعاد کی تردید ہے جو یوں کہتے تھے کہ موت کے بعد کیسے زندہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور یہ تمہاری نظروں کے سامنے ہے اسی سے سمجھ لو کہ وہ موت کے بعد بھی زندہ فرمائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے اور ایسی چیز آئی ہے جس میں سینوں کے لئے شفا ہے اور ہدایت ہے

وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور رحمت ہے مؤمنین کے لئے۔ آپ فرما دیجئے اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت سے خوش ہو جاؤ۔ سو وہ اس پر خوش ہوں، یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

قرآن موعظت ہے، سینوں کے لئے شفا ہے اور ہدایت و رحمت ہے

منکرین سے خطاب کرنے کے بعد مؤمنین کو خطاب فرمایا لیکن اسے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ سے شروع فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی کتاب بھیجی ہے اور ہدایت نازل فرمائی ہے وہ تمام انسانوں کے لئے ہے سب انسان اسے قبول کریں۔ جن لوگوں نے اسے قبول کر لیا ان کے لئے خوشخبری ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام اور رحمت و اکرام پر خوش ہونا چاہئے کہ ہمیں اللہ نے وہ کچھ عطا فرمایا جس کے مقابلہ میں ساری دنیا ہیچ ہے، دنیا میں لوگ جو کچھ جمع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے انعام کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن مجید کو موعظت (نصیحت) اور سینوں کے لئے شفا اور مؤمنین کے لئے ہدایت اور رحمت بتایا۔ موعظت، نصیحت کو کہتے ہیں جس میں برائیوں کو چھوڑنے اور احکام پر عمل کرنے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اختیار کرنے کی تلقین اور تعلیم ہو اور آخرت کے احوال اور اہوال کی تذکیر ہو۔ قرآن مجید میں بار بار ان سب امور کے اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

قرآن مجید کو شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ بھی فرمایا یعنی اس کے ذریعہ دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے اور جو شخص اس کی ہدایت پر عمل کرے اس کا دل روحانی بیماریوں سے شفایاب ہو جاتا ہے۔ حسد، کینہ، تکبر، بخل، خود پسندی اور حب دنیا اور وہ سب امور جو انسان کے دل کو تباہ کرتے ہیں قرآن مجید میں ان سب کا علاج ہے اس علاج کو اختیار کرے تو شفا حاصل ہو گی۔ نیز قرآن مجید کو ہدایت اور رحمت بھی فرمایا اس میں لفظ للمؤمنین کا اضافہ فرما دیا۔ قرآن مجید ہدایت اور رحمت تو سبھی کے لئے ہے لیکن چونکہ اس سے اہل ایمان ہی مستفید ہوتے ہیں اور اسے اپنے لئے ذریعہ ہدایت و رحمت بنا لیتے ہیں اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں قرآن کے لئے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ فرمایا ہے مزید فرمایا کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہو جائیں۔ صاحب مدارک التنزیل لکھتے ہیں فضل و رحمت سے کتاب اللہ اور دین اسلام مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فضل فرمایا کہ قرآن مجید نازل فرمایا اور دین اسلام قبول کرنے کی توفیق دی جو رحمت عظیمہ ہے اور انعام بر انعام ہے۔ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہونے کا حکم فرمایا کیونکہ یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں، ان پر جتنی بھی خوشی کی جائے اور مسرت کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ دنیا میں ہدایت پر ہونا اور آخرت میں نعمتوں سے مالا مال ہونا اس پر خوش ہونا اور چیز ہے اور دنیاوی نعمتوں پر اترانا دوسری چیز ہے۔ پہلی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور

دوسری چیز سے منع فرمایا گیا دنیاوی مال اور جاہ پر اترانا مست ہونا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھلا دیتا ہے اور اس میں دوسروں کی تحقیر بھی ہوتی ہے اس لئے اس سے منع فرمایا جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے حَتّٰی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْآ اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً اور سورۂ قصص میں فرمایا اِذْقَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ آخرت سے متعلقہ اعمال اور نعمتوں پر خوش ہونے میں چونکہ حب دنیا کا دخل نہیں اور اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کا ذریعہ ہے اس لئے محمود ہے آیت بالا میں اسی کا حکم فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اہل دنیا جو کچھ جمع کرتے ہیں نعمت اسلام اور نعمت قرآن کے سامنے اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں کیونکہ دنیا تھوڑی ہے اور فانی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ

آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ جو رزق اللہ نے تمہارے لئے نازل فرمایا تم نے اس میں سے خود ہی بعض کو حرام اور بعض کو حلال تجویز کرلیا۔ آپ فرما دیجئے کیا اللہ نے تمہیں

اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ

اس کی اجازت دی ہے یا اللہ پر افتراء کرتے ہو۔ اور قیامت کے دن کے بارے میں ان لوگوں کا کیا گمان ہے جو اللہ پر

الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

جھوٹ باندھتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن ان میں سے بہت شکر ادا نہیں کرتے۔

ع ۶ ۷ ۱۱

اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے

اللہ جل شانہٗ نے بندوں کو پیدا فرمایا ان کو رزق بھی عطا فرمایا۔ ان کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ کے رسولوں اور اللہ کی کتابوں نے احکام بتائے اور حلال و حرام کی وہ تفصیلات بتائیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر دین کو کامل فرما دیا اور آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا قرآن و حدیث میں حرام و حلال کی تفصیلات موجود ہیں۔ مشرکین نے جو اپنی طرف سے حرام و حلال تجویز کر رکھا ہے اس کی بھی تردید فرمائی اور امت محمدیہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بھی پیش بندی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے ہٹ کر اپنے طور پر حلال و حرام قرار نہ دیں اور واضح طور پر بتا دیا کہ تحلیل و تحریم یعنی حلال و حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے بندوں کو اس میں دخل دینا حرام ہے اور اصول بندگی کے خلاف ہے۔ اللہ نے جو رزق نازل فرمایا ہے تم نے اس میں سے بطور خود (بعض کو حلال اور بعض کو حرام کیوں قرار دیا اللہ تعالیٰ کا حق تم نے کیسے استعمال کرلیا کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تحلیل و تحریم کی اجازت دی ہے؟ یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ حلال وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال قرار دے اور حرام وہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ حرام قرار دے۔ تمہارا اپنے پاس سے یوں کہنا کہ فلاں چیز حرام ہے یہ اللہ پر تہمت باندھنا اور افتراء کرنا ہے۔ جو کچھ اس نے حلال و حرام قرار دیا ہے اس کے خلاف جو تم کہتے ہو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ یہ تحلیل و تحریم اللہ نے کی ہے کیونکہ تحلیل و تحریم کا حق اسی کو ہے۔ مخلوق کے حرام کہنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی اور مخلوق کے حلال کہنے سے حرام چیز حلال نہیں ہو جاتی۔ مشرکین عرب نے بعض جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا جس کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ کی تفسیر میں اور سورۂ انعام کی آیت وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ (الآیۃ) کی تفسیر میں گزر چکا ہے امت محمدیہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والتحیۃ میں بھی ایسے لوگ ہیں جنہوں نے تحلیل و تحریم کو دانستہ یا نادانستہ طور اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو عقیدۃً تو حلال کو حرام نہیں سمجھتے لیکن ان کا عمل

اس کے خلاف ہوتا ہے۔ بعض چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور ان سے اسی طرح بچتے ہیں جیسے حرام سے بچا جاتا ہے۔ نیاز فاتحہ کا جن لوگوں میں رواج ہے وہ لوگ جو حضرت سیدہ فاطمہ زہراؓ کے ایصال ثواب کے عنوان سے جو کھانا پکاتے ہیں اول تو وہ بدعت ہے پھر اس کے بارے میں یہ قانون بنا رکھا ہے کہ اس سے صرف لڑکیاں کھائیں گی لڑکے نہیں کھائیں گے۔ اللہ کی شریعت میں جو چیز سب کے لئے حلال ہے اسے لڑکوں کے لئے حرام قرار دینا وہی مشرکین والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں تغییر اور تبدیل کر دی اور حلال کو اپنے پاس سے حرام قرار دے دیا۔ اس طرح کی بہت سی چیزیں پیروں، فقروں اور اہل بدعت میں مروج ہیں۔

دوسری آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اللہ کے قوانین میں تصرف کرتے ہیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن کے بارے میں ان کا کیا گمان ہے۔ کیا انہیں روز قیامت کا یقین نہیں ہے؟ اسی یقین کے نہ ہونے کی بنیاد پر اللہ کے نازل فرمودہ رزق میں اپنی طرف سے حلت و حرمت تجویز کرتے ہیں ایسے نڈر ہو گئے ہیں کہ آخرت کے مواخذہ کا کچھ بھی دھیان نہیں۔

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْفَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل فرماتا ہے رزق حلال عطا فرماتا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں (حلال کو حرام قرار دیتے ہیں)

اللہ کا یہ فضل بھی ہے کہ اس نے لوگوں کو دولت عقل سے نوازا پیغمبر بھیجے کتابیں نازل فرمائیں جنہوں نے حق اور ناحق واضح کر کے بتایا جس میں حرام و حلال کی تفصیلات بھی ہیں لیکن اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے فضل کی قدر دانی نہیں کرتے اور شکر کے بجائے کفران نعمت کی راہ اختیار کرتے ہیں اس کفران نعمت میں معصیت اور کفر و شرک کا اختیار کرنا سب داخل ہے۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ

اور آپ جس کسی حال میں بھی ہوں اور قرآن مجید کا جو بھی کوئی حصہ تلاوت کر رہے ہوں اور تم لوگ جو بھی کوئی عمل کرتے ہو ہم ضرور اس سے باخبر ہوتے

شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا

ہیں جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو اور زمین اور آسمان میں ذرہ کے برابر کوئی چیز ایسی نہیں جو تیرے رب کے

فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۱

علم میں نہ ہو اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو جو کتاب مبین میں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے کوئی ذرہ اور اس سے چھوٹی بڑی چیز اور مخلوق کا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ کی صفت علم کو بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ آپ جس حال میں بھی ہوں اور اسی حال میں سے یہ بھی ہے کہ آپ قرآن کے کسی حصہ کی تلاوت کر رہے ہوں اور آپ کے علاوہ دوسرے اشخاص اور افراد جو بھی کوئی عمل کرتے ہوں یہ سب حالات اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں کسی کی کوئی حالت اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور آسمان میں اور زمین میں جو بھی ذرہ کے برابر کوئی چیز ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور اس کے علم سے غائب نہیں ہے آسمان و زمین کے علاوہ بھی مخلوق ہے اور وہ بھی اس کے علم میں

ہے۔ آسمان و زمین کو چونکہ سبھی لوگ جانتے ہیں اور نظروں کے سامنے ہیں اس لئے خصوصی طور پر ان کا ذکر فرمادیا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ارض و سماء سے علوی اور سفلی دونوں جہتیں مراد لی گئی ہیں۔

مزید فرمایا کہ ذرہ سے کوئی چیز چھوٹی ہو یا کوئی چیز اس سے بڑی ہو کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے اور لوح محفوظ میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا علم اس کو محیط ہے، جو چیزیں وجود میں آئیں یا بعد میں پیدا ہونگی ان سب کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور جو چیز پیدا نہ ہوں گی ان کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے بلکہ اس کو ممتنعات کا بھی علم ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

خبردار بلاشبہ جو اولیاء اللہ ہیں ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے،

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ

ان کے لئے بشارت ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں،

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

یہ بڑی کامیابی ہے۔

اولیاء اللہ نہ خوف زدہ ہوں گے نہ غمگین

یہ تین آیات ہیں ان میں اولیاء اللہ کی فضیلت اور ولایت کی حقیقت بتائی اور یہ بتایا کہ اولیاء اللہ کے لئے دنیا میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اولیاء ولی کی جمع ہے، ولی دوست اور قریب کو کہتے ہیں۔ اولیاء کون لوگ ہوتے ہیں؟ اس کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا یہ لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ ایمان کے بغیر تو اللہ کا دوست ہو ہی نہیں سکتا خواہ کیسی ہی ریاضت کرے اور عبادت کے نام سے کچھ بھی عمل کرے۔ کافر اور مشرک اللہ کا مقرب اور مقبول بندہ اور اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا اہل ایمان کے درجات مختلف ہیں۔ ایمان کی صفات کے کم و بیش ہونے اور ایمانی تقاضوں پر عمل کرنے میں اور عبادت، تلاوت، ذکر کی کیفیات اور کمیات کے اختلاف سے فرق مراتب ہو جاتا ہے اور کون شخص کس درجہ کا ولی ہے بندے اس کے ظاہری حالات سے اندازہ لگا سکتے ہیں، چونکہ ہر ایک کے ظاہر و باطن کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس لئے فرق مراتب کا صحیح علم بھی اسی کو ہے۔ فرائض اور واجبات کا اہتمام اتباع سنت کا دھیان، نوافل کی کثرت، ذکر اللہ کی مشغولیت اور صفت احسان اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ کا حصول، خشوع و خضوع، اخلاص، مکارم اخلاق، محاسن الافعال ان سب چیزوں کے ذریعہ حسب مراتب درجہ بدرجہ اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اسی کا نام ولایت ہے۔ صحیح مسلم ص ۴۷ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا الایمان بضع وسبعون شعبة وافضلها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذى عن الطريق والحياء شعبة من الايمان (ستر) ۷۰ سے کچھ اوپر ایمان کے شعبے ہیں ان میں سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہہ لینا ہے (یعنی سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ طیبہ پر ایمان لانا ہے) اور ان میں سب سے کم درجہ کی بات یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دی جائے اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے)

اس میں ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے بتائے ہیں جس میں ادنیٰ شعبہ یہ بتایا ہے کہ راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹادی جائے اور خصوصیت کے ساتھ حیا کو ایمان کے شعبوں میں شمار فرمایا ہے ہر وہ عمل جو ایمان کے تقاضوں کے موافق ہو اور اللہ کی رضا کے لئے ہو وہ سب قُربِ خداوندی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اولیاء اللہ کی تعریف میں جو اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فرمایا یہ ایمان کے تمام تقاضوں کو شامل ہے فرائض سے لے کر مستحبات تک جو بھی کرنے کے کام ہیں وہ سب اللہ کا قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں۔ یہ تو ایمان کے تقاضوں کا ذکر ہوا جن پر عمل کرنا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے تقاضے بھی ہیں جن کا تعلق ان اعمال سے ہے جن کے ارتکاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کو وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ میں بیان فرمایا۔ حرام سے لے کر مکروہ تنزیہی تک جو اعمال ترک کرنے کے ہیں ان سے بچنا بھی رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے، اور یہ عبادت ہے۔ ایک حدیث میں ہے: اتق المحارم تكن اعبدالناس کہ تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچ ایسا کرنے سے دوسروں سے بڑھ کر عبادت گزار ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۰)

جو شخص مامورات پر عمل کرتا ہے اور منہیات سے بچتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے اتباع کا اہتمام کرتا ہے جسے قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ میں بیان فرمایا ہے ایسے شخص کو اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے قرب الٰہی حاصل ہوگا اور اسی درجہ کی ولایت حاصل ہوگی۔ جس درجہ کے اعمال ہوں گے اور جس قدر دنیاوی اشغال وافکار سے ذہن فارغ ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگی ہوگی اسی قدر قُربِ الٰہی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان اللہ تعالٰی قال من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضته علیه وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذااحببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها ۔(ارشاد خداوندی ہے جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ اور بندہ میرا سب سے زیادہ قرب فرائض کی ادائیگی کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ نیز بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (یعنی میری توفیق سے اس کے اعضاء وجوارح میری مرضی کے مطابق کام کرنے لگ جاتے ہیں) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعہ بھی تقرب بڑھتا رہتا ہے ان امور کو سامنے رکھ کر سمجھ لیا جائے کہ ولایت، فرائض، واجبات، اور مستحبات اور مندوبات اور اتباع سنت کے اہتمام اور ترک منہیات کا نام ہے یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ ولی وہ ہے جس سے کوئی کرامت صادر ہو یا صوفیہ کے کسی سلسلہ میں داخل ہو یا کسی خانقاہ کا گدی نشین ہو یا نسب کے اعتبار سے سید ہو وہ ولی ہے خواہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور کیسا ہی دنیا دار ہو اور کیسا ہی تارک فرائض اور مرتکب محرمات ہو۔ یہ جہالت کی بات ہے، جو شخص متبع شریعت نہیں وہ اللہ کا دوست نہیں ہے۔ اب تو گدیاں عموماً جلب زر ہی کے لئے رہ گئی ہیں۔ جہاں کہیں تھوڑا بہت ذکر وشغل اور ریاضت ہے وہ بھی منکرات کے ساتھ ہے۔ قلب جاری ہے لیکن اکل حلال کا اہتمام نہیں۔ بینک میں کام کرتے ہیں پھر بھی صوفی ہیں، داڑھی کٹی ہوئی ہے پھر بھی بزرگ ہیں، نماز نہیں پڑھتے اور مریدوں سے کہہ دیتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں نماز پڑھتا ہوں یہی بزرگی کے ڈھنگ رہ گئے ہیں اور ایسے لوگوں کو ولی سمجھا جاتا ہے۔ ولایت اتباع شریعت کا نام ہے اور حضرات صوفیاء کرام اسی لئے محنت اور ریاضت کراتے تھے کہ شریعت طبیعت ثانیہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنا

آسان ہو جائے اب تو گدی نشینوں کے نزدیک ولایت اور بزرگی کا مفہوم ہی پلٹ گیا۔

یہاں تک تو ولایت کی حقیقت بیان کی گئی جس سے یہ معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کون ہیں۔ اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اولیاء اللہ کے لئے جس انعام کا وعدہ فرمایا ہے کہ وہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے! اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (بلاشبہ جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا ثواب ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں گے) اس آیت سے معلوم ہوا کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی خوشخبری مؤمنین صالحین کے لئے ہے اور دونوں آیتوں کے ملانے سے ولایت کا مصداق بھی معلوم ہو گیا (جس کی تشریح ہم اوپر کر چکے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں بہت سے ایسے بندے ہوں گے جو نہ نبی ہیں نہ شہید ہیں قیامت کے دن انبیاء اور شہداء بھی ان کے مرتبہ کی وجہ سے جو اللہ کے نزدیک ہے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے قرآن کی وجہ سے محبت کریں گے ان کی آپس کی یہ محبت نہ آپس کی رشتہ داریوں کی وجہ سے ہوگی اور نہ اموال کے لین دین کی وجہ سے (یہ محبت صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بنیاد پر ہوگی) اللہ کی قسم انکے چہرے منور ہوں گے اور وہ نور پر بیٹھے ہوں گے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہی آیت اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ تلاوت فرمائی۔ (رواہ ابوداؤد کمافی المشکوٰۃ ص ۴۲۶)

اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اولیاء اللہ کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے اس سے قیامت کے دن بے خوف اور اطمینان ہونا مراد ہے لہٰذا یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو خوف لاحق ہوا اور بعض احوال میں غمگین ہوئے اسی طرح بہت سے اولیاء اللہ پر بعض حالات میں خوف اور حزن یعنی غم طاری ہوا کیونکہ یہ دنیاوی احوال ہیں آخرت میں یہ حضرات خوف و حزن سے محفوظ ہوں گے۔ یہ جو فرمایا کہ حضرات انبیاء اور شہداء بھی ان کا مرتبہ دیکھ کر ان پر رشک کریں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرات انبیاء اور شہداء خوف زدہ اور غمگین ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرامؑ اپنی امتوں کے مسائل حل کرنے اور ان کے بارے میں گواہی دینے اور ان کی سفارشیں کرنے میں مشغول ہوں گے اور حضرات شہداء کرام بھی سفارش میں لگے ہوں گے اور دوسرے اولیا اللہ بے فکر بے غم ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ رشک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات ان لوگوں کی تعریف کریں گے جنہوں نے اللہ کے لئے آپس میں محبت کی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہر مؤمن کو کچھ نہ کچھ ولایت کا درجہ حاصل ہے اس درجہ کی وجہ سے جنت کا داخلہ مل جائے گا اور جنہوں نے گناہوں کے ذریعہ اس ولایت کو مکدر کر دیا ان میں سے جو شخص سزا پانے کے لئے دوزخ میں جائے گا وہ بھی سزا پا کر اسی حصہ ولایت کی وجہ سے جو اسے حاصل تھا جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اگر اپنی ولایت کی لاج رکھتا اور گناہوں سے بچتا۔ جس سے اونچے درجہ کی ولایت حاصل ہوتی تو دوزخ میں نہ بھیجا جاتا۔

اولیاء اللہ کے لئے مزید انعام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ کہ اولیاء کے لئے دنیا والی زندگی میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اس بشارت سے کیا مراد ہے اس بارے میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اس بشارت سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے ایسی

بات کا سوال کیا ہے جو اس سے پہلے مجھ سے کسی نے بھی دریافت نہیں کیا۔ پھر فرمایا کہ اس سے اچھی خوابیں مراد ہیں جنہیں آدمی خود دیکھ لے یا اس کے لئے دیکھ لی جائے۔ (مسند احمد ص ۳۱۵ ج ۵)

مطلب یہ ہے کہ مؤمن بندے ایسے خواب دیکھ لیتے ہیں جن میں ان کے لئے خیر و خوبی کی اور حسن خاتمہ کی اور اعمال کے مقبول عنداللہ ہونے کی نیز جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری ہوتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو ایسی خوابیں دکھائی جاتی ہیں جن میں کسی مؤمن بندے کے لئے بشارت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بشارت کا ایک مصداق بیان فرمادیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! ارشاد فرمائیے ایک شخص کوئی خیر کا کام کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں (اس کی وجہ سے اس کا ثواب ختم تو نہیں ہو جاتا جبکہ اس نے وہ عمل اللہ کے لئے کیا ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ تو مومن کے لئے ایک بشارت ہے جو اسی دنیا میں اسے مل گئی۔ (رواہ مسلم ص ۳۳۲ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ کسی صالح بندہ سے لوگوں کا محبت کرنا ان کی تعریف کرنا اور ان کو اچھا سمجھنا اس میں اس بات کی بشارت ہے کہ وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کا کسی کو اچھا کہنا یہ اسکے اچھا ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کی بشارت یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے بشارت لے کر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خوشخبری سناتے ہیں اور آخرت میں بشارت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ہی روح پرواز کرتی ہے تو اسے عالم بالا کی طرف لے جایا جاتا ہے اور اللہ کی رضامندی کی خوش خبری دی جاتی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے جو ایک طویل حدیث موت اور مابعد الموت کے احوال کے بارے میں مروی ہے کہ اس میں موت کے وقت اللہ کی رضامندی کی بشارت کا ذکر ہے نیز قبر میں بشارت دیئے جانے کا ذکر بھی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲)

حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ اس سے وہ بشارت مراد ہے جس کا اللہ نے مؤمنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں جنت کا داخلہ نصیب ہوگا اور انکے اعمال کا بہت اچھا ثواب ملے گا جیسا کہ سورۂ بقرہ (ع ۳) میں وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور سورۂ بقرہ (ع ۱۹) میں وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ اور سورۂ بقرہ (ع ۲۸) میں وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا ہے۔ یہ بشارتیں اس دنیا میں دے دی گئیں، لا تبديل لكلمات الله، اللہ کی باتوں یعنی اللہ کے وعدوں میں کوئی تبدیلی نہیں جو وعدے فرمائے ہیں وہ سب پورے ہوں گے جو بشارتیں دی ہیں وہ سچی ہیں ان کے مطابق انعام دیا جائے گا۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (یہ بشارت بڑی کامیابی ہے)

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ

اور آپ کو ان کی بات رنجیدہ نہ کرے، بلاشبہ ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔ خبردار اس میں شک نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہیں

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ

جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے شرکاء کو پکار رہے ہیں وہ کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں۔

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ

یہ لوگ صرف گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور صرف اٹکل پچو گمان کرتے ہیں۔ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو

لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ۝ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ

پیدا فرمایا تا کہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دیکھنے کا ذریعہ بنایا۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے

وَلَدًا سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ

بیٹا بنا لیا ہے وہ اس سے پاک ہے وہ غنی ہے، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس بات کی

سُلْطَانٍ بِهَٰذَا ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ

کوئی دلیل نہیں ہے، کیا تم اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔ آپ فرما دیجئے بے شک جو

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ

لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ دنیا میں تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے پھر ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہے پھر ہم انہیں ان کے

الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

کفر کی وجہ سے سخت عذاب چکھائیں گے۔

مشرکین صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں انہوں نے اللہ کے لئے اولاد تجویز کر کے اللہ پر بہتان باندھا ہے

ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے اور فرمایا ہے آپ ان کی باتیں سن کر غمگین اور دلگیر نہ ہوں ساری عزت اور ہر طرح کا غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ غالب ہے آپ کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (مجادلہ ع ۳) میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔ وہ ان کے اقوال اور اعمال کی سزا دے گا۔ پھر فرمایا أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ (خبردار بلاشبہ جو آسمانوں کے رہنے والے ہیں اور جو زمین میں رہتے ہیں وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں) اس کے قبضۂ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ (اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کرتے ہیں وہ کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں) إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ۔ یہ لوگ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے گمان ہی گمان ہے اور دلیل وہی ہے جو خالق و مالک جل مجدہ کی طرف سے ملے۔ اول تو اس نے عقل سلیم عطا فرمائی، غور فکر کی صلاحیت دی۔ یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے اگر کوئی شخص اس سے کام لے تو وہ سمجھ سکتا ہے اور یقین کے ساتھ جان سکتا ہے کہ پیدا کرنے والے کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہوسکتا۔ پھر اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا انہوں نے صرف خالق جل مجدہ کی عبادت کرنے کو راہ مستقیم بتایا اور اسی کی دعوت دی اور بتایا کہ جو خالق کائنات ہے صرف وہی معبود وحدہ

لاشریک ہے مشرکین نہ دلیل عقلی سے کام لیتے ہیں نہ حضرات انبیاء کرام کے بتانے سے شرک چھوڑتے ہیں۔ صرف گمان کا اتباع کرتے ہیں اور اٹکل کے پیچھے چلتے ہیں۔

پھر فرمایا: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ (اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پیدا فرمایا تا کہ تم اس میں آرام کرو) وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (اور دن کو ایسی چیز بنایا جس میں دیکھ بھال کرتے ہیں) اس میں چیزیں صاف واضح نظر آتی ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ (یعنی حق کو قبول کرنے کی نیت سے سنتے ہیں اور سنی کو ان سنی نہیں کر دیتے) رات اور دن دونوں ایسی چیزیں ہیں جو نظروں کے سامنے ہیں۔ پوری دنیا ان دونوں وقتوں سے خالی نہیں ہوتی کہیں رات ہوتی ہے کہیں دن ہوتا ہے اور دنیا کے بسنے والوں میں کوئی ایسا نہیں جو رات میں یا دن میں نہ ہو ہر علاقہ میں یہ دونوں یکے بعد دیگرے گزرتے ہیں۔ ان دونوں کا الٹ پھیر کرنے والا اور آگے پیچھے کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے آرام کے لئے بنایا اور دن کا بھی بہت بڑا فائدہ ہے اس میں لوگ چلتے پھرتے ہیں دیکھتے بھالتے ہیں۔ کسب معاش کرتے ہیں یہ بسا اوقات اور سب حالات اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں پھر بھی مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی نشانیاں سامنے ہیں وہ اس کے سامنے لائی جاتی ہیں تو انہیں سننا نہیں چاہتے اور سن لیتے ہیں تو ان کے تقاضوں کے مطابق نہیں چلتے حق کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے) وہ اس سے پاک ہے۔ هُوَ الْغَنِیُّ وہ بے نیاز ہے) لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) اول تو وہ بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں کسی معاون و مددگار کی ضرورت نہیں پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی مخلوق ہے اور اسکی مملوک ہے خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی نسبتی رشتہ نہیں ہوسکتا۔ رشتہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے لہٰذا اللہ جل شانہٗ کے لئے اولاد ہونا ہی محال ہے اس کے لئے اولاد تجویز کرنا اس کے لئے عیب کی بات تجویز کرنا ہے اور اس کی ذات کو محتاج بتانا ہے ، حالانکہ وہ ان سب باتوں سے پاک ہے اور بلند و بالا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسان کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ صاحب اولاد ہو گیا حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ کسی کو جنا اور نہ جنا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶۴۴ ج ۲)

پھر فرمایا: اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا (تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے) بے سند باتیں ہیں خود تراشیدہ خیالات ہیں اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ (کیا تم اللہ کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جن کا تم علم نہیں رکھتے)

پھر فرمایا: قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے) مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ۝ دنیا میں تھوڑا سا نفع ہے پھر ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے پھر ہم انہیں ان کے کفر کی وجہ سے سخت عذاب چکھا دیں گے) اس میں اس شبہ کا جواب ہے ، ہم تو دیکھتے ہیں کہ مشرک اور کاذب اور مفتری آرام و راحت میں ہیں ان کے پاس مال بھی ہے حکومتیں بھی ہیں اس طرح تو وہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ تھوڑی سی دنیاوی زندگی ہے اس میں تھوڑا سا عیش کرلیں گے پھر ہمارے پاس آئیں گے وہاں کفر کا سخت عذاب چکھیں گے اس عذاب کے سامنے یہ ذرا سا چند روزہ دنیا کا عیش کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا ، جو دوزخ میں جائے (اور وہ ہمیشہ کے

لئے) وہ کیسے کامیاب ہوسکتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ

اور آپ ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنایئے، جبکہ نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اگر میرا قیام کرنا اور اللہ کی آیات کی

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ

یاد دہانی کرنا تم پر بھاری ہے تو میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا سوتم سب مل کر اپنے شرکاء کے ساتھ اپنی تدبیر کرلو، پھر وہ تمہاری تدبیر ڈھکی

غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ

چھپی نہ رہے، پھر تم میرے بارے میں جو چاہو فیصلہ کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔ سو اگر تم روگردانی کرو تم میں نے تم سے کسی معاوضہ کا سوال تو کیا نہیں ہے۔ میرا اجر

اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي

تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں۔ سو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے

الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

نجات دے دی، اور ہم نے انہیں پہلے لوگوں کے بعد زمین کے آباد کرنے والا بنا دیا، اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کردیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، سوائے مخاطب دیکھ لے جن

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

کو ڈرایا گیا تھا ان کا کیسا انجام ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا جرأت کے ساتھ اپنی قوم سے خطاب فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا غرق ہوجانا!

ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اجمالی طور پر بیان فرمایا ہے۔ تفصیل کے ساتھ آئندہ سورۂ ہود اور سورۂ نوح میں مذکور ہے، نیز سورۂ اعراف (ع ۸) میں بھی گزر چکا ہے۔ سورۂ اعراف کی تفسیر میں ہم نے کچھ لکھا ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیں (انوار البیان جلد ہذا) اور سورۂ ہود (رکوع ۳) اور (رکوع ۴) کی تفسیر کا مطالعہ کرلیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں ساڑھے نوسو سال قیام فرمایا ان کو طرح طرح سے سمجھایا توحید کی دعوت دی شرک کی شناعت اور قباحت بیان فرمائی لیکن وہ لوگ برابر مخالفت کرتے رہے اور دشمنی پر اتر آئے اور یہاں تک کہہ دیا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (کہ اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو تم سنگسار کئے جانے والے آدمیوں میں سے ہوجاؤ گے) حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم اور تمہارے شرکاء (جن کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو) سب مل کر میرے خلاف منصوبہ بنالو اور ایسا منصوبہ ہو جو ڈھکا چھپا نہ ہو پھر تم اپنے منصوبہ کے موافق میری ایذا رسانی کے لئے جو چاہو فیصلہ کرلو۔ مجھے تم سے کوئی ڈر نہیں۔ میں نے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اور مجھے تم سے کوئی لالچ بھی نہیں۔ اگر مجھے تم سے کچھ لالچ ہوتا تو مجھے یہ خیال ہوتا کہ تم ناراض ہوجاؤ گے تو جس نفع کی امید ہے وہ حاصل نہ

وقف لازم

ہوگا تم اگر روگردانی کرو اور اپنے اعراض پر باقی رہو تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا میرا اجر تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے اللہ کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے رہوں میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ وہ لوگ برابر جھٹلاتے رہے اور انہوں نے صاف کہہ دیا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ (کہ جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم سچے ہو تو اسے لے آؤ) حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی اور اپنے گھر والوں کو اور اہل ایمان کو اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لیا زبردست پانی کا طوفان آیا جس میں سارے کافر غرق ہو گئے (ان میں حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور ایک بیٹا بھی تھا) اور تمام اہل ایمان نے نجات پائی۔ کافروں کی ہلاکت کے بعد یہ نجات پانے والے اہل ایمان دنیا کے آباد کرنے والے بنے۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ اب دیکھنے والے دیکھ لیں اور غور کر لیں کہ جن لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا وہ اپنے کفر پر جمے رہے اور ہلاک ہوئے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا

پھر ہم نے نوح کے بعد کتنے ہی پیغمبر بھیجے جو اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ سو وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے۔ سو وہ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کو پہلے

كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۷۴ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ

جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لے آئیں، ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے

مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّا

موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا، سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ سو جب ان کے پاس

جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۶ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ

ہماری طرف سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ جب تمہارے پاس حق آ گیا

لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝۷۷ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا

تو کیا تم اسکے بارے میں ایسی بات کہتے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادو کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے۔ وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ جس چیز پر ہم

وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۸

نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے تو ہمیں اس سے ہٹا دے اور زمین میں تم دونوں کو سرداری مل جائے اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۷۹ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا

اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس ہر جادوگر کو لے آؤ جو خوب جاننے والا ہو۔ سو جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا ڈال دو تم

مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝۸۰ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ

جو کچھ ڈالنے والے ہو۔ سو جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ نے کہا تم جو کچھ لائے ہو یہ جادو ہے بلاشبہ عنقریب اللہ اسے باطل کر دے گا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

بے شک اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں بننے دیتا۔ اور اللہ اپنے وعدوں کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ مجرمین برا مانیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف مبعوث ہونا اور انکے مقابلہ میں جادوگروں کا شکست کھانا

ان آیات میں اول تو اجمالی طور پر ان پیغمبروں کی آمد اور تبلیغ اور قوموں کی تکذیب کا حال بیان فرمایا ہے جو حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تھے۔ جب لوگوں کے پاس حق آیا تو پہلے سے جس کفر پر جمے ہوئے تھے اسی پر جمے رہے اور حق کو قبول نہ کیا ان لوگوں کے عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی۔ لہٰذا حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی بعثت کا تذکرہ فرمایا کہ ان دونوں کو ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا جو ہماری آیات و معجزات لے کر پہنچے جب فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس ان دونوں حضرات نے حق پیش کیا اور توحید کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت چھوڑنے کا حکم فرمایا تو ان لوگوں نے تکبر کیا اور حق کو قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا، جیسا کہ سورۂ مؤمنون میں ان کا قول نقل فرمایا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم ہے) یہ لوگ پہلے سے مجرم تھے کافر تھے اور کفر پر جمے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حجت بازی کی ان سے کہا کہ اپنے رسول ہونے کی نشانی پیش کرو انہوں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو بہت سفید تھا اور اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی تو وہ اژدہا بن گئی اس پر وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم حق کو جادو کہتے ہو۔ ہوش کی دوا کرو۔ کیا یہ جادو ہے؟ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جادوگر کامیاب نہیں ہوتے۔ وہ تو دنیا میں بھی ذلیل رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لئے تباہی ہے اور خاص کر جو شخص جادو کے ذریعہ نبوت کا دعویٰ کرے وہ تو اپنے دعویٰ میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس میں یہ بات بیان فرمائی کہ دیکھو میں تو کامیاب ہوں اور کامیاب رہوں گا اور جو شخص میرے مقابلہ میں آئے گا وہ ناکام ہوگا۔

فرعون اور اس کے درباری کہنے لگے جی ہاں ہم نے سمجھ لیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس دین پر پایا ہے اس سے تم ہمیں ہٹا دو اور جب ہم تم پر ایمان لے آئیں تو پھر زمین میں تمہارا ہی حکم چلے اور تمہیں ہی سرداری مل جائے اور تم ہی صاحب اقتدار ہو جاؤ فکر ہر کس قدر ہمت اوست۔ اہل دنیا دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور جس طرح خود دنیا کے طالب ہوتے ہیں اسی طرح دوسروں کے بارے میں ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی طالب دنیا ہے اور اسکی ساری محنت کوشش اس لئے ہے کہ اسے ملک مل جائے۔ آخرت کی بڑائی اور بلندی ان کے سامنے ہوتی ہی نہیں۔ فرعون نے اور اس کی جماعت نے حضرت موسیٰ و ہارون سے یہی کہا کہ تم دنیا کے طالب ہو سرزمین مصر کی حکومت چاہتے ہو۔ (والعیاذ باللہ)

چونکہ ان کی لاٹھی والا معجزہ دیکھ کر فرعون اور اس کے درباریوں نے یوں کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے اس لئے جادو کا مقابلہ کرانے کے لئے جادوگروں کو طلب کرنے کی سوجھی۔ فرعون نے کہا میری قلمرو میں جتنے بھی ماہر جادوگر ہیں سب کو بلا لو۔ چنانچہ جادوگر بلائے گئے اور مقابلہ کی بات چلی جب وہ لوگ سامنے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ بولئے آپ اپنی لاٹھی ڈالیں گے یا پہلے ہم ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ڈالو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں جو ان کے جادو کی وجہ سے دوڑتے ہوئے سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اژدہا بن گئی۔ اور ان کی ڈالی ہوئی چیزوں کو اس نے چٹ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے ان سے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ دیکھو تم جو کچھ لے کر آئے ہو جادو ہے اور میں جو کچھ لے کر آیا ہوں وہ جادو نہیں ہے۔ فرعون اسے جادو کہہ رہا ہے۔ بلاشبہ ابھی ابھی اللہ تمہارے جادو کو باطل قرار دے گا۔ چنانچہ سب نے دیکھ لیا کہ جادوگر اپنی جادوگری میں ناکام ہوئے پھر وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ موسیٰ کے پاس ہے وہ جادو نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ (بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں بننے دیتا) اللہ کے نبی کے مقابلہ میں جو شخص آئے گا وہ فسادی ہوگا وہ مقابلہ میں ٹک نہیں سکتا وَیُحِقُّ اللّٰہُ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ مجرمین کو یہ ناگوار ہو) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو اللہ کا وعدہ تھا اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی وہ پورا ہوا۔ فرعون اور فرعونیوں کو اور جادوگروں کو شکست فاش ہوئی۔ فالحمدللہ علی ما قضیٰ۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ مِّنْ قَوْمِہٖ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِہِمْ اَنْ یَّفْتِنَہُمْ ؕ

سو موسیٰ پر ان کی قوم میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انہیں فتنے میں نہ ڈالے،

وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّہٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَ قَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ

اور بلاشبہ فرعون اس زمین میں بلندی والا تھا، اور اس میں شک نہیں کہ وہ حد سے آگے بڑھ جانے والوں میں تھا۔ اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم اگر تم

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ فَعَلَیْہِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَی اللّٰہِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا

اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ پر ہی بھروسہ کیا اے ہمارے رب تو

تَجْعَلْنَا فِتْنَۃً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾

ہمیں ظالم قوم کے لئے فتنہ نہ بنا۔ اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دے،

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْہِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو

قِبْلَۃً وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۷﴾

اور اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو، اور نماز قائم کرو اور مؤمنین کو خوشخبری دو۔

مصر میں بنی اسرائیل کا بے بس ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا انہیں توکل کی تلقین فرمانا اور گھروں میں نمازیں پڑھنے کا اہتمام کرنے کا حکم دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے اپنی قوم کی طرف بھی مبعوث ہوئے تھے جیسا کہ فرعون اور ان کی طرف بھی ان کی بعثت ہوئی تھی۔ فرعون کی قوم میں سے ایک شخص نے ایمان قبول کیا جس کا ذکر سورۂ مؤمن میں ہے اور فرعون کی بیوی بھی مسلمان ہوگئی تھی جس کا سورۂ تحریم میں ذکر ہے اور بعض لوگوں نے ماشطہ (فرعون کی لڑکی کی کنگھی کرنے والی) اور اس کے خزانچی اور اس کی بیوی کے مؤمن ہونے

کا بھی ذکر کیا ہے، بنی اسرائیل میں سے بھی کچھ لوگوں نے ایمان قبول کیا۔ مسلمان تو ہو گئے لیکن فرعون سے اور اس کی قوم کے سرداروں سے ڈرتے تھے کہ کہیں انہیں فتنے میں نہ ڈال دے، یعنی جو دین حق انہوں نے قبول کرلیا ہے اس سے ہٹا نہ دے۔ فرعون کو زمین میں اقتدار حاصل تھا۔ متکبر بھی تھا اور ظالم بھی، لوگوں کو سزا دیتا تھا وہ بہت سخت سزا ہوتی تھی۔ ہاتھوں میں کیلیں گاڑ دیتا تھا۔ اسی لئے اسے سورۃ الفجر میں ذُو الْاَوْتَادِ فرمایا ہے۔

تکبر اور تجبر میں اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ اپنے بارے میں اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہتا تھا جو مؤمن ہوئے وہ اس سے ڈرتے رہتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اگر تم واقعی اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم فرمانبردار ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا پھر یوں دعا کی کہ اے اللہ ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا جو ہمیں تکلیف دیں اور تختۂ مشق بنائیں اور ہم پر رحم فرما کافر قوم سے نجات دے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کرنے والے کو اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔ توکل ہوگا تو دعا کی قبولیت کی امید زیادہ بندھ جاتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا توکل کے منافی نہیں ہے۔ توکل کا معنی یہ ہے کہ اسباب عادیہ پر نظر نہ رہے اور صرف خالق الاسباب پر بھروسہ ہو جائے۔ اور دعا بھی اسی ذات سے مانگی جاتی ہے جس پر بھروسہ ہے اس لئے دونوں میں کوئی منافات نہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے لئے مصر ہی میں گھر بنائے رکھو اور گھروں ہی میں نمازیں پڑھتے رہو۔ یہ گھر ہی تمہارے لئے مسجدیں ہیں چونکہ فرعون کے ظلم کی وجہ سے باہر مسجدیں نہیں بنا سکتے تھے اور کھل کر نماز پڑھنے کا موقع نہ تھا اس لئے یہ حکم دیا کہ گھروں ہی میں نماز پڑھیں اور نماز قائم رکھیں۔

(اس سے نماز کی اہمیت معلوم ہوئی کہ جہاں بھی ہوں مظلومیت کے جن حالات سے بھی گزر رہے ہوں نماز قائم کرنے میں سستی نہ کریں)

آخر میں فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اہل ایمان کو بشارت دے دو) اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرمائے گا انہیں ظالموں سے نجات دے گا اور دشمن کے مقابلہ میں ان کی مدد فرمائے گا اور ان کی مظلومیت کی جو حالت ہے اس سے نجات دے گا۔ (جس کا ذکر آگے آ رہا ہے)

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

اور موسیٰ نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! بے شک آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا والی زندگی میں زینت اور اموال دیئے

رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا

ہیں اے ہمارے رب! یہ اس لئے ہیں کہ وہ آپ کے راستے سے ہٹایا کریں، اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے

يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۞ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ

اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے، سو وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی سو تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں

سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

کے راستہ کا ہرگز اتباع نہ کرو جو نہیں جانتے۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار دیا پھر بغاوت اور زیادتی کرتے ہوئے فرعون

وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ

اور اس کا لشکر ان کے پیچھے ہو لیا، یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں

بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۞ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ

جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ کیا اب ایمان لاتا ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے

الْمُفْسِدِیْنَ ۞ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ

والوں میں سے ہے۔ سو آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لیے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے

النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۞

کہ بہت سے آدمی ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

فرعون اور آلِ فرعون کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی بددعا، فرعون کا غرق ہونا اور عبرت کے لئے اس کی نعش کا باقی رکھا جانا

فرعون اور اس کی قوم مصر میں صاحبِ اقتدار تھے اس کے پاس اموال تھے۔ زیب وزنیت کے ساتھ رہتے تھے اور بنی اسرائیل جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر جا کر آباد ہو گئے تھے وہ وہاں پر پردیسی تھے اور چونکہ اہل مصر یعنی قبطیوں کی قوم میں سے نہ تھے اس لئے ان سے محنت کے کام لئے جاتے تھے بلکہ ان سے بیگاریں لیتے تھے۔ بنی اسرائیل مال کے اعتبار سے بھی بہت کمزور تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! آپ نے ان لوگوں کو دنیاوی ساز وسامان دیا ہے جو اس بات کا ذریعہ بن رہا ہے کہ وہ لوگوں کو آپ کے راستہ سے ہٹائیں اور گمراہ کریں، آپ انکے مالوں کو ختم فرما دیجئے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے تاکہ یہ دردناک عذاب دیکھنے تک ایمان نہ لائیں اور کفر کی سزا دنیا میں اور آخرت میں چکھ لیں۔ حضرت موسیٰؑ دعا کرتے جاتے تھے اور حضرت ہارونؑ آمین کہتے جاتے تھے، دعا کرنے والے کی دعا پر آمین کہنا بھی دعا میں شریک ہونا ہی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔ سو تم ثابت قدم رہو اور استقامت کے ساتھ کار مفوضہ انجام دیتے رہو۔ یعنی تبلیغ حق کا کام کرتے رہو اور جو لوگ نادان ہیں انکی راہ کا اتباع نہ کرو (تمہاری مدد کا وعدہ تو ہے لیکن اس کے ظہور میں دیر لگے اس دیر سے مت گھبرانا جیسا کہ وہ لوگ گھبرا جاتے تھے جو عادۃ اللہ کو نہیں جانتے اور جن کی اللہ کی حکمتوں پر نظر نہیں ہوتی) صاحب روح المعانی نے فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کی یہی تفسیر کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن جریج اور حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ چالیس سال کے بعد اس دعا کا نتیجہ ظاہر ہوا۔ فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہوا اور بنی اسرائیل نے ان کے شر سے نجات پائی۔

جب دعا کی قبولیت یعنی اس کا اثر ظاہر ہونے کا وقت آیا تو حسب فرمان باری تعالیٰ شانہٗ حضرت موسیٰ اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چل دیئے اور سمندر پر پہنچ گئے۔ سمندر پر لاٹھی ماری تو سمندر ٹھہر گیا اور اس کے ٹکڑے ہو گئے یعنی اس میں راستے نکل آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر اس میں سے گزر گئے۔ فرعون اور اس کی قوم کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ بنی اسرائیل کو مصر چھوڑ

کر صحیح سالم جانے دیں۔ یہ لوگ سینکڑوں سال سے بنی اسرائیل پر ظلم وزیادتی کرتے آرہے تھے ان کے چلے جانے سے متفکر ہوتے تھے کہ اب ہماری خدمت کون کرے گا ان کا تعاقب کرنے کے لئے فرعون اپنا لشکر لے کر آیا۔ یہ لوگ بنی اسرائیل کے پیچھے سمندر کے راستوں میں گھس گئے (جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیئے تھے) اور بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سمندر کو ملا دیا سارے راستے ختم ہو گئے اور سارا سمندر ایک ہو گیا، لہٰذا فرعون اور اس کے لشکری سب اس میں ڈوب گئے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ اور سورۂ شعراء اور سورۂ دخان میں بیان فرمایا ہے۔ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنا انعام یاد دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنَاكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔

(اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا۔ سو ہم نے تمہیں نجات دے دی اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور حالت یہ تھی کہ تم دیکھ رہے تھے۔)

جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ بنی اسرائیل جس ذات کے معبود ہونے پر ایمان لائے میں اسی ذات پر ایمان لاتا ہوں اور میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں اس کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کا دین قبول کر کے میں بھی غرق ہونے سے بچ جاؤں جیسا کہ یہ لوگ بچ گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جب موت کے احوال نظر آنے لگیں اس وقت کا ایمان معتبر نہیں لہٰذا اس وقت اس کا ایمان لانا اس کے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو یہ خطاب کیا گیا آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ (کیا اب تو ایمان لاتا ہے حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے ہے) روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس بات کے کہنے والے حضرت جرائیل یا حضرت میکائیل علیہ السلام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرعون کو یہ بھی کہا گیا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً۔ (سو آج ہم تیرے بدن کو نجات دے دیتے ہیں۔ یعنی تیری لاش کو پانی میں بہا دینے کی بجائے پانی کے اوپر تیرا دیتے ہیں تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانی بن جائے۔ بعد میں آنے والے تجھ سے عبرت لیں اور دیکھیں کہ اللہ کے باغی کا کیا انجام ہوا اور یہ بھی سمجھ لیں کہ دنیا میں کوئی شخص کیسا ہی سلطنت اور دبدبہ والا ہو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا، کوئی شخص اپنی سلطنت پر گھمنڈ نہ کرے۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيَاتِنَا لَغَافِلُوْنَ (اور بلاشبہ بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں) جو فکر نہیں کرتے اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اس آیت سے اتنا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا اس کی نعش کو پانی میں بہنے سے اور دریائی جانوروں کے کھانے سے محفوظ فرما دیا۔ اس نعش کو لوگوں نے دیکھا اور اس سے لوگوں کو بھی عبرت ہوئی کہ جو شخص اپنے کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور جسے معبود سمجھا جاتا تھا اس کا یہ انجام ہوا۔ سارا اقتدار تخت و تاج، محلات سب دھرے رہ گئے اور سمندر میں ڈوب کر نہ صرف وہ تنہا بلکہ اس کے لشکر بھی ہلاک ہو گئے، بنی اسرائیل کو بھی یقین آ گیا کہ ہمارا جو دشمن تھا وہ غرق ہو گیا اور جس کے ڈر سے بھاگے تھے اس کی ڈوبی ہوئی نعش کو نظروں کے سامنے دیکھ لیا اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ نے جو دعا کی تھی اس کی قبولیت واضح طور پر نظروں کے سامنے آ گئی۔

لفظ خَلْفَكَ جو فرمایا (جس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ تیرے پیچھے ہیں تو ان کے لئے عبرت بن جائے) اس کا عموم اس وقت کے موجودہ لوگوں کو بھی شامل ہے اور بعد میں آنے والوں کو بھی۔ لیکن قرآن مجید میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ کتنے عرصہ تک اس کی نعش کو محفوظ رکھا گیا۔ اس زمانہ کے لوگوں کو عبرت حاصل ہونے کے بعد اس کی نعش محفوظ نہ رہی ہو تو اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں اور اگر زمانہ دراز تک باقی رہی ہو تو یہ بھی ممکن ہے اہل مصر کو نعشوں پر مصالحہ لگا کر باقی رکھنے کا شوق تھا اور ان کو مصالحہ لگا کر باقی رکھتے تھے اس

مصالحہ کو ممی کہا جاتا تھا۔ تقریباً تین سو سال سے ممی لگائی ہوئی بہت سی نعشیں مصر میں نکل چکی ہیں اور ان میں فرعون کی نعش بھی بتائی جاتی ہے جو قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ یقینی طور پر ایسا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں فرعون کی نعش بھی ہے جو حضرت موسیٰ کا تعاقب کرتے ہوئے غرق ہوا تھا۔ کیونکہ شرعی سند سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔ مگر بعض ریسرچ کرنے والوں کا بیان ہے کہ مذکورہ عجائب گھر میں جو نعشیں محفوظ ہیں ان میں ایک نعش اس فرعون کی ہے موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

فائدہ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور آل فرعون کے لئے جو بددعا کی، کہ یہ لوگ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھیں۔

اس کے بارے میں یہ اشکال کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اپنے مخاطبین کے لئے گمراہی پر مرنے کی بددعاء کیسے فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون اور آل فرعون پر تبلیغ کی محنت کرنے اور ان سے ناامید ہوجانے کے بعد کی بات ہے اور یہ بددعا ایسی ہی ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے بددعا کی تھی، رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (اے رب زمین پر ایک بھی کافر باشندہ مت چھوڑ)

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کا اچھا ٹھکانہ دیا اور انہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں، سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس

الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ

علم پہنچ گیا۔ بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان چیزوں میں ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ سو اگر آپ کو اس میں شک ہے

مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔـلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ

جو ہم نے آپ کی طرف اتارا تو آپ ان لوگوں سے دریافت کر لیجئے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بلاشبہ آپ کے رب کے پاس سے آپ کے پاس حق

رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ

آ گیا ہے، سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جایئے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ورنہ آپ تباہ کاروں میں

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ

سے ہو جائیں گے۔ بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اگرچہ ان کے پاس تمام

اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾

دلیلیں آجائیں، جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ اور پاکیزہ رزق ملنا

فرعون اور اس کے لشکر تو ڈبو دیئے گئے اور بنی اسرائیل سمندر پار کر کے اپنے علاقہ فلسطین کے لئے روانہ ہو گئے۔ اپنی شرارتوں کی وجہ

سے چالیس سال میدان تیہ میں گھومتے رہے اس کے بعد انہیں اپنے وطن میں ٹھکانہ مل گیا اور یہ لوگ وہاں صاحب اقتدار ہو گئے۔ ٹھکانہ بھی اچھا ملا اور کھانے پینے کے لئے پاکیزہ چیزیں نصیب ہوئیں۔ اللہ کی ان عظیم نعمتوں پر انہیں زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مشغول رہنا چاہئے تھا۔ لیکن انہوں نے دین میں اختلاف شروع کر دیا اور جہل کی وجہ سے نہیں بلکہ علم پہنچنے کے بعد آپس میں اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۔ بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھے پہلے سے یہ لوگ آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں تھے۔ جب آپ تشریف لے آئے تو قرآن مجید سن لیا اور آپ کے بارے میں یہ جان لیا کہ آپ ہی اللہ کے آخری نبی ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے تو اختلاف کر بیٹھے۔ اکثر نے تکذیب کی اور معدودے چند ہی مسلمان ہوئے اللہ تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن فیصلہ فرمادے گا۔ مکذبین آتش دوزخ میں ہوں گے اور اہل ایمان نجات پائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا فَاِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ (الآیتین) اس میں بظاہر رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔ لیکن حقیقت میں اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو آپ کے بارے میں اور قرآن مجید کے بارے میں شک کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو وحی میں شک ہونے کا احتمال نہیں تھا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ اور يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ کہہ کر خطاب فرمایا ان میں صورت خطاب تو آپ کو ہے لیکن معنوی طور پر خطاب اہل ایمان کو ہے۔ اسی آیت بالا میں ظاہری خطاب آپ کو ہے اور مقصود وہ لوگ ہیں جو شک کی دلدل میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شک کرنے والے ان لوگوں سے پوچھ لیں جو پہلے سے کتاب پڑھتے تھے یعنی یہود و نصاریٰ سے معلوم کر لیں کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کی خبر ہے یا نہیں۔ اور اس بارے میں جو تمہارے پاس علم ہے اس کے مطابق آپ پر وہ صفات منطبق ہوتی ہیں یا نہیں؟ جو تم پڑھتے آئے ہو۔ اگر وہ ضد اور عناد کو چھوڑ کر حقیقت واقعہ کے مطابق بتائیں گے تو یہی بتائیں گے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور آپ پر جو کتاب نازل ہوئی واقعی اللہ کی کتاب ہے، بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ فان کنت میں جو خطاب ہے اس سے عام انسان مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اے انسان اگر تجھے اس وحی میں شک ہے جو بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ تیری طرف بھیجی ہے تو ان لوگوں سے دریافت کر لے جو اس سے پہلے اللہ کی کتاب یعنی توریت اور انجیل پڑھتے آ رہے ہیں وہ تجھے بتادیں گے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام نے آپ کی بعثت کی بشارتیں دی ہیں اور ان کی کتابوں میں آپ کی تشریف آوری کی خبر موجود ہے۔ یہ بات دل کو زیادہ لگتی ہے۔

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ بلاشبہ تیرے رب کی طرف سے حق آ گیا سو تو ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہو وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ اور ہرگز ان لوگوں میں سے نہ ہو جا جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ورنہ تو تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

پھر فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بلاشبہ جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے وہ کبھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (اگرچہ ان کے پاس تمام دلیلیں آ جائیں جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھیں) اس وقت ایمان لانا معتبر نہ ہوگا اور اس وقت کا ایمان عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ جیسا کہ فرعون نے ڈوبتے وقت یوں کہا تھا کہ میں اسی معبود پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے لیکن اس کا یہ ایمان

اس کے لئے کچھ کام نہ آیا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ

سو کوئی بستی ایمان نہ لائی جس کا ایمان لانا اسے نفع دیتا مگر یونس کی قوم کہ جب وہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی والا عذاب

عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

دنیاوالی زندگی میں ان سے ہٹا دیا۔ اور انہیں ہم نے ایک وقت تک فائدہ پہنچایا۔

عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا اور عذاب سے بچ جانا

اس سے پہلے فرعون کے تذکرہ میں فرمایا کہ ڈوبنے لگا تو ایمان لے آیا لیکن اس کا ایمان لانا نامقبول ہوا، دوسری آیات میں واضح طور پر بتایا گیا کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔ سورۂ ہود میں فرمایا یَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں دوزخ میں داخل کردے گا) اور سورۃ النازعات میں فرمایا۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى (سواللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا) اور سورۂ قصص میں فرمایا فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ۔

(ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔ سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا پیشوا بنایا تھا جو دوزخ کی طرف بلاتے رہے اور قیامت کے روز کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگادی اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے)

اور سورۂ والذاریات میں فرمایا فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ (سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا) اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جب عذاب نظر آجائے اس وقت ایمان قبول نہیں ہوتا۔ سورۂ مؤمن میں فرمایا فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۔ سو ان کو ان کا ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر فرمایا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے۔

اس قانون سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا استثناء فرمایا۔ ان لوگوں نے جب عذاب دیکھا تو ایمان قبول کرلیا اس پر اللہ تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا اور اس کے بعد ایک زمانہ تک وہ لوگ زندہ رہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی چیزوں کے ذریعہ فائدہ پہنچایا، ان میں ہر شخص اپنی اپنی موت پر مرتا رہا اور عذاب کے ذریعہ اجتماعی طور پر جو ہلاکت کا معاملہ ہوا۔ وہ ختم ہوگیا۔ آیت بالا میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے، حضرت یونس علیہ السلام نینوی بستی کے رہنے والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو موصل کی سرزمین (عراق) میں ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام ان پر محنت کرتے رہے ایمان کی دعوت دیتے رہے، انہوں نے ایمان قبول نہ کیا بالآخر حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے فرمایا تین دن کے اندر تم پر عذاب آجائے گا وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس شخص نے کبھی جھوٹ تو بولا نہیں ہمیں دیکھنا ہے کہ تیسری رات کو یہ

یہیں رہتے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ رات کو رہ گئے تو ہم سمجھیں گے کہ عذاب کچھ نہیں صرف دھمکی ہے اور اگر انہوں نے ہمارے ساتھ رات نہ گزاری تو ہم سمجھ لیں کہ صبح کو عذاب آنے والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام اسی رات میں وہاں سے نکل گئے جب صبح ہوئی تو ان کی قوم نے اپنی آنکھوں سے عذاب کے آثار دیکھ لیے۔ آسمان پر سخت سیاہ بادل چھا گئے اور دھواں نازل ہونے لگا جو ان کی بستی اور ان کے گھروں کی چھتوں پر چھا گیا۔ جب ہلاکت کا یقین ہو گیا تو ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا لیکن کہیں نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو توبہ کی طرف متوجہ فرمادیا۔ وہ اپنی جانوں، عورتوں، بچوں اور جانوروں کو لے کر میدان میں نکل گئے۔ ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی اور ایمان قبول کیا اور خوب زیادہ چیخے چلائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کے ساتھ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ یونس جو کچھ لے کر آئے تھے ہم اس پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی دعا قبول فرمائی اور عذاب روک دیا۔

ادھر یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت یونسؑ نے جب دیکھا کہ عذاب سے قوم ہلاک نہ ہوئی تو قوم کے سامنے آنے میں حجاب محسوس ہوا لہٰذا وہاں سے چلے گئے۔ دریا کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی حرکت کرنے لگی۔ ملاحوں نے کہا کہ تم لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ آیا ہے لہٰذا ہم قرعہ ڈال لیتے ہیں جس کا نام نکلے گا اسے دریا میں ڈال دیں گے۔ تین مرتبہ قرعہ ڈالا تو حضرت یونسؑ کا نام نکلا انہوں نے فرمایا کہ میں وہ غلام ہوں جو اپنے آقا کے فرمان کا انتظار کئے بغیر بھاگ آیا ہوں، لہٰذا انہوں نے اپنی جان کو سمندر میں ڈال دیا (چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم کو چھوڑ کر چلے جانے کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ عبد آبق (بھاگنے والا غلام) میں ہی ہوں۔ کشتی کے سارے سواروں کو بچانے کے لئے مجھے ہی اپنی جان کو سمندر میں ڈال دینا چاہئے۔ لہٰذا سمندر میں خود سے چھلانگ لگا دی اور ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ وہیں اللہ کو یاد کرتے رہے اور تسبیح میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں آپ کی حفاظت فرمائی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں کسی جگہ ذُوالنُّوْنِ اور کسی جگہ صَاحِبُ الْحُوْتِ فرمایا ہے (دونوں کا ترجمہ مچھلی والا) ان کا مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا واقعہ سورۂ انبیاء (رکوع ۶) اور سورۂ صافات (ع ۵) اور سورۂ ن والقلم (ع ۲) میں مذکور ہے۔ سورۂ صافات میں کشتی میں سوار ہونے اور قرعہ ڈالنے پھر سمندر سے باہر ڈال دیئے جانے اور ان کے اوپر کدو کا درخت اگا دینے کا تذکرہ ہے اور وہاں یوں فرمایا ہے فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۔ (جیسا کہ یہاں ایمان لانے پر عذاب ٹل جانے اور بعد میں آئندہ کچھ زمانہ تک دنیا سے نفع حاصل کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے تفصیل کے لئے سورۂ انبیاء اور سورۂ صافات کی تفسیر دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ نے عذاب کے آثار دیکھنے پر بھی حضرت یونسؑ کی قوم کی توبہ قبول فرمالی اور انہیں عذاب سے ہلاک نہ فرمایا اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے اسے پورا اختیار ہے کہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے تکوینی اور تشریعی قانون نافذ فرمائے اور جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے نجات دے۔

قال صاحب الروح (ص ۱۹۳ ج ۱۱) وظاهر الأية يستدعى ان القوم شاهدوا العذاب لمكان (كشفنا) وهو الـذى يقتضيه اكثر الاخبار و اليه ذهب كثير من المفسرين، ونفع الايمان لهم بعد المشاهدة من خصوصياتهم فان ايمان الكفار بعد مشاهدة ما وعدوا به ايمان بأس غير نافع لارتفاع التكليف حينئذ (یعنی ظاہر آیت کا مقتضا یہی ہے کہ قوم یونس نے عذاب کا مشاہدہ کر لیا تھا جیسا کہ لفظ کشفنا اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اور اکثر احادیث بھی اس کی مقتضی ہیں نیز اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے اور مشاہدہ عذاب کے بعد ایمان کا نافع ہونا قوم یونس کی خصوصیت ہے کیونکہ کفار کا موعودہ عذاب کے

مشاہدہ کے بعد ایمان لانا ایسا ہی ہے جیسا موت کے وقت ایمان لانا اس لئے اسکا کوئی فائدہ نہیں کہ اس وقت انسان مکلّف نہیں رہتا)

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے بھی لوگ ہیں سارے کے سارے ایمان لے آتے، کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے تاکہ وہ مؤمن ہو جائیں،

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور کسی شخص سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے، اور اللہ ان لوگوں پر گندگی واقع فرماتا ہے جو سمجھ نہیں رکھتے (۱)

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

آپ فرما دیجئے دیکھو لو آسمانوں میں اور زمین میں کیا چیزیں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں دلائل اور ڈرانے والی چیزیں نفع نہیں دیتیں۔

فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ

سو کیا وہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس انہیں لوگوں کے واقعات آجائیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کر لو

مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾

میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور اسی طرح ان لوگوں کو جو ایمان لائے، ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیں گے۔

ع ۱۱ ۱۵

اگر اللہ چاہتا تو سب ایمان قبول کر لیتے!

ان آیات میں اول تو یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں مؤمن بھی رہیں گے۔ کافر بھی رہیں گے۔ اللہ کی حکمت کا یہ تقاضا ہے اگر وہ چاہتا تو زمین کے بسنے والے سب انسان ایمان لے آتے، جب اللہ کی حکمت اسی میں ہے کہ زمین پر کافر بھی بسیں اور مؤمن بھی رہیں تو آپ کو اس پر اصرار نہ ہونا چاہے کہ سب لوگ مؤمن ہو جائیں، کیا آپ زبردستی کر کے لوگوں کو مؤمن بنائیں گے؟ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ زبردستی کر کے لوگوں کو مؤمن بنالیں، جو شخص مؤمن ہوتا ہے اللہ کے اذن یعنی اس کی مشیت سے مؤمن ہوتا ہے۔ ہاں یہ بات بھی ہے کہ لوگ عقل کو کام میں نہیں لاتے ایمان کی خوبی اور برتری انہیں ناپسند ہے اللہ تعالیٰ ان پر کفر کی گندگی واقع کر دیتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ تم غور کر لو اور دیکھ لو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا چیزیں ہیں؟ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی توحید پر کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔ دلیلیں بھی ہیں اور ڈرانے والی وعیدیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ پہنچی ہیں لیکن جو لوگ ضد اور عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے ان کو یہ چیزیں فائدہ نہیں دیتیں۔ اب جبکہ دلائل سامنے آ کر بھی ایمان نہیں لاتے تو انہیں کس چیز کا انتظار ہے؟ کیا وہ اس انتظار میں ہیں کہ ایسے واقعات ان کے سامنے آجائیں جو ان سے پہلی امتوں کے واقعات گزر چکے ہیں؟ انہوں نے تکذیب کی اور کفر کو اختیار کیا۔ پھر عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے خطاب کر کے فرمایا: قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ٥

---

۱) ......اس میں یہ بتایا کہ جو لوگ عقل کو کام میں نہیں لاتے کفر پر جمے رہنے ہی کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت ان کے ایمان سے متعلق نہیں ہوتی کما قال تعالیٰ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ.

(آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کرتے رہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں) تکذیب کرنے والوں کا جو حال بنے گا وہ سامنے آ جائے گا۔

آخر میں فرمایا ثُمَّ نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۔جب ہمارا عذاب آتا ہے تو ہم مکذبین کو ہلاک کر دیتے ہیں پھر اپنے رسولوں کو نجات دے دیتے ہیں اور اہل ایمان کو بھی اسی طرح نجات دیتے ہیں۔حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ (ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اہل ایمان کو نجات دیتے ہیں) اس میں اہل ایمان کو خوشخبری ہے اور مواقع عذاب سے نجات پانے کی بشارت ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو سو میں ان لوگوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو

وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠٤ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ

لیکن میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے ہو جاؤں۔ اور یہ بھی حکم ہوا کہ اپنی ذات کو اس دین کی طرف

لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٠٥ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اس طرح سے متوجہ رکھوں کہ دوسرے سب طریقوں سے علیحدہ رہوں اور یہ کہ ہرگز مشرکوں میں سے مت ہو جانا۔ اور تو اللہ کے سوا کسی کو مت پکار جو تجھے

مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠٦ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ

نفع نہ دے سکے اور نہ ضرر دے سکے، سو اگر تو نے ایسا کیا تو بلاشبہ تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے

بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۗ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

تو اللہ کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے تو اس کے فضل کو کوئی بھی ہٹانے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں

مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝١٠٧

سے جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے۔ اور وہ غفور ہے رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی لائق عبادت ہے وہی خیر اور ضرر کا مالک ہے اس کے فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا

ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرما دیں کہ تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہے تو یہ تمہاری جہالت اور گمراہی ہے حق میں شک کرتے ہو اور شرک سے چپکے ہوئے ہو تمہارے اس شک کا مجھ پر کوئی اثر کبھی بھی ہونے والا نہیں ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو میں کبھی بھی ان کی عبادت نہیں کر سکتا۔ اگر تم اس بھول میں ہو کہ میں کبھی العیاذ باللہ! تمہارا دین قبول کر لوں گا تو یہ تمہاری گمراہی اور خام خیالی ہے، میں تو اس ذات پاک کی عبادت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا جو تمہیں موت دیتا ہے تم اپنی جان کو عذاب سے بچانے کے لئے فکر کرو اور اگر تم نے دین توحید کو قبول نہ کیا اور دین شرک اور کفر پر تمہاری موت آ گئی تو تمہاری موت کے بعد کیا بنے گا؟ اس پر غور کر لو اور اس بارے میں بھی غور کر لو کہ خالق اور

مالک کی عبادت چھوڑ کر مخلوق کو معبود بنانا بے سمجھی اور ناعقلی کی بات ہے۔ یَتَوَفّٰکُمْ فرمایا اور یتوفانی نہیں فرمایا کیونکہ جو لوگ مخاطب تھے انہیں احساس دلانا تھا کہ تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا نہیں ہے مرنا بھی ہے۔

ان کو بتانا یہ مقصود تھا کہ تم مرو گے اور موت کے بعد زندہ کئے جاؤ گے اور کفر کی سزا پاؤ گے۔ اس کے بعد فرمایا وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ یعنی مجھے اللہ کی طرف سے حکم کیا گیا ہے کہ میں اللہ کے ان بندوں میں شامل رہوں جو اہل ایمان نہیں لہٰذا میں ایمان کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم کفر چھوڑ دو۔ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا (اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اپنی ذات کو اس دین (یعنی دین توحید) کی طرف اس طرح متوجہ رکھوں کہ دوسرے سب طریقوں سے علیحدہ رہوں۔ لہٰذا میں تمہاری طرف نہ مائل ہو سکتا ہوں اور نہ تم سے کوئی اونچ نیچ کر کے مصالحت اور مسامحت ہو سکتی ہے۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ (اور میرے رب نے یہ بھی فرمایا کہ ہرگز مشرکین میں سے مت ہو جانا) لہٰذا میں تو ہمیشہ موحد ہی رہوں گا۔ وھذا کما فی سورۃ الانعام: قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ.

(آپ فرما دیجئے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کا اتباع نہیں کرتا کیونکہ اس حال میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پر نہ رہوں گا)

اس کے بعد یوں فرمایا: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ (اور اے مخاطب اسے مت پکارو جو تجھے نفع نہ دے سکے اور نہ ضرر) جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس میں ان کی بے وقوفی اور حماقت بیان فرمائی، نفع اور ضرر کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جو شخص غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے اس نے غیر اللہ کو معبود بنا رکھا ہے جو ذرا بھی نفع یا ضرر نہیں دے سکتے۔

مزید فرمایا: فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ (سو اگر تو نے ایسا کیا یعنی غیر اللہ کی عبادت کی جو نفع اور ضرر کا مالک نہیں تو تو ظالموں میں ہو جائے گا) مشرک اپنی جان پر ظلم کرتا ہے جس کی سزا دوزخ کا عذاب ہے اور اپنی عقل و فہم پر بھی ظلم کرتا ہے۔ مشرکین کا اتباع کرتا ہے اور اپنی عقل سے نہیں سوچتا کہ میں کس کو پوجتا ہوں، مجھے اس سے کیا فائدہ ہے؟ اور اس کی عبادت نہ کروں تو مجھے کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ خالق اور مالک کو چھوڑ کر اپنے سے بھی کم حیثیت والی مخلوق کی عبادت کرنا جو نہ بولے اور نہ سنے اور جو اپنی تراشی اور بنائی ہوئی ہے یہ اپنی جان اور اپنی عقل و فہم پر ظلم کرنا نہیں ہے تو کیا ہے؟

پھر فرمایا وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ (اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی ضرر پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں)

وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (اور اگر تجھے کوئی خیر پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو اس کے فضل کو کوئی بھی رد کرنے والا نہیں ہے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بتایا کہ جسے اللہ کی طرف سے جو بھی کوئی خیر پہنچ جائے وہ محض اللہ کا فضل ہے۔ اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچا دے) فضل کا عموم دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں کو شامل ہے۔

پھر فرمایا: وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (اور وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے)

مغفرت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔ اس سے آخرت کی نجات ہوتی ہے۔ نیز حصول جنت کا ذریعہ ہے۔ جس سے بڑی کوئی نعمت

نہیں اور وہ رحیم بھی ہے۔ رحمت کے عموم میں دنیاوی نعمتوں کا ہر دکھ تکلیف سے بچانے کا تذکرہ آ گیا۔ اس میں بھی مشرکین پر تعریض ہے کہ ایسے غفور اور رحیم کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہو جن سے کچھ بھی ملنے والا نہیں نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے سو جو شخص ہدایت پائے وہ اپنی ہی جان کے لئے ہدایت پاتا ہے

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ

اور جو شخص گمراہی میں رہے تو اس کی گمراہی اسی کے نفس پر پڑنے والی ہے۔ اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔ اور آپ اس کا اتباع کیجئے، جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے،

وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾

اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

ہدایت کا نفع اور گمراہی کا نقصان انسان کو ذاتی طور پر خود پہنچتا ہے

یہ سورۂ یونس کی آخری دو آیات ہیں اس سے چار آیات پہلے تمام انسانوں کو خطاب تھا اور اب سورت کے ختم پر آنحضرت سرور عالم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تمام انسانوں سے فرمادیں کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ پہنچا ہے اسے قبول کرو اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا ہوں کہ تم سے قبول کروا کے چھوڑوں۔ جو شخص قبول کرے گا ہدایت کی طرف آئے گا اس کا نفع اس کی جان ہی کو ہوگا اور جو شخص گمراہی پر جمار ہے اور حق کا اتباع نہ کرے اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا۔ ہدایت پر آنا یا گمراہی پر جمار ہنا یہ ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے ہدایت کا نفع ہدایت والے ہی کو پہنچے گا۔ وہ آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہوگا اور جو شخص گمراہ ہوگا اس کی گمراہی اسے دوزخ میں پہنچا دے گی، لہٰذا اپنا نفع و نقصان ہر شخص خود ہی سمجھ لے اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے۔ اس کا اتباع کیجئے۔ اتباع وحی میں دعوت و تبلیغ کا کام بھی ہے اس کام کے کرنے پر لوگوں سے تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ آپ ان تکلیفوں پر صبر کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کیجئے وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے، جو لوگ حق کو قبول نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و عدل کے مطابق ان کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔ دنیا میں اور آخرت میں یا صرف آخرت میں مبتلائے عذاب ہوں گے۔

قال صاحب الروح (ص ۲۰۴ ج ۱۱) ولا يخفى مافى هٰذه الأيات من الموعظة الحسنة وتسلية النبى صلى الله عليه وسلم ووعد للمؤمنين والوعيد للكافرين۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان آیات میں جو عمدہ نصیحت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے اور مؤمنوں کے لئے وعدہ اور کافروں کے لئے وعید ہے وہ واضح ہے)

والحمد لله تعالىٰ رب العٰلمين والصلٰوة والسلام على سيدالمرسلين الذى يؤنس ذكره قلوب الموحدين وعلى اٰله وصحبه اجمعين.

☆☆☆.................☆☆☆

مکی	سورۂ ہود	۱۲۳ آیتیں ۱۰ رکوع

آیاتہا ۱۲۳ (۱۱) سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ (۵۲) رکوعاتہا ۱۰

سورۂ ہود مکہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۲۳ آیات اور ۱۰ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ

الٓرٰ ط یہ کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئیں پھر واضح طور پر بیان کی گئی ہیں حکمت والے باخبر کی طرف سے ہے۔ یہ کہ تم اللہ کے

اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ

سوا کسی کی عبادت نہ کرو بے شک میں تمہیں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں۔ اور یہ بات کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے

مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ

حضور میں توبہ کرو، وہ تمہیں مقرر کردہ اجل تک خوش عیش زندگی دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کا ثواب عنایت فرمائے گا اور اگر تم اعراض کرو تو میں

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ تم کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے،

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ

خبردار وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپالیں خبردار جب وہ اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیتے ہیں وہ اس وقت سب باتیں

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

جانتا ہے جو پوشیدہ طور پر کرتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں، بلاشبہ وہ سینوں کے اندر کی چیزوں کو جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کے حضور توبہ کرنے پر انعام کا وعدہ اور اعراض کرنے والوں کے لیے وعید

یہاں سے سورۂ ہود شروع ہے اس کا پیشتر حصہ (از رکوع ۳ تا رکوع ۸) متعدد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے

واقعات پر مشتمل ہے یہ قومیں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی نافرمانی اور ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ ہلاک ہوئیں ان کے واقعات میں امت حاضرہ کے لئے بڑی عبرت ہے ان واقعات کے شروع کرنے سے پہلے توحید کی دعوت دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق وایجاد کا اور منکرین کی ہٹ دھرمی کا تذکرہ فرمایا ہے اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور اہل ایمان کو بشارت ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب ایسی ہے جس کی آیات محکم کی گئی ہیں پھر ان آیات کو واضح طریقے پر بیان کر دیا گیا ہے اور اس کی کتاب توضیح ایسی ذات پاک کی طرف کی گئی ہے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی ہے اس کتاب میں خوب زیادہ واضح طور پر یہ بتادیا گیا ہے کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور ساتھ ہی نبی کا کام بھی بتادیا جن پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے یعنی یہ کہ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ ۝ (بلاشبہ میں تمہیں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں) مزید فرمایا وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ (اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو) یعنی کفر کو چھوڑ واور اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کے حضور میں اعمال صالحہ پیش کرتے رہو اور گناہوں سے بچتے رہو جب کبھی گناہ ہو جائے تو توبہ کرو پھر توبہ واستغفار کا دنیاوی اور اخروی فائدہ بتایا یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا (اللہ تمہیں خوش عیش اچھی زندگی عطا فرمائے گا) یہ خوش عیش زندگی ایک وقت مقررہ تک ہوگی جب تقدیر کے مطابق اجل آجائے گی اور موت واقع ہوگی اس وقت تک یہ عمدہ زندگی ہی رہے گی اور آخرت میں تو اہل ایمان کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ پھر فرمایا یُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ (اور ہر فضیلت والے کو جو زیادہ عمل صالح کرے اس کے اعمال فاضلہ کا بدلہ عطا فرمائیگا) اس میں آخرت کے اجر وثواب کا ذکر ہے، ثواب تو تھوڑے سے عمل کا بھی ملے گا لیکن زیادہ عمل والے کا خصوصیت کے ساتھ جو ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں نے بہت نیک عمل کر لئے اب آگے کیا نیک عمل کروں جو جس قدر زیادہ عمل کرے گا اسی قدر ثواب پائے گا۔ واضح رہے کہ خوش زندگی کے لئے پیسہ زیادہ ہونا ضروری نہیں۔ اصل راحت دل کی راحت اور دل کا اطمینان ہے جو اہل ایمان کو نصیب ہوتا ہے اور یہ بہت بڑی زندگی ہے پھر اس زندگی میں اہل ایمان کو جو تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں ان کا ثواب آخرت میں ملے گا۔ ان تکلیفوں کے پہنچنے سے بھی آیت کے مضمون پر اشکال نہ کیا جائے کیونکہ اہل ایمان ان میں بھی لذت محسوس کرتے ہیں اور ان کا اجر وثواب جو آخرت میں موعود ہے اس کا یقین رکھنے کی وجہ سے روحانی تکلیف ہوتی ہی نہیں البتہ کبھی کبھی جسمانی تکلیف ہو جاتی ہے، نیز یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یُمَتِّعْکُمْ فرمایا ہے۔

یمتع کُلَّکُمْ نہیں فرمایا اور فِیْ کُلِّ الْاَزْمَانِ وَالْاَحْوَالِ نہیں فرمایا۔ لہٰذا اگر کبھی کبھی کسی کسی کو تکلیف پہنچ جائے تو یہ آیت کے مفہوم کے معارض نہیں۔ برخلاف اس کے آخرت کا ثواب کا ذکر فرماتے ہوئے یُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ۔ فرمایا یعنی ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب ملے گا اس میں لفظ کل کا اضافہ ہے پھر فرمایا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ ۝ اور اگر تم اس سے اعراض کرو جو میں نے تم کو بتایا نہ توحید کو مانو نہ بشارت کو قبول کرو۔ نہ ڈرانے کا اثر لو تو مجھے اندیشہ ہے کہ تم بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یَوْمٍ کَبِیْرٍ (بڑے دن) سے قیامت کا دن مراد ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے دنیاوی عذاب مراد ہے۔

اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) اسے سب کو لوٹانے پر قدرت ہے اور ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دینے پر قدرت ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ کا سبب نزول .... پھر فرمایا اَلَآ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ (الآیة) اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے معالم التنزیل ص ۳۷۳ ج ۲ میں عبداللہ بن شداد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی جس کا

طریقہ یہ تھا کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب سے گزرتا تھا تو اپنا سینہ پھیر کر اور کمر کو خم دے کر اور سر جھکا کر اور چہرہ کو ڈھک کر جاتا تھا تا کہ آنحضرت ﷺ اسے نہ دیکھ سکیں اور حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ منافقین اپنے سینوں کو پھیر کر بیٹھے تھے تا کہ اللہ کی کتاب نہ سن پائیں اور اللہ کا ذکر ان کے کانوں میں نہ آ جائے اور بعض حضرات سے یوں بھی نقل کیا ہے کہ بعض کافر گھر میں داخل ہو کر پردہ ڈال کر اپنی کمر کو موڑ کر اور کپڑا اوڑھ کر لیٹ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا اللہ کو اب بھی معلوم ہوگا جو کچھ میرے دل میں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خبردار وہ لوگ اپنے سینے کو موڑتے ہیں تا کہ اللہ سے چھپ جائیں۔ خوب سمجھ لیں کہ جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

اقوال اور افعال جو ظاہری چیزیں ہیں وہ ان کو اور دلوں کے ارادوں اور وسوسوں کو اور سب کو جانتا ہے آخری الفاظ یعنی اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔ میں بتا دیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں بغض اور کینہ میں مرے جاتے ہیں اسلام کے خلاف جو سازشیں کرتے ہیں اور تدبیریں سوچتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے۔

☆☆☆..................☆☆☆